عمدۃ المتکلمین زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حجۃ الاسلام امام

ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ
۵۰۵

کی تحقیق انیق اور علوم معارف کے بے بہا خزانہ

احیاءِ علوم الدین

المعروف احیاء العلوم کا بامحاورہ مستند اردو ترجمہ

مِصباحُ السالِکین

مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی

پروگریسو بکس

عُمدة المتکلمین زبدة العارفین قُدوة السالکین حجة الاسلام امام

ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ

کی تحقیقِ انیق اور علوم و معارف کے بے بہا خزانہ

احیاءِ علوم الدّین

المعروف احیاء العلوم کا بامحاورہ مستند اردو ترجمہ

مِصباحُ السّالکین

مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی

جلد سوم

پروگریسو بکس

۴۰-بی اردو بازار، لاہور

فون: ۷۳۵۲۷۹۵

نام کتاب	....	احیاء العلوم
مصنف	....	حجتہ الاسلام حضرت امام محمد غزالیؒ
مترجم	....	مولانا محمد صدیق ہزاروی سعیدی
جلد	....	سوم
حوالہ جات	....	حق نواز نقشبندی
تصحیح / پروف ریڈنگ	....	مولانا محمد یلیین قصوری / محمد عبداللہ قادری
		مولانا محمد اختر رضا القادری / محمد ادریس قادری
پرنٹرز	....	حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز' لاہور
ناشر	....	چوہدری غلام رسول
		میاں جواد رسول
قیمت	....	مکمل 4 جلد سیٹ

فہرست مضامین احیاء العلوم جلد سوئم

۱۔ قلبی عجائب کی تشریح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کے جلال کا ادراک کرنے سے تمام دل حیران ہیں اور اس کے انوار کی ادنیٰ تجلی سے آنکھیں حیران ہیں وہ دلوں کے پوشیدہ رازوں پر مطلع ہے اور سینوں میں مخفی امور کو جانتا ہے اپنی مملکت کی تدبیر میں مشیروں اور وزیروں سے بے نیاز ہے، دلوں کو بدلنے والا، گناہوں کو بخشنے والا، عیبوں کو چھپانے والا اور غموں کو دور کرنے والا ہے، اور رسولوں کے سردار، دین کے متفرقات کے جامع اور ملحدین کی جڑ کاٹنے والے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی پاک آل پر رحمت اور بہت زیادہ سلام ہو۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد! انسان کی شرافت وفضیلت جس کے باعث وہ تمام مخلوق پر فوقیت رکھتا ہے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی استعداد رکھتا ہے اور یہ استعداد دنیا میں انسان کا جمال، کمال اور فخر ہے۔ اور آخرت میں اس کا سامان اور ذخیرہ ہے۔

انسان معرفتِ خداوندی کے لیے دل سے تیار ہوتا ہے کسی عضو کے ساتھ نہیں دل ہی اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے اسی کے لیے وہ امور روشن وظاہر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اعضاء تو محض اس کے تابع اور خادم ہیں اور یہ آلات ہیں جن سے دل خدمت لیتا ہے اور انہیں اسی طرح استعمال کرتا ہے جیسے مالک اپنے غلام سے حاکم اپنی رعایا سے اور کاریگر اپنے اوزار سے کام لیتا ہے۔

دل جب غیر اللہ سے محفوظ ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے لیکن جب غیرِ خدا میں مشغول ہو تو اللہ تعالیٰ سے پردے میں ہوتا ہے اسی سے مطالبہ ہے وہی مخاطب ہے اسی کو عتاب وجھڑک ہوتی ہے اور وہی ہے جو قرب خداوندی کی سعادتوں سے مالا مال ہو کر فلاح پاتا جب اللہ تعالیٰ اسے پاک کردے اور وہی ہے جو نامراد و بدبخت ہوتا ہے جب میلا اور گندہ ہو حقیقت میں دل ہی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اعضاء سے جو عبادات صادر ہوتی ہیں وہ قلبی انوار ہیں۔

دل ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا اور سرکشی کرتا ہے اعضاء سے جو برائیاں ظاہر ہوتی ہیں وہ اسی کے آثار ہیں اسی کی روشنی اور تاریکی سے خوبیاں اور برائیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں کیونکہ ہر برتن سے وہی چیز باہر آتی ہے جو اس میں ہوتی ہے۔

دل ہی وہ چیز ہے کہ اس کی معرفت ہو جانے سے نفس کی پہچان حاصل ہوتی ہے اور جب آدمی کو نفس کی پہچان حاصل

ہو جائے تو اسے اپنے رب کی پہچان حاصل ہو جاتی ہے۔

اور دل ہی وہ چیز ہے کہ اس کی پہچان نہ ہونے سے انسان اپنے نفس سے جاہل رہتا ہے اور جب اپنے نفس کی پہچان نہ ہو تو وہ اپنے رب سے بھی جاہل رہتا ہے اور جس کو اپنے دل کا علم نہ ہو وہ دوسروں سے زیادہ غافل و جاہل ہوتا ہے۔ اور اکثر لوگ اپنے دلوں اور نفسوں سے جاہل ہیں اور ان کے اور ان کے نفسوں کے درمیان حجاب ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ۔ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ (۱)

اور اس کا حائل ہونا یہ ہے کہ وہ اسے اپنے مشاہدے، مراقبے اور اپنی صفات کی معرفت سے روک دیتا ہے اور اسے اس بات کے علم سے بھی روک دیتا ہے کہ انسان، رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان بدلتا رہتا ہے (۲) کبھی اس کا میلان اسفل السافلین کی طرف ہوتا ہے تو وہ شیطانوں کی حد تک جھک جاتا ہے اور کبھی اعلیٰ علیین تک بلند ہو کر ملائکہ مقربین کی دنیا تک پہنچ جاتا ہے۔

اور جس آدمی کو اپنے دل کی معرفت حاصل نہ ہو کہ وہ اس کی حفاظت اور نگہبانی کرے اور اس میں جو ملکوتی خزانے ہیں ان کا امیدوار ہو تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۳) انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چھوڑ دیا وہی لوگ فاسق ہیں۔

تو دل اور اس کے اوصاف کی حقیقت کی معرفت دین کی اصل اور طریقۂ سالکین کی بنیاد ہے۔

پس جب ہم نے کتاب کے نصف اول میں ظاہری اعضاء سے متعلق امور یعنی عبادات و عادات کے بیان سے فراغت حاصل کر لی اور وہ علم ظاہر ہے تو ہم نے وعدہ کیا تھا کہ ہم ان ہلاک کرنے والی اور نجات دینے والی صفات کا ذکر کریں گے جو دل پر وارد ہوتی ہیں اور یہ باطنی علم ہے تو ہم پر لازم ہے کہ ہم دو باتوں کو پہلے بیان کریں۔

ایک دل کی صفات و اخلاق کے عجائب کی شرح اور دوسری دل کی ریاضت اور تہذیبِ اخلاق، پھر ہم ہلاک کرنے والے اور نجات دینے والے امور کو تفصیلاً بیان کریں گے۔

---

(۱)

(۲) اللہ تعالیٰ انگلیوں اور باقی اعضاء سے پاک ہے اس کی قدرت مراد ہے۔

(۳) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۱۹

اب ہم شرحِ عجائبِ قلب کو ضرب الامثال کے طور پر بیان کریں گے تاکہ لوگ سمجھ سکیں کیونکہ اس کے عجائب اور داخلی اسرار جو عالمِ ملکوت سے متعلق ہیں ان کو واضح الفاظ میں بیان کریں تو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔

نفس، روح، قلب اور عقل:

ان ابواب میں یہ چار الفاظ استعمال ہوں گے جید علماء میں سے بھی کم حضرات ایسے ہیں جو ان اسماء، ان کے معانی میں اختلاف، ان کی حدود اور ان کے مصداق کا احاطہ کر سکیں۔ اور عام طور پر مغالطے کی بنیاد ان نام اسماء کے معانی سے ناواقفیت اور مختلف معانی میں ان کا اشتراک ہے ہم ان کے معانی کے سلسلے میں وہ بات ذکر کریں گے جو ہماری غرض ہے۔

قلب:

لفظ قلب دو معنوں پر بولا جاتا ہے ایک صنوبری شکل کا گوشت ہے (یعنی گول لمبا مخروطی) جو سینے کی بائیں جانب رکھا گیا ہے اور یہ مخصوص گوشت ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے اور اس میں سیاہ خون ہے یہ رُوح کا منبع اور معدن ہے ہم اس وقت اس کی شکل اور کیفیت کی تشریح کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اس سے ڈاکٹروں کی غرض متعلق ہوتی ہے دینی غرض کا اس سے کوئی تعلق نہیں یہ دل جانوروں بلکہ فوت شدہ لوگوں کے پاس بھی ہوتا ہے ہم اس کتاب میں جب بھی دل کا مطلق ذکر کریں گے تو اس سے یہ دل مراد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تو گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس کی کوئی قدر نہیں۔ اور یہ ظاہری اور محسوس عالم سے تعلق رکھتا ہے حتیٰ کہ اسے جانور بھی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں انسان تو در کنار۔

قلب (دل) کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ ایک روحانی ربانی لطیفہ ہے اور اس کا اس جسمانی قلب سے تعلق ہوتا ہے اور یہ لطیفہ انسانی حقیقت کہلاتا ہے اور انسان کے اندر ادراک کرنے والا، عالم اور عارف یہی قلب ہے اسی کو خطاب ہوتا ہے اسی کو عتاب ہوتا ہے اور اسی سے باز پرس ہوگی۔ اور اس کا جسمانی دل سے ایک تعلق ہے عالم لوگوں کی عقل اس تعلق کی وجہ کو سمجھنے سے حیران ہے کیونکہ اس کا تعلق جسمانی دل سے اس طرح ہے جس طرح عرض کا جسم سے، صفت کا موصوف سے کاریگر کا آلہ سے اور مکین کا مکان سے تعلق ہوتا ہے ہم اس کی شرح بیان کرنے سے دو وجہ سے گریز کرتے ہیں ایک یہ کہ اس کا تعلق علوم مکاشفہ سے ہے اور اس کتاب سے ہماری غرض علوم معاملہ سے ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی تحقیق، رُوح کا راز فاش ہونے پر موقوف ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جن کے بارے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو نہیں فرمائی (۱) اس لیے کسی دوسرے کو بھی اس میں کلام کرنے کا حق نہیں، غرضیکہ جب ہم اس کتاب میں لفظ قلب استعمال کرتے ہیں تو اس سے وہی لطیفہ مراد لیتے ہیں اور ہماری غرض ان کے اوصاف اور احوال کو بیان کرنا ہے اس کی ذاتی حقیقت کو بیان کرنا مقصود نہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۸۶ کتاب التفسیر۔

رُوح :

اس سلسلے میں ہماری غرض سے جو بات متعلق ہے تو اس کا اطلاق بھی دو معنوں پر ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ایک لطیف جسم ہے جس کا منبع جسمانی قلب کا اندرونی خالی حصہ ہے اور وہاں سے یہ شریانوں کے ذریعے تمام اجزائے جسمانی تک پہنچتی ہے اور بدن میں جاری ہوتی ہے اور اس سے انوار حیات، احساسات دیکھنا، سننا اور سونگھنا وغیرہ کا فیضان اعضاء کو حاصل ہوتا ہے اور یہ اس چراغ کی روشنی کی طرح ہے جو گھر کے کونے میں رکھا ہوتا ہے وہ روشنی گھر کے جس حصے میں پہنچتی ہے اسے روشن کر دیتی ہے زندگی اس روشنی کی طرح ہے جو دیواروں پر ہوتی ہے اور رُوح چراغ کی طرح ہے روح کا باطن میں جاری ہونا اور حرکت کرنا اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص گھر کے کسی کونے میں چراغ کو حرکت دے۔

طبیب لوگ جب لفظ رُوح بولتے ہیں تو اس سے یہی معنیٰ مراد لیتے اور یہ ایک لطیف بخار ہے جسے دل کی حرارت پکا کرتی ہے۔

اس کی تشریح بھی ہماری غرض میں شامل نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق ڈاکٹروں سے ہے جو بدنوں کا علاج کرتے ہیں۔

لیکن جو لوگ دینی معالج ہیں اور دل کا علاج کرتے ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچا دیں وہ اس روح کی شرح سے بالکل بحث نہیں کرتے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ ایک لطیفہ ہے جو علم رکھتا ہے اور ادراک کرتا ہے اور انسان میں پایا جاتا ہے اور یہ وہی بات ہے جو ہم نے دل کے معانی کے سلسلے میں ایک معنیٰ کے ضمن میں بیان کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا مصداق بھی یہی ہے۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ۔ (۱) آپ فرما دیجئے روح میرے رب کا ایک حکم ہے۔

اور یہ ایک عجیب ربانی امر ہے اکثر عقلیں اور افہام اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

نفس :

یہ لفظ بھی کئی معانی میں مشترک ہے اور ہماری غرض اس کے دو معنوں سے متعلق ہے ایک وہ معنیٰ جو انسان میں پائی جانے والی غضب و شہوت کی قوت کا جامع ہے عنقریب اس کی تشریح ہو گی اہل تصوف میں عام طور پر یہی معنیٰ مشہور ہے کیونکہ وہ نفس سے وہ اصل مراد لیتے ہیں جو انسان کی مذموم صفات کا جامع ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا اور خواہشات کو توڑنا ضروری ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

أَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۸۵

جَنْبَیْکَ ۔ (۱) کے درمیان ہے۔

دوسرا معنیٰ وہی لطیفہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور حقیقت میں یہی انسان ہے نفسِ انسان اور ذاتِ انسان بھی یہی ہے لیکن یہ مختلف احوال کے اعتبار سے مختلف اوصاف سے موصوف ہوتا ہے جب یہ حکم کے تحت سکون اختیار کرتا ہے اور خواہشات سے مزاحمت کرتے کرتے اس کا اضطراب دور ہوجاتا ہے تو اسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے اس قسم کے نفس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۔ (۲)

اے مطمئن نفس! اپنے رب کی طرف اس طرح لوٹ جا کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔

پہلے معنیٰ کے اعتبار سے نفس کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا تصور نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے اور یہ شیطان کی جماعت سے ہے اور جب اس کا سکون کامل نہیں ہوتا لیکن نفس شہوانی کو روکتا رہتا ہے اور اس پر معترض ہوتا ہے تو اسے نفس لوّامہ کہتے ہیں کیونکہ جب انسان اپنے مولیٰ کی عبادت میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اسے ملامت کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ (۳)

میں نفس لوّامہ کی قسم کھاتا ہوں۔

اور اگر نفس اعتراض کرنا چھوڑ دے بلکہ شہوات کے تقاضوں کے پیچھے چلے اور ان کے سامنے جھک جائے نیز شیطان کی طرف بلانے والی باتوں کو مانے تو اسے امارہ بالسوء (برائی کا حکم دینے والا نفس) کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام یا عزیز مصر کی بیوی کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ ۔ (۴)

اور میں اپنے نفس کو بری الذمہ قرار نہیں دیتا ہے شک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے۔

یہ کہنا بھی جائز ہے کہ امارہ بالسوء سے مراد وہ نفس ہے جو پہلے معنیٰ سے متعلق ہے کیونکہ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے نفس نہایت درجہ قابلِ مذمت ہے اور دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے تعریف کے قابل ہے کیونکہ یہ نفس انسان یعنی اس کی ذات و حقیقت

---

(۱) کتاب الزھد الکبیر ص ۱۹۰ حدیث ۳۴۵

(۲) قرآن مجید، سورۃ الفجر آیت ۲۷

(۳) قرآن مجید، سورۃ قیامۃ آیت ۲

(۴) قرآن مجید سورۃ یوسف آیت ۵۲

ہے جو اللہ تعالیٰ اور باقی تمام معلومات کا علم رکھتا ہے۔

عقل:

لفظ عقل بھی کئی معانی میں مشترک ہے جو ہم نے کتاب العلم میں ذکر کئے ہیں اور ان سب میں سے صرف دو معنیٰ ہماری غرض سے متعلق ہیں ایک یہ کہ اس سے حقائقِ امور کا علم مراد ہوتا ہے تو اس علم کی وہ صفت مراد ہے جس کا محل دل ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے مراد علوم کا ادراک کرنے والا وصف ہے پس یہ دل ہوگا یعنی وہی لطیفہ (جو دل کہلاتا ہے۔)

اور ہم جانتے ہیں کہ جو بھی عالم ہے وہ ذاتی طور پر ایک وجود رکھتا ہے اور وہ خود بخود قائم ہے اور علم ایک صفت ہے جو اس میں حلول کئے ہوئے ہے اور صفت، موصوف کا غیر ہوتی ہے اور عقل سے بعض اوقات، عالم کی صفت مراد ہوتی ہے اور بعض اوقات اسے محل ادراک یعنی وہ چیز جس کا ادراک کیا جائے مراد ہوتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے یہی مراد ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ (۱) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا۔

کیونکہ علم تو ایک غرض ہے (جو دوسروں کے ساتھ قائم ہوتا ہے) جس کا سب سے پہلے پیدا ہونا مقصود نہیں ہو سکتا بلکہ ضروری ہے کہ اس کا محل پہلے یا اس کے ساتھ پیدا ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ اسے خطاب کرنا بھی ممکن نہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"آگے آ تو وہ آگے آگئی پھر فرمایا پیچھے چلی جا تو وہ چلی گئی۔" (۲)

جب تمہارے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان ناموں کے معانی موجود ہیں اور قلب جسمانی، روح جسمانی، نفس شہوانی اور علوم ہیں۔ تو ان چار معانی پر ان چار الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے اور پانچواں معنیٰ وہ لطیفہ ہے جو انسان کے اندر ہوتا ہے جو ادراک کرتا ہے اور یہ چاروں الفاظ اس کو شامل ہیں تو معانی پانچ ہیں اور الفاظ چار ہیں اور ہر لفظ دو معنوں پر بولا جاتا ہے۔

ان الفاظ کا اختلاف اور اشتراک مشتبہ ہو گیا چنانچہ تم دیکھو گے کہ وہ خواطر (خاطر دل کو کہتے ہیں) کی بحث میں کہتے ہیں یہ خاطرِ عقل ہے، یہ خاطرِ روح ہے، یہ خاطرِ قلب ہے اور یہ خاطرِ نفس ہے اور ناظر کو ان اسماء کے معانی کے درمیان اختلاف کا ادراک نہیں ہوتا۔

تو اسی پردے کو دور کرنے کے لیے ہم نے ان اسماء کی شرح کو مقدم کیا تو قرآن پاک اور حدیث شریف میں لفظ قلب

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۷ ص ۱۸ اسامہ ترجمہ ۳۹۰

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۳۴ حدیث ۸۰۸۶

منقول ہو تو اس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان میں سمجھی جاتی ہے اور اسے حقیقتِ اشیاء کا عرفان حاصل ہوتا ہے اور بعض اوقات کنایتاً اس قلب پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو سینے میں ہے کیونکہ اس لطیفہ اور قلبِ جسمانی کے درمیان ایک خاص قسم کا تعلق ہوتا ہے اگرچہ یہ تمام بدن سے متعلق ہے اور اس کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا تعلق قلبِ جسمانی کے واسطہ سے ہے یعنی اس مذکورہ لطیفہ کا تعلق پہلے قلبِ جسمانی سے ہوتا ہے گویا وہ اس کا محل، مملکت، عالم اور سواری ہے اسی لیے حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے دل کو عرش سے اور سینے کو کرسی سے مشابہت دی ہے انہوں نے فرمایا قلب عرش ہے اور سینہ کرسی ہے، اور اس سے نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان کے خیال میں اس اللہ تعالیٰ کا عرش و کرسی مراد ہے کیونکہ یہ محال ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ قلب جسمانی اور سینہ لطیفہ ربانیہ کے لیے سلطنت ہے کیونکہ اس کا پہلا تصرف اور تدبیر اسی پر نافذ ہوتی ہے تو یہ دونوں (قلب جسمانی اور سینہ) لطیفہ ربانیہ کی نسبت سے اسی طرح ہیں جس طرح عرش و کرسی کو اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے۔ اور یہ تشبیہ بھی صرف بعض طریقوں سے صحیح قرار پاتی ہے اس کی تشریح بھی ہماری غرض سے متعلق نہیں لہٰذا ہم آگے بڑھتے ہیں۔

قلبی لشکر:

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ـ (۱) اور تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔

تو دلوں، ارواح اور ان کے علاوہ عالمین میں اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے لشکر ہیں جن کی حقیقت اور تعداد کی تفصیل وہی جانتا ہے ہم اب دل کے بعض لشکروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور وہی ہماری غرض سے متعلق ہیں۔

دل کے لشکر دو قسم کے ہیں ایک وہ لشکر ہے جو آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے اور دوسرا لشکر آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔

تو دل بادشاہ کی طرح ہے اور لشکر خدام اور مددگار لوگوں کی طرح ہیں لشکر کا یہی مفہوم ہے۔

اس کا وہ لشکر جو آنکھ سے دکھائی دیتا ہے وہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ زبان اور باقی تمام ظاہری اور باطنی اعضاء ہیں یہ تمام کے تمام دل کے خادم ہیں اور اس کے قابو میں ہیں وہی ان سب میں تصرف کرتا ہے اور ان کو اِدھر اُدھر پھیرتا ہے وہ تمام اس کی اطاعت پر مجبور ہیں اس سے اختلاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ اس سے سرکشی اختیار کر سکتے ہیں جب وہ آنکھ کو کھلنے کا حکم دیتا ہے تو وہ کھل جاتی ہے جب وہ پاؤں کو حرکت کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ حرکت کرتا ہے اور جب وہ زبان کو بولنے کا حکم دیتا ہے تو وہ بولتی ہے اسی طرح باقی اعضاء کا معاملہ بھی ہے۔

دل کے لیے اعضاء کا مسخر ہونا اسی طرح ہے جس طرح فرشتے اللہ تعالیٰ کے لیے مسخر ہیں کہ وہ فطرتاً اس کی فرمانبرداری

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مدثر آیت ۳۱

کے پابند ہیں اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۱) وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے۔اس پر عمل کرتے ہیں۔

البتہ یہ دونوں ایک بات میں جدا جدا ہیں وہ یہ کہ فرشتے علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اسے بجا لانے کا علم رکھتے ہیں جب کہ آنکھیں مثلاً کھلنے اور بند ہونے میں دل کی بات بطور تسخیر مانتی ہیں نہ انہیں اپنا علم ہوتا ہے اور نہ اس بات کا کہ وہ دل کی اطاعت کر رہی ہیں۔

دل ان لشکروں کا اس لیے محتاج ہوتا ہے کہ اسے اس سفر کے لیے جس کی خاطر اسے پیدا کیا گیا، سواری اور زادِ راہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سفر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے وہ اس سے ملاقات کے لیے منازل طے کرتا ہے دلوں کو اسی مقصد کے لیے پیدا کیا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (۲) اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

اس (دل) کی سواری بدن ہے اور اس کا زادِ راہ علم ہے اور وہ اسباب جو اسے زادِ راہ تک پہنچاتے ہیں اور وہ ان سے توشہ حاصل کرتا ہے وہ نیک اعمال ہیں۔

بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرتا جب تک بدن پُر سکون نہ ہو اور دنیا سے تجاوز نہ کر جائے کیونکہ اعلیٰ منزل تک پہنچنے کے لیے ادنیٰ منزل سے گزرنا پڑتا ہے تو دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور یہ ہدایت کی منازل میں سے ایک منزل ہے اسی لیے اس کو دنیا کہتے ہیں کہ یہ دو منزلوں میں سے قریب کی منزل ہے تو دل اس عالم سے زادِ راہ حاصل کرنے پر مجبور ہے بدن اس کی سواری ہے جس کے ذریعے وہ اس عالم تک پہنچتا ہے لہٰذا بدن کی کفالت اور حفاظت بھی ضروری ہے اور بدن کی حفاظت اس وقت ہوتی ہے جب اسے اس کے موافق غذا دی جائے اور اس سے اسبابِ ہلاکت کو دور کیا جائے۔

تو حصولِ غذا کے سلسلے میں دو لشکروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک باطنی اور وہ خواہش ہے اور دوسرا ظاہری اور وہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت ۶

(۲) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۵۶

ہاتھ اور دیگر اعضاء ہیں جو غذا حاصل کرتے ہیں تو دل میں ضروری خواہشات پیدا کی گئی ہیں اور اعضاء کو پیدا کیا گیا جو خواہشات کے اوزار ہیں۔

اسی طرح ہلاکت میں ڈالنے والی چیزوں سے بچنے کے لیے بھی دو لشکروں کی ضرورت ہوتی ہے ایک باطنی لشکر اور وہ غصہ ہے جس کے ذریعے مہلکات کو دُور کیا جاتا ہے اور دشمن سے بدلہ لیا جاتا ہے اور دوسرا ظاہری لشکر ہے اور وہ ہاتھ اور پاؤں ہیں جنہیں غصے کے مطابق عمل میں لایا جاتا ہے اور یہ سب خارجی امور سے ہوتا ہے پس بدن کے اعضاء اسلحہ وغیرہ کی طرح ہیں۔

پھر وہ شخص جو غذا کا محتاج ہے جب تک اسے غذا کی پہچان نہ ہو اسے غذا کی محبت اور خواہش کام نہیں دیتی لہذا یہ اس معرفت کے لیے دو لشکروں کا محتاج ہوتا ہے ایک باطنی لشکر اور وہ حواس خمسہ کا ادراک ہے اور دوسرا ظاہری لشکر ہے اور وہ آنکھ، کان اور ناک وغیرہ ہیں دل کو ان کی حاجت کیوں ہوتی ہے اور اس کی کیا حکمت ہے یہ ایک طویل بات ہے جو بہت سی جلدوں میں بھی نہیں آسکتی ہم نے کتاب الشکر میں اس کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے اسی پر اکتفا کیا جائے۔

تو دل کے تمام لشکر تین قسموں پر تقسیم ہوتے ہیں ایک وہ قسم ہے جو کسی چیز کی طرف رغبت دلاتی ہے یا اس نافع چیز کو حاصل کرنے کے لیے جو موافق ہے جیسے خواہش یا نقصان دہ چیز کو دور کرنے کے لیے جیسے غصہ اس قسم کو جو رغبت دینے والی ہے ارادہ کہتے ہیں دوسری قسم وہ ہے جو ان مقاصد کے حصول کے لیے اعضاء کو حرکت دیتی ہے اسے قدرت کہتے ہیں اور یہ تمام اعضاء میں بالخصوص رگ اور پٹھے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جس سے اشیاء کا ادراک اور عرفان حاصل ہوتا ہے جیسے جاسوس ہوتے ہیں یہ دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوت ہے یہ خاص اعضاء میں رکھی گئی ہے اور اسے علم و ادراک کہتے ہیں ان باطنی لشکروں کے ساتھ ظاہری لشکر بھی ہیں اور یہ وہ اعضاء ہیں جو چربی، گوشت، پٹھوں، خون اور ہڈیوں سے مرکب ہیں جو ان لشکروں کے لیے آلات کے طور پر تیار کئے گئے ہیں۔ پکڑنے کی قوت انگلیوں سے اور دیکھنے کی قوت آنکھ سے متعلق ہے اسی طرح دیگر قوتوں کا معاملہ ہے۔ ہم ظاہری اعضاء سے متعلق بات نہیں کرتے کیونکہ یہ عالم ظاہری سے متعلق ہیں ہم اب ان لشکروں کی بات کرتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتے۔

اور یہ تیسری قسم جو ادراک کرتی ہے دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک وہ جن کا ٹھکانہ ظاہری اعضاء میں ہے تو یہ ظاہری عالم سے تعلق رکھتے ہیں جیسے حواس خمسہ یعنی سننا، دیکھنا، چکھنا اور سونگھنا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو باطنی منازل میں مسکن رکھتی ہے اور یہ چیزیں دماغ کے اندر ہوتی ہیں اور یہ بھی پانچ ہیں کیونکہ انسان کسی چیز کو دیکھنے کے بعد اپنی آنکھوں کو بند کر لیتا ہے تو اس کی صورت کو اپنے نفس میں پاتا ہے اور اسے خیال کہتے ہیں پھر وہ صورت بعض باتیں یاد رکھنے سے اس کے ساتھ رہتی ہے تو یہ حافظہ کہلاتا ہے پھر وہ بات جسے یاد رکھا اس میں غور و فکر کرتا ہے اور بعض امور کو بعض سے ملاتا ہے

اور جو کچھ بھول چکا تھا اسے یاد کرنا اور اس کی طرف رجوع کرنا ہے اور پھر محسوسات کی تمام باتوں کو حس مشترک کے ساتھ اپنے خیال میں جمع کرنا ہے۔

گویا باطن میں حس مشترک، تخیل اور تفکر، تذکر اور حفظ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ حفظ و فکر، اور ذکر و تخیل کی قوت پیدا نہ کرتا تو دماغ اس سے خالی ہوتا جیسے ہاتھ اور پاؤں وغیرہ اس سے خالی ہیں تو یہ قوتیں بھی باطنی لشکر ہیں اور ان کا ٹھکانہ بھی باطن ہے پس یہ دل کے لشکر ہیں اور ان کو ضرب الامثال سے اس طرح بیان کرنا کہ کمزور لوگوں کے فہم ان کا ادراک کر سکیں طویل بحث ہے اور اس قسم کی کتاب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مضبوط اور جید علماء کو اس سے نفع ہو لیکن ہم کوشش کریں گے کہ مثالوں کے ذریعے کمزور لوگوں کو بھی سمجھائیں تاکہ یہ ان کی سمجھ کے قریب ہو جائے۔

دل کی اس کے باطنی خادموں کے ساتھ مثالیں

جان لو! دو لشکر یعنی غضب اور شہوت کبھی دل کے سامنے مکمل طور پر جھک جاتے ہیں تو اس وقت دل کو اس کے سلوک میں مدد ملتی ہے اور دل کے سفر میں ان کی رفاقت عمدہ ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ دونوں بطور سرکشی دل کی نافرمانی کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ خود مالک بن کر دل کو ہی اپنا غلام بنا بیٹھتے ہیں۔

اس صورت میں دل کی ہلاکت ہے اور وہ اپنے اس سفر سے رک جاتا ہے جس کے ذریعے وہ ابدی سعادت تک پہنچتا ہے۔

دل کا ایک اور خادم و لشکر بھی ہے اور وہ علم، حکمت اور تفکر ہے جیسے اس کی شرح آئے گی اور اس کا حق ہے کہ اس خادم سے مدد حاصل کرے کیونکہ یہ دوسرے دو خادموں پر اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے کیونکہ وہ دونوں بعض اوقات شیطان سے جا ملتے ہیں اور اگر وہ (علم وغیرہ سے) مدد نہ لے اور اپنے اوپر غضب اور شہوت کو مسلط کر دے تو یقینی طور پر ہلاک ہو جائے گا اور واضح نقصان اٹھائے گا اور یہ عام مخلوق کی حالت ہے کیونکہ ان کی عقلیں ان کی خواہشات کے تابع ہیں اور وہ تکمیل شہوت کے لیے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں حالانکہ چاہیے تو یہ کہ خواہش ان کی عقلوں کے تابع ہو یعنی جب عقل کو اس کی ضرورت پڑے تو ہم تین مثالوں کے ذریعے یہ بات تمہیں سمجھاتے ہیں۔

پہلی مثال:

انسانی بدن میں نفس یعنی لطیفہ ربانیہ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی شہر یا ملک کا بادشاہ ہوتا ہے کیوں کہ بدن نفس کی مملکت اور اس کا جہان، ٹھکانہ اور شہر ہے جب کہ اس کے اعضاء اور قویٰ اس کے کارکن اور عملہ ہے قوت عقلیہ جو غور و فکر کرتی ہے وہ دل کے ناصح مشیر اور عاقل وزیر کی طرح ہے اور شہوت برے غلام کی طرح ہے جو شہر کی طرف کھانا اور خوراک لاتا ہے جب کہ غضب اور حمیت اس شہر کے کوتوال کی طرح ہے اور وہ غلام جو خوراک لاتا ہے وہ بہت جھوٹا مکار دھوکے باز اور خبیث ہے وہ خیر خواہ کی صورت میں آتا ہے لیکن اس کی نصیحت کے پیچھے خطرناک فساد اور

زہر قاتل ہے اور اس کی عادت ہے کہ وہ ناصح وزیر کی آراء اور تدبیر کے سلسلے میں اس سے جھگڑتا ہے حتیٰ کہ ایک ساعت بھی اس کے جھگڑے سے خالی نہیں ہوتی۔

تو بادشاہ جب اپنی مملکت میں اپنے وزیر کی وجہ سے تدبیرات سے بے نیاز ہو اور اس سے مشورہ لے اور اس خبیث غلام کے اشارے سے منہ پھیرنے والا ہو اور سمجھ لے کہ اس کی رائے کے خلاف کرنے میں ہی بہتری ہے اور کوتوال کو بھی اس بات کا پابند بنا لے وزیر کی طرف داری کرے اور اسے اس خبیث غلام اور اس کے متبعین اور مددگاروں پر مسلط کرے حتیٰ کہ وہ غلام مغلوب ہو غالب نہ ہو حکم کا پابند اور اس کی تدبیر پر چلنے والا ہو امیر اور تدبیر کرنے والا نہ ہو تو ایسے بادشاہ کی مملکت کا نظام مضبوط ہوگا اور اس طریقے پر عدل وانصاف قائم ہوگا۔

تو نفس کی حالت بھی یہی ہے اگر وہ عقل سے مدد لے اور غضب کی تادیب کر کے اسے شہوت پر غالب کر دے اور ان میں سے ایک کے ساتھ دوسرے کے خلاف مدد حاصل کرے کبھی شہوت کی مخالفت کر کے غضب کے مرتبے کو کم کرے اور کبھی غضب کو شہوت پر مسلط کر کے اسے ختم کر دے اور اس کے تقاضوں کو برا سمجھے تو اس صورت میں اس کے اعضاء اور قوتیں اعتدال پر ہوں گی اور اخلاق اچھے ہوں گے لیکن جو شخص اس راستے سے ہٹ جائے تو وہ اس طرح ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ ۔ (۱)

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا اور وہ باوجود علم کے گمراہ ہوگیا۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَاتَّبَعَ ھَوَاهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (۲)

اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی تو اس کی مثال کتے جیسی ہے اگر تم اس پر حملہ کرو تو وہ ہانپ کر زبان نکالتا ہے اور اگر چھوڑ دو تو بھی زبان نکالتا ہے۔

اور جو شخص اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو بے شک

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الجاثیہ آیت ۲۳

(۲) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۷۶

الْمَاْوٰی (۱)   جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور ان خدام کے ساتھ مجاہدہ اور بعض کو بعض پر مسلط کرنے کی کیفیت ریاضتِ نفس کے بیان میں ان شاء اللہ مذکور ہوگی

دوسری مثال:

جان لو کہ بدن ایک شہر کی طرح ہے اور عقل جو ادراک کرتی ہے وہ بادشاہ کی طرح ہے جو اس کے لیے تدبیر کرتا ہے جب کہ ظاہری اور باطنی حواس اس کے لشکر اور معاونین کی طرح ہیں اس کے اعضاء رعایا کی مثل ہیں اور نفس جو برائی کا حکم دیتا ہے جو شہوت اور غضب ہے وہ اس دشمن کی طرح ہے جو بادشاہ سے اس کی مملکت کے سلسلے میں جھگڑتا ہے اور اس کی رعایا کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اس کا بدن قلعے اور سرحد کی طرح ہے اور اس کا نفس اس میں خود حفاظت کے لیے موجود ہے پس اگر وہ اپنے دشمن سے لڑ کر اس کو بھگا دے اور مغلوب کر دے جسے وہ پسند کرتا ہے تو وہ قابل تعریف ہو کر اپنی مملکت کی طرف لوٹتا ہے۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً۔ (۲)

اور وہ لوگ جو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے فضیلت دی ہے۔

اور اگر وہ اپنے قلعے کو ضائع کر دے اور رعایا کو بیکار کر دے تو نتیجتاً قابل مذمت ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لے گا اور قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا اے میرے نگہبان! تم نے گوشت کھایا اور دودھ پیا لیکن گمشدہ کا ٹھکانہ معلوم نہ کیا اور شکستہ کو درست نہ کیا تو آج میں تم سے انتقام لوں گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مجاہدہ کی طرف اشارہ فرمایا آپ کا ارشاد گرامی ہے:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ (۳)

ہم نے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف رجوع کیا۔

تیسری مثال:

---

(۱) قرآن مجید سورۃ النازعات ۴۰، ۴۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۹۵

(۳) تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۴۹۳ ترجمہ ۷۳۴۵

عقل کی مثال ایک سوار جیسی ہے جو شکار کرنا چاہتا ہے اس کی شہوت اس کے گھوڑے کی طرح ہے اور اس کا غصہ اس کے کتے کی طرح ہے تو جب سوار ماہر گھوڑا سدھایا ہوا اور کتا بھی سکھایا ہوا ہو تو یقیناً مقصود تک پہنچے گا اور جب وہ سوار خود دہشت زدہ ہو گا گھوڑا سرکش اور کتا پاگل ہو گا تو نہ گھوڑا اس کی بات مانے گا اور نہ کتا اس کے اشارے پر دوڑے گا تو ایسا انسان مقصد کیا حاصل کرے گا محض تھکاوٹ کے لائق ہے۔

سوار کا اناڑی ہونا انسانی جہالت حکمت کی قلت اور بصیرت کی کمی کی طرح ہے اور گھوڑے کی سرکشی غلبۂ شہوت کی مثل ہے بالخصوص پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت اور کتے کا باؤلا ہونا غصے کے غالب ہونے کی طرح ہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے لطف و کرم سے حُسن توفیق عطا فرمائے۔

انسانی دل کی خاصیت :

تمہیں جان لینا چاہیئے کہ ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کے علاوہ باقی حیوانات کو بھی یہ انعامات دیئے ہیں کیوں کہ حیوانات میں بھی شہوت و غصہ نیز ظاہری اور باطنی حواس پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ بکری اپنی آنکھوں سے بھیڑیئے کو دیکھتی ہے تو اپنے دل سے اس کی دشمنی کو جان لیتی ہے اور اس سے بھاگتی ہے تو یہی باطنی ادراک ہے اب ہم وہ چیز بیان کرتے ہیں جو انسانی دل کے ساتھ خاص ہے اور اسی کی وجہ سے اس کا مقام بہت بڑا ہے اور وہ قربِ خداوندی کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ بات علم و ارادہ کی طرف لوٹتی ہے۔

علم :

علم سے مراد دینوی اور اُخروی امور نیز عقلی حقائق کو جاننا ہے کیوں کہ یہ امور محسوسات میں بھی داخل نہیں اور ان میں حیوانات بھی انسان کے ساتھ شریک نہیں ہیں بلکہ علوم کلیہ بدیہیہ بھی انسانی عقل کے خواص سے ہیں کیونکہ انسان ہی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ایک شخص ایک حالت میں دو جگہوں پر متصور نہیں ہو سکتا اور یہ حکم ہر شخص کے لیے ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ حس کے ذریعے وہ، یہ بات صرف بعض اشخاص کے بارے میں کہہ سکتا ہے تو سب لوگوں کے لیے بالعموم یہ حکم لگانا ادراک حس سے زائد بات ہے جب تم نے علم ظاہری ضروری کے سلسلے میں یہ بات معلوم کر لی تو باقی نظری امور (جن امور میں غور و فکر کیا جاتا ہے) میں زیادہ ظاہر ہے۔

ارادہ :

جب انسان اپنی عقل سے کسی کام کا نتیجہ اور اس میں بہتری کو معلوم کر لیتا ہے تو اس کی طبیعت میں اس بہتری کا شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کے اسباب حاصل کرنا چاہتا ہے اور ان کے لیے ارادہ کرتا ہے تو یہ ارادہ شہوت کے ارادے اور حیوانات کے ارادے کے علاوہ ہے۔ بلکہ یہ شہوت کی ضد ہے بلکہ انسانی خواہش پیچھے لگاتے ہیں سے نفرت کرتی ہے جب کہ عقل اس کا ارادہ کرتی ہے اس کی طلب کرتی اور اس پر مال تک خرچ کرتی ہے جب انسان بیمار ہوتا ہے

تو اس کی خواہش لذیذ کھانوں کی طرف مائل ہوتی ہے لیکن عقلمند آدمی اپنے نفس میں ان کھانوں سے ایک مانع پاتا ہے اور یہ مانع خواہش کی طرف سے نہیں ہوتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ عقل کو پیدا کرتا جو انجام کار سے آگاہ کرتی اور اس ارادے کو پیدا نہ کرتا جو عقل کے فیصلے کے مطابق اعضاء کو حرکت دیتا ہے تو عقل کا فیصلہ یقیناً ضائع ہو جاتا ہے۔

تو جب انسان کا دل علم اور ارادہ کے ساتھ خاص ہے تو اس سے باقی تمام حیوانات الگ ہو گئے بلکہ بچے کے ابتدائی دور میں بھی یہ چیز نہیں پائی جاتی یہ بالغ ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جہاں تک شہوت، غضب اور ظاہری و باطنی حواس کا تعلق ہے تو وہ بچے کے حق میں بھی موجود ہوتے ہیں۔

پھر بچے کے لیے ان علوم کے حصول کے سلسلے میں دو درجے ہیں ایک یہ کہ اس کا دل تمام ضروری ابتدائی علوم کو شامل ہو جیسے محال چیزوں کے محال ہونے کا علم، یا ظاہری ممکنات کا جائز ہونا پس اس صورت میں اسے علوم نظریہ تو حاصل نہ ہوں گے لیکن ان کا امکان و حصول قریب ہو جائے گا اور علوم کی طرف نسبت سے اس کی حالت ایسے ہوگی جیسے کاتب جو دوات، قلم اور حروفِ مفردہ کا علم رکھتا ہے لیکن حروف مرکبہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تو وہ کتابت کے قریب ہے لیکن ابھی تک وہاں پہنچا نہیں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اسے وہ علوم حاصل ہوں جو تجربات اور غور و فکر سے حاصل ہوتے ہیں تو وہ اس کے پاس اسی طرح ہیں جیسے کوئی چیز اس کے پاس جمع ہوتی ہے جب چاہے اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے، اور اس کی حالت ماہر کاتب جیسی ہوتی ہے کیونکہ اسے کاتب کہا جاتا ہے اگرچہ وہ بالفعل لکھ نہ رہا ہو کیونکہ اسے کتابت پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور یہ انسانیت کا انتہائی درجہ ہے لیکن اس درجہ کے مراتب بے شمار ہیں اور معلومات کے زیادہ اور کم ہونے نیز معلومات کے اعلیٰ و ادنیٰ ہونے اور ان کے حصول کے طریقوں کے اعتبار سے مخلوق میں تفاوت ہے کیونکہ بعض لوگوں کو الہام خداوندی سے بطور کشف اول مرحلہ میں ہی حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں کو سیکھنے اور حاصل کرنے کے بعد ملتے ہیں بعض اوقات یہ معلومات جلدی حاصل ہوتی ہیں اور بعض اوقات تاخیر سے حاصل ہوتی ہیں اس مقام پر علماء، حکماء، انبیاء اور اولیاء کے مراتب ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

اس میں ترقی کے درجات بے شمار ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کی کوئی حد نہیں ہے سب سے بڑا مرتبہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے کیونکہ نبی کے لیے تمام حقائق یا بعض، کسی کسب اور تکلیف کے بغیر منکشف ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ کشف خداوندی سے نہایت جلدی سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی سعادت کی وجہ سے انسان کو معنوی طور پر اور حقیقت و صفت کے ساتھ قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے مکان اور مسافت کے اعتبار سے نہیں اور ان درجات میں ترقی کرنا اللہ تعالیٰ کے سالکین کی منازل ہیں اور یہ منازل شمار سے باہر ہیں۔ سالک جس منزل پر پہنچتا ہے وہ اس کے بارے میں اور اس سے نچلی منازل سے متعلق علم رکھتا ہے لیکن آگے کی منازل کے بارے میں اسے حقیقی علم تو نہیں ہوتا ہے لیکن غیب پر ایمان کے

تحت وہ ان کی تصدیق کرتا ہے جیسے ہم نبوت اور نبی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے وجود کی تصدیق کرتے ہیں لیکن نبوت کی حقیقت کو صرف نبی ہی جانتا ہے جس طرح پیٹ کے بچے کو شیر خوار بچے اور شیر خوار بچے کو سمجھدار بچے کی حالت کا علم نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اسے ان ضروری علوم کا علم ہوتا ہے جو سمجھدار بچے کے لیے کھلتے ہیں اور سمجھدار بچہ عاقل کے حالات اور ان علوم نظریہ سے واقف نہیں ہوتا ہے جیسے وہ حاصل کرتا ہے اسی طرح عاقل شخص ان امور کی معرفت نہیں رکھتا جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام اور انبیاء عظام پر خاص رحمت وکرم فرماتے ہوئے ان کے لیے واضح کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رحمت کا جو دروازہ کھولتا ہے اس کو کوئی بند نہیں کر سکتا اور یہ رحمت چونکہ اللہ تعالیٰ کے جود وکرم کا فیضان ہے لہٰذا اس کے ذریعے کسی پر بخل نہیں ہوتا لیکن اس رحمت کا ظہور ان دلوں میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی خوشبوؤں کے درپے ہوتے ہیں۔

جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِرَبِّكُمْ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ لَنَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا۔ (۱)

بے شک تمہاری زندگی کے ایام میں تمہارے رب کی طرف سے کچھ انوار و تجلیات اور خوشبوئیں ہیں سنو ان کی تاک میں رہا کرو۔

اور ان کی تاک اسی صورت میں ہوتی ہے جب دل کو ان خباثتوں اور کدورتوں سے پاک کیا جائے جو برے اخلاق سے پیدا ہوتی ہیں۔

اسی جود و سخاوت کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اشارہ ہے۔

يَنْزِلُ اللّٰهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ اِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ هَلْ مِنْ دَاعٍ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ۔ (۲)

ہر رات اللہ تعالیٰ کی رحمت آسمان دنیا کی طرف اترتی ہے اور اللہ تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کہ کیا کوئی دعا مانگنے والا ہے جس کی دعا کو میں قبول کروں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے)

لَقَدْ طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰى لِقَائِيْ وَاَنَا اِلٰى لِقَائِهِمْ اَشَدُّ شَوْقًا۔ (۳)

میرے نیک بندوں کا میری ملاقات کے لیے شوق بڑھ گیا اور مجھے ان کی ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۳۱ کتاب الزھد

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۴۳ احدیث ۱۵۶۶

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۲۷۴ حدیث ۸۰۶۷

اور ارشاد فرماتا:

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا۔ (۱)

جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ (دو فٹ) اس کے قریب ہوتا ہوں۔

ان تمام ارشادات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم کے انوار کو دلوں سے کسی بخل کی وجہ سے دُور نہیں رکھا جاتا کیونکہ انعام عطا کرنے والی ذات بخل اور روکنے سے بہت بلند و پاک ہے بلکہ دلوں کی خباثت اور کدورت اور دلوں کے دوسری طرف مشغول ہونے کی وجہ سے رکاوٹ ہوتی ہے کیونکہ دل برتنوں کی طرح ہیں جب تک برتن پانی سے بھرا ہوا ہو اس میں ہوا داخل نہیں ہو سکتی اور جو دل غیر خدا میں مشغول ہوں ان میں اللہ تعالیٰ کے جلال کی معرفت داخل نہیں ہوتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

لَوْ لَا اَنَّ الشَّیَاطِیْنَ یَحُوْمُوْنَ عَلٰی قُلُوْبِ بَنِیْ اٰدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰی مَلَکُوْتِ السَّمَاءِ (۲)

اگر انسانوں کے دلوں کو شیطانوں نے نہ گھیرا ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کی طرف دیکھتے۔

اس تمام گفتگو سے واضح ہوا کہ انسان کی خاصیت علم اور حکمت ہے اور علم کی بہترین قسم اللہ تعالیٰ، اس کی صفات اور اس کے افعال کا علم ہے اسی میں انسان کا کمال ہے اور جب یہ کامل ہوتا ہے تو اس وقت بارگاہ خداوندی میں حاضری کے قابل ہوتا ہے اور اس سعادت سے بہرہ مند ہوتا ہے پس بدن نفس کی سواری ہے، نفس علم کا محل ہے اور علم ہی انسان کا مقصود اور اس کی وہ خاصیت ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا تو جس طرح گھوڑا اور گدھا بوجھ اٹھانے میں شریک ہیں لیکن گھوڑا اپنے کرّ و فر اور حسنِ صورت کے اعتبار سے خاص ہے پس گھوڑا اس خاصیت کے لیے پیدا کیا گیا اگر یہ خاصیت باقی نہ رہے تو وہ گدھے جیسے پست مقام پر پہنچ جاتا ہے اسی طرح انسان اور گدھے گھوڑے میں کئی باتیں مشترک ہیں لیکن کئی امور ہیں جو انسانیت کا خاصہ ہیں وہ ان دونوں سے جدا ہے اور یہ خاصیت ان فرشتوں کی صفات میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔

انسان کا مقام، جانوروں اور فرشتوں کے درمیان ہے انسان غذا کے حصول اور نشو و نما کے اعتبار سے سبزیوں کی طرح ہے احساسات اور حرکت کے اعتبار سے حیوان ہے صورت اور قد و قامت کے اعتبار سے دیوار پر منقش تصویروں کی طرح ہے لیکن اس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ حقائق اشیاء کی معرفت رکھتا ہے تو جو انسان اپنے تمام اعضاء اور قوتوں کو

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۱۳ مرویات ابوہریرہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳ مرویات ابوہریرہ

یوں استعمال کرتا ہے کہ ان کے ذریعے علم و عمل پر مدد حاصل کرتا ہے وہ فرشتوں کے مشابہ ہے اور وہ اس بات کے لائق ہے کہ اسے ان کے ساتھ ملایا جائے اور اسے فرشتہ اور ربانی کہا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ کو دیکھنے والی عورتوں کا قول نقل کیا کہ انہوں نے کہا۔

مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ - (۱) یہ انسان نہیں بلکہ مکرم و محترم فرشتہ ہے

جو شخص اپنی ہمت کو بدنی لذتوں کے حصول پر صرف کرتا ہے اور جانوروں کی طرح کھاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو جانوروں کے درجے میں لے جاتا ہے اب یا تو وہ جاہل ہے جیسے بیل ہوتا ہے یا خنزیر کی طرح حریص ہے یا کتے اور بلی کی طرح غرانے والا ہے یا اونٹ کی طرح کینہ پرور ہوگا یا چیتے کی طرح متکبر ہوگا یا لومڑی کی طرح مکار ہوگا یا ان تمام باتوں کا جامع ہوگا تو سرکش شیطان جیسا ہوگا۔

ہر عضو اور حس سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے راستے پر مدد حاصل کرنا ممکن ہے اس کا کچھ بیان شکر کے ذکر میں ہوگا۔

لہٰذا جس نے اپنے اعضاء وغیرہ کو اس نیک مقصد میں استعمال کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس سے منہ پھیرا اس نے نقصان اٹھایا اور نامراد ہوا۔

انسان کی کامل سعادت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اپنا مقصد بنائے آخرت کے گھر کو اپنا ٹھکانہ، دنیا کو منزل بدن کو سواری اور اعضاء کو خادم تصور کرے۔

اپنی قوت مدرکہ کو جو اس کے دل میں ہے اور وہ اس کی مملکت کا درمیان ہے، بادشاہ قرار دے اور وہ قوت خیالیہ جو دماغ کے اگلے حصے میں ودیعت رکھی گئی ہے اسے قاصد قرار دے کیونکہ محسوسات کی تمام خبریں اسی کے پاس جمع ہوتی ہیں اور دماغ کے پچھلے حصے میں جو قوتِ حافظہ ہے وہ خازن ہے اور زبان اس کے ترجمان کی حیثیت سے چلتی ہے اور اعضاء اس کے محرر کی حیثیت میں حرکت کرتے ہیں، حواس خمسہ اس کے جاسوس ہیں اور ان میں سے ہر ایک اس مملکت کے کسی گوشے کی خبر دینے پر متعین ہے آنکھ رنگوں کی دنیا پر مقرر ہے، سماعت آوازوں کی دنیا پر اور سونگھنا خوشبوؤں کی دنیا پر مقرر ہے اور اسی طرح سب حواس مقرر ہیں۔

یہ سب خبریں دینے والے ہیں ان جہانوں سے خبریں لے کر قوت خیالیہ تک پہنچاتے ہیں جو ڈاکئے کی طرح ہے اور وہ ڈاکیہ خازن تک پہنچاتا ہے جو حافظہ ہے اور خازن ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے اور بادشاہ کو تدبیر مملکت

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ یوسف آیت ۳۱

تکمیل سفر اور جس دشمن کے ساتھ جھگڑا ہے اس کے قلع قمع کے لیے جس کی ضرورت ہے اسے لے لیتا ہے اور اس کے ذریعے ڈاکوؤں کے حملے کو پسپا کرتا ہے جب وہ اس طرح کرتا ہے تو وہ توفیق یافتہ، نیک بخت اور نعمت خداوندی کا شکر ادا کرنے والا ہوتا ہے لیکن جب ان سب کو بیکار کر دے یا استعمال تو کرے لیکن اپنے دشمنوں کے مقاصد کے لیے استعمال کرے اور وہ دشمن شہوت اور غضب ہے نیز فوری حاصل ہونے والی لذات ہیں یا منزل کی بجائے راستے پہ صرف کرے اور وہ دنیا ہے کیونکہ اس کو عبور کر کے آخرت کی طرف جاتا ہے اور اس کا وطن اور ٹھکانہ آخرت ہے اس صورت میں وہ بدبخت راندۂ درگاہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے لشکر کو ضائع کرنے والا، دشمنانِ خدا کا مددگار اور اللہ تعالیٰ کی جماعت کو رسوا کرنے والا ہوگا عذاب کا مستحق ہوگا اور دنیا و آخرت میں رحمتِ خداوندی سے دور ہوگا۔ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

ہم نے جو مثال بیان کی ہے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا انسان کی آنکھیں راہنما ہیں، کان محافظ ہیں زبان ترجمان ہے، ہاتھ پر ہیں پاؤں قاصد اور دل بادشاہ ہے جب بادشاہ اچھا ہوگا تو اس کا لشکر بھی اچھا ہوگا (۱)

ام المومنین نے فرمایا میں نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دلوں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے برتن ہیں اور وہ دل ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان میں سے زیادہ پسندیدہ وہ برتن ہیں جو نرم، صاف اور مضبوط ہیں پھر انہوں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا دین میں زیادہ مضبوط یقین میں زیادہ صاف اور اپنے بھائیوں کے لیے زیادہ نرم ہیں ارشاد خداوندی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (۲) وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (۳) اس کے نور کی مثال ایک طاق جیسی ہے جس میں چراغ ہو۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے نور اور اس کے دل کی مثال ایسی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ۔ (۴) یا گہرے دریا کی اندھیریوں کی طرح۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ مرویات ابوذر

(۲) قرآن مجید، سورۂ فتح آیت ۲۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۳۵

(۴) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۴۰

یہ منافق کے دل کی مثال ہے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ ارشاد خداوندی۔

فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۔ (۱) لوح محفوظ میں۔

کے بارے میں فرماتے ہیں اس سے مومن کا دل مراد ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں دل اور سینہ عرش اور کرسی کی طرح ہیں تو یہ دل کی مثالیں ہیں۔

دل کے اوصاف اور ان کی مثالیں

جاننا چاہیئے کہ انسان کی تخلیق اور ترکیب میں چار آمیزشیں ہیں اسی لیے اس میں چار قسم کے اوصاف جمع ہوتے ہیں اور وہ درندوں والی صفات (سبعی) جانوروں والی صفات (بہیمی) شیطانی اور ربانی صفات۔ جب اس پر غصہ مسلط ہے تو وہ درندوں والے کام کرتا ہے یعنی لوگوں سے دشمنی کرنا، نفرت کرنا اور گالی گلوچ اور مار پیٹ کے ذریعے لوگوں سے پیش آنا۔ اور جب اس پر شہوت غالب ہے تو وہ جانوروں والے کام کرتا ہے اور وہ حرص اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ خود امر ربانی ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ۔ (۲) فرما دیجئے روح میرے رب کا ایک حکم ہے۔

تو وہ اپنے رب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور حاکمیت کو پسند کرتا ہے نیز وہ چاہتا ہے کہ تمام امور میں خود مختار ہو ریاست میں مستقل ہو بندگی اور تواضع کا پٹہ اس کے گلے میں نہ ہو تمام علوم پر مطلع ہونے کی خواہش رکھتا ہے بلکہ وہ اپنے لیئے علم و معرفت اور حقائق امور کے احاطہ کا دعویٰ کرتا ہے جب علم کی طرف منسوب کیا جائے تو خوش ہوتا ہے اور جب اسے جاہل کہا جائے تو غمگین ہوتا ہے حالانکہ تمام حقائق کا احاطہ اور تمام مخلوق پر بڑائی ربوبیت کے اوصاف سے ہیں اور انسان کو ان صفات کی حرص ہوتی ہے اور چونکہ وہ عقل و تمیز کے اعتبار سے جانوروں سے ممتاز ہے لیکن غضب اور شہوت میں ان کے ساتھ شریک ہے اس لیے اس میں شیطانی آجاتی ہے لہذا وہ شریر ہو جاتا ہے اپنی سمجھ کو شر کے طریقوں کے حصول کے لیے استعمال کرتا ہے اور فریب، حیلے اور دھوکے سے اپنے مقاصد تک پہنچتا ہے اور خیر کے بدلے شر کو ظاہر کرتا ہے اور یہ شیطانوں کا طریقہ ہے۔

غرضیکہ ہر انسان میں یہ چار بنیادی باتیں پائی جاتی ہیں یعنی ربانیت، شیطنت، سبعیت اور بہیمیت اور یہ سب دل میں جمع ہوتی ہیں گویا انسان کی جلد میں خنزیر، کتا، شیطان اور حکیم جمع ہیں خنزیر شہوت ہے کیوں کہ خنزیر اپنے رنگ

---

(۱) قرآن مجید سورۃ بروج آیت ۲۱

(۲) قرآن مجید سورۃ اسراء آیت ۸۵

اور شکل و صورت کی وجہ سے مذموم نہیں ہے بلکہ حرص کی وجہ سے قابل مذمت ہے اور کتا غضب و غصہ ہے کیونکہ ضرر رساں درندہ اور باؤلا کتا اپنی صورت اور رنگ وغیرہ کی وجہ سے نہیں کاٹتے بلکہ ان میں درندگی کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور وہ ضرر دینا، دشمنی کرنا اور کاٹنا ہے اور انسان کے باطن میں بھی درندوں کی طرح ضرر رسانی اور غصہ ہے خنزیر کی طرح حرص و طمع ہے۔

تو خنزیر اپنی طمع اور حرص کی وجہ سے بے حیائی اور برائی کے کاموں کی طرف بلاتا ہے درندہ اپنے غصّے کی وجہ سے ظلم اور ایذارسانی کی دعوت دیتا ہے اور شیطان ہمیشہ خنزیر کی شہوت اور درندے کے غصے کو ابھارتا رہتا ہے اور ان کو ایک دوسرے پر اکساتا ہے اور ان کی فطری صفت کو ان کے سامنے مزیّن کرتا ہے اور عقلِ انسانی جو حکیم (دانا) کی طرح ہے اسے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ شیطان کے مکروفریب کو دُور کرے یعنی اپنی بصیرت کاملہ اور واضح نور کے ذریعے اس کے مکر کو واشگاف کرے اور کتّے کو مسلط کرکے خنزیر کی حرص کو توڑ دے کیونکہ غضب کے ذریعے شہوت ٹوٹتی ہے اور کتّے پر خنزیر کو مسلط کرکے اس کی ضرر رسانی کو ختم کرے اور کتّے کو اپنی سیاست کے تحت مغلوب رکھے اگر وہ ایسا کرے اور اس پر قادر ہو تو معاملہ اعتدال پر رہے گا اور بدن کی مملکت میں انصاف ظاہر ہوگا۔ اور سب اوصاف راہ راست پر رہیں گے۔ اور اگر وہ ان کو مغلوب کرنے سے عاجز ہو جائے اور وہ اس سے خدمت لینے لگیں تو وہ ہمیشہ حیلے بہانے تلاش کرے گا اور سوچتا رہے گا کہ کس طرح خنزیر کی شکم سیری ہو اور کتا بھی راضی ہو اس طرح وہ ہمیشہ کتّے اور خنزیر کی پُوجا میں لگا رہے گا۔

عام لوگوں کی یہی حالت ہے کیوں کہ وہ عام طور پر پیٹ اور شرمگاہ اور دشمن کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں۔

اور ایسے شخص پر تعجب ہے کہ وہ بت پرستوں کی مذمت کرتا ہے کہ وہ پتھروں کی پُوجا کر رہے ہیں اور اگر اس کے سامنے سے پردہ ہٹایا جائے اور اس کی حقیقت حال واضح کی جائے بلکہ اس کی حقیقت حال اہل کشف کی طرح اسے نیند کی حالت میں یا بیداری کی صورت میں دکھائی جائے تو وہ اپنے آپ کو خنزیر کے سامنے جھکا ہوا پائے گا کبھی اسے سجدہ کر رہا ہے اور کبھی رکوع کرتا ہے اور اسی کے حکم اور اشارے کا منتظر رہتا ہے اور جب خنزیر اپنی خواہش کی کوئی چیز مانگتا ہے تو یہ فی الفور اس کی خدمت کے لیئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کی خواہش کو پورا کر دیتا ہے اور اسی طرح وہ اپنے آپ کو باؤلے کتے کے سامنے دیکھے گا کہ اس کی پُوجا کر رہا ہے اور وہ جو کچھ مانگتا ہے یہ اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور اس کی اطاعت کے سلسلے میں حیلے بہانے تلاش کرنے کے لیے غور و فکر کرتا ہے اور اس طرح وہ شیطان کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے کیوں کہ شیطان ہی خنزیر اور کتّے کو بھڑکاتا ہے اور انہیں برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ اس سے خدمت لیں اور یوں وہ ان دونوں کی پُوجا کے واسطے سے شیطان کی پُوجا کرتا ہے۔

تو ہر انسان کو اپنی حرکات و سکنات، خاموشی و کلام اور اٹھنے بیٹھنے پر نظر رکھنی چاہیئے اسے بصیرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اگر وہ انصاف کی نگاہ سے دیکھے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ دن بھر ان چیزوں کی پُوجا میں مصروف رہتا ہے اور یہ انتہائی درجے کا ظلم ہے کیونکہ اس نے مالک کو مملوک، رب کو مربوب آقا کو غلام اور غالب کو مغلوب کر

دیا کیونکہ عقل ہی سرداری اور غلبے کی مستحق ہے اور اس نے اس کو ان تینوں کی پوجا کے لیے مسخر کر دیا تو اب ان تینوں کی اطاعت سے اس کے دل پر مسلسل ایسی صفات آئیں گی جو اس کو زنگ آلود کر دیں گے اور یوں اس کا دل ہلاکت اور موت کی زد میں ہوگا۔ اور خنزیر یعنی شہوت کی بات مانے سے اس میں بے حیائی، خباثت، اسراف، کنجوسی، ریاکاری، رسوائی، پاگل پن، بیہودگی، حرص، لالچ، چاپلوسی، حسد اور کینہ وغیرہ صفات ذمیمہ پیدا ہوتی ہیں۔

اور کتا جو بصورت غضب ہے اس کی اطاعت کرنے سے اس میں ہلاک کرنا، چھچھوراپن، تکبر، ڈھینگیں مارنا، گالی گلوچ کرنا، تکبر، خود پسندی اور لوگوں کا مذاق اڑانا ان کو حقیر جاننا اور ظلم کی خواہش جیسی صفات ذمیمہ پھیلتی ہیں۔

اور جب شہوت و غضب کی اطاعت کی صورت میں شیطان کی بات مانی جاتی ہے تو اس سے دھوکہ فریب، حیلہ بازی، جرأت، دھوکہ دہی، اور فحش گوئی جیسی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اور اگر وہ اس کے برخلاف کرتے ہوئے ان سب کو صفت ربانیہ کی صفت کے تابع کر دے تو دل میں صفات ربانیہ جاگزیں ہوں گی جیسے علم، حکمت یقین حقائق، اشیاء کی معرفت، ماہیت امور کی معرفت اور ان سب پر علم و بصیرت کی قوت سے غالب آنا نیز علم کے کمال و جلال کے باعث مخلوق پر مقدم ہونے کا استحقاق اور اس کے علاوہ غضب و شہوت کی پوجا سے بے نیازی کا حصول اور جب خنزیر شہوت کو روکے گا اور اسے حد اعتدال پر رکھے گا تو صفات شریفہ پھیلیں گی جیسے پاکدامنی، قناعت، سکون، زہد و تقویٰ، خوش مزاجی، حیاء، ظرافت اور دوسروں کی مدد وغیرہ۔

اور جب قوت غضب اور قہر کو کنٹرول کر کے اسے واجبی حد تک رکھا جائے تو اس سے شجاعت، کرم، دلیری، ضبط نفس، صبر، بردباری برداشت، عفو و درگزر، استقلال، جوانمردی، ذکاوت اور وقار وغیرہ صفات وجود میں آتی ہیں۔

تو دل شیشے کی طرح ہے جسے ان (تینوں) امور موثرہ نے گھیر رکھا ہے اور یہ آثار دل پر مسلسل اور متصل پہنچتے ہیں لیکن وہ آثار جو قابل تعریف ہیں اور ہم نے ان کا ذکر کیا وہ دل کی روشنی، چمک اور نور کو بڑھاتے ہیں حتیٰ کہ اس میں تجلی حق جلوہ گر ہوتی ہے اور وہ حقیقت منکشف ہوتی ہے جو دین میں مطلوب ہے اور اسی قسم کے دل کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اشارہ پایا جاتا ہے آپ نے فرمایا۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَاعِظًا مِنْ قَلْبِهٖ۔ (۱)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔

اور آپ نے فرمایا،

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۹۵ حدیث ۳۰۷۶۲

مَنۡ کَانَ لَہٗ مِنۡ قَلۡبِہٖ وَاعِظٌ کَانَ عَلَیۡہِ مِنَ اللّٰہِ حَافِظٌ۔ — جس آدمی کا دل واعظ ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی محافظ مقرر کر دیتا ہے۔

اور اسی دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر قرار پکڑتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ۔ (۱) — سنو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

جہاں تک دل پر وارد ہونے والے آثارِ مذمومہ کا تعلق ہے تو وہ سیاہ دھوئیں کی طرح ہیں وہ دل کے آئینے پر چڑھتے ہیں اور مسلسل اس پر چڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ دل سیاہ اور تاریک ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مکمل طور پر پردے میں آجاتا ہے اور یہی وہ دل ہے جس پر مہر لگی ہوتی ہے اور وہ زنگ ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

کَلَّا بَلۡ رَانَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ مَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ۔ (۲) — ہرگز نہیں، بلکہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰہُمۡ بِذُنُوۡبِہِمۡ وَنَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ۔ (۳) — اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کے سبب ان کو پکڑتے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے پس وہ نہ سنتے۔

اس آیت کریمہ میں نہ سننے کو گناہوں کے سبب مہر لگنے سے مربوط کیا جیسا کہ سماع کو تقویٰ سے جوڑا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاسۡمَعُوۡا (۴) — اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو۔

اور فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ۔ (۵) — اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور وہ تمہیں سکھاتا ہے۔

اور جب گناہوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے تو دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور اس وقت دل، حق کو پانے اور دین کی درستگی سے اندھا ہو جاتا ہے وہ امرِ آخرت کو معمولی اور دنیوی معاملے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اور وہ اپنی تمام صلاحیتیں اسی پر خرچ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ رعد آیت ۲۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ مطففین آیت ۱۴

(۳) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۰۰

(۴) قرآن مجید سورۃ مائدہ آیت ۱۰۸

(۵) قرآن مجید سورۃ بقرہ آیت ۲۸۲

کرتا ہے اور جب وہ آخرت اور اس کے خطرات کے بارے میں سنتا ہے تو ایک کان سے داخل کر کے دوسرے کان سے نکال دیتا ہے اور یہ بات اس کے دل میں نہیں ٹھہرتی اور نہ ہی اسے توبہ اور گناہوں کے تدارک کے لیے تحریک ہوتی ہے یہی لوگ آخرت سے مایوس ہو گئے جیسے کفار، اصحاب قبور سے مایوس ہیں دل کا گناہوں سے سیاہ ہونا یہی ہے جیسے قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں جب کوئی بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ کو چھوڑتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ یہ گناہ کرے تو وہ سیاہ نکتہ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے دل پر چڑھ جاتا ہے اور یہی زنگ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ اَجْرَدُ فِيْهِ سِرَاجٌ يُزْهِرُ وَ قَلْبُ الْكَافِرِ اَسْوَدُ مَنْكُوْسٌ (۱)

مومن کا دل صاف ہوتا ہے اور اس میں چراغ روشن ہوتا ہے جب کہ کافر کا دل سیاہ اوندھا ہے۔

تو خواہشات کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا دل کے زنگ کو ختم کر دیتا ہے اور اس کی نافرمانی دل کو سیاہ کر دیتی ہے تو جو شخص گناہوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور جو شخص برائی کے بعد نیکی کو لاتا اور اس (برائی) کے اثر کو مٹا دیتا ہے اس کا دل تاریک نہیں ہوتا لیکن اس کا نور کچھ کم ہو جاتا ہے جیسے شیشے پر پھونک مار کر صاف کیا جائے پھر پھونک مار کر پونچھ دیا جائے تو کچھ نہ کچھ کدورت (میل) رہ جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دل چار قسم کے ہیں ایک وہ دل ہے جو صاف ہے اور اس میں چراغ روشن ہے یہ مومن کا دل ہے دوسرا سیاہ اوندھا ہے اور یہ کافر کا دل ہے تیسرا وہ دل ہے جس پر غلاف چڑھا ہوا ہے اور اس کا منہ بندھا ہوا ہے یہ منافق کا دل ہے، اور چوتھا وہ دل ہے جو جس میں ایمان اور نفاق کی آمیزش ہے۔

تو اس میں ایمان اس سبزی کی مثل ہے جسے اچھا پانی نشو و نما دیتا ہے اور اس میں منافقت کی مثال اس زخم کی طرح ہے جسے پیپ بڑھاتی ہے ان میں سے جو مادہ غالب ہو جائے اسی کا حکم نافذ ہوتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ دل کو وہی مادہ لے جائے گا۔ (۲)

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا

بے شک وہ لوگ جو متقی ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی ٹھیس پہنچتی ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۷ مرویات ابو سعید۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۷ مرویات ابو سعید۔

فَاِذَا ھُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۔ (۱) اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔

تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دل کی روشنی اور بصیرت کا حصول ذکر سے ہوتا ہے اور ذکر وہی لوگ کرتے ہیں جو متقی ہیں تو تقویٰ ذکر کا اذکر کشف کا اور کشف بہت بڑی کامیابی کا دروازہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

علوم کی نسبت سے دل کی مثال :

جان لو! علم کا مقام دل ہے یعنی وہ لطیفہ ربانیہ جو تمام اعضاء کی تدبیر کرتا ہے اور تمام اعضاء میں سے صرف یہی وہ حصہ ہے جس کی اطاعت و خدمت کی جاتی ہے جب معلومات کے حقائق کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو وہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح شیشے کی محسوس صورتوں کی طرف نسبت ہوتی ہے جس طرح محسوس صورت کی مثل شیشے میں موجود ہوتی ہے اسی طرح ہر معلوم چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور اس حقیقت کی ایک صورت ہوتی ہے جو دل کی شیشے پر منعکس ہو کر واضح ہوتی ہے اور جس طرح شیشہ ان اشخاص کی صورتوں کا غیر ہوتا ہے اور ان کی مثال کا شیشے میں آنا ایک الگ چیز ہے اور یہ تین چیزیں ہیں اسی طرح یہاں بھی تین چیزیں ہیں ایک دل ہے دوسرے حقائق اشیاء ہیں اور تیسری بات دل میں ان حقائق کا حاضر ہونا ہے۔ تو عالم وہ دل ہے جس میں حقائق اشیاء کی مثال داخل ہوتی ہے اور معلوم اشیاء کی حقیقتیں اور علم شیشے میں اس مثال کا حاصل ہونا ہے اور جس طرح گرفت تین چیزوں کو چاہتی ہے یعنی ایک قبضہ کرنے والا ہوتا ہے اور وہ ہاتھ ہے اور ایک وہ چیز جس کو پکڑا گیا مثلاً تلوار ہے اور تیسری چیز تلوار اور ہاتھ کا باہم ملنا ہے اور اسے گرفت کہتے ہیں اسی طرح معلوم چیز کی مثل کا دل تک پہنچنا علم کہلاتا ہے اور بعض اوقات چیز کی حقیقت موجود ہوتی ہے اور دل بھی موجود ہوتا ہے لیکن علم حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ علم حقیقت کے دل تک پہنچنے کا نام ہے جیسے تلوار اور ہاتھ دونوں موجود ہوتے ہیں لیکن قبضہ اور پکڑنا نہیں پایا جاتا کیونکہ تلوار ہاتھ میں نہیں آتی۔

ہاں تلوار کا بعینہ ہاتھ میں جانا قبضہ اور پکڑنا ہے۔ لیکن معلوم چیز بعینہ دل میں نہیں جاتی جس آدمی کو آگ کا علم ہوتا ہے تو آگ بعینہ اس کے دل میں نہیں جاتی لیکن آگ کی تعریف اور اس کی حقیقت جو ظاہری صورت کے مطابق ہوتی ہے دل میں حاصل ہوتی ہے لہٰذا شیشے کی مثال زیادہ بہتر ہے کیونکہ انسان بعینہ شیشے میں نہیں جاتا بلکہ اس کے مطابق مثال جاتی ہے اسی طرح دل میں بھی معلوم چیز کی مثل جاتی ہے اور اسے علم کہتے ہیں۔ اور جس طرح پانچ وجہ سے شیشے میں صورت واضح نہیں ہوتی۔

(۱) شیشہ اچھا نہ ہو جیسے لوہے کو ابھی شکل نہ دی گئی اور نہ ہی اسے پالش وغیرہ کیا گیا ہو۔

(۲) اسے مکمل شکل تو دے دی گئی لیکن اس میں کسی وجہ سے کدورت (گدلاپن) آگیا ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۲۰۱

(۳) جس چیز کو شیشے میں دیکھنا ہے وہ اس سے ہٹی ہوئی ہو۔
(۴) شیشے اور صورت کے درمیان کوئی پردہ لٹکایا گیا ہو۔
(۵) جس چیز کی صورت دیکھنا مقصود ہے اس کی جہت معلوم نہ ہو کہ شیشے کو اس کے سامنے رکھا جائے۔
اسی طرح دل بھی ایک شیشہ ہے جسے اس مقصد کے لیے تیار کیا گیا کہ اس میں تمام امور کے حقائق منکشف ہوں لیکن دل علوم سے پانچ وجہ سے خالی ہوتے ہیں۔
(۱) دل میں ہی کمی اور نقصان ہو جیسے بچے کا دل ہے کہ اس میں کمی کی وجہ سے اس میں معلومات منعکس نہیں ہوتے۔
(۲) گناہوں کی کدورت اور خباثت جو خواہشات کی کثرت کی وجہ سے دل پر جمع ہو گئی یہ دل کی صفائی اور روشنی کے راستے میں رکاوٹ ہے لہٰذا اس کے تاریک ہونے اور گناہوں کے اجتماع کی وجہ سے ظہور حق نہیں ہو سکتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

مَنْ قَارَفَ ذَنْبًا فَارَقَهُ عَقْلٌ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ اَبَدًا ۔(۱) جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوتا اس سے عقل جدا ہو جاتی ہے اور وہ کبھی واپس نہیں ہوگی۔

یعنی اس کا دل گندا ہو جاتا ہے اور اس کا اثر زائل نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کی غایت تو یہ ہے کہ اس برائی کے بعد نیکی کرے جس کے ذریعے وہ (گناہ) مٹ جائے اور اگر وہ نیکی کرے لیکن اس سے پہلے گناہ کا مرتکب نہ ہو تو یقیناً اس کے دل کی روشنی بڑھے گی پس جب پہلے گناہ کیا تو نیکی کا فائدہ ختم ہو گیا لیکن اس کے ذریعے دل گناہ سے پہلے والی حالت کی طرف لوٹ جائے گا البتہ نور میں اضافہ نہیں ہوگا اور یہ واضح نقصان ہے اور یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کو ختم کرنے کا کوئی حیلہ نہیں۔
وہ شیشہ جو میلا ہو جائے پھر اس کو پالش کرنے والے کسی آلے سے صیقل کیا جائے تو وہ اس شیشے کی طرح نہیں ہے جسے آلۂ صیقل سے محض زیادہ چمک کے لیے صیقل کیا جاتا ہے اور اس پر پہلے سے کوئی میل وغیرہ نہیں ہوتی لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہونا اور شہوت کے تقاضوں سے منہ پھیرنا ہی دل کو جِلا بخشتا ہے اور صاف رکھتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔(۲) اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں۔

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۶۱۱ حدیث ۵۹۱۰ تبدیلی کے ساتھ
(۲) قرآن مجید سورۃ عنکبوت آیت ۶۹

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ (۱)

جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے اللہ تعالیٰ سے اس چیز کا علم دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔

(۳) حقیقت مطلوبہ سے دل پھرا ہوا ہے اطاعت کرنے والے نیک آدمی کا دل اگرچہ صاف ہو اس میں حق کی تجلی واضح نہیں کیونکہ وہ حق کو طلب نہیں کرتا اور وہ اپنے شیشے کے مدمقابل اس طرف نہیں جس طرف اس کا مطلوب ہے بلکہ بعض اوقات وہ بدنی طاعت اور اسباب میں اپنی ہمت کو صرف کرتا ہے اور بارگاہ ربوبیت میں حاضری کے سلسلے میں غور و فکر کی طرف اپنی فکر کو نہیں پھیرتا۔ اور نہ ہی حقائق الٰہیہ خفیہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے لہٰذا اس کے لیے وہ بات منکشف ہوتی ہے جس میں وہ غور و فکر کرتا ہے اور وہ آفات اعمال کی باریک باتیں اور نفس کے عیبوں کے پوشیدہ امور ہیں اگر وہ ان میں غور و فکر کرے اور اگر وہ اسبابِ معیشت میں غور و فکر کرتا ہے تو وہ اس کے لیے منکشف ہوتے ہیں۔

تو جب صورت حال یہ ہے کہ اعمال اور عبادات کی تفصیل میں اپنی ہمت کو صرف کرنا جلوۂ حق سے مانع ہے تو ان لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو اپنی ہمتوں کو دنیوی خواہشات و لذات اور ان سے متعلق امور میں صرف کرتے ہیں ان لوگوں کو کشفِ حقیقی سے رکاوٹ کیوں نہیں ہوگی۔

۴۔ چوتھی رکاوٹ حجاب ہے وہ شخص جو اطاعت گزار ہے اور اپنی خواہشات کو مغلوب رکھتا ہے اور حقائق میں سے کسی حقیقت کے بارے میں فکر کرتا ہے تو بعض اوقات اس کے لیے بھی کشف نہیں ہوتا کیونکہ وہ بچپن میں آبائی تقلید یا حسن ظن کے طور پر کسی ایسے عقیدے کو قبول کرتا ہے جس کی وجہ سے حقیقت اس سے پردے میں ہوتی ہے اور یہ بات اس کے اور حقیقتِ حق کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور جو کچھ اس نے بطورِ تقلید حاصل کیا ہے اس کے خلاف کوئی بات دل میں منکشف نہیں ہوتی یہ بھی ایک بہت بڑا حجاب ہے اکثر متکلمین اور مذاہب کے متعصب لوگوں بلکہ اکثر صالحین جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہیوں میں غور و فکر کرتے ہیں ان کے سامنے بھی رکاوٹ رہتی ہے کیونکہ تقلیدی اعتقادات کی وجہ سے ان کے لیے رکاوٹ ہوتی ہے وہ ان کے دلوں میں جم جاتے ہیں اور پکے ہو جاتے ہیں لہٰذا یہ تقلیدی اعتقادات ان کے اور حقائق کے ادراک کے درمیان رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

۵۔ جس جہت سے مطلوب حاصل ہوتا ہے اس سے جہالت بھی ایک رکاوٹ ہے کیونکہ طالب علم کے لیے مجہول طریقے پر حصولِ علم ممکن نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ان علوم سے واقفیت ضروری ہے جو اس کے مطلوب کے مناسب ہیں یہاں تک کہ جب وہ ان کو دل میں حاضر کرتا ہے اور مخصوص طریقے پر ترتیب دیتا ہے جو علماء کے نزدیک بطور قیاس معروف

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۱۰ ص ۱۵ ترجمہ ۵۷۴

ہے تو اس وقت وہ مطلوب کی جہت تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے دل پر جلوۂ حق ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ علوم مطلوبہ جو
فطری نہیں ہیں ان کا علم دوسرے حاصل شدہ علوم کے بغیر نہیں ہوتا بلکہ ہر علم کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پہلے
دو علم ہوں جنکو مخصوص طریقے پر جمع کیا جائے اب ان کے ملنے سے ایک تیسرا علم حاصل ہوگا جس طرح نر اور مادہ کے
جمع ہونے سے بچہ پیدا ہوتا ہے پھر جس طرح کسی کو گھوڑی حاصل کرنا مقصود ہو تو وہ گدھے، اونٹ اور انسان کے ملاپ
سے حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے گھوڑے اور گھوڑی کا اجتماع ضروری ہے اسی طرح ہر علم کے لیے دو مخصوص اصل
ہیں اور دونوں کی ترکیب کا طریقہ بھی چاہیے پھر ان دونوں کے ملنے سے ایک مطلوب علم حاصل ہوگا۔

لہٰذا جب ان دو اصول اور ان کی ترکیب کا علم نہ ہو تو علم کے حصول میں رکاوٹ رہے گی اور اس کی مثال ہم نے
ذکر کی ہے کہ وہ اس جہت سے جاہل ہو جس میں صورت منعکس ہوتی ہے۔

بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک انسان شیشے میں اپنی گردن کے پچھلے حصہ کو دیکھنا چاہتا ہے تو جب وہ شیشے کو
اپنے سامنے رکھے گا تو گردن کا پچھلا حصہ اس کے سامنے نہیں آئے گا لہٰذا وہ نظر بھی نہیں آئے گا اور اگر وہ اسے گردن
کے سامنے رکھے اور شیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے نہ ہو تو اب نہ شیشہ نظر آئے گا اور نہ ہی اس میں گردن نظر آئے گی
لہٰذا ایک دوسرے شیشے کی ضرورت ہوگی جسے وہ گردن کے سامنے رکھے گا اور یہ شیشہ اس کے سامنے ہوگا اور وہ
اسے دیکھ رہا ہوگا پھر ان دونوں شیشوں کے درمیان مناسبت کا بھی خیال رکھنا پڑے گا تاکہ گردن اس کے مقابلے
والے شیشے میں نظر آئے پھر اس شیشے کی صورت دوسرے شیشے میں نظر آئے جو آنکھوں کے سامنے ہے اور یہیں آنکھ
گردن کی صورت کو دیکھ لے اسی طرح علوم کے حصول کے لیے عجیب طریقے ہیں ان میں تصرفات اور تحریفات اس مثال
سے بھی بڑھ کر ہیں جو ہم نے شیشے کے سلسلے میں ذکر کی ہے۔

روئے زمین پر ایسا کوئی نہیں جسے ان تحریفات میں حیلے کی کیفیت کی طرف راہنمائی ہو۔

تو یہ وہ اسباب ہیں جو دلوں کے لیے حقائقِ امور کی معرفت میں رکاوٹ ہیں ورنہ ہر دل فطری طور پر معرفتِ حقائق
کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ دل تو امر ربانی ہے اور شرافت کا حامل ہے اس خاصیت اور شرف کی وجہ سے وہ علم
کے تمام جواہر سے ممتاز ہے اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (۱)

بے شک ہم نے امانت آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھی لیکن انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اسے اٹھایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ احزاب آیت ۷۲

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی ایک ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے وہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے ممتاز ہے اور اسی کی وجہ سے اسے یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانت کو اٹھا سکتا ہے اور یہ امانت معرفت اور توحید ہے اور ہر آدمی کا دل اس امانت کو اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن وہ اسباب جو ہم نے ذکر کئے ہیں وہ اسے اس بوجھ کو اٹھانے اور اس کی حقیقت تک پہنچنے میں رکاوٹ ہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاِنَّمَا اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ (۱)

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اسے یہودی عیسائی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا:

لَوْلَا اَنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَحُوْمُوْنَ عَلٰى قُلُوْبِ بَنِيْ اٰدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰى مَلَكُوْتِ السَّمَاءِ - (۲)

اگر شیطانوں نے انسانوں کے دلوں کو گھیرا ہوا نہ ہوتا تو وہ آسمان کی بادشاہی کی طرف دیکھتے۔

اس حدیث میں ان بعض اسباب کی طرف اشارہ ہے جو بندے اور ملکوت کے درمیان حجاب اور رکاوٹ ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ زمین میں ہے یا آسمان میں؟ آپ نے فرمایا۔

"مومنوں کے دلوں میں ہے" (۳)

اور ایک دوسری حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَمْ يَسَعْنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَوَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ اللَّيِّنِ الْوَادِعِ۔ (۴)

میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہیں سما سکتا بلکہ میں اپنے مومن بندے کے دل میں سماتا ہوں جو پُرسکون اور مطمئن ہے۔

ایک اور روایت میں ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! لوگوں میں سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا ہر وہ مومن جو "مخموم القلب" ہو عرض کیا مخموم القلب کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ متقی پرہیزگار جس کے دل میں کھوٹ سرکشی، فریب، کینہ اور حسد نہ ہو۔ (۵)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۸۵ کتاب الجنائز

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳ مرویات ابوہریرہ

(۳) کنز العمال جلد اول ص ۲۴۱ حدیث ۱۲۰۷

(۴) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۰۶ حدیث ۸۱

(۵) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۱، ابواب الزہد

اسی پے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے دل نے میرے رب کو دیکھا کیوں کہ تقویٰ کی وجہ سے حجاب اٹھادیا گیا تھا اور جس شخص سے پردہ اٹھادیا جائے وہ ملک و ملکوں کی صورت اپنے دل میں دیکھتا ہے وہ جنت کو دیکھتا ہے کہ اس کے تھوڑے سے حصے کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جب کہ تمام جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت سے زیادہ ہے کیونکہ آسمان اور زمین عالم محسوسات سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے یہ جس قدر بھی لمبے چوڑے ہوں ان کی کوئی حد ہے لیکن عالم ملکوت یعنی وہ اسرار جو ظاہری نگاہوں سے غائب ہیں اور وہ صرف دل کی نگاہوں سے نظر آتے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں ہاں دل میں اس کی ایک محدود مقدار چمکتی ہے لیکن ذاتی طور پر اور اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف نسبت کے حوالے سے اس کی کوئی انتہا نہیں اور اگر تمام ظاہری و باطنی عالم کو ایک ہی مرتبہ لیا جائے تو اس کا نام حضرت ربوبیت ہے کیونکہ حضرت ربوبیت تمام موجودات کو گھیرے ہوئے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے افعال کے سوا کچھ بھی موجود نہیں اور اس کی مملکت اور بندے اس کے افعال میں سے ہیں اور ان میں سے جو کچھ دل میں روشن ہوتا ہے ایک جماعت کے نزدیک بعینہ وہ جنت ہے اور اہل حق کے نزدیک جنت کے استحقاق کا سبب بھی یہی ہے اور اس کو جس قدر معرفت حاصل ہوتی ہے اسی وسعت کے اعتبار سے اسے جنت میں جگہ ملے گی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال میں سے جس قدر اس کے لیے واضح ہوتا ہے اسی مقدار میں جنت کا استحقاق ہے۔

عبادات اور اعضاء کے اعمال تمام کے تمام دل کی صفائی اور روشنی کے لیے ہیں اور جس نے اسے پاک کر لیا وہ کامیاب ہوا اور پاکیزگی کا مطلب یہ ہے کہ دل میں ایمان کے انوار حاصل ہوں اور معرفت کے انوار سے دل چمک اٹھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (۱)

اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت دینا چاہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا،

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (۲)

اور وہ شخص جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

پھر اس تجلی اور ایمان کے تین مراتب ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۲۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۲۲

(۱) عوام کا ایمان —— یہ محض تقلید ہے۔

۲۔ متکلمین کا ایمان —— اس میں کسی قسم کا استدلال بھی ملا ہوتا ہے اور اس ایمان کا درجہ عوام کے ایمان کے قریب ہوتا ہے۔

۳۔ عارفین کا ایمان —— نور یقین سے اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ہم ایک مثال سے ان مراتب کی وضاحت کرتے ہیں وہ یوں کہ مثلاً تم تصدیق کرو کہ زید کے گھر میں ہے تو اس کے تین درجات ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ شخص تمہیں خبر دے جس کی سچائی کا تمہیں تجربہ ہے اور تمہیں لگا تے ہو تمہارا دل اس کی بات پر مطمئن ہوتا ہے اور محض خبر سننے سے تمہیں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو یہ محض تقلیدی ایمان ہے اور یہ عوام کے ایمان کی مثل ہے کہ جب وہ سمجھداری کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تو وہ اپنے ماں باپ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اس کے علم، ارادے اور باقی تمام صفات کے بارے میں سنتے ہیں نیز انہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام مبعوث ہوئے اور وہ خود اور ان کا لایا ہوا دین برحق ہے تو جوں ہی وہ سنتے ہیں اسے قبول کر لیتے ہیں اس پر ثابت قدم رہتے ہیں اور مطمئن ہوتے ہیں ان کے ماں باپ جو کچھ ان سے کہتے ہیں اس کے خلاف ان کے دل میں کوئی بات نہیں کھٹکتی کیونکہ وہ اپنے ماں باپ اور اساتذہ کے بارے میں اچھا گمان کرتے ہیں یہ ایمان آخرت میں نجات کا باعث ہے ایسے ایمان دار اصحاب یمین میں سے ابتدائی درجہ کے لوگ ہوتے ہیں مقربین میں سے نہیں ہوتے کیونکہ اس ایمان میں نورِ یقین سے حاصل ہونے والا کشف، بصیرت اور سینے کی کشادگی نہیں ہوتی کیوں کہ جو بات ایک شخص یا کچھ زیادہ لوگوں سے بھی سنی جائے اور وہ اعتقاد سے متعلق ہو تو اس سے غلطی کا امکان ہوتا ہے یہود و نصاریٰ بھی جو کچھ اپنے باپ دادا اور ماؤں سے سنتے ہیں اس پر مطمئن ہوتے ہیں لیکن وہ جس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ غلط ہے کیونکہ ان کو غلط بات بتائی جاتی ہے جب کہ مسلمان سچی بات کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ اس لیے نہیں کہ ان کو اس کی اطلاع کی گئی بلکہ ان کو کلمۂ حق بتایا گیا۔

دوسرا رتبہ یہ ہے کہ مثلاً تم گھر کے اندر سے لیکن دیوار کے پیچھے سے زید کی آواز سنو تو اس بات پر استدلال کرو کہ وہ گھر میں ہے تو تمہارا ایمان اور یقین و تصدیق کہ وہ گھر میں ہے اس تصدیق سے زیادہ قوی ہوگی جو محض سننے سے ہو مثلاً جب تمہیں کہا جائے کہ زید گھر میں ہے پھر اس کی آواز سنو تو تمہارا یقین بڑھ جائے گا کیونکہ جو شخص کسی کی صورت دیکھتے ہوئے اس کی آواز بھی سنے تو اب اس کی آواز شکل و صورت پر دلالت کرتی ہے اور دل فیصلہ کرتا ہے کہ یہ اسی شخص کی آواز ہے اور یہ ایمان دلیل سے ملا ہوا ہے اس میں غلطی کا پایا جانا ممکن ہے کیونکہ ایک آواز کسی دوسری آواز جیسی بھی ہو سکتی ہے اور کسی کی نقل اتارنا بھی ممکن ہے لیکن سننے والے کے دل میں یہ بات نہیں کھٹکتی کیونکہ اس کے لیے یہ تہمت کا مقام نہیں اور وہ اس کی فریب کاری اور نقالی سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔

تیسرا رتبہ یہ ہے کہ مثلاً تم گھر میں داخل ہو اور اپنی آنکھوں سے اسے دیکھو یہ حقیقی معرفت اور یقینی مشاہدہ ہے اور یہ معرفت

مقربین اور صدیقین کی معرفت ہے کیونکہ وہ دیکھ کر ایمان لاتے ہیں تو ان کا ایمان عوام اور متکلمین کے ایمان کو شامل ہوتا ہے لیکن اس میں ایک زائد بات یہ ہوتی ہے کہ اس میں خطا کا امکان نہیں ہوتا۔

ہاں یہ بات ہے کہ علوم کی مقدار کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہوتا ہے اور ان کے درجاتِ کشف بھی مختلف ہوتے ہیں۔

درجاتِ علوم کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص زید کو گھر کے صحن میں سورج کی روشنی میں قریب جا کر دیکھے تو اس کے لیے اس کا ادراک مکمل ہوتا ہے دوسرا آدمی اسے گھر کے اندر، یا دور سے یا شام کے وقت دیکھے تو اسے اس بات کا یقین ہوگا کہ یہ وہی ہے لیکن اس کے وجود میں باریک اور مخفی علامات کا یقین نہیں ہوگا اسی طرح امور الٰہیہ کے مشاہدہ میں بھی فرق ہوتا ہے علوم کی مقدار کی مثال یہ ہے کہ وہ گھر میں زید، عمر و اور بکر وغیرہ کو دیکھے اور دوسرا شخص صرف زید کو دیکھے تو اس کی معرفت معلومات کی کثرت کی وجہ سے یقیناً زیادہ ہوگی۔

تو علوم کی طرف نسبت کے حوالے سے دل کی یہ حالت ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

علومِ عقلیہ، دینیہ، دنیویہ اور اُخرویہ سے نسبت کے اعتبار سے دل کی حالت

جان لو! دل اپنی فطرت وطبیعت کے اعتبار سے معلومات کے حقائق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن وہ علوم جو اس میں آتے ہیں ان کی مختلف قسمیں ہیں ایک بدیہی علم ہے یعنی سیکھنے کے بغیر حاصل ہوتا ہے دوسرا علم کسبی ہے جو سیکھنے سے آتا ہے پھر یہ علم دنیوی بھی ہوتا ہے اور اُخروی بھی۔ علوم عقلیہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ علم جسے نفسِ عقل چاہتی ہے اور وہ تقلید یا سننے سے حاصل نہیں ہوتا یہ ضروری بھی ہوتا ہے یعنی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے اور کیسے حاصل ہوا جیسے انسان اس بات کو جانتا ہے کہ ایک شخص (ایک وقت میں) دو جگہوں پر نہیں ہوتا اور ایک ہی چیز حادث اور قدیم نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی ایک وقت میں موجود اور معلوم ہو سکتی ہے انسان کو بچپن سے ان باتوں کا علم ہوتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ علم کہاں سے حاصل ہوا یعنی اسے اس کے سببِ قریب کا علم نہیں ہوتا ورنہ اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اسے پیدا کیا اور ہدایت دی ہے۔

علوم عقلیہ کی دوسری قسم کسبی علم ہے جو سیکھنے اور استدلال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور ان دو قسموں کو عقل کہا جاتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔

"میں نے دیکھا کہ عقل کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی اور دوسری سمعی اور جب تک طبعی نہ ہو سمعی نفع نہیں دیتی جیسے سورج اس وقت تک فائدہ نہیں دیتا جب تک آنکھ میں بینائی نہ ہو"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے پہلی قسم مراد ہے آپ نے فرمایا۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَ الْعَقْلِ (۱)

اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک عقل سے زیادہ شرف رکھتی ہو۔

اور دوسری قسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے مراد ہے۔

اِذَا تَقَرَّبَ النَّاسُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِاَنْوَاعِ الْبِرِّ فَتَقَرَّبْ اَنْتَ بِعَقْلِكَ۔ (۲)

جب لوگ مختلف قسم کی نیکیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں تو تم اپنی عقل کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرو۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب فطری طبعی عقل سے ممکن نہیں اور نہ ہی علوم ضروریہ بدیہیہ کے ذریعے ممکن ہے بلکہ اس کا ذریعہ کسبی علوم ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت ہی اس بات پر قادر ہو سکتی ہے کہ عقل کو استعمال کر کے ایسے علوم حاصل کریں جن کے ذریعے تمام جہانوں کو پالنے والے کا قرب حاصل کریں۔ تو دل آنکھ کی طرح ہے اور اس میں فطری عقل آنکھ میں دیکھنے کی قوت کی مثل ہے اور دیکھنے کی قدرت ایک ایسا لطیفہ ہے جو اندھے آدمی میں نہیں ہوتا بینا شخص میں موجود ہوتا ہے اگرچہ وہ اپنی آنکھیں بند کر لے یا رات کا اندھیرا ہو جائے۔

اور اس عقل سے جو علم دل کو حاصل ہوتا ہے وہ آنکھ میں دیکھنے کی قوت کی طرح ہوتا ہے کہ اس سے اشیاء کو دیکھا جاتا ہے بچپن میں عقل کی آنکھ سے جو علوم بلوغت اور سمجھدار ہونے تک مؤخر رہتے ہیں تو اس کی مثال اس طرح سمجھیں جیسے سورج کے روشن اور دکھائی دینے والی اشیاء پر اس کے فیضان تک آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور وہ قلم جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ دلوں کے صفحات پر علوم کو منقش کرتا ہے وہ سورج کی ٹکیہ کی طرح ہے اور سمجھدار ہونے سے پہلے بچے کے دل میں علم نہیں آتا کیونکہ اس کے دل کی تختی ابھی تک نفس علم کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئی اور قلم سے ہماری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے جسے انسانوں کے دلوں میں علوم کے نقش ہونے کا سبب بنایا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ (۳)

وہ اللہ تعالیٰ جس نے قلم کے ذریعے سکھایا انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

---

(۱) نوادر الاصول ص ۲۴۰ الاصل السادس والمائتان

(۲) میزان الاعتدال جلد اول ص ۱۵۷ حدیث ۶۲۵

(۳) قرآن مجید، سورۃ العلق آیت ۴

اللہ تعالیٰ کا قلم مخلوق کے قلم کی طرح نہیں ہے جیسے اس کے اوصاف مخلوق کے اوصاف جیسے نہیں ہیں اس کا قلم لکڑی اور کانسے (بانس) سے بنا ہوا نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نہ جوہر ہے اور نہ عرض ــــ غرضیکہ یہ موازنہ کرنا درست ہے لیکن شرف کے اعتبار سے دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ باطنی بصیرت عین نفس ہے اور وہ لطیفہ ہے جو ادراک کرتا ہے اور سوار کا اندھا ہونا گھوڑے کے اندھا ہونے سے زیادہ نقصان دہ ہے بلکہ ان دونوں نقصانوں کے درمیان کوئی نسبت نہیں۔

بصیرت باطنہ کے ظاہری بینائی سے موازنہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے دل کے ادراک کو بھی بینائی قرار دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۔ (۱) — دل نے اس کو غلط نہ سمجھا جو کچھ اس نے دیکھا۔

تو یہاں دل کے ادراک کو رویت (آنکھ سے دیکھنا) قرار دیا اسی طرح ارشاد خداوندی ہے۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (۲) — اسی طرح ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان و زمین کی سلطنت دکھاتے ہیں۔

اور اس سے بھی ظاہری دیکھنا مراد نہیں ہے کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں کہ اسے احسان کے مقام پر ذکر کیا جائے اسی لیے اس کے خلاف کو اندھا پن قرار دیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۔ (۳) — بے شک آنکھیں اندھی نہیں بلکہ وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۔ (۴) — اور جو آدمی اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور راہ راست سے زیادہ بھٹکا ہوگا۔

تو یہ علم عقلی کا بیان ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۷۵

(۳) قرآن مجید، سورۃ الحج آیت ۴۶

(۴) قرآن مجید، سورۃ الاسراء آیت ۷۲

جہاں تک علوم دینیہ کا تعلق ہے تو وہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بطور تقلید حاصل کئے جاتے ہیں اور یہ علوم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سیکھنے اور سننے کے بعد ان کے معانی کو سمجھنے کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں اور قلبی صفت کا کمال اسی سے ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے دل بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے دل کی سلامتی کے لیے علوم عقلیہ کافی نہیں ہیں اگرچہ ان کی ضرورت ہے جس طرح بدن کو ہمیشہ صحت مند رکھنے کے لیے صرف عقل کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ طبیبوں سے دوائیوں کی خصوصیات کی معرفت حاصل کی جائے۔ اور یہ سیکھنے کے ذریعے ہوتی ہے کیونکہ محض عقل کے ذریعے راہنمائی نہیں ہو سکتی لیکن سننے کے بعد اس کا سمجھنا عقل کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا عقل، سماعت سے اور سماعت عقل سے بے نیاز نہیں ہو سکتی تو وہ شخص جو عقل کو ایک طرف رکھ کر محض تقلید کا دعویٰ کرتا ہے وہ جاہل ہے اور جو آدمی قرآن و سنت کے انوار سے روگردانی کر کے محض عقل پر اکتفا کرتا ہے وہ دھوکے میں ہے لہٰذا تمہیں ان دونوں گروہوں سے بچنا چاہیے اور دونوں اصلوں کا جامع ہونا چاہیے کیونکہ علوم عقلیہ غذاؤں کی طرح ہیں اور علوم شرعیہ دوائیوں کی مثل ہیں اور مریض کو جب تک دوائی نہ ملے، غذا نقصان دیتی ہے اسی طرح دل کی بیماریوں کا معاملہ ہے ان کا علاج ان دوائیوں سے ہی ممکن ہے جو شریعت سے حاصل ہوتی ہیں اور وہ عبادات کے وظائف اور اعمال صالحہ ہیں جنہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے دلوں کی اصلاح کے لیے ترتیب دیا ہے تو جو اپنے مرض دل کا علاج عبادات شرعیہ سے نہیں کرتا اور علوم عقلیہ پر ہی اکتفا کرتا ہے اسے نقصان پہنچتا ہے جس طرح بیمار کو غذا سے نقصان ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علوم عقلیہ، علوم شرعیہ کے خلاف ہیں اور دونوں کو جمع کرنا ناممکن ہے تو یہ ایسے آدمی کا خیال ہے جو نورِ بصیرت سے محروم ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں بلکہ ایسے آدمی کے نزدیک تو علوم شرعیہ بھی ایک دوسرے کے خلاف ہوں گے اور وہ ان کو جمع کرنے سے بھی عاجز ہوگا اور وہ یوں خیال کرے گا کہ دین میں تناقض ہے اور یوں وہ حیران رہے گا اور وہ دین سے اس طرح نکل جائے گا جس طرح آٹے سے بال نکل جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے عجز کی وجہ سے دین میں اختلاف معلوم ہوتا ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے،

ایسے شخص کی مثال اس اندھے کی طرح ہے جو کسی کے گھر میں جائے اور اس کا پاؤں گھر کے برتنوں پر پڑ جائے اور وہ ان لوگوں سے کہے کہ برتنوں کو راستے میں کیوں چھوڑا گیا ہے ان کو اپنی جگہ پر کیوں نہیں رکھا گیا وہ جواب دیں کہ برتن تو اپنی جگہ پر ہی تمہیں نابینا ہونے کی وجہ سے راستے کا پتہ نہ چلا تو تم پر تعجب ہے کہ تم اپنی لغزش کو اپنے اندھے پن پر محمول کرنے کی بجائے دوسروں کو قصور وار قرار دیتے ہو۔

تو علوم دینیہ کی علوم عقلیہ کی طرف یہ نسبت ہے علوم عقلیہ کی دو قسمیں ہیں ایک علوم عقلیہ دنیویہ (۲) علوم عقلیہ اُخرویہ علوم دنیویہ عقلیہ جیسے علم طب، حساب، ہندسہ نجوم کا علم اور تمام صنعت و حرفت کا علم۔

اور آخروی علم جیسے دل کے حالات اور آفاتِ اعمال کا علم، اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال کا علم۔

جیسا کہ ہم نے کتاب العلم میں بیان کیا ہے۔

یہ دونوں علم ایک دوسرے کے منافی ہیں یعنی جو شخص ان میں سے ایک میں اپنی ہمت صرف کرتا ہے حتیٰ کہ اس میں خوب غور وفکر کرتا ہے تو عام طور پر دوسری قسم کے علم میں بصیرت کم ہوتی ہے اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دنیا اور آخرت کے لیے تین مثالیں بیان کی ہیں۔

آپ نے فرمایا یہ دونوں، ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں، مشرق اور مغرب کی طرح اور دو سوکنوں کی طرح ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کو راضی کرو گے تو دوسری راضی نہیں ہوگی یہی وجہ ہے کہ تم دیکھو گے جو لوگ امور دنیا اور علم طب، حساب، ہندسہ اور فلسفہ میں ہوشیار ہوتے ہیں وہ آخرت کے امور سے جاہل ہوتے ہیں اور جو لوگ اخروی امور کی باریکیوں سے خوب واقف ہوتے ہیں وہ اکثر علوم دنیویہ سے بے خبر ہوتے ہیں کیونکہ قوت عقل عام طور پر دونوں کو جمع نہیں کر سکتی۔ تو یوں ان میں سے ایک دوسرے میں کمال کے حصول سے مانع ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ الْبُلْہُ (۱) بے شک اکثر جنتی بھولے بھالے ہیں۔

دنیوی امور میں بھولے بھالے لوگ مراد ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا کہ ہم نے کچھ لوگوں کو پایا اگر تم ان کو دیکھو تو انہیں مجنون کہو اور اگر وہ تمہیں پائیں تو وہ تمہیں شیطان کہیں تو جب تم دین میں کسی عجیب بات کے بارے سنو کہ دیگر علوم میں سمجھدار لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو تمہیں یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ بات محال ہے کہ مشرق کی طرف چلنے والا مغرب کی کوئی چیز پالے تو دنیا اور آخرت کا معاملہ بھی یہی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا (۲)

بے شک، وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

یَعْلَمُوْنَ ظَاھِرًا مِّنَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ عَنِ الْاٰخِرَۃِ ھُمْ غٰفِلُوْنَ۔ (۳)

وہ دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں لیکن آخرت سے غافل ہیں۔

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد ۳ ص ۱۱۶۰ ذکر من اسمہ سلامۃ وسلمان

(۲) قرآن مجید، سورۂ یونس آیت ۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ روم آیت ۷

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔ (۱)

پس اس شخص سے اعراض کریں جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیر لیا اور صرف دنیا کا ارادہ کیا یہ ان کے علم کی پہنچ ہے۔

تو دنیوی اور اُخروی دونوں امور میں کمال بصیرت صرف ان لوگوں کو حاصل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی معاش اور معاد دونوں کی تدبیر میں پختگی عطا فرمائی ہے اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت ہے جن کو روح قدس اور قوتِ الٰہیہ سے مدد و تائید حاصل ہوتی ہے ان کے دلوں میں تمام امور کی گنجائش ہوتی ہے اور وہ تنگ نہیں ہوتے لیکن باقی مخلوق کے دل دنیوی امور میں پکے ہوں تو آخرت کے کمال سے قاصر رہتے ہیں۔

الہام اور تعلّم نیز صوفیا کے طریقے اور علماءِ ظاہر کے طریقے میں فرق

وہ علوم جو ضروری یعنی بدیہی نہیں ہیں اور دل میں کبھی کبھی آتے ہیں ان کے حصول کے سلسلے میں حال مختلف ہوتا ہے بعض اوقات اس طرح آتے ہیں کہ گویا کسی نے بے خبری میں ڈال دیا اور کبھی استدلال اور سیکھنے کے طریقے پر حاصل کئے جاتے ہیں۔

وہ علوم جو استدلال اور دلیل کے حیلے سے حاصل نہ ہوں ان کو الہام کہا جاتا ہے اور جو استدلال کے ذریعے حاصل ہوں ان کو اعتبار (قیاس) اور استبصار کہا جاتا ہے۔

پھر وہ علوم جو کسی حیلے، سیکھنے اور کسی قسم کی کوشش کے بغیر دل میں آتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے بارے میں بندے کو علم نہیں ہوتا کہ وہ کیسے اور کہاں سے حاصل ہوا۔

اور دوسرا وہ جس کے سبب کا علم ہوتا ہے پہلے کو الہام اور "نفث فی الروع" (دل میں القاء) کہتے ہیں اور دوسرے کو وحی کہا جاتا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے جب کہ پہلی قسم اولیاء و اصفیاء کے ساتھ مختص ہے اور جس کا پہلے ذکر ہوا یعنی جو کسبی علم ہے وہ علماء کے ساتھ خاص ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دل میں تمام اشیاء کے حقائق روشن ہونے کی استعداد پائی جاتی ہے لیکن اس کے اور ان حقائق کے درمیان وہ پانچ اسباب حائل ہو جاتے ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور یہ اس پردے کی طرح ہے جو دل کے آئینے اور لوح محفوظ کے درمیان لٹکا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے جو فیصلہ فرما دیا وہ سب

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نجم آیت ۱۹، ۲۰

کچھ لوح محفوظ میں منقش ہے اور علوم کے حقائق کا لوح محفوظ سے دل کے شیشے پر منعکس ہونا اس طرح ہے جس طرح ایک شیشے سے صورت دوسرے شیشے میں منتقل ہوتی ہے جو اس کے مقابل ہے اور دو شیشوں کے درمیان جو پردہ ہے کبھی وہ ہاتھ سے دُور کیا جاتا ہے اور کبھی ہوا اسے حرکت دے کر دُور کر دیتی ہے اسی طرح بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے الطاف وکرم کی ہوا چلتی ہے اور لوگوں کے دلوں سے پردے دُور ہو جاتے ہیں اور ان میں وہ چیزیں روشن ہو جاتی ہیں جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔

کبھی یہ بات خواب میں ہوتی ہے اور وہ اس کے ذریعے مستقبل کی باتوں کو جان لیتا ہے اور مکمل طور پر پردے کا اٹھنا موت کے باعث ہوتا ہے اس وقت انکشافِ تام ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات بیداری میں کشف ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے غیبی تائید سے حجاب اٹھ جاتا ہے اور پردۂ غیب سے دل میں علم کی عجیب باتیں روشن ہوتی ہیں بعض اوقات یہ بجلی کی چمک کی طرح ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ مسلسل ایک حد تک چلتا ہے اور اس کا دائمی ہونا نادر ہوتا ہے تو نفس علم کے اعتبار سے الہام، اکتساب سے کوئی الگ چیز نہیں ہے ان کا محل اور سبب بھی مختلف نہیں ہوتا البتہ حجاب کے زوال کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ اور یہ بندے کے اختیار میں نہیں ہے اور اس سلسلے میں وحی بھی الہام سے کوئی الگ چیز نہیں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وحی میں وہ فرشتہ نظر آتا ہے جو علم کا فائدہ دیتا ہے اور دلوں میں جو علم حاصل ہوتا ہے وہ فرشتوں کے ذریعے ہی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے :

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ۔ (۱)

کسی بندے کا حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے وہ وحی ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے کلام ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے جو چاہے اس کے دل میں ڈالتا ہے۔

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ صوفیاء کرام کا میلان علوم الہامیہ کی طرف ہوتا ہے علوم تعلیمیہ کی طرف نہیں ہوتا اسی لیے وہ علم سیکھنے کی حرص نہیں رکھتے اور نہ ہی مصنفین کی تصنیفات سے استفادہ کرتے ہیں وہ اقوال اور دلائل سے بھی بحث نہیں کرتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ طریقت یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کیا جائے، صفات مذمومہ کو مٹا دیا جائے اور تمام خرابیوں کو دُور کیا جائے اور یوں پوری ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی جائے اور جب یہ بات حاصل ہو جائے گی تو پھر اللہ تعالیٰ خود بندے کے دل کا متولی اور کفیل ہوگا کہ اسے علم کے انوار سے روشن کر دے اور جب اللہ تعالیٰ بندے کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ شوریٰ آیت ۵۱

دل کا متولی ہو جائے تو اس پر رحمت کا فیضان ہوتا ہے دل میں نور چمکتا ہے سینہ کھلتا ہے اور ملکوت کے اسرار اس پر منکشف ہوتے ہیں اور رحمتِ خداوندی سے دھوکے کا پردہ دل سے اُٹھ جاتا ہے اور دل میں امورِ الٰہیہ کے حقائق چمکنے لگتے ہیں تو بندے پر اتنی بات لازم ہے کہ وہ دل کو صاف کرے ہمت حاضر کرے، ارادہ سچا ہو پیاس مکمل ہو اور رحمت خداوندی کے انکشاف کے لیے ہمیشہ انتظار میں رہے تو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے لیے معاملہ واضح ہوتا ہے ان کے سینوں میں نور چمکتا ہے لیکن یہ کتابیں پڑھنے اور علم حاصل کرنے کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ دنیا اور اس کی خرابیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے دل کو دینوی مشاغل سے فارغ رکھنے اور تمام ہمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے سے ہوتا ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

اہل تصوف کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں طریقہ یہ ہے کہ پہلے تمام دینوی تعلقات ختم کر دیئے جائیں دل کو ان سے فارغ کر دیا جائے اپنی ہمت کو اہل و مال اولاد و وطن، علم، ولایت اور جاہ مرتبہ سب سے منقطع کر کے اپنے دل کو یوں کر دے کہ اس کے لیے ہر چیز کا وجود اور عدم برابر ہو جائے۔

پھر وہ گوشہ نشین ہو جائے فرض عبادت اور وظائف پر اکتفا کرے اور یوں بیٹھے کہ اس کا دل تمام باتوں سے فارغ ہو جائے حتیٰ کہ نہ تو قرآن پاک کی تلاوت کرے اور نہ اس کی تفسیر میں غور و فکر کرے نہ حدیث شریف لکھنے اور نہ کسی اور بات کی طرف متوجہ ہو بلکہ کوشش کرے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہ آئے اور گوشہ نشینی کی صورت میں بیٹھے ہوئے زبان پر اللہ اللہ کا ورد مسلسل جاری رکھے اور دل بھی حاضر ہو حتیٰ کہ اس کی حالت یہ ہو جائے کہ وہ زبان کو چلانا بند کر دے اور دیکھے کہ کلمہ طیبہ اس کی زبان پر خود بخود جاری ہو گیا پھر اسی حالت پر ٹھہرے کہ زبان سے اس کا اثر زائل ہو جائے اور دل سے مسلسل ذکر میں مشغول ہو یہاں تک کہ اب دل سے الفاظ، حروف اور کلمات کی شکل مٹ جائے اور دل میں صرف کلمے کا مفہوم باقی رہ جائے وہ وہاں حاضر ہو گویا اس کو لازم ہو چکا ہے اس سے کبھی جدا نہیں ہو گا۔ اب اسے اختیار ہے کہ اس حد تک ہی رہے یا وسوسوں کو دور کرتے ہوئے اس حالت کو دائمی بنائے لیکن اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا اختیار نہیں بلکہ وہ اس عمل کی وجہ سے رحمت خداوندی کے انوار کے لائق ہو جاتا ہے اب تو صرف اس بات کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کب کھلتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام اور اولیاء عظام پر اس طریقے سے رحمت کا دروازہ کھولا۔

اس وقت جب اس کا ارادہ سچا ہو گا، ہمت درست ہو گی مواظبت بھی ٹھیک ہو گی اور جذباتِ شہوت سے محفوظ ہو گا اور دینوی تعلقات کی کوئی بات اس کے دل میں نہیں آئے گی تو اس کے دل میں حق کے انوار چمکنے لگیں گے شروع شروع میں وہ چمکنے والی بجلی کی طرح ہو گا وہ نہیں ٹھہریں گے پھر دوبارہ اسی طرح ہو گا اور بعض اوقات ٹھہر بھی جائیں گے اگر اب آئیں تو ٹھہر جائیں گے کبھی نہیں ٹھہریں گے اور جب ٹھہریں تو کبھی زیادہ دیر ٹھہریں گے اور کبھی

تھوڑا وقت ــ بعض اوقات اس قسم کے انوار مسلسل آتے ہیں اور کبھی ایک ہی فن پر اختصار ہوگا۔ اس سلسلے میں اولیاء کرام کے منازل بے شمار ہیں جس طرح ان کے اخلاق کا تفاوت بے انتہا ہے اور بعض اوقات یوں ہوگا کہ تمہاری جانب سے محض دل کو پاک کرنا اور اسے روشن کرنا ہے پھر اس کی لیاقت ہو جانے کے بعد رحمتِ خداوندی کی امید رکھی جائے۔

جہاں تک علماء نے ظاہر کا تعلق ہے تو وہ اس طریقے اور اس کے امکان اور شاذ و نادر اس کے وقوع کا انکار نہیں کرتے کیوں کہ اکثر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی یہی حالت ہوتی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ مشکل ہے اور اس کا نتیجہ دیر سے حاصل ہوتا ہے۔

نیز اس کی شروط کا جمع ہونا بھی ناممکن ہے ان کے خیال میں دنیوی تعلقات کا اس حد تک ختم ہو جانا مشکل ہے اگر کسی حالت میں ایسا ہو بھی جائے تب بھی باقی رہنا مشکل ہے کیونکہ معمولی وسوسے اور خیالات دل کو پریشان کر دیتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ اَشَدُّ تَقَلُّبًا مِنَ الْقِدْرِ فِیْ غَلَیَانِہَا (۱)

ہنڈیا اُبلتے ہوئے اس قدر نہیں اُلٹ پلٹ ہوتی جس قدر مومن کا دل بدلتا رہتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (۲)

مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء سے پاک ہے مقصد یہ ہے کہ اس کے اختیار میں ہے جس طرف چاہے اسے پھیر دے (ہزاروی)

اور اس مجاہدے کے دوران بعض اوقات مزاج بگڑ جاتا ہے عقل میں خرابی آجاتی ہے اور بدن بیمار ہو جاتا ہے۔ اور اگر پہلے سے حقائقِ علوم کے ذریعے نفس کی ریاضت اور تہذیب نہیں کی ہے تو دل میں فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایک عرصہ تک نفس ان پر مطمئن رہتا ہے اور وہ اس وقت زائل ہوتے ہیں جب عمر پوری ہو جاتی ہے۔

کتنے ہی صوفی اس راستے پر چلے پھر بیس سال تک ایک ہی خیال میں رہے اگر انہوں نے پہلے سے علم حاصل کیا ہوتا تو اسی وقت اس قسم کے خیال کا التباس واضح ہو جاتا لہٰذا سیکھنے کے طریقے پر علم میں مشغول ہونا غرض کے زیادہ قریب اور معتبر ہے۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۲۸۹ کتاب التفسیر

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۵ کتاب القدر

علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسا شخص اس آدمی کی طرح ہے جو علم فقہ کا حصول چھوڑ دے اور یوں گمان کرے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہ نہیں سیکھی اور آپ وحی اور الہام کے ذریعے فقیہ ہو گئے تو میں بھی جب ریاضت مکمل کر لوں گا تو فقیہ بن جاؤں گا۔ جو شخص یہ گمان کرتا ہے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنی عمر کو ضائع کیا بلکہ وہ اس شخص کی طرح ہے جو تجارت اور کھیتی باڑی کو چھوڑ دے اور یہ خیال کرے کہ اسے خزانہ مل جائے گا۔ یہ بات ممکن تو ہے لیکن بہت بعید ہے اسی طرح یہ تصور بھی —

علماء کرام فرماتے ہیں پہلے وہ علم حاصل کرنا چاہیے جو علماء نے حاصل کیا اور ان کے اقوال کے معانی سمجھنے چاہئیں اس کے بعد اس چیز کے انتظار میں کوئی حرج نہیں جو عام علماء پر منکشف نہیں ہوتی ہو سکتا ہے اس کے بعد مجاہدہ کے ذریعے اس پر کشف ہو جائے۔

محسوس مثال کے ذریعے دونوں مقاموں کے درمیان فرق کا بیان

جان لو! قلبی عجائب حواس سے ادراک کیے جانے والے امور سے خارج ہیں کیوں کہ خود دل حواس کے ادراک سے خارج ہے اور جو بات حواس کے ذریعے معلوم نہ ہو تو محسوس مثال کے ذریعے ہی کمزور اذہان اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم دو مثالوں کے ذریعے اس بات کو کمزور ذہنوں کے قریب کرتے ہیں۔

پہلی مثال :

اگر ہم زمین میں ایک کھودا ہوا حوض فرض کریں تو اس بات کا احتمال ہوگا کہ اوپر کی جانب سے نہروں کے ذریعے اس تک پانی پہنچایا جائے یا اس حوض کو نیچے کی جانب اس قدر کھودا جائے اور اس سے مٹی نکالی جائے کہ وہ صاف پانی کے ٹھکانے تک پہنچ جائے اور حوض کے نیچے سے پانی جاری ہو جائے یہ پانی زیادہ صاف اور مستقل ہوتا ہے اور زیادہ بھی — تو دل حوض کی مثل ہے اور علم پانی کی طرح ہے حواس خمسہ نہروں کی طرح ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ حواس کی نہروں کے ذریعے اور مشاہدات کے اعتبار سے علوم کو دل تک لے جایا جائے حتیٰ کہ وہ علم سے بھر جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ گوشہ نشینی اور آنکھوں کو بند کرنے کے ذریعے ان نہروں کو بند کر کے دل کو پاک کرنے کے ذریعے اس کے اندر کوشش کی جائے اور اس سے پردوں کو اٹھا دیا جائے یہاں تک کہ علم کا چشمہ خود اس کے اندر سے پھوٹ نکلے۔

اگر تم کہو کہ دل کے اندر سے علم کا چشمہ کیسے جاری ہوگا جب کہ وہ اس سے خالی ہے؟

تو جان لو کہ یہ دل کے اسرار میں سے ایک عجیب بات ہے اور علم معاملہ میں اس کا صرف اسی قدر ذکر ہو سکتا ہے کہ اشیاء کی حقیقتیں لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں بلکہ مقرب ملائکہ کے دلوں پر نقش ہیں تو جس طرح کوئی انجینئر ایک سادہ

کاغذ پر عمارت کا نقشہ بناتا ہے پھر اس نقشے کے مطابق اسے وجود میں لاتا ہے اسی طرح آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے نے اس کائنات کا اول سے آخر تک تمام نقشہ لوح محفوظ پر بنا دیا پھر وہ اسی تحریر کے مطابق بناتا رہتا ہے اب اس ظاہری عالم سے جو وجود اور صورت میں آچکا ہے ایک اور صورت انسانی حس اور خیال میں آتی ہے جو آدمی آسمان اور زمین کی طرف دیکھتا ہے پھر آنکھوں کو بند کر دیتا ہے تو وہ اپنے خیال میں زمین و آسمان کو دیکھتا ہے گویا وہ ان کو دیکھ رہا ہے اگر زمین و آسمان فنا بھی ہو جائیں اور دیکھنے والا موجود ہو تو وہ اپنے خیال میں ان کی صورت کو پاتا ہے گویا وہ ان کو دیکھ رہا ہے اور ان کا مشاہدہ کر رہا ہے پھر اس کے خیال سے دل پر ایک اثر مرتب ہوتا ہے تو حقائق اشیاء جو پہلے حس اور خیال میں داخل ہو گئے تھے اب ان کا حصول دل میں ہوتا ہے تو جو کچھ دل میں آتا ہے وہ اس عالم کے موافق ہوتا ہے جو خیال میں حاصل ہوتا ہے اور جو کچھ خیال میں آتا ہے وہ اس عالم کے موافق ہوتا ہے جو فی نفسہٖ خارج میں یعنی انسان کے خیال اور دل سے باہر موجود ہے اور ظاہری عالم اس نقشہ کے مطابق ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے گویا اس لوح محفوظ میں موجود ہونا اور یہ جسمانی وجود سے مقدم ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کا حقیقی وجود آتا ہے پھر اس کے بعد خیالی وجود آتا ہے یعنی اس کی صورت خیال میں آتی ہے اور پھر خیالی وجود کے بعد عقلی وجود آتا ہے یعنی اب اس کی صورت میں دل میں پیدا ہوتی ہے۔

اور ان موجودات میں سے بعض روحانی ہیں اور بعض جسمانی، اور روحانی موجودات میں سے بعض کی روحانیت دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے اور یہ لطف و کرم حکمتِ خداوندی کے تحت ہے کہ اس نے آنکھ کی پتلی چھوٹی سی بنائی لیکن اس میں تمام جہاں اور زمین و آسمان باوجود اپنی وسعت کے سمانے ہیں پھر ان کا وجود محسوسات سے خیال کی طرف منتقل ہوتا ہے پھر دل میں ایک وجود پیدا ہوتا ہے کیونکہ تم صرف اسی بات کو جان سکتے ہو جو تم تک پہنچے اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں ان کی مثالیں نہ بناتا تو جو چیز تم سے الگ ہوتی تمہیں اس کی خبر نہ ہوتی۔

تو وہ ذات پاک ہے جس نے ان عجائبات کو دلوں اور آنکھوں میں رکھا پھر بعض دلوں اور آنکھوں کو ان سے اندھا کر دیا حتیٰ کہ بعض لوگوں کو اپنے نفسوں اور ان کے عجائبات کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔

اب ہم اپنی غرض اور مقصود کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل میں جو عالم کی حقیقت اور صورت پیدا ہوتی ہے کبھی وہ حواس کے ذریعے آتی ہے اور کبھی لوح محفوظ سے، جس طرح آنکھ کو سورج کبھی اس کی طرف دیکھنے سے نظر آتا ہے اور کبھی اس پانی میں دیکھنے سے دکھائی دیتا ہے جو سورج کے مقابلے میں ہے اور اس میں سورج نظر آرہا ہے تو جب دل اور لوح محفوظ کے درمیان پردہ نہیں رہتا تو وہ اشیاء کو دل میں دیکھتا ہے اور اس کو ان کا علم حاصل ہوتا ہے اور وہ حواس کے استفادہ سے مستغنی ہو جاتا ہے اور یہ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے زمین کی گہرائی سے پانی امڈ آئے اور بعض اوقات وہ ان خیالات کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو محسوسات سے حاصل ہوتے ہیں تو اس وقت وہ لوح محفوظ کو دیکھنے سے پردے میں ہوتا ہے جس طرح نہروں میں پانی جمع ہو جائے تو اب زمین سے نہیں نکلتا اور جس طرح پانی

میں سورج کو دیکھنے والا سورج کی ذات کی طرف نہیں دیکھتا۔

تو گویا دل کے دو دروازے ہیں ایک عالم ملکوت کی طرف کھلتا ہے اور وہ لوح محفوظ اور عالم ملائکہ ہے اور دوسرا دروازہ حواس خمسہ کی طرف کھلتا ہے جو عالم ظاہری سے اشیاء کو حاصل کرتے ہیں اور یہ ظاہری عالم بھی عالم ملکوت کی حکایت کرتا ہے (یعنی اسے دکھاتا ہے)

جہاں تک حواس کے ذریعے حقائق اشیاء کو حاصل کرنے کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے پوشیدہ نہیں۔

لیکن اندر سے عالم ملکوت کی طرف دروازے کا کھلنا، لوح محفوظ پر مطلع ہونا، تو تم خواب کے عجائبات میں غور کرکے علم یقینی کے ساتھ اسے جان سکتے ہو اسی طرح دل کو خواب کی حالت میں مستقبل پر اطلاع ہو جاتی ہے نیز ماضی کے حالات سے بھی آگاہی ہوتی ہے لیکن یہ حصول علم حواس کے طریقے سے نہیں ہوتا اور یہ دروازہ ان لوگوں کے لیے کھلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مختص ہو جاتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"مُفَرِّدُوْنَ سبقت لے گئے" عرض کیا گیا مفردون کون لوگ ہیں؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا وہ لوگ جو اپنے آپ کو ذکر خداوندی کے ذریعے پاک صاف کرتے ہیں ذکر الٰہی ان سے ان کے بوجھوں کو ہلکا کر دیتا ہے اور وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے ہوں گے (۱)

پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتے ہوئے ان کا وصف یوں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور کیا کوئی جانتا ہے کہ میں انہیں کیا دینا چاہتا ہوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا میں ان کو سب سے پہلے جو کچھ دوں گا وہ نور ہے جو میں ان کے دلوں میں ڈالتا ہوں تو وہ میرے بارے میں یوں خبر دیتے ہیں جیسے میں ان کے بارے میں خبر دیتا ہوں اور ان خبروں کا دخول باطنی دروازے سے ہوتا ہے۔

تو اولیاء و انبیاء اور علماء و حکماء کے علوم کے درمیان یہ فرق ہے کہ ان لوگوں کے علوم دل کے اندر سے اس دروازے سے آتے ہیں جو عالم ملکوت کی طرف کھلتا ہے اور حکمت کا علم حواس کے دروازوں سے آتا ہے جو ظاہری دنیا کی طرف کھلتے ہیں عالم قلب کے عجائب اور ان کا شہادت و غیب کے درمیان پھرنا علم معاملہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس مثال سے دونوں علموں کا مدخل معلوم ہو سکتا ہے۔

دوسری مثال سے تمہیں علماء کے عمل اور اولیاء کے عمل کے درمیان فرق معلوم ہو جائے گا کیونکہ علماء کرام نفس علوم کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں دل کی طرف لاتے ہیں لیکن صوفیاء کرام صرف دل کو روشنی پہنچاتے اور پاک صاف

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۳۹۹ کتاب الذکر (کچھ تبدیلی کے ساتھ)

کرنے کے لیے عمل کرتے ہیں۔

منقول ہے کہ چین اور رُوم والوں نے کسی بادشاہ کے سامنے نقش و نگار اور تصاویر بنانے کے سلسلے میں باہم مقابلہ کیا بادشاہ کی رائے اس بات پر ٹھہر گئی کہ وہ ایک مکان ان کے سپرد کر دیں کہ اس کی ایک جانب چین والے بیل بوٹے بنائیں اور دوسری جانب رُوم والے بنائیں۔ اور درمیان میں پردہ ڈال دیا جائے کہ وہ ایک دوسرے پر مطلع نہ ہو سکیں چنانچہ اس نے اسی طرح کیا۔

رُوم والوں نے عجیب و غریب قسم کے بے شمار رنگ اکٹھے کئے اور اہل چین کوئی رنگ ساتھ لئے بغیر داخل ہوئے اور اپنی طرف کی دیوار کو خوب صاف کرنا شروع کر دیا جب رُوم والے فارغ ہو گئے تو اہل چین نے کہا ہم بھی فارغ ہو گئے ہیں بادشاہ کو ان کی بات پر تعجب ہوا کہ وہ کسی رنگ کے بغیر نقش و نگار سے کیسے فارغ ہو گئے۔ پوچھا گیا کہ کسی رنگ کے بغیر تم کیسے فارغ ہو گئے؟ انہوں نے کہا تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے پردہ اٹھاؤ جب پردہ اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی جانب رُومیوں کی کاریگری کے عجائب چمک رہے ہیں بلکہ ان کی چمک مزید بڑھ گئی ہے اور وہ اس شیشے کی طرح ہے جسے رگڑ رگڑ کر خوب چمکایا گیا ہو تو زیادہ صاف کرنے اور رگڑنے کی وجہ سے ان کی جانب خوبصورتی زیادہ ہو گئی۔

اسی طرح جب اولیاء کرام اپنے دل کو خوب پاک اور روشن کر دیتے ہیں تو ان میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات چمکنے لگتی ہیں جیسے چین والوں نے کیا تھا اور حکماء اور علماء حصول علم کے ذریعے اپنے دلوں کو منقش کرتے ہیں جیسے رُوم والوں نے کیا۔

تو جو بھی صورت ہو مومن کا دل مرتا نہیں اور وہ جب انتقال کرتا ہے تو اس کا علم مٹتا نہیں اور نہ ہی اس کی صفائی میں کوئی گدلا پن آتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا مٹی محل ایمان کو نہیں کھاتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہے اور وہ جو اسے نفس علم حاصل ہوتا ہے اور اس کے حصول کے لیے دل کی صفائی اور استعداد حاصل ہوتی ہے اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی بھی شخص علم و معرفت کے بغیر سعادت مند نہیں ہو سکتا اور بعض سعادتیں، دوسری سعادتوں کے مقابلے میں زیادہ قابل قدر ہوتی ہیں جیسے آدمی کا مال کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا تو ایک درہم والا بھی غنی ہے اور جس کے پاس بہت زیادہ خزانے ہوں وہ بھی غنی ہے تو سعادت مندوں کے درجات میں تفاوت معرفت و ایمان کے تفاوت کی بنیاد پر ہوتا ہے جیسے مالدار لوگوں کے درجات میں فرق، مال کی قلت اور کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے تو معارف، انوار ہیں اور مومن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی کوشش اپنے انوار کے ذریعے ہی کرتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے،

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ[1] ان کا نور ان کے آگے اور دائیں دوڑتا ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ ان میں سے بعض کو پہاڑ کی مثل نور عطا ہو گا اور بعض کو اس سے کم حتی کہ ان میں سے آخری شخص کو پاؤں کے انگوٹھوں پر دیا جائے گا کبھی وہ چمکنے لگے گا اور کبھی روشن نہیں ہو گا جب وہ روشن ہو گا تو یہ قدم بڑھاتے ہوئے چلے گا اور جب وہ روشنی نہیں دے گا تو یہ کھڑا ہو جائے گا۔

پل صراط پر وہ اپنے نور کے مطابق چلیں گے ان میں سے بعض پلک جھپکتے ہی گزر جائیں بعض بجلی چمکنے کی طرح، کوئی بادلوں کی مثل، کوئی ستارہ ٹوٹنے کی طرح اور کوئی گھوڑے کی طرح گزرے گا جب وہ میدان میں سرپٹ دوڑتا ہے اور جس شخص کو قدموں کے انگوٹھوں پر نور دیا جائے گا تو اپنے چہرے ہاتھوں اور پاؤں پر گھسٹتا ہوا گزرے گا ایک ہاتھ کو کھینچے گا تو دوسرا لٹک جائے گا اور اس کے اردگرد آگ پہنچ جائے گی اور وہ مسلسل اسی طرح رہے گا یہاں تک کہ اسے چھٹکارا حاصل ہو۔ (۲)

تو اس طرح ایمان کے اعتبار سے لوگوں میں تفاوت ظاہر ہوتا ہے اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا، انبیاء و مرسلین، علیہم السلام کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ایمان سے موازنہ کیا جائے تو یہ زیادہ ہو گا تو اس کی مثال اس طرح جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر سورج اور تمام چراغوں کی روشنی کے درمیان مقابلہ کیا جائے تو سورج کی روشنی زیادہ ہو گی۔

تو عام لوگوں کے ایمان کی مثال چراغوں کی روشنی کی طرح ہے اور ان میں سے بعض کا نور شمع کی روشنی کی طرح ہے اور صدیقین کے ایمان کا نور چاند اور ستاروں کے نور کی طرح ہے اور انبیاء کرام کا ایمان سورج کی مثل ہے اور جس طرح سورج کی روشنی میں آفاق کی صورت باوجود اس کی وسعت کے منکشف ہوتی ہے لیکن چراغ کی روشنی سے گھر کا ایک تنگ کونہ ہی روشن ہوتا ہے اسی طرح سینہ معرفت سے کھلتا ہے اور عارفین کے دلوں کے لیے ملکوت کی وسعتیں منکشف ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن کہا جائے گا جس شخص کے دل میں ایک مثقال کے برابر یا نصف مثقال یا مثقال کے چوتھے حصے یا ایک جَو کے دانے یا ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہے اسے جہنم سے نکال دو (۳) تو اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان کے درجات میں تفاوت ہے اور ایمان کی یہ (مذکورہ بالا) مقداریں جہنم میں داخل ہونے سے نہیں روکتیں اور اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حدید آیت ۱۲

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۷۸ کتاب التفسیر (کافی تبدیلی کے ساتھ)

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۰۲ کتاب التوحید

جس شخص کا ایمان ایک مثقال سے زیادہ ہو گا وہ جہنم میں داخل نہیں ہو گا کیونکہ اگر وہ داخل ہوتا تو اسے نکالنے کا بھی حکم دیا جاتا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو گا وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا اگرچہ اس میں داخل ہو گا۔

اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَيْسَ شَيْءٌ خَيْرًا مِنْ اَلْفٍ مِثْلِهٖ اِلَّا الْاِنْسَانُ الْمُؤْمِنُ (۱)

کوئی چیز اپنی جیسی ہزار چیزوں سے بہتر نہیں البتہ مومن آدمی بہتر ہے۔

اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عارف باللہ کا دل عوام کے ہزار دلوں سے بہتر ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۲)

اور تم ہی بلند ہو گے اگر تم مومن ہو۔

اس آیت میں مومنوں کو مسلمانوں پر فضیلت دی ہے اور مومن سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے محض مقلد مومن مراد نہیں اور ارشاد خداوندی ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کو بلندی عطا کرتا ہے اور علم والوں کے لیے درجات ہیں۔

یہاں ایمان والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے علم کے بغیر تصدیق کی ان لوگوں کو علم والوں سے الگ رکھا اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ مومن کا لفظ مقلد پر بھی بولا جاتا ہے اگرچہ اس کی تصدیق بصیرت اور کشف کی بنیاد پر نہیں ہوتی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ" کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عالم کو مومن پر سات سو درجات بلند فرمائے گا اور دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہو گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَكْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْبُلْهُ وَعِلِّيُّوْنَ لِذَوِي الْاَلْبَابِ۔ (۴)

جنت میں اکثریت ان لوگوں کی ہو گی جو بھولے بھالے ہیں اور اوپر والے درجات عقل مند لوگوں کے لیے ہیں۔

---

(۱) کنزالعمال جلد ۱۲ ص ۱۹۱ حدیث ۳۴۶۱۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۳۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ مجادلہ آیت ۱۳۹

(۴) الکامل لابن عدی جلد ۳ ص ۱۱۹۰ ذکر من اسمہ سلامۃ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِي۔ (۱)

عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح مجھے اپنے ایک ادنی صحابی پر فضیلت ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ جس طرح چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے (۲)

ان دلائل سے تمہارے لیے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ جنت والوں کے درجات میں تفاوت ان کے دلوں اور معرفت میں فرق کے اعتبار سے ہے۔ اسی لیے قیامت کا دن گھاٹے کا دن ہوگا کیونکہ جو شخص اللہ تعالی کی رحمت سے محروم ہو وہ بہت بڑا نقصان اٹھاتا ہے اور اس قسم کا محروم آدمی اپنے سے اوپر بڑے درجات دیکھے گا اور اس کا دیکھنا اس طرح ہوگا جس طرح دس درہم کے ساتھ مالدار ہونے والا شخص اس مالدار کو دیکھتا ہے جو مشرق سے مغرب تک زمین کا مالک ہے حالانکہ دونوں غنی (مالدار) ہیں لیکن دونوں کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے اور جو شخص آخرت میں بڑے درجات سے محروم ہوگا اس کا نقصان اور خسارہ کس قدر ہوگا۔ کیوں کہ آخرت کے درجات بڑے اور فضیلت زیادہ ہے۔

حصولِ معرفت کے سلسلے میں اہل تصوف کے طریقے کی درستگی

اہل تصوف حصول معرفت کے سلسلے میں تعلیم و تعلم اور عام طریقے کو چھوڑ کر جو راستہ اختیار کرتے ہیں اس کے درست ہونے پر دلائل کا بیان۔

جس شخص کے لیے کوئی بات اگرچہ وہ چھوٹی سے بات ہو کشف اور الہام کے ذریعے ظاہر ہو اور اس کو اس کا علم نہ ہو تو وہ صحیح طریقے پر عارف ہوگا اور جو آدمی اس بات کا ادراک نہ رکھتا ہو اسے بھی اس پر ایمان لانا چاہیے کیوں کہ معرفت کا درجہ انسان میں فطری اور جبلی ہے اور اس بات پر شریعت، تجربات اور حکایات سے شواہد شہادت دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (۳)

اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے دکھاتے ہیں۔

دل سے حصول علم کے بغیر محض عبادت کی وجہ سے جو حکمت ظاہر ہوتی ہے وہ کشف و الہام کے طور پر ہوتی ہے۔ اور

---

(۱) جامع ترمذی ص ۳۸۴، ابواب العلم

(۲) جامع ترمذی ص ۳۸۴، ابواب العلم

(۳) قرآن مجید، سورۂ عنکبوت آیت ۶۹

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص سیکھے ہوئے پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم عطا کرتا ہے جو وہ نہیں جانتا اور اسے عمل کی بھی توفیق عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ اس کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے اور جو آدمی اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو جو کچھ وہ جانتا ہے اس میں حیران رہتا ہے اور اسے عمل کی توفیق نہیں دی جاتی حتیٰ وہ جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا۔ (۲)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ بنا دیتا ہے۔

یعنی وہ مشکل اور مشتبہ مقامات سے نکل آتا ہے۔

وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ (۳)

اور اللہ تعالیٰ اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جس جگہ کے بارے میں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

(اس کی تفسیر یہ بھی ہے کہ) اللہ تعالیٰ اسے سیکھنے کے بغیر علم عطا فرماتا ہے اور کسی تجربے کے بغیر اسے سمجھداری عطا کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا۔ (۴)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو وہ تمہارے لیے حق و باطل میں فرق کرنے والی قوت پیدا کر دے گا۔

کہا گیا ہے کہ اس سے نور مراد ہے جو حق و باطل میں فرق کرتا ہے اور اس کے ذریعے شبہات ختم ہو جاتے ہیں اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ اپنی دعاؤں میں نور کا سوال کثرت سے کرتے تھے۔

آپ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا وَزِدْنِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ

اللہ مجھے نور عطا فرما اور میرے نور میں اضافہ کر میرے

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۱۵ ترجمہ ۴۵۷

(۲) قرآن مجید، سورۃ الطلاق آیت

(۳) قرآن مجید، سورۃ الطلاق آیت

(۴) قرآن مجید، سورۃ انفال آیت ۲۹

لِیْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ قَبْرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا۔ (۱)

دل کو نورانی بنا دے میری قبر میں نور پیدا کر دے میرے کانوں اور میری آنکھوں میں نور پیدا فرما۔

حتیٰ کہ آپ نے فرمایا:

وَفِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ لَحْمِیْ وَدَمِیْ وَعِظَامِیْ۔ (۲)

اور میرے بالوں اور جلد میں نور پیدا کر دے اور میرے گوشت خون اور ہڈیوں میں نور پیدا کر دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ (۳)

تو جس شخص کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

یہ کھولنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

هُوَ التَّوْسِعَةُ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا قُذِفَ بِهِ الْقَلْبُ اتَّسَعَ لَهُ الصَّدْرُ وَانْشَرَحَ۔ (۴)

یہ وسعت ہے کہ جب دل میں نور ڈالا جاتا ہے تو اس کے لیے سینہ وسیع ہو جاتا ہے اور کھل جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں یوں دعا فرمائی یا اللہ! ان (حضرت ابن عباس) کو دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما (۵)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خفیہ طور پر کوئی بات نہیں بتائی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی کتاب کی سمجھ عطا فرمائے اور یہ بات سیکھنے سے نہیں ہوتی۔

ارشاد خداوندی ہے۔

یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ (۶)

جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۵ کتاب الدعوات

(۲) ایضاً۔

(۳) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۲۲

(۴) الدر المنثور جلد ۵ ص ۳۲۵ تحت آیت افمن شرح اللہ

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۶۶ مرویات ابن عباس

(۶) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۶۹

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے قرآن پاک کی سمجھ مراد ہے۔
اور ارشاد خداوندی ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (۱) — تو ہم نے یہ فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔

تو آپ پر جو کشف ہوا اس کو فہم (سمجھ) سے تعبیر فرمایا۔
حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے باریک پردے کے پیچھے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم یہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ڈالتا اور زبانوں پہ جاری کرتا ہے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ مومن کا گمان کہانت ہے (گویا وہ نفاذ اور صحتِ وقوع اور قوت کے اعتبار سے جادو ہے۔)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى (۲) — مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے

قرآن پاک کی اس آیت میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔ (۳) — بے شک اس میں اصحاب فراست کے لیے نشانیاں ہیں

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔ (۴) — بے شک ہم نے یقین کرنے والی قوم کے لیے آیات بیان کیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا علم دو ہیں ایک وہ علم ہے جو دل میں پوشیدہ ہے اور وہی علم نافع ہے۔ (۵)
بعض علماء سے علم باطنی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بعض دوستوں کے دلوں میں ڈالتا ہے اور اس پر کسی فرشتے اور انسان کو اطلاع نہیں ہوتی۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۹۔
(۲) جامع ترمذی ص ۴۴، ابواب التفسیر
(۳) قرآن مجید سورۂ الحجر آیت ۵۔
(۴) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۱۸
(۵) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۳۳ حدیث ۲۸۶۶۷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اُمَّتِیْ مُحَدَّثِیْنَ وَمُعَلَّمِیْنَ وَمُکَلَّمِیْنَ وَاِنَّ عُمَرَ مِنْھُمْ۔ (۱)

بے شک میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن سے کلام کیا جاتا ہے اور ان کو سکھایا جاتا ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ہے

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ۔ (۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول، نبی اور صدیق کو نہیں بھیجا۔

یعنی ان کی قرأت میں لفظ "ولا محدث" کا اضافہ ہے اور محدَث (دال پر فتحہ ہے) اس شخص کو کہتے ہیں جسے الہام ہوتا ہے اور الہام وہ کشف ہے جو اندر سے دل میں کھلتا ہے۔
محسوساتِ خارجیہ کی طرف سے نہیں آتا اور قرآن پاک میں واضح طور پہ مذکور ہے کہ تقویٰ، ہدایت اور کشف کی چابی ہے اور یہ علم، سیکھنے کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ۔ (۳)

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ پیدا کیا وہ متقی لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تو متقی لوگوں کے ساتھ ان کو خاص کیا۔ اور ارشاد خداوندی ہے۔

ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (۴)

یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور متقی لوگوں کے لیے، ہدایت اور نصیحت ہے۔

حضرت ابو یزید اور دوسرے بزرگ فرماتے تھے وہ شخص عالم نہیں ہے جو قرآن حفظ کرتا ہے اور جب یاد کیا ہوا بھول جائے تو وہ جاہل ہو جاتا ہے بے شک عالم وہ ہے جو اپنے رب سے علم حاصل کرتا ہے جب چاہیے نہ اسے یاد کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی پڑھنے کی۔ یہی علم ربانی ہے اور اس آیت کریمہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے:

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۱ کتاب المناقب

(۲) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۲۵

(۳) قرآن مجید، سورۂ یونس آیت ۶

(۴) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۳۸

ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (۱) اور ہم نے ان کو اپنی طرف سے علم سکھایا۔

اس کے باوجود کہ تمام علم اسی کی طرف سے ہوتا ہے لیکن بعض علم مخلوق کے سکھانے کے ذریعے سے ہوتے ہیں تو ایسے علم کو علم لدنی نہیں کہتے بلکہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو کسی خارجی معروف سبب کے بغیر دل کے اندر آتا ہے۔

تو یہ قرآن و حدیث سے شواہد پیش کئے گئے اس سلسلے میں جس قدر آیات و احادیث آئی ہیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو شمار میں نہیں آسکتیں۔

جہاں تک تجربات کے ذریعے اس بات کے مشاہدے کا تعلق ہے تو یہ بھی حد سے باہر ہے اور یہ صحابہ کرام تابعین اور بعد والے لوگوں پر ظاہر ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ نے اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اس وقت ان کی زوجہ حاملہ تھیں تو ان کے ہاں بچی پیدا ہوئی۔ گویا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ کو اس بچی کے پیدا ہونے سے پہلے معلوم ہو گیا کہ بچی پیدا ہو گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ کے دوران فرمایا" اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جاؤ" کیونکہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان پر دشمن حملہ کرنے والا ہے تو اس معرفت کی بنیاد پر آپ نے ان کو آگاہ فرمایا پھر ان کی آواز کا وہاں پہنچنا عظیم کرامات میں سے ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور راستے میں مجھے ایک عورت ملی تھی میں نے اس کو ترچھی نظر سے دیکھا تو اچھی طرح اس کے حسن میں غور کیا جب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک میرے پاس آتا ہے اور اس کی آنکھوں پر زنا کا اثر ظاہر ہوتا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے توبہ کیجئے ورنہ میں آپ کو سزا دوں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے؟

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ بصیرت، برہان اور سچی فراست ہے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک فقیر کو دیکھا جس پر دو گدڑیاں تھیں میں نے اپنے دل میں کہا یہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ عوام الناس پر بوجھ ہیں۔ اتنے میں اس فقیر نے مجھے پکارتے ہوئے کہا جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے لہٰذا پرہیز کرو تو میں نے دل ہی دل میں توبہ

---

(۱) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۶۵

مجھے پکارتے ہوئے کہا وہی ذات ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتی ہے پھر وہ غائب ہو گیا اور میں نے اسے نہ دیکھا۔

حضرت زکریا بن داؤد فرماتے ہیں کہ ابوالعباس بن مسروق، ابوالفضل ہاشمی کی عیادت کے لیے گئے وہ بیمار تھے اور عیال دار بھی، ان کے لیے گزر اوقات کا بظاہر کوئی سامان نہ تھا فرماتے ہیں جب میں اٹھا تو میں نے دل میں کہا یہ شخص کہاں سے کھاتا ہوگا؟ فرماتے ہیں انہوں نے چلاتے ہوئے کہا اے ابوالعباس! یہ نہایت نکما اور بے تکا خیال ہے اللہ تعالیٰ کے الطاف پوشیدہ ہیں۔

حضرت احمد نقیب فرماتے ہیں میں حضرت شبلی رحمہ اللہ کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا اے احمد! ہم فتنے میں مبتلا ہوئے میں نے کہا کیا خبر ہے؟ فرماتے ہیں بیٹھا ہوا تھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ تم بخیل ہو میں نے کہا میں بخیل نہیں ہوں تو میرے دل میں دوبارہ یہی خیال آیا کہ تم بخیل ہو میں نے کہا آج مجھے جو کچھ ملے گا میں وہ سب سے پہلے ملاقات کرنے والے فقیر کو دے دوں گا میں اسی سوچ میں تھا کہ بادشاہ کا ایک غلام میرے پاس آیا اس کے پاس پچاس دینار تھے اس نے کہا یہ اپنی ضروریات پر خرچ کرو فرماتے ہیں میں اٹھا اور وہ دینار لے کر باہر نکل گیا اچانک دیکھا کہ سامنے ایک فقیر ہے جو اندھا ہے اور حجام کے سامنے بیٹھا ہوا سر منڈوا رہا ہے میں اس کی طرف بڑھا اور دینار اسے پکڑا دیئے اس نے کہا اس حجام کو دے دو میں نے کہا ان کی تعداد اتنی ہے اس نے کہا کیا ہم نے نہیں کہا تھا کہ تم بخیل ہو فرماتے ہیں میں نے وہ دینار حجام کو دے دیئے، حجام نے کہا جب یہ فقیر ہمارے سامنے بیٹھا تو ہم نے عہد کیا کہ ہم اس سے اجرت نہیں لیں گے فرماتے ہیں میں نے وہ دینار دریائے دجلہ میں پھینک دیئے اور میں نے کہا جو شخص تیری عزت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے گا۔ (یعنی روپے پیسے کی عزت کرنے والا ذلیل ہوتا ہے)

حضرت حمزہ بن عبداللہ علوی فرماتے ہیں میں حضرت ابوالخیر تینانی کے پاس گیا اور میں نے دل میں خیال کیا کہ میں اسے سلام بھی نہیں کروں گا اور اس کے گھر میں کھانا بھی نہیں کھاؤں گا جب میں اس سے رخصت ہوا تو وہ کھانے کا ایک تھال لے کر مجھ سے ملا اور کہا اے نوجوان! کھا لو اب تم نے اپنا عہد پورا کر لیا اور یہ حضرت ابوالخیر تینانی کرامات میں مشہور تھے۔

حضرت ابراہیم رقی فرماتے ہیں میں نے ان کی خدمت میں جا کر سلام عرض کرنے کا ارادہ کیا اور مغرب کے وقت وہاں حاضر ہوا وہ سورۃ فاتحہ بھی ٹھیک طریقے سے نہ پڑھ سکے میں نے دل میں کہا کہ میرا سفر ضائع ہو گیا جب انہوں نے سلام پھیرا اور میں طہارت کے لیے باہر گیا تو ایک شیر نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا میں حضرت ابوالخیر کی طرف لوٹا اور عرض کیا کہ شیر مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے آپ ساتھ نکلے اور اسے آواز دیتے ہوئے فرمایا کیا میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ میرے مہمانوں کو نہ چھیڑا کرو چنانچہ شیر ہٹ گیا اور میں نے طہارت حاصل کی۔ جب میں واپس آیا تو انہوں نے فرمایا تم ظاہر کو درست کرنے میں مشغول ہوئے تو شیر سے ڈر گئے اور ہم باطن کو درست کر رہے ہیں اس لیے شیر ہم سے

ڈرتا ہے۔

اس قسم کی بے شمار حکایات ہیں جن سے مشائخ کی فراست اور لوگوں کے اعتقاد اور پوشیدہ باتوں کے بارے میں ان کے خبر دینے کا پتہ چلتا ہے بلکہ مشائخ نے جو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کر کے ان سے سوالات کئے اور غیبی آوازیں سنیں اور اس کے علاوہ مختلف قسم کی کرامات بے شمار ہیں البتہ منکر کے لیے صرف حکایات کافی نہیں ہیں جب تک وہ خود اس کا مشاہدہ نہ کرے اور جو آدمی اصل کا منکر ہو وہ تفصیل کا بھی منکر ہوتا ہے اور قطعی دلیل جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا دو باتیں ہیں۔

۱۔ سچے خوابوں کے عجائبات جن کے ذریعے غیب سے پردہ اٹھتا ہے تو جب یہ بات خواب میں جائز ہے تو بیداری کی حالت میں بھی محال نہ ہوگی کیونکہ نیند اور بیداری میں فرق یہی ہے کہ نیند کی حالت میں حواس ساکن ہوتے ہیں اور وہ محسوسات میں مشغول نہیں ہوتے اور کتنے ہی جاگنے والے ایسے ہیں کہ وہ اپنے آپ میں مشغولیت کی وجہ سے سنتے اور دیکھتے نہیں۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی باتوں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی خبر دی ہے جیسے قرآن پاک سے ثابت ہے تو جب یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے تو دوسروں کے لئے بھی جائز ہے کیونکہ نبی وہ شخص ہے جس پر حقائقِ امور منکشف ہو گئے اور وہ لوگوں کی اصلاح میں مشغول ہوا۔

تو یہ بات محال نہیں ہے کہ کوئی ایسا شخص موجود ہو جس پر حقائق کا انکشاف ہوا اور وہ لوگوں کی اصلاح میں مشغول نہ ہو۔ اسے نبی نہیں کہا جاتا بلکہ وہ ولی کہلاتا ہے۔

پس جو شخص انبیاء کرام پر ایمان لاتا اور صحیح خوابوں کی تصدیق کرتا ہے تو یقیناً اس پر اس بات کا اقرار لازم آتا ہے کہ دل کے دو دروازے ہیں ایک باہر کی طرف ہے اور وہ حواس ہیں اور ایک دل کے اندر سے عالم ملکوت کی طرف ہے اور یہ الہام، القاء اور وحی کا دروازہ ہے تو جب کوئی شخص اس بات کا اقرار کرے تو اب یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ علوم کا حصول محض سیکھنے اور معتاد اسباب پر منحصر ہے بلکہ مجاہدہ بھی اس کا ایک راستہ ہے ـــــ تو اس بیان سے اس حقیقت پر آگاہی ہو جاتی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ دل عالم ظاہری اور عالم ملکوت کے درمیان پھرتا رہتا ہے۔

نیند کی حالت میں انکشاف امر کا سبب اس مثال کے ذریعے جو تعبیر کی محتاج ہے اور اسی طرح فرشتوں کا انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے پاس مختلف صورتوں میں آنا کیسے ہوتا ہے تو یہ بھی دل کے عجائب سے ہے اور یہ علم مکاشفہ کے ہی لائق ہے اس لیے ہم اسی مذکورہ بحث پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ مجاہدہ کی ترغیب اور اس سے کشف کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

کسی صاحب کشف نے فرمایا کہ میرے سامنے کراماً کاتبین فرشتے ظاہر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ تم توحید کے مشاہدہ سے متعلق اپنی مخفی حالت ہمیں لکھ دو کیونکہ ہم تمہارا کوئی عمل نہیں لکھتے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم تمہارا وہ عمل لے کر بارگاہ خداوندی میں جائیں جس کے ذریعے تم اس کا قرب حاصل کرتے ہو میں نے پوچھا کیا تم میرے فرائض نہیں لکھتے ؟ انہوں نے فرمایا ہم لکھتے ہیں میں نے کہا پھر تمہیں وہی کافی ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کراماً کاتبین دل کے اسرار پر مطلع نہیں ہوتے بلکہ وہ محض ظاہری اعمال پر مطلع ہوتے ہیں۔

ایک عارف فرماتے ہیں میں نے ایک ابدال سے مشاہدہ یقین کے بارے میں پوچھا تو وہ بائیں طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے کیا کہتے ہو ؟ پھر دائیں طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کیا کہتے ہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے پھر وہ اپنے سینے کی طرف جھکا اور کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تم کیا کہتے ہو ؟۔

پھر اس نے نہایت عجیب و غریب جواب دیا جو میں نے سنا اور میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے یہ توجہ کیوں کی ؟ اس نے کہا کہ میرے پاس تمہارے سوال کا جواب حاضر نہ تھا میں نے بائیں طرف والے فرشتے سے پوچھا تو اس نے کہا میں نہیں جانتا پھر دائیں طرف والے سے پوچھا اور وہ اس سے زیادہ جانتا ہے لیکن اس نے بھی کہا میں نہیں جانتا پھر میں نے اپنے دل کی طرف نظر کی اور اس سے پوچھا تو اس نے مجھے وہ بات بتائی جو میں نے تمہیں بتائی ہے تو وہ (دل) ان دونوں (فرشتوں) سے زیادہ جانتا ہے۔

گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مفہوم ہے۔

آپ نے فرمایا:

إِنَّ فِي أُمَّتِي مُحَدَّثِينَ وَإِنَّ عُمَرَ مِنْهُمْ۔ (۱)	میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن کو الہام ہوتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ہیں۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

میں جس بندے کے دل کو دیکھتا ہوں کہ اس میں میرے ذکر سے تعلق غالب ہے تو میں اس کی سیاست کا متکفل ہو جاتا ہوں نیز اس کا ہمنشین ہوتا اور اس سے ہمکلام ہوتا ہوں نیز اس سے محبت کرتا ہوں حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دل ایک ایسے برج کی طرح ہے جس کے چاروں طرف بند دروازے ہیں تو اس کے لیے جو دروازہ کھلتا ہے وہ اس میں عمل کرتا ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ ملکوت کی طرف بھی ایک دروازہ کھلتا ہے اور یہ دروازہ تقویٰ اور مجاہدہ کے ذریعے نیز دنیوی خواہشات سے بچنے کی صورت میں کھلتا ہے اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

---

(۱) صحیح بخاری، جلد اول ص ۵۲۱ کتاب المناقب

نے لشکروں کے سرداروں کو لکھا کہ مطیع و فرمانبردار لوگ تم سے جو کچھ کہیں اسے یاد رکھو کیونکہ ان کے لیے سچے امور منکشف ہوتے ہیں بعض علماء نے فرمایا کہ حکماء کے منہ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور ان سے وہی حق بات نکلتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کی ہے کسی اور بزرگ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو کہہ دوں کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو اپنے بعض اسرار پر مطلع کرتا ہے۔

شیطان کا دل میں وسوسہ ڈالنا اور وسوسہ کیا ہے

جان لو جیسا کہ ہم نے بیان کیا دل ایک برج کی طرح ہے جس کے کئی دروازے ہیں ان دروازوں سے اس پر احوال کی آمد و رفت ہوتی ہے اس کی مثال اس نشانے جیسی ہے جس پر ہر طرف سے تیر برسائے جاتے ہیں یا وہ آئینے کی طرح ہے جو نصب کیا گیا اور اس پر مختلف صورتیں گزرتی ہیں اور ایک کے بعد دوسری کا عکس پڑتا رہتا ہے یا ایک حوض کی طرح ہے جس میں مختلف نالیوں سے پانی آتا رہتا ہے۔

تو ہر حال میں دل کے اندر جو یہ نئے نئے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو یہ آثار یا تو ظاہر سے ہوتے ہیں اگر ایسا ہے تو یہ حواس خمسہ سے ہوتا ہے یا اندر سے ہوتے ہیں تو یہ خیال، شہوت غضب اور ان اخلاق سے ہوتے ہیں جو انسان کے مزاج مرکبہ سے ہیں جب وہ حواس کے ذریعے کسی چیز کا ادراک کرتا ہے تو اس سے دل میں ایک اثر پیدا ہوتا ہے اسی طرح جب زیادہ کھانے اور مزاجی قوت کی وجہ سے شہوت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے تو اس سے دل میں ایک اثر پیدا ہوتا ہے اور اگر وہ احساس کو روک بھی دے تو وہ خیالات جو نفس کو حاصل ہوئے وہ باقی رہتے ہیں اور وہ خیال ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

اور خیال کے منتقل ہونے کی طرح دل بھی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے مقصود یہ ہے کہ دل کی تبدیلی اور تاثر ہمیشہ ان اسباب سے ہوتی ہے۔

دل میں حاصل ہونے والے اثرات میں سے سب سے خاص اثر خواطر ہیں اور خواطر (خاطر کی جمع) سے مراد دل میں حاصل ہونے والے افکار و اذکار ہیں اس سے میری مراد یہ ہے کہ وہ علوم جن کا دل کو ادراک ہوتا ہے یا تو وہ نئے ہوتے ہیں یا ان کی یاد دہانی ہوتی ہے ان کو خواطر اس لیے کہتے ہیں کہ دل میں غفلت کے بعد یہ چیزیں وہاں آتی ہیں اور خواطر، ارادوں کو حرکت دیتے ہیں کیوں کہ نیت، عزم اور ارادہ ان خواطر کے بعد ہوتا جو دل میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

افعال کی بنیاد خواطر ہیں پھر وہ خاطر رغبت کو حرکت دیتا ہے رغبت عزم کو متحرک کرتی ہے، عزم نیت کو حرکت میں لاتی ہے اور نیت اعضاء کو متحرک کرتی ہے۔

وہ خواطر جو رغبت کو حرکت دیتے ہیں وہ کبھی شر کی طرف بلاتے ہیں جو بالآخر نقصان دیتی ہے اور بھلائی کی طرف

بھی بلاتے ہیں اور وہ بھلائی آخرت میں نفع پہنچاتی ہے چونکہ یہ دونوں مختلف قسم کے خاطر ہیں لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے نام بھی مختلف ہوں پس جو خاطر محمود ہے وہ الہام کہلاتا ہے اور مذموم خاطر یعنی جو برائی کی طرف بلاتا ہے وہ وسوسہ کہلاتا ہے جب تم جانتے ہو کہ یہ خواطر، نو پید ہوتے ہیں تو ہر نو پید (حادث) چیز کو کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہوتا ہے تو جب حوادث مختلف ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسباب میں بھی اختلاف ہے۔

یہ وہ بات ہے جو مسببات کو اسباب پر مرتب کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت مبارکہ سے معلوم ہوتی ہے۔

جب آگ کی روشنی سے دیواریں روشن ہوتی ہیں اور دھوئیں سے مکان کی چھت سیاہ اور تاریک ہو جاتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ تاریکی کا سبب روشنی کے سبب سے الگ ہے۔

اسی طرح دل کے انوار اور تاریکی کے اسباب بھی مختلف ہیں وہ خاطر جو نیکی کی دعوت دیتا ہے اس کے سبب کو ملک (فرشتہ) کہا جاتا ہے اور وہ خاطر جو برائی کی طرف بلاتا ہے اسے شیطان کہتے ہیں وہ لطف و کرم جو دل کو الہام کی قبولیت کے لیے تیار کرتا ہے اسے توفیق کہا جاتا ہے اور وہ چیز جو دل کو شیطانی وسوسوں کے لیے تیار کرتی ہے اس کو اغواء اور خذلان کہتے ہیں۔

تو معانی کا اختلاف، نام کے مختلف ہونے کا متقاضی ہے اور ملک (فرشتہ) اس مخلوق کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس شان سے پیدا کیا کہ وہ خیر کا فیضان اور علم کا فائدہ دیتا ہے حق کو واضح کرنا، بھلائی کا وعدہ دینا اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا اور اس مقصد کے لیے مسخر کیا۔

اور شیطان وہ مخلوق ہے جو اس کی ضد ہے وہ برائی کا وعدہ دیتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے جب انسان نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے محتاجی سے ڈراتا ہے۔

تو وسوسہ، الہام کے مقابلے میں اور شیطان فرشتے کے مقابلے میں ہے جب کہ توفیق، خذلان کے مقابلے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (١) — اور ہم نے ہر چیز سے جوڑا جوڑا بنایا۔

ہر موجود چیز ایک دوسرے کے مقابلے میں اور جوڑا جوڑا ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے اس کا کوئی مقابل نہیں بلکہ وہی واحد حق ہے اور تمام جوڑوں کو پیدا کرنے والا ہے تو دل شیطان اور فرشتے کی کھینچا تانی میں رہتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(١) قرآن مجید، سورۂ ذاریات آیت ٤٩

فِی الْقَلْبِ لَمَّتَانِ لَمَّۃٌ مِنَ الْمَلَکِ اِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِکَ فَلْیَعْلَمْ اَنَّہٗ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَلْیَحْمَدِ اللّٰہَ وَلَمَّۃٌ مِنَ الْعَدُوِّ اِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ وَنَھْیٌ عَنِ الْخَیْرِ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِکَ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ " (۱)

دل میں دو اثر ہوتے ہیں ایک اثر فرشتے کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ بھلائی کا وعدہ دیتا اور حق کی تصدیق کرتا ہے تو جو شخص یہ بات پائے وہ جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور دوسرا اثر شیطان کی طرف سے ہے اور وہ برائی کا وعدہ دیتا حق کو جھٹلاتا اور بھلائی سے روکتا ہے تو جو آدمی یہ حالت پائے وہ شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۔ (۲)

شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

(حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دو ارادے ہیں جو دل کے ارد گرد پھرتے ہیں ایک قصد و ارادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور دوسرا ارادہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنے ارادے کے وقت سوچ لیا کرے پھر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اسے کر گزرے اور جو اس کے دشمن کی طرف سے ہو تو اس سے رکے ان دو قوتوں کے درمیان دل کی کھینچا تانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ ۔ (۳)

مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔)

اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اس کے لیے گوشت ہڈی اور خون سے مرکب انگلیاں ہوں جو پوروں کے درمیان تقسیم ہوں چونکہ انگلیوں سے جلدی جلدی پھیرا جاتا ہے لہٰذا جلدی جلدی بدلنا اور حرکت دینے اور تبدیل کرنے پر قدرت کا حاصل ہونا مراد ہے۔ ہم جب یہ بات کہتے ہیں تو اس سے انگلیاں مراد نہیں لیتے بلکہ کسی شخص کے فعل کی تبدیلی کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ کام فرشتے اور شیطان سے لیتا ہے اور وہ دونوں دلوں کو بدلنے کے سلسلے میں اس کی قدرت کے تحت ہیں جیسے تمہاری انگلیاں جسموں کو بدلنے میں تمہارے قابو میں ہیں۔

---

(۱) جامع الترمذی ص ۴۲۵، ابواب التفسیر

(۲) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۶۸

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۵ کتاب القدر

دل اصل فطرت کے اعتبار سے فرشتے کے اثرات اور شیطان کے اثرات دونوں کو قبول کرنے کی برابر برابر صلاحیت رکھتا ہے ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے البتہ خواہش کی اتباع یا اس کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنے کے اعتبار سے دونوں میں سے ایک جانب دوسری پر غالب ہو جاتی ہے اگر انسان غصّے اور خواہشات کے مقتضیٰ کی اتباع کرے تو خواہش کے واسطہ سے شیطان کا غلبہ ظاہر ہو جاتا ہے اور دل شیطان کا مرکز بن جاتا ہے کیونکہ خواہش شیطان کی چراگاہ ہے اور اگر خواہشات سے لڑتے ہوئے اسے اپنے آپ پر مسلط نہ ہونے دے اور فرشتوں کے اخلاق کی مشابہت اختیار کرے تو اس کا دل فرشتوں کا ٹھکانہ اور اترنے کی جگہ ہوتا ہے تو جب کوئی بھی دل شہوت، غضب حرص، طمع اور لمبی امید وغیرہ بشری صفات سے خالی نہیں ہوتا اور یہ سب خواہش کی فرع ہیں تو لازماً شیطان کو بھی وسوسے کے ذریعے دل میں عمل حاصل ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شیطان ہے" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے لیے بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں میرے لیے بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی تو وہ مسلمان ہو گیا یا میں اس سے محفوظ ہو گیا) اب وہ بھلائی کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا (۱)

یہ اس لیے ہے کہ شیطان شہوت کے واسطے سے اپنا عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس شخص کی شہوت کے خلاف اس کی مدد کرے یہاں تک کہ وہ اسی مقام پر پیدا ہو جو اس کے مناسب ہے نیز مناسب حد تک ہو تو یہ شہوت برائی کی دعوت نہیں دیتی اور شیطان بھی جس نے برائی کا لباس پہن رکھا ہے، اسے بھلائی کا ہی حکم دیتا ہے۔

اور جب خواہشات کے تقاضے کے مطابق دل پر دنیا کی یاد غالب ہو تو شیطان وہاں میں گنجائش پاتے ہوئے وسوسے ڈالتا ہے اور جب دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جائے تو شیطان کوچ کر جاتا ہے اور اس کا میدان تنگ ہو جاتا ہے پس فرشتہ آگے بڑھتا ہے اور اسے الہام کرتا ہے فرشتوں اور شیطانوں کے لشکروں کے درمیان دل کے میدان جنگ میں ہمیشہ لڑائی جاری رہتی ہے یہاں تک کہ دل ان میں سے ایک کے لیے کھل جائے اور وہ اس کا وطن بن جائے اور وہاں ٹھکانہ بنائے اب دوسرے کا گزر محض آ چکنے کے طور پر ہوتا ہے۔

اکثر دلوں کو شیطانوں کے لشکروں نے فتح کر لیا ہے اور وہ ان کے مالک بن بیٹھے ہیں اور اب وہ وسوسوں سے بھر چکے ہیں جو جلدی ختم ہونے والی دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور آخرت کو چھوڑ رہے ہیں، اور ان کے غالب ہونے کا مبدا خواہشات اور شہوتیں ہیں اور اب دلوں کو فتح کرنا اسی صورت میں ممکن ہے جب دل کو شیطان کی قوت سے خالی کر دیا جائے اور وہ قوت خواہش اور شہوت ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آباد کیا جائے اور یہی فرشتوں

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۸۰ حدیث ۹۴۲

حضرت جابر بن عبیدہ عدوی فرماتے ہیں میں نے حضرت علاء بن زیاد رحمہ اللہ سے شکایت کی کہ میرے دل میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں انہوں نے فرمایا اس کی مثال اس گھر جیسی ہے جہاں چوروں کا گزر ہوتا ہے اگر وہاں کوئی چیز موجود ہو تو وہ اٹھا کر اسے لے جائیں گے ورنہ اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ یعنی وہ دل جو خواہشات سے خالی ہو وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ (۱)　　بے شک میرے بندوں پر تجھے کوئی حکومت حاصل نہیں۔)

تو جو شخص خواہش کے پیچھے چلتا ہے وہ خواہش کا بندہ ہے اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر شیطان کو مسلط کیا ہے،

ارشاد خداوندی ہے۔

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ (۲)　　کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لے وہ خواہش کا بندہ ہے اللہ تعالےٰ کا بندہ نہیں ہے۔

اسی لیے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز اور قرأت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا یہ وہ شیطان ہے جس کو خنزب کہتے ہیں جب تم اسے محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور تین مرتبہ بائیں طرف تھوکو" وہ فرماتے ہیں میں نے اسی طرح کیا تو اللہ تعالیٰ اسے مجھ سے لے گیا۔ (۳)

ایک حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَیْطَانًا یُقَالُ لَهُ الْوَلْهَانُ فَاسْتَعِیْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْهُ۔ (۴)　　بے شک وضو کا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے پس اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

دل سے شیطان کے وسوسے اسی صورت میں مٹ سکتے ہیں جب وسوسہ پیدا کرنے والی چیز کے علاوہ کا ذکر کیا جائے

---

(۱) قرآن مجید سورۃ اسراء آیت ٦٥

(۲) قرآن مجید سورۃ جاثیہ آیت ۲۳

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۱٦ مرویات عثمان بن ابی العاص

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۳٦ مرویات ابی بن کعب

کیوں کہ جب دل میں کسی چیز کا ذکر آتا ہے تو جو کچھ پہلے موجود ہے وہ چلا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس سے متعلق جو کچھ ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ شیطان کا میدان ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی محفوظ جانب ہے، اور اس صورت میں شیطان کی کوئی مجال نہیں ہوتی۔ اور ہر چیز کا علاج اس کی ضد کے ساتھ کیا جاتا ہے اور تمام شیطانی وسوسوں کی ضد پناہ مانگنے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے نیز "لاحول ولا قوۃ" کے ذریعے اپنی قوت سے برأت کا اعلان ہو۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" کا یہی مطلب ہے اور اس بات پر صرف متقی لوگ قادر ہو سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا ذکر غالب ہوتا ہے اور شیطان لغزشوں کے وقت محض جھپٹنے کے طور پر ان کے گرد چکر لگاتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔ (۱)

بے شک وہ لوگ جو پرہیزگار ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی ٹھیس پہنچتی ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ارشاد خداوندی ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ (۲)

وسوسے ڈالنے والے شیطان کے شر سے جو (اللہ تعالیٰ کا ذکر سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ (شیطان) دل پر چھایا ہوا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ سکڑ جاتا ہے جب غافل ہوتا ہے تو وہ اس کے دل پر پھیل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور شیطان کے وسوسے کے درمیان جنگ اسی طرح ہے جس طرح روشنی اور اندھیرے نیز رات اور دن کے درمیان لڑائی جاری اور چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ۔ (۳)

ان پر شیطان غالب آگیا تو اس نے ان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۲۰۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ الناس آیت ۴

(۳) قرآن مجید، سورۃ مجادلہ آیت ۱۹

شیطان انسان کے دل پر اپنی سونڈ رکھ دیتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو وہ سکڑ جاتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو بھول جائے تو اس کے دل کو لقمہ بنا لیتا ہے (۱)

ابن وضاح نے اپنی ایک روایت میں کہا ہے کہ جب آدمی چالیس برس کا ہو جاتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو شیطان اس کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا ہے اس چہرے پر قربان جائیں جو فلاح نہیں پائے گا۔

جس طرح شہوات انسان کے گوشت اور خون سے ملی ہوئی ہیں اسی طرح شیطان کا غلبہ بھی اس کے گوشت اور خون میں ملا ہوا ہے اور اسی کے دل کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ فَضَیِّقُوْا مَجَارِیَہٗ بِالْجُوْعِ۔ (۲)

بے شک شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے پس اس کے راستوں کو بھوک کے ذریعے تنگ کر دو۔

کیونکہ بھوک شہوت کو توڑ دیتی ہے اور شیطان کے راستے شہوتیں ہیں اور چونکہ شہوتوں نے دل کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے تو اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول یوں نقل کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ۔ (۳)

(شیطان نے کہا) میں ضرور بضرور ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا پھر میں ان پر ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے نیز ان کی دائیں اور بائیں جانب سے حملہ کروں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک شیطان ابن آدم کی تاک میں مختلف راستوں پر بیٹھا وہ اسلام کے راستے پر بیٹھا اور کہنے لگا کیا تو اپنے اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دے گا؟ لیکن انسان نے اس کی بات نہ مانی اور وہ اسلام لے آیا پھر وہ اس کے ہجرت کے راستے میں بیٹھا اور کہا کیا تو ہجرت کرتا ہے؟ اور اپنی زمین اور فضا کو چھوڑ رہا ہے اس نے شیطان کی بات نہ مانی اور ہجرت کی پھر وہ اس کے لیے جہاد کے راستے میں بیٹھا اور کہنے لگا کیا تو جہاد کرتا ہے؟ یہ تو جان اور مال کو ضائع کرتا ہے تو لڑے گا تو قتل کیا جائے گا لوگ تیری بیویوں سے نکاح کریں گے اور تیرا مال تقسیم ہو جائے گا اس نے شیطان کی یہ بات بھی نہ مانی اور جہاد کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسا کرے اور پھر فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اسے جنت میں

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۱۴۹ کتاب التفسیر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۶ مرویات انس

(۳) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۶، ۱۷

داخل کرے۔ (۱)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ کا معنیٰ بیان فرمایا اور یہ وہی خیالات ہیں جو مجاہد کے دل میں پیدا ہوتے ہیں کہ وہ قتل کر دیا جائے گا اور اس کی بیویوں سے نکاح کیا جائے گا اور اس کے علاوہ ایسے خیالات جو اسے جہاد سے روک دیتے ہیں اور یہ خواطر معلوم ہیں تو اب وسواس (شیطان) مشاہدہ سے معلوم ہو گیا اور ہر خاطر (وسوسے) کا ایک سبب ہے جس کا نام معلوم ہونا چاہیے اور اس سبب کا نام شیطان ہے اور آدمی سے اس کے جدا ہونے کا تصور نہیں ہو سکتا البتہ اس کی بات نہ ماننے اور اس کی پیروی کرنے کے اعتبار سے لوگ مختلف ہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر آدمی کا ایک شیطان ہے (۲)

تو اس تمام بیان سے وسوسہ، الہام، فرشتہ، شیطان، توفیق اور خذلان کا مفہوم واضح ہو گیا۔

اب اگر یہ بات دیکھی جائے کہ شیطان کی ذات کیسی ہے وہ جسم لطیف ہے یا سرے سے جسم ہی نہیں اور اگر جسم ہے تو انسان میں کیسے داخل ہوتا ہے تو علم معاملہ میں ان باتوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں بحث کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کے کپڑوں میں سانپ گھس آئے وہ اسے دور کرنے اور اس کے نقصان کو زائل کرنے کا محتاج ہو تو اب وہ اس کے رنگ، شکل اور طول و عرض میں بحث کرنے میں مشغول ہو جائے۔ یہ عین جہالت ہے تو وہ خیالات جو شر کا باعث ہیں ان کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے اور اس میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ یقیناً اس کا کوئی سبب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ چیز جو آئندہ شر کی طرف بلانے والی ہو وہ دشمن ہوتی ہے تو اس سے دشمن کا وجود لازماً معلوم ہو گیا لہٰذا اب اس کے خلاف جہاد میں مشغول ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس کی عداوت کی پہچان کرائی ہے تاکہ لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کے شر سے بچیں ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (۳)	بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس اسے اپنا دشمن سمجھو وہ اپنی جماعت کو بلاتا ہے تاکہ وہ جہنمیوں میں سے ہو جائیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے،

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ	اے انسان کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۸۳ حدیث برہ بن ابی فاکہ

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۱۷۸ حدیث ۴۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۶

لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ (۱) شیطان کی پوجا نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔
لہٰذا بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ سے دشمن کو دور کرنے میں مشغول ہو اس کے اصل، نسب اور جگہ کے بارے میں نہ پوچھے ہاں اس کے ہتھیار کے بارے میں پوچھے تاکہ اسے اپنے آپ سے دور کرے اور شیطان کا اسلحہ خواہش اور شہوات ہیں علاوہ کے لیے اس قدر کافی ہے جہاں تک اس کی ذات و صفات اور حقیقت کی معرفت کا تعلق ہے تو ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ فرشتوں کی حقیقت معلوم کرنا عارفین کا میدان ہے جو علوم مکاشفات میں مستغرق رہتے ہیں لہٰذا علم معاملہ میں اس کی پہچان کی ضرورت نہیں ہے۔
ہاں یہ بات جاننا مناسب ہے کہ خواطر کی تین قسمیں ہیں ایک قسم کے خواطر وہ ہیں جو قطعی طور پر معلوم ہیں کہ وہ شر کی طرف بلاتے ہیں تو ان کا وسوسہ ہونا پوشیدہ نہیں ہے اور دوسری قسم ان خواطر کی ہے جو نیکی کی دعوت دیتے ہیں تو اس میں شک نہیں ہے کہ وہ الہام ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں تردد ہوتا ہے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خاطر فرشتے کی طرف سے ہے یا شیطان کی جانب سے۔ شیطان کے مکر و فریب سے ہے کہ وہ بھلائی کے مقام پر شر کو پیش کرتا ہے اور اس میں امتیاز کرنا مشکل بات ہے اور اکثر لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں کیونکہ شیطان لوگوں کو صریح شر کی طرف بلانے پر قادر نہیں ہوتا لہٰذا وہ شر کو خیر کی صورت دیتا ہے جیسے وہ کسی عالم کو وعظ کے طریقے پر کہتا ہے کہ لوگوں کو دیکھو کہ وہ جہالت کی وجہ سے مردہ ہیں غفلت کی وجہ سے ہلاک ہو گئے اور جہنم کے کنارے پر پہنچ گئے کیا تمہیں مخلوق پر رحم نہیں آتا کہ تم ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سختیوں سے بچاؤ اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام فرمایا کہ تمہیں روشن دل، فصیح زبان اور مقبول لہجہ عطا کیا تو تم کس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہو اور اس کی ناراضگی مول لیتے ہو تم اشاعت علم سے خاموشی اختیار کرتے ہو اور لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف نہیں بلاتے۔
شیطان اس کے دل میں مسلسل یہ بات ڈالتا اور نہایت لطیف حیلوں کے ذریعے اسے وعظ گوئی پر مجبور کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے پھر وہ اسے دعوت دیتا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے زینت اختیار کرے یعنی اچھے الفاظ استعمال کرے اور بھلائی ظاہر کرے شیطان اس سے کہتا ہے کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو ان کے دلوں میں تمہاری گفتگو کی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گی اور وہ راہ حق کی ہدایت نہیں پائیں گے وہ مسلسل یہ بات اس کے دل میں ڈالتا اور پکی کرتا ہے اور اسی دوران اس شخص کو ریاکاری، مخلوق کے ہاں قبولیت، جاہ و مرتبہ کی لذت اور ماننے والوں کی کثرت کا شوق دلاتا ہے نیز یہ کہ وہ دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھے تو ان نصیحتوں کے ذریعے اس بیچارے کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اب وہ واعظ تقریر کرتے ہوئے

(۱) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۶۰

خیال کرتا ہے کہ اس کا مقصد بھلائی ہے حالاں کہ اس کا مقصد مرتبہ اور لوگوں میں مقبولیت کا حصول ہے تو اس طرح وہ ہلاک ہو جاتا ہے حالاں کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقام حاصل ہوا ہے اور یہ ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِقَوْمٍ لَا خَلَاقَ لَھُمْ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں کے ذریعے کرتا ہے جن کا (دین میں) کچھ حصہ نہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد کسی فاجر شخص کے ذریعے بھی کرتا ہے۔

اسی لیے مروی ہے کہ شیطان لعین انسانی شکل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا اور کہنے لگا "لا الٰہ الا اللہ" پڑھیں آپ نے فرمایا یہ کلمہ حق ہے لیکن میں تمہارے کہنے پر نہیں کہوں گا (آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی) کہ وہ بھلائی کے پردے میں مکر و فریب کرتا ہے اور اس قسم کے شیطانی مکر بے شمار ہیں ان کے ذریعے علماء، عبادت گزار، زاہد فقراء اور اغنیاء ہلاک ہوتے ہیں اور وہ لوگ بھی تباہ ہو جاتے ہیں جو ظاہری شر کو برا سمجھتے ہیں اور واضح گناہوں میں پڑنا اچھا نہیں سمجھتے ہم شیطان کے کچھ مکر و فریب، غرور کے بیان میں ذکر کریں گے جو اس حصے کے آخر میں ہے۔ اور اگر فرصت و مہلت ملی تو خاص اس موضوع پر ایک کتاب لکھیں گے جس کا نام "تلبیس ابلیس" ہوگا کیوں کہ اب شیطان کے دھوکے شہروں اور بندوں میں پھیل گئے ہیں بالخصوص مذاہب اور اعتقادات میں۔ یہاں تک کہ اب نیک کام محض رسمًا رہ گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے مکر و فریب پر یقین کر لیا جاتا ہے۔

بندے کو چاہیے کہ دل میں جو خیال آئے اس پر غور کرے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ فرشتے کی طرف سے ہے یا شیطان کی جانب سے؟ اس کو بصیرت کی نظر سے اچھی طرح دیکھے کیوں کہ یہ بات اپنی طبعی خواہش سے معلوم نہیں ہو سکتی اس کے لیے تقویٰ اور بصیرت کا نور اور کثرتِ علم کی ضرورت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا۔ (۳)

بے شک وہ لوگ جو متقی ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی ٹھیس پہنچتی ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۳۰۲ کتاب الجہاد

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴ کتاب المغازی (۳) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۲۰۱

یعنی وہ نورِ علم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (۱) — اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

یعنی ان کا اشکال دور ہو جاتا ہے۔

لیکن جو شخص اپنے لیے تقویٰ کو پسند نہیں کرتا تو اس کی طبیعت اپنی خواہش کے مطابق شیطانی مکر و فریب پر یقین کرتی ہے اب اس میں غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں اور وہ فوری طور پر ہلاک ہو جاتا ہے اور اسے کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۔ (۲) — اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا۔

کہا گیا ہے کہ اس سے وہ اعمال مراد ہیں جن کو وہ نیکیاں سمجھتے تھے تو دیکھا کہ وہ برائیاں ہیں۔

علوم معاملہ میں سے نہایت گہرا علم نفس کے دھوکے اور شیطان کے مکر و فریب پر مطلع ہوتا ہے اور یہ ہر بندے پر فرض عین ہے جب کہ مخلوق نے اسے چھوڑ رکھا ہے اور وہ ایسے علوم میں مشغول ہو گئے ہیں جو ان کو وسوسوں میں ڈالتے ہیں ان پر شیطان کو مسلط کرتے ہیں اور اس کی دشمنی اور اس کے بچنے کے طریقے سے ان کو غافل کرتے ہیں اور کثرت وسواس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ خواطر کے دروازے بند کر دیئے جائیں اور ان کے دروازے حواس خمسہ ہیں اور ان کے داخلی دروازے شہوتیں اور دنیوی تعلقات ہیں، اندھیرے گھر میں تنہائی اختیار کرنا حواس کے دروازوں کو بند کرتا ہے اور اہل و مال سے علیحدگی اختیار کرنا باطن سے وسوسوں کے دروازوں کو کم کر دیتا ہے اس کے باوجود دل میں جاری خیالات کے راستے کھلے رہیں گے اور یہ اسی صورت میں دور ہوتے ہیں جب دل کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رکھا جائے لیکن شیطان پھر بھی دل کو کھینچتا اور اس سے جھگڑا کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کرتا ہے لہٰذا مجاہدہ کی ضرورت ہے اور یہ مجاہدہ موت تک جاری رہتا ہے کیونکہ جب تک آدمی زندہ ہے شیطان سے چھوٹ نہیں سکتا۔

ہاں بعض اوقات انسان قوی ہوتا ہے اور وہ شیطان کے سامنے نہیں جھکتا وہ جہاد کے ذریعے اپنے آپ سے شیطان کے شر کو دور کرتا ہے لیکن جب تک اس کے جسم میں خون گردش کرتا ہے وہ جہاد اور مدافعت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جب تک وہ زندہ ہوتا ہے شیطان کے دروازے اس کے دل کی طرف کھلے ہوتے ہیں بند نہیں ہوتے اور وہ شہوت، غضب، حسد، طمع اور حرص و لالچ ہے جیسے ان کی وضاحت آئے گی اور جب دروازہ کھلا ہو اور دشمن

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۲۰۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ زمر آیت ۴۷

غافل نہ ہو تو اس وقت دفاع صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ حفاظت کی جائے اور اس سے لڑا جائے۔
ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا اے ابو سعید! کیا شیطان سوتا ہے؟ آپ مسکرائے اور فرمایا اگر وہ سو جاتا تو ہمیں آرام مل جاتا پس اس صورت میں مومن اس سے نہیں بچ سکتا ہاں اس کو دور اور کمزور کرنے کا راستہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُنْضِیْ شَیْطَانَہٗ کَمَا یُنْضِیْ اَحَدُکُمْ بَعِیْرَہٗ فِیْ سَفَرِہٖ - (۱)

بے شک مومن شیطان کو اس طرح کمزور کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک سفر میں اپنے اونٹ کو کمزور کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مومن کا شیطان کمزور ہوتا ہے
حضرت قیس بن حجاج نے کہا کہ میرے شیطان نے مجھ سے کہا میں تم میں داخل ہوا تو میں اونٹ کی طرح مضبوط تھا اور اب میں چڑیا کی طرح ہوں میں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا تم مجھے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعے پگھلا رہے ہو متقی لوگوں کے لیے شیطان کے ظاہری دروازوں کو بند کرنا اور ان کی حفاظت کرنا مشکل نہیں یہ وہ راستے ہیں جو ظاہری گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں لیکن شیطان کے جو راستے پوشیدہ ہیں ان میں ان متقی لوگوں سے بھی لغزش ہو جاتی ہے کیونکہ انہیں ان کا علم نہیں ہوتا کہ ان کی حفاظت کریں جیسا کہ ہم نے علماء و واعظین کو شیطان کے دھوکہ دینے کے سلسلے میں ذکر کیا ہے مشکل یہ ہے کہ شیطانی دروازے جو دل کی طرف کھلتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور فرشتوں کا دروازہ صرف ایک ہے اور بعض اوقات یہ اکیلا دروازہ ان متعدد دروازہ میں مشتبہ ہو جاتا ہے۔ تو بندہ اس مسافر کی طرح ہوتا ہے جو اندھیری رات میں کسی ایسے جنگل میں کھڑا ہو جس میں بہت سے دشوار گزار راستے ہوں تو اسے راستے کا علم بصیرت کی آنکھ اور چمکنے والے سورج سے ہوتا ہے اور یہاں بصیرت کی آنکھ وہ دل ہے جو تقویٰ کے ذریعے صاف کیا گیا۔ اور چمکنے والا سورج بہت زیادہ علم ہے جو قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعے درست راستہ معلوم ہوتا ہے ورنہ شیطانی راستے بہت زیادہ ہیں اور گہرے بھی۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمارے لیے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس لکیر کے دائیں بائیں بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر ایک پر ایک شیطان ہے جو آدمی کو اپنی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ (۲)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۸۰ مرویات ابو ہریرہ
(۲) مشکوۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب السنۃ۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ - (۱)

بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اس پر چلو اور مختلف راستوں کی پیروی نہ کرو۔

ان خطوط کے بارے میں فرمایا تو حضور علیہ السلام نے شیطان کے زیادہ راستوں کو بیان فرمایا۔ اور ہم نے اس کے راستوں میں سے ایک باریک راستے کی مثال بھی لکھ دی تھی اس سے وہ طریقہ مراد ہے جس کے ذریعے شیطان علما کرام نیز خواہشات پر کنٹرول کرنے والوں اور ظاہری گناہوں سے بچنے والوں کو دھوکہ دیتا ہے اب ہم اس کے واضح راستے کی مثال بیان کرتے ہیں جو پوشیدہ نہیں لیکن انسان کسی ارادے کے بغیر اس پر چل پڑتا ہے اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب (عبادت گزار) تھا شیطان نے ایک لونڈی کا گلا دبایا اور اس کے مالکوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ اس کا علاج اس راہب کے پاس ہے وہ اسے لے کر اس کے پاس آئے اس نے انکار کر دیا وہ مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ مان گیا جب وہ اس کے پاس سے علاج کے لیے موجود تھی تو اس راہب کے پاس شیطان آیا اور اس کے دل میں لونڈی کے قرب کا وسوسہ ڈالا وہ مسلسل وسوسے ڈالتا رہا حتیٰ کہ اس نے اس سے وطی کی وہ اس سے حاملہ ہو گئی تو اب اس کے دل وسوسہ ڈالا کہ اس کے گھر والے آئیں گے تو تو رسوا ہو گا لہٰذا اسے قتل کر دے اگر وہ تم سے پوچھیں تو کہنا کہ وہ مر گئی ہے چنانچہ اس نے اسے قتل کر کے دفن کر دیا شیطان لونڈی کے مالکوں کے پاس آیا اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ راہب کے عمل سے وہ حاملہ ہوئی اور پھر اس نے اس کو قتل کر کے دفن کر دیا وہ لوگ راہب کے پاس آکر پوچھنے لگے تو اس نے کہا وہ مر گئی ہے انہوں نے اسے پکڑ کر قتل کرنا چاہا تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے اس کا گلا دبایا تھا اور میں نے ہی ان لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ تمہارے پاس لائیں تم میری بات مانو تو نجات پاؤ گے اور میں تمہیں ان لوگوں سے چھڑا دوں گا اس نے پوچھا کیسے؟ شیطان نے کہا مجھے دو سجدے کرو چنانچہ اس نے اسے دو سجدے کئے تو شیطان نے کہا میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں یہی وہ بات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (۲)

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ - (۳)

شیطان کی طرح کہ جب وہ انسان سے کہتا ہے کفر اختیار کر جب وہ کفر کرتا ہے تو وہ کہتا ہے میں تم سے بری الذمہ ہوں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۵۳

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۸۴، ۴۸۵ کتاب التفسیر

(۳) قرآن مجید، سورۃ حشر آیت ۱۶

تو دیکھئے کہ شیطان نے کیسے کیسے حیلے بہانوں سے راہب کو ان کبیرہ گناہوں کی طرف مجبور کیا اور اس کی بنیاد صرف یہی تھی کہ وہ لونڈی کا علاج کرنا قبول کرے یہ ایک آسان سا مسئلہ ہے اور بعض اوقات آدمی سمجھتا ہے کہ یہ ایک نیکی ہے اور بھلائی کا کام ہے تو شیطان پہلے اس کے دل میں خفیہ خواہش کے ذریعے یہ بات ڈالتا ہے کہ یہ اچھا کام ہے تو وہ نیکی میں رغبت رکھنے والے آدمی کی طرف اس کا اقدام کرتا ہے پھر معاملہ اس کے اختیار سے نکل جاتا ہے اور ایک بات دوسری بات کی طرف لے جاتی ہے اور اب اس کے لیے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ تو ہم ابتدائی امور میں بناوٹ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے آپ نے فرمایا:

مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمَى يُوْشِكُ اَنْ يَقَعَ فِيْهِ۔ (۱)

جو آدمی (ممنوعہ) چراگاہ کے گرد پھرتا ہے قریب ہے کہ وہ اس میں چلا جائے۔

دل کی طرف شیطانی راستوں کی تفصیل

جان لو! دل ایک قلعے کی طرح ہے اور شیطان دشمن ہے جو اس قلعے میں داخل ہونا چاہتا ہے تاکہ وہ اس پر قبضہ کرے اور غلبہ حاصل کرے اور قلعے کی حفاظت پر اسی وقت قدرت حاصل ہوتی ہے جب قلعے کے دروازے، راستوں اور سوراخوں کی حفاظت کی جائے اور جو شخص اس کے دروازوں سے واقف نہیں وہ اس کے دروازوں کی حفاظت نہیں کر سکتا تو دل کو شیطان کے وسوسوں سے بچانا واجب ہے اور یہ عمل ہر مکلف بندے پر فرض عین ہے اور جس عمل کے ذریعے واجب تک رسائی ہوتی ہے وہ بھی واجب ہوتا ہے اور شیطان کو اسی صورت میں دور کر سکتے ہیں جب اس کے داخل ہونے کے راستوں سے واقفیت ہو لہٰذا اس کے داخل ہونے کے راستوں کی پہچان واجب ہے اور شیطان کے داخل ہونے کے راستے اور دروازے انسانی صفات ہیں اور وہ بہت زیادہ ہیں لیکن ہم بڑے بڑے دروازوں کی طرف اشارہ کریں گے جو کشادہ دروازوں کی طرح ہیں اور وہ شیطانی لشکروں کی کثرت سے تنگ نہیں ہوتے تو اس کے بڑے بڑے دروازوں میں سے ایک غصہ اور دوسرا شہوت ہے غصے سے عقل جاتی رہتی ہے اور جب عقل کے لشکر کمزور ہو جائیں تو شیطان کے لشکروں کا ہجوم ہوتا ہے اور جب انسان کو غصہ آتا ہے تو شیطان اس کے ساتھ کھیلتا ہے جیسے بچہ گیند کے ساتھ کھیلتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے کہ شیطان کی آپ سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ سے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۵ کتاب البیوع

کہا اے موسیٰ علیہ السلام! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چنا اور آپ سے کلام کیا اور میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہوں جس سے گناہ سرزد ہوا میں توبہ کرنا چاہتا ہوں میرے رب کے ہاں میری سفارش کیجئے کہ وہ میری توبہ قبول فرمائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے اور اپنے رب سے کلام کیا اور اترنے کا ارادہ کیا تو ان سے ان کے رب نے فرمایا امانت ادا کیجئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! تیرا بندہ ابلیس چاہتا ہے کہ تو اس کی توبہ قبول فرما اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اے موسیٰ! میں آپ کی حاجت کو پورا کرتا ہوں اس سے کہیں کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے تاکہ اس کی توبہ قبول کی جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابلیس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا میں نے تمہارا کام کر دیا تجھے حکم ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کر تاکہ تمہاری توبہ قبول ہو جائے وہ غصے میں آ گیا اور اس نے تکبر کیا اور کہنے لگا میں نے زندہ آدم کو سجدہ نہیں کیا اب فوت شدہ کو سجدہ کروں۔؟

پھر کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام! چونکہ آپ نے اپنے رب کے ہاں میری سفارش کی ہے اس لیے آپ کا مجھ پر حق ہے آپ تین باتوں کے وقت مجھے یاد رکھیں میں آپ کو ان میں ہلاک نہیں کروں گا جب غصہ آئے تو مجھے یاد کریں کیونکہ میری روح آپ کے دل میں اور میری آنکھ آپ کی آنکھ میں ہے اور میں آپ کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہوں جب آپ کو غصہ آئے تو مجھے یاد کریں کیونکہ جب انسان کو غصہ آتا ہے تو میں اس کی ناک میں پھونک مارتا ہوں اور اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کرے جب دشمنوں کے لشکر سے مقابلہ ہو تو مجھے یاد کریں کیونکہ جب دشمنوں سے مقابلہ ہوتا ہے تو میں آدمی کے پاس آ کر اسے اس کی بیوی اور اہل و اولاد یاد دلاتا ہوں حتیٰ کہ وہ بھاگ جاتا ہے کسی غیر محرم عورت کے پاس نہ بیٹھیں کیونکہ میں ایک کا پیغام دوسرے تک پہنچاتا ہوں اور مسلسل یہ کام کرتا رہتا ہوں حتیٰ کہ دونوں گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس سے اس نے شہوت، غضب اور حرص کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ میدان جنگ سے بھاگنا دنیوی حرص ہے اور آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کو سجدہ نہ کرنا حسد ہے اور یہ شیطان کا سب سے بڑا راستہ ہے۔

کہا گیا کہ ایک ولی نے شیطان سے کہا تو انسان پر کیسے غالب آتا ہے؟ اس نے کہا میں اسے غصے اور خواہش کے وقت پکڑتا ہوں منقول ہے کہ شیطان ایک راہب کے سامنے ظاہر ہوا تو راہب نے اس سے کہا انسان کو کونسا وصف تمہاری زیادہ مدد کرتا ہے؟ اس نے کہا مزاج کی تیزی جب وہ غصے میں ہوتا ہے تو ہم اسے الٹ دیتے ہیں جیسے بچہ گیند کو پلٹ دیتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ شیطان کہتا ہے انسان مجھ پر کیسے غالب آئے گا جب وہ خوشی کی حالت میں ہوتا ہے تو میں آ کر اس کے دل میں داخل ہو جاتا ہوں اور جب وہ غصے میں ہوتا ہے تو میں اڑ کر اس کے سر میں ہو جاتا ہوں۔

اور اس کے بڑے بڑے دروازوں میں سے حسد اور حرص ہے جب انسان ہر چیز کا حریص ہوتا ہے تو اس کی

حرص اسے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔ (۱) کسی چیز سے تیری محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔
اور نور بصیرت سے ہی شیطان کے راستوں کی پہچان حاصل ہوتی ہے اور جب حسد اور حرص اس کو ڈھانپ لیں تو وہ انسان دیکھ نہیں سکتا۔ اور اس وقت شیطان کو گنجائش مل جاتی ہے تو حریص آدمی کو ہر وہ چیز اچھی لگتی ہے جو اسے اس کی شہوت تک پہنچائے اگرچہ وہ بری اور بے حیائی پر مبنی ہو۔
مروی ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوتے تو آپ نے ہر چیز کا ایک جوڑا سوار کر لیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا آپ نے کشتی میں ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جسے آپ پہچانتے نہیں تھے حضرت نوح علیہ السلام نے پوچھا تمہیں کس نے داخل کیا؟ اس نے کہا میں اس لیے داخل ہوا کہ آپ کے ساتھیوں کے دلوں تک پہنچ سکوں ان کے دل میرے ساتھ اور ان کے جسم آپ کے ساتھ ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ کے دشمن نکل جا تو ملعون ہے ابلیس نے آپ سے کہا کہ میں پانچ چیزوں کے ذریعے لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں میں عنقریب آپ کو تین باتوں کے بارے میں بتاؤں گا لیکن دو باتیں نہیں بتاؤں گا اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ان تین باتوں کی آپ کو کوئی حاجت نہیں اسے چاہیے کہ وہ دو باتیں آپ سے بیان کرے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا وہ باتیں کیا ہیں؟ اس نے کہا وہ دو باتیں ایسی ہیں جو کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولتیں اور نہ ہی مجھ سے وعدہ خلافی کرتی ہیں ان کے ذریعے میں لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں اور وہ حرص اور حسد ہے حسد کی وجہ سے مجھ پر لعنت کی گئی اور مجھے مردود شیطان قرار دیا گیا اور جہاں تک حرص کا تعلق ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ایک درخت کے سوا باقی تمام جنت مباح کیا گیا تو میں نے حرص کے ذریعے ان سے اپنا کام نکالا۔
شیطان کے بڑے بڑے دروازوں میں سے ایک سیر ہو کر کھانا کھانا ہے اگرچہ وہ حلال پاک ہو کیونکہ سیر ہو کر کھانے سے شہوتیں مضبوط ہوتی ہیں اور شہوات شیطان کا اسلحہ ہے۔
منقول ہے کہ ابلیس، حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے سامنے ظاہر ہوا اور اس کے ہاتھ میں پھندے تھے آپ نے فرمایا اے ابلیس! یہ پھندے کیسے ہیں؟ اس نے کہا یہ شہوتیں ہیں جن کے ذریعے میں انسان تک پہنچتا ہوں آپ نے فرمایا کیا ان میں سے میرے لیے بھی کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا جب آپ پیٹ بھر کر کھاتے ہیں تو ہم آپ کو نماز اور ذکر سے بھاری کر دیتے ہیں آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا مجھے قسم ہے میں کبھی بھی

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۳ کتاب الادب

پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ شیطان نے کہا مجھے بھی اللہ کی قسم ہے کہ میں کبھی کسی مسلمان کی خیر خواہی نہیں کروں گا۔

کہا جاتا ہے کہ زیادہ کھانے میں چھ بری باتیں ہیں۔

(۱) اس کے دل سے خوفِ خدا چلا جاتا ہے۔

(۲) اس کے دل سے مخلوقِ خدا پر رحمت کا جذبہ نکل جاتا ہے کیونکہ اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھایا ہے۔

(۳) عبادت خداوندی بھاری پڑ جاتی ہے۔

(۴) جب وہ حکمت بھرا کلام سنتا ہے تو اس سے دل میں نرمی پیدا نہیں ہوتی۔

(۵) جب وہ وعظ کرتا اور حکمت کی بات کرتا ہے تو وہ لوگوں کے دلوں میں اثر نہیں کرتی۔

(۶) اس میں کئی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

شیطانی دروازوں میں سے ایک دروازہ گھریلو سامان، کپڑوں اور مکان کے ذریعے زینت حاصل کرنا ہے شیطان جب اسے انسان کے دل پہ غالب دیکھتا ہے تو اس میں انڈے اور بچے دیتا ہے اور وہ ہمیشہ اسے مکان کی تعمیر اور اس کی چھتوں اور دیواروں کی زینت نیز عمارت کو وسیع کرنے کی طرف بلاتا ہے اور اسے لباس اور سواریوں کے ذریعے مزین ہونے کی دعوت دیتا ہے اور اسے زندگی بھر اسی کام میں لگائے رکھتا ہے اور جب وہ اسے اس کام میں لگا دیتا ہے تو دوبارہ اس کے پاس جانے سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ یہ امور ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں اور وہ ہمیشہ ایک سے دوسرے کام کی طرف جاتا ہے حتیٰ کہ اسے موت آجاتی ہے اور وہ شیطان کے راستے اور خواہش کی اتباع میں مشغول ہوتا ہے اور اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کفر کے ذریعے اس کی عاقبت خراب نہ ہو جائے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

شیطان کے بڑے بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ لوگوں سے طمع رکھنا ہے کیونکہ جب طمع دل پر غالب آتی ہے تو شیطان ان چیزوں میں جن کی اسے طمع ہوتی ہے بناوٹ اور زینت کو اس کے لیے پسندیدہ قرار دیتا ہے اور وہ ریاکاری اور دھوکہ دہی میں مصروف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ جس چیز کی طمع رکھتا ہے وہ گویا اس کا معبود ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اس کی محبت کے لیے حیلے بہانے تلاش کرتا رہتا ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے وہ ہر سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے اس کی سب سے کم حالت یہ ہوتی ہے کہ جو بات اس میں نہ ہو اس پر اپنی تعریف چاہتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرتے ہوئے منافقت کا ثبوت دیتا ہے۔

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا اور کہنے لگا اے ابن حنظلہ! میں آپ کو ایک بات سکھاتا ہوں اسے یاد کیجئے انہوں نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت

نہیں۔ اس نے کہا دیکھ لیجئے اگر اچھی ہو تو اختیار کریں اور بری ہو تو رد کر دیں اے ابن حنظلہ؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ایسا سوال نہ کرنا جس میں طمع پائی جاتی ہو اور دیکھیں کہ جب غصہ آئے تو اس وقت آپ کی حالت کیا ہوتی ہے کیوں کہ اس وقت آپ میرے قابو میں ہوتے ہیں۔

شیطان کے بڑے بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ جلد بازی اور استقلال کو چھوڑ دینا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالتَّأَنِّي مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (۱) — جلد بازی شیطان کی طرف سے اور ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ (۲) — انسان کو جلد باز پیدا کیا گیا۔

نیز ارشاد فرمایا۔

وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ (۳) — اور انسان جلد باز ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُّقْضٰى إِلَيْكَ وَحْيُهٗ۔ (۴) — اور آپ قرآن پاک لینے میں جلدی نہ کیجئے حتی کہ آپ تک وحی پوری ہو جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال جانچ پڑتال کے بعد ہونے چاہیں اور اس کے لیے غور و فکر اور ٹھہراؤ کی ضرورت ہے جب کہ جلدی اس کام سے روکتی ہے اور جلدی کی صورت میں شیطان اپنی برائی انسان پر اس طرح ڈال دیتا ہے کہ اس کو علم بھی نہیں ہوتا۔

ایک روایت میں ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو شیطان، ابلیس کے پاس آئے اور کہنے لگے بت سرنگوں ہو گئے اس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نئی بات ہوئی ہے تم اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو اور وہ خود اڑا یہاں تک زمین کے کناروں تک پہنچ گیا لیکن اسے کچھ بھی معلوم نہ ہوا پھر معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

---

(۱) جامع ترمذی ص ۲۹۵، ابواب البر والصلۃ

(۲) قرآن مجید، سورۃ انبیاء آیت ۳۷

(۳) قرآن مجید، سورۃ اسراء آیت ۱۱

(۴) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۴

ہوئی ہے اور فرشتے آپ کو گھیرے ہوئے ہیں وہ شیطانوں کی طرف لوٹا اور کہنے لگا گذشتہ رات، ایک نبی کی پیدائش ہوئی ہے جب بھی کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے تو میں وہاں موجود ہوتا ہوں لیکن اس بچے کی پیدائش کے وقت میں موجود نہ تھا تو اس رات کے بعد بتوں کی پوجا سے ناامید ہو جاؤ اور انسان کو جلد بازی کے ذریعہ گمراہ کیا کرو۔

شیطان کے بڑے بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ درہم اور دینار (روپے پیسے) اور ہر قسم کا سامان، جانور اور زمین ہیں کیونکہ ضرورت سے زائد شیطان کا ٹھکانہ ہے اس لیے کہ جس آدمی کے پاس خوراک کے برابر ہو اس کا دل فارغ ہوتا ہے اور اگر وہ مثال کے طور پر راستے میں ایک سو دینار پائے تو اس کے دل میں دس خواہشات پیدا ہوتی ہیں اور ہر خواہش مزید سو دینار کی محتاج ہوتی ہے لہٰذا جو کچھ اس نے پایا وہ اس کے لیے کافی نہیں ہوتا بلکہ اسے مزید نو سو دیناروں کی ضرورت ہوتی ہے حالانکہ سو دینار ملنے سے پہلے وہ بے نیاز تھا اب جب سو دینار مل گئے تو اس نے سوچا کہ وہ مالدار ہو گیا ہے حالانکہ وہ مزید نو سو دیناروں کا محتاج ہو گیا تاکہ وہ ایک گھر خریدے اور لونڈی خریدے، گھر کا سامان خریدے، عمدہ لباس خریدے اور ان میں سے ہر ایک ایسی چیز ہے جو دوسری کو لازم ہے جس کی کوئی انتہا نہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جہنم کے گڑھے میں گر جاتا ہے اور یہی اس کا خاتمہ ہے۔

حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابلیس نے اپنے شیطانوں سے کہا کہ ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہوا ہے دیکھو وہ کیا ہے وہ گئے یہاں تک کہ وہ تھک ہار کر اس کے پاس آئے اور کہنے لگے ہمیں کچھ پتہ نہیں چلا اس نے کہا میں خبر لاتا ہوں چنانچہ وہ چلا گیا پھر آیا اور کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں حضرت ثابت فرماتے ہیں پھر وہ اپنے شیطانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بھیجنے لگا لیکن وہ نامراد ہو کر واپس آتے اور کہتے ہم نے ایسے لوگ کبھی نہیں دیکھے ہم ان تک پہنچتے ہیں پھر وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی خطائیں معاف ہو جاتی ہیں ابلیس نے کہا ان کا انتظار کرو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا کھول دے گا تو ہم ان سے اپنا کام نکال لیں گے۔ (۱)

ایک روایت میں ہے ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو تکیہ بنایا تو وہاں سے شیطان کا گزر ہوا اس نے کہا اے حضرت عیسیٰ علیہ السلام! آپ کو بھی دنیا سے رغبت ہو گئی ہے؟ آپ نے سر کے نیچے سے پتھر نکالا اور اسے دے مارا اور فرمایا دنیا کے ساتھ یہ بھی تمہارے لیے ہے حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس ایک پتھر ہو جسے وہ تکیہ بنا لے اور سو جائے تو وہ دنیا سے اس قدر کا مالک ہو گا کہ شیطان اس پر اپنا مکر چلائے کیونکہ وہ شخص رات کے وقت عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے جب اس کے پاس کوئی پتھر ہو جسے تکیہ بنانا ممکن ہو تو وہ مسلسل اسے نیند اور پتھر

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۲۳ مرویات ابن عباس

کو تکیہ بنانے پر مجبور کرے گا اور اگر یہ نہیں ہو گا تو اس کے دل میں اس کا خیال نہیں آئے گا۔ اور نہ ہی اس کو نیند کی رغبت ہو گی۔ یہ تو محض پتھر کا معاملہ ہے لیکن جس کے پاس گاؤ تکیے، گدے اور آرام طلبی کا سامان ہو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کب اٹھے گا۔

شیطان کے بڑے بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ بخل اور محتاجی کا ڈر ہے یہی چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور صدقہ سے رکاوٹ ہے اور مال کو جمع کرنے خزانہ بنانے اور دردناک عذاب کی طرف بلاتی ہے جو لوگ زیادہ مال جمع کرتے ہیں ان کو اسی بات سے ڈرایا گیا ہے جیسے قرآن پاک نے بیان کیا۔

حضرت خیثمہ بن عبدالرحمن فرماتے ہیں شیطان کہتا ہے انسان مجھ پر غالب آ بھی جائے تو تین باتوں میں مجھ پر غالب نہیں آسکتا میں اسے حکم دیتا ہوں کہ ناحق طور پر مال حاصل کرے، ناحق جگہ پر خرچ کرے اور جو اس کا حق ہے وہ نہ دے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں شیطان کے پاس محتاجی کے ڈر سے بڑھ کر کوئی اسلحہ نہیں ہے جب آدمی اس سے یہ بات قبول کر لیتا ہے تو باطل کام میں شروع ہو جاتا ہے اور حق سے روکتا ہے، خواہشات کے ساتھ بولتا ہے اور اپنے رب کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے بخل کی آفات میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی مال جمع کرنے کے لیے بازار کا ہو کر رہ جاتا ہے اور بازار شیطانوں کی رہائش گاہ ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب ابلیس زمین پر اترا تو اس نے کہا اے میرے رب! تو نے مجھے زمین پر اتارا اور مجھے مردود قرار دیا تو میرے لیے کوئی گھر بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "حمام" اس نے کہا کوئی مجلس بھی بنا دے فرمایا بازار اور راستوں میں جمع ہونے کی جگہیں، اس نے کہا میرے لیے کھانا بھی بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارا کھانا وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اس نے کہا میرے لیے مشروب مقرر کر دے فرمایا ہر نشہ دینے والی چیز تیرا مشروب ہے اس نے کہا میرا کوئی اعلان کرنے والا ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا گانے بجانے کے آلات تیرے خبر دہندہ ہیں اس نے کہا میرے پڑھنے کے لیے کیا ہو گا فرمایا اشعار، اس نے کہا اور میرے لیے لکھنے کی چیز؟ فرمایا بدن کو گودنا اس نے کہا میری گفتگو؟ فرمایا جھوٹ اس نے کہا میری شکار گاہیں؟ فرمایا عورتیں ہوں گی۔(۱)

شیطان کے بڑے بڑے دروازوں میں سے مذاہب اور نفسانی خواہش پر تعصب مخالفین سے کینہ پروری اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھنا ہے اور یہ وہ عمل ہے جو عبادت گزار اور فاسق سب لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے کیوں کہ

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۲۴۵ حدیث ۷۸۳۷

لوگوں پر طعن کرنا اور ان کی خرابیوں کے ذکر میں مصروف رہنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اور یہ درندگی کی صفات سے ہے اور جب شیطان اس صفت کو اس کی نظر میں حق قرار دیتا ہے اور یہ طبیعت کے موافق بھی ہے تو اس کی شیرینی اس کے دل پر غالب آ جاتی ہے اور وہ اپنی پوری ہمت کے ساتھ اس میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس پر بہت خوش ہوتا ہے اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کے لیے کوشش کر رہا ہے حالاں کہ وہ شیطان کی پیروی میں کوشاں ہے۔

مثلاً ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت میں بہت متعصب ہے لیکن حرام بھی کھاتا ہے جھوٹ بولتا ہے اور منہ پھٹ ہے اور طرح طرح کے فساد میں مبتلا ہے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسے دیکھتے تو اسے بڑا دشمن تصور فرماتے کیوں کہ ان کا دوست تو وہ ہے جو ان کے راستے پر چلتا ہے ان کی سیرت کو اپناتا ہے اور اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے اور آپ کی سیرت تو یہ تھی کہ آپ اپنے منہ مبارک میں کنکریاں رکھتے تھے تاکہ بے مقصد کلام سے زبان محفوظ رہے تو یہ فضول باتیں کرنے والا کس طرح آپ سے دوستی اور محبت نیز آپ کی سیرت پر چلنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

اسی طرح ایک اور فضول قسم کے آدمی کو دیکھو گے وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت میں متعصب ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ اور سیرت تو یہ تھی کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں وہ کپڑا پہنا جسے تین درہم کے بدلے خریدا تھا اور آپ نے اپنی آستینوں کو کلائیوں تک کاٹ دیا اور تم دیکھو گے کہ فاسق آدمی ریشمی کپڑے پہنتا ہے اور حرام کی کمائی سے زیب و زینت اختیار کرتا ہے اور پھر وہ حضرت شیرِ خدا کی محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے حالاں کہ قیامت کے دن یہی شخص آپ کا اول دشمن ہو گا۔

اور کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص کسی کے عزیز بچے کو جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی زندگی ہے، پکڑ کر مارتا ہے اس کے بال اکھیڑتا اور قینچی سے کاٹتا ہے اور اس کے باوجود اس کے باپ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس شخص کے ہاں اس کی کیا حالت ہو گی؟ اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو، اپنی اولاد گھر والوں بلکہ اپنے آپ سے بھی زیادہ شریعت اور دین سے محبت تھی اور جو لوگ شریعت کی نافرمانی کرتے ہیں وہی لوگ شریعت کے ٹکڑے کرتے اور شہوات کی قینچیوں سے اسے کاٹتے ہیں اور یوں وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن کے دشمن ابلیس اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے دشمنوں سے محبت کرتے ہیں تو دیکھو قیامت کے دن صحابہ کرام اور اولیائے ربانی کے سامنے ان کی کیا حالت ہو گی۔

اور اگر دنیا میں ہی پردہ اٹھ جائے اور ان کو معلوم ہو جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کے بارے میں کیا چاہتے ہیں تو اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے یہ ان نفوس قدسیہ کا ذکر اپنی زبان پر لاتے ہوئے شرم محسوس کریں۔

پھر شیطان ان کے دل میں یہ بات بھی ڈالتا ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما

کی محبت میں انتقال کر جاتا ہے آگ اس کے گرد نہیں بھٹکے گی اور دوسرے آدمی کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ جب وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت میں مرے گا تو اس پر کوئی خوف نہ ہوگا۔

حالاں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا حالانکہ وہ آپ کا جگر گوشہ تھیں (۱)

اِعْمَلِي فَاِنِّي لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ (۲) — عمل کرو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔

تو یہ نفسانی خواہشات کی ایک مثال ہم نے بیان کی ہے اسی طرح جو لوگ (فقہی اعتبار سے) حضرت امام شافعی، امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ کرام کی محبت میں متعصب ہیں تو جو آدمی کسی امام کے مذہب پر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کی سیرت پر نہیں چلتا تو وہی امام قیامت کے دن اس کے مقابل ہوں گے اور کہیں گے کہ میرا مذہب عمل کرنا تھا محض زبانی گفتگو نہ تھی اور زبانی گفتگو بھی عمل کے لیے تھی محض بک بک کرنے کے لیے نہ تھی تو تو نے میرے عمل کی مخالفت کی ہے حالاں کہ میں نے تمام زندگی یہی راستہ اختیار کیا اور اسی پر میرا خاتمہ ہوا پھر تو نے میرے مذہب پر چلنے کا جھوٹا دعویٰ کیا یہ شیطان کا بہت بڑا راستہ ہے اس کے ذریعے اس نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کیا مدارس ان لوگوں کے حوالے کیے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بہت کم ڈرتے ہیں دین میں ان کی بصیرت کمزور ہے، دنیوی رغبت مضبوط ہے لوگوں کے پیچھے چلنے کی حرص زیادہ ہے اور یہ اتباع اور حصول مرتبہ محض تعصب سے بڑھتا ہے وہ اس بات کو اپنے سینے میں چھپاتے ہیں اور اس سلسلے میں شیطان کے مکروفریب سے لوگوں کو آگاہ نہیں کرتے بلکہ وہ شیطان کے فریب کو جاری کرنے میں اس کے نائب کا کردار ادا کرتے ہیں لوگوں نے بھی اسی راہ کو اختیار کیا اور دین کی اصل کو بھول گئے چنانچہ وہ لوگ خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری توبہ قبول فرمائے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس نے کہا میں نے امت محمدیہ کے لیے گناہوں کو آراستہ کیا تو انہوں نے استغفار کے ذریعے میری کمر توڑ دی پھر میں نے ان کے لیے وہ گناہ آراستہ کیے جن سے وہ بخشش نہ مانگیں اور وہ خواہشات ہیں۔ اس لعین نے سچ کہا لوگ نے جانتے کہ یہ (خواہشات) وہ اسباب ہیں جو گناہ کی طرف کھینچتے ہیں۔ تو ان سے بخشش کیسے مانگیں گے شیطان کا ایک بہت بڑا حیلہ یہ ہے کہ وہ انسان کو اس

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۳۲ کتاب المناقب

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۰۲ کتاب التفسیر

کے نفس سے غافل کر دیتا ہے یعنی لوگوں کے درمیان مذاہب اور مقدمات کے سلسلے میں اختلاف ڈال دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ایک جماعت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھی تو شیطان ان کے پاس آیا تاکہ ان کو اس مجلس سے اٹھائے اور ان کے درمیان تفریق پیدا کرے لیکن وہ اس پر قادر نہ ہوا۔ پھر وہ ایک اور جماعت کے پاس آیا جو دنیوی گفتگو کر رہے تھے اس نے ان کے درمیان فساد پیدا کر دیا چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے معاملے میں مشغول ہو گئے اور ان کو چھوڑنے لگے یوں وہ ذکر خداوندی کو چھوڑ بیٹھے شیطان کا مقصد بھی یہی تھا وہ ان لوگوں کو لڑانا نہیں چاہتا تھا بلکہ اہل ذکر کو منتشر کرنا چاہتا تھا۔

شیطانی دروازوں میں سے ایک دروازہ یہ ہے کہ وہ بے علم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور ان باتوں میں غور و فکر کی ترغیب دیتا ہے جن تک ان کی عقلوں کی رسائی نہیں ہوتی حتی کہ ان کو دین کی بنیادوں کے بارے میں شک میں مبتلا کر دیتا ہے یا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ایسے خیالات ڈالتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور اس طرح وہ لوگ کافر یا بدعتی ہو جاتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں اور جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے معرفت و بصیرت خیال کرتے ہیں اور اسے اپنی دانائی اور عقل کی زیادتی کا کرشمہ قرار دیتے ہیں لوگوں میں سے سب سے زیادہ بیوقوف وہ ہے جو اعتقاد کے حوالے سے اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہے اور سب سے زیادہ مضبوط عقل اس شخص کی ہے جو اپنے نفس پر زیادہ تہمت لگاتا اور علماء کرام سے بکثرت پوچھتا ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان تم میں سے ایک شخص کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے تجھے کس نے پیدا کیا؟ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ پوچھتا ہے اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ جب تم میں سے کسی کو یہ بات محسوس ہو تو یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اس سے یہ وسوسہ ختم ہو جائے گا۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے وسوسوں کا علاج کرنے کے لیے بحث مباحثہ کا حکم نہیں دیا کیوں کہ اس قسم کے وسوسے عوام کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں علماء کے دلوں میں نہیں اور عوام کا فرض یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور تسلیم کریں نیز عبادت اور کسب حلال میں مصروف رہیں اور علم کی باتیں علماء پر چھوڑ دیں عام آدمی کا زنا اور چوری کرنا (معاذ اللہ) علم میں بحث کرنے سے بہتر ہے کیونکہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے دین کے بارے میں گفتگو کرتا

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۳۱ مرویات ابو ہریرہ

ہے حالانکہ اسے علم میں پختگی نہیں تو وہ غیر شعوری طور پر کفر میں چلا جاتا ہے جیسے ایک شخص سمندر کی گہرائی میں جاتا ہے اور وہ تیرنا نہیں جانتا۔ عقائد و مذاہب سے متعلق شیطان کے مکروفریب بے شمار ہیں ہم ہمارا مقصد مثال بیان کرنا ہے۔

شیطان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (۱)

اے ایمان والو! اکثر بدگمانیوں سے بچو کیوں کہ بعض گمان گناہ ہیں۔

جو آدمی محض گمان کی بنیاد پر دوسرے کے لیے برائی کی بات کرتا ہے شیطان اسے اس کی غیبت کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اس طرح وہ ہلاک ہوتا ہے یا اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے یا اس کی تعظیم میں سستی کرے اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھے اور اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھے اور یہ تمام باتیں ہلاک کرنے والی ہیں اسی لیے شریعت مطہرہ نے تہمت کی جگہوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهَمِ۔ (۲)

تہمت کی جگہوں سے بچو۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا نے ان بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے فرماتی ہیں میں آپ کے پاس حاضر ہو کر باتیں کرنے لگی شام کے وقت میں، میں واپس چلی گئی تو آپ بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور چلنے لگے وہاں سے انصار کے دو آدمیوں کا گزر ہوا انہوں نے سلام کیا اور واپس ہو گئے آپ نے ان دونوں کو آواز دے کر فرمایا یہ صفیہ بنت حیی (حضور علیہ السلام کی زوجۂ مطہرہ) ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے بارے میں اچھا گمان کرتے ہیں آپ نے فرمایا شیطان انسانی جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ تم میں داخل نہ ہو جائے۔ (۳)

تو دیکھیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ان دونوں کے دین پر شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے اس کی حفاظت فرمائی اور کس طرح امت پر شفقت فرماتے ہوئے ان کو تہمت سے بچنے کا طریقہ سکھایا تاکہ متقی پرہیزگار اور دین میں معروف عالم بھی اس سلسلے میں سستی نہ کرے اور تکبر کے طور پر نہ کہے کہ مجھ پر کوئی بھی بدگمانی نہیں کرتا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحجرات آیت ۱۲

(۲) الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ جلد اول ص ۱۴۵ حدیث ۱۴۱

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۶ مرویات انس

اس لیے کہ جو آدمی لوگوں میں سے سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہوتا ہے تمام لوگ اسے ایک نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ بعض لوگ رضا کی نظر سے اور بعض ناراضگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اسی لیے کسی شاعر نے کہا۔

"پسندیدگی کی نگاہ رات کی طرح ہر عیب پر پردہ ڈال دیتی ہے لیکن ناراضگی کی آنکھ صرف برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

لہٰذا بدگمانی اور بُرے لوگوں کی تہمت سے بچنا چاہیے کیونکہ بُرے لوگ ہر ایک کو برا سمجھتے ہیں جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو لوگوں کی عیب جوئی کرتے ہوئے ان کے بارے میں بدگمانی کا مرتکب ہوتا ہے تو جان لو کہ وہ باطنی خباثت میں ملوث ہے اور وہ خباثت ظاہر ہو رہی ہے۔ وہ دوسروں کو بھی اپنی طرح سمجھتا ہے مومن عذر قبول کرتا ہے اور منافق عیب تلاش کرتا ہے اور مومن کا۔ یہ تمام مخلوق کے بارے میں صاف رہتا ہے۔

تو یہ شیطان کے بعض راستے ہیں جو دل کی طرف جاتے ہیں اگر ہم ان سب کو شمار کرنے لگیں تو مشکل ہے اس قدر بیان ہر دوسروں کو قیاس کرنا چاہیے انسان میں جو بھی بُرا وصف ہوتا ہے وہ شیطان کا ہتھیار اور اس کے راستوں میں سے ایک راستہ ہے۔

شیطان کو کیسے دور کیا جائے؟

اگر تم کہو کہ شیطان کو دور کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور کیا اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھنا کافی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں دل کا علاج صرف یہ ہے کہ شیطان کے تمام راستے بند کر دیے جائیں یعنی دل کو تمام بری صفات سے پاک کر دیا جائے اور اس کا بیان بہت طویل ہے اور کتاب کے اس حصے میں ہماری غرض ہلاک کرنے والے کاموں کا علاج بیان کرنا ہے اور ہر صفت مستقل کتاب کی متقاضی ہے جیسے اس کی تشریح آگے بیان ہو گی ہاں جب دل سے ان صفات کے اصول کو منقطع کر دیا جائے تو شیطان کا دل پر گزر اور وسوسے ہوں گے لیکن وہ مستقل ڈیرہ نہیں جما سکے گا اب اسے ذکر خداوندی کے ذریعے منع کیا جا سکتا ہے کیونکہ حقیقت ذکر دل میں اسی وقت جاگزیں ہوتی ہے جب دل کو تقویٰ کے ذریعے آباد کیا جائے نیز اسے بری صفات سے پاک کر دیا جائے ورنہ ذکر محض آنے جانے والی بات ہو گی دل پر اس کی حکومت اور قبضہ نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ شیطان کی حکومت کو دور نہیں کر سکتا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم

بے شک وہ لوگ جو متقی ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی ٹھیس پہنچتی ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں اور

مُّبۡصِرُوۡنَ۔ (۱) اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

تو اس بات کے ساتھ متقی لوگوں کو خاص فرمایا۔

شیطان بھوکے کتے کی مثل ہے جو تمہارے قریب آتا ہے اگر تمہارے اور اس کے درمیان روٹی یا گوشت نہ ہو تو صرف دھتکارنے سے ہی چلا جاتا ہے یعنی محض آواز سے اسے بھگا دیا جاتا ہے اور اگر تمہارے سامنے گوشت ہو اور وہ بھوکا بھی ہو تو وہ گوشت پر جھپٹتا ہے اور محض زبانی دھتکار سے دور نہیں ہوتا تو دل جب شیطان کی قوت سے خالی ہو وہ محض ذکر سے شیطان دور ہو جاتا ہے لیکن جب دل پر شہوت غالب ہو تو وہ حقیقت ذکر کو دل کے اردگرد پھیلا دیتا ہے اور آدمی دل کے اندر پر قابو نہیں پا سکتا اور شیطان اس پر ڈیرہ ڈال دیتا ہے۔

لیکن جہاں تک متقی لوگوں کے دل کا تعلق ہے تو جو خواہش اور بری صفات سے خالی ہوتے ہیں ان پر شیطان، شہوتوں کی وجہ سے نہیں آتا بلکہ غفلت کی وجہ سے ذکر سے خالی ہونے کے باعث آتا ہے جب وہ ذکر کی طرف لوٹتا ہے تو وہ دور ہو جاتا ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (۲) پس شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

اسی طرح وہ تمام آیات واحادیث جو ذکر کے بارے میں آئی ہیں اس کی دلیل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

مومن کے شیطان اور کافر کے شیطان میں ملاقات ہوئی کافر کا شیطان نہایت چکنا، موٹا اور اچھے لباس میں تھا۔ اور مومن کا شیطان کمزور، پراگندہ بالوں والا اور ننگا تھا، کافر کے شیطان نے مومن کے شیطان سے پوچھا تم کمزور کیوں ہو؟ اس نے کہا میں ایسے شخص کے ساتھ ہوں جو کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو میں بھوکا رہ جاتا ہوں جب وہ پانی پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو میں پیاسا رہ جاتا ہوں جب تیل لگاتا ہے تو بسم اللہ پڑھتا ہے تو میرے بال پراگندہ رہ جاتے ہیں اس پر کافر کے شیطان نے کہا میں ایسے شخص کے ساتھ ہوں جو ان کاموں میں سے کچھ بھی نہیں کرتا لہٰذا میں اس کے کھانے پینے اور لباس میں شریک ہوتا ہوں حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ ہر دن صبح کی نماز کے بعد یوں دعا مانگتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ سَلَّطْتَ عَلَيْنَا عَدُوًّا بَصِيْرًا بِعُيُوْبِنَا يَرَانَا هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ۔ یا اللہ! تو نے ہم پر ایک ایسا دشمن مسلط کیا جو ہمارے عیبوں کو دیکھتا ہے وہ اور اس کا قبیلہ ہمیں دیکھ رہا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۲۰۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۹۸

لَا نَرَاهُ، اَللّٰهُمَّ فَاٰيِسْهُ مِنَّا كَمَا آيَسْتَهُ مِنْ رَحْمَتِكَ وَقَنِّطْهُ مِنَّا كَمَا قَنَّطْتَهُ مِنْ عَفْوِكَ وَبَاعِدْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَحْمَتِكَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

جبکہ ہم انہیں نہیں دیکھتے یا اللہ! اسے ہم سے مایوس کر دے جس طرح تو نے اسے اپنی رحمت سے مایوس کیا اور اسے ہم سے ناامید کر دے جس طرح تو نے اسے معافی سے ناامید کیا ہمارے اور اس کے درمیان اسی طرح دوری کر دے جس طرح تو نے اس کے اور اپنی رحمت کے درمیان دوری رکھی ہے بے شک تو ہر چیز پہ قادر ہے۔

٭ ٭ ٭

ایک دن شیطان انہیں مسجد کے راستے میں ملا اور اس نے کہا اے ابن واسع! مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ابلیس ہوں آپ نے پوچھا کیا چاہتے ہو اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ یہ استعاذہ (شیطان سے بچنے کی دعا) آپ کسی کو نہ سکھائیں اور میں آپ کو کچھ نہیں کہوں گا۔

انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! جو شخص مجھ سے سیکھنا چاہے گا میں اس سے نہیں روکوں گا تم جو چاہو کرو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تو شیطان ہاتھ میں شعلہ لیے آ کر آپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا آپ قرأت کرتے اعوذ باللہ پڑھتے لیکن وہ نہ جاتا تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ کلمات پڑھیں۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ، مِنْ شَرِّ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا، وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا۔ وَمِنْ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، اِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ "

"میں اللہ تعالیٰ کے جامع کلمات کے ساتھ جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کر سکتا اس چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو زمین میں داخل ہوتی ہے اور اس سے نکلتی ہے اس سے جو آسمان سے اترتی ہے اور آسمان کی طرف جاتی ہے، رات اور دن کے فتنوں نیز رات اور دن میں اترنے والے حوادث سے پناہ چاہتا ہوں مگر جو بھلائی لے کر اترے اے رحمٰن!"

٭ ٭ ٭

آپ نے یہ کلمات پڑھے تو اس کا شعلہ بجھ گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا (۱)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے بتایا گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۱۹ حدیث عبدالرحمٰن بن خنبش

حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک خبیث جن آپ سے فریب کی کوشش کرتا ہے لہذا جب آپ بستر پہ آرام فرما ہوں تو آیت الکرسی پڑھ لیا کریں (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے پاس شیطان آیا اور مجھ سے جھگڑنے لگا میں نے اسے گلے سے پکڑ لیا تو اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا میں نے اسے نہ چھوڑا حتیٰ کہ میں نے اس کے تھوک کی ٹھنڈک اپنے ہاتھ پہ پائی اور اگر میرے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا (۲) نہ ہوتی تو وہ صبح مسجد میں پڑا ہوتا (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَاسَلَكَ عُمَرُ فَجًّا اِلَّا سَلَكَ الشَّيْطَانُ فَجًّا غَيْرَ الَّذِىْ سَلَكَهُ عُمَرُ۔ (۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس راستے پر چلتے ہیں شیطان اس سے ہٹ کر دوسرے راستے پہ چلتا ہے

یہ اس لیے کہ وہ دل شیطان کی چراگاہ اور غذا بننے سے پاک تھے ان میں خواہشات کا دخل نہ تھا۔

اور جب تم یہ امید رکھو کہ محض ذکر سے شیطان دور ہو جائے جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھاگتا تھا تو یہ محال ہے۔ اور تم اس شخص کی طرح ہو گئے جو پرہیز کرنے سے پہلے دوائی پیتا ہے اس کا معدہ نامناسب کھانوں سے بھرا ہوا ہو اور وہ اس بات کا طمع کرے کہ دوائی اسے نفع دے گی جس طرح اس شخص کو نفع دیتی جو پرہیز کرنے اور معدے کو خالی کرنے کے بعد دوائی استعمال کرتا ہے ذکر خداوندی دوائی ہے اور تقویٰ پرہیز ہے اور وہ (تقویٰ) دل کو خواہشات سے خالی کرنے کا نام ہے تو جب دل ذکر کے علاوہ ہر چیز سے خالی ہو تو ذکر سے شیطان بھاگ جاتا ہے جیسے کھانے سے خالی معدے میں پہنچنے والی دوائی سے بیماری بھاگ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (۵)

بے شک اس میں اس کے لیے نصیحت ہے جس کا دل ہے۔

---

(۱) الدر المنثور جلد اول ص ۳۲۲ تحت اللہ لا الہ الا ہو۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تھی کہ یا اللہ مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو کسی دوسرے کے لیے نہ ہو۔

(۳) کنز العمال جلد اول ص ۲۵۵ حدیث ۱۲۸۴

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۰ کتاب المناقب

(۵) قرآن مجید، سورۃ ق آیت ۳۷

اور ارشاد خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (۱)

اس کے لیے لکھ دیا گیا کہ جو اس سے دوستی لگائے گا تو وہ اسے گمراہ کرے گا اور جہنم کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔

جو آدمی اپنے عمل سے شیطان کی مدد کرتا ہے وہ اس کا دوست ہے اگرچہ وہ اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

سوال:

اگر تم کہو کہ حدیث شریف میں مطلقاً وارد ہے کہ ذکر شیطان کو بھگا دیتا ہے (۲) ؟ اور یہ علماء کرام جن شرائط کا ذکر کرتے ہیں شریعت کے عمومی احکامات ان کے ساتھ خاص نہیں ہوتے۔

جواب:

تم اپنے آپ کو دیکھو خبر، دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی غور کرو تمہارے ذکر اور عبادت کا منتہا نماز ہے نماز پڑھتے وقت تم اپنے دل کی نگرانی کرو تو دیکھو شیطان کس اس طرح اس کو بازاروں کے حساب کتاب مخالفین کے جوابات اور دنیا کی وادیوں اور ہلاکت کے مقامات کی طرف لے جاتا ہے، یہاں تک کہ دنیا کی جو فضول بات تمہیں بھولی ہوئی ہو وہ نماز میں ہی یاد آتی ہے اور شیطان بھی تمہارے دل پر اسی وقت ہجوم کرتا ہے جب تم نماز میں ہوتے ہو تو نماز دلوں کی کسوٹی ہے اس میں ان کی اچھائیاں اور برائیاں ظاہر ہوتی ہیں ان دلوں سے نماز قبول نہیں ہوتی جو دنیوی خواہشات میں ملوث ہوں تو یقیناً شیطان تم سے دور نہیں بھاگے گا بلکہ بعض اوقات تمہیں وسوسوں میں زیادہ ڈالتا ہے جیسے پرہیز سے پہلے دوائی بعض اوقات تمہیں زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔

اگر تم شیطان سے بچنا چاہتے ہو تو پہلے تقویٰ کے ذریعے پرہیز اختیار کرو پھر ذکر کی دوائی استعمال کرو یوں شیطان تم سے بھاگ جائے گا جیسے وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھاگتا تھا۔

اسی لیے حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور شیطان کو علانیہ گالی نہ دو جب کہ تم اندر خانے اس کے دوست ہو یعنی تم اس کی بات مانتے ہو۔

بعض بزرگوں نے فرمایا اس آدمی پر تعجب ہے جو اپنے محسن کے احسان کو پہچاننے کے بعد اس کی نافرمانی کرتا ہے اور شیطان لعین کی سرکشی کو جاننے کے بعد اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ ق آیت ۲۷

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۰ کتاب المناقب۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (۱) تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔

جب کہ تم اسے پکارتے ہو اور وہ تمہاری دعا قبول نہیں کرتا اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو لیکن شیطان تم سے نہیں بھاگتا کیونکہ ذکر اور دعا کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔

دعا کیوں قبول نہیں ہوتی :

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (۲) مجھ سے دعا مانگو میں تمہارے لیے قبول کروں گا۔

انہوں نے فرمایا اس لیے کہ تمہارے دل مردہ ہیں پوچھا گیا دل کس چیز سے مر گئے ہیں انہوں نے فرمایا آٹھ باتوں سے،

۱۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچانا لیکن اس کا حق ادا نہ کیا۔

۲۔ تم نے قرآن پاک پڑھا لیکن اس (کی بیان کردہ) حدود پر عمل نہ کیا۔

۳۔ تم نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں لیکن تم نے ان کی سنت پر عمل نہ کیا۔

۴۔ تم نے کہا ہم موت سے ڈرتے ہیں لیکن تم نے اس کے لیے تیاری نہ کی۔

۵۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۔ (۳) بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس اسے اپنا دشمن سمجھو لیکن تم نے گناہ پر اس کی موافقت کی۔

۶۔ تم نے کہا ہم جہنم سے ڈرتے ہیں لیکن تم نے اپنے جسموں کو اس میں ڈالا۔

۷۔ تم نے کہا ہم جنت کو پسند کرتے ہیں لیکن اس کے لیے عمل نہ کیا۔

۸۔ اور جب تم اپنے بستروں سے اٹھتے ہو تو اپنے عیبوں کو پیٹھ پیچھے ڈال دیتے ہو اور دوسروں کے عیب نکالنے شروع کر دیتے ہو ــــ تو اس طرح تمہارا رب تم سے ناراض ہوا تو وہ تمہاری دعا کس طرح قبول کرے۔

مختلف گناہوں کا داعی شیطان ایک ہے یا زیادہ

اگر تم پوچھو کہ مختلف گناہوں کی طرف ایک شیطان بلاتا ہے یا مختلف شیطان؟

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ غافر آیت ۶۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ غافر آیت ۶۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ فاطر آیت ۶

تو جان لو کہ علم معاملہ میں اس بات کو جاننے کی ضرورت نہیں ہے تم دشمن کو دور کرنے میں مشغول رہو اس کی صفت نہ پوچھو سبزی کھانے سے غرض رکھو سبزی دینے والے کے بارے میں نہ پوچھو لیکن جو کچھ روایات اور نور بصیرت سے واضح ہوا وہ یہ ہے کہ شیطانوں کا ایک بڑا لشکر ہے اور ہر قسم کے گناہ کے لئے ایک شیطان خاص ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے اس امر کی دریافت کا بیان نہایت طویل ہے جو کچھ ہم نے ذکر کیا تمہارے لیے یہی کافی ہے وہ یہ کہ مسبب کا اختلاف سبب کے اختلاف پر دلالت کرتا ہے جس طرح ہم نے آگ کی روشنی اور دھوئیں کی سیاہی کے سلسلے میں ذکر کیا۔ جہاں تک اور بات کا تعلق ہے تو حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا۔

شیطان کی اولاد پانچ ہیں اور اس نے ہر ایک کے ذمہ ایک کام سپرد کیا ہے ان کے نام ثبر، اعور، مبسوط، داسم اور زلنبور ہے۔

ثبر کے ذمہ مصائب ہیں وہ واویلا کرنے گریبان پھاڑنے چہرہ پیٹنے اور جاہلیت کی پکار پکارنے کا حکم دیتا ہے۔

اعور صاحب زنا ہے وہ زنا کا حکم دیتا ہے اور اسے آدمی کی نگاہوں میں اچھا کر کے پیش کرتا ہے۔

مبسوط، جھوٹ پر مقرر ہے۔

داسم وہ آدمی کے ساتھ گھر میں داخل ہو کر اس کے سامنے ان کی برائیاں پیش کرتا اور اسے ان پر غصہ دلاتا ہے

زلنبور۔ یہ شیطان بازار میں مقرر ہے اسی کے سبب وہ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔

نماز کے شیطان کو خنزب کہا جاتا ہے (۱) اور وضو کا شیطان ولہان کہلاتا ہے (۲) اور اس سلسلے میں متعدد روایات آئی ہیں تو جس طرح شیطان بکثرت ہیں اسی طرح فرشتے بھی بہت زیادہ ہیں ہم نے شکر کے بیان میں فرشتوں کی کثرت اور ہر عمل کے لیے الگ فرشتہ مقرر ہونے کی وجہ ذکر کی ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وُكِّلَ بِالْمُؤْمِنِ مِائَةٌ وَسِتُّونَ مَلَكًا يَذُبُّونَ عَنْهُ مَالَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ، مِنْ ذٰلِكَ لِلْبَصَرِ سَبْعَةُ أَمْلَاكٍ يَذُبُّونَ عَنْهُ كَمَا يُذَبُّ الذُّبَابُ عَنْ قَصْعَةِ الْعَسَلِ فِي الْيَوْمِ الصَّائِفِ وَمَا لَوْ بَدَا لَكُمْ لَرَأَيْتُمُوهُ عَلٰى كُلِّ سَهْلٍ وَجَبَلٍ

مومن پر ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں وہ اس سے اس چیز کو دور کرتے ہیں جس کی اسے طاقت نہیں آنکھ کے لیے سات فرشتے ہیں وہ اس سے اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح گرمی کے دنوں میں شہد سے مکھی دور کی جاتی ہے اگر تم دیکھ سکو تو تم ہر بستی اور پہاڑ پہ دیکھو کہ ان میں سے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۱۶ مرویات عثمان بن ابی العاص

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۳۶ مرویات ابی بن کعب

كُلٌّ بَاسِطٌ يَدَهُ فَاغِرٌ فَاهُ وَلَوْ وُكِلَ الْعَبْدُ إِلَى نَفْسِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ لَاخْتَطَفَتْهُ الشَّيَاطِينُ۔ (۳)

ہر ایک نے ہاتھ پھیلایا ہوا اور منہ کھولا ہوا ہے اگر بندے کو پلک جھپکنے کے برابر بھی اس کے اپنے حوالے کیا جائے تو شیطان اسے اُچک لیں گے۔

﴿ ﴾

حضرت ایوب بن یونس بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ انسان کی اولاد کے ساتھ جنوں کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے پھر وہ ان کے ساتھ ہی بڑے ہوتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی طرف اتارا گیا تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب! تو نے میرے اور اس شیطان کے درمیان عداوت رکھی ہے اگر تو میری مدد نہیں کرے گا تو میں اس پر غالب نہیں آسکوں گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کی اولاد میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دوں گا انہوں عرض کیا اے میرے رب زیادہ کر دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک برائی کا بدلہ ایک برائی سے اور ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں سے دوں گا بلکہ جس حد تک چاہوں گا، دوں گا انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! اس میں اضافہ فرما اللہ تعالیٰ نے فرمایا توبہ کا دروازہ کھلا ہوگا جب تک جسم میں روح ہوگی شیطان نے کہا اے میرے رب! تو نے اس بندے کو مجھ پر اعزاز بخشا اگر تو میری مدد نہیں کرے گا تو میں اس پر غالب نہیں آسکوں گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا اس کے ساتھ تیرا بچہ بھی ہوگا اس نے کہا اے میرے رب اضافہ فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ان لوگوں میں خون کی طرح گردش کرے گا۔ اور ان کے سینے کو اپنا گھر بنائے گا اس نے عرض کیا اے میرے رب اضافہ فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

أَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا۔ (۱)

اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو کھینچ اور ان کے مالوں اور اولاد میں ان کا شریک بن جا اور ان کو وعدہ دے اور شیطان کو دھوکے کا ہی وعدہ دیتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے جنوں کو تین قسموں میں پیدا فرمایا ایک قسم میں سانپ، بچھو اور زمین کے کیڑے مکوڑے ہیں دوسری قسم تیز آندھی کی طرح ہے اور تیسری قسم میں ثواب و عذاب ہے۔ اور انسانوں کو بھی تین اقسام میں پیدا فرمایا ایک جانوروں کی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۷، ص ۲۰۹ کتاب القدر

(۲) قرآن مجید سورۃ بنی اسرائیل آیت ۶۴

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۱)

ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کے لیے آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے لیے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جن کے جسم انسانوں کی طرح ہیں لیکن روح شیطانی ہے اور تیسری قسم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوگی جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ (۲)

حضرت وہیب بن ورد فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس، حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا میں آپ کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں البتہ تو مجھے انسانوں کے بارے میں بتا اس کہا انسان ہمارے نزدیک تین قسم کے ہیں ایک قسم وہ ہے جو ہمارے نزدیک سب سے زیادہ سخت ہیں ہم ان میں سے ایک کے پاس جاکر اسے فتنے میں مبتلا کرتے ہیں اور اسے قابو میں کرتے ہیں تو وہ توبہ اور استغفار کرتے ہوئے ہماری تمام کوشش پر پانی پھیر دیتا ہے پھر ہم اس کے پاس جاتے ہیں تو وہ دوبارہ وہی عمل کرتا ہے لیکن ہم اس سے مایوس نہیں ہوتے لیکن اس سے ہمارا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا بس مشقت ہی ہوتی ہے اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو ہمارے ہاتھوں میں اس طرح ہوتے ہیں جس طرح تمہارے بچوں کے ہاتھوں میں گیند ہوتی ہے ہم جیسے چاہیں ان کے پاس جاتے ہیں وہ ہمیں بے نیاز کر دیتے ہیں جب کہ تیسری قسم لوگ آپ کی طرح معصوم ہیں ہم ان پر کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتے۔

سوال:

شیطان کس طرح بعض لوگوں کے سامنے آتا ہے اور بعض کے سامنے نہیں آتا نیز جب وہ نظر آتا ہے تو کیا یہ اس کی اصل شکل ہے یا اس کا عکس ہے؟ اگر اس کی حقیقی صورت ہے تو وہ مختلف صورتوں میں کیوں نظر آتا ہے اور ایک ہی وقت میں دو مختلف جگہوں اور مختلف صورتوں میں کیسے ہوتا ہے؟ حتیٰ کہ دو آدمی اسے دو مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں۔

جواب:

فرشتے اور شیطان کے لیے دو صورتیں ہیں اور یہ ان کی حقیقی صورتیں ہیں اور ان کی حقیقی صورت نورِ نبوت کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۷۹

(۲) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۲۶۷، ۲۶۸ حدیث ۳۴۵۰

بغیر نظر نہیں آتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے[1]
اور یہ اس لیے ہوا کہ آپ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ آپ کو اپنی اصل صورت دکھائیں چنانچہ انہوں نے جنت البقیع
میں آپ سے وعدہ کیا اور حراء پہ ظاہر ہوئے انھوں نے مشرق سے مغرب تک افق کو گھیر لیا دوسری مرتبہ آپ نے ان کو معراج
کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ان کی اصل صورت میں دیکھا عام طور پہ آپ ان کو انسانی شکل میں (۲) حضرت دحیہ کلبی
رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھا کرتے تھے اور وہ نہایت خوبصورت تھے (۳)

اکثر اہل دل کا مکاشفہ یوں ہوتا ہے کہ وہ اس کی صورت کا عکس دیکھتے ہیں شیطان کوئی صورت بنا کر ان کی بیداری
کی حالت میں آتا ہے تو وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اپنے کانوں سے اس کا کلام سنتے ہیں تو یہ اس کی حقیقی
صورت کے قائم مقام ہوتی ہے جس طرح عام اولیاء کرام کو سونے کی حالت میں کشف ہوتا ہے بیداری کی حالت میں جس کو
کشف ہوتا ہے وہ ایسے رتبے والا شخص ہوتا ہے کہ اس کے حواس دنیا میں مشغول ہونے کے باوجود اسے نیند کی حالت
میں ہونے والا کشف عالم بیداری میں ہوتا ہے اور دوسروں کو جو کچھ نیند کی حالت میں نظر آتا ہے یہ شخص عالم بیداری
میں دیکھتا ہے جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے منقول ہے ایک شخص نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ اسے
انسان کے دل میں شیطان کی جگہ دکھائے تو اس نے خواب کی حالت میں ایک آدمی کا جسم دیکھا جو بلور کی طرح تھا
اس کا اندر باہر سے نظر آرہا تھا اور شیطان کو دیکھا کہ وہ ایک مینڈک کی طرح اس کے بائیں کاندھے پہ کاندھے
اور کان کے درمیان بیٹھا ہوا ہے اور اس کی پتلی اور لمبی سونڈ ھے وہ اس کے بائیں کاندھے سے اس کے دل میں داخل
ہو کر وسوسے ڈالتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے (سکڑ جاتا ہے)

بعض اوقات جاگتے ہوئے بھی اس طرح دکھائی دیتا ہے چنانچہ بعض اہل کشف نے شیطان کو ایک کتے کی صورت
میں دیکھا جو مردار پہ گرا رہا ہے اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہے اور مردار سے دنیا مراد ہے تو اس طرح کا دیکھنا اصلی
صورت دیکھنے کی طرح ہے کیونکہ دل کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اس طرف سے حقیقت ظاہر ہو جو عالم ملکوت کی
جانب ہے اور اس وقت اس کا اثر اس طرف پہ چمکتا ہے جو ظاہری عالم کے مقابلے میں ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے
سے متصل ہیں اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دل کی دو طرفیں ہیں ایک عالم غیب کی طرف ہے اور وہاں سے الہام اور
وحی کا دخول ہوتا ہے اور دوسری عالم شہادت (ظاہر) کی طرف ہے تو عالم شہادت کی جانب سے ملی ہوئی طرف

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۹۸ کتاب الایمان

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۹۸ کتاب الایمان

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۱ کتاب فضائل الصحابہ

ہیں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ ایک خیالی صورت ہوتی ہے کیونکہ عالم شہادت گویا تمام کا تمام تخیلات ہیں البتہ خیال بعض اوقات حس کے ذریعے ظاہر عالم شہادت کو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے تو اس وقت جائز ہے کہ صورت معنیٰ کے مطابق نہ ہو حتیٰ کہ ایک شخص کو دیکھا جاتا ہے جو خوبصورت ہے لیکن اندر سے وہ خبیث ہوتا ہے اور اس کا باطن برا ہوتا ہے کیونکہ ظاہری عالم میں دھوکہ بہت ہے لیکن وہ صورت جو خیال میں اس طرح آتی ہے کہ عالم ملکوت کی چمک سے حاصل ہوتی ہے تو وہ صفت کی مطابق و موافق ہوتی ہے کیونکہ عالم ملکوت میں صورت صفت کے تابع اور موافق ہوتی ہے تو یقیناً قبیح معنیٰ قبیح صورت میں ہی نظر آئے گا۔ تو شیطان مینڈک، کتے اور خنزیر وغیرہ کی صورت میں نظر آتا ہے اور فرشتہ اچھی صورت میں نظر آتا ہے۔ تو یہ صورت باطن کا عنوان اور اس کے مطابق ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں بندر یا خنزیر کو دیکھے تو اس کی تعبیر خبیث انسان سے کی جاتی ہے اور بکری دیکھے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا سینہ محفوظ ہے۔

خوابوں کی تعبیر کا یہی معاملہ ہے اور یہ عجیب اسرار ہیں اور یہ دل کے عجائب کے اسرار سے ہیں اور ان کا ذکر علم معاملہ کے لائق نہیں ہے مقصود تو اس بات کی تصدیق ہے کہ ارباب قلوب کے لیے شیطان ظاہر ہوتا ہے اسی طرح فرشتہ بھی، کبھی مثالی شکل میں جیسے نیند کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی حقیقی طور پر ہوتا ہے اور عام طور پر اس صورت کی مثل ہوتی ہے جو اس معنیٰ پر دلالت کرتی ہے یعنی اس حقیقت کی مثال ہوتی ہے اصل نہیں لیکن آنکھ سے دیکھنا حقیقت کو دیکھنا ہے اور یہ اہل کشف کے ساتھ خاص ہے اس کے ارد گرد والے نہیں دیکھ سکتے جیسے سونے والا دیکھتا ہے دوسرے نہیں دیکھتے۔

وسوسوں وغیرہ میں سے کس پر مواخذہ ہوگا

یہ نہایت ہی گہری بات ہے اور اس سلسلے میں مختلف آیات و احادیث آئی ہیں ان میں وہی لوگ تطبیق دے سکتے ہیں جو شریعت کے کامل علماء ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے

آپ نے فرمایا:

عُفِيَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ نُفُوسُهَا مَا لَمْ تَتَكَلَّمْ بِهِ أَوْ تَعْمَلْ بِهِ (۱)

میرے امت سے وہ باتیں معاف کی گئیں جو محض دل میں ہوں جب تک ان کو زبان پر نہ لائے یا اس پر عمل نہ کرے۔

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۴۳ کتاب العتق و فضلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ يَقُولُ لِلْحَفَظَةِ إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوهَا فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا سَيِّئَةً وَإِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ لَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا عَشْرًا۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین (فرشتوں) سے فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ گناہ کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب وہ اس پر عمل کرے تو ایک گناہ لکھو اور جب وہ نیکی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھ دو۔ اور اگر وہ عمل بھی کرے تو دس نیکیاں لکھو۔

حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں اسی حدیث کو نقل کیا ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دل کا عمل اور برائی کا ارادہ معاف ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَعَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ عَلَيْهِ وَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ۔ (۲)

جو شخص نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جو آدمی نیکی کا ارادہ کرے اس پر عمل بھی کرے تو اس کے لیے سات سو گنا تک ثواب لکھا جاتا ہے اور جو آدمی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے اس پر گناہ نہیں لکھا جاتا اور اگر عمل کرے تو گناہ لکھا جاتا ہے۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے۔

وَإِذَا تَحَدَّثَ بِأَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَأَنَا أَغْفِرُهَا مَا لَمْ يَعْمَلْهَا۔ (۳)

اور جب دل میں ارادہ کرے کہ گناہ کرے گا تو اگر وہ عمل نہ کرے تو میں اسے بخش دیتا ہوں۔

یہ تمام روایات معافی پر دلالت کرتی ہیں۔

اور مواخذہ پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ

اور اگر ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۷۸، کتاب الایمان

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً۔

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا پس جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ (۲)

اور جس بات کا نہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو بیشک کان، آنکھ اور دل سب سے پوچھا جائے گا۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ دل کا عمل بھی کان اور آنکھ کے عمل کی طرح ہے لہذا اس کے لیے معافی نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ۔ (۳)

اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری بے ارادہ قسموں پر نہیں پکڑتا لیکن وہ اس چیز پر تمہارا مواخذہ فرماتا ہے جو تمہارے دل نے کمایا۔

اس مسئلہ میں ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ جب تک دل کے اعمال کی پوری تفصیل اس کے ظہور سے لے کر اعضاء کے اعمال تک معلوم نہ ہو اس وقت تک کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا تو ہم کہتے ہیں کہ انسان کے دل پر سب سے پہلے جو چیز آتی ہے وہ خاطر ہے مثلاً اس کے دل میں ایک عورت کی صورت آتی ہے اور وہ راستے میں اس کی پیٹھ کے پیچھے ہو اگر وہ اس کی طرف متوجہ ہو تو اسے دیکھ لے۔

اس کے بعد دیکھنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور وہ طبیعت میں شہوت کی حرکت ہے اور یہ پہلے خاطر سے پیدا ہوتی ہے اسے طبیعت کا میلان کہا جاتا ہے اور پہلی بات کو حدیث نفس کہتے ہیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۸۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ الاسراء آیت ۳۶

(۳) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۸۳

(۴)

تیسری بات دل کا حکم ہے کہ یہ کام کیا جائے یعنی اسے دیکھنا چاہیے کیونکہ طبیعت جب مائل ہوتی ہے تو جب تک موانع دور نہ ہوں تہمت اور نسبت پیدا نہیں ہوتی بعض اوقات اسے حیا یا خوف اس کی طرف دیکھنے سے روکتا ہے اور ان رکاوٹوں کا نہ ہونا غور و فکر سے ہوتا ہے اور یہ بہر صورت عقل کی اجازت ہے اسے اعتقاد کہتے ہیں اور یہ خاطر اور میلان کے بعد ہوتا ہے۔

چوتھے درجے میں ادھر دیکھنے کا پختہ ارادہ اور پکی نیت ہے اسے ارادہ بالفعل کہتے ہیں اس ارادے کا مبداء کبھی ضعیف ہوتا ہے لیکن جب دل کو پہلے خاطر کی طرف متوجہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ نفس کو بہت کھینچے تو یہ ارادہ پختہ ہو جاتا ہے اور اسے مصمم ارادہ کہتے ہیں لیکن اس کے بعد بعض اوقات ندامت ہوتی ہے اور عمل چھوڑ دیا جاتا ہے اور بعض اوقات کسی رکاوٹ کی وجہ سے غفلت کے باعث عمل نہیں کیا جاتا اور اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور کبھی کوئی ایسا عذر پیش آجاتا ہے جس کی وجہ سے عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

تو یہاں اعضاء کے ساتھ عمل کرنے سے پہلے چار حالتیں ہوتی ہیں ایک خاطر ہے جسے حدیث النفس کہتے ہیں پھر میلان ہوتا ہے اس کے بعد اعتقاد اور پھر ارادہ۔

تو ہم کہتے ہیں کہ خاطر پر مواخذہ نہیں ہوتا اور وہ انسان کے اختیار میں نہیں اسی طرح میلان اور خواہش پیدا ہونے کا حکم ہے کیونکہ وہ انسان کے بس میں نہیں ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کہ "میری امت سے وہ بات معاف کر دی گئی جو ان کے دل میں پیدا ہوتی ہے" سے یہی مراد ہے حدیث نفس سے وہ خیال (خاطر) مراد ہے جو دل میں گزرتا ہے اور اس کے بعد فعل کا ارادہ نہیں ہوتا لیکن ارادے کو حدیث نفس نہیں کہتے بلکہ حدیث نفس وہ ہے جیسے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرے دل میں آتا ہے کہ حضرت خولہ کو طلاق دے دوں آپ نے فرمایا رک جاؤ نکاح میری سنت ہے انہوں نے فرمایا میرا دل کہتا ہے کہ میں مردانگی ختم کر دوں آپ نے فرمایا رک جاؤ میری امت کا مردانگی ختم کرنا بکثرت روزے رکھنا ہے انہوں نے عرض کیا میرا دل چاہتا ہے کہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لوں راہب بن جاؤں آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ میرے امت کی رہبانیت جہاد اور حج ہے انہوں نے عرض کیا میرے جی میں آتا ہے کہ میں گوشت کھانا چھوڑ دوں آپ نے فرمایا رک جاؤ میں اسے پسند کرتا ہوں اور اگر مل جائے تو کھا لیتا ہوں اور اگر میں اللہ تعالیٰ سے مانگتا تو وہ مجھے کھلا دیتا۔(۱)

تو یہ خواطر ہیں جن کے ساتھ فعل پر عزم نہیں یہ حدیث نفس ہیں اسی لیے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا کیونکہ ارتکاب کا عزم نہ تھا۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۳۶ کتاب الجہاد

تیسری بات اعتقاد اور دل کا حکم ہے کہ یہ کام کیا جائے تو یہ اضطرار و اختیار کے درمیان میں ہے اور اس سلسلے میں احوال مختلف ہیں اس میں سے جو اختیاری ہے اس پر مواخذہ ہوگا اور جو اضطراری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

چوتھی بات فعل کا ارادہ ہے اس پر مواخذہ ہوتا ہے لیکن عمل نہ کرنے کی صورت میں دیکھا جائے اگر اللہ تعالیٰ کے خوف اور ارادے پر نادم ہو کر چھوڑتا ہے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے کیوں کہ اس کا ارادہ گناہ ہے اور اس سے رکنا اور مجاہدۂ نفس نیکی ہے اور طبیعت کے موافق ارادہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گیا اور مجاہدہ کے ذریعے خلافِ طبیعت کام پر اپنے آپ کو روکنا ایک بڑی طاقت کا متقاضی ہے لہٰذا طبیعت کے خلاف کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنا، شیطان کی موافقت کے بجائے کوشش کرنے سے مشکل ہے پس اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے کیوں کہ اس عمل کے ارادے پر رکنے کے ارادے اور کوشش کو ترجیح دی ہے۔ اور اگر کسی مانع یا عذر کی وجہ سے اس کام سے باز رہا اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے نہیں تو اس پر ایک گناہ لکھا جاتا ہے کیوں کہ اس کا ارادہ کرنا دل کا اختیاری فعل ہے اس تفصیل پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو صحیح مسلم میں مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فرشتے کہتے ہیں اے رب! تیرا یہ بندہ برائی کرنا چاہتا ہے حالانکہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا خیال رکھو اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کی مثل لکھ دو اگر چھوڑ دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اس نے میری وجہ سے اسے چھوڑا ہے (۱)

تو یہ فرمایا کہ اگر وہ اس پر عمل نہ کرے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑنا ہے اور اگر وہ برائی کا ارادہ کرے پھر کسی وجہ سے یا غفلت کے بعد اسے عذر پیش آ جائے تو اس کے لیے نیکی کیسے لکھی جائے گی۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی نِیَّاتِہِمْ۔	بے شک (قیامت کے دن) لوگوں کو ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا۔ (۱)

اور ہم جانتے ہیں کہ جو شخص رات کو ارادہ کرے کہ وہ صبح کسی مسلمان کو قتل کرے گا یا کسی عورت سے زنا کا مرتکب ہوگا پھر اسی رات مر جائے تو وہ نیت پر ہی فوت ہوا اور اپنی نیت پر اٹھایا جائے گا اور اس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس نے اس پر عمل نہیں کیا اور اس سلسلے میں قطعی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۸، کتاب الایمان

إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ۔ (١)

جب دو مسلمان تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل آتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔

عرض کیا گیا یا رسول اللہ! قاتل تو اس کا مستحق ہے مقتول کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ اس نے اپنے مقابل کو قتل کرنا چاہا۔ (٢)

تو یہ حدیث واضح طور پر بتا رہی ہے کہ وہ محض ارادے سے جہنمیوں میں سے ہو جاتا ہے حالانکہ وہ ظلم کے ساتھ قتل کیا گیا۔ تو کیسے یہ خیال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نیت اور ارادے کی وجہ سے مواخذہ نہیں فرمائے گا بلکہ ہر وہ ارادہ جو انسان کے اختیار سے ہو اس پر اس کا مواخذہ ہوگا البتہ یہ کہ وہ نیکی کے ذریعے اسے مٹا دے اور ندامت کے ذریعے ارادے کو توڑ دینا بھی نیکی ہے اسی وجہ سے اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے لیکن کسی وجہ سے اس کی مراد کا فوت ہونا نیکی نہیں ہے۔

جہاں تک خواطر، حدیثِ نفس اور رغبت پیدا ہونے کا تعلق ہے تو یہ تمام باتیں اختیار کے تحت داخل نہیں ہیں لہٰذا ان پر مواخذہ طاقت کے بغیر تکلیف دینے والی بات ہے اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ۔ (٣)

جو کچھ تمہارے دلوں میں اگر تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا۔

کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے ہمیں ایسے کام کا مکلف بنایا گیا جس کی ہمیں طاقت نہیں ہے کیونکہ ایک شخص اپنے دل میں ایک بات کرتا ہے اور اس پر ثابت رہنا نہیں چاہتا پھر اس سے حساب ہوگا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم یہودیوں کی طرح کہنا چاہتے ہو انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نہ مانا تم کہو ہم نے سنا اور تسلیم کیا چنانچہ انہوں نے کہا ہم نے سنا اور مانا پھر ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر آسانی کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (٤)

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (٥)

اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

---

(١) سنن ابن ماجہ ص ٣٢٢، ابواب الزہد

(٢) صحیح بخاری جلد ٢ ص ١٠١٥ کتاب الدیات

(٣) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ٢٨٤

(٤) صحیح مسلم جلد اول ص ٧٧، ٧٨، کتاب الایمان

(٥) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ٢٨٦

اس سے ظاہر ہوا کہ دل کے وہ اعمال جو ان کے بس میں نہیں ہیں ان کے بارے میں مواخذہ نہیں ہوگا ــــ تو اس اشتباہ کا بیان یہ ہے جو آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ دل میں گزرنے والی ہر بات حدیثِ نفس ہے اور وہ ان تین قسموں کے درمیان فرق نہیں وہ یقیناً غلطی پر ہے کس طرح دل کے اعمال تکبر، خود پسندی، ریا، منافقت، حسد اور باقی قلبی خباثتوں پر مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ کان، آنکھ اور دل سب سے پوچھا جائیگا مقصد یہ کہ جو انسان کے اختیار میں ہے اگر کسی کو غیر محرم پر غیر اختیاری پہ نظر پڑ جائے تو مواخذہ نہیں ہوگا لیکن جب اس کے بعد دوسری نظر ڈالے گا تو اس کا مواخذہ ہوگا کیونکہ یہ اختیار میں ہے اسی طرح دل کے خواطر کا حکم بھی ہے بلکہ دل کا مواخذہ تو بدرجہ اَولیٰ ہونا چاہیئے کیونکہ یہی اصل ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا۔

اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا (۱) — تقویٰ یہاں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاءُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ - (۲) — اللہ تعالیٰ تک ان (قربانیوں) کا خون اور گوشت ہر گز نہیں پہنچتا بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْاِثْمُ حَوَّازُ الْقُلُوْبِ (۳) — گناہ دلوں پر اثر کرنے والے امور ہیں

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّ اِلَیْہِ الْقَلْبُ وَاِنْ اَفْتَوْکَ وَاَفْتَوْکَ (۴) — نیکی وہ ہے جس پر دل مطمئن ہو اگرچہ لوگ تمہیں کچھ فتویٰ دیں۔

یہاں تک کہ میں کہتا ہوں اگر فتویٰ دینے والا دل کسی چیز کو واجب کرنے کا حکم دے اور وہ اس میں خطا کرے تو بھی اسے اس پر ثواب ملے گا بلکہ جو شخص یہ گمان کرے کہ وہ با وضو ہے تو وہ نماز پڑھے اگر نماز پڑھنے کے بعد یاد آئے کہ اس نے وضو نہیں کیا تھا تو اسے اپنے عمل کا ثواب ملے گا اور اگر یاد ہونے کے باوجود وضو نہ کرے تو اسے عذاب ہوگا اور جو آدمی اپنے بستر پر کسی عورت کو پائے اور یہ گمان کرے کہ وہ اس کی بیوی ہے تو اس سے وطی کرنے کی وجہ سے گناہ گار

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۷ کتاب البر والصلۃ

(۲) قرآن مجید، سورۃ الحج آیت ۳۷

(۳) مجمع الزوائد جلد اوّل ص ۱۷۶ کتاب العلم

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۸ مرویات وابصہ بن معبد

نہیں ہوگا اگرچہ کوئی دوسری عورت ہو اور اگر اسے یہ گمان ہو کہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے پھر اس سے وطی کرے تو گناہ گار ہوگا اگرچہ اس کی بیوی ہی ہو اور یہ تمام باتیں دل پر منحصر ہیں اعضاء سے متعلق نہیں ہیں۔

کیا ذکر کے وقت وسوسے بالکل ختم ہو جاتے ہیں

دلوں پر نگاہ رکھنے والے اور اس کی صفات و عجائب میں نظر کرنے والے علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا اور یوں وہ پانچ فرقوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔

ایک فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے وسوسہ ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فاذا ذکر اللہ خَنَسَ۔ (۱) جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو وہ (شیطان) ہٹ جاتا ہے۔

خنس، خاموشی کو کہتے ہیں گویا وہ خاموش ہو جاتا ہے۔

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ وسوسے بالکل ختم نہیں ہوتے بلکہ دل میں جاری ہوتے ہیں البتہ ان کا اثر نہیں ہوتا کیوں کہ جب دل کو ذکر خداوندی سے گھیر لیا جائے تو وہ وسوسوں کے اثرات سے پردے میں ہو جاتا ہے جیسے کوئی آدمی اپنی سوچ میں گم ہو تو اس سے کلام کیا جاتا ہے لیکن وہ سمجھ نہیں پاتا۔ اگرچہ اس کے کانوں میں آواز آتی ہو۔

تیسرا فرقہ کہتا ہے کہ نہ تو وسوسہ ختم ہوتا ہے اور نہ اس کا اثر زائل ہوتا ہے البتہ دل پر اس کا غلبہ نہیں رہتا گویا وسوسے پیدا ہوتے ہیں لیکن کمزور ہوتے ہیں۔

چوتھا فرقہ کہتا ہے کہ ذکر کے وقت ایک لحظہ کے لیے وسوسہ ختم ہو جاتا ہے اور دوسرے لحظہ میں ذکر ختم ہو جاتا ہے وہ قریب قریب وقت میں ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور ان کے باہم قریب ہونے کی وجہ سے ایک تسلسل سا ہوتا ہے اور یہ اس گیند کی طرح جس پر متفرق نقطے ہوں جب تم اسے جلدی جلدی پھیرو تو ان نقطوں کو دائروں کی صورت میں دیکھو گے کیونکہ وہ تیزی سے حرکت کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ حدیث میں خنس کا لفظ آیا ہے اور ہم ذکر کے ساتھ ساتھ وسوسہ بھی دیکھتے ہیں اور اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔

پانچویں فرقے کا قول ہے کہ وسوسہ اور ذکر دل میں ہمیشہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں اور یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اور جس طرح انسان بعض اوقات اپنی آنکھوں سے دو چیزوں کو ایک ہی حالت میں دیکھتا ہے اسی طرح دل میں بھی دو چیزیں جاری ہوتی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۱۴۹ کتاب التفسیر

مَا مِنْ عَبْدٍ اِلَّا وَلَهُ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ عَيْنَانِ فِيْ رَأْسِهِ يُبْصِرُ بِهِمَا اَمْرَ دُنْيَاهُ وَعَيْنَانِ فِيْ قَلْبِهِ يُبْصِرُ بِهِمَا اَمْرَ دِيْنِهِ ۔ (۱)

ہر شخص کی چار آنکھیں ہوتی ہیں دو سر میں ہوتی ہیں جن سے اپنی دنیا کے کاموں کو دیکھتا ہے اور دو آنکھیں دل میں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے دینی معاملات کو دیکھتا ہے

محاسبی کا یہی مذہب ہے۔

ہمارا نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ تمام مذاہب صحیح ہیں لیکن یہ تمام مذاہب وسوسوں کی تمام اقسام کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں ان میں سے ہر ایک نے وسوسوں کی ایک قسم کو دیکھ کر اس کے بارے میں خبر دی جب کہ وسوسوں کی کئی اقسام ہیں۔

اقسام وسوسہ :

پہلی قسم یہ ہے کہ امر حق میں شبہ ڈالا جائے کیونکہ شیطان بعض اوقات حق میں شبہ ڈالتا ہے اور انسان سے کہتا ہے تم لذتوں سے متمتع نہیں ہوتے حالانکہ زندگی بہت طویل ہے اور اتنی بڑی زندگی میں خواہشات سے رک جانا بہت بڑا عذاب ہے اس وقت جب بندہ اللہ تعالیٰ کے عظیم حق اور اس کے بہت بڑے ثواب و عذاب کو یاد کرتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے کہ خواہشات سے صبر کرنا مشکل ہے لیکن آگ پر صبر کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے اور ان میں سے ایک کو اختیار کرنا ضروری ہے تو جب اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید کو یاد کرتا ہے اور اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے کیوں کہ اس کے لیے یہ کہنا ممکن نہیں کہ گناہ پر صبر کرنے سے آگ آسان ہے اور وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ گناہ جہنم کی طرف نہیں لے جاتا کیونکہ کتاب اللہ پر اس کا ایمان اس خیال کو دور کر دیتا ہے تو یوں اس کا وسوسہ ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح شیطان انسان کو اس کے عمل پر خود پسندی میں مبتلا کر کے وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ تیری طرح اللہ تعالیٰ کو کون پہچانتا ہے اور تیری طرح اس کی عبادت کون کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرا مقام کتنا بڑا ہے اس وقت انسان کو یاد آتا ہے کہ اس کی معرفت اس کا دل اور اس کے اعضاء جن کے ذریعے اسے عمل اور علم حاصل ہوتا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے تو اس پر تکبر کیسا؟ یوں شیطان دور ہو جاتا ہے کیونکہ وہ شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ اس کا ایمان اور معرفت اس خیال کو دور کر دیتی ہے تو یہ بھی وسوسوں کی ایک قسم ہے اور جو عارفین ایمان اور معرفت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان سے یہ وسوسے بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۴ ص ۱۴۳ حدیث ۶۰۳۰

دوسری قسم یہ ہے کہ شہوت کو حرکت دے اور اس کی ایک صورت یہ ہے کہ بندہ یقین سے جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے اور دوسری صورت یہ کہ اسے غالب گمان ہوتا ہے اگر اسے یقین سے علم ہو تو شیطان ہیجان تو پیدا کرتا ہے لیکن وہ شہوت کی تحریک میں موثر نہیں ہوتا اور اگر محض گمان ہو تو اکثر موثر رہے گا یعنی اسے دُور کرنے کے لیے مجاہدے کی ضرورت ہو گی تو وسوسہ موجود ہو گا لیکن وہ غالب نہیں ہو گا اور اس کو دُور کیا جائے گا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اس کا وسوسہ محض خواطر سے ہو اور عالم حالات کو یاد کیا جائے اور نماز کے علاوہ سوچتا ہے لیکن جب ذکر کی طرف متوجہ ہو تو یہ تصور کرے کہ وہ ایک ساعت کے لیے ٹل جاتا ہے اور پھر آجاتا ہے اسی طرح وہ آتا جاتا ہے اس طرح ذکر اور وسوسہ ایک دوسرے کے پیچھے رہتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا ایک سلسلہ ہے حتیٰ کہ اس کے ذہن میں قرأت کے معنیٰ بھی رہتے ہیں اور یہ خواطر بھی ہوتے ہیں گویا وہ دونوں دل کے دو مقامول میں ہیں اور یہ بات بہت بعید ہے کہ یہ وسوسہ کلیتاً ختم ہو جائے اور دل میں نہ کھٹکے لیکن اس کا مکمل طور پر ختم ہونا محال بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُحَدِّثْ فِيْهِمَا نَفْسَهٗ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِالدُّنْيَا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (۱)

جو شخص دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان میں اپنے آپ سے دنیا کے کسی معاملے میں بات نہ کرے اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

تو اگر یہ بات محال ہوتی تو آپ اس کا ذکر نہ فرماتے مگر اس کا تصور اسی دل میں ہوتا ہے جس پر محبتِ خداوندی کا ڈیرہ ہو حتیٰ کہ وہ فریفتہ ہونے والے کی طرح ہو جاتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جب دل میں اس دشمن کا خیال ہو جس سے اذیت پہنچتی ہے تو کبھی دوبا اس سے زیادہ رکعات کی مقدار دشمن سے مقابلے کے بارے میں سوچتا رہتا ہے اس کے دل میں دشمن کے علاوہ کوئی بات نہیں آتی اسی طرح جو آدمی محبت میں ڈوبا ہوتا ہے تو وہ دل میں محبوب کے ساتھ باتوں کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اور اسی فکر میں ڈوبا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے دل میں محبوب کی باتوں کے علاوہ کوئی خیال نہیں آتا اور اگر اس سے کوئی دوسرا شخص گفتگو کرے تو وہ نہیں سنتا اور اگر کوئی آدمی اس کے سامنے سے گزرے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا اس نے اسے دیکھا ہی نہیں تو جب دشمن کے خوف اور مال و جاہ کی حرص کے وقت یہ تصور ممکن ہے تو جہنم کے خوف اور جنت کی حرص کے وقت کیوں ممکن نہ ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کمزور ہونے کی وجہ سے ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔

جب تم ان تمام اقسام میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے ہر مذہب کے لیے ایک وجہ ہے لیکن

---

(۱) مصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۳۸۶ کتاب الصلوٰۃ

اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کمزور ہوتے کی درجہ سے ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔
جب تم ان تمام اقسام میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے ہر مذہب کے لیے ایک وجہ ہے لیکن اس کا محل مخصوص ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک لحظہ یا ساعت کے لیے شیطان سے چھٹکارا کچھ بعید نہیں ہے لیکن ایک طویل عرصہ تک اس سے نجات کا ملنا نہایت بعید ہے اور اس کا وجود محال ہے اور اگر کوئی شخص شیطان کے وسوسوں سے جو دل میں پیدا ہوتے ہیں اور رغبت کو بڑھاتے ہیں، چھوٹ سکتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا وسوسہ نہ ہوتا ایک روایت میں ہے آپ نے نماز میں کپڑے کے نقش و نگار کی طرف دیکھا جب سلام پھیرا تو اس کپڑے کو پھینک دیا اور فرمایا اس نے میری نماز میں خلل ڈالا اور یہ بھی فرمایا کہ اسے حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ اور انبجانیہ چادر لاؤ۔(۱)
آپ کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ اس پر نظر پڑی آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا اور فرمایا ایک نظر اس کی طرف اور دوسری نظر تمہاری طرف جاتی ہے (۲)
تو یہ شیطان کی طرف سے وسوسہ تھا کہ اس نے سونے کی انگوٹھی اور کپڑے نقش و نگار کی طرف نظر کی لذت کو حرکت دی اور یہ واقعہ (مردوں پر) سونا حرام ہونے سے پہلے کا ہے اسی لیے آپ نے اسے پہنا اور پھر پھینک دیا تو دنیا کے سامان اور دولت کے وسوسے اسی وقت ختم ہوں گے جب اسے پھینک دیا جائے اور الگ کر دیا جائے جب تک آدمی حاجت کے علاوہ کسی چیز کا مالک ہوگا اگرچہ ایک دینار ہی کیوں نہ ہو شیطان اسے نماز میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے کہ وہ اس دینار کے بارے میں سوچتا ہے کہ اس کی حفاظت کس طرح کرے اسے کہاں خرچ کرے اور اسے کیسے چھپائے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو یا کسی طرح اسے ظاہر کر کے اس کے ذریعے دوسروں پر فخر ظاہر کرے اس طرح کے دیگر وسوسے پیدا ہوتے ہیں تو جو آدمی دنیا میں پھنس کر شیطان سے چھٹکارا پانے کی طمع کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو شہد میں غوطہ لگاتا ہے اور اس کا خیال یہ ہے کہ اس پر مکھیاں نہ بیٹھیں یہ محال ہے تو دنیا شیطان کا بہت بڑا دروازہ ہے اور اس کا دروازہ ایک نہیں بلکہ کئی دروازے ہیں۔
ایک دانا کا قول ہے کہ شیطان انسان کے پاس گناہ کی طرف سے آتا ہے اگر وہ گناہ نہ کرے تو خیر خواہ بن کر آتا ہے حتیٰ کہ اسے کسی بدعت میں ڈال دیتا ہے اور اگر وہ اس صورت میں بھی نہ مانے تو اسے تنگی اور شدت میں پڑنے کا

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۸۲ کتاب الصلوٰۃ
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۲۲ مرویات ابن عباس

حکم دیتا ہے حتیٰ کہ وہ غیر حرام چیز کو حرام قرار دیتا ہے اگر وہ اس طرح بھی قابو میں نہ آئے تو اسے اس کی نماز اور روزے میں شک ڈالتا ہے حتیٰ کہ اسے یقین نہیں رہتا اگر وہ اس طرح بھی اس کے قابو میں نہ آئے تو نیک اعمال کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے حتیٰ کہ لوگ اسے صبر کرنے والا اور پاکدامن دیکھتے ہیں اور لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اب وہ خود پسندی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعے ہلاک ہوتا ہے اس وقت شیطان کی حاجت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ یہ آخری درجہ ہے اور اسے معلوم ہے کہ اگر وہ اس بات سے بچ گیا تو اس کے پھندے سے نکل کر جنت میں چلا جائے گا۔

دل کا جلدی بدل جانا نیز بدلنے اور نہ بدلنے کے اعتبار سے دل کی اقسام

جان لو! جیسا کہ ہم نے ذکر کیا دل پر مختلف آثار اور صفات آتے رہتے ہیں جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور یہ ان دروازوں سے آتے ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں گویا یہ ایک نشانہ ہے جس پر ہمیشہ ہر طرف سے تیر برستے ہیں۔ جب اس پر کوئی چیز آتی ہے جس سے وہ متاثر ہوتا ہے تو دوسری طرف سے اس کے خلاف چیز آتی ہے تو اس سے پہلی صفت بدل جاتی ہے اگر اس پر شیطان نازل ہو کر اسے خواہش کی طرف بلاتا ہے تو فرشتہ اتر کر اسے اس سے پھیر دیتا ہے اور اگر اسے شیطان کسی برائی کی طرف کھینچتا ہے تو دوسرا شیطان دوسری طرف کھینچ لیتا ہے اگر ایک فرشتہ ایک نیکی کی طرف کھینچتا ہے تو دوسرا دوسری نیکی کی طرف کھینچتا ہے تو کبھی دو فرشتوں کے درمیان کھینچا تانی ہوتی ہے تو کبھی دو شیطانوں کے درمیان کشمکش جاری رہتی ہے اور کبھی فرشتے اور شیطان کے درمیان ہوتی ہے کسی بھی فراغت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ۔ (۱) اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیرتے رہتے ہیں۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے دل میں عجائب رکھے اور وہ پھرتا ہے اور اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا اس لیے آپ اس پر قسم کھاتے تھے آپ نے فرمایا:

لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ ۔ (۲) دلوں کو بدلنے والے کی قسم۔

اور آپ اکثر یہ دعا مانگتے۔

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۱۰

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۹۹ کتاب التوحید۔

قائم رکھنا۔ (۱)

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کو (دل کے بدلنے کا) خوف ہے؟

آپ نے فرمایا میں کیسے بے خوف ہو سکتا ہوں جب کہ دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جیسے چاہے اسے پھیرتا ہے ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے کہ اگر سیدھا رکھنا چاہے تو اسے سیدھا رکھتا ہے اور اگر ٹیڑھا کرنا چاہے تو اسے ٹیڑھا کر دیتا ہے (۲)

اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مثالیں بیان فرمائی ہیں آپ نے فرمایا دل کی مثال چڑیا کی طرح ہے جو ہر گھڑی بدلتی رہتی ہے (۳)

اور آپ نے فرمایا بدلنے میں دل کی مثال ہنڈیا کی طرح ہے جب اسے خوب جوش آتا ہے۔ (۴)

اور فرمایا دل کی مثال ایسے ہے جیسے جنگل میں پرندے کا پر ہو جسے ہوا الٹ پلٹ کرتی رہتی ہے۔ (۵)

تو یہ بدلنا اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی عجیب صفت سے وہی لوگ واقف ہو سکتے ہیں جو اپنے دلوں کے نگران ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان دلوں کے احوال کا خیال رکھتے ہیں۔

خیر و شر پر ثابت رہنے اور ان دونوں حالتوں کے درمیان بدلتے رہنے کے حوالے سے دل تین قسم کے ہیں۔

وہ دل جو تقویٰ سے بھرا ہوا ہو اور ریاضت کے ساتھ اس کا تزکیہ ہوا ہو نیز وہ برے اخلاق سے پاک ہو اس میں غیب خزانوں اور ملکوت کے راستوں سے اچھے خیالات آتے ہیں اور عقل ان خیالات میں غور و فکر کرتی رہتی ہے تاکہ اس بھلائی کی باریک باتوں کی پہچان حاصل کرے اور اس کے فوائد کے اسرار پر مطلع ہو اور اس کے لیے نور بصیرت سے اسی کی وجہ ظاہر ہوتی ہے تو وہ اسے عمل کی ترغیب دیتی ہے اور اس کی طرف بلاتی ہے فرشتہ دل کی طرف دیکھتا ہے تو اسے یوں پاتا ہے۔ کہ وہ اپنے جوہر میں طیب ہے اپنے تقویٰ کے ذریعے پاک ہے عقل کی روشنی سے روشن اور انوار معرفت سے معمور ہے تو وہ اسے اپنے ٹھکانے اور اترنے کے قابل مقام سمجھتا ہے اس وقت وہ ایسے لشکروں کے ساتھ اس کی مدد کرتا ہے جو دکھائی نہیں دیتے اور دوسری نیکیوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک بھلائی دوسری

---

(۱) جامع ترمذی ص ۳۱۲، ابواب القدر

(۲) المستدرک للحاکم جلد اوّل ص ۵۲۵ کتاب الدعاء

(۳) المستدرک جلد ۴ ص ۳۰۷ کتاب الرقاق

(۴) کنز العمال جلد اوّل ص ۲۴۲ حدیث ۱۲۱۲

(۵) کنز العمال جلد اوّل ص ۲۴۲ حدیث ۱۲۲۸

بھلائی کی طرف کھینچتی ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے نیکی کی ترغیب اور اس کے لیے کام آسان کرنے کے ذریعے اس کی مدد غیر متناہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی۔ (۱)

پس جس نے دیا اور پرہیز گاری ہوا اور بھلائی کی تصدیق کی تو ہم اسے آسانی مہیا کریں گے۔ (رزق میں فراخی دیں گے۔)

اس قسم کے دل میں اس چراغ کی روشنی چمکتی ہے جو ربانی قندیل میں ہوتا ہے حتیٰ کہ اس پہ شرک خفی پوشیدہ نہیں ہوتا ہوتا حالانکہ یہ شرک اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کے چلنے کی آواز سے بھی مخفی ہوتا ہے تو اس نور پہ کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے اور اس پر کوئی شیطانی مکر نہیں چلتا بلکہ شیطان کھڑا ہو کر من گھڑت باتیں اس کے دل میں ڈال کر دھوکہ دینا چاہتا ہے تو وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور یہ دل ہلاک کرنے والی باتوں سے پاک ہونے کے بعد نجات دینے والی باتوں سے معمور ہو جاتا ہے نجات دینے والے امور مثلاً شکر، صبر، خوف، امید فقر، زہد، محبت، رضا، شوق، توکل، تفکر، محاسبہ وغیرہ کا عنقریب ہم ذکر کریں گے یہی وہ دل ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور یہی مطمئن دل ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہی مراد ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (۲)

سنو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔

اے نفس مطمئنہ!

۲۔ دوسرا دل وہ ہے جو خواہشات سے بھرا ہوا اور بری عادات سے آلودہ ہوتا ہے اور اس میں وہ خباثتیں ہوتی ہیں جن میں شیطانوں کے دروازے کھلتے ہیں اور فرشتوں کے دروازے بند ہوتے ہیں اس میں شر کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ اس میں خواہشات نفسانی کا خطرہ (خیال) پیدا ہوتا ہے اور کھٹکتا ہے تو دل حاکم عقل کی طرف دیکھ کر اسی سے حکم پوچھنا چاہتا ہے تاکہ صحیح بات واضح ہو اور چونکہ عقل نفسانی خواہشات کی خدمت سے مانوس ہوتی ہے لہٰذا وہ اس کے لیے طرح طرح حیلے تلاش کرتی ہے اور خواہش پر اس کی مدد کرتی ہے تو وہ نفس کی مدد کرتی ہے اور سینہ خواہش کے ساتھ کھلتا ہے اور اس میں اس کا اندھیرا پھیلتا ہے کیونکہ عقل کے لشکر اس کا مقابلہ کرنے سے رک جاتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ اللیل آیت ۵

(۲) قرآن مجید، سورۃ رعد آیت ۲۸

(۳) قرآن مجید، سورۃ فجر آیت ۲۷

اور شیطان کی سلطنت مضبوط ہو جاتی ہے کیونکہ خواہش پھیلنے کی وجہ سے اس کی اتباع پائی جاتی ہے اور ظاہری زینت، دھوکہ اور خواہش کے ذریعے پائی جاتی ہے اور ظاہری زینت، دھوکہ اور خواہش کے ذریعے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس طرح وہ اسے دھوکہ دینے کے لیے من گھڑت باتیں اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ اور یوں ایمان کی حکومت کمزور پڑ جاتی ہے یعنی وعدہ اور وعید پر یقین نہیں رہتا اور خوفِ آخرت کا یقین ٹھنڈا پڑ جاتا ہے کیونکہ خواہش سے ایک سیاہ دھواں دل کی طرف اٹھتا ہے جو اس کے اطراف کو بھر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کے انوار مٹ جاتے ہیں اور اس وقت عقل اس آنکھ کی طرح ہوتی ہے جس کے پپوٹے دھوئیں سے بھر جائیں اور وہ دیکھنے پر قدرت نہیں رکھتا غلبۂ شہوت سے بھی دل کی یہی حالت ہوتی ہے حتیٰ کہ دل کے لیے سوچ و بچار اور بصیرت بالکل نہیں رہتی اور اگر کوئی واعظ اسے امرِ حق بتا اور سنا دے تو وہ سمجھنے سے اندھا اور سننے سے بہرہ ہوتا ہے اور شہوت میں ہیجان ہوتا ہے شیطان اس پر حملہ کرتا ہے اور اعضاء خواہش کے مطابق حرکت کرتے ہیں اور یوں گناہ عالمِ غیب سے ظاہر کی طرف آتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدرت سے ہوتا ہے۔ اسی قسم کے دل کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی میں اشارہ ہے۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا۔ (۱)

آپ بتائیں جس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنا لیا تو کیا آپ اس پر وکیل ہوں گے یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (۱)

بے شک ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہو گئی ہے پس وہ ایمان نہیں لاتے۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔

ان پر برابر ہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ، وہ ایمان نہیں لاتے۔

اور کئی دل ایسے ہیں کہ بعض خواہشات کی طرف نسبت کی صورت میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے کوئی شخص بعض چیزوں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۴۳، ۴۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱

سے پرہیز کرتا ہے لیکن جب وہ کسی حسین چہرے کو دیکھتا ہے تو اس کی آنکھ اور دل اس کے قابو میں نہیں رہتے۔ اس کی عقل چلی جاتی ہے اور دل کا ٹھہراؤ باقی نہیں رہتا یا وہ شخص جاہ و مرتبہ، حکومت اور تکبر کے سلسلے میں اپنے دل کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ اور جب ان باتوں کے اسباب ظاہر ہوتے ہیں تو ضبط نہیں کر سکتا یا اس شخص کی طرح ہے جس کے عیب بیان کئے جائیں یا اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ اپنے غصہ پر قابو نہیں پا سکتا یا وہ شخص جو درھم یا دینار لینے کی طاقت رکھتے وقت اپنے اوپر کنٹرول نہیں کر سکتا بلکہ وہ اس پر ایک دیوانے کی طرح گرتا ہے۔ اور تقویٰ و مروت کو بھی بھول جاتا ہے یہ سب باتیں اس لیے ہوتی ہیں کہ خواہش کا دھواں دل کی طرف چڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ تاریک ہو جاتا ہے اور اس سے معرفت کے انوار مٹ جاتے ہیں۔ اور یوں حیا، مروت اور ایمان مٹ جاتا ہے اور وہ شیطانی مراد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۳۔ تیسرا دل وہ ہے جس میں خواہش خیالات ظاہر ہوتے ہیں اور وہ اسے برائی کی طرف بلاتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ ایمان کا خاطر (اثر) مل کر اسے نیکی کی دعوت دیتا ہے نفس اپنی شہوت کے ساتھ خاطر شر کی مدد کے لیے اٹھتا ہے اور شہوت مضبوط ہو جاتی ہے اور نفع اندوزی اور لذت اچھی معلوم ہوتی ہے اب عقل خاطر خیر کو ابھارتی ہے شہوت کی برائی بیان کرتی ہے اور اس عمل کو جہالت قرار دیتی ہے اور برائی کی طرف جانے کی وجہ سے اسے جانوروں یا درندوں کی طرح قرار دیتی ہے کیونکہ وہ انجام سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔

تو نفس عقل کی نصیحت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اب شیطان عقل پر حملہ کرتا ہے اور خواہش کا داعی مضبوط ہو جاتا ہے اور کہتا ہے یہ کیا خشک زہد ہے، تم اپنی خواہش کو پورا کیوں نہیں کرتے اس طرح تم اپنے آپ کو اذیت پہنچا رہے ہو کیا تم نے اپنے ہم زمانہ لوگوں میں سے کسی کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی خواہش کی مخالفت کرتا ہو یا اس نے اپنی غرض کو چھوڑا ہو کیا تو دنیا کی لذتیں ان لوگوں کے لئے چھوڑ رہا ہے کہ وہ ان سے نفع حاصل کریں اور خود اپنے اوپر پابندی لگا کر اپنے آپ کو محروم کرتا ہے یہ تو بدبختی اور محض مشقت ہے لوگ تجھ پر ہنسیں گے کیا تو فلاں فلاں سے اپنا منصب بڑھانا چاہتا ہے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا جو تو چاہا لیکن وہ اپنی خواہش کی تکمیل سے نہیں رکے کیا تو فلاں عالم کو نہیں دیکھتا کہ وہ اس قسم کی خواہش کو پورا کرنے سے نہیں رکتا اگر یہ کام برا ہوتا تو وہ اس سے رک جاتا تو یوں نفس شیطان کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کی طرف پھر جاتا ہے اب فرشتہ شیطان پر حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہی شخص ہلاک ہوا جس نے لذتِ حال کی پیروی کی اور آخرت کو بھول گیا کیا تم تھوڑی سی لذت پر قناعت کرتے ہو اور جنت کی لذت اور ہمیشہ کی نعمتوں کو چھوڑتے ہو کیا اپنی خواہش کو چھوڑنے پر صبر کی تکلیف کو بہت بھاری سمجھتے ہو اور جہنم کی تکلیف کو بھاری نہیں جانتے کیوں کہ لوگوں کی اپنے نفسوں سے غفلت نہیں دھوکہ دیتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کی اتباع کرتے ہیں اور یوں وہ شیطان کے مددگار بنتے ہیں اس کے باوجود دوسرے دل کا گناہ تمہارے عذاب کو ہلکا نہیں کرے گا کیا تم نہیں دیکھتے اگر

تم گرمیوں میں کسی سخت گرم دن میں موجود ہو تمام لوگ دھوپ میں ہوں اور تمہارے لیے ٹھنڈا گھر ہو تو کیا تم لوگوں کا ساتھ دو گے یا اپنے لیے گرمی سے چھٹکارا چاہو گے تو تم کس طرح سورج کی گرمی سے ڈرتے ہوئے لوگوں کی مخالفت کرتے ہو لیکن جہنم کی گرمی سے ڈرتے ہوئے ان کی مخالفت نہیں کرتے اس وقت نفس فرشتے کی بات سننے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس طرح دو لشکروں کے درمیان کھینچا تانی رہتی ہے اور اسے دو جماعتوں کے درمیان اِدھر اُدھر کھینچا جاتا ہے حتیٰ کہ دل پر وہی غالب آتا ہے دل جس کے لائق ہوتا ہے۔

اگر دل پر شیطانی صفات جن کا ہم نے ذکر کیا ہے غالب ہوں تو شیطان غالب آجاتا ہے اور دل شیطانی لشکروں میں سے اپنی جنس کی طرف مائل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی جماعت اور اس کے اولیاء سے منہ موڑ کر شیطانی جماعت اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی مدد کرتا ہے اور حسبِ تقدیر اس کے اعضا پر وہ اعمال جاری ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دُوری کا باعث ہوتے ہیں اور اگر دل پر ملکی صفات غالب ہوں تو دل شیطان کے اغوا کرنے کی طرف کان نہیں دھرتا اور نہ اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ وہ نوری نفع حاصل کرے اور امر آخرت سے سستی اختیار کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی جماعت کی طرف مائل ہوتا ہے اور تقدیر سابق کے مطابق اس کے اعضاء پر اطاعتِ خداوندی کا ظہور ہوتا ہے۔ تو مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ کی قدرت مراد ہے اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے) یعنی ان دو فریقوں کے درمیان کھینچا تانی رہتی ہے اور یہی بات غالب ہوتی ہے یعنی ایک فریق سے دوسرے کی طرف جانا ہوتا ہے کسی ایک گروہ مثلاً فرشتوں کی جماعت کے ساتھ رہنا یا شیطان کے ساتھ رہنا نادر ہے اور یہ اطاعت اور نافرمانی خزانۂ قلب کے واسطے سے غیب کے خزانوں سے عالمِ شہادت کی طرف ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ ملکوت کے خزانوں سے ہے اور جب یہ ظاہر ہوتی ہے تو اس کی کچھ علامات ہوتی ہیں جنہیں صرف اہل دل پہچانتے ہیں۔ اور اس سے پہلے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

جسے جنت کے لیے پیدا کیا گیا اس کے لیے عبادت کے اسباب آسان کر دیئے جاتے ہیں اور جسے جہنم کے لیے پیدا کیا گیا اس کے لیے گناہ کے اسباب آسان کر دیئے جاتے ہیں اور اس کے دل میں شیطان کا حکم مسلط کیا جاتا ہے کیونکہ وہ طرح طرح کی باتوں سے بیوقوف لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت والا ہے لہٰذا تمہیں کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے تمام لوگ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے لہٰذا تم ان کی مخالفت نہ کرو زندگی بہت طویل لہٰذا انتظار کرو کل توبہ کر لینا وہ ان سے وعدہ کرتا اور آرزوئیں دلاتا ہے۔ اور شیطان ان کو صرف دھوکہ دیتا ہے وہ ان کو توبہ کا وعدہ دیتا اور مغفرت کی تمنا دلاتا ہے اور ان حیلوں سے اذنِ خداوندی سے ان کو ہلاک کر دیتا ہے اس کے دل کو دھوکے کی قبولیت کے لیے کشادہ اور قبولِ حق سے تنگ کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر سے ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ۔ (۱)

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کے سینے کو تنگ رُکا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ زبردستی آسمان پر چڑھتا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (۲)

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں رسوا کرے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا۔

ہدایت و گمراہی کا مالک وہی ہے وہ جو چاہے کرتا ہے اور جو ارادہ فرمائے حکم دیتا ہے اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کے فیصلے کو مؤخر کر سکتا ہے اس نے جنت اور اہل جنت کو پیدا کیا اور ان کو عبادت پر لگایا نیز جہنم اور اہل جہنم کو پیدا کیا اور ان کو گناہوں پر لگا دیا۔ اس نے لوگوں کو جنتیوں اور جہنمیوں دونوں کی علامات بتادیں۔ فرمایا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ (۳)

بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بے شک بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یوں بیان فرمایا کہ — یہ لوگ جنت میں ہوں گے اور مجھے اس کی پرواہ نہیں اور یہ لوگ جہنم میں ہوں گے اور مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو سچا مالک ہے جو کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا۔

عجائبِ قلب کے سلسلے میں اسی مختصر گفتگو پر اکتفا کرتے ہیں مکمل طور پر اس کا احاطہ علم معاملہ کے لائق نہیں ہے ہم نے ضروری باتیں ذکر کر دی ہیں تاکہ علوم معاملہ کے انوار اور اس کے اسرار کی معرفت حاصل ہو اور جو شخص ظاہری امور پر قناعت نہیں کرتا وہ اس سے نفع حاصل کرے اور اصل کو چھوڑ کر صرف چھلکے پر اکتفا نہ کرے بلکہ حقائق اسباب کی باریکیوں کی پہچان کا شوق پیدا ہو اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس میں اس کے لیے کفایت ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے حمد اور احسان ہے عجائبِ قلب کا بیان مکمل ہوا اس کے بعد ریاضتِ نفس اور تہذیبِ اخلاق کا بیان ہوگا اللہ وحدہ لاشریک کے لیے حمد ہے اللہ اس کے ہر پسندیدہ بندے پر رحمت ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ انعام آیت نمبر ۱۲۵ (۲) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۶۰ (۳) قرآن مجید، سورۃ الانفطار آیت ۱۴

ریاضتِ نفس، تہذیبِ اخلاق اور امراضِ قلب کا علاج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ہر قسم کی حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنی تدبیر سے امور کو اِدھر اُدھر پھیرا، مخلوق کی ترکیب میں اعتدال قائم کرتے ہوئے اس کی تصویر میں حُسن رکھا، انسانی صورت کو اچھے سانچے کے ذریعے مزین کیا اسے شکل و صورت اور مقدار میں کمی زیادتی سے محفوظ رکھا اخلاق کو اچھا بنانے کا کام بندے کی کوشش اور عمل میں تیزی کے حوالے کیا۔ اسے ڈراتے ہوئے تہذیب اخلاق کی ترغیب دی اور اپنی توفیق کے ذریعے خاص بندوں پر تہذیب اخلاق کا عمل آسان کر دیا اور مشکل کام کو ان پر آسان کرتے ہوئے احسان فرمایا۔

درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ تعالیٰ کے بندے نبی، محبوب، منتخب اور بشیر و نذیر ہیں اور نبوت کے انوار آپ کی مقدس پیشانی درمیان چمکتے ہیں اور حقیقتِ حق آپ کی بشارتوں سے جھلکتی ہے —— اور آپ کے آل واصحاب پر (درود و سلام ہو) جنہوں نے اسلام کے چہرے کو کفر کی تاریکی سے پاک کر دیا اور باطل کے مادے کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا —— اور اس کی میل سے تھوڑی ہو یا زیادہ، اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد - اچھا خلق رسولوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور صدیقین کا افضل عمل ہے در حقیقت یہ دین کا نصف ہے، متقی لوگوں کی کوشش کا نتیجہ اور عبادت گزار لوگوں کی ریاضت ہے جب کہ بری عادات زہر قاتل اور مہلک ہے یہی عادات یہ وہ خباثتیں ہیں جو رب العالمین کے قرب سے دُور کرتی ہیں اور بد اخلاق آدمی کو شیطانوں کے گروہ میں داخل کرتی ہیں یہی دروازے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی آگ کی طرف کھلتے ہیں جو دلوں پر چڑھتی ہے۔

جیسے اچھے اخلاق وہ دروازے ہیں جو دل سے جنت کی نعمتوں اور بارگاہ خداوندی کی طرف کھلتے ہیں جب کہ برے اخلاق دلوں کی بیماریاں ہیں جن سے ابدی زندگی ختم ہو جاتی ہے اس مرض کا ان سے کیا مقابلہ جو صرف حیاتِ جسمانی کو زائل کرتی ہے جب اطباء اس بات کی سخت ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ بدن کے علاج کے لیے قوانین مقرر کیے جائیں حالانکہ بدن کی بیماری سے صرف فانی زندگی ہی فوت ہوتی ہے تو دلوں کی بیماریوں کے لیے قوانینِ علاج کے سلسلے میں کوشش کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ دل بیمار ہو جائیں تو دائمی اور باقی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور اس طب کا سیکھنا ہر عقل مند آدمی پر لازم ہے کیونکہ کوئی بھی دل بیماریوں سے خالی نہیں ہوتا اگر دلوں کو یوں ہی بلا علاج چھوڑ دیا جائے تو کئی بیماریاں پیدا ہوں گی اور وہ غالب آجائیں گی لہٰذا ہر بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان بیماریوں کے اسباب کو پہچانے

اور پھر ان کے علاج کی کوشش کرے اسی علاج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ (۱) جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اس نے یقیناً فلاح پائی۔

اور اسے چھوڑ دینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (۲) جس نے اپنے نفس کو خاک میں دبایا وہ نامراد ہوا۔

ہم اس کتاب میں دل کی بیماریوں اور مجموعی طور پر ان کے علاج کے بارے میں بتائیں گے خاص بیماریوں کے علاج کی تفصیل یہاں نہیں جائیں گے تفصیل بیان اس کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گا ہمارا مقصود تہذیب اخلاق اور اس کے طریقے کو بیان کرنا ہے اور ہم اسے ذکر کرتے ہیں اور بدن کے علاج کو اس کی مثال قرار دیتے ہیں تاکہ سمجھنا آسان ہو اور یہ بات حسن خلق کی فضیلت بیان کرنے سے واضح ہوگی پھر حُسن خلق کی حقیقت بیان ہوگی اس کے بعد ان اخلاق کی قبولیت جو ریاضت سے بدل جاتے ہیں پھر اس سبب کا بیان ہوگا جس کے ذریعے حُسن خلق حاصل ہوتا ہے پھر ان طریقوں کو بیان کیا جائے گا جن کے ذریعے تہذیب الاخلاق کے راستوں کی پہچان ہوتی ہے اور ریاضتِ نفس کا پتہ چلتا ہے۔

پھر وہ علامات بیان ہوں گی جن کے ذریعے دل کی بیماری کی پہچان ہوتی ہے اس کے بعد ان طریقوں کا بیان ہوگا جن کے ذریعے انسان اپنے نفس کے عیبوں کو پہچان لیتا ہے پھر اس بات پر نقلی دلائل پیش کئے جائیں گے کہ دلوں کا علاج صرف خواہشات کو چھوڑنے میں ہے بعد ازاں اچھے خُلق کی علامات کا بیان ہوگا اس کے بعد بچوں کی ابتدائی پرورش کے دوران ان کی ریاضت کا طریقہ بیان کیا جائے گا پھر ارادے کی شرائط اور مجاہدے کے مقدمات بیان ہوں گے تو یہ کل گیارہ فصول ہیں جن میں اس موضوع سے متعلق مقاصد جمع ہوں گے۔

حُسنِ اخلاق کی فضیلت اور بداخلاقی کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے اور آپ پر اپنی نعمت کو ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (۲) بے شک آپ بہت بڑے خُلق کے مالک ہیں۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن پاک تھا (۳)

---

(۱) ، (۲) قرآن مجید، سورۃ والشمس آیت ۹ (۲) قرآن مجید، سورہ قلم آیت ۴

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹۱ مرویات عائشہ

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔ (۱)

آپ معاف کرتے رہا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں۔

پھر آپ نے فرمایا۔

هُوَ اَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ۔ (۲)

وہ یہ ہے کہ جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کرو اور اسے دو جو تمہیں محروم رکھے اور جو ظلم کرے اسے معاف کر دو۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (۳)

بے شک مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اَثْقَلُ مَا يُوْضَعُ فِي الْمِيْزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ۔ (۴)

سب سے بھاری چیز جو قیامت کے دن ترازو میں رکھی جائے گی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا (تقویٰ) اور اچھے اخلاق ہیں۔

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی طرف سے آپ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ " اچھے اخلاق" پھر وہ آپ کی داہنی جانب سے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا " اچھے اخلاق" پھر وہ آپ کی بائیں طرف سے آیا اور عرض کیا دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا" اچھے اخلاق" پھر وہ پیچھے کی طرف سے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ دین کیا ہے آپ نے فرمایا " اچھے اخلاق" پھر آپ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا " کیا تو اسے نہیں سمجھا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو غصہ نہ کھائے"(۵)

---

(۱) قرآن مجید سورہ اعراف آیت ۱۹۹

(۲) الدر المنثور جلد ۳ ص ۱۵۳ تحت آیت خذ العفو۔

(۳) موطا امام مالک ص ۷۰۵، ماجاء فی حسن الخلق

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۵ کتاب الادب

(۵) الدر المنثور جلد ۲ ص ۷۵، تحت آیت الذین ینفقون فی السراء

عرض کیا گیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم نحوست کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "بداخلاقی" (۱)

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمایئے آپ نے فرمایا "تم جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرو" اس نے عرض کیا مزید کچھ بتایئے فرمایا "برائی کے بعد نیکی کرو وہ اسے مٹا دے گی" اس نے عرض کیا کچھ اور بھی بتایئے آپ نے فرمایا "لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ" (۲)

اور آپ سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا اچھا اخلاق (۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا حَسَّنَ اللّٰہُ خَلْقَ عَبْدٍ وَخُلُقَہٗ فَیُطْعِمَہُ النَّارَ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ جس شخص کی صورت و سیرت کو اچھا بناتا ہے اسے آگ کا لقمہ نہیں بنایا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

اَوَّلَ مَا یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءُ۔ (۵)

میزان میں سب سے پہلے اچھے اخلاق اور سخاوت کو رکھا جائے گا۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کو پیدا فرمایا تو اس نے عرض کیا یا اللہ! مجھے مضبوط کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اچھے اخلاق اور سخاوت کے ساتھ مضبوط کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے کفر کو پیدا کیا تو اس نے کہا یا اللہ! مجھے مضبوط کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخل اور بداخلاقی کے ساتھ مضبوط کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اپنے لیے خاص کیا اور تمہارے دین کے لیے سخاوت اور حسن اخلاق کے علاوہ کوئی چیز صلاحیت نہیں رکھتی سنو! اپنے دین کو ان دونوں کے ساتھ زینت دو۔ (۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حُسْنُ الْخُلُقِ خَلْقُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ۔ (۷)

اچھے اخلاق اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مخلوق ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۵ کتاب الادب

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۵۳ مرویات ابوذر

(۳) کنز العمال جلد ۳ ص ۶۲۹

(۴) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱ کتاب الادب

(۵) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۵ کتاب الادب

(۶) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۸ ص ۱۵۹ الحدیث ۳۴۷

(۷) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۰ کتاب الادب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کونسا مومن ایمان کے اعتبار سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا خُلق سب سے اچھا ہے۔ (۱)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّكُمْ لَنْ تَسَعُوا النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ فَسَعُوهُمْ بِبَسْطِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْخُلُقِ۔ (۲)

تم مالوں کے ذریعے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، نہیں کر سکتے لہذا کشادہ روئی اور اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سُوْءُ الْخُلُقِ يُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ۔ (۳)

بداخلاقی عمل کو اس طرح خراب کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے جریر!) اللہ تعالٰے نے تمہاری صورت کو اچھا بنایا تو اپنے اخلاق کو بھی اچھا رکھو (۴)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے اچھے اخلاق والے تھے۔ (۵)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا مانگتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ۔ (۶)

یا اللہ! تو نے میری صورت کو اچھا بنایا پس میرے خُلق کو بھی اچھا کر دے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بکثرت مانگتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعَافِيَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ۔ (۷)

یا اللہ! میں تجھ سے صحت، عافیت اور اچھے اخلاق کا سوال کرتا ہوں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۰۲ مرویات ابو ہریرہ۔

(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۲ کتاب الادب

(۳) الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۴ ص ۲۹۱ ترجمہ ۱۸۸۵

(۴) کنز العمال جلد ۳ ص ۸ حدیث ۵۱۵۷

(۵) شرح السنۃ جلد ۱۳ ص ۲۴۳ حدیث ۳۶۶۳

(۶) مشکوٰۃ المصابیح باب الرفق والحیاء فصل ثالث ص ۴۳۲

(۷) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۷۳ کتاب الادعیۃ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

كَرَمُ الْمُؤْمِنِ دِيْنُهُ وَحَسَبُهُ حُسْنُ خُلُقِهِ وَمُرُوْءَتُهُ عَقْلُهُ (۱)

مومن کا کرم اس کا دین ہے اس کا حسب و نسب اس کا اخلاق اور اس کی مروت اس کی عقل ہے۔

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ دیہاتی لوگ حاضر ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے کہ بندے کو جو کچھ دیا گیا اس میں سے بہتر چیز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اچھے اخلاق۔(۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا۔ (۳)

بے شک میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے زیادہ قریب مجلس والے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس آدمی میں تین باتیں یا ان میں سے ایک نہ ہو اس کے عمل کو کچھ بھی شمار نہ کرو۔ تقویٰ جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکے، بردباری جس کے ذریعے وہ بیوقوف کو دور کرے اور اچھے اخلاق جن کے ذریعے لوگوں میں زندگی گزارے (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ۔ (۵)

یا اللہ! مجھے اخلاق کا راستہ دکھا اچھے اخلاق کا راستہ صرف تو ہی دکھاتا ہے اور مجھ سے بداخلاقی کو پھیر دے مجھ سے برے اخلاق کو بھی تو ہی پھیرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس دوران کہ ایک دن ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے جب آپ نے فرمایا۔

اِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ لَيُذِيْبُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا

بے شک اچھے اخلاق گناہ کو اس طرح پگھلا دیتے ہیں

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۱۲۳ کتاب العلم

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۷۸ مرویات اسامہ بن شریک

(۳) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱ کتاب الادب

(۴) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۷۸۳ حدیث ۴۳۲۵

(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۳۰۰ حدیث ۷۹۸۲

تُذِیْبُ الشَّمْسُ الْجَلِیْدَ - (۱) جیسے سورج جمے ہوئے پانی کو پگھلا دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مِنْ سَعَادَۃِ الْمَرْءِ حُسْنُ الْخُلُقِ - (۲) اچھے اخلاق انسان کی نیک بختی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْیُمْنُ حُسْنُ الْخُلُقِ - (۳) برکت اچھے اخلاق میں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اے ابوذر! تدبیر جیسی عقل نہیں اور اچھے اخلاق جیسا کوئی نسب نہیں۔ (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ام المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا دنیا میں ایک عورت کے دو خاوند ہوں (یکے بعد دیگرے مراد ہے) وہ عورت فوت ہو جائے اور وہ بھی فوت ہو جائیں اور وہ سب جنت میں چلے جائیں تو وہ عورت کس کے لیے ہوگی؟ آپ نے فرمایا۔

دنیا میں جو اس کے ساتھ زیادہ حُسن اخلاق سے پیش آتا رہا اے ام حبیبہ! حُسن اخلاق دنیا اور آخرت کی بھلائی کو حاصل کر لیتا ہے (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بے شک جس مومن کو توفیق دی گئی وہ حُسن اخلاق اور اچھی طبیعت کی وجہ سے اس آدمی کا درجہ پا لیتا ہے جو روزہ رکھتا اور رات کے وقت عبادت کے لیے) قیام کرتا ہے (۶) اور ایک روایت میں ہے دوپہر کے وقت پیاس برداشت کرنے والے کا درجہ پاتا ہے (۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ نے فرمایا۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۴۷ حدیث ۸۰۳۶

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۲۱ حدیث ۵۲۴۳

(۳) الدر المنثور جلد ۲ ص ۶، تحت آیت الذین ینفقون۔

(۴) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۴۰۵ کتاب الادب

(۵) الدر المنثور جلد ۲ ص ۶، تحت آیت الذین ینفقون

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۲۰ مرویات ابن عمرو

(۷) کنز العمال جلد ۳ ص ۶ حدیث ۵۱۴۵

میں نے گذشتہ رات ایک عجیب بات دیکھی میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے گھٹنوں پر جھکا ہوا ہے اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب ہے اب اچھا اخلاق آیا اور اس نے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں داخل کر دیا۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
بندہ اپنے اچھے اخلاق سے آخرت کے عظیم درجات اور شرفِ منازل حاصل کر لیتا ہے حالانکہ وہ عبادت میں کمزور رہتا ہے (۲)

ایک روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اجازت مانگی اور آپ کے پاس قریش کی کچھ عورتیں تھیں جو آپ سے زور زور سے باتیں کر رہی تھیں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی تو وہ جلدی جلدی پردے کے پیچھے چلی گئیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟

آپ نے فرمایا مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا وہ میرے پاس تھیں جب آپ کی آواز سنی تو پردے کے پیچھے چلی گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ آپ سے ڈریں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان خواتین کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے اپنی جان کی دشمنو! کیا تم میری ہیبت کا خیال رکھتی ہو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں انہوں نے کہا جی ہاں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔
آپ جس راستے پر چلتے ہیں شیطان اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلا جاتا ہے۔ (۳)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سُوْءُ الْخُلُقِ ذَنْبٌ لَا يُغْفَرُ وَسُوْءُ الظَّنِّ خَطِيْئَةٌ تَفُوْحُ۔ (۴)	بد اخلاقی ایسا گناہ ہے جس کی بخشش نہیں ہو گی اور بدگمانی ایسی خطا ہے کہ اس سے اور گناہ پیدا ہوتے ہیں۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۱۷۹ کتاب التعبیر
(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۶۰ حدیث ۷۵۴
(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۰ کتاب المناقب
(۴) المعجم الصغیر للطبرانی جلد اول ص ۲۰۰ من اسمہ علی

اور آپ نے فرمایا :-

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَبْلُغُ مِنْ سُوْءِ خُلُقِهٖ أَسْفَلَ دَرْكَ جَهَنَّمَ - (۱)

بے شک بندہ اپنے برے اخلاق کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں پہنچ جاتا ہے۔

اقوال صحابہ وتابعین :

لقمان حکیم کے بیٹے نے ان سے کہا اے باپ ! انسان کی کونسی عادات بہتر ہیں ؟ انہوں نے فرمایا دین ، اس نے پوچھا اگر دو ہوں تو ؟ فرمایا دین اور مال ، اس نے کہا اگر تین ہوں تو ؟ فرمایا دین ، مال اور حیاء ، اس نے پوچھا اگر چار ہوں تو ؟ فرمایا دین ، مال ، حیا اور حسن اخلاق ، اس نے سوال کیا اگر پانچ ہوں ؟ فرمایا دین ، مال ، حیاء ، حسن اخلاق اور سخاوت ، پوچھا اگر چھ ہوں ؟ فرمایا اے بیٹے ! جب اس میں یہ پانچ باتیں جمع ہوں تو وہ متقی پرہیز گار ہے ، اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اور شیطان سے دور ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس آدمی کا اخلاق برا ہو وہ اپنے آپ کو عذاب دیتا ہے ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچتا ہے حالانکہ وہ عبادت گزار نہیں ہوتا اور اپنے برے اخلاق کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے درجے میں پہنچ جاتا ہے اس کے باوجود کہ وہ عبادت گزار ہوتا ہے ۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حسن خلق رزق کے خزانے ہیں ۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بداخلاق آدمی کی مثال ٹوٹے ہوئے گھڑے جیسی ہے نہ اس کو پیوند لگایا جا سکتا ہے ۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی فاجر خوش اخلاق آدمی میرا ہمسفر ہو تو مجھے یہ بات اس سے زیادہ پسند ہے کہ کوئی عابد بداخلاق میرے ساتھ سفر کرے ۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے ساتھ سفر میں ایک بداخلاق آدمی شریک ہو گیا آپ اس کی خاطر مدارات کرتے اور ناز برداری فرماتے جب وہ جدا ہوا تو آپ رونے لگے رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا میں اس پر بطور شفقت روتا ہوں کہ میں تو اس سے الگ ہو گیا لیکن اس کی بداخلاقی اس سے الگ نہ ہوئی ۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چار باتیں انسان کو اعلیٰ درجات تک لے جاتی ہیں اگرچہ اس کا علم اور عمل تھوڑا ہو۔ بردباری ، تواضع ، سخاوت اور حسن اخلاق ، اور یہ (حسن اخلاق) ایمان کا کمال ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۵ کتاب الادب

حضرت کنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تصوف اچھے خُلق کا نام ہے تو جو آدمی تمہارے خلق کو زیادہ کر دے گویا وہ تمہارے تصوف کو بڑھاتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں کے ساتھ حُسن اخلاق کے ذریعے میل جول رکھو اور اعمال کے ذریعے ان سے الگ رہو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بداخلاقی ایک ایسی برائی ہے کہ اس کے ساتھ نیکیوں کی کثرت بھی فائدہ نہیں دیتی۔ اور خوش اخلاقی ایسی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ بہت سی برائیاں بھی ہوں تو نقصان نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کرم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یوں بیان فرمایا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ بے شک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ (۱)

پوچھا گیا نسب کیا ہے؟ فرمایا جس کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں اس کا حسب نسب سب سے زیادہ عمدہ اور اچھا ہے آپ نے فرمایا ہر عمارت کی بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد حُسن خلق ہے۔

حضرت عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے بھی بلندی حاصل کی حُسن اخلاق کی وجہ سے حاصل کی اور اس کا کمال حضور علیہ السلام کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق میں سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو خوش خلقی میں آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔

خوش خلقی اور بد خلقی کی حقیقت

جان لو! علماء کرام نے اچھے اخلاق اور بُرے اخلاق کی حقیقت میں گفتگو کی ہے نیز یہ کہ اس کی ماہیت کیا ہے لیکن اس کی حقیقت کو نہیں چھیڑا صرف اس کے نتائج کا ذکر کیا پھر اس کے تمام ثمرات و نتائج کا ذکر بھی نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اسی بات کو لکھا جو اسے سمجھ آئی انہوں نے اس کی تعریف اور حقیقت جو اس کے تمام ثمرات کو گھیرنے والی ہو، کو تفصیل کے ساتھ ذکر نہیں کیا اور یہ حضرت حسن رحمہ اللہ کے قول کی طرح ہے انہوں نے فرمایا حسن اخلاق خندہ پیشانی، دولت خرچ کرنے اور ایذا رسانی سے باز رہنے کا نام ہے۔

حضرت واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حُسن خلق یہ ہے کہ آدمی نہ خود کسی سے لڑے اور نہ کسی دوسرے کو لڑنے کا موقعہ دے اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوب پہچان رکھتا ہے حضرت شاہ کرمانی فرماتے ہیں حسن اخلاق، کسی کو اذیت نہ پہنچانا اور

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحجرات آیت ۱۳

مشقت برداشت کرنا ہے۔

ان میں سے ایک بزرگ کا قول ہے کہ وہ لوگوں کے قریب رہے لیکن ان کے درمیان اجنبی کی طرح ہو۔

حضرت واسطی نے یہ بھی فرمایا کہ خوشی اور سختی دونوں حالتوں میں مخلوق کو راضی رکھنا حسن خلق ہے حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنا ہے۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حسن خُلق کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کم از کم یہ کہ دوسروں کی بات برداشت کی جائے بدلہ نہ لیا جائے ظالم پر رحم کیا جائے، اس کے لیے بخشش مانگی جائے اور شفقت کی جائے۔

دوسری بار فرمایا کہ رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر بدگمانی نہ کرے اور اس پر یقین رکھے اور جس کا وہ ضامن ہوا ہے اس میں اس کے وعدے کو پورا کرے اور اس کی اطاعت کرے نافرمانی نہ کرے یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں میں یہ راستہ اختیار کرے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حُسن خلق تین باتوں میں ہوتا ہے حرام کاموں سے بچنا، حلال طلب کرنا اور اہل وعیال پر زیادہ خرچ کرنا۔

حضرت حسین منصور فرماتے ہیں خوش خلقی یہ ہے کہ جب تمہیں حق معلوم ہو جائے تو اب لوگوں پر زیادتی کا عمل تجھ پہ اثر انداز نہ ہو۔ حضرت ابوسعید خراز فرماتے ہیں۔ خوش خلقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ارادہ نہ ہو۔ اس قسم کے بہت سے اقوال ہیں لیکن یہ سب خوش اخلاقی کے ثمرات اور نتائج ہیں۔ بلکہ تمام نتائج وثمرات کا احاطہ بھی نہیں کیا گیا اور مختلف اقوال کو نقل کرنے کی بجائے حقیقت سے پردہ اٹھانا زیادہ بہتر ہے پس ہم کہتے ہیں کہ خلق اور خُلق دو لفظ ہیں جو اکٹھے استعمال ہوتے ہیں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خلق اور خُلق کے اعتبار سے حسین ہے (حُسن صورت اور حُسن سیرت) یعنی اس میں حُسنِ ظاہر بھی ہے اور حُسنِ باطن بھی، تو خلق سے مراد ظاہری صورت ہے جب کہ خُلق سے مراد باطنی صورت ہے اس لیے کہ انسان جسم اور رُوح سے مرکب ہے جسم کو ظاہری آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور روح کا ادراک بصیرت کے ذریعے ہوتا ہے یہی رُوح ہے اور اسے نفس بھی کہتے ہیں۔

ان دونوں (جسم اور رُوح) کی ہیئت اور صُورت بھی ہوتی ہے اور وہ اچھی بھی ہوتی ہے اور بُری بھی۔ تو نفس جس کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے، اس کا مقام اس جسم سے بڑا ہے جس کا ادراک آنکھ سے ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کر کے اس کی عظمت کو ظاہر فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ۔ (۱)

میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں جب میں اسے ٹھیک (برابر) کرلوں اور تو اس میں اپنی طرف سے روح پھونک لوں تو تم اس کے لیے سجدے میں جھک جانا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ص آیت ۷۱، ۷۲۔

تو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ جسم مٹی (گارے) کی طرف منسوب ہے اور رُوح تمام جہانوں کے پالنے والے کی طرف، یہاں رُوح اور نفس سے ایک ہی چیز مراد ہے۔ تو خُلق نفس میں پائی جانے والی وہ ہیبت راسخہ ہے جس کی وجہ سے اعمال سہولت اور آسانی سے ادا ہوتے ہیں غور و فکر کی ضرورت نہیں رہتی اگر وہ ہیبت ایسی ہو کہ اس سے وہ افعال صادر ہوں جو عقلی اور شرعی طور پر پسندیدہ ہیں تو اسے خُلق حسن کہا جاتا ہے اور اگر اس سے افعال قبیحہ صادر ہوں تو اس کو خُلق بد کہا جاتا ہے ہم نے اسے ہیبت راسخہ اس لیے کہا ہے کہ جو آدمی کبھی کبھار کسی عارضی حاجت پر مال خرچ کرے تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ سخاوت اس کی عادت ہے جب تک یہ بات اس کے نفس میں راسخ و ثابت نہ ہو ہم نے یہ شرط رکھی ہے کہ اس سے اعمال سہولت کے ساتھ کسی غور و فکر کے بغیر صادر ہوں کیونکہ جو شخص تکلیف کر کے مال خرچ کرے یا بتکلف غصے کو قابو کرے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ سخاوت اور بردباری اس کی عادت ہے ۔۔۔

تو یہاں چار باتیں ہیں ۔

۱۔ اچھے اور بُرے عمل کا ارتکاب (۲) ان پر قدرت (۳) ان دونوں کی پہچان (۴) نفس میں ایسی ہیبت کا پایا جانا جس کے ذریعے وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو اور ان دونوں میں سے کوئی عمل اس کے لیے آسان ہو جائے چاہے وہ اچھا عمل ہو یا بُرا۔

خُلق کسی فعل کا نام نہیں ہے کئی لوگ سخی ہوتے ہیں لیکن وہ خرچ نہیں کرتے اس لیے کہ یا تو ان کے پاس مال نہیں ہوتا یا کوئی دوسری رکاوٹ ہوتی ہے اور بعض اوقات ایک شخص بخیل ہوتا ہے لیکن وہ خرچ کر رہا ہوتا ہے یا تو کسی ضرورت کے تحت خرچ کرتا ہے یا دکھانے کے لیے ۔۔۔

خُلق محض قوت (ملکہ) کا نام بھی نہیں ہے کیوں کہ قوت کی نسبت بخل اور سخاوت دونوں کی طرف ہوتی ہے بلکہ دونوں ضدوں (باہم مخالف) کی طرف یکساں ہوتی ہے اور ہر انسان کو فطرتاً سخاوت اور بخل دونوں پر قادر پیدا کیا گیا ہے اور اس سے بخل کا خُلق یا سخاوت کا خُلق لازم نہیں آتا۔

خُلق معرفت کا نام بھی نہیں کیوں کہ معرفت اچھے اور بُرے دونوں سے برابر برابر تعلق رکھتی ہے بلکہ اس میں چوتھا معنیٰ پایا جاتا ہے یعنی یہ وہ ہیبت و حالت ہے جس سے نفس بخل یا سخاوت پر تیار ہوتا ہے تو گویا خُلق نفس کی ہیبت اور اس کی باطنی صورت کا نام ہے اور جس طرح ظاہری صورت کا حُسن محض ایک عضو سے پورا نہیں ہوتا مثلاً آنکھوں کا حُسن ہو لیکن ناک، منہ، رُخسار وغیرہ حسین نہ ہوں تو حسین نہ ہو گا بلکہ ان سب کا حسین ہونا ضروری ہے تا کہ ظاہری حُسن مکمل ہو اسی طرح باطن میں چار ارکان ہیں اور ان سب میں حُسن کا پایا جانا ضروری ہے حتیٰ کہ حُسن خلق مکمل ہو جب چاروں ارکان برابر ہوں اور ان میں اعتدال اور مناسبت ہو تو حُسن خُلق حاصل ہو گا اور وہ چار ارکان قوتِ علم، قوتِ غضب، قوتِ شہوت اور ان تینوں کو اعتدال پر رکھنے کی قوت ہو۔

قوت علم کا حسن اور خوبی یہ ہے کہ وہ اس مرتبے پر ہو جس سے اقوال میں سچ اور جھوٹ، عقائد میں حق اور باطل اور افعال میں اچھے اور برے کی تمیز ہو سکے۔ جب یہ قوت حاصل ہو گی تو اس سے حکمت کے ثمرات حاصل ہوں گے اور حکمت تمام اخلاق حسنہ کی اصل ہے اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ (۱) اور جسے حکمت دی گئی تحقیق بہت زیادہ بھلائی عطا کی گئی۔

قوت غضب کا حسن یہ ہے کہ وہ حکمت کے تحت رُکے اور جاری ہو اسی طرح شہوت کا حسن اور عمدگی یہ ہے کہ وہ حکمت کے تحت ہو یعنی جیسے شریعت اور عقل کا اشارہ ہو اس کے مطابق چلے۔

اور قوت عدل شہوت اور غضب کو عقل اور شریعت کے اشارے کے مطابق کنٹرول کرنا ہے تو عقل ایک ناصح مشیر کی طرح ہے اور قوت عدل ہی قدرت ہے اور اس کی مثال اس عامل جیسی ہے جو عقل کے اشارے کے مطابق عمل کرے اور غضب میں اشارے کا نفاذ ہوتا ہے اور یہ شکاری کتے کی طرح ہے اسے ادب سکھانا پڑتا ہے حتیٰ کہ اس کا چھوڑنا اور ٹھہرنا سب اشارے کے مطابق ہوتا ہے نفسانی خواہش کے مطابق نہیں۔ اور شہوت اس گھوڑے کی مثل ہے جس پر شکار کے وقت سواری کی جاتی ہے کیونکہ بعض اوقات وہ مودب ہوتا ہے اور کبھی سرکشی۔ تو جس شخص میں یہ خصلتیں اعتدال کے مطابق ہوں تو یہ مطلقاً حُسن خُلق ہے اور جس میں ان میں سے بعض پائی جائیں تو وہ صرف اس معنیٰ کی نسبت سے حُسن خلق کا مالک ہے جس طرح ایک شخص کے چہرے کے بعض اجزا خوبصورت ہوں اور بعض خوبصورت نہ ہوں۔

قوت غضبیہ کا حُسن اور اعتدال شجاعت کہلاتا ہے قوت شہوت کے اعتدال کو عفت (یا کدامنی) کہا جاتا ہے اگر قوتِ غضب اعتدال سے بڑھ جائے تو اسے تہور ہے (لاپرواہی) اور اگر کمی کی طرف آجائے تو اسے بزدلی اور کمزوری کہتے ہیں اگر شہوت کی قوت اعتدال سے بڑھ جائے تو اسے حرص کہا جاتا ہے اور اگر کمی کی جانب مائل ہو تو جمود کہتے ہیں۔ درمیانی حالت محمود ہے اور یہی فضیلت ہے اور اس کی دونوں طرفیں قابل مذمت اور ذلیل ہیں اور جب عدل فوت ہو جائے تو اس کی زیادتی اور کمی والے دو کنارے نہیں ہوتے بلکہ اس کی ایک ہی ضد ہے اور اسے ظلم کہتے ہیں۔ حکمت اغراض فاسدہ میں جب حد سے زیادہ ہو تو اسے خبث اور مکروفریب کہتے ہیں اور کم ہو تو اسے بیوقوفی کہا جاتا ہے درمیانی حالت کو ہی حکمت کہتے ہیں۔

تو اب اخلاق کے اصول چار باتیں ہوئیں حکمت، شجاعت، پاکدامنی اور عدل و انصاف ــــ حکمت سے ہماری مراد نفس کی وہ حالت ہے جس کے ذریعے تمام اختیاری افعال میں خطا اور صواب کا فرق معلوم ہو سکے اور عدل سے ہماری مراد

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۷۰

نفس کی وہ حالت ہے جس کے ذریعے غضب اور شہوت کو قابو میں رکھے اور اس کا چھوڑنا اور روکنا حکمت کے مطابق ہو اور شجاعت سے ہماری مراد یہ ہے کہ قوت غضب عقل کے تابع ہو اسی کے کہنے کے مطابق کوئی عمل کرے یا چھوڑے۔

اور پاکدامنی (عفت) سے مراد یہ ہے کہ قوت شہوت عقل اور شریعت کے آداب کے مطابق کا پابند ہو، تو جب یہ چار اصول اعتدال پر ہوں گے تو تمام اخلاق جمیلہ صادر ہوں گے کیوں کہ قوتِ عقل کے اعتدال سے حُسنِ تدبیر، جودتِ ذہنی، رائے کی پختگی، گمان کی درستگی، باریک اعمال کی سمجھ اور آفاتِ نفوس کے پوشیدہ امور پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

لیکن اس میں زیادتی ہو تو اس سے دھوکہ، مکر و فریب اور باطنی خبث پیدا ہوتا ہے اور کمی کی صورت میں بیوقوفی جنم لیتی ہے نیز ناتجربہ کاری اور جنون پیدا ہوتا ہے اور خیال کے صحیح ہونے کے باوجود آدمی کا تجربہ پختہ نہیں ہوتا۔ انسان کو بعض اوقات ایک کام کا تجربہ ہوتا ہے اور دوسرے کام کا تجربہ نہیں ہوتا احمق (بیوقوفی) اور جنون میں فرق یہ ہے کہ احمق کا مقصود صحیح ہوتا ہے لیکن وہ غلط راستے پر چل پڑتا ہے لہٰذا وہ غرض تک پہنچانے والے راستے پر چلنے میں صحیح سمت نہیں دیکھ سکتا لیکن مجنون اس بات کو اختیار کرتا ہے جسے اختیار نہیں کرنا چاہیے لہٰذا اس کا کسی کام کو اختیار کرنا ہی غلطی پر مبنی ہوتا ہے اور جب کسی میں خلقِ شجاعت پایا جائے تو اس سے کرم، دلیری، کسر نفسی برداشت، بردباری، ثابت قدمی، غصے کو پی جانا، وقار اور باہمی محبت وغیرہ صفات پیدا ہوتی ہیں لیکن جب اس میں زیادتی واقع ہو تو یہ تہور ہے اور اس سے ڈینگیں مارنا، تکبر کرنا، جلدی غصے میں آنا تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور اگر کمی ہو تو نامردی، ذلت کمینگی، خساست، احساس کہتری اور واجب حق کو لینے سے دُور رہنے جیسی باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

عفت (پاکدامنی) ایسا خلق ہے جس سے سخاوت، حیا و صبر، چشم پوشی، قناعت، پرہیزگاری، لطافت، ایک دوسرے کی مدد، حوصلہ اور قلتِ طمع جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں لیکن اس کی بیشی کی صورت میں حرص، لالچ، بے حیائی، خبث، فضول خرچ، کنجوسی، ریاکاری، بے حرمتی فحش، لغو بات، خوشامد، حسد، دشمنی، مالداروں کے سامنے ذلیل ہونا اور فقراء کو حقیر جاننا وغیرہ صفات ذمیمہ پیدا ہوتی ہیں۔

تو تمام اچھے اخلاق کی بنیاد یہ چار فضائل ہیں یعنی، حکمت، شجاعت، عفت اور عدل — باقی سب ان کے فروع ہیں۔ اور ان چاروں میں کمالِ اعتدال صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا۔

اور آپ کے علاوہ لوگ اس سے قریب و بعد میں مختلف ہیں۔ تو جو شخص ان اخلاق میں جس قدر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگا وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے گا اور جو آدمی ان تمام اخلاق کا جامع ہو وہ اس بات کے لائق ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں اور اس کی طرف رجوع کریں اور وہ لوگوں کا پیشوا ہو۔

لوگ اپنے تمام افعال میں اس کی اقتدا کریں اور جو آدمی ان تمام اخلاق سے الگ ہو اور ان کی مخالف عادات سے متصف ہو تو وہ اس لائق ہے کہ شہروں اور لوگوں سے اسے دُور کر دیا جائے اور نکال جائے کیونکہ وہ شیطان

لعین کے قریب ہوا جسے دھتکارا گیا ہے، لہٰذا اس سے دور رہنا چاہیے جیسا کہ پہلا شخص مقرب فرشتے کے قریب ہوتا ہے لہٰذا اس کی اقتدا کرنا اور اس کا قرب اختیار کرنا چاہیے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا جیسا کہ آپ نے خود فرمایا (۱)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان اخلاق کی طرف اشارہ فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ (۲)

بے شک مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا وہی لوگ سچے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی شک و شبہ کے بغیر ایمان لانا ہی یقین کی قوت ہے اور یہ عقل کا نتیجہ اور حکمت کا منتہیٰ ہے مال کے ساتھ جہاد کرنا سخاوت ہے جو قوتِ شہوت کو کنٹرول کرنے کی طرف لوٹتی ہے اور جسمانی جہاد شجاعت ہے جو عقل کے مطابق اور اعتدال کے طریقے پر قوتِ غضب کے استعمال کا نام ہے اللہ تعالیٰ کے صحابہ کرام کا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ (۳)

وہ کفار پر سخت اور ایک دوسرے پر مہربان ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شدت کا ایک موقعہ ہے اور رحمت و شفقت کا مقام الگ ہے ہر حال میں شدت اختیار کرنا کوئی کمال نہیں اور نہ ہی ہر حالت میں شفقت بھرا سلوک کرنا کوئی کمال ہے تو خُلق کے معنی اُس کے حُسن و قبح، ارکان، ثمرات اور اس کے فروع کا یہ بیان تھا۔

ریاضت سے اخلاق میں تبدیلی

بعض لوگ جن پر باطل کا غلبہ ہو ان پر مجاہدہ اور ریاضت لوگوں کو پاک کرنے اور تہذیب اخلاق میں مشغولیت گراں گزرتی ہے تو وہ اپنی کوتاہی، نقصان اور خبث باطنی کی وجہ سے ایسا کام نہیں کرتے۔

---

(۱) موطا امام مالک ص ۷۰۵، ما جاء فی حسن الخلق

(۲) قرآن مجید، سورۃ حجرات آیت ۱۵

(۳) قرآن مجید، سورۃ فتح آیت ۲۹

تو ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ اخلاق میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی کیوں کہ طبیعتیں تغیر پذیر نہیں ہوتیں یہ لوگ دو باتوں سے استدلال کرتے ہیں۔

ایک بات یہ کہ خُلق ایک باطنی صورت ہے جیسے خلق ظاہری صورت ہے آدمی ظاہری صورت کو بدلنے پر قادر نہیں ہوتا چھوٹے قد والا اپنے آپ کو لمبا اور لمبا آدمی اپنے آپ کو پست قد والا نہیں بنا سکتا اور بدصورت اپنے آپ کو خوبصورت نہیں بنا سکتا۔

اسی طرح باطنی بدصورتی کا حال ہے (اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی) ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ اچھے اخلاق کے لیے شہوت اور غضب کا قلع قمع کرنا ہوتا ہے اور ہم نے طویل مجاہدے سے تجربہ کیا اور معلوم کیا کہ یہ چیزیں مزاج اور طبیعت کا تقاضا ہیں اور آدمی سے بالکل منقطع نہیں ہوسکتیں لہٰذا اس کام میں مشغولیت کسی فائدے کے بغیر وقت کو ضائع کرنا ہے کیوں کہ مقصود تو یہ ہے کہ فوری فائدے کی طرف دل کی توجہ کو ختم کر دیا جائے اور اس بات کا وجود محال ہے۔

تو ہم (ان لوگوں کے جواب میں) کہتے ہیں کہ اگر اخلاق تبدیلی کو قبول نہ کرتے تو وعظ و نصیحت اور تادیب و تربیت سب کچھ بیکار ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات نہ فرماتے۔

حَسِّنُوْا اَخْلَاقَكُمْ (۱) اپنے اخلاق کو درست کرو۔

تو انسان کے حق میں اس بات کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ حیوانات کی عادات کو بدلنا ممکن ہے۔

کیوں کہ باز کی وحشت کو اُنس میں بدل دیا جاتا ہے شکاری کتا سکھانے سے مودب ہو جاتا ہے اور شکار کو خود نہیں کھاتا بلکہ روک لیتا ہے گھوڑا سرکشی سے اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف رُخ کرتا ہے اور یہ سب باتیں اخلاق کی تبدیلی ہے۔

اس سلسلے میں حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جن کا وجود کامل ہے اور اب ان میں انسان کو اختیار نہیں جیسے آسمان اور ستارے بلکہ انسان کے داخلی خارجی اعضاء اور حیوانات کے تمام اجزاء ہیں۔ ان کو وجود بھی مل گیا اور کامل بھی ہو گئے۔

اور بعض موجودات وہ ہیں جن کا وجود نامکمل ہے اور ان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ جب کمال کی شرط پائی جائے تو وہ اسے قبول کرتے ہیں اور اس کی شرط بعض اوقات بندے سے متعلق ہوتی ہے۔ گٹھلی نہ تو آم کا پھل ہے اور نہ ہی درخت کا لیکن اس کو اس انداز میں پیدا کیا گیا ہے لیکن جب اس کی تربیت کی جائے تو وہ درخت بن سکتی ہے لیکن وہ پھل ہرگز نہیں بن سکتی نہ تو وہ اصل میں پھل ہے اور نہ تربیت کے ذریعے ایسا ممکن ہے تو جب گٹھلی اختیار سے متاثر ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ بعض احوال کو قبول کرتی ہے اور بعض کو قبول نہیں کرتی تو شہوت اور غضب کا بھی یہی حال ہے اگر ہم ان کو مکمل طور

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۲۸ مرویات معاذ بن جبل۔

پر ختم کرنا چاہیں حتی کہ ان کا کچھ اثر باقی نہ رہے تو ہمیں یہ قدرت حاصل نہیں ہے لیکن مجاہدے اور ریاضت کے ذریعے ان کو نرم کرنا اور اپنی مرضی کے مطابق کرنا ہمارے بس میں ہے اور ہم اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

یہی ہماری نجات اور اللہ تعالیٰ تک رسائی کا سبب ہے البتہ طبیعتیں مختلف ہیں بعض جلدی قبول کرنے والی ہیں اور بعض ذرا دیر سے قبول کرتی ہیں۔ اور اس اختلاف کے دو سبب ہیں ان میں سے ایک سبب اصل فطرت میں پائی جانے والی قوت کا زیادہ ہونا اور اس کا انسانی وجود کے ساتھ ہی وجود میں آنا ہے مثلاً قوتِ شہوت، غضب اور تکبر تینوں انسان میں موجود ہیں لیکن ان میں سے سب سے زیادہ مشکل تبدیلی، شہوت کی ہے کیونکہ اس کا وجود سب سے مقدم ہے اس لیے کہ بچے سے یہ فطری طور پر خواہش پیدا کی گئی پھر سات سال کے بعد اس میں پیدا کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اس کے لیے قوت تمیز پیدا کی جاتی ہے ــــ اور دوسرا سبب کہ خلق (عادت) بعض اوقات کثرت عمل کی وجہ سے بھی پکی ہو جاتی ہے جب کہ اس کے مطابق عمل ہو اور یہ عقیدہ ہو کہ یہ عمل اچھا اور پسندیدہ ہے

اس سلسلے میں لوگوں کے چار مراتب ہیں:۔

۱۔ وہ لوگ جو غافل ہیں اور حق و باطل اور اچھے برے میں تمیز نہیں کر سکتے بلکہ وہ اپنی فطرت پر باقی رہتے ہیں وہ تمام اعتقادات سے فارغ ہوتے ہیں اور لذات کے پیچھے چلنے کے باوجود ان کی خواہش پوری نہیں ہوتی تو ایسے لوگوں کا علاج جلدی ہو سکتا ہے انہیں ایک معلّم اور مرشد کی ضرورت ہوتی ہے نیز اس کے اندر ایک جذبہ ہو جو اسے مجاہدے پر مجبور کرے تو ایسے لوگوں کے اخلاق بہت جلد درست ہو جاتے ہیں۔

۲۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو برائی کی پہچان رکھتے ہیں لیکن وہ اچھے اعمال کے عادی نہیں۔ بلکہ ان کے لیے اس کا بُرا عمل مزین ہو جاتا ہے اور وہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اس کا مرتکب ہوتے ہیں اور چوں کہ ان پر خواہش کا غلبہ ہوتا ہے لہٰذا وہ اچھی رائے سے منہ پھیرتے نہیں لیکن وہ اپنی عملی کوتاہی سے باخبر ہوتے ہیں ان کا معاملہ پہلی قسم کے لوگوں سے زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ یہاں دوگنا محنت کرنا ہوگی کہ پہلے اس میل کو دور کیا جائے جو فساد کی عادت کی وجہ سے ان کے نفس پر جمی ہوئی ہے دوسرا یہ کہ وہ اپنے آپ کو اچھے کاموں کا عادی بنائیں لیکن اس کے باوجود اگر ان کے لیے محنت اور کوشش کی جائے تو یہ ریاضت کا محل ہیں۔

۳۔ تیسرے قسم کے لوگ وہ ہیں جو اخلاق قبیحہ کو واجب اور اچھا سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ حق بھی ہیں اور جمیل بھی ــــ اور ان ہی اخلاق پر ان کی پرورش بھی ہوئی۔ اس قسم کے لوگوں کا علاج گویا محال ہے اور ان کی اصلاح کی امید بہت نادر ہے کیونکہ ایسے لوگوں میں گمراہی کے اسباب کئی گنا ہوتے ہیں۔

۴۔ چوتھے قسم کے لوگ وہ ہیں جو فاسد رائے اور برے اعمال پر پرورش پاتے ہیں اور یوں ان کی نشوونما ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کثرت شر، لوگوں کو ہلاک کرنے اور اس پر فخر کرنے کو فضیلت سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں

یہ کام ان کی بلندی کا باعث ہیں یہ سب سے مشکل مرتبہ ہے اسی قسم کی صورت کے بارے میں کہا گیا ہے۔

بڑھاپے کی ریاضت تھکاوٹ ہے اور بھیڑیئے کو مہذب بنانا اپنے آپ کو عذاب میں ڈالنا ہے۔ ان میں سے پہلا شخص بالکل جاہل ہوتا ہے دوسرا جاہل بھی ہے اور گمراہ بھی، تیسرا جاہل بھی ہوتا ہے گمراہ بھی اور فاسق بھی اور چوتھا جاہل، گمراہ، فاسق اور شریر ہوتا ہے۔

ایک اور خیال ہے جس سے ان لوگوں نے استدلال کیا وہ یہ کہ آدمی جب تک زندہ ہوتا ہے اس سے خواہشات غصہ، دنیا کی محبت اور یہ تمام اخلاق دُور نہیں ہو سکتے لیکن یہ بات غلط ہے اور یہ ایک ایسے گروہ کا خیال ہے جن کے نزدیک مقصود یہ ہے کہ مجاہدہ سے ان صفات کا قلع قمع کر دیا جائے۔

لیکن ایسا نہیں ہے شہوت (خواہش) کسی فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہے اور فطرت میں اس کا ہونا ضروری ہے اگر کھانے کی خواہش ختم ہو جائے تو انسان ہلاک ہو جائے اگر جماع کی خواہش ختم ہو جائے تو نسل ختم ہو جائے اور اگر غضب (غصہ) بالکل معدوم ہو جائے تو انسان مہلک چیزوں کو اپنے آپ سے دُور نہ کر سکے اور یوں وہ خود ہلاک ہو جائے جب اصل خواہش باقی ہے تو لازماً مال کی محبت بھی باقی رہے گی جو شہوت (خواہش) تک پہنچاتی ہے حتیٰ کہ وہ بخل پر مجبور کرتی ہے تو اس کو بالکل ختم کرنا مقصود نہیں بلکہ اعتدال پر لانا ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے۔

صفتِ غضب میں مطلوب یہ ہے کہ حُسنِ حمیت ہو (غیر تمندی ہو) یعنی لاپروائی اور بزدلی دونوں سے خالی ہو خلاصہ یہ کہ وہ ذاتی طور پر مضبوط ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ عقل کے تابع ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ (۱) وہ (صحابہ کرام) کفار پر سخت اور ایک دوسرے پر مہربان ہیں۔

ان کو شدت سے موصوف فرمایا اور شدت غصے کے بغیر نہیں ہو سکتی اور اگر غصہ ختم ہو جائے تو جہاد بھی باقی نہ رہے۔ تو کس طرح خواہش اور غصے کو مکمل طور پر ختم کیا جا سکتا ہے حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی ان صفات سے خالی نہیں رہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَغْضَبُ کَمَا یَغْضَبُ الْبَشَرُ (۲) بے شک میں انسان ہوں اور (دوسرے) انسانوں کی طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے۔

اور جب آپ کے سامنے کوئی ناپسندیدہ بات کی جاتی تو آپ کو غصہ آ جاتا۔ حتیٰ کہ آپ کے رُخسار مبارک سُرخ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فتح آیت ۲۹

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۹۳ مرویات ابوہریرہ

ہو جاتے لیکن آپ سچی بات ہی فرماتے اور آپ کا غصہ آپ کو حق بات سے باہر نہ جانے دیتا۔ (۱)

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ - (۲)

اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ لوگ جن میں غصہ نہیں پایا جاتا۔ تو غصے اور خواہش کو حدِ اعتدال کی طرف پھیر دیا کہ ان میں سے کوئی بھی عقل پر غالب نہ ہو بلکہ دونوں کو عقل قابو میں رکھے اور اس کا دونوں پر غالب ہونا ممکن ہے ، خُلق کی تبدیلی سے یہی مراد ہے بعض اوقات خواہشات انسان پر غالب آجاتی ہیں کہ اس کی عقل اسے بے حیائی کے کاموں سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتی اور ریاضت وعبادت کے ذریعے وہ حدِ اعتدال کی طرف لوٹتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنا ممکن ہے اور تجربہ اور مشاہدہ اس پر ایسی دلالت کرتا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

مطلوب ، اخلاق کے دو کنارے نہیں بلکہ درمیانی حالت ہے اس بات پر دلالت یہ ہے کہ سخاوت شرعی طور پہ قابل تعریف بتائی گئی ہے اور یہ حد سے زیادہ خرچ کرنے اور کم خرچ کرنے کے درمیان ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا - (۳)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ ضرورت سے زائد خرچ کرتے ہیں اور نہ کمی کرتے ہیں بلکہ اس کے درمیان خرچ کرتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ - (۴)

اور اپنے ہاتھ کو نہ تو اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو اور نہ اسے بالکل

اسی طرح کھانے کی خواہش میں اعتدال مطلوب ہے حرص اور عدم خواہش دونوں مطلوب نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ - (۵)

کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور غصے کے سلسلے میں ارشاد فرمایا؛

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳ کتاب المناقب

(۲) قرآن مجید ، سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴

(۳) قرآن مجید ، سورۂ فرقان آیت ۶۷

(۴) قرآن مجید ، سورۂ اسراء آیت ۲۹

(۵) قرآن مجید ، سورۂ اعراف آیت ۳۱

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔ (۱) وہ کافروں پر سخت ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُھَا۔ (۲) بہترین امور درمیان والے ہیں۔

اور اس میں بھی ایک راز اور تحقیق ہے وہ یہ کہ دل کا اس دنیا کے عوارض سے سلامت ہونا سعادت کا باعث ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ (۳) مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ دل کے ساتھ آئے۔

اور بخل دنیا کے عوارض سے ہے نیز ضرورت سے زائد خرچ کرنا بھی دنیوی عوارض سے ہے اور دل کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ان دونوں سے محفوظ ہو یعنی مال کی طرف متوجہ نہ ہو اور نہ اس کے خرچ کرنے کی حرص ہو اور نہ روکنے کی۔ کیونکہ جو شخص خرچ کرنے کی حرص کرتا ہے اس کا دل خرچ کرنے کی طرف متوجہ رہتا ہے جس طرح بخل کرنے والے کا دل اسی بات کی طرف لگا رہتا ہے۔

اور دل کا کمال یہ ہے کہ ان دونوں باتوں سے صاف اور محفوظ ہو اور چونکہ دنیا میں یہ دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں تو ہم نے ایسی بات تلاش کی جو ان دونوں کے نہ ہونے کے مشابہ ہو اور ان دونوں کناروں سے دور ہو اور یہ درمیانی راہ ہے جیسا وہ پانی جو نہ گرم ہو اور نہ ہی ٹھنڈا تو اسے گرم بھی نہیں کہتے اور ٹھنڈا بھی، بلکہ اسے دونوں کے درمیان کہتے ہیں۔ گویا وہ دونوں وصفوں سے خالی ہے اسی طرح سخاوت فضول خرچی اور کنجوسی کے درمیان میں ہے شجاعت بزدلی اور تہوّر (کسی کی پرواہ نہ کرنا) کے درمیان ہے عفت، حرص اور جمود کے درمیان ہے اور باقی تمام اخلاق کا معاملہ بھی اسی طرح ہے تو ہر کام کے دونوں کنارے (افراط و تفریط) مذموم ہیں اور یہی مقصود ہے۔ اور یہ ممکن ہے۔ ہاں ہدایت دینے والے شیخ پر لازم ہے کہ وہ مرید کے سامنے غصے کی بالکل مذمت کرے اور مال روک رکھنے کی بھی برائی بیان کرے اور اس سلسلے میں اسے کوئی ڈھیل نہ دے اس لیے کہ اگر وہ اسے معمولی چیز کی اجازت دے گا تو وہ بخل اور غصے کو باقی رکھنے کے سلسلے میں اسے بہانہ بنائے گا۔

اور یہ خیال کرے گا کہ اس کی اسے اجازت ہے تو جب وہ اسے بالکل ختم کرنا چاہے اور اس میں مبالغہ کرے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اسراء آیت ۲۹

(۲) شعب الایمان جلد ۵ ص ۲۶۱ حدیث ۶۶۰۱

(۳) قرآن مجید، سورۃ شعراء آیت ۸۹

تاکہ اعتدال کی طرف آئے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ اس کی اصل کو ہی ختم کرنے کا ارادہ کرے تاکہ اسے مقصود تک پہنچنا آسان ہو جائے اور یہ راز مرید کو نہ بتائے کیوں کہ یہاں بیوقوف لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا غصے میں آنا اور مال نہ خرچ کرنا حق ہے۔

حُسنِ خُلق کے حصول کا سبب

آپ معلوم کر چکے ہیں کہ حُسنِ خُلق نام قوتِ عقل کے اعتدال، کمال حکمت، غصے اور خواہش کی قوت کے اعتدال اور ان کے عقل اور شریعت کے تابع ہونے کا نام ہے اور یہ اعتدال دو طریقوں پر حاصل ہوتا ہے ان میں سے ایک جُود الٰہی اور فطری کمال ہے وہ اس طرح کہ انسان کی تخلیق اور ولادت، کامل عقل اور اچھے اخلاق کے ساتھ ہو اور اس پر خواہش اور غصے کا غلبہ نہ ہو بلکہ یہ دونوں اس طرح پیدا ہوں کہ ان میں اعتدال ہو اور وہ عقل و شریعت کے تابع ہوں یوں وہ تعلیم کے بغیر عالم اور تادیب کے بغیر مودب ہو جاتا ہے جیسے حضرت عیسٰی بن مریم اور یحیٰی بن زکریا علیہ السلام تھے بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی حالت تھی۔ اور یہ بات عقل سے بعید نہیں کہ جو بات کسب و عمل سے حاصل ہو وہ طبیعت و فطرت میں داخل ہو۔ کئی بچے پیدائشی طور پر ہی سخی، جرأت مند اور اچھے لہجے والے ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات پیدائشی طور پر یہ باتیں نہیں پائی جاتیں لیکن بعد میں اچھے اخلاق والوں کے ساتھ میل جول رکھنے اور ان باتوں کی عادت بنانے سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور بعض اوقات سیکھنے سے حاصل ہوتی ہیں۔

دوسری وجہ ان اخلاق کو مجاہدے اور ریاضت کے ذریعے حاصل کرنا ہے یعنی اپنے آپ کو ان اعمال میں مصروف رکھنا جن کا تقاضا یہ خُلق مطلوب کرتا ہے مثلاً جو آدمی اپنے آپ میں سخاوت کا خُلق پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سخی لوگوں کے طریقے پر عمل کرے اور وہ مال خرچ کرنا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ سے مسلسل یہ کام لے اور بتکلف ایسا کرے اور خوب مجاہدہ کرے حتیٰ کہ سخاوت اس کی فطرت بن جائے اور اس کے لیے آسان ہو جائے اس طرح وہ جواد (سخی) ہو جائے گا۔

اسی طرح جو آدمی خُلق تواضع حاصل کرنا چاہتا ہے حالانکہ اس پر تکبر غالب ہو چکا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک طویل عرصہ تواضع کرنے والوں کے طریقے پر عمل کرے اور اس سلسلے میں وہ اپنے نفس سے جہاد کرے اور تکلفاً یہ عمل کرتا رہے یہاں تک کہ یہ بات اس کی عادت اور طبیعت بن جائے اب یہ اس کے لیے آسان ہو جائے گی۔

جتنے اخلاق شرعاً محمود ہیں وہ اسی طریقے پر حاصل ہوتے ہیں اور اس کی انتہا یہ ہے کہ آدمی کو اس کام میں لذت محسوس ہونے لگے سخی وہ ہے جو مال خرچ کر کے لذت محسوس کرتا ہے وہ نہیں جو ناگواری سے خرچ کرتا ہے متواضع وہ ہے جسے تواضع سے لذت حاصل ہوتی ہے۔

اخلاق دینیہ نفس میں اس وقت تک راسخ نہیں ہوتے جب تک نفس کو تمام اچھے کاموں کا عادی نہ بنائے بُرے افعال کو چھوڑ نہ دیا جائے اور اچھے افعال پر اہل شوق کی طرح پابندی اختیار نہ کرے اور ان سے لذت حاصل نہ کرے اور جب تک قبیح افعال مکروہ نہ سمجھے اور ان سے ایذا نہ پائے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔ (۱) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اور اگر وہ عبادت کرتا ہے اور ممنوع باتوں کو بھی چھوڑتا ہے لیکن ناگواری اور بھاری طبیعت کے ساتھ ایسا کرتا ہے تو نقصان باقی رہے گا اور اس طرح اسے کمال سعادت حاصل نہیں ہوگا البتہ مجاہدے کے ذریعے اس عمل پر دوام اختیار کرنا بہتر ہے لیکن یہ بہتری ان افعال حسنہ کو چھوڑنے کے مقابلے میں بہتر ہے خوش دلی سے کرنے کے مقابلے میں بہتر نہیں ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ۔ (۲) اور یہ (نماز) بھاری ہے مگر جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُعْبُدِ اللّٰهَ فِي الرِّضَا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَفِي الصَّبْرِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ خَيْرٌ كَثِيْرٌ۔ (۳) خوشی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اگر ایسا نہ ہو سکے تو ناگوار بات پر صبر کرنے میں بہت بھلائی ہے۔

پھر حسن خلق پر اس سعادت موعودہ کے پائے جانے میں عبادت سے کسی وقت لطف اندوز ہونا اور اسی طرح کسی وقت گناہ کو ناپسند کرنا اور کسی وقت ان باتوں کا نہ پایا جانا کافی نہیں بلکہ یہ کام دائمی ہونا چاہیے اور ساری زندگی پایا جائے اور جب عمر زیادہ لمبی ہوگی تو فضیلت زیادہ راسخ اور زیادہ کامل ہوگی اسی لیے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سعادت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

طُوْلُ الْعُمُرِ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ۔ (۴) لمبی عمر جو عبادت خداوندی میں گزرے۔

اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ موت کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

---

(۱) المعجم الصغیر للطبرانی جلد اول ص ۲۶۲ من اسمہ الفضل

(۲) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۴۵

(۳)

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۸۸ مرویات عبداللہ ابن بسر

اور جب زیادہ عمر کی وجہ سے عبادات زیادہ ہوں گی تو ثواب بہت زیادہ ملے گا اور نفس بھی خوب پاک ہو گا اخلاق زیادہ قوی اور زیادہ راسخ ہوں گے اور عبادات کا مقصد دل میں ان کی تاثیر ہے اور ان عبادات کی تاثیر عبادت پر مواظبت کی کثرت سے ہوتی ہے اور ان اخلاق کی انتہا یہ ہے کہ نفس سے دنیا کی محبت نکل جائے اور تعالیٰ کی محبت راسخ ہو جائے اس صورت میں اسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے بڑھ کر کوئی بات پسند نہیں ہوتی اور وہ اپنا تمام مال اس کام پر خرچ کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ تک پہنچائے اور اس کا غصہ اور خواہش اس کے قابو میں ہو جاتی ہے اور ان دونوں کو اس طریقے پر استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وصال کا ذریعہ ہو اور یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب وہ شریعت اور عقل کے ترازو پر تولا جائے پھر وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور لذت حاصل کرتا ہے۔

اور یہ بات بعید نہیں کہ جس شخص کو نماز میں سرور حاصل ہو کہ وہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے اور عبادات میں لذت حاصل ہونے لگے کیوں کہ عادت کے باعث نفس میں اس سے بھی عجیب و غریب امور پیدا ہوتے ہیں۔

کیونکہ ہم دیکھتے ہیں بادشاہ اور مال و دولت والے ہمیشہ غمگین رہتے ہیں لیکن مفلس جواری بعض اوقات اپنے جوئے میں لذت اور خوشی پاتا ہے حالانکہ دوسرے لوگوں کی یہ حالت ہو جائے تو جوئے کے بغیر ہی ان کی زندگی بوجھ بن جائے حالانکہ بعض اوقات جواری کا مال چلا جاتا ہے، گھر تباہ ہو جاتا ہے اور اسے مفلس بنا کر چھوڑتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسے پسند کرتا ہے اور اس سے لذت حاصل کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک طویل مدت تک اس سے مانوس رہا اور اپنے آپ کو اس سے متعلق رکھا۔

اسی طرح کبوتروں سے کھیلنے والا بعض اوقات دن بھر دھوپ میں کھڑا رہتا ہے اور چونکہ وہ پرندوں ان کی حرکات، اڑان اور آسمان میں ان کے حلقہ بنانے پر خوشی محسوس کرتا ہے لہٰذا وہ دھوپ میں کھڑا ہونے کی تکلیف کا احساس نہیں کرتا بلکہ ہم فاجر عیار قسم کے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ انہیں مار پڑتی ہے یا چوری پر ہاتھ کٹتا ہے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور بڑے صبر سے کوڑے کھا لیتے ہیں انہیں سولی پر چڑھانے کے لیے لے جایا جاتا ہے لیکن وہ بڑی خوشی سے اس کو برداشت کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس پر فخر کرتے ہیں ان میں سے ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے یا کسی دوسرے کے جرم کو تسلیم کرے لیکن وہ سزاؤں کی پرواہ نہیں کرتا اور انکار پر ڈٹا رہتا ہے کیوں کہ وہ اسے کمال، شجاعت اور مردانگی سمجھ کر اس پر خوش ہوتا ہے تو باوجود اس سزا کے وہ اپنے عمل کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور باعث افتخار سمجھتا ہے بلکہ ہیجڑوں سے گئی گزری حالت کسی کی نہیں ہوتی کہ وہ عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہوئے بال اکھیڑتے ہیں چہرے کو گودتے ہیں اور عورتوں سے میل جول رکھتے ہیں تو ہیجڑے اپنی اس حالت پر خوش ہوتے ہیں اور اپنے عمل پر فخر کرتے ہیں حتیٰ کہ جس طرح بادشاہوں اور علماء کے درمیان ایک دوسرے پر فخر ہوتا ہے اسی طرح سینگی لگانے والے اور جھاڑو دینے والے بھی ایک دوسرے کے سامنے شیخی کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ تمام باتیں اس بات کا نتیجہ ہیں کہ ایک کام کو عادت بنا لیا گیا اور عرصہ دراز تک اس کام سے تعلق رہا اور جو کچھ اپنے ساتھیوں اور ہم مجلس لوگوں میں دیکھا اسے اپنے لیے بھی اچھا سمجھا۔ تو جب باطل چیز کی عادت ہو جانے پر نفس کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور نفس قبیح باتوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو اگر امر حق پر مواظبت کی جائے تو اس سے لذت کیوں حاصل نہ ہو گی بلکہ برے امور کی طرف نفس کا میلان غیر فطری ہے۔ اور وہ مٹی کھانے کی طرف میلان کے مشابہ ہے اور بعض لوگوں پر عادت کی وجہ سے یہ بات غالب آجاتی ہے لیکن حکمت، محبت خداوندی، معرفت الٰہیہ اور عبادت کی طرف میلان اس طرح ہے جس طرح طبیعت کھانے پینے کی طرف مائل ہوتی ہے کیوں کہ وہ قلبی طبیعت کا مقتضا ہے یہ امر ربانی ہے اور شہوت (خواہشات) کے تقاضوں کی طرف میلان اس کی ذات کے لیے اجنبی ہے اور طبیعت کو لاحق ہوتا ہے دل کی غذا حکمت اور معرفت نیز اللہ تعالیٰ کی محبت ہے لیکن کسی بیماری کی وجہ سے وہ اس سے پھر جاتا ہے۔

جیسے بعض اوقات معدے کو بیماری لاحق ہو جاتی ہے اور وہ کھانے پینے کی خواہش رکھتا حالانکہ یہ دونوں باتیں اس کی زندگی کا سبب ہیں تو جو دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری چیز کی محبت کی طرف مائل ہوتا ہے تو جس قدر اس کا میلان ہوتا ہے اس کے مطابق وہ بیماری سے جدا نہیں ہوتا البتہ یہ کہ وہ اس چیز سے اس لیے محبت کرے کہ وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت پر اور اس کے دین پر مددگار ہوتی ہے اس وقت یہ (دل کی) بیماری پر دلالت نہیں ہوتی۔

تو اب تمہیں قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ اخلاق جمیلہ ریاضت کے ذریعے حاصل کئے جا سکتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ ابتداء میں اعمال صالحہ بتکلف صادر ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ بالآخر اس کی انتہا بن جائیں اور یہ دل اور اعضاء کے درمیان نہایت عجیب علاقہ ہے یعنی نفس اور بدن کے درمیان۔

کیوں کہ جو صفت دل میں ظاہر ہوتی ہے اس کا اثر اعضاء پر قبضہ کر لیتا ہے حتیٰ کہ اب اعضاء دل کی موافقت میں ہی حرکت کرتے ہیں اور جو افعال اعضاء سے صادر ہوتے ہیں ان کا اثر بھی دل پر پڑتا ہے اور اس میں گردش رہتی ہے اور اسے ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے وہ یہ کہ ایک شخص کتابت میں ماہر ہونا چاہتا ہے کہ یہ اس کی نفسی صفت ہو جائے حتیٰ کہ وہ فطری طور پر کاتب بن جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے اس عمل کی مشق جاری رکھے جس طرح ماہر کاتب کرتا ہے اور ایک طویل مدت تک یہ کام کرتا ہے حتیٰ کہ کتابت اس کے نفس میں جم جائے اور وہ خوشخط ہو جائے، کیوں کہ کاتب کا فعل خوشخطی کرنا ہے تو تکلف کرکے کاتب کی مشابہت اختیار کرے اور پھر مسلسل اسی طرح کرتا رہے حتیٰ کہ یہ اس کے نفس میں راسخ صفت بن جائے اور بالآخر وہ طبعی اور فطری طور پر خوشخط لکھنے لگے جیسے ابتدا میں بطور تکلف کرتا تھا۔ تو وہی شخص خوشخط ہوتا ہے جو اپنے خط کو اچھا بناتا ہے لیکن شروع میں تکلف کرنا پڑتا ہے البتہ یہ کہ اس کا اثر دل تک پہنچ جائے پھر دل سے اعضاء کی طرف آئے اور اب وہ طبعی طور پر خوشخط لکھے۔

اسی طرح جو آدمی فقیہ بننا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ وہ فقہاء کرام والے کام کرے یعنی فقہ کا تکرار کرتا ہے حتیٰ کہ صفت فقہ اس کے دل میں اتر جائے اس وقت وہ فقیہ النفس ہو جائے گا۔

اسی طرح جو آدمی سخی اور پارسا، بردبار اور متواضع ہونے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ ان لوگوں جیسے کاموں کو بتکلف کرے حتیٰ کہ یہ اس کی طبعی صفت بن جائے اس کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

تو جس طرح فقہ النفس کا طالب ایک روز چھٹی کرنے کی وجہ سے اس رتبہ کو پانے سے محروم نہیں رہتا اور نہ ہی محض ایک رات کے تکرار سے وہ یہ مرتبہ حاصل کر سکتا ہے اسی طرح دل کے تزکیہ اور کمال نیز اعمال صالحہ سے اسے مزین کرنے والا ایک دن کی عبادت سے یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایک دن کے گناہ سے اس سے محروم رہتا ہے اور ہمارے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ ایک کبیرہ گناہ ابدی بدبختی کا موجب نہیں ہے لیکن ایک دن عمل نہ کرنا دوسرے دن کی چھٹی کا داعی ہوتا ہے اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ نفس سستی سے مانوس ہو جاتا ہے اور مقصد کے حصول کو بالکل چھوڑ دیتا ہے تو فضیلت فقہ حاصل نہیں ہوتی۔

اسی طرح صغیرہ گناہوں کا معاملہ ہے بعض گناہ دوسرے بعض کی طرف لے جاتے ہیں حتیٰ کہ اصل سعادت فوت ہو جاتی ہے اور خاتمہ کے وقت ایمان سے ہی محرومی ہو جاتی ہے۔

اور جس طرح ایک رات کے تکرار سے فقہ النفس کا حصول نہیں ہوتا ہے بلکہ فقہ النفس کا ظہور تدریجاً تھوڑا تھوڑا کر کے حاصل کرنے سے ہوتا ہے جیسے بدن آہستہ آہستہ نشوونما پاتا ہے اور قد آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اسی طرح ایک بار کی اطاعت اسی وقت دل کے تزکیہ و تطہیر میں موثر نہیں ہوتی لیکن تھوڑی عبادت کو حقیر نہ سمجھا جائے کیونکہ تھوڑی تھوڑی مل کر بہت ہو جاتی ہے اور وہ موثر ہوتی ہے اور ہر عبادت کا اثر ہوتا ہے اگرچہ پوشیدہ ہو بہر حال اس کا ثواب ملتا ہے کیونکہ وہ تاثیر کے مقابلے میں ہوتا ہے اور گناہ کا بھی یہی حال ہے۔

کتنے ہی فقیہ ایسے ہیں کہ ایک دن کی چھٹی کو معمولی سمجھتے ہیں اور پھر مسلسل تعطیل کے ذریعے نفس کو ایک ایک دن کی لالچ دیتے ہیں یہاں تک کہ اب ان کی طبیعت فقہ کو قبول کرنے سے نکل جاتی ہے اسی طرح جو آدمی صغیرہ گناہوں کو معمولی سمجھتا ہے اور نفس کو آج کل کا وعدۂ توبہ دیتا ہے حتیٰ کہ اچانک موت آجاتی ہے یا دل پر گناہوں کی تہہ جم جاتی ہے اور توبہ مشکل ہو جاتی ہے کیونکہ تھوڑا، زیادہ کی طرف بلاتا ہے اب دل خواہشات کی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے اور اس سے رہائی ممکن نہیں رہتی توبہ کا دروازہ بند ہونے کا یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب بھی یہی ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا۔ (۱) اور ہم نے ان کے آگے پیچھے رکاوٹ ڈال دی۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۹

اور اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایمان دل میں ایک سفید نکتے کی طرح ظاہر ہوتا ہے جوں جوں ایمان بڑھتا ہے وہ سفیدی بھی بڑھتی رہتی ہے جب بندے کا ایمان کمل ہو جاتا ہے تو اس کا تمام دل سفید ہو جاتا ہے اور منافقت دل میں ایک سیاہ نکتے کی طرح ظاہر ہوتا ہے جب نفاق بڑھتا ہے تو وہ سیاہی بھی بڑھتی ہے اور جب نفاق مکمل ہو جاتا ہے تو اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ اخلاقِ حسنہ کبھی طبعی اور فطری طور پر ہوتے ہیں اور کبھی اچھے اعمال کی عادت ڈالنے سے اور کبھی نیک لوگوں کو دیکھنے اور ان کی مجلس اختیار کرنے سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ایک طبیعت دوسری طبیعت سے خیر و شر حاصل کرتی ہے تو جس شخص میں یہ تین جہات جمع ہو جائیں حتیٰ کہ وہ طبعی طور پر، عادت کے اعتبار سے اور سیکھنے سے صاحبِ فضیلت ہو جائے تو یہ انتہائی درجہ کی فضیلت ہے اور جو آدمی طبعی طور پر رذیل ہو اور پھر اسے بری صحبت بھی مل جائے جن سے وہ سیکھے اور اس کے لیے برائی کے اسباب بھی آسان ہو جائیں حتیٰ کہ وہ اس کی عادت بن جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہو جاتا ہے اور جس میں ان جہات کا اختلاف ہو وہ ان دونوں رتبوں کے درمیان میں ہوتا ہے ہر ایک کا قرب و بُعد اس کی صفت اور حالت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ۝ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۔ (۱)

جو شخص ذرہ بھر نیکی کرے وہ اسے دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ بھر برائی کرے وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۔ (۲)

اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔

تہذیب اخلاق کا تفصیلی طریقہ

اس سے پہلے تم معلوم کر چکے ہو کہ اخلاق کا اعتدال پر رہنا صحتِ نفس ہے جب کہ اس کا اعتدال سے ہٹ جانا اس کی بیماری ہے۔

جس طرح بدن میں مزاج کا اعتدال بدن کی صحت ہے اور اس کا اعتدال سے ہٹ جانا جسمانی بیماری ہے تو ہم بدن کو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زلزال آیت ۷، ۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ النحل آیت ۳۳

مثال بنا کر کہتے ہیں علاج کے سلسلے میں نفس کی مثال یوں ہے کہ اس سے بُرے اخلاق کو دور کر کے فضائل اور اخلاق جمیلہ کو لایا جائے۔ اور بدن کی مثال اس طرح ہے کہ اس کا علاج کرتے ہوئے اس سے بیماریوں کو دُور کیا جائے اور اس کی صحت کے لیے کوشش کی جائے اور جس طرح اصل مزاج پر اعتدال غالب ہوتا ہے اور غذا اور خواہش اور مختلف احوال کی وجہ سے معدے میں خرابی پیدا ہوتی ہے اسی طرح ہر بچہ اعتدال اور صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔

یعنی عادت یا تعلیم کے ذریعے وہ بُرے اخلاق کو اپناتا ہے اور جس طرح بدن ابتدا میں کامل پیدا نہیں بلکہ غذا کے ذریعے اس کی نشو ونما اور تربیت ہوتی ہے تو مضبوط ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی ناقص لیکن کمال کو قبول کرنے والا پیدا کیا گیا ہے اور وہ تربیت اور تہذیب اخلاق نیز علمی غذا کے ذریعے مکمل ہوتا ہے۔

اور جس طرح بدن اگر صحیح ہو تو ڈاکٹر حفظِ صحت کا طریقہ استعمال کرتا ہے اور اگر بیمار ہو تو اس کا کام یہ ہے کہ اسے صحت مند بنائے اسی طرح اگر تمہارا نفس پاک اور مہذب ہے تو تمہیں اس کی حفاظت کی کوشش کرنی چاہیئے نیز اسے مزید مضبوط اور پاک کیا جائے اور اگر اس میں کمال اور صفائی نہیں ہے تو اسے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اور جس طرح وہ بیماری جو بدن کے اعتدال کو بدل دیتی ہے اور بیماری کا باعث ہوتی ہے، اس کا علاج اس کی ضد کے بغیر نہیں ہوتا اگر وہ گرمی سے ہے تو ٹھنڈی چیز سے علاج کیا جاتا ہے اور اگر سردی سے ہے تو گرم چیز سے علاج ہوتا ہے اسی طرح بری عادات دل کی بیماری ہے اور اس کا علاج اس کی ضد کے ساتھ ہوتا ہے مرضِ جہالت کا علاج سیکھنے سے، بخل کا علاج سخاوت اختیار کرنے سے، تکبر کی بیماری کا علاج تواضع سے اور حرص کا علاج خواہش کی چیزوں سے بتکلف ہاتھ کھینچ لینا ہے۔

اور جس طرح جسمانی بیماری میں کڑوی دوا برداشت کی جاتی ہے اور من پسند چیزوں سے صبر کرنا پڑتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ دل کی بیماری کو دُور کرنے کے لیے مجاہدہ اور صبر کا کڑوا گھونٹ پیا جائے بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کیونکہ بدن کی بیماری موت سے ختم ہو جاتی ہے اور دل کی بیماری (اللہ تعالیٰ اس سے پناہ دے) ایک ایسی بیماری ہے جو ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہے۔

اور جیسے ٹھنڈی چیز ہر اس بیماری کے لیے درست قرار نہیں پاتی ہے جس کا باعث گرمی ہو البتہ یہ کہ وہ مخصوص حد پر ہو اور یہ شدت وضعف دوام اور عدم دوام اور کثرت وقلت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور اس کے لیے کسی معیار کا ہونا ضروری ہے جس کے ذریعے اس کی نفع بخش مقدار کی پہچان ہو سکے کیوں کہ اگر معیار کی حفاظت نہ کی جائے تو فساد بڑھ جاتا ہے اسی طرح (بیماری کی) مخالف چیزیں جن کے ذریعے اخلاق کا علاج کیا جاتا ہے ان کا بھی کوئی معیار ہونا ضروری ہے۔

اور جس طرح دوائی کا معیار، بیماری کے معیار کے حوالے سے ہوتا ہے یہاں تک کہ ڈاکٹر اس وقت تک علاج نہیں کرتا جب تک وہ جان نہ لے کہ بیماری گرمی کی وجہ سے ہے یا ٹھنڈک کے باعث ـــــ اگر وہ گرمی کی وجہ سے ہو تو وہ اس کے درجے کو معلوم کرتا ہے کہ کیا وہ کمزور ہے یا مضبوط، جب اس بات کی پہچان حاصل ہو جاتی ہے تو وہ بدن کے احوال اور موسم کے حالات کی طرف متوجہ ہوتا ہے نیز مریض کے کام اس کی عمر اور باقی تمام احوال کو دیکھتا ہے پھر اس کے مطابق علاج کرتا ہے اسی طرح وہ مرشد جو مریدوں کا علاج کرتا ہے اور ہدایت چاہنے والوں کے دلوں کا معالج ہے اسے چاہیئے کہ وہ ایک مخصوص فن یا مخصوص طریقے پر انہیں ریاضت اور مجاہدے میں نہ ڈالے جب تک ان کے اخلاق اور امراض کی معرفت نہ ہو جائے۔

اور جس طرح اگر معالج تمام بیماریوں کا علاج ایک ہی طریقے پر کرے تو ان میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دے گا اسی طرح اگر شیخ تمام مریدین کو ایک ہی طریقے پر ریاضت کا پابند بنائے تو وہ ان کو ہلاک کر دے اور ان کے دل مرجائیں گے۔

بلکہ اسے چاہیئے کہ مرید کی بیماری، اس کی حالت، عمر اور مزاج کو دیکھے اور معلوم کرے کہ وہ کس قسم کی ریاضت برداشت کر سکتا ہے اگر مرید ابتدائی مراحل میں ہے، اور شرعی حدود سے بے علم ہے تو پہلے اسے طہارت، نماز اور دیگر ظاہری عبادات کی تعلیم دے اور اگر وہ حرام مال میں مشغول ہے یا کسی گناہ میں ملوث ہے تو پہلے ان باتوں کو چھوڑنے کا حکم دے پھر جب اس کا ظاہر عبادات سے مزین ہو جائے اور اس کے اعضاء ظاہری گناہوں سے پاک ہو جائیں تو حالات کے قرینے سے اس کے باطن کو دیکھے تاکہ اس کے اخلاق اور قلبی بیماریوں کو سمجھ سکے اگر اس کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ مال ہو تو وہ اس سے لے کر اچھے کاموں پر خرچ کرے اور اس کے دل کو اس سے فارغ کر دے یہاں تک کہ وہ اس (مال) کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور اگر اس میں تکبر دیکھے اور یہ کہ اس کی عزتِ نفس اس پر غالب ہے تو اسے حکم دے کہ وہ بازاروں میں جا کر گداگری کرے اور لوگوں سے مانگے کیونکہ نفس اور ریاست کی عزت اور شیخی ذلت کے بغیر نہیں جاتی اور مانگنے سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں، لہٰذا اسے ایک مدت تک اس کام پر لگائے رکھے یہاں تک کہ اس کا تکبر اور شیخی ختم ہو جائے کیونکہ تکبر مہلک بیماریوں میں سے ہے۔

اسی طرح رعونت بھی ہلاک کرنے والا ہے اور اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس کے جسم اور کپڑوں پر پاکیزگی غالب ہے اور اس پر خوشی کے باعث اس کا دل اس بات کی طرف مائل اور متوجہ ہے تو اس سے پانی کی جگہ اور گندی جگہوں کو صاف کروائے یا باورچی خانہ اور دھوئیں کی جگہ میں اس سے کام لے یعنی کہ نظافت کے سلسلے میں اس کے مزاج سے رعونت ختم ہو جائے کیونکہ جو لوگ اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھتے ہیں اور انہیں عمدہ بناتے ہیں کپڑوں کے بناؤ سنگار اور رنگ برنگے مصلے تیار کرتے ہیں ان میں اور اس دلہن میں کوئی فرق نہیں جو دن بھر اپنے بناؤ سنگار میں لگی

رہتی ہے اور اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ ایک شخص اپنے نفس کی پوجا کرتا ہے یا بت کا۔ بخاری ہے تو جو شخص غیر خدا کی پوجا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے پردے میں رہتا ہے اور جو آدمی اپنے کپڑوں میں حلال اور پاکیزہ ہونے کے علاوہ کسی بات کی رعایت کرتا ہے اور اس کی طرف اس کا دل متوجہ ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس میں مشغول ہے۔

ریاضت کے لطائف سے ہے کہ جب مرید رعونت کو چھوڑنے پر بالکل راضی نہ ہو کسی دوسری صفت کو چھوڑنا نہ چاہے اور یکدم اس کی ضد کو گوارہ نہ کرے تو مرشد کو چاہیے کہ وہ اسے اس مذموم عادت سے کسی دوسری مذموم عادت کی طرف پھیر دے جو اس سے ہلکی ہو جیسے وہ شخص جو خون کو پیشاب سے دھوتا ہے پھر پیشاب کو پانی سے دھوتا ہے جب پانی خون کو زائل نہ کرتا ہو۔ جیسے بچے کو سکول میں پہلے گیند بلا کے ذریعے ترغیب دی جاتی ہے پھر زینت اور اچھے کپڑوں کی طرف اس کے ذہن کو منتقل کیا جاتا ہے پھر ریاست اور مرتبے کے حصول کی طرف اس کو پھیرا جاتا ہے پھر آخرت کی ترغیب دیتے ہوئے جاہ و مرتبے سے اس کے ذہن کو منتقل کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جو شخص جاہ و مرتبہ کو یکدم چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہو اسے کسی دوسرے اور ہلکے مقام کی طرف منتقل کیا جائے تمام صفات کا یہی حکم ہے اسی طرح جب دیکھے کہ مرید کو کھانے کی زیادہ حرص ہے تو اسے روزہ رکھنے اور کم کھانے کا پابند بنائے پھر اسے کہے کہ وہ لذیذ کھانے پکا کر دوسروں کو کھلائے اور خود نہ کھائے یہاں تک کہ اس بات پر اس کا نفس مضبوط ہو جائے صبر کرنا اس کی عادت بن جائے اور حرص ختم ہو جائے۔

اسی طرح جب دیکھے کہ وہ نوجوان ہے اور نکاح کا شوق رکھتا ہے اور کسی عورت سے نکاح کی مالی طاقت نہیں رکھتا تو اسے روزہ رکھنے کا حکم دے اور جب دیکھے کہ اس کی شہوت پھر بھی نہیں ٹھہرتی تو اسے حکم دے کہ وہ ایک رات پانی سے افطار کرے روٹی سے نہ کرے اور دوسری رات روٹی سے افطار کرے پانی نہ پیئے اور اسے گوشت اور سالن سے بالکل روک دے حتیٰ کہ اس کا نفس ذلیل اور خواہش کم کرے۔ ارادت کے ابتدائی دور میں بھوک سے زیادہ نفع بخش کو علاج نہیں اگر دیکھے کہ اسے غصہ بہت زیادہ آتا ہے تو اسے بردبار اور خاموش رہنے کا پابند بنائے اور ایک بدمزاج آدمی کے ساتھ لگا کر اسے کی اطاعت کا حکم دے اور بداخلاق آدمی کی خدمت پر مامور کر دے حتیٰ کہ اس کا نفس برداشت کرنے کا عادی ہو جائے جیسے کسی بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنے آپ میں بردباری پیدا کرنے اور غصے کو ختم کرنے کے لیے ایسے شخص کی مزدوری کرتے جو لوگوں کے سامنے گالیاں دیتا تھا وہ اپنے نفس کو صبر کا مکلف بنانے اور غصہ پی جاتے حتیٰ کہ بردباری ان کی ایسی عادت بن گئی جو ایک ضرب المثل تھی۔ اسی طرح ایک بزرگ اپنے آپ میں بزدلی اور دل کی کمزوری محسوس کرتے تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ شجاعت کا وصف حاصل کریں تو وہ سردیوں میں جب دریا میں موجیں اٹھتی تھیں کشتی میں سوار ہوتے۔

اور ہند کے عبادت گزار سستی کا علاج یوں کرتے ہیں کہ وہ رات بھر ایک ہی طریقے پر کھڑے رہتے ہیں بعض بزرگ

اپنی ابتدائی ارادت میں جب قیام سے سستی محسوس کرتے تو وہ پوری رات سر کے بل کھڑے ہوتے تاکہ قدموں پر کھڑا ہونا آسان ہو جائے اور خوشی خوشی کھڑے ہوں اور بعض بزرگوں نے مال کی محبت کا علاج اس طرح کیا کہ تمام مال بیچ کر اس کی قیمت دریا میں پھینک دی کیوں انہوں نے مال تقسیم کرنے میں سخاوت کی شیخی اور ریا کاری کا ڈر محسوس کیا۔

تو ان مثالوں سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دلوں کا علاج کس طرح کیا جاتا ہے ہر بیماری کی دوائی کا ذکر کرنا ہماری غرض نہیں یہ بات کتاب کے دوسرے حصوں میں بیان ہوگی۔ اس وقت ہماری غرض صرف اس بات پر آگاہی ہے اور اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ نفس جو کچھ چاہتا ہے اس کے خلاف کے ساتھ اس کا علاج کیا جائے اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کو اپنی کتاب قرآن پاک کی ایک آیت میں بیان فرما دیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ (۱)

اور جس آدمی کو اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کا ڈر ہو اور اپنے آپ کو خواہشات سے روکے جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

مجاہدہ میں اصل اہم بات اپنے عزم کو پورا کرنا ہے جب خواہشات کو چھوڑنے کا عزم کرے تو اس کے اسباب آسان ہو جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش ہوتی ہے لہٰذا اس پر صبر کرنا اور مستقل مزاجی سے کام لینا چاہیے اگر نفس کو ترکِ عزم کی عادت ڈال دی تو وہ اس سے مانوس ہو کر خراب ہو جائے گا اور اگر اتفاقاً عزم ٹوٹ جائے تو مناسب یہ ہے کہ نفس پر ایک سزا مقرر کرے جیسا کہ نفس کی سزا کے سلسلے میں محاسبہ اور مراقبہ کے بیان میں ذکر کیا ہے اور اگر نفس کو سزا سے نہ ڈرائے تو وہ اس پر غالب آ جائے گا اور اس وقت اسے خواہشات لگے گا اور اس سے ریاضت مکمل طور پر فاسد ہو جائے گی۔

دل کے امراض اور ان سے صحت کی علامات

جسم کے ہر عضو کو ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی بیماری یہ ہے کہ اس کے لیے وہ کام مشکل ہو جائے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا حتیٰ کہ اس سے وہ فعل بالکل صادر نہ ہو یا کسی قسم کے اضطراب کے ساتھ عمل کرے ہاتھ کی بیماری یہ ہے کہ اس پر پکڑنا مشکل ہو جائے آنکھ کی بیماری یہ ہے کہ اس کے لیے دیکھنا مشکل ہو جائے اسی طرح دل کی بیماری یہ ہے کہ جو عمل اس کے ساتھ خاص ہے اس کا کرنا اس کے لیے مشکل ہو جائے اور وہ علم، حکمت معرفت، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی عبادت اس کے ذکر سے لطف اندوز ہونا اور اپنی ہر خواہش پر اسے ترجیح دینا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ والنازعات آیت ۴۰

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ۔ (۱)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

تو ہر عضو کا ایک فائدہ ہے اور دل کا فائدہ حکمت اور معرفت ہے انسانی نفس کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے وہ جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے کیوں کہ وہ کھانے، جماع کرنے دیکھنے اور دوسرے امور کی قوت کے ذریعے ممتاز نہیں ہوتا بلکہ حقائقِ اشیاء کی معرفت کے سبب اسے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔

اصل اشیاء کا موجد اور بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے جس نے ان کو اشیاء بنایا لہٰذا اگر وہ اشیاء کی معرفت رکھتا ہو لیکن اسے اللہ تعالیٰ کی پہچان نہ ہو تو گویا اس نے کسی چیز کو نہیں پہچانا اور معرفت کی علامت محبت ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے وہ اس سے محبت کرتا ہے اور محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ اس پر دنیا یا کسی دوسری محبوب چیز کو ترجیح نہ دے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ (۲)

آپ فرما دیجیے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا خاندان اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہو اور تمہارے پسندیدہ مکانات یہ چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم ظاہر کر دے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تو جس شخص کو کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے زیادہ پسند ہو اس کا دل بیمار ہے جس طرح وہ معدہ جو روٹی اور پانی کے مقابلے میں کیچڑ کو زیادہ پسند کرتا ہے یا وہ روٹی اور پانی کی خواہش ہی نہیں رکھتا تو وہ بیمار ہے —— یہ بیماری کی علامات ہیں۔

اس معلوم ہوتا ہے کہ تمام کے تمام دل بیمار ہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے البتہ بعض بیماریوں کا بیمار کو علم نہیں ہوتا اور دل

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۵۶

(۲) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۲۴

کی بیماری بھی ان بیماریوں سے ہے اسی لیے وہ اس سے غافل ہوتا ہے اگر اس کو پہچان ہو جائے تو اس کی کڑوی دوائی پر صبر کرنا مشکل ہو جائے کیونکہ اس کی دوائی خواہشات کی مخالفت ہے اور وہ رُوح کا نکل جانا ہے اور اگر وہ خود اس پر صبر کی طاقت رکھتا بھی ہو تو کسی ماہر طبیب کو نہیں پاتا جو اس کا علاج کرے کیوں کہ طبیب علماء ہیں اور وہ خود مرض کا شکار ہیں تو بیمار معالج اس کے علاج کی طرف بہت کم توجہ کرتا ہے اس لیے یہ لاعلاج (خطرناک) بیماری بن گئی یہ علم ختم ہو گیا اور دلوں کا علاج مکمل طور پر اجنبی ہو گیا اور اس بیماری کو بھی کوئی نہیں جانتا لوگ دنیا کی محبت پر جھک پڑے اور انہوں نے ایسے اعمال کو اختیار کر لیا جو بظاہر عبادات ہیں لیکن اندرونی طور پر عادات اور دکھاوا ہیں تو اصولِ امراض کی یہ علامات ہیں۔

جہاں تک علاج کے بعد صحت کی طرف لوٹنے کی علامات کا تعلق ہے تو اسے اس بیماری کو دیکھنا چاہیے جس کا وہ علاج کر رہا ہے اگر بخل کی بیماری کا علاج کر رہا ہے اور یہ وہ بیماری ہے جو ہلاک کرنے والی اور اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے والی ہے اور اس کا علاج مال خرچ کرنا ہے لیکن بعض اوقات مال اس حد تک خرچ کیا جاتا ہے کہ وہ ضرورت سے زائد ہوتا ہے تو یہ تبذیر (زیادہ خرچ کرنا) بھی ایک بیماری ہے تو یہ ایسے ہے جیسے کوئی ٹھنڈک کا علاج گرمی سے کرے حتیٰ کہ اس پر گرمی غالب آجائے اور یہ خود ایک بیماری ہے بلکہ حرارت اور ٹھنڈک کے درمیان اعتدال مطلوب ہے اسی طرح ضرورت سے زیادہ اور ضرورت سے کم خرچ کرنے کے درمیان اعتدال مطلوب ہے تاکہ درمیانہ راستہ ہو اور دونوں کناروں سے بہت دُور ہو۔

اگر تم اس کی درمیانی حد کو معلوم کرو تو اس فعل کو دیکھو جو ممنوع خُلق سے وجود میں آتا ہے اگر وہ تمہیں اپنے مخالف فعل کے مقابلے میں زیادہ آسان اور زیادہ لذیذ نظر آتا ہے تو تم پر وہ عادت غالب ہے جو اس عمل کو واجب کرتی ہے مثلاً مال جمع کرنا تمہارے نزدیک خرچ کرنے کے مقابلے میں زیادہ لذیذ اور آسان ہو تو جان لو کہ تم پر خُلقِ بخل غالب ہے تو مال خرچ کرنے میں کچھ بڑھا کرو۔

اور اگر بطور حق مال روکنے کے مقابلے میں غیر مستحق پر خرچ کرنے ہی زیادہ لذت محسوس کرتے ہوئے اور یہ کام تمہارے نزدیک زیادہ آسان ہے تو تم پر تبذیر (ضرورت سے زائد خرچ کرنا) غالب ہے تو روکنے کی راہ اختیار کرو اور اپنے نفس کی نگرانی کرتے رہو اور افعال کی آسانی اور مشکل سے اپنے خُلق پر استدلال کرو حتیٰ کہ تمہارے دل کا تعلق مال خرچ کرنے کی طرف توجہ سے ختم ہو جائے پس وہ نہ تو خرچ کرنے کی طرف متوجہ ہو اور نہ روکنے کی طرف بلکہ تمہارے نزدیک وہ پانی کی طرح ہو جائے اب تم صرف کسی محتاج کی حاجت کے لیے روکو گے یا کسی محتاج کی حاجت کو پورا کرنے پر خرچ کرو اور تمہارے نزدیک خرچ کرنا روکنے پر ترجیح حاصل نہیں کرے گا جو دل اس کیفیت میں ہو جائے وہ اس مقام سے خاص طور پر صحیح سالم اللہ تعالیٰ کے پاس جائے گا اور واجب ہے کہ تمام بُرے اخلاق سے محفوظ ہو حتیٰ کہ تمام دنیوی رشتے منقطع ہو جائیں نہ اس کی طرف متوجہ ہو اور نہ اس کے اسباب کا شائق ہو اس وقت نفس مطمئنہ کی طرح اپنے رب کی طرف لوٹے گا کہ وہ راضی ہے اور اسے راضی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں داخل ہوتا ہے اور یہ مقرب بندے انبیاء کرام صدیقین، شہداء اور صالحین لوگ ہیں۔

اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اور جب دو طرفوں کے درمیان حقیقی اوسط درجہ نہایت باریک اور گہرا ہے بلکہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے تو جو شخص دنیا میں اس صراط مستقیم پر قائم رہتا ہے وہ آخرت میں پل صراط پر اسی طرح رہے گا اور اس صراط مستقیم سے کسی ایک جانب میلان سے دل بہت کم محفوظ رہتا ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ وہ کسی ایک جانب مائل نہ ہو تو دل اس جانب سے متعلق ہوتا ہے جس طرف وہ مائل ہوتا ہے اس لیے اسے کچھ نہ کچھ عذاب ضرور ہوگا اور وہ دوزخ کے اوپر سے گزرے گا اگرچہ بجلی کی چمک کی طرح ہو۔

ارشاد خداوندی ہے،

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ (۱)

اور تم میں سے ہر ایک نے دوزخ پر سے گزرنا ہے یہ آپ کے رب کی طرف سے ایک مقرر کردہ بات ہے پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے۔

یعنی وہ لوگ جو صراط مستقیم کے قریب زیادہ رہے اور ان کی دوری کم رہی اور اس پر استقامت کے مشکل ہونے کی وجہ سے ہر بندے پر واجب ہے کہ ہر دن سترہ بار دعا مانگے یعنی "اھدنا الصراط المستقیم" "یا اللہ ہمیں سیدھے راستے پر رکھنا"، پڑھے کیوں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے (۲)

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے یہ الفاظ کیوں فرمائے کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے کہا ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ۔ (۳)

جیسے آپ کو حکم دیا گیا استقامت اختیار کریں۔

تو سیدھے راستے پر استقامت نہایت دشوار ہے لیکن بندے کو کوشش کرنی چاہیے کہ اگر وہ اس کی حقیقت پر قادر نہیں ہو سکتا تو کم از کم اس کے قریب ہو پس جو شخص نجات چاہتا ہے تو اعمالِ صالحہ کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی اور اعمالِ صالحہ کا صدور اخلاقِ حسنہ کے بغیر نہیں ہو سکتا تو ہر شخص کو اپنی صفات و اخلاق کی طرف توجہ دینا چاہیئے اور ترتیب وار ایک ایک کا علاج کرنا چاہیے ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں متقی لوگوں میں کر دے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۱)

(۲) فقہ حنفی کے مطابق چار رکعات والی نماز میں صرف دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ واجب ہے نیز مقتدی پر واجب نہیں۔

(۳) قرآن مجید سورۂ ہود آیت ۱۱۲

اپنے عیب پہچاننے کا راستہ

یہ بات جان لینا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے ذاتی عیب بھی دکھاتا ہے تو جس کی بصیرت کارآمد ہو اس پر اس کے عیب پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ اور جب عیب کی پہچان ہو جائے تو علاج بھی ممکن ہے لیکن اکثر لوگ اپنے نفسانی عیبوں سے بے علم ہوتے ہیں ایک شخص دوسرے مسلمان بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھ لیتا ہے لیکن اپنی آنکھ میں شہتیر نظر نہیں آتا تو جو شخص اپنے عیب جاننا چاہتا ہو اس کے لیے چار طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:

ایسے مرشد کے سامنے بیٹھے جو نفس کے عیبوں کو دیکھ سکتا ہو اور پوشیدہ آفات کو معلوم کر سکتا ہو لہٰذا اس مرشد کی ہدایت کے مطابق مجاہدہ کرے کیونکہ مرشد کے ساتھ مرید کی اور استاذ کے ساتھ شاگرد کی یہی حالت ہے استاذ اور مرشد اسے اس کے ذاتی عیب کی پہچان بھی کراتے ہیں اور اس کے علاج کا طریقہ بھی بتاتے ہیں لیکن اس زمانے میں یہ صورت نادر الوجود ہے۔

دوسرا طریقہ:

کوئی سچا دوست تلاش کرے جو صاحبِ بصیرت اور دیندار ہو اسے اپنے نفس کا نگران بنائے تاکہ وہ اس کے احوال و افعال کو دیکھتا رہے پس جو کچھ اس کے اخلاق اور افعال سے ناپسند کرے نیز ظاہری اور باطنی عیب دیکھے اسے اس سے آگاہ کر دے دانا لوگ اور اکابر ائمہ دین اسی طرح کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیب بتاتا ہے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اپنے عیبوں کے بارے میں پوچھا کرتے تھے جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو فرمایا کیا آپ تک میری کوئی ایسی بات پہنچی ہے جو آپ کو ناپسند ہو انہوں نے بتانے سے معذرت کر لی لیکن آپ نے اصرار فرمایا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دستر خوان پر دو سالن جمع فرماتے ہیں اور آپ کے پاس کپڑوں کے دو جوڑے ہیں ایک رات کا اور دوسرا دن کا۔ فرمایا اس کے علاوہ بھی کوئی بات پہنچی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاں تک ان دو باتوں کا تعلق ہے تو اس سے تسلی رکھئے (مطلب یہ کہ اس کی کوئی وجہ ہے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھتے اور فرماتے منافقین کے بارے میں آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار ہیں کیا آپ کو مجھ میں منافقت کے آثار نظر آتے ہیں؟

تو اس قدر بلند مرتبہ شخصیت اور عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ اپنے نفس کو اس قدر تہمت لگاتے تھے

توجس شخص کی عقل زیادہ اور منصب بلند ہو وہ خود پسندی کم کرے گا اور اپنے آپ پر تہمت زیادہ باندھے گا۔
لیکن یہ صورت بھی ناپید ہوگئی کیونکہ بہت کم دوست ایسے ہیں جو مداہنت چھوڑ دیں اور عیب بتائیں (مقصد یہ ہے کہ لوگ منہ پر تعریف ہی کرتے ہیں)
یا حسد کو نہیں چھوڑتے اور ضروری بات سے زیادہ نہیں بتاتے دوستوں میں حسد کرنے والے یا غرض مند لوگ ہوتے ہیں وہ اس بات کو بھی عیب جانتے ہیں جو عیب نہیں یا خاموشی اختیار کرتے ہیں اور یوں تمہیں اپنے عیبوں کا پتہ نہیں چلتا۔ اسی لیے حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ نے لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلی ان سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں کے ساتھ مل جل کر کیوں نہیں رہتے؟ تو انہوں نے فرمایا میں ایسے لوگوں کو کیا کروں جو مجھ سے میرے عیب چھپاتے ہیں۔
تو دین دار لوگوں کی خواہش ہوتی تھی کہ دوسرے لوگوں کے بتانے سے وہ اپنے عیبوں پر مطلع ہوں لیکن اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ ہم اس شخص کو زیادہ ناپسند کرتے ہیں جو ہماری خیر خواہی کرتے ہوئے ہمیں ہمارے عیبوں پر مطلع کرے اور یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے کیونکہ برے اخلاق سانپ اور بچھو ہیں جو ڈسنے والے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہمیں خبردار کرے کہ تمہارے کپڑوں کے نیچے بچھو ہے تو ہم اس شخص کے احسان مند ہوتے ہیں اس کے بتانے پر خوش ہوتے ہیں اور بچھو کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسے ڈراتے دھمکاتے اور قتل کرتے ہیں حالانکہ اس کا زہر صرف بدن کو پہنچتا ہے اور تکلیف بھی ایک دو دن رہتی ہے لیکن برے اخلاق کا وبال دل کے اوپر ہوتا ہے اور اس بات کا ڈر ہے کہ وہ موت کے بعد بھی باقی رہے یا کم از کم کئی ہزار سال تک باقی رہے لیکن جب کوئی شخص ہمیں اس پر مطلع کرتا ہے تو ہمیں خوشی نہیں ہوتی اور ہم اس کے ازالے میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ ہم نصیحت کرنے والے کو اسی طرح کا جواب دے اس میں عیب نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم بھی فلاں فلاں کام کرتے ہو اور اس کی نصیحت سے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے اس سے دشمنی کرنے لگتے ہیں اور یہ بات دل کی سختی کی وجہ سے ہوتی ہے جس کا نتیجہ گناہوں کی کثرت ہے اور ان سب کی اصل ایمان کی کمزوری ہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہدایت عطا فرمائے ہمیں ہمارے عیب دکھاوے اور ان کے مداوا میں مشغول رکھے نیز ہمیں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ہمیں ہماری برائیوں پر مطلع کرتے ہیں۔

تیسرا طریقہ:

اپنے دشمنوں کی زبان سے اپنے عیبوں کی پہچان حاصل کرے کیونکہ وہ تو عیبوں کی تلاش میں رہا کرتے ہیں اور انسان عام طور پر انسان اس دشمن سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے جو اس کے عیب تلاش کرتا ہے جب کہ دوست خوشامد کا راستہ اپناتا ہے اور اس کی تعریف و توصیف میں رہتا ہے لہٰذا اس پر عیب مخفی رہتے ہیں لیکن انسان فطرتاً دشمن کو جھوٹ قرار دیتا ہے اور اس کی بات کو حسد پر محمول کرتا ہے جب کہ صاحب بصیرت شخص دشمنوں کی بات سے ضرور فائدہ اٹھاتا ہے کیونکہ برائیاں لازماً ان کی زبان پر آتی ہیں۔

چوتھا طریقہ:
لوگوں میں مل جل کر رہے اور دوسروں میں جو ناپسندیدہ بات، دیکھے اپنے نفس میں بھی اسے خیال کرے اور اس کی طرف اسے منسوب کرے کیوں کہ ایک مومن، دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہے لہٰذا اس کے عیبوں کو اپنے عیب سمجھے اور یہ بات جان لے کہ طبیعتیں خواہش کی اتباع میں ایک دوسرے کے قریب ہیں تو جو بات ایک میں دوسرے کی اصل سے جدا نہیں ہو سکتی یا تو اس سے زیادہ ہوگی یا کچھ نہ کچھ ہوگی۔

لہٰذا اپنے نفس کا خیال رکھتے ہوئے جس بات کو دوسروں میں قابلِ مذمت دیکھے اس سے اپنے نفس کو پاک کر دے تادیب کا یہ طریقہ کافی ہے اگر لوگ ان تمام باتوں کو ترک کر دیں جن کو دوسروں سے ناپسند کرتے ہیں تو کسی ادب سکھانے والے کی ضرورت نہ ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ آپ کو ادب کس نے سکھایا آپ نے فرمایا مجھے کسی نے ادب نہیں سکھایا میں نے جاہل کی جہالت کو دیکھا کہ وہ عیب ہے تو میں خود اس سے بچ گیا یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے ہے جن کو کوئی عارف، پاکیزہ، اپنے عیبوں کو جاننے والا مشفق، دین میں ناصح اور اپنے نفس کی تہذیب سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی تہذیب میں مشغول ہونے والا مرشد نہ ملے اگر کوئی ایسا مرشد مل جائے تو گویا معالج مل گیا اب اس کا ساتھ نہ چھوڑے وہی مرض سے نجات دلائے گا اور جس ہلاکت میں یہ شخص پڑا ہوا ہے اس سے بچائے گا۔

امراضِ قلب کا علاج خواہشات کو چھوڑنا اور انکی بیماری خواہشات کی اتباع ہے کے نقلی دلائل

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اگر اس کو غور و فکر کی نظر سے دیکھو تو تمہاری بصیرت کھل جائے گی اور دل کی بیماریاں اور خرابیاں نیز ان کا علاج علم و یقین کے نور کے ساتھ تمہارے سامنے واضح ہو جائے گا

اگر تم اس سے عاجز ہو جاؤ (یوں معلوم نہ کر سکو) تو تقلید اور دوسروں سے حاصل کرنے کے ذریعے اس کی تصدیق ضرور کرو کیوں کہ جس طرح علم کا ایک درجہ ہے اسی طرح ایمان کا اپنا ایک الگ درجہ ہے اور علم، ایمان کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اس کا درجہ اس سے اوپر ہے:

ارشادِ خداوندی ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات بلند فرمائے گا جو تم میں ایمان لائے اور اہلِ علم کے درجات بہت بلند ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ مجادلہ آیت ۱۱

پس جو شخص اس بات کی تصدیق کرے کہ خواہشات کی مخالفت ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہے لیکن اس کے سبب اور راز سے واقف نہ ہو وہ ایمان والوں میں سے ہے لیکن جب اس کے سبب اور راز سے بھی واقف ہو جائے تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو علم دیا گیا اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھا وعدہ فرمایا اس بات پر ایمان لانے سے متعلق قرآن و سنت اور علماء کرام کے اقوال سے بے شمار دلائل ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ (۱)

اور جس نے اپنے نفس کو خواہش سے روکا جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔ (۲)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے آزمالیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ بَيْنَ خَمْسِ شَدَائِدَ مُؤْمِنٍ يَحْسُدُهٗ وَمُنَافِقٍ يُبْغِضُهٗ وَكَافِرٍ يُقَاتِلُهٗ وَشَيْطَانٍ يُضِلُّهٗ وَنَفْسٍ تُنَازِعُهٗ (۳)

مومن پانچ سختیوں کے درمیان ہے مومن جو اس سے حسد کرتا ہے منافق جو اس سے دشمنی رکھتا ہے کافر جو اس سے لڑتا ہے شیطان جو اسے گمراہ کرتا ہے اور نفس ہے جو اس سے جھگڑتا رہتا ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ نفس دشمن ہے جو جھگڑتا رہتا ہے لہذا اس سے مجاہدہ واجب ہے ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد علیہ السلام! اپنے ساتھیوں کو خواہشات کے کھانے سے ڈراؤ بچاؤ۔ کیونکہ جن دلوں کی عقلیں دنیوی خواہشات سے متعلق ہیں وہ مجھ سے پردے میں ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو بن دیکھے وعدہ کے لیے موجودہ خواہش کو چھوڑ دیتا ہے۔

ایک جماعت جہاد سے واپس آئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

مَرْحَبًا بِكُمْ قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ

تمہیں مبارک ہو تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف

---

(۱) قرآن مجید، سورہ والنازعات - آیت ۴۰، ۴۱

(۲) قرآن مجید، سورہ الحجرات آیت ۳

(۳) کنز العمال جلد اول ص ۱۶۱ حدیث ۸۰۹

اِلَی الْجِھَادِ الْاَکْبَرِ۔ آئے ہو۔ (۱)

عرض کیا گیا یا رسول اللہ "جہاد اکبر" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نفس سے جہاد کرنا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔ (۲) مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنے نفس سے لڑتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے نفس کی اذیت کو اپنے آپ سے دور رکھو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس (نفس) کی خواہش کے پیچھے نہ چلو اس طرح وہ قیامت کے دن تم سے جھگڑا کرے گا اور تمہارے جسم کا بعض بعض کو لعنت کرے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ بخش دے اور پردہ پوشی فرمائے (۳)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں نفس سے سخت ترین علاج میں نے کسی کا نہیں دیکھا کبھی میرے لیے مفید ہوتا ہے اور کبھی نقصان دہ حضرت ابوالعباس موصلی رحمہ اللہ اپنے نفس سے فرماتے اے نفس! نہ تو دنیا میں شاہزادوں کے ساتھ دنیا سے لطف اندوز ہوتا ہے اور نہ طلب آخرت میں عبادت گزار لوگوں کے ساتھ محنت اٹھاتا ہے گویا تو نے مجھے جنت اور دوزخ کے درمیان روک رکھا ہے اے نفس! تجھے شرم نہیں آتی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں سرکش جانور کو تیرے نفس سے بڑھ کر لگام کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ریاضت کی تلواروں کے ساتھ نفس سے لڑنا چاہیے اور ریاضت کی چار صورتیں ہیں۔ ضرورت کے مطابق کھانا، کم سونا، حاجت کے مطابق کلام کرنا اور تمام لوگوں کی ایذا کو برداشت کرنا تھوڑا کھانے سے خواہشات کی موت واقع ہوتی ہے، کم سونے سے نیت صاف ہوجاتی ہے گفتگو کم کرنے سے آفات سے بچ جاتا ہے اور اذیت برداشت کرنے سے بلند مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے اور بندے پر ظلم کے وقت بردباری اور اذیت پر صبر سے بڑھ کر کوئی چیز سخت نہیں اور جب نفس سے خواہشات اور گناہوں کا ارادہ حرکت کرے نیز فضول کلام کی مٹھاس جوش مارے تو چاہیے کہ تھوڑا کھانے کی تلوار کو تہجد پڑھنے اور کم سونے کی نیام سے باہر لائے۔ اور اس پر خاموشی کا تازیانہ لگائے حتیٰ کہ وہ ظلم اور انتقام سے باز آجائے اور یوں وہ سب لوگوں کے درمیان اس کے وبال سے بچ جائے اور خواہشات کی ظلمت سے اسے صاف اور روشن کردے اس طرح اس کی آفات سے نجات مل جائے گی اور اس وقت پاک صاف، نوری اور ہلکا پھلکا روحانی

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۱۳ص ۴۹۳ ترجمہ ۷۳۴۵

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۱ مرویات فضالہ بن عبید انصاری

(۳)

ہو جائے گا اور نیکیوں کے میدان میں دوڑ لگائے گا عبادات کے راستوں میں یہ اس طرح چلے گا جس طرح تیز گھوڑا میدان میں دوڑتا ہے اور جس طرح بادشاہ باغ میں سیر کرتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معین رازی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ انسان کے دشمن تین ہیں اس کی دنیا، شیطان اور نفس، دنیا سے زہد (بے رغبتی) اختیار کر کے اس سے بچو شیطان کی مخالفت کر کے اس سے محفوظ رہو اور خواہشات کو چھوڑنے کے ذریعے نفس سے حفاظت میں رہو۔

بعض دانا لوگوں کا قول ہے کہ جس شخص پر اس کا نفس غالب ہو جائے وہ خواہشات کے کنویں میں قید ہو جاتا ہے چاہتوں کے قید خانہ میں بند ہو جاتا ہے اور اسے بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں اور اس کی لگام اس نفس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ جہاں چاہتا ہے اسے کھینچتا پھرتا ہے اور اس کے دل کو فوائد سے روک دیتا ہے حضرت جعفر بن حمید رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء اور حکماء اس بات پر متفق ہیں کہ (اُخروی) نعمتوں کا حصول (دنیوی) نعمتوں کو چھوڑنے کے بغیر نہیں ہوتا۔

حضرت ابو یحییٰ وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے اپنے اعضاء کو خواہشات کے ذریعے راضی کرتا ہے وہ اپنے دل میں ندامتوں کے درخت لگاتا ہے حضرت وہیب بن ورد فرماتے ہیں ایک روٹی سے زائد جو کچھ ہے وہ خواہش ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص دنیا کی خواہشات کو پسند کرتا ہے وہ ذلت کے لیے تیار ہو جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام زمین کے خزانوں (مصر کی بادشاہی) کے مالک ہو گئے اور بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ پیدل جا رہے تو حضرت زلیخا ایک ٹیلے پر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں وہ ذات پاک ہے جس نے بادشاہوں کو ان کے گناہ کی وجہ سے غلام بنا دیا اور اپنی اطاعت کے باعث غلاموں کو بادشاہ بنایا حرص اور خواہش نے بادشاہوں کو غلام بنایا اور یہ فساد کرنے والوں کا بدلہ ہے، اور صبر و تقویٰ نے غلاموں کو بادشاہ بنا دیا اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔

اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (۱)	بے شک جو شخص تقویٰ اختیار کرتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں رات کے وقت جاگا اور اپنے وظیفہ میں مشغول ہو گیا لیکن میں نے اس میں کوئی چاشنی اور لذت نہ پائی جو پہلے پایا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے سونے کا ارادہ کیا لیکن سو نہ سکا اور بیٹھ گیا لیکن بیٹھ بھی نہ سکا تو باہر نکل گیا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کمبل میں لپٹا ہوا راستے میں پڑا ہے وہ میرے آنے پر مطلع ہوا تو کہنے لگا اے ابو القاسم! ذرا میرے پاس تشریف لائیں میں نے کہا حضرت! پہلے سے تو آپ نے کوئی اطلاع نہیں کی اس شخص نے

(۱) قرآن مجید، سورۂ یوسف آیت ۹۰۔

کہا جی ہاں، میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ تیرے دل کو میرے بیے متحرک کرے میں نے کہا وہ تو ہو گیا اب تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے کہا نفس کی بیماری اس کا علاج کب بنے گی؟ میں نے کہا جب تو نفس کی خواہش میں اس کی مخالفت کرے، چنانچہ وہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے نفس! سن لے میں نے تجھے اس بات کے ساتھ سات بار جواب دیا لیکن تو نے انکار کیا اور کہا کہ میں حضرت جنید بغدادی سے ہی سنوں گا تو اب تم نے سن لیا پھر وہ شخص چلا گیا اور میں نے اسے پہچان نہ سکا۔

حضرت بزید رقاشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا میں مجھ سے ٹھنڈا پانی دور کرو تاکہ میں آخرت میں اس سے محروم نہ ہوں ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ میں کب گفتگو کروں؟

انہوں نے فرمایا جب تمہیں خاموشی کی تمنا ہو۔ پوچھا میں خاموش کب رہوں؟ فرمایا جب تم گفتگو کرنا چاہو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس آدمی کو جنت کا شوق ہو وہ دنیا میں خواہشات سے الگ رہے۔ حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ بازار میں چکر لگاتے جب کسی چیز کو دیکھتے اور اس کی خواہش پیدا ہوتی تو اپنے نفس سے فرماتے صبر کر اللہ کی قسم میں تجھے اس لیے روکتا ہوں کہ میں تجھے اپنے نزدیک بڑا سمجھتا ہوں تو علماء و حکماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آخرت کی سعادت کا راستہ صرف اور صرف اپنے نفس کو خواہش سے روکنا اور خواہشات کی مخالفت کرنا ہے لیکن اس بات کی تفصیل کہ کونسی خواہشات کو چھوڑا جائے اور کونسی خواہشات کو نہ چھوڑا جائے اس بات کا ادراک ہماری گذشتہ گفتگو سے ہو سکتا ہے۔

ریاضت کا خلاصہ اور راز یہ ہے کہ نفس اس چیز سے نفع حاصل نہ کرے جو قبر میں پائی نہیں جاتی ہاں ضرورت کے مطابق صحیح ہے لہٰذا کھانے، نکاح، لباس، مکان اور ہر اس چیز پر اکتفا کرے جس کی طرف مجبور ہو اور یہ بھی حاجت اور ضرورت کی مطابق ہو کیونکہ اگر وہ کسی چیز سے نفع حاصل کرے گا تو اس سے مانوس ہو گا پھر جب فوت ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے دنیا کی طرف رجوع کی تمنا کرے گا اور دنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا وہی کرتا ہے جس کا آخرت میں کسی حال میں کوئی حصہ نہ ہو اور اس سے چھٹکارا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دل اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت میں مشغول ہو اس میں غور و فکر کرے اور دنیا سے تعلق توڑ کر اس سے تعلق جوڑے اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر قادر نہیں ہو سکتا اور دنیا سے اسی قدر پر اکتفا کرے جو ذکر و فکر سے مانع نہ ہو اور جو شخص حقیقتاً ایسا نہ کر سکے وہ اس کے قریب جائے اور اس سلسلے میں لوگ چار قسم پر ہیں ایک وہ شخص جس کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور وہ معاشی ضرورتوں کے علاوہ دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا وہ صدیقین میں سے ہے اور اس رتبے تک طویل ریاضت اور عرصہ دراز تک خواہشات سے صبر کرنے کی صورت میں پہنچتا ہے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کے دل دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ان کے دل میں ذکر خداوندی باقی نہیں رہتا

محض زبانی بات ہوتی ہے یعنی وہ زبان سے ذکر کرتے ہیں دل سے نہیں یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔

تیسرا وہ شخص ہے جو دنیا اور دین دونوں میں مشغول ہوتا ہے لیکن اس کے دل پر دین ہی غالب ہوتا ہے اس شخص کا جہنم کی آگ میں داخل ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ اس کے دل پر ذکرِ خداوندی کا غلبہ ہوتا ہے لہٰذا اس سے جلد ہی نجات پائے گا۔

چوتھی قسم کے لوگ وہ ہیں کہ ایک شخص دین و دنیا دونوں میں مشغول ہوتا ہے لیکن اس کے دل پر دنیا غالب ہے وہ زیادہ دیر تک جہنم کی آگ میں رہے گا لیکن بہرحال وہاں سے نکلے گا کیوں کہ اس کے دل میں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے وہ قوی ہے اور وہ دل کی گہرائیوں سے ذکر کرتا تھا اگرچہ اس کے دل پر دنیا کا ذکر زیادہ غالب تھا یا اللہ! ہم ذلت و رسوائی سے تیری پناہ چاہتے ہیں بے شک تجھ سے پناہ مانگی جاتی ہے۔

بعض اوقات کوئی شخص کہتا ہے کہ مباح چیز سے لطف اندوز ہونا بھی مباح ہے لہٰذا اس لطف اندوزی کی وجہ سے وہ کس طرح اللہ تعالیٰ سے دُور ہو گا لیکن یہ کمزور خیال ہے بلکہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد اور ہر نیکی سے دُوری کا سبب ہے اور وہ مباح جو حاجت سے باہر (زائد) ہو وہ بھی دنیا ہی سے ہے اور یہ دُوری کا سبب ہے یہ بات دنیا کی مذمت کے بیان میں آئے گی۔

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ لکام پہاڑ پر تھا میں نے انار دیکھا تو میرے دل میں اس کی خواہش پیدا ہوئی میں نے ایک انار لے کر اس کو توڑا تو وہ کھٹا تھا میں چلا گیا اور اسے چھوڑ دیا پھر میں نے ایک شخص کو (زمین پر) پڑا ہوا دیکھا اس پر بھڑیں جمع ہو گئی تھیں میں نے اسے سلام کیا تو اس نے کہا اے ابراہیم! وعلیک السلام میں نے پوچھا آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ اس نے کہا جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ میں نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے ایک خاص تعلق ہے اگر آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں تو وہ آپ کو ان بھڑوں سے بچا دے اس نے کہا میں آپ کو بھی خدا رسیدہ دیکھتا ہوں اگر آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تو وہ آپ کو انار کی خواہش سے بچا لیتا بھڑوں کی اذیت دنیا میں ہی ہے لیکن انار کی خواہش سے پہنچنے والا رنج اُخروی ہے، فرماتے ہیں اسے چھوڑ کر آگے چلا گیا۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چالیس سال سے میرا نفس مطالبہ کر رہا ہے کہ میں روٹی کو کھجور کے شیرے میں تر کر کے کھاؤں لیکن میں نے نہیں کھائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کے راستے پر چلنے کے لیے دل کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک آدمی اپنے نفس کو مباح چیزوں کی لذت سے نہ روکے کیوں کہ نفس جب بعض مباح چیزوں سے نہ روکا جائے تو وہ ممنوع اور حرام چیزوں کی خواہش کرنے لگتا ہے جو شخص اپنی زبان کو غیبت اور فضول باتوں سے روکنا چاہتا ہو تو اس پر لازم

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دین کی باتوں کے علاوہ خاموشی اختیار کرے حتیٰ کہ اس سے کلام کی خواہش مر جائے وہ صرف حق کے ساتھ گفتگو کرے اب اس کی خاموشی عبادت بھی ہوگی اور گفتگو بھی ــــــ

اور جب آنکھ کی عادت بن جائے کہ وہ ہر اچھی چیز کو دیکھتی ہے تو وہ حرام چیزوں کو دیکھنے سے محفوظ نہیں رہے گی باقی تمام خواہشات کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ حلال و حرام دونوں کی خواہشات کی بنیاد ایک ہی ہے اور بندے پر واجب ہے کہ حرام سے خواہش کو روکے لہٰذا اگر وہ حاجت کی مقدار کا عادی نہیں ہوگا تو اس پر شہوت و خواہش غالب ہو جائیں گی تو مباح چیزوں کی آفات میں ہے یہ ایک مصیبت ہے اور اس کے علاوہ بے شمار آفات ہیں جو اس سے بھی بڑی ہیں وہ یہ کہ نفس دنیا میں لذتوں سے خوش ہوتا اور ان کی طرف مائل ہوتا ہے ان سے مطمئن ہوتا اور اتراتا ہے حتیٰ کہ نشے والے شخص کی طرح ہو جاتا ہے جسے اپنے نشہ سے افاقہ نہیں ہوتا اور دنیا میں یہ خوشی زہر قاتل ہے یہ رگوں میں داخل ہوتی ہے اور اس طرح دل سے خوف اور غم نکل جاتا ہے نہ موت یاد رہتی ہے اور نہ قیامت کا ہولناک منظر ــــ اور یہی دل کی موت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوا بِهَا۔ (۱)

وہ لوگ دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن بھی ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ۔ (۲)

اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی ایک نفع بخش سامان ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (۳)

جان لو! بے شک دنیا کی زندگی کھیل کود، زینت، ایک دوسرے پر فخر اور مال و اولاد بڑھانا ہے۔

اور یہ سب کچھ قابل مذمت ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سے محفوظ رکھے۔ اہل دل میں سے جو محتاط

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ یونس آیت ۷

(۲) قرآن مجید، سورۃ رعد آیت ۲۶

(۳) قرآن مجید، سورۃ حدید آیت ۲۰

لوگ ہیں انہوں نے اپنے دلوں کا امتحان لیا تو دنیا سے خوشی کی حالت میں اسے سخت، سرکش اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے ذکر سے کم متاثر پایا۔ اور جب حالتِ غم میں تجربہ کیا تو اسے نرم، صاف اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قبول کرنے والا پایا تو انہوں نے جان لیا کہ ہمیشہ غمگین رہنے اور خوشی اور اترانے کے اسباب سے دُور رہنے میں نجات ہے تو انہوں نے دل کو دنیوی نعمتوں سے دُور رکھا اور اسے حلال و حرام ہر قسم کی خواہش سے صبر کی عادت ڈالی اور یہ بات جان لی کہ حلال پہ حساب، حرام پر عذاب اور متشابہ پر جھڑک ہوگی اور یہ بھی ایک قسم کا عذاب ہی ہے اور جس شخص کو قیامت کے دن حساب میں ڈالا گیا تو اسے گویا عذاب دیا گیا تو انہوں نے اپنے آپ کو اس کے عذاب سے بچایا اور خواہشات کی قید اور غلامی سے چھٹکارا حاصل کرتے ہوئے آزادی اور دنیا و آخرت کی دائمی بادشاہی تک پہنچے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس ہوئے اس کی اطاعت میں مشغول ہوئے اور اپنے نفسوں سے وہ معاملہ کیا جو باز کو ادب سکھاتے وقت اس سے کیا جاتا ہے اسے وحشت اور اچھلنے کودنے سے مودب ہونے کی طرف پھیرا جاتا ہے یعنی اس کو پہلے اندھیرے گھر میں بند کیا جاتا ہے اور اس کی آنکھوں کو سی دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ فضا میں اڑنا چھوڑ دیتا ہے اور اڑنے سے متعلق اپنی فطرت کو بھلا دیتا ہے پھر گوشت کے ذریعے اس میں نرمی پیدا کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے مالک سے یوں مانوس ہو جائے کہ وہ اس کے بلانے پر حاضر ہو جائے۔ اور اس کی آواز سن کر واپس لوٹ آئے اسی طرح نفس اس وقت تک اپنے رب اور اس کے ذکر سے مانوس نہیں ہوتا جب تک اس کی عادت کو پہلے پہل گوشہ نشینی کے ذریعے ختم نہ کیا جائے تاکہ وہ مانوس چیزوں سے اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ کرلے پھر دوسرے مرحلے میں اسے ذکر و ثنا کی عادت ڈالی جاتی ہے اور یہ گوشہ نشینی میں ہوتا ہے تاکہ اس پر دنیا اور باقی تمام خواہشات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ اُنس اس پہ غالب آجائے۔ ابتدا میں مرید پر یہ کام بھاری ہوتا ہے پھر آخر میں وہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے جس طرح بچے کو دودھ چھڑانا بڑا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ وہ ایک گھڑی بھی اس سے صبر نہیں کر سکتا اس لیے جب دودھ چھڑایا جاتا ہے تو وہ بہت روتا اور چیختا چلاتا ہے اور دودھ کی جگہ جو کھانا اس کے سامنے رکھا جاتا ہے وہ اس سے شدید نفرت ظاہر کرتا ہے لیکن جب بالکل ہی اسے دُودھ سے روک دیا جائے تو اب اس پہ بھوک کا غلبہ ہوتا ہے اور صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے لہٰذا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھانا کھاتا ہے پھر وہ اس کی فطرت بن جاتی ہے اور اب اگر اسے ماں کے پستان کی طرف لایا جائے تو نہیں آتا اور اسے چھوڑ دیتا ہے اور اسے کھانے سے اُنس ہو جاتا ہے۔

جانور کا بھی یہی حال ہے ابتدا میں وہ زین، لگام اور سواری سے بھاگتا ہے لیکن اس سے یہ کام زبردستی لیا جاتا ہے اور جس آزادی سے وہ مانوس ہوتا ہے اس سے اس کو چھڑانے کے لیے بیڑیاں وغیرہ ڈالی جاتی ہیں پھر وہ مانوس ہو جاتا کہ اسے جس جگہ چھوڑ دیا جائے تو وہ کسی قید و بند کے بغیر ٹھہرا رہتا ہے۔

تو جس طرح پرندے اور جانور کو مودب بنایا جاتا ہے اور اس کی تادیب کا طریقہ یہ ہے کہ اسے دنیوی لذتوں کو دیکھنے

اور ان سے مانوس ہونے سے روکا جاتا ہے بلکہ وہ تمام چیزیں جو موت سے زائل ہو جاتی ہیں ان سے بھی روکا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ جس چیز سے تمہارا دل چاہے محبت کرو آخر کار وہ تم سے چھوٹ جائے گی۔ جب اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت کرے بالآخر اسے اس کو چھوڑنا پڑتا ہے اور اسے اس مشقت میں مبتلا ہونا پڑتا ہے لہذا اس کا دل اس کی محبت میں مشغول ہو جاتا ہے جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کیوں کہ یہ اس کے ساتھ قبر میں بھی رہتا ہے اور جدا نہیں ہوتا تو یہ سب کچھ چند دن صبر کرنے سے مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ اُخروی زندگی کی مدت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کم ہے اور ہر عقلمند آدمی سفر میں نیز کسی صنعت وغیرہ کے سیکھنے میں ایک مہینہ صبر کرتا ہے تاکہ اس سے ایک سال یا عمر بھر لطف اندوز ہو اور ابدی زندگی کے مقابلے میں پوری زندگی بہت کم ہے جس طرح دنیوی زندگی کے مقابلے میں ایک مہینہ بہت کم ہے لہذا صبر اور مجاہدہ چاہیئے رات کو سفر کر کے منزل مقصود پر پہنچنے والے لوگ صبح کے وقت اپنی تعریف کرتے ہیں اور وہ رات کو سونے والوں کی ندامت سے بچ جاتے ہیں مجاہدہ اور ریاضت کا طریقہ ہر شخص کے لیے مختلف ہوتا ہے کیوں کہ احوال میں اختلاف ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ ہر شخص جس دنیوی سامان سے خوش ہوتا ہے وہ اسے چھوڑ دے جو آدمی مال پر خوش ہوتا ہے یا کسی مرتبے یا وعظ کی قبولیت، قضا اور حکمرانی کے ذریعے عزت کے حصول یا تدریس اور افادہ کے سلسلے میں شاگردوں کی کثرت سے خوش ہوتا ہے تو وہ شروع شروع میں اس بات کو چھوڑ دے جس پر وہ خوش ہوتا ہے اب اگر اس کو ان میں سے کسی چیز سے روک دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ اس سے رکنے کی وجہ سے تمہارا اُخروی ثواب کم نہیں ہوگا تو وہ اس سے ناراض ہو اور دُکھ محسوس کرے تو یہ ان لوگوں میں سے ہے جو دنیوی زندگی پر خوش اور مطمئن ہوتے ہیں اور یہ بات اس کے حق میں مہلک ہے پھر جب وہ خوشی کے اسباب کو چھوڑ دے تو لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لے اور اپنے دل کی نگرانی کرے حتیٰ کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول ہو اور اس کے نفس میں جو خواہش اور وسوسے ظاہر ہوں ان کو دیکھتا رہے اور جونہی کچھ ظاہر ہو اسے اُکھاڑ پھینکے کیونکہ ہر وسوسے کا کوئی سبب ہوتا ہے اور اس وسوسے کا ازالہ اس سبب کو ختم کرنے سے ہوتا ہے لہذا اب باقی زندگی میں اسے اختیار کئے رکھے کیوں کہ مجاہدہ نفس کی انتہا موت ہی ہے۔

حُسن اخلاق کی علامات:

یہ بات جاننا چاہیئے کہ ہر انسان اپنے عیبوں سے بے خبر ہوتا ہے جب وہ تھوڑا سا بھی مجاہدہ کرتا ہے حتیٰ کہ وہ بڑے بڑے گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے تو خیال کرتا کہ اس کا نفس مہذب اور اخلاق اچھے ہو گئے تو وہ مجاہدہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو حُسن خُلق کی علامت کی وضاحت ضروری ہے کیونکہ حُسنِ خُلق ہی ایمان ہے اور بداخلاقی منافقت ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مومنوں اور منافقین کی صفات کا ذکر فرمایا اور یہ اچھے اور بُرے اخلاق کے ثمرات و نتائج ہیں ہم ان میں سے کچھ بیان کرتے ہیں تاکہ تم حُسن خلق کی نشانی جان لو۔

ارشاد خداوندی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاۗءَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۔ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ (۱)

بے شک ان مومنوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور وہ جو فضول کاموں سے منہ پھیرتے ہیں وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان لوگوں پر کوئی ملامت نہیں جو اس کے علاوہ تلاش کرے وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں وہی لوگ (جنت کے) وارث ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

(۲)

توبہ کرنے والے (اللہ تعالیٰ کی) عبادت کرنے والے حمد و ثنا کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے اور (اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے اور (اے محبوب) مومنوں کو خوشخبری سنا دیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

صرف وہی لوگ (سچے) ایمان دار ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو

(۱) قرآن مجید، سورۃ المومنون آیت ۱ تا ۱۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۱۱۲

اَلْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ (۱)

جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں وہی لوگ سچے مومن ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں بس ہمارا اسلام ہے اور وہ لوگ جو اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں رات گزارتے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب دور کر دے یقیناً اس کا عذاب ٹلنے والا نہیں یقیناً وہ قرار پکڑنے اور کھڑے ہونے کی بہت بری جگہ ہے اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو ضرورت سے زائد بھی خرچ نہیں کرتے اور اس میں تنگی بھی نہیں کرتے اور وہ اس کے درمیان اعتدال پر رہتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نہیں پکارتے اور جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا، اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو یہ کام کرے وہ یقیناً سزا پائے گا۔ اور اس پر قیامت کے دن عذاب کو بڑھا دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا سوائے اس کے کہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے بس ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کئے تو پھر اس نے اللہ سے ایسی توبہ کی جیسی کرنی چاہیے اور وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ بیہودہ لوگوں پر گزرتے ہیں تو عزت کے ساتھ

(۱) قرآن مجید سورہ انفال آیت ۲، ۳، ۴

إِمَامًا ٥ أُولَٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ٥ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ٥ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا۔

(۱)

گزر جاتے ہیں اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے وہ لوگ جنت کا سب سے بلند مقام حاصل کریں گے یہ ان کے صبر کا بدلہ ہے اور وہاں عزت و تکریم اور سلام کے ساتھ ان کی پیشوائی ہو گی وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ٹھہرنے کی کیا ہی اچھی جگہ اور کیا ہی اچھا مقام ہے آپ فرما دیں میرے رب کے ہاں تمہاری کچھ قدر نہیں اگر تم اسے نہ پکارو پس تم نے اسے جھٹلایا تو اب وہ عذاب تمہارے لیے لازم ہو گیا۔

تو جس شخص پر اس کی حالت مشکوک ہو وہ اپنے آپ کو ان آیات پر پیش کرے ان تمام صفات کا پایا جانا اچھے اخلاق کی علامت ہے اور ان سب کا نہ پایا جانا بد اخلاقی کی نشانی ہے۔ اور بعض کا پایا جانا اور بعض کا معدوم ہونا بعض اخلاق کے وجود پر دلالت کرتا ہے لہٰذا جو کچھ حاصل ہوا اس کی حفاظت کرے اور جو حاصل نہیں ہے اس کے حصول میں مشغول ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی بے شمار صفات بیان فرمائی ہیں اور ان تمام کے ساتھ اچھے اخلاق کی طرف اشارہ فرمایا آپ نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ يُحِبُّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ (۲)

مومن اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند کرتا ہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ (۳)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ فرقان آیت ۷۳ تا ۷۷

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۶ کتاب الایمان

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۹ کتاب الادب

نیز ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔ (۱)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اور آپ نے بتایا کہ مومنوں کی صفات ہی اچھے اخلاق ہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا۔ (۲)

مومنوں میں سے جس کا ایمان زیادہ کامل ہے اس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْمُؤْمِنَ صَمُوتًا وَقُورًا فَادْنُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقَّنُ الْحِكْمَةَ۔ (۳)

جب کسی مومن کو خاموش اور وقار کے ساتھ دیکھو تو اس کے قریب ہو جاؤ کیونکہ اسے حکمت سکھائی جاتی ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ (۴)

جس شخص کو اس کی نیکیاں اچھی اور برائیاں، بری معلوم ہوں وہ مومن ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يُشِيرَ إِلَى أَخِيهِ بِنَظْرَةٍ تُؤْذِيهِ۔ (۵)

کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے (مسلمان) کی طرف اذیت پہنچانے والی نظر سے دیکھے۔

اور ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی (دوسرے)

---

(۱) صحیح بخاری جلد دوم ۸۸۹ کتاب الادب

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۵۰ مرویات ابوہریرہ

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۱، ابواب الزہد

(۴) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۱۴ کتاب الایمان

(۵) کتاب الزہد والرقائق ص ۲۴۰ حدیث ۶۸۹

مُسْلِمًا - (۱)
مسلمان کو ڈرائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا یَتَجَالِسُ الْمُتَجَالِسَانِ بِاَمَانَۃِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَلَا یَحِلُّ لِاَحَدِھِمَا اَنْ یُفْشِیَ عَلٰی اَخِیْہِ مَا یَکْرَھُہٗ (۲)

بے شک دو ہمنشین اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ بیٹھے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے بھائی کے سامنے ایسی بات کرے جو اسے ناپسند ہو۔

بعض بزرگوں نے اچھے اخلاق کی علامات کو جمع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس شخص میں حیا زیادہ ہو، آزاد کم ہو، بھلائی زیادہ ہو، زبان سچی، کلام قلیل، عمل زیادہ، لغزش کم اور فضول باتیں بھی کم ہوں، نیکوکار، میل جول رکھنے والا، باوقار، صابروشاکر، راضی برضا، حلیم الطبع، پاکدامن، شفیق اور ہشاش بشاش ہو، نہ غیبت کرنے والا ہو اور نہ چغلی کھانے والا، نہ جلد باز ہو نہ حسد کرنے والا نہ ہی بخیل ہو، نہ گالی دینے والا ہو اور نہ ہی لعن طعن کرنے والا ہو ــــ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے اور اسی کے لیے نفرت کرے یہ اچھے اخلاق ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مومن و منافق کی علامات کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اِنَّ الْمُؤْمِنَ ھِمَّتُہٗ فِی الصَّلٰوۃِ وَالصِّیَامِ وَالْعِبَادَۃِ وَالْمُنَافِقُ ھِمَّتُہٗ فِی الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ کَالْبَھِیْمَۃِ۔ (۳)

مومن کی ہمت نماز، روزے اور عبادت میں ہوتی ہے جب کہ منافق کی ہمت جانوروں کی طرف کھانے پینے میں ہوتی ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن غور و فکر اور عبرت حاصل کرنے میں مصروف رہتا ہے جب کہ منافق حرص اور امید میں رہتا ہے۔

مومن اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی سے مایوس ہوتا ہے اور منافق اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی سے امید لگائے بیٹھا ہوتا ہے مومن اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی سے بے خوف ہوتا ہے جب کہ منافق اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر کسی سے ڈرتا ہے مومن اپنے مال کو دین کے لیے خرچ کرتا ہے جب کہ منافق اپنا دین، مال کے حصول کے لیے خرچ کرتا ہے مومن نیکی کرتا ہے اور روتا ہے جب کہ منافق برائی بھی کرتا ہے اور ہنستا بھی ہے مومن گوشہ نشینی اور تنہائی کو پسند کرتا ہے جب کہ منافق میل جول اور مجلسوں کو پسند کرتا ہے مومن بیج بو کر اس کے خراب ہونے سے ڈرتا ہے جب کہ منافق بیخ کنی کر کے فصل کاٹنے کی امید کرتا ہے

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۶۲ مرویات اجمال من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) کتاب الزھد والرقائق ص ۲۴۱ حدیث ۶۹۱

(۳)

مومن سیاست کے لیے امر اور نہی کرتا اور اصلاح کرتا ہے جب کہ منافق ریاست کے لیے امر و نہی کرتا ہے اور فساد ڈالتا ہے۔ (۱)

حسنِ خلق کا امتحان جن باتوں سے لیا جاتا ہے ان میں سے اذیت پر صبر کرنا اور ظلم برداشت کرنا ہے دوسروں کی بداخلاقی کی شکایت اس کی اپنی بداخلاقی پر دلالت کرتی ہے کیوں کہ اذیت برداشت کرنا بھی اچھا خلق ہے۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے کہ راستے میں ایک اعرابی ملا اس نے آپ کو بہت سخت کھینچا اور آپ پر ایک نجرانی سخت کنارے والی چادر تھی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ سخت سخت کھینچنے کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر نشان پڑ چکا تھا اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس جو مال ہے اس میں سے مجھے عطا کیجئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکرائے پھر اسے دینے کا حکم فرمایا۔ (۲)

جب قریش نے آپ کو بہت زیادہ اذیت پہنچائی اور مارا پیٹا تو آپ نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (۳) اے اللہ! میری قوم کو بخش دے بے شک یہ جانتے نہیں۔

کہا گیا ہے یہ آپ نے یہ دعا غزوۂ احد کے دن فرمائی تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ (۴) اور بے شک آپ خُلقِ عظیم کے مالک ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ ایک دن کسی صحرا کی طرف تشریف لے گئے تو ایک سپاہی آپ کو ملا اس نے کہا تم غلام ہو؟ فرمایا ہاں اس نے کہا بستی کدھر ہے؟ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ فرمایا سپاہی نے کہا میں آبادی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں آپ نے فرمایا وہ تو قبرستان ہے، یہ سن کر اسے غصہ آیا اور اس نے ایک ڈنڈا آپ کے سر میں دے مارا اور آپ کو زخمی کر کے شہر کی طرف لے آیا آپ کے ساتھی راستے میں ملے تو پوچھا یہ کیا ہوا؟ سپاہی نے سب کچھ بیان کر دیا کہ انہوں نے یہ بات کہی ہے لوگوں نے کہا یہ تو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ ہیں سپاہی گھوڑے سے اترا اور آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو چومنے لگا پھر آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ کیوں کہا کہ میں غلام ہوں فرمایا اس نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ تو کس کا بندہ ہے بلکہ صرف یہ کہا کہ تو بندہ ہے تو میں نے کہا ہاں کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ جب اس نے میرے سر میں

---

(۱) سیاست سے مراد خدمتِ خلق ہے وہ سیاست نہیں جس کا مظاہرہ آجکل ہو رہا ہے ۱۲ ہزاروی

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۱۰ مرویات انس

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۵ کتاب الانبیاء۔

(۴) قرآن مجید، سورۃ ن آیت ۴

مارا تو ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے جنت کا سوال کیا عرض کیا گیا جب اس نے آپ پر ظلم کیا تو آپ نے اس کے لیے دعا کیوں مانگی؟ فرمایا مجھے معلوم تھا کہ اس مصیبت پر مجھے ثواب ملے گا تو میں نے مناسب نہ سمجھا کہ مجھے تو اچھا اجر ملے اور اس کو عذاب ہو۔

حضرت ابوعثمان عبری رحمہ اللہ کو ایک دعوت میں بلایا گیا اور دعوت دینے والا آپ کو آزمانا چاہتا تھا جب آپ اس کے گھر پہنچے تو اس نے کہا اس وقت مجھ سے کچھ انتظام نہ ہو سکا حضرت ابوعثمان واپس لوٹ گئے جب تھوڑی دور تک گئے تو اس نے دوبارہ بلایا اور کہا اے اُستاد! واپس چلے جائیے، حضرت ابوعثمان پھر واپس ہو گئے اس نے تیسری مرتبہ بلایا اور کہا حاضر پر قناعت کیجیے، آپ واپس لوٹ گئے جب دروازے تک پہنچے تو اس نے پہلے کی طرح کہا آپ واپس ہو گئے پھر چوتھی مرتبہ بلایا اور لوٹایا اس نے کئی مرتبہ اس طرح کیا لیکن آپ میں ذرا بھر کوئی تبدیلی نہ آئی تو وہ آپ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا اے استاذ! میں آپ کو آزمانا چاہتا تھا آپ کتنے اچھے اخلاق کے مالک ہیں آپ نے فرمایا تم نے جو کچھ مجھ سے دیکھا وہ تو کتے کا خلق ہے کہ جب اسے بلایا جاتا ہے آ جاتا ہے اور جب دھتکارا جاتا ہے تو چلا جاتا ہے۔

ان ہی کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن آپ ایک گلی سے گزرے تو کسی آپ پر راکھ کا ایک ٹب پھینک دیا آپ اپنی سواری سے اترے اور سجدۂ شکر بجا لائے پھر اپنے کپڑوں سے راکھ جھاڑی اور کچھ نہ کہا عرض کیا گیا کہ آپ نے راکھ ڈالنے والے کو جھڑکا کیوں نہیں؟ فرمایا جو شخص آگ کا مستحق ہو اور اس پر راکھ پڑے تو اسے غصے میں نہیں آنا چاہیے۔

مروی ہے کہ حضرت علی بن موسیٰ رضا رحمہ اللہ کا رنگ سانولا تھا کیوں کہ ان کی والدہ سیاہ فام تھیں اور نیشاپور میں آپ کے دروازے پر ایک حمام تھا آپ جب حمام میں داخل ہونا چاہتے تو حمام والے آپ کے لیے حمام کو خالی کر دیتے ایک دن آپ داخل ہوئے تو حمام والے نے دروازہ بند کر دیا اور کسی کام کے لیے چلا گیا ایک رستاقی شخص آیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اور کپڑے اتار کر اندر چلا گیا اس نے حضرت علی بن موسیٰ رضا رحمہ اللہ کو دیکھا تو انہیں حمام کا ایک خادم خیال کرتے ہوئے کہا اٹھیں اور میرے لیے پانی لائیں حضرت علی بن موسیٰ رحمہ اللہ اُٹھے اور اس کی ہر بات کی تعمیل کرنے لگے حمام والا آیا تو رستاقی کے کپڑے دیکھے نیز حضرت علی بن موسیٰ کے ساتھ اس کی گفتگو سنی تو خوف کے مارے بھاگ گیا اور ان دونوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جب حضرت علی بن موسیٰ رحمہ اللہ باہر تشریف لائے تو حمام والے کے بارے میں دریافت فرمایا عرض کیا گیا کہ وہ اس صورت حال سے گھبرا کر بھاگ گیا ہے آپ نے فرمایا اسے بھاگنا نہیں چاہیے تھا گناہ اس شخص کا ہے جس نے اپنا پانی (نطفہ) سیاہ لونڈی کے پاس رکھا (اپنے باپ کی طرف اشارہ کیا)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ خیاط اپنی دوکان پر بیٹھتے تھے اور ایک مجوسی جوان کا مخالف تھا ان سے کپڑے سلواتا تھا آپ جب ان کے لیے کوئی کپڑا سیتے تو وہ کھوٹے درہم دیتا حضرت ابو عبد اللہ رحمہ اللہ اس سے لے لیتے اور اسے کچھ بھی نہ کہتے اور نہ ہی واپس لوٹاتے ایک دن اتفاق سے آپ کسی کام کے لیے چلے گئے مجوسی آیا اور اس نے آپ کو نہ

آیا اور اس نے آپ کو نہ پایا اس نے اُجرت آپ کے شاگرد کے حوالے کر دی اور اپنا کپڑا مانگا شاگرد نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کھوٹا ہے چنانچہ واپس کر دیا جب حضرت ابو عبداللہ واپس تشریف لائے تو اس نے واقعہ بیان کیا انہوں نے فرمایا تم نے بُرا کام کیا یہ مجوسی ایک سال سے میرے ساتھ یہی معاملہ کرتا چلا آیا ہے میں اس پر صبر کرتا ہوں اور اس سے درہم لے کر کنویں میں ڈال دیتا ہوں تاکہ وہ ان کے ذریعے کسی مسلمان کو دھوکہ نہ دے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حُسنِ اخلاق کی علامات دس باتیں ہیں اختلاف کم کرنا، اچھی طرح انصاف کرنا، انتقام نہ لینا، جو برائیاں ظاہر ہوں ان کی اچھی تاویل کرنا معذرت کرنا، اذیت برداشت کرنا، اپنے نفس کو ملامت کرتے رہنا دوسروں کی عیب جوئی کی بجائے اپنے عیب تلاش کرنا چھوٹے بڑے سے کشادہ پیشانی سے پیش آنا اپنے سے نچلے اور اوپر والے درجے کے لوگوں سے نرم کلام کرنا۔

حضرت سہل رحمہ اللہ سے حُسنِ خُلق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کا کم از کم درجہ تکلیف برداشت کرنا بدلہ نہ لینا ظالموں پر رحم کرنا، ان کے لیے بخشش مانگنا اور ان پر شفقت کرنا ہے حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے بردباری کس سے سیکھی ہے؟ فرمایا حضرت قیس بن عاصم رحمہ اللہ سے، پوچھا گیا کہ وہ کس قدر بردبار تھے؟ فرمایا وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لونڈی ان کے پاس سیخ لائی جس پر کباب تھے وہ اس کے ہاتھ سے گر کر آپ کے ایک چھوٹے بچے پر جا پڑی اور وہ مر گیا لونڈی گھبرا گئی تو انہوں نے فرمایا ڈرنے کی ضرورت نہیں میں تجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کیا۔ کہا گیا ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو جب بچے دیکھتے تو آپ کو پتھر مارتے لیکن آپ ان سے فرماتے اے میرے بھائیو! اگر مارنا ضروری ہی ہے تو چھوٹے چھوٹے پتھر مارو تاکہ میری پنڈلی سے خون نہ نکلے اور میں نماز سے رُک نہ جاؤں۔

ایک شخص نے حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کو گالی دی تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا وہ آپ کے پیچھے پیچھے چلتا تھا جب محلے کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا اگر تمہارے دل میں کوئی اور بات ہے تو وہ بھی کہہ دے تاکہ محلہ کے ناسمجھ لوگ تمہاری بات سن کر تمہیں اذیت نہ پہنچائیں۔

ایک روایت میں ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک غلام کو بلایا تو اس نے جواب نہ دیا دوسری اور پھر تیسری بار بلایا تو بھی جواب نہ دیا آپ اس کی طرف کھڑے ہوئے تو اس کو لیٹا ہوا پایا فرمایا اے غلام! تم نے میری آواز نہیں سنی تھی؟ اس نے عرض کیا سنی تھی، فرمایا پھر تو نے میری بات کیوں نہ مانی؟ اس نے کہا میں آپ کی طرف سے سزا سے بے خوف تھا لہٰذا سستی ہو گئی فرمایا جا تو اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد ہے۔

ایک عورت نے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ سے کہا اے ریاکار! آپ نے فرمایا اے فلاں عورت! تو نے میرا وہ نام نکال لیا جسے اہل بصرہ بھول چکے تھے۔

حضرت یحییٰ بن زیاد حارثی رحمہ اللہ کا ایک نہایت بد خلق غلام تھا لوگوں نے عرض کیا آپ اسے کیوں رکھتے ہیں؟ فرمایا اس لیے کہ اسے بردباری سکھاؤں۔

تو یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو ریاضت کی وجہ سے ڈھیلے ہو گئے اور ان کے اخلاق اعتدال پر آ گئے کھوٹ اور کینے وغیرہ سے ان کا باطن پاک ہو گیا اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو گئے یہی اخلاقِ حسنہ کی انتہا ہے کیوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کام کو ناپسند کرتا ہے اور اس پر راضی نہیں ہوتا وہ نہایت بداخلاق ہے تو ان لوگوں کے ظاہر پر علامات واضح ہو گئیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اگر کوئی شخص اپنے اندر یہ علامات نہ پائے تو وہ اپنے نفس کے بارے میں دھوکے میں نہ رہے کہ وہ حسن خلق سے موصوف ہے بلکہ اسے چاہیے کہ ریاضت اور مجاہدے میں مشغول رہے یہاں تک کہ اچھے اخلاق کے درجہ پر پہنچ جائے کیوں کہ یہ بہت بلند درجہ ہے اسے صرف مقربین اور صدیقین ہی پا سکتے ہیں۔

بچوں کی ریاضت تادیب اور اخلاق حسنہ کی تربیت

یہ بات جان لیکن کہ بچوں کی تربیت اور تہذیب سب سے اہم اور مؤکد بات ہے بچہ والدین کے پاس امانت ہے اس کا پاک دل ایک ایسا نفیس جوہر ہے جو ہر نقش اور صورت سے خالی ہے لہٰذا وہ ہر نقش کے قابل ہے اور اسے جس طرف مائل کیا جائے اسی طرف مائل ہو سکتا ہے اگر اسے اچھی باتوں کی تعلیم دی جائے اور ان کی عادت ڈالی جائے تو اس کی نشو و نما اسی انداز میں ہو گی اور وہ دنیا اور آخرت میں نیک بخت ہو گا نیز اس کے ثواب میں اس کے ماں باپ اس کے اساتذہ اور تربیت کرنے والے تمام لوگ شریک ہوں گے اور اگر اس کو برائی کی عادت پڑ گئی اور جانوروں کی طرح اسے ویسے ہی چھوڑ دیا گیا تو وہ بدبختی کا شکار ہو گا اور ہلاک ہو جائے گا اور اس کا گناہ اس کے مربی اور سرپرست پر ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔ (١)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔

جب بچے کو دنیا کی آگ سے بچانے کی تاکید کی جاتی ہے تو آخرت کی آگ سے بچانا نہایت ضروری ہے اور بچانے کی صورت یہ ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے اور اس کو مہذب بنایا جائے نیز اسے اچھے اخلاق سکھائے۔ اسے برے ساتھیوں سے دور رکھے عیش پسندی کی عادت نہ ڈالے اور زیب و زینت اور بناؤ سنگھار وغیرہ کی محبت اس کے دل میں پیدا نہ ہونے دے اس طرح جب وہ بڑا ہو گا تو اپنی عمر کو ضائع کرے گا اور یوں وہ ہمیشہ کے لیے ہلاک ہو جائے گا بلکہ

---

(١) قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت ٦

مناسب یہ ہے کہ شروع سے ہی اس پر نگاہ رکھے کسی نیک خاتون کی پرورش میں دے اور اس کا دودھ پلوائے ایسی عورت جو دیندار ہو اور حلال کھاتی ہو۔ کیونکہ حرام سے حاصل ہونے والے دودھ میں برکت نہیں ہوتی اب جب اس بچے کا آغاز اس حرام دودھ سے ہوگا تو اس کے ضمیر میں خباثت بھر جائے گی اور اس کی طبیعت خبیث چیزوں کی طرف مائل ہو جائے گی۔

اور پھر جب اس میں کچھ سمجھداری دیکھے تو اچھی طرح نگرانی کرے اس میں تمیز اور سمجھداری کی علامت حیا کا ظہور ہے کیونکہ جب وہ حیا کرتے ہوئے بعض کاموں کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں عقل کا نور چمک رہا ہے حتیٰ کہ وہ بعض چیزوں کو دوسری بعض کی نسبت برا سمجھتا ہے اور یوں وہ کسی چیز سے حیا کرتا ہے اور کسی سے نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تحفہ ہے اور ایک خوشخبری ہے جو اخلاق کے اعتدال اور دل کی صفائی پر دلالت کرتی ہے اور اسے بلوغت کے وقت کمالِ عقل کی خوشخبری دی جاتی ہے لہٰذا جو بچہ حیا کرنے والا ہوتا ہے اس کی طرف سے بے پرواہی اختیار نہ کی جائے بلکہ اس کے اس حیا یا سمجھداری کی وجہ سے اس کو ادب سکھایا جائے۔

شروع شروع میں بچے پر جو صفات غالب آتی ہیں وہ کھانے کی خواہش ہوتی ہے لہٰذا اس کو اس کے آداب سکھائے جائیں مثلاً یہ کہ وہ کھانا دائیں ہاتھ سے لے، لیتے وقت اس پر بسم اللہ پڑھے، اپنے سامنے سے کھائے اور دوسروں سے پہلے کھانے کی جلدی نہ کرے کھانے کی طرف چوری چوری نہ دیکھے اور نہ ہی کھانے والے کو اسی طرح دیکھے کھانا جلدی جلدی نہ کھائے بلکہ اچھی طرح چبائے پے در پے لقمہ نہ ڈالے ہاتھوں اور کپڑوں کو (سالن وغیرہ سے) بھر نہ دے کبھی کبھی روکھی روٹی کھانے کی عادت بھی ڈالے تاکہ وہ سالن کو ضروری نہ سمجھ لے اس کے سامنے زیادہ کھانے کی برائی بیان کرے اور ایسے شخص کو جانوروں سے تشبیہ دے اور اس کے سامنے زیادہ کھانے والے بچے کی مذمت کرے اور ادب کے ساتھ نیز کم کھانے والے بچے کی تعریف کرے دوسروں کو کھلانا اس کی نگاہ میں اچھا قرار دے اپنی پرواہ کم کرنے اور جو مل جائے اسی پر قناعت کرنے کی تعلیم و تربیت کرے۔

بچے کے دل میں خالص سفید غیر ریشمی کپڑوں کی محبت ڈالی جائے اور اس کے دل میں بٹھایا جائے کہ اس قسم کے کپڑے (رنگین اور ریشمی کپڑے) پہننا عورتوں اور ہیجڑوں کا کام ہے جب کہ مرد اس سے نفرت کرتے ہیں یہ بات بار بار بتائی جائے۔ جب بچے کو ریشمی یا رنگ دار کپڑا پہنے ہوئے دیکھے تو اس سے نفرت کا اظہار کرے اور اس کی مذمت کرے نیز بچے کو ان بچوں سے دور رکھے جو ناز و نعمت اور عیاشی کے عادی ہیں اور عمدہ کپڑے پہنتے ہیں۔

نیز اس شخص کے ساتھ میل جول سے بھی منع کرے جس سے سن کر اسے اس کی رغبت پیدا ہو، کیوں کہ بچے کو ابتدائی عمر میں کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ عام طور پر بداخلاق ہو جاتا ہے جھوٹ بولنے والا، حاسد، چور، چغل خور، فضول باتیں کرنے والا، ہنسنے والا، مکار اور بے پرواہ بن جاتا ہے اور ان تمام باتوں سے اسے تب ہی روکا جا سکتا ہے جب اس کی صحیح تربیت

کی جائے۔

اس کے بعد اسے مدرسے میں بھیجا چاہیئے تاکہ وہ قرآن پاک، احادیث مبارکہ اور نیک لوگوں کے واقعات سیکھے اور یوں اس کے دل میں نیک لوگوں کی محبت گھر کر جائے اور ایسے اشعار سے اسے دُور رکھے جن میں عشق اور اہل عشق کا ذکر ہو، اور ایسے ادیبوں سے بھی دُور رکھے جو اس کام کو ظرافتِ طبع خیال کرتے ہیں کیونکہ اس طرح بچے کے دل میں فساد کا بیج بو دیا جائے گا۔

پھر جب بچے سے اچھے اخلاق اور عمدہ افعال ظاہر ہوں تو اسے کچھ نہ کچھ انعام دیا جائے، اس کے کام پر خوشی کا اظہار کیا جائے اور لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کی جائے اور اگر کبھی کبھار ایک آدھ بار اس بچے سے اس کے خلاف کوئی عمل صادر ہو تو اس سے چشم پوشی کرنی چاہیے اس کی پردہ پوشی کرے اور اس پر ظاہر نہ ہونے دے کہ اسے (باپ کو) کسی شخص کا ایسا کام کرنا اچھا لگتا ہے بالخصوص جب بچہ خود اسے چھپانا چاہتا ہو اس صورت میں یہ بھی چھپانے کی کوشش کرے کیوں کہ اس کے اظہار سے بعض اوقات بچے کو جسارت ہو جاتی ہے حتی کہ وہ اس راز کے کھلنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اور اگر دوبارہ وہ ایسا کام کرے تو علیحدگی میں اسے سزا دے اور اسے تاکید کرے کہ آئندہ ایسا نہ ہو اور واضح کرے کہ اس نے بہت بڑی حرکت ہے اور بتائے کہ اگر آئندہ ایسا کرو گے تو لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے اور ہر وقت اسے جھڑکنا نہ رہے اس طرح وہ ملامت کا عادی ہو جائے گا۔ اور بُری باتوں کی عادت پڑ جائے گی اور اس کے دل میں ان باتوں کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔

باپ کو چاہیئے کہ بچے کے ساتھ کلام کرتے ہوئے مناسب طریقہ اختیار کرے اور کبھی کبھی جھڑکے اور ماں بھی اسے بُری باتوں سے روکے اور باپ کا خوف دلائے (مثلاً یہ کہ اگر تمہارے والد کو پتہ چل گیا تو وہ تمہیں سزا دے گا) مناسب ہے کہ بچے کو دن کے وقت سونے سے روکے کیوں کہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے لیکن رات کے وقت سونے سے نہ روکے البتہ نرم و گداز بستر نہ دیا جائے تاکہ اس کے اعضاء مضبوط ہو جائیں اور بدن موٹا نہ ہو جائے ورنہ وہ آرام طلب ہو جائے گا بلکہ اسے بستر، لباس اور کھانے میں آرام طلبی چھوڑنے کی عادت ڈالی جائے۔

بچے کو پوشیدہ طور پر کوئی کام کرنے سے بھی روکنا چاہیئے کیونکہ جب وہ کوئی کام چھپ کر کرتا ہے تو اس کا نظریہ یہی ہوتا ہے کہ یہ برا کام ہے اس لیے سامنے کام کرنے کی عادت ہوگی تو برے کام کو چھوڑ دے گا بچے کو دن کے وقت ورزش اور پیدل چلنے کی عادت ڈالنی چاہیے تاکہ اس پر سستی غالب نہ آجائے اور اسے اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ وہ ہاتھ پاؤں کھول کر تیز تیز نہ چلے اور نہ ہاتھوں کو لٹکائے رکھے بلکہ سینے کے ساتھ ملا کر رکھے۔

باپ کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے اس کے ذریعے اپنے ساتھیوں پر فخر و تکبر کا اظہار کرنے سے اسے منع کیا جائے بلکہ اپنے کھانے، لباس، تختی اور دوات کے ذریعے اپنی برتری نہ جتائے تواضع اور دوسرے ساتھیوں کی عزت کرنے اور

ان کے ساتھ گفتگو میں نرمی اختیار کرنے کی عادت ڈالی جائے اور اسے بچوں سے کوئی چیز لینے سے روکا جائے اور اگر وہ امیر زادہ ہے تو اسے سمجھایا جائے کہ تمہارا کام دینا ہے لینا نہیں ۔ اور اسی میں تمہاری بلندی ہے ۔ اور لینے میں ذلت و رسوائی ہے اور اگر وہ کسی غریب کا بیٹا ہے تو اسے بتایا جائے کہ لالچ اور دوسروں سے کچھ لینا ذلت ہے اور یہ کتے کا طریقہ ہے کیونکہ وہ لقمے کے انتظار میں دُم ہلاتا ہے اور اسی کی لالچ کرتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ بچے کے سامنے سونے اور چاندی کی محبت اور ان کی لالچ کو بُرا قرار دے اور اسے سانپوں اور بچھوؤں کی نسبت سونے چاندی کی لالچ سے زیادہ ڈرائے کیوں کہ بچوں بلکہ بڑوں کے لیے بھی سونے چاندی کی محبت اور طمع زہر سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے ۔

بچے کو اس بات کی عادت ڈالے کہ وہ کسی مجلس میں نہ تو تھوکے اور نہ ناک صاف کرے اور نہ ہی دوسروں کی موجودگی میں جمائی لے نہ کسی کی طرف پیٹھ کرے اور نہ پاؤں کے اوپر پاؤں رکھے ، تھوڑی کے نیچے ہتھیلی نہ رکھے اور نہ بازو کو سر کا تکیہ بنائے کیونکہ یہ سستی کی علامت ہے بچے کو بیٹھنے کا طریقہ سکھائے ، زیادہ گفتگو سے منع کرے اور اس پر واضح کرے کہ یہ بات بے حیائی کی دلیل ہے اور کمینے لوگوں کی اولاد یہ طریقہ اختیار کرتی ہے قسم اٹھانے سے بالکل منع کردے سچی قسم ہو یا جھوٹی ، تاکہ اسے بچپن میں ہی اس کی عادت ڈالے کہ وہ اسی وقت گفتگو کرے جب کسی سوال کا جواب دینا ہو اور وہ بھی سوال کے مطابق ہو ۔ اور جب کوئی دوسرا گفتگو کر رہا ہو تو اچھی طرح سنے جب کہ وہ اس سے عمر میں بڑا ہو اپنے سے بڑے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو اور اسے بیٹھنے کے لیے جگہ دے اور خود اس کے سامنے بیٹھے ۔

بچے کو لغو اور فحش کلام نیز لعن طعن اور گالی گلوچ سے منع کرے اور اس قسم کی حرکت کرنے والوں سے میل جول رکھنے سے بھی روکے کیونکہ بُری صحبت سے بھی ایسی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں ۔

(بچے کو سمجھائے کہ) جب اسے استاد مارے تو وہ چیخ و پکار نہ کرے اور نہ کسی سے سفارش کروائے بلکہ صبر کرے اور اسے بتائے کہ صبر کرنا بہادر لوگوں کا طریقہ ہے اور زیادہ شور شرابہ کرنا غلاموں اور عورتوں کا طریقہ ہے ۔

مکتب سے واپسی پر اسے اچھا کھیل کھیلنے کی اجازت دے دینی چاہیے تاکہ وہ سکول کی تھکاوٹ سے کچھ آرام پائے کیوں کہ بچہ کھیلنے سے نہیں تھکتا اور اگر بچے کو کھیل کود سے روکا جائے اور اسے مسلسل پڑھنے پر لگایا جائے تو اس کا دل مر جاتا ہے اور طبیعت کی تیزی ختم ہو جاتی ہے اور زندگی تلخ ہو جاتی ہے حتی کہ وہ اس (تعلیم) سے جان چھڑانے کے حیلے بہانے تلاش کرتا ہے بچے کو ماں باپ ، استاد اور مربی کی فرمانبرداری کی تعلیم دے اسی طرح ہر اس شخص کی اطاعت کا سبق دیا جائے جو اس سے بڑا ہے چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہو یا کوئی اجنبی ـــــ نیز بڑوں کو تعظیم کی نظر سے دیکھے ۔ اور ان کے سامنے نہ کھیلے ۔

جب بچہ کچھ سمجھداری کی عمر کو پہنچ جائے تو اب طہارت اور نماز سے اس کی غفلت کو نظر انداز نہ کرے اور اسے بعض دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم دے نیز اسے کہے کہ وہ ریشمی کپڑوں اور سونے سے بچے بلکہ اسے شریعت کے تمام ضروری احکام سکھائے

اسے چوری اور حرام خوری سے خوف دلائے، نیز خیانت، جھوٹ، بد کلامی اور ہر اس بات سے ڈرائے جو بچوں پر غالب آتی ہے۔
جب بچوں کی یوں نشو و نما ہو گی تو ممکن ہے کہ بلوغت کے قریب وہ ان امور کے اسرار و رموز سے واقف ہو جائیں۔
اب اس کے سامنے ذکر کرے کہ کھانے دواؤں کی طرح ہیں۔ اور ان کا مقصد جسم کو عبادت خداوندی پر قوت پہنچانا ہے اور دنیا کی کوئی اصل نہیں کیونکہ یہ باقی رہنے والی نہیں نیز موت دنیا کی نعمتوں کو ختم کر دیتی ہے یہ دنیا گزرگاہ ہے مستقل ٹھہرنے کی جگہ نہیں آخرت مستقل ٹھکانہ ہے گزرگاہ نہیں ہر وقت موت کا منتظر رہنا چاہیے نیز عقلمند آدمی وہ ہے جو دنیا سے آخرت کے لیے سامان حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا درجہ بلند ہو جاتا ہے۔ اور جنت کی وسعتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

جب نشو و نما اچھی طرح ہو گی تو بالغ ہونے وقت یہ باتیں اچھی طرح اثر انداز ہوں گی اور پتھر پر لکیر کی طرح ہوں گی اور اگر اس کے خلاف نشو و نما ہو حتیٰ کہ بچہ کھیل کود، فحش کلامی، بے حیائی، کھانے لباس، زینت کی حرص اور اس پر فخر کو اختیار کرے تو اس کے دل پر قبول حق کا کوئی اثر نہ ہو گا جس طرح خشک دیوار مٹی کو قبول نہیں کرتی ——— خلاصہ یہ ہے کہ لڑکوں کی ابتدائی تربیت ضروری ہے کیونکہ بچے اپنے جوہر تخلیق کے اعتبار سے خیر و شر دونوں کو قبول کرتے ہیں اور ماں باپ انہیں کسی ایک جانب مائل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَإِنَّمَا أَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ (۱)

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تین سال کی عمر کا تھا کہ رات کے وقت اٹھ کر اپنے ماموں حضرت محمد بن سوار رحمہ اللہ کو نماز پڑھتے دیکھتا ایک دن انہوں نے مجھ سے فرمایا کیا تو اس اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا جس نے تجھے پیدا فرمایا؟ میں نے پوچھا میں اسے کس طرح یاد کروں؟ فرمایا جب لیٹنے لگو تو تین بار زبان کو حرکت دیے بغیر محض دل میں یہ کلمات کہو۔

اَللّٰهُ مَعِيَ اَللّٰهُ نَاظِرٌ اِلَيَّ اَللّٰهُ شَاهِدٌ۔

اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ مجھے دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ میرا گواہ ہے۔

(فرماتے ہیں) میں نے چند راتیں یہ کلمات پڑھے اور پھر ان کو بتایا انہوں نے فرمایا ہر رات سات مرتبہ پڑھو، میں نے ایسا ہی کیا اور پھر ان کو مطلع کیا فرمایا ہر رات گیارہ مرتبہ یہ کلمات پڑھو (فرماتے ہیں) میں نے اسی طرح پڑھا تو میرے دل میں اس کی لذت معلوم ہوئی جب ایک سال گزر گیا تو میرے ماموں نے کہا میں نے جو کچھ تمہیں سکھایا ہے اسے یاد کرو اور قبر میں جانے تک ہمیشہ پڑھتے رہنا یہ تمہیں دنیا اور آخرت میں نفع دے گا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۸۵ کتاب الجنائز

فرماتے ہیں میں نے کئی سال تک ایسا کیا تو میں نے اپنے اندر اس کا مزہ پایا۔

پھر ایک دن میرے ماموں نے فرمایا اے سہل! اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ ہو، اسے دیکھتا ہو اور اس کا گواہ ہو، کیا وہ اس کی نافرمانی کرتا ہے؟ اپنے آپ کو گناہ سے بچاؤ۔ میں تنہائی میں یہ ذکر کرتا رہا پھر انہوں نے مجھے مکتب میں بھیج دیا میں نے سوچا کہیں میرے ذکر میں خلل نہ آجائے لہٰذا استاذ سے یہ شرط مقرر کرلی کہ میں ان کے پاس جاکر صرف ایک گھنٹہ پڑھوں گا اور واپس آجاؤں گا پھر میں نے مکتب میں جاکر قرآن پاک سیکھا اور حفظ کیا اس وقت میں چھ یا سات سال کا تھا۔ میں روزانہ روزہ رکھتا بارہ سال تک میں جو کی روٹی کھاتا رہا تیرہ سال کی عمر میں مجھے ایک مسئلہ پیش آیا میں نے گھر والوں سے کہا کہ مجھے بصرہ والوں کے پاس بھیج دیں تاکہ میں ان سے اس مسئلے کا حل دریافت کروں میں بصرہ میں آیا اور وہاں کے علماء کے بارے میں پوچھا لیکن ان میں سے کسی نے مجھے شافی جواب نہ دیا پھر میں عبادان کی طرف چلا گیا وہاں ایک صاحب ابو حبیب حمزہ بن ابی عبداللہ عبادانی کے نام سے معروف تھے میں نے ان سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے مجھے جواب دیا میں ایک عرصہ تک ان کے پاس رہا ان کے کلام سے نفع حاصل کرتا اور ان سے آداب سیکھتا پھر میں تستر (مقام) کی طرف آگیا میں نے اپنی روزی کا انتظام یوں کیا کہ میرے لیے ایک درہم کے ایک فرق (چار کلو) جو خریدے جاتے اور انہیں پیس کر روٹی پکائی جاتی میں ہر رات سحری کے وقت ایک اوقیہ (گرام) روٹی کھاتا جس میں نہ نمک ہوتا اور نہ ہی سالن، یہ ایک درہم مجھے سال بھر کے لیے کافی ہوتا۔

پھر میں نے ارادہ کیا کہ تین دن مسلسل روزہ رکھوں گا اور اس کے بعد افطار کروں گا۔ پھر پانچ دن، پھر سات اور پھر پچیس دنوں کا مسلسل روزہ رکھا بیس سال تک یہی طریقہ رہا پھر میں نے کئی سال تک سیر و سیاحت کی واپس تستر آیا تو جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا شب بیداری اختیار کرلی حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے انہوں نے مرتے دم تک نمک استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مرید بننے کی شرائط، مجاہدے کے مقدمات اور ریاضت کے راستے میں

مرید کی تدریجی ترقی

جو شخص اپنے دل سے آخرت کا یقینی مشاہدہ کرلیتا ہے وہ لازماً آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرنے والا اس کا مشتاق ہوجاتا ہے اس کے راستوں پر چلتا ہے اور دنیا کی نعمتوں اور ان کی لذتوں کو حقیر جانتا ہے کیونکہ جس شخص کے پاس ایک منکا ہو اور وہ کوئی نفیس جوہر دیکھ لے تو اب اسے منکے کی رغبت نہیں رہتی اور جوہر کے بدلے میں اسے بیچنے کا ارادہ مضبوط ہوجاتا ہے۔

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا طالب ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ

اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اور ایمان سے مراد محض دل کا قبول اور زبان پر کلمہ شہادت کا جاری ہونا نہیں۔
کہ اس میں صدق و اخلاص نہ ہوا ایسا ایمان تو اس شخص کے قول کی طرح ہے جو اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ جوہر مہنگے سے بہتر ہے لیکن وہ جوہر کے لفظ کو جانتا ہے اس کی حقیقت کا علم نہیں رکھتا اور اس قسم کی تصدیق کرنے والا حب مہنگے سے محبت کرتا ہے تو اب اسے نہیں چھوڑتا اور جوہر کے لیے اسے کوئی زیادہ شوق نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ سلوک کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوتی اور ارادے کے بغیر سلوک نہیں ہوتا اور ارادے کے راستے میں ایمان کا نہ ہونا رکاوٹ ہے اور عدمِ ایمان کا سبب راستہ دکھانے والوں، یاد دلانے والوں اور علماء کا نہ پایا جانا ہے جو طریقت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں دنیا کی حقارت اور اس کے فانی ہونے سے خبردار کرتے ہیں آخرت کے معاملات کی عظمت اور دوام سے آگاہ کرتے ہیں لوگ تو غافل ہیں وہ اپنی خواہشات میں غرق ہو گئے اور خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں علمائے دین میں سے کوئی ایسا نہیں جو ان کو جگائے اور اگر کوئی جگانے والا ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے تو وہ اپنی جہالت کی وجہ سے سلوک سے عاجز ہوتا ہے اب اگر وہ علماء سے راستہ پوچھتا ہے تو ان کو خواہشات کی طرف مائل اور صحیح راستے سے ہٹے ہوئے پاتا ہے اب اس کے ارادے کی کمزوری راستے سے ناواقفیت اور علماء کا خواہشات کے مطابق بات کرنا اللہ تعالیٰ کے راستے کا سالکین سے خالی ہونے کا سبب بن گیا اور جب مطلوب پردے میں ہو، دلیل گم ہو، خواہش غالب ہو، طالب غافل تو منزل تک پہنچنا ممکن ہوتا ہے اور راستہ لازماً خالی رہتا ہے اب اگر کوئی شخص خود بخود اس سے آگاہ ہو جائے یا دوسرے کے بتانے سے اسے آگاہی حاصل ہوا اور اس کے لیے آخرت کی کھیتی اور اس کی تجارت کا ارادہ برانگیختہ ہو تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے لیے کچھ شرائط ہیں کہ ارادے سے پہلے ان کا پایا جانا ضروری ہے اور اس کے لیے ایک پکڑنے کی چیز ہے جسے مضبوطی سے پکڑنا ضروری ہے ایک قلعہ ہے جس میں اپنے آپ کو محفوظ رکھنا لازمی ہے تاکہ وہ دشمنوں سے جو راہ زن ہیں، امن میں رہے اور سلوک کے دوران کچھ وظائف کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔
ارادے سے پہلے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہ اس پردے کو اٹھا دینا ہے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے کیونکہ مخلوق کا حق سے محروم ہونا درمیان میں کئی پردوں کے حائل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور راستے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔
ارشاد خداوندی ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ (۱)

اور ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے بھی رکاوٹ رکھ دی پس ہم نے ان کو ڈھانپ لیا تو وہ نہیں دیکھتے۔

(۱) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۹

مرید اور حق کے درمیان چار قسم کی رکاوٹیں ہیں۔

(۱) مال، (۲) جاہ و مرتبہ (۳) تقلید (۴) معصیت (گناہ) مال کا حجاب اس وقت اُٹھتا ہے جب وہ اسے اپنی ملک سے نکال دیتا ہے حتیٰ کہ اس کے پاس ضرورت کے مطابق باقی رہتا ہے کیونکہ جب تک اس کے پاس ایک درہم بھی ہوگا۔ اس کا دل اس کی طرف متوجہ رہے گا اور اسی کی قید میں ہوگا۔ اور یوں وہ اللہ تعالیٰ سے پردے میں رہے گا۔

اور جاہ و مرتبے کا حجاب دُور کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس مقام و مرتبہ سے دُور رہے یعنی تواضع اختیار کرے خاموشی کو ترجیح دے شہرت کے اسباب سے دُور رہے اور ایسے اعمال کرے کہ مخلوق کو اس سے نفرت ہو جائے۔

تقلید کا حجاب اس طرح دُور ہوتا ہے کہ مذاہب کا تعصب چھوڑ دے اور" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے معنیٰ کی تصدیق کرے اور اس کی صداقت کو ثابت کرنے کی حرص کرے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز اس کی معبود نہ ہو اور انسان کا سب سے بڑا معبود تو اس کی خواہش ہوتی ہے لہٰذا خواہشات کو چھوڑ دے، جب وہ یہ طریقہ اختیار کرے گا تو جس اعتقاد کو اس نے دوسروں کی تقلید میں حاصل کیا تھا اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی تو اس کی حقیقت کو مجاہدے کے ذریعے حاصل کیا جائے جھگڑوں کے ذریعے نہیں، اور اگر اس پر اس شخص کا تعصب غالب ہوگا جس کا وہ معتقد ہے اور اس کے دل میں کسی اور کی گنجائش نہیں رہے گی تو یہ اس کے لیے قید اور حجاب ہوگا کیونکہ مرید کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ کسی خاص مذہب کا ہی ہو۔

معصیت (گناہ) بھی ایک حجاب ہے جو توبہ اور زیادتیوں کے خاتمے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کے پختہ ارادے سے اُٹھ جاتا ہے۔ نیز گذشتہ گناہوں پر ندامت ہو، لوگوں کے حقوق واپس دیئے جائیں اور مخالف کو راضی کیا جائے کیونکہ جو شخص صحیح طور پر توبہ نہ کرے اور ظاہری گناہ کو نہ چھوڑے اور اس کے باوجود کشف کے ذریعے دین کے اسرار پر مطلع ہونا چاہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو قرآن پاک کے اسرار اور اس کی تفسیر سے آگاہ ہونا چاہتا ہے حالانکہ اس نے ابھی تک عربی لغت نہیں سیکھی کیونکہ پہلے قرآن پاک کی عربی کا ترجمہ ضروری ہے پھر اس سے اس کے معانی کے اسرار کی طرف ترقی کرے اسی طرح شروع اور آخر میں ظاہر شریعت کے مطابق درستگی ضروری ہے اس کے بعد اس کی گہرائی اور اسرار و رموز کی طرف ترقی کرے۔

جب مرید پہلے ان چار شرائط کو اختیار کرے اور مال و مرتبہ سے خالی ہو جائے تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے طہارت حاصل کی اور وضو کر کے حدیث کو ختم کیا اور وہ نماز کے لائق ہو گیا اب وہ کسی امام کا محتاج ہے جس کی اقتدا کرے اسی طرح مرید بھی کسی شیخ اور استاذ کا حاجتمند ہوتا ہے جس کی اقتدا کرے تاکہ وہ اسے سیدھے راستے کی راہنمائی کرے کیوں کہ دین کا راستہ نہایت گہرا ہے اور شیطانی راستے زیادہ بھی ہیں اور ظاہر بھی، لہٰذا جس آدمی کا کوئی مرشد نہ ہو جو اس کی راہنمائی کرے تو شیطان لازماً اسے اپنے راستوں پر لے جاتا ہے جو شخص ہلاک کرنے والی وادیوں کے

راستوں پر کسی محافظ کے بغیر چلتا ہے وہ اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے اور وہ اپنی ذات پر بھروسہ کرتا ہے جس طرح وہ درخت جو خود بخود اُگتا ہے وہ جلد ہی خشک ہو جاتا ہے اور اگر وہ کچھ عرصہ باقی رہے اور پتے بھی نکال لے پھر بھی پھل نہیں دیتا لہٰذا ان (مذکورہ بالا) شرائط کو حاصل کرنے کے بعد مرید کو اپنے مرشد پر اعتماد ہونا چاہیے وہ اس کے دامن کو اس طرح مضبوطی سے پکڑے جس طرح نابینا شخص دریا کے کنارے پر لے جانے والے کو پکڑتا ہے یعنی اپنے آپ کو مکمل اس کے حوالے کر دیتا ہے اس کی اتباع سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا اور نہ ہی وہ چھوڑتا ہے اور یہ بات جان لینا چاہیے کہ اگر اس کا مرشد غلطی کرے تو اس غلطی میں اس کا فائدہ اس نفع سے زیادہ ہے جو تنہا درست چلنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب اس قسم کا مرشد مل جائے تو اس مرشد کو چاہیے کہ وہ اپنے مرید کو ایسی پناہ گاہ اور مضبوط قلعے میں بٹھا دے کہ وہ ڈاکوں سے محفوظ رہے اور یہ قلعے چار چیزیں ہیں۔ گوشہ نشینی، خاموشی، بھوک اور بیداری ۔۔ اس طرح وہ راہزنوں سے محفوظ رہے گا کیونکہ مرید کا مقصد اپنے دل کی اصلاح ہے تاکہ اس کے ذریعے اپنے رب کا مشاہدہ کر سکے اور اس کے قرب کے لائق ہو جائے۔

جہاں تک بھوک کا تعلق ہے تو اس سے دل کا خون کم اور سفید ہو جاتا ہے اور سفیدی میں ہی اس کا نور ہے علاوہ ازیں اس (بھوک) سے دل کی چربی پگھل جاتی ہے اور یہ دل کی نرمی کا باعث ہے اور یہ نرمی مکاشفہ کی چابی ہے جس طرح دل کی سختی حجاب کا باعث ہے اور جب دل کا خون کم ہوتا ہے تو دشمن کا راستہ تنگ ہو جاتا ہے کیوں کہ اس کی گذر گاہیں وہ رگیں ہیں جو خواہشات سے بھری ہوتی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"اے میرے ساتھیو! اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھو تاکہ تمہارے دل تمہارے رب کو دیکھیں۔"

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

چار خصلتوں کے بغیر ابدال کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا پیٹ کو بھوکا رکھنا بیداری اختیار کرنا، خاموش رہنا اور لوگوں سے دُور رہنا۔ تو دل کو روشن کرنے کے سلسلے میں بھوک کا فائدہ ایک ظاہر بات ہے اس پر تجربہ گواہ ہے شہوتوں کے خاتمے کے باب میں اس کا ذکر آئے گا بیداری، دل کو روشن کرتی ہے نیز اس کو صاف اور منور کر دیتی ہے اور جس قدر بھوک سے حاصل ہوا تھا اس کی وجہ سے اس میں اضافہ ہو جاتا ہے اب دل چمکتے ہوئے ستارے یا صاف شفاف شیشے کی طرح ہوتا ہے اور اس میں جمالِ حق چمکتا ہے۔ اور آخرت کے بلند درجات نیز دنیا کی حقارت اور آفات دیکھی جا سکتی ہیں اس طرح دنیا سے اعراض اور آخرت کی طرف توجہ مکمل ہو جاتی ہے بیداری بھی بھوک کا نتیجہ ہوتی ہے کیوں کہ سیر ہو کر کھانے کی صورت میں بیداری ممکن نہیں ہوتی اور نیند دل کو سخت اور مردہ کر دیتی ہے ہاں ضرورت کے مطابق ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اور یہ اور یہ غیبی اسرار کے کشف کا سبب ہے ابدال کی صفت میں کہا گیا ہے کہ ان کا کھانا فاقے کے وقت، نیند غلبہ کی صورت میں اور کلام ضرورت کے وقت ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ستر صدیقین اس بات پر متفق ہیں کہ نیند کی

کثرت کا سبب زیادہ پانی پینا ہے خاموشی، گوشہ نشینی کی صورت میں آسان ہوتی ہے لیکن گوشہ نشین اس شخص کو دیکھنے سے بچ نہیں سکتا جو اس کے لیے کھانے پینے اور اس کے معاملات کے انتظامات کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ ضرورت کے مطابق ہی گفتگو کرے کیوں کہ گفتگو دل کو مشغول کر دیتی ہے اور دلوں میں گفتگو کی حرص بہت زیادہ ہوتی ہے کیوں کہ وہ اس سے راحت محسوس کرتا ہے اور ذکر و فکر کے لیے علیحدگی اختیار کرنے سے تھک جاتا ہے تو خاموشی سے عقل مضبوط ہوتی ہے اور تقویٰ حاصل ہوتا ہے خلوت کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مشاغل ختم ہو جاتے ہیں۔

نیز کان اور آنکھ پر کنٹرول ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں عضو دل کی دہلیز ہیں اور دل حوض کی طرح ہے جس میں نہروں کے حواس سے ناپسندیدہ اور گدلا پانی گرتا ہے اور ریاضت کا مقصود یہ ہے کہ اس حوض کو ان پانیوں سے خالی کیا جائے نیز جو مٹی جمی ہوئی ہے اسے بھی نکالا جائے تاکہ اصل حوض سے پانی جاری ہو اور اس سے صاف اور پاک پانی نکلے تو جب تک نہریں کھلی ہوں گی حوض میں سے پانی کیسے نکلے گا اس طرح تو ہر وقت کم ہونے والے پانی کی نسبت آنے والا پانی زیادہ ہوگا۔

لہٰذا ضرورت سے زائد باتوں سے حواس کو کنٹرول کیا جائے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ کسی اندھیرے کمرے میں خلوت اختیار کرے اور اگر اسے کوئی اندھیرا کمرہ میسر نہ ہو تو وہ اپنے سر کو گریبان میں لپیٹ دے یا کوئی چادر وغیرہ لپیٹ لے اس قسم کی حالت میں وہ حق کی آواز سنے گا اور جلالِ ربوبیت کا مشاہدہ کرے گا کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خطاب ہوا تو آپ اسے حالت میں تھے۔ (۱)

ارشاد خداوندی ہے :

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (۲) — اے چادر اوڑھنے والے!

اور فرمایا :

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۳) — اے کمبل اوڑھنے والے!

تو یہ چار باتیں ڈھال اور قلعہ ہیں ان کے ذریعے راہزنوں کو دور کیا جا سکتا ہے اور ڈاکوؤں کو روکا جاتا ہے۔

جب وہ یہ کام کرے تو اب اس کے بعد معرفت کی راہ پہ چلنے میں مشغول ہو جائے اور یہ چلنا گھاٹیوں کو طے کئے بغیر نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں گھاٹیاں دل کی صفات ہیں۔ جن کا سبب دنیا کی طرف متوجہ ہونا ہے ان میں سے بعض گھاٹیاں دوسری گھاٹیوں سے بڑی ہوتی ہیں تو ان کو طے کرنے میں ترتیب یہ ہے کہ پہلے زیادہ آسان کو طے کرے پھر اس کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۲، کتاب التفسیر

(۲) قرآن مجید، سورۃ مزمل آیت ۱

(۳) قرآن مجید، سورۃ مدثر آیت ۱

بعد اس سے آسان کو ـــــ اسی طرح کرتا رہے۔

اور یہ صفات ان ہی امور کے اسرار ہیں جن کو ارادت اور اس کے آثار کے آغاز میں قطع کیا تھا یعنی مال، مرتبہ، دنیا کی محبت، مخلوق کی طرف توجہ اور گناہوں کی طرف میلان لہذا اسے چاہیے کہ اپنے باطن کو ان کے آثار سے خالی کرے جیسے اپنے ظاہر کو ان کے ظاہری اسباب سے خالی کیا تھا۔ اس میں طویل مجاہدہ ہوتا ہے اور احوال کے بدلنے سے اس میں تبدیلی آتی ہے۔ بعض لوگ اکثر صفات سے محفوظ ہوتے ہیں لہذا ان کو زیادہ مجاہدہ نہیں کرنا پڑتا۔ اور ہم نے ذکر کیا کہ شہوتوں اور خواہشات کے خلاف مجاہدے کا راستہ اختیار کرنا ہر اس صفت میں ہوتا ہے جو مرید کے نفس پہ غالب ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

پس جب وہ شہوت سے محفوظ ہو جائے یا مجاہدے کی وجہ سے کمزور ہو جائے اور اس کے دل میں سلسلہ نہ رہے تو مرشد کو چاہیے کہ اب اسے ایسے ذکر میں مشغول کر دے جو اس کے دل کے ساتھ ہمیشہ رہے اور ظاہری وظائف کی کثرت سے اسے منع کر دے بلکہ وہ فرائض اور سنتوں پر اکتفا کرے اور اس کا صرف ایک وظیفہ ہو جو تمام وظائف کا نچوڑ اور نتیجہ ہو یعنی دل کو غیر خدا کے ذکر سے خالی کرنے کے بعد اب ہمیشہ دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر رہے اور جب تک وہ دنیوی مشاغل کی طرف متوجہ ہو اس وقت تک اسے اس ذکر میں مشغول نہ کرے۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ نے اپنے مرید حصری سے فرمایا اگر اس جمعہ سے لے کر جس میں تم میرے پاس آئے ہو دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز آئی ہے تو تم پر میرے پاس آنا حرام ہے۔

اور یہ علیحدگی اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک ارادے میں سچائی اور دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ نہ ہو حتیٰ کہ وہ بے چین عاشق کی طرح ہو جائے جسے صرف ایک ہی فکر ہوتی ہے۔

جب یہ صورت پیدا ہو جائے تو شیخ اسے ایک کونے میں تنہا بیٹھنے پر پابند کر دے اور کسی آدمی کو مقرر کر دے جو اسے رزق حلال سے تھوڑا سا کھانا پہنچائے کیوں کہ دین کی اصل حلال رزق ہے اس وقت اسے کوئی ذکر پڑھنے کو کہے حتیٰ کہ اس کی زبان اور دل اسی میں مصروف ہو پس وہ بیٹھ کر کہے "اللہ اللہ" یا "سبحان اللہ، سبحان اللہ" کا ورد کرے یا جو کلمات مرشد مناسب سمجھے وہ مسلسل اسی ذکر میں مصروف رہے یہاں تک کہ زبان کی حرکت ختم ہو جائے اور یوں ہو جائے کہ گویا کلمہ خود بخود زبان پر جاری ہے اور زبان کو حرکت نہیں دی جاتی پھر وہ مسلسل ذکر کرتا رہے حتیٰ کہ زبان سے بھی اثر ختم ہو جائے اور لفظ کی صورت صرف دل میں باقی رہے پھر وہ اسی طرح کرتا ہے حتیٰ کہ دل سے بھی حروف اور ان کی صورت مٹ جائے اور اس کے معنیٰ کی حقیقت باقی رہ جائے جو دل کو لازم ہو اس کے پاس حاضر ہو اور اس پر غالب بھی ہو اور باقی سب سے فارغ ہو جائے۔ کیونکہ دل جب کسی بات میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے غیر سے خالی ہو جاتا ہے وہ غیر کوئی بھی چیز ہو پس جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو گا اور وہی مقصود بھی ہو گا تو لامحالہ اس کے غیر سے خالی ہو جائے گا۔

اس وقت اس پر لازم ہے کہ دل کے وسوسوں اور ان خیالات کی نگرانی کرے جو دنیا سے متعلق ہیں اسی طرح اس کے اپنے احوال یا کسی دوسرے کے حالات جو پہلے گزر چکے ہیں ان کی یاد کو بھی ترک کر دے کیونکہ جب وہ کسی بات میں مشغول ہوگا اگرچہ ایک مختصر وقت کے لیے ہی ہو تو اس لحظہ میں دل ذکر خداوندی سے خالی ہو جائے گا اور یہ بھی نقصان ہے لہذا اسے دُور کرنے کی کوشش کرے۔

اور جب وہ تمام وسوسوں کو دُور کر کے نفس کو اس کلمہ کی طرف پھیر دے گا تو اس کلمہ کی جانب سے وسوسے آئیں گے کہ یہ کلمہ کیا ہے؟ ہمارے قول "اللہ" کا کیا مطلب ہے؟ اور کس معنیٰ کی بنیاد پر وہ معبود اور اللہ ہے اس وقت ایسے خیالات آئیں گے جو اس پر فکر کا دروازہ کھول دیں گے۔ اور بعض اوقات اسے شیطانی وسوسے آتے ہیں جو کفر اور بدعت ہوتے ہیں لیکن وہ اس بات کو ناپسند کرے اگر وہ دل سے ان کو دُور کرنے کے لیے کوشاں ہوگا تو یہ اسے ضرر نہیں دیں گے پھر ان وسوسوں کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جن کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان شبہات سے پاک ہے لیکن شیطان اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے اور اس کے دل پر جاری کرتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ ان کی پرواہ نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے تاکہ وہ اسے دُور فرما دے۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ۔ (۱)	اور جب تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی ٹھیس پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو بے شک وہی سننے جاننے والا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰۤئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ۔ (۲)	بے شک وہ لوگ جو متقی ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی ٹھیس پہنچتی ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

دوسری قسم کے وسوسے وہ ہیں جن میں شک ہوتا ہے لہذا اسے چاہیے کہ اپنے شیخ کو بتا دے بلکہ اپنے دل میں جو احوال بھی پائے چاہے سستی ہو یا چستی، یا کسی تعلق کی طرف توجہ ہو یا ارادت میں صدق ہو تو اپنے شیخ کو بتا دینا چاہیے۔ لیکن دوسروں سے چھپائے اور اس پر کسی کو مطلع نہ کرے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۲۰۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۲۰۱

پھر مرشد کو چاہیے کہ وہ اس کی حالت کو دیکھے اور اس کی ذکاوت اور کند ذہنی میں غور کرے اگر اسے معلوم ہو کہ اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اپنے معاملے میں غور و فکر کا حکم دیا جائے تو وہ خود بخود حقیقتِ حق پر مطلع ہو جائے گا تو اب اسے چاہیے کہ اسے فکر پر لگا دے اور اس پر دوام اختیار کرنے کی اجازت دے یہاں تک کہ اس کے دل میں نور ڈال دیا جائے جو اس پر حقیقت کو منکشف کر دے۔ اور اگر اسے معلوم ہو کہ اس میں اس بات کی قوت نہیں ہے تو اسے ایسے قطعی عقیدے کی طرف پھیر دے جسے اس کا دل برداشت کر سکے یعنی وعظ و ذکر اور ایسی دلیل ہو جو اس کی سمجھ کے قریب ہو مرشد کو چاہیے کہ اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے کیوں کہ یہ راستہ مہلک اور پُر خطر ہے کتنے ہی مرید ریاضت میں مشغول ہوتے تو ان پر فاسد خیال غالب آ جاتا ہے جس کے کشف کی اسے طاقت نہیں ہوتی اور یوں اس کا راستہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ بیکار ہو جاتا ہے اور یوں وہ اباحت کے راستے پر چل پڑتا ہے اور یہ بہت بڑی ہلاکت ہے اور جو شخص صرف ذکر میں مشغول ہو اور جو مشاغل اس کے دل کو دوسری طرف مصروف رکھتے ہیں ان کو دور کر دے تب بھی اس قسم کے افکار سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ وہ خطرات کی کشتی میں سوار ہے اگر وہ بچ گیا تو دین کے بادشاہوں میں سے ہو گا اور اگر وہ غلطی کر جائے تو ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گا اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِدِينِ الْعَجَائِزِ۔ (۱) تم بوڑھی عورتوں کا دین اختیار کرو۔

یعنی اصل ایمان اور ظاہر اعتقاد کو تقلید کے طور پر حاصل کر کے نیک اعمال میں مشغول ہونا چاہیے کیونکہ اس کے خلاف میں بہت خطرہ ہے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ شیخ پر واجب ہے کہ وہ اپنی فراست سے مرید کا حال معلوم کرے اگر وہ سمجھدار نہ ہو اور ظاہری اعتقاد پر پختہ نہ ہو تو اسے ذکر و فکر میں مصروف نہ رکھے بلکہ اسے ظاہری اعمال اور مشہور و متواتر وظائف کا حکم دے یا ان لوگوں کی خدمت پر لگا دے جو فکر کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں تاکہ اسے ان کی برکت حاصل ہو کیونکہ جو شخص مجاہدین کے لشکر میں جہاد سے عاجز ہو اسے چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو پانی پلائے اور ان کی سواریوں کی خدمت کرے تاکہ قیامت کے دن ان کے زمرے میں شامل ہو اور ان کی برکات میں شریک ہو اگرچہ وہ ان کے درجات کو نہیں پہنچ سکتا۔

پھر وہ مرید جو ذکر و فکر کے لیے تنہائی اختیار کرتا ہے اس کے سامنے بہت سے راہزن آتے ہیں جیسے خود پسندی، ریاکاری، جو احوال منکشف ہوئے اور شروع شروع میں جو کرامات ظاہر ہوئیں ان پر خوشی وغیرہ۔ وہ جب بھی ان میں سے کسی چیز کی طرف متوجہ ہو گا اور اپنے آپ کو اس میں مشغول کرے گا تو یہ اس کے راستے میں خلل واقع ہو گا بلکہ اسے چاہیے کہ عمر بھر اپنی حال پر رہے اور اس پیاسے کی طرح ہو جائے جسے دریاؤں کے دریا سیراب نہیں کرتے اور وہ ہمیشہ اسی پیاس کی

---

(۱) میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۰۱ ترجمہ ۵ ۲۳۳

حالت میں رہتا ہے۔

اس کا اصل سرمایہ یہ ہے کہ مخلوق سے تعلق توڑ کر حق اور خلوت کی طرف جائے۔

ایک سیاح سے منقول ہے کہ میں نے ایک ابدال سے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا، پوچھا کہ تحقیق کا راستہ کس طرح ہے؟ انہوں نے فرمایا تو دنیا میں مسافر کی طرح ہو جا اور ایک دفعہ پوچھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کی وجہ سے میرا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے انہوں نے فرمایا مخلوق کی طرف نہ دیکھو کیونکہ ان کی طرف دیکھنا تاریکی ہے میں نے کہا دیکھنے کے بغیر گذارہ نہیں فرمایا پھر ان کا کلام نہ سنو کیونکہ ان کا کلام دل کی سختی کا باعث ہے میں نے کہا یہ تو ضروری ہے فرمایا اچھا پھر ان سے معاملات نہ کرو کیوں کہ ان سے معاملہ کرنا وحشت ہے میں نے کہا میں ان کے درمیان رہتا ہوں اس لئے ان سے معاملات کرنا لازمی ہے فرمایا ان کے ساتھ رہائش اختیار نہ کرو کیونکہ ان کے ساتھ رہنا ہلاکت ہے میں نے کہا ان کے درمیان رہنے کی بھی ایک وجہ ہے انہوں نے فرمایا اے فلاں! کیا تو غافل لوگوں کی طرف دیکھتا ہے، جاہلوں کی گفتگو سنتا اور اہل باطل کے ساتھ معاملات کرتا ہے اور اس کے باوجود تو چاہتا ہے کہ تیرا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پائے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے غیر سے دل کو خالی نہ کرے اور غیر سے اس وقت خالی ہوگا جب ایک طویل مجاہدہ کرے اور جب اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے گا تو جلال ربوبیت منکشف ہوگا اور اس کے لیے حق واضح اور روشن ہو جائے گا۔ نیز اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لطائف ظاہر ہوں گے جن کے اوصاف بیان میں نہیں آسکتے بلکہ کسی وصف کا احاطہ بالکل نہیں ہو سکتا۔

جب مرید کے لیے کوئی بات منکشف ہو جائے تو اس کا سب سے بڑا راہزن یہ بات ہوتی ہے کہ وہ ان باتوں کو وعظ و نصیحت کے طور پر بیان کرنے لگتا ہے اور اس کو ذکر کرنے کے درپے ہوتا ہے اور اس کا نفس اس میں ایسی لذت پاتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں اور وہ لذت اسے اس بات کے سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ وہ ان معانی کو کس طرح لائے اور ان کو حسن الفاظ سے کس طرح مزین کرے ان کی ترتیب کیا ہو اور حکایات نیز قرآن واحادیث کے شواہد کے ساتھ ان کو کس طرح زینت دے اور صفت کلام میں حسن کس طرح پیدا کرے تاکہ لوگوں کے دل اور کان اس کی طرف مائل ہو جائیں اور بعض اوقات شیطان اس کے دل میں یہ خیال ڈال دیتا ہے کہ تیرے اس عمل سے غافل لوگوں کے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں اور تو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہے تو اس کے بندوں کو اس کی طرف بلاتا ہے اس میں نہ تو تیرا کوئی حصہ ہے اور نہ ہی تیرے نفس کے لیے لذت ہے۔

اور یہ شیطانی وسوسہ اس وقت واضح ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنے ہمعصر لوگوں میں سے سب سے اچھے کلام والا ہو

اس کے الفاظ عمدہ ہوں اور وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے پر زیادہ قادر ہو، یقیناً اس کے اندر حسد کا بچھو حرکت کرتا ہے اگر اس کا محرک قبولیت کا مکر و فریب ہو۔ اور اگر اس کا محرک حق ہو اور اس بات کی حرص ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو صراط مستقیم کی دعوت دے تو وہ اس پر بہت خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے میری مدد فرمائی اور میرے معاون بنا دیئے اور یہ اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو کسی لاوارث مردہ کو پائے اور شرعی طور پر اس پر واجب ہو کہ وہ اسے اٹھا کر لے جائے اور دفن کر دے اور اس وقت کوئی شخص اس کی معاونت کو پہنچ جائے تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور مدد کرنے والے سے حسد نہیں کرتا اور غافل لوگوں کے دل مردہ ہیں وعظ کرنے والے ان کو بیدار اور زندہ کرتے ہیں لہٰذا ان کی کثرت سے ایک دوسرے کو راحت اور معاونت ہوتی ہے بنا بریں اس پر زیادہ خوشی ہونی چاہیے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

پس مرید کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے، یہ شیطان کے بڑے بڑے جالوں میں سے ہے جس سے وہ ان لوگوں کی راہ روکتا ہے جن پر معرفت کا کچھ راستہ کھلتا ہے کیوں کہ دنیوی زندگی کو ترجیح دینا انسان کی طبیعت پر غالب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (۱) — بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو،

پھر بیان فرمایا کہ طبیعتوں میں شر ہمیشہ سے چلی آتی ہے اور یہ بات پہلی کتب میں بھی مذکورہ ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۔ (۲) — بے شک یہ بات پہلی کتابوں میں (بھی مذکور) ہے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔

تو مرید کی ریاضت اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے سلسلے میں تدریج ترتیب کا یہ طریقہ ہے۔

جہاں تک ہر صفت میں ریاضت کا تعلق ہے تو عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ بے شک انسان پر سب سے غالب صفات پیٹ، شرمگاہ اور زبان کی خواہشات ہیں پھر غصہ ہے جو خواہشات کی حمایت میں لشکر کی طرح ہے پھر جب انسان پیٹ اور شرم گاہ کی خواہش کو چاہتا ہے اور ان سے مانوس ہوتا ہے تو دنیا سے محبت کرتا ہے اور اس پر اسی صورت میں قادر ہوتا ہے جب اسے مال اور مرتبہ حاصل ہو اور جب وہ مال اور مرتبہ طلب کرتا ہے تو اس میں تکبر، خود پسندی اور سرداری کا گھمنڈ اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو چھوڑنے پر بالکل تیار نہیں ہوتا اور دین سے بھی وہ باتیں اختیار

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الاعلیٰ آیت ۱۶

(۲) قرآن مجید، سورۃ الاعلیٰ آیت ۱۸

کرتا ہے جو ریاست اور سرداری کا باعث ہوں اور غرور پایا جائے۔

اسی لیے ہم پر واجب ہے کہ ان پہلی دو باتوں کو بیان کرنے کے بعد مہلکات کی بحث کو آٹھ بابوں سے مکمل کریں۔

(۱) پیٹ اور شرم گاہ کی خواہشات کو توڑنا۔

(۲) زبان کی آفات کا بیان

(۳) غصے، کینہ اور حسد کو ختم کرنا

(۴) دنیا کی مذمت اور اس کے دھوکے کی تفصیل

(۵) مال کی محبت کو ختم کرنا اور بخل کی مذمت

(۶) ریاکاری اور اقتدار کی محبت کی مذمت

(۷) تکبر اور خود پسند کی مذمت

(۸) دھوکہ کھانے کے مقامات کا بیان۔

ان مہلکات کے ذکر اور ان کے علاج کے طریقے کے بیان سے ہماری غرض پوری ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ جو کچھ ہم نے پہلے باب میں بیان کیا وہ قلبی صفات کی تشریح ہے کیوں کہ دل ہلاک کرنے والی اور نجات دینے والی دونوں قسم کی صفات کا مرکز ہے اور جو کچھ ہم نے دوسرے باب میں ذکر کیا ہے وہ تہذیبِ اخلاق اور قلبی امراض کے علاج کے لیے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر اشارہ ہے۔

جہاں تک اس کی تفصیل کا تعلق ہے تو وہ ان (آئندہ) بابوں میں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کے لیے حمد و ثنا ہے اس کی مدد اور توفیق حسن سے ریاضت نفس اور تہذیبِ اخلاق کا بیان مکمل ہوا اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ دو قسم کی شہوتوں کو توڑنے کا بیان ہو گا۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ایک ہے اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل و اصحاب پر رحمت ہو نیز زمین و آسمان میں سے ہر منتخب بندے پر رحمت ہو اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہی توفیق ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کیا۔

۳- دو شہوتوں کو ختم کرنا

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو اپنے بڑائی اور بلندی میں یکتا ہے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف و توصیف کی جائے اور اس کی پاکیزگی بیان کی جائے وہ اپنے فیصلوں میں انصاف کرتا ہے انعامات کے عطا کرنے میں فضل و کرم سے کام لیتا ہے وہی اللہ ہر مقام پر بندے کی حفاظت فرماتا ہے وہ بندے کو اس کے مقاصد سے زیادہ بلکہ اس کی امید دل سے مطابق انعام واکرام سے نوازتا ہے وہی اسے ہدایت دیتا ہے وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے جب بیمار ہو جائے تو وہی شفا عطا فرماتا ہے جب انسان کمزور ہو جائے تو وہی اسے قوت عطا فرماتا ہے وہی اسے عبادت کی توفیق دیتا اور اسے راضی کرتا ہے۔

وہی اسے کھلاتا اور پلاتا ہے اسے ہلاکت سے محفوظ رکھتا اور کھانے پینے کے ذریعے ہلاکت خیزیوں سے بچاتا ہے وہ اسے قوت لایموت پر قناعت کے ذریعے اپنے قریب کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے ہاں شیطان کے راستے بند ہو جاتے ہیں اس کے ذریعے اس کی نفسانی شہوت ختم کرتا ہے جو اس کی دشمن ہے پس وہ شہوت کے شر کو ختم کر کے اپنے رب کی عبادت کرتا اور اسی سے ڈرتا ہے اور یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اسے لذیذ اور من پسند اشیاء عطا کر دیتا ہے پھر ان لذات کی طرف بلانے والے امور کو بڑھا کر اسے امتحان میں ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ کس طرح اپنے رب کے حکم کو اپنی خواہش پر ترجیح دیتا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی حفاظت کرتا ہے وہ ہمیشہ اس کی عبادت کرتا اور گناہوں سے بچتا ہے رحمت کاملہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جو اس کے بندے اور نبی ہیں اور مکرم و معزز رسول ہیں ایسی رحمت جو آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے نیز آپ کی نیک اولاد اور بہترین صحابہ کرام اور تابعین پر رحمت ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ــــ انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والی سب سے بڑی بات پیٹ کی خواہش ہے اسی کے سبب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ہمیشہ ٹھہرنے کے گھر سے ذلت اور محتاجی کے گھر (دنیا) کی طرف آنا ہوا کیونکہ ان دونوں کو درخت سے منع کیا گیا تھا لیکن ان پر خواہش غالب ہوئی حتیٰ کہ انہوں نے اس سے کھا لیا تو ان کے پردے کا مقام ظاہر ہو گیا درحقیقت پیٹ خواہشات کا منبع اور آفات کا مرکز ہے اور شرمگاہ کی شہوت اس کی اتباع کرتی ہے اور بہت سی عورتوں سے نکاح کی خواہش پیدا ہوتی ہے پھر کھانے اور نکاح کی خواہش کے پیچھے جاہ و مرتبے اور

مال کی محبت آتی ہے۔ جو زیادہ بیویوں اور طرح طرح کے کھانوں کا وسیلہ ہیں پھر مال کی کثرت اور جاہ و مرتبہ سے طرح طرح کی رعونتیں اور حسد و کینہ پیدا ہوتا ہے پھر اسی مال و جاہ کے درمیان ریاکاری کی آفت اور باہمی فخر و غرور پیدا ہوتا ہے اور یہ بات کینے، حسد اور عداوت و بغض کا سبب بنتی ہے اس کے بعد آدمی سرکشی، برائی اور بے حیائی کا مرتکب ہوتا ہے ــــ تو یہ تمام خرابیاں معدے کو خالی نہ رکھنے اور خوب بھرنے کا نتیجہ ہے اگر بندہ اپنے نفس کو بھوک کے ذریعے ذلیل رکھے اور شیطان کے راستوں کو تنگ کر دے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے آمادہ ہوگا اور سرکشی اور تکبر کے راستے پر نہیں چلے گا اور دنیا کا ہی ہو کر نہیں رہے گا نہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دے گا اور نہ ہی دنیا کے خاطر جھگڑے کرے گا اور جب پیٹ کی خواہش اس حد تک پہنچتی ہے تو اس کی آفات کی وضاحت ضروری ہے تاکہ اس سے اجتناب کیا جائے۔

نیز مجاہدے کے راستے کی وضاحت اس کی فضیلت سے آگاہی اور اس کی ترغیب بھی ضروری ہے اسی طرح شرمگاہ کی شہوت کی تفصیل بھی ضروری ہے کیوں کہ یہ اس کے تابع ہے۔

ہم اس بات کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے چند فصلوں میں بیان کریں گے جن میں بھوک کی فضیلت اور فوائد کا ذکر ہوگا پھر پیٹ کی خواہش کو ختم کرنے کے سلسلے میں ریاضت کا طریقہ یعنی کھانا کم کھانا اور دیر سے کھانا پھر بھوک اور اس کی فضیلت کے حکم میں اختلاف جو لوگوں کے احوال کی تبدیلی سے پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد ترکِ خواہش کے سلسلے میں ریاضت کا بیان پھر شرمگاہ کی شہوت کا بیان، پھر اس بات کا بیان کہ مرید پر نکاح کو چھوڑنا لازم ہے اور اس کے بعد ان لوگوں کی فضیلت کا بیان ہوگا جو پیٹ، شرمگاہ اور آنکھ کی خواہش کی مخالفت کرتے ہیں۔

بھوک کی فضیلت اور شکم سیری کی مذمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جَاهِدُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالْجُوْعِ وَالْعَطَشِ فَاِنَّ الْاَجْرَ فِيْ ذٰلِكَ كَاَجْرِ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ عَمَلٍ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ جُوْعٍ وَعَطَشٍ۔ (۱)

بھوک اور پیاس کے ذریعے اپنے نفسوں کے خلاف جہاد کرو کیوں کہ اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے ثواب جیسا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھوک اور پیاس سے بڑھ کر کوئی عمل پسند نہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ مَلَكُوْتَ السَّمَاءِ مَنْ

جو شخص اپنے پیٹ کو بھرتا ہے آسمان کے فرشتے اس کے

(۱) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اول ص ۲۷۵ حدیث ۲۴۷

مِلْاءُ بَطْنِهٖ ۔ (۱) پاس نہیں آتے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون شخص افضل ہے؟

آپ نے فرمایا جس کا کھانا اور ہنسنا کم ہو اور اتنے لباس پہ راضی ہو جائے (۲) جس سے اپنے ستر کو ڈھانپ لے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

سَیِّدُ الْاَعْمَالِ الْجُوْعُ وَذُلُّ النَّفْسِ لِبَاسُ الصُّوْفِ۔ (۳)

اعمال کا سردار بھوک ہے اور نفس کی ذلت اُونی لباس میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِلْبَسُوْا وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا فِیْ اَنْصَافِ الْبُطُوْنِ فَاِنَّهٗ جُزْءٌ مِّنَ النُّبُوَّةِ۔ (۴)

(اُونی لباس) پہنو اور آدھا پیٹ کھاؤ پیو یہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْفِكْرُ نِصْفُ الْعِبَادَةِ وَقِلَّةُ الطَّعَامِ هِیَ الْعِبَادَةُ۔ (۵)

غور و فکر نصف عبادت ہے اور کم کھانا (پوری) عبادت ہے۔

ان ہی سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن تم ہی سے وہ شخص افضل ہوگا جو زیادہ دیر بھوکا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم ہی سے سب سے زیادہ بُرا وہ ہوگا جو خوب سوتا ہے اور زیادہ کھاتا پیتا ہے۔ (۶)

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اختیاری طور پر بھوک برداشت فرماتے تھے۔ (۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اوّل ص ۲۷۵ حدیث ۲۴۷

(۲) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اوّل ص ۲۷۴ حدیث ۲۴۳

(۳) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اوّل ص ۲۷۵ حدیث ۲۴۸

(۴) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اوّل ص ۲۷۴ حدیث ۲۴۵

(۵) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اوّل ص ۲۷۵ حدیث ۲۴۹

(۶) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اوّل ص ۲۷۴ حدیث ۲۴۴ (۷) شعب الایمان جلد ۵ ص ۳۶ حدیث ۵۶۴

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اس شخص پر فخر کا اظہار فرمایا جو دنیا میں کم کھاتا اور کم پیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی طرف دیکھو میں نے دنیا میں اسے کھانے اور پینے کے اعتبار سے آزمائش میں ڈالا تو اس نے صبر کیا اور ان دونوں باتوں کو چھوڑ دیا اے میرے فرشتو! گواہ ہو جاؤ وہ شخص کھانے کا جو لقمہ بھی چھوڑ دے گا میں اسے اس کے بدلے میں جنت کے درجات عطا کردں گا۔ (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُمِیْتُوا الْقُلُوْبَ بِكَثْرَةِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ فَإِنَّ الْقَلْبَ كَالزَّرْعِ يَمُوْتُ إِذَا كَثُرَ عَلَيْهِ الْمَاءُ۔ (۲)

اپنے دلوں کو کھانے پینے کی زیادتی سے مردہ نہ کرو کیونکہ دل کھیتی کی طرح ہے جو پانی کی زیادتی سے خراب ہو جاتی ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

آدمی اپنے پیٹ سے بڑھ کر کسی برتن کو برائی سے نہیں بھرتا انسان کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں اور اگر اس کے لیے زیادہ کھانا ضروری ہو تو ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے ہو (۳)

حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہم) کی ایک طویل روایت میں بھوک کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو دنیا میں دیر تک بھوکا، پیاسا اور غمگین رہتا ہے یہ لوگ پوشیدہ اور متقی ہیں اگر ظاہر ہوں تو ان کو کوئی بھی نہیں پہچانتا اور اگر غائب ہو جائیں تو ان کی گمشدگی محسوس نہیں ہوتی زمین ان سب کو جانتی ہے اور آسمانی فرشتے ان سب کو گھیرے ہوئے ہیں یہ لوگ دنیا میں کس قدر اچھے ہیں اور وہ کس عمدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں لوگ نرم نرم بستر بچھاتے ہیں اور وہ اپنی پیشانیاں اور گھٹنے بچھاتے ہیں لوگوں نے انبیاء کرام کے عمل اور اخلاق کو ضائع کر دیا لیکن انہوں نے ان کی حفاظت کی۔ جب وہ چلے جاتے ہیں تو زمین روتی ہے اور جس شہر میں ان میں سے کوئی ایک نہ ہو اس (شہر) پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے وہ دنیا پر اس طرح نہیں جھکتے جس طرح کتے مردار پر جھکتے ہیں وہ معمولی کھانا کھاتے اور پرانے کپڑے پہنتے ہیں ان کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے پر گرد وغبار ہوتا ہے لوگ ان کو دیکھ کر خیال کرتے ہیں کہ وہ بیمار ہیں حالانکہ وہ بیمار نہیں ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی عقل جاتی

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۷۶۹، حدیث ۴۳۰۵۷

(۲) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد ۲ ص ۴۱۵ حدیث ۷۲۱

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۲ مرویات مقدام بن معدی

وہی حالانکہ ان کی عقل نہیں گئی لیکن لوگ اپنے دل سے اس بات کی طرف دیکھتے ہیں جو ان سے دنیا کو لے گئی دنیا والوں کے نزدیک وہ عقل کے بغیر چلتے ہیں لیکن وہ ان باتوں کو بھی سمجھتے ہیں جن سے لوگوں کی عقل گم ہو جاتی ہے اسے اسامہ! ان لوگوں کے لیے آخرت میں شرف و عزت ہے جب تم ان کو کسی شہر میں دیکھو تو جان لو کہ وہ اس شہر والوں کے لیے امن کا باعث ہیں جس قوم میں وہ موجود ہوں ان کو عذاب نہیں ہوتا زمین ان پر خوش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتا ہے تم انہیں بھائی بناؤ ہو سکتا ہے تم ان کے وسیلے سے نجات پاؤ اور اگر ایسا کر سکو کہ تمہیں موت آئے تو تمہارا پیٹ بھوکا اور تمہارا جگر پیاسا ہو تو ایسا کرو اس طرح تم کو شرف منازل حاصل ہوگا تم انبیاء کرام کی صف میں داخل ہو گے اور جب تمہاری روح اوپر جائے گی تو فرشتے خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے گا۔ (۱)

حضرت حسن، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِلْبَسُوا الصُّوْفَ وَشَمِّرُوْا وَكُلُوْا فِيْ اَنْصَافِ الْبُطُوْنِ تَدْخُلُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ۔ (۲)

ادنیٰ لباس پہنو اور کپڑے کو پنڈلی سے اٹھاؤ (یا مستعد ہو) نصف پیٹ کھاؤ آسمانوں کی بادشاہی میں داخل ہو جاؤ گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

اے میرے حواریو! اپنے معدوں کو بھوکا اور جسموں کو ننگا رکھو تاکہ تمہارے دل اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ (۳) (حسب ضرورت کپڑا پہننا مراد ہے بالکل ننگا ہونا نہیں)

یہ بات ہمارے نبی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے خوف طاؤس نے اسے روایت کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو پسند نہیں کرتا کیونکہ موٹاپا، غفلت اور زیادہ کھانے پر دلالت کرتا ہے اور یہ بری بات ہے خاص طور پر علماء کے لیے (مناسب نہیں)

اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ موٹے قاری کو پسند نہیں فرماتا —— (مطلب یہ ہے کہ جو زیادہ کھانے کی وجہ سے موٹا ہو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہو تو وہ معذور ہے)

ایک حدیث مرسل میں ہے۔

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَجْرِيْ مِنِ ابْنِ اٰدَمَ — بے شک شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے

---

(۱) تاریخ ابن عساکر جلد ۲ ص ۳۰۰، ۴۰۱ ذکر من اسمہ اسامۃ

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۱۰۲ حدیث ۳۳۸

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱ ص ۲۶۲، ۲۶۳ حدیث ۱۱۶۹۴

مَجْرَى الدَّمِ فَضَيِّقُوا مَجَارِيَهُ بِالْجُوْعِ وَالْعَطَشِ۔ (۱)

پس شیطان کی گزرگاہوں کو بھوک اور پیاس کے ذریعے تنگ کر دو۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ الْاَکْلَ عَلَى الشِّبَعِ يُوْرِثُ الْبَرَصَ۔ (۲)

بے شک پیٹ بھرا ہونے کی صورت میں کھانا برص کی بیماری پیدا کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ يَاْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ وَالْمُنَافِقُ يَاْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔ (۳)

مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور منافق سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

یعنی وہ مومن سے سات گنا زیادہ کھاتا ہے یا اس کی شہوت، مومن کی خواہش سے سات گنا زیادہ ہوتی ہے۔ آنت کا ذکر شہوت (خواہش) سے کنایہ ہے کیوں کہ خواہش کھانے کو اس طرح قبول کرتی ہے جس طرح آنت اسے قبول کرتی ہے یہ مطلب نہیں کہ منافق کی آنتیں مومن کی آنت سے زیادہ ہوتی ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:

اَدِيْمُوْا قَرْعَ بَابِ الْجَنَّةِ يُفْتَحْ لَكُمْ۔ (۴)

جنت کے دروازے کو کھٹکھٹاتے رہو تمہارے لیے کھول دیا جائے گا۔

فرماتی ہیں میں نے پوچھا ہم کس طرح جنت کا دروازہ ہمیشہ کھٹکھٹائیں آپ نے فرمایا بھوک اور پیاس کے ذریعے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے ڈکار لیا تو آپ نے ان سے فرمایا اپنے ڈکار کم کرو قیامت کے دن وہ لوگ زیادہ دیر تک بھوکے رہیں گے جو دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں۔ (۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور جب کبھی

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۶ مرویات انس

(۲) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اول ص ۲۷۵ حدیث ۲۴۶

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۲ کتاب الاطعمۃ

(۴)

(۵) شرح السنۃ جلد ۱۴ ص ۲۵۰ حدیث ۴۰۴۹

ہیں آپ کی بھوک دیکھ کر رحم کے مارے رو پڑتی اور اپنے ہاتھ کو آپ کے پیٹ مبارک پہ پھیرتے ہوئے کہتی میری جان آپ پر فدا ہو آپ دنیا سے اتنا تو لیا کریں جس سے آپ کو قوت حاصل ہو اور آپ کو بھوک نہ رہے آپ فرماتے اے عائشہ! میرے بھائی جو اولو العزم رسول تھے انہوں نے اس سے بھی زیادہ سختیوں پر صبر کیا وہ اسی حال پر رہے جب وہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے تو انہیں نہایت عزت والا مقام ملا اور بہت زیادہ ثواب حاصل ہوا میں اس بات سے شرم محسوس کرتا ہوں کہ اگر دنیا میں مجھے کچھ آسائش حاصل ہو تو کل ان کے مقابلے میں میرا مرتبہ کم ہو جائے کچھ دن صبر کر لینا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ کل (قیامت کے دن) میرا حصہ کم ہو جائے مجھے اپنے ساتھیوں اور بھائیوں (انبیاء کرام) کے ساتھ ملنے سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم اس کے بعد ایک ہفتہ بھی مکمل نہ ہو کہ آپ کا وصال ہو گیا (۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے پوچھا یہ ٹکڑا کیسا ہے؟ انہوں نے عرض کیا میں نے ایک روٹی پکائی تھی تو میں نے آپ کے بغیر کھانا پسند نہ کیا اس لیے یہ ٹکڑا آپ کے پاس لے آئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دن کے بعد یہ پہلا کھانا ہے جو تمہارے والد کے دہن مبارک میں داخل ہوا ہے۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال تک اپنے گھر والوں کو مسلسل تین دن گندم کی روٹی سیر کر کے نہیں کھلائی (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو لوگ دنیا میں بھوک گذارتے ہیں وہ قیامت کے دن سیر ہو کر کھائیں گے (۴) اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسند وہ لوگ ہیں جو پیٹ بھرے رہتے ہیں اور جو شخص خواہش کے باوجود ایک لقمہ بھی چھوڑ دیتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہو گا۔ (۵)

---

(۱)

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۵۹ حدیث ۷۵۰

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۹، ابواب الاطعمۃ

(۴) کنز العمال جلد ۳ ص ۲۰۰ حدیث ۶۱۵۶

(۵)

آثار:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا پیٹ بھرنے سے اپنے آپ کو بچاؤ یہ زندگی میں بوجھ اور موت کے وقت بدبو ہے۔

حضرت شقیق بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عبادت ایک پیشہ ہے جس کی دوکان خلوت (تنہائی) اور اوزار بھوک ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا" اے میرے بیٹے! جب تمہارا معدہ بھرا ہوگا تو فکر سو جائے گا، حکمت بیکار ہو جائے گی اور اعضاء عبادت سے بیٹھ جائیں گے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ اپنے نفس سے فرماتے تم کس چیز سے ڈرتے ہو؟ کیا تم بھوکا رہنے سے ڈرتے ہو! اس سے مت ڈرو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بھی ہلکے ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام بھی بھوک برداشت کرتے تھے اور حضرت کہمس بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرتے تھے اے میرے خدا! تو نے مجھے بھوکا اور ننگا رکھا اور راتوں کے اندھیرے میں چراغ کے بغیر بٹھادیا تو نے کس وسیلے سے مجھے یہ مقام عطا فرمایا۔

حضرت فتح موصلی رحمہ اللہ کی بیماری اور بھوک جب سخت ہوگئی تو وہ عرض کرتے یا اللہ! تو نے بھوک اور بیماری کے ذریعے میری آزمائش فرمائی تو اپنے دوستوں کے ساتھ اسی طرح کرتا ہے میں کس عمل کے ساتھ تیرے اس انعام کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھے عطا فرمایا:

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ سے کہا اے ابو عبداللہ! وہ شخص خوش قسمت ہے جس کے پاس تھوڑا سا غلہ ہو جو اسے طاقت دے اور لوگوں سے بے نیاز کردے انہوں نے مجھے فرمایا اے ابویحییٰ! اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو صبح شام بھوکا ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ عرض کرتے یا اللہ! تو نے مجھے اور میرے اہل و عیال کو بھوکا رکھا اور تو نے مجھے راتوں کے اندھیرے میں چراغ کے بغیر رکھا اور یہ طریقہ تو اپنے دوستوں کے ساتھ اختیار کرتا ہے مجھے یہ مرتبہ کیسے ملا؟

حضرت یحییٰ بن معین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رغبت رکھنے والا، کہ بھوک تنبیہ کے لیے ہوتی ہے توبہ کرنے والوں کی بھوک امتحان کے لیے، مجتہدین کی بھوک ان کی بزرگی کے لیے صبر کرنے والوں کی بھوک سیاست کے لیے اور زاہدین کی بھوک حکمت کے طور پر ہوتی ہے۔

تورات میں ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جب بھوکے ہو تو بھوکوں کو یاد کرو۔

حضرت ابوسلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے رات کے کھانے سے ایک لقمہ چھوڑ دینا صبح تک رات بھر عبادت کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا بھوک اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے خزانوں میں سے ہے اور یہ اسی شخص کو عطا کرتا ہے جس کو پسند کرتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ ہیں سے کچھ اوپر دن کچھ نہ کھاتے اور انہیں سال بھر کے کھانے کے لیے ایک درہم کافی ہوتا۔ وہ بھوک کو بڑا رتبہ دیتے اور اس میں مبالغہ کرتے یہاں تک کہ فرماتے قیامت کے دن زائد کھانے کو چھوڑنے سے زیادہ افضل عمل کوئی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے وہ فرماتے تھے سمجھدار لوگ دین اور دنیا کے اعتبار سے بھوک سے زیادہ نفع بخش کسی چیز کو نہیں سمجھتے مزید فرماتے ہیں آخرت کو طلب کرنے والوں کے لیے کھانے سے زیادہ کسی چیز کو نقصان دِہ نہیں سمجھتا۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ علم و حکمت کو بھوک میں رکھا گیا ہے جب کہ گناہ اور جہالت کو شکم سیری میں رکھا گیا ہے۔

فرماتے ہیں حلال کو چھوڑتے ہوئے خواہشات کی مخالفت سے افضل کوئی عبادت نہیں اور ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیٹ کا تیسرا حصہ کھانے کے لیے ہو (۱) تو جو اس پر اضافہ کرتا ہے وہ اپنی نیکیوں کو کھاتا ہے ان سے زائد کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا زیادہ اس وقت ہوتا ہے جب کھانے کے مقابلے میں چھوڑنا زیادہ پسند ہو اور جب کبھی ایک رات بھوکا رہے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ اس وہ بھوک کو دو راتیں کر دے۔ جب یہ حال ہو گا تو اب کھانے میں زیادہ شمار ہو گی۔

انہوں نے فرمایا ابدال صرف اسی صورت میں ابدال بنتے ہیں کہ وہ پیٹوں کو بھوکا رکھیں، بیدار رہیں نیز خاموشی اور تنہائی اختیار کریں فرمایا ہر نیکی کی اصل جو آسمان سے زمین کی طرف اترتی ہے وہ بھوک ہے، اور ہر گناہ کی جڑ جو زمین و آسمان کے درمیان ہے وہ شکم سیری ہے۔

فرمایا جو اپنے نفس کو بھوکا رکھتا ہے اس سے وسوسے ختم ہو جاتے ہیں مزید فرمایا بندہ جب بھوکا، بیمار اور آزمائش میں ہوتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔

فرمایا جان لو! یہ وہ زمانہ ہے کہ اس میں نجات وہی شخص پائے گا جو اپنے نفس کو ذبح کرے اور اسے بھوک، بیداری اور محنت کے ذریعے قتل کر دے نیز ارشاد فرمایا جو شخص زمین پر چلتا ہے اور اس کے پانی سے سیر ہو کر پیتا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ گناہ سے بچ جائے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے تو جو آدمی سیر ہو کر کھانا کھاتا ہے اس کا کیا حال ہو گا۔

کسی دانا سے پوچھا گیا کہ نفس کو کس طرح قید کروں تو اس نے کہا بھوک اور پیاس کے ساتھ قید کرو گمنامی اور ترک عزت کے ساتھ اسے ذلیل کرو اور آخرت والوں کا خاک پاپہنا کر اسے چھوٹا کرو اور قراء کے لباس کو ترک کر کے اسے توڑ دو، اور ہمیشہ اس کے بارے میں بدگمانی اختیار کر کے اس کی آفات سے نجات حاصل کرو اسے خواہشات کے خلاف رکھو۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی صاف ستھرا کیا بھوک

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۲ مرویات مقدام بن معدی

کے ذریعے کیا اور اولیاء کرام پانی پر جب چلتے ہیں یا زمین پر گزرتے ہیں تو بھوک کے ساتھ گزرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک کی وجہ سے اپنا دوست بنایا ہے۔

حضرت ابو طالب مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پیٹ کی مثال ستار کی مثل ہے کہ خالی لکڑی میں تار لگے ہوتے ہیں اس کی آواز اس لیے اچھی ہوتی ہے کہ وہ ہلکا پھلکا اور اندر سے خالی ہوتا ہے اسی طرح جب پیٹ خالی ہو تو تلاوت شیریں ہوتی ہے شب بیداری حاصل ہوتی ہے اور نیند کم آتی ہے۔

حضرت ابو بکر مزنی فرماتے ہیں تین قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ شخص جو کم سوئے، جو آدمی کم کھائے اور جو شخص آرام کم کرے۔

ایک روایت میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ساٹھ دن تک اپنے رب سے مناجات کی اور اس دوران کچھ نہ کھایا جب ان کے دل روٹی کا خیال آیا تو مناجات کا سلسلہ ٹوٹ گیا اس وقت انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے ایک روٹی رکھی ہوئی ہے چنانچہ آپ نے مناجات کے ختم ہونے پر رونا شروع کر دیا اس دوران ایک شیخ نے ان پر سایہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا اے اللہ تعالیٰ کے ولی! اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا فرمائے اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا مانگو میں ایک خاص حالت میں تھا کہ میرے دل میں روٹی کا خیال آیا اور وہ حالت ختم ہو گئی۔

اس شیخ نے دعا مانگتے ہوئے عرض کیا یا اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق جب سے میں نے تجھے پہچانا میرے دل میں روٹی کا خیال آیا ہے تو تو مجھے نہ بخش بلکہ مجھے جب بھی کوئی چیز ملی میں نے کسی فکر اور خیال کے بغیر اسے کھا لیا۔

ایک روایت میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قریب کر کے کلام فرمایا تو آپ نے چالیس دن تک کھانا چھوڑ دیا پہلے تیس دن اور اس کے بعد دس دن ـــــ قرآن پاک میں اسی طرح آیا ہے کیونکہ آپ نے پہلے رات کے بغیر روزہ رکھا (صرف دن کے وقت کھانا ترک کیا) تو اس وجہ سے دس دنوں کا اضافہ کیا گیا۔

بھوک کے فوائد اور شکم سیری کے نقصانات:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جَاهِدُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالْجُوْعِ وَالْعَطَشِ فَاِنَّ الْاَجْرَ فِیْ ذٰلِكَ۔ (۱)

اپنے نفسوں سے بھوک اور پیاس کے ذریعے جہاد کرو کیونکہ ثواب اسی میں ہے۔

شاید تم یہ کہو کہ بھوک کی وجہ سے یہ فضیلت کیسے آگئی حالانکہ وہ تو محض معدے کو تکلیف پہنچاتا ہے اگر ایسی بات ہوتی تو ہر وہ عمل جس سے انسان کو اذیت پہنچتی اس کا زیادہ ہوتا مثلاً وہ اپنے آپ کو مارے یا اپنا گوشت کاٹے یا ناپسندیدہ

(۱) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اول ص ۵۷۲ حدیث ۲۴۷

چیزیں کھائے۔

تو جان لو کہ یہ قول ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص دوائی کھائے اور اس سے اس کو نفع حاصل ہو اور وہ یہ خیال کرے کہ یہ نفع اسے اس دوائی کی کڑواہٹ اور ناپسندیدگی کی وجہ سے ہوا لہٰذا وہ ہر کڑوں اور خلافِ مزاج چیز کھانے لگے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ بلکہ اسے نفع دوائی کی خاصیت کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے نہیں کہ وہ کڑوی تھی۔ اور اس خاصیت سے صرف ڈاکٹروں کو واقفیت ہوتی ہے اسی طرح بھوک سے حاصل ہونے والے نفع کی وجہ بھی صرف جید علماء ہی جانتے ہیں۔

اور جو شخص اس لیے بھوکا رہتا ہے کہ حدیث شریف میں بھوک کی تعریف آتی ہے لہٰذا وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے تو یقیناً اسے نفع ہوگا اگرچہ اسے نفع کی علت معلوم نہ ہو جس طرح وہ شخص جو دوائی پیتا ہے تو اسے نفع ہوتا ہے اگرچہ اسے اس کے نفع بخش ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

لیکن ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ تم درجۂ ایمان سے علم کے درجہ تک پہنچ جاؤ۔

ارشاد خداوندی ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان دار لوگوں کا درجہ بلند فرماتا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ان کے لیے مزید درجات ہیں۔

پس ہم کہتے ہیں کہ بھوک کے دس فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ:

دل کی صفائی، طبیعت کی تیزی اور بصیرت کا کمال ہے۔ کیونکہ سیر ہو کر کھانے سے ذہن کند اور دل اندھا ہو جاتا ہے۔ اور دماغ میں بخار نشہ کی طرح چڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ سوچ و بچار کے مقامات کو گھیر لیتا ہے اور یوں اس کے سبب سے دل فکر سے بھاری ہو جاتا ہے اور فوری ادراک نہیں کر سکتا بلکہ بچہ جب زیادہ کھاتا ہے تو اس کی قوتِ حفظ میں فرق پڑتا ہے اس کا ذہن خراب ہو جاتا ہے اور وہ فوری طور پر کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتا حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

بھوک کو اختیار کرو یہ نفس کو ذلیل کرتی اور دل کو نرم کرتی ہے اور اسی سے آسمانی علم حاصل ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَحْيُوْا قُلُوْبَكُمْ بِقِلَّةِ الضِّحْكِ وَقِلَّةِ الشِّبْعِ وَطَهِّرُوْهَا بِالْجُوْعِ

اپنے دلوں کو کم ہنسنے اور تھوڑا کھانے کے ذریعے زندہ رکھو اور ان کو بھوک کے ذریعے پاک کرو وہ صاف

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مجادلہ آیت ۱۱

تَصۡفُوۡ وَتَرِقُّ۔ (۱) اور نرم ہو جائیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ بھوک گرج کی مثل قناعت بادلوں کی طرح اور حکمت بارش کی طرح ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنۡ اَجَاعَ بَطۡنَہٗ عَظُمَتۡ فِکۡرَتُہٗ وَفَطِنَ قَلۡبُہٗ۔ (۲) جو اپنے پیٹ کو بھوکا رکھتا ہے اس کی سوچ عظیم اور اس کا دل ہوشیار ہو جاتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنۡ شَبِعَ وَنَامَ قَسَا قَلۡبُہٗ۔ (۳) جو آدمی سیر ہو کر کھائے اور سو جائے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا:

لِکُلِّ شَیۡءٍ زَکَاۃٌ وَزَکَاۃُ الۡبَدَنِ الۡجُوۡعُ (۴) ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور بدن کی زکوٰۃ بھوک ہے۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دن بھی بھوکا نہیں رہتا مگر میں اپنے دل میں حکمت اور عبرت کا ایک دروازہ کھلا ہوا پاتا ہوں اور بات مخفی نہیں ہے کہ عبادات کا مقصد ایک ایسی فکر ہے جو معرفتِ خداوندی تک پہنچاتی اور حقائقِ حق دکھاتی ہے۔ اور شکم سیری اس سے روکتی ہے جب کہ بھوک اس کے دروازے کو کھولتی ہے اور معرفت جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے لہٰذا مناسب ہے کہ ہمیشہ بھوک کے ذریعے جنت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اسی لیے حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔

اے بیٹے! جب معدہ بھرا ہوا ہو گا تو فکر سو جائے گی حکمت بے خبر ہو گی اور اعضاء عبادت سے بیٹھ جائیں گے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا بھوک، بادل ہے جب بندہ بھوکا ہوتا ہے تو دل سے حکمت کی بارش ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حکمت کا نور بھوک ہے اور اللہ تعالیٰ سے دوری شکم سیری کی وجہ سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا قرب مساکین سے محبت اور ان کے قریب ہونے سے حاصل ہوتا ہے سیر ہو کر نہ کھاؤ اس طرح تمہارے دلوں سے حکمت کا نور بجھ جائے گا

---

(۱) الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ جلد اول ص ۲۷۵ حدیث ۲۴۷

(۲) الاحادیث الضعیفۃ الموضوعۃ جلد اول ص ۲۷۶ حدیث ۲۵۱

(۳) (۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۲۶، ابواب الصیام

اور جو آدمی رات کو تھوڑا کھانا کھاتا ہے اس کے گرد صبح تک حُور رہتی ہے (۱)

دوسرا فائدہ :

کم کھانے سے دل نرم ہوتا ہے اور اس کو صفائی حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے اسے لذتِ دوام کے ادراک اور اور ذکر سے متاثر ہونے کی استعداد حاصل ہوتی ہے کئی بار زبان پر ذکر جاری ہوتا ہے اور دل بھی حاضر ہوتا ہے لیکن دل کو نہ تو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور نہ اس کا اثر ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے سامنے دل کی سختی کا حجاب ہوتا ہے اور بعض حالات میں دل نرم ہوتا ہے تو ذکر کا اس پر اثر ہوتا ہے اور مناجات میں لذت حاصل ہوتی ہے اور اس کا واضح سبب معدے کا خالی ہونا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس وقت عبادت کی چاشنی زیادہ حاصل ہوتی ہے جب میری پیٹھ، میرے پیٹ سے مل جائے (بھوک مراد ہے)

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض لوگ اپنے اور اپنے سینے کے درمیان کھانے کی آڑ رکھتے ہیں اور پھر بھی مناجات کی مٹھاس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت ابو سلیمان فرماتے ہیں جب بندہ بھوکا اور پیاسا ہوتا تو روشن اور نرم ہوتا ہے اور جب سیر ہو کر کھاتا ہے تو اندھا اور سخت ہوتا ہے اور دل پر مناجات کی لذت کا اثر ہوتا ہے اور یہ فکر کی آسانی اور حصول معرفت کے علاوہ ہے اور یہی دوسرا فائدہ ہے۔

تیسرا فائدہ :

کم کھانے کا تیسرا فائدہ انکساری اور تواضع ہے اس کی وجہ سے اکڑ اور غرور نیز وہ خوشی چلی جاتی ہے جو سرکشی اور اللہ تعالیٰ سے غفلت کا باعث ہے جس قدر بھوک سے نفس کو انکساری حاصل ہوتی ہے اس قدر کسی دوسری بات سے نہیں ہوتی - اس وقت وہ اپنے رب کے سامنے جھکتا ہے اور اپنی کمزوری اور ذلت کو پہچان لیتا ہے کیونکہ اس کی قوت کمزور ہو جاتی ہے اور حیلہ چلا جاتا ہے کیونکہ اسے روٹی کا ٹکڑا نہیں ملتا اور پانی کا گھونٹ نہ ملنے کی وجہ سے اس کی دنیا تاریک ہو جاتی ہے اور جب تک انسان اپنے نفس کی ذلت اور اس کے عجز کا مشاہدہ نہ کرے وہ اپنے مولا کے غلبے اور قہر کو نہیں دیکھ سکتا اس کی سعادت اس بات میں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ہمیشہ ذلت اور عجز کی نگاہ سے دیکھے اور اپنے مالک کو عزت، قدرت اور قہر کی نگاہ سے دیکھے۔ تو اسے ہمیشہ بھوکا اور اپنے رب کی طرف مجبور رہنا چاہیئے اور اس اضطرار میں ذوق کا مشاہدہ کرے اسی لیے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا کو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

لَا بَلْ اَجُوْعُ یَوْمًا وَاَشْبَعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ صَبَرْتُ وَتَضَرَّعْتُ وَاِذَا شَبِعْتُ	نہیں بلکہ میں ایک دن بھوکا رہوں گا اور ایک دن شکم سیر ہوں گا پس جب میں بھوکا ہوں گا تو صبر کروں گا اور اپنے

شکریت ۔ (۱) کے حضور گڑگڑاؤں گا اور جب شکم سیر ہوں گا تو شکر ادا کروں گا۔

تو پیٹ اور شرمگاہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کی اصل پیٹ بھر کر کھانا ہے جب کہ انکساری اور عاجزی جنت کے دروازہ میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کی اصل بھوک ہے، جو شخص۔ جہنم کا کوئی دروازہ بند کرتا ہے وہ لازماً جنت کا کوئی دروازہ کھولتا ہے کیونکہ یہ مشرق اور مغرب کی طرح ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں۔ لہٰذا ان میں سے ایک کے قریب ہونا دوسرے سے دور ہونا ہے۔

چوتھا فائدہ :

انسان اللہ تعالیٰ کی آزمائش اور عذاب کو نہیں بھولتا، اور نہ ہی ان لوگوں کو بھولتا ہے جو آزمائش میں ڈالے گئے ہیں کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے والا بھوکے آدمی کو بھول جاتا ہے بلکہ بھوک کو بھی بھول جاتا ہے اور عقل مند آدمی جب کوئی مصیبت دیکھتا ہے تو اسے آخرت کی پریشانی یاد آجاتی ہے جب وہ پیاسا ہوتا ہے تو قیامت کے میدان میں لوگوں کا پیاسا ہونا اسے یاد آجاتا ہے اسی طرح بھوکا ہوتا ہے تو اسے اہل جہنم کی بھوک یاد آجاتی ہے حتیٰ کہ انہیں بھوک لگے گی تو انہیں خاردار درخت کھانے کو دیا جائے گا اور انہیں پینے کے لیے پیپ دی جائے گی بندے سے آخرت کا عذاب اور تکالیف غائب نہیں ہونی چاہییں یہی بات تو خوف دلاتی ہے جو شخص، ذلت، بیماری، قلت اور آزمائش سے خالی ہو وہ آخرت کے عذاب کو بھول جاتا ہے نہ اس کے دل میں اس کا خیال ہوتا ہے اور نہ ہی غلبہ لہٰذا بندے کو مصیبت میں رہنا اور اس کا مشاہدہ کرتے رہنا چاہیے اور سب سے زیادہ مناسب مصیبت جو برداشت کر سکتا ہے وہ بھوک ہے کیونکہ اس میں یادِ آخرت کے علاوہ بھی بہت سے فوائد ہیں یہ ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جو مصائب و ابتلاء کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص کرتا ہے اسی طرح دوسرے لوگ بھی درجہ بدرجہ ہیں۔

اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ کیوں بھوکے رہتے ہیں حالانکہ آپ کے قبضے میں زمین کے خزانے ہیں آپ نے فرمایا مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں سیر ہو کر کھاؤں تو بھوکے کو بھول نہ جاؤں۔

لہٰذا بھوکوں اور محتاجوں کو یاد رکھنا بھی بھوک کا ایک فائدہ ہے کیوں کہ یہ بات رحمت اور کھانا کھلانے نیز مخلوقِ خدا پر شفقت کا درس دیتی ہے۔ اور شکم سیر آدمی بھوکے کی تکلیف سے غافل ہوتا ہے۔

پانچواں فائدہ :

یہ سب سے بڑا فائدہ ہے اور یہ تمام شہوتوں کو توڑ دینا اور نفس امارہ پر غالب آنا ہے کیونکہ تمام گناہوں کی بنیاد

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۴ مرویات ابوامامہ

شہوتیں اور قوت سے اور قوت و شہوت کی بنیاد یقیناً کھانے ہیں لہٰذا ان کی کمی ہر شہوت اور قوت کو کمزور کر دیتی ہے اور تمام کی تمام سعادت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو قابو کرے اور تمام کی تمام سعادت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو قابو کرے اور تمام کی تمام بدبختی یہ ہے کہ نفس اس کو قابو کرے جس طرح تم سرکش گھوڑے کو اسی صورت میں قابو کر سکتے ہو جب اسے بھوک کے ذریعے کمزور کر لو جب تم اسے شکم سیر کرو گے تو وہ قوی اور سرکش ہو جائے گا۔

اسی طرح نفس کا معاملہ ہے جیسے کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ بڑھاپے کو پہنچ گئے تو نفس کی خدمت کیوں نہیں کرتے وہ تو کمزور ہو گیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اس لیے کہ یہ جلدی اکڑنے لگتا ہے اور بہت زیادہ شرارت کرتا ہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ سرکش ہو کر مجھے گناہ کے کنویں میں نہ ڈال دے میں اسے سختی میں مبتلا رکھوں تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ یہ مجھے برائیوں پر آمادہ کرے حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں جب بھی سیر ہو کر کھاتا ہوں تو گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہوں یا گناہ کا قصد کرنے لگتا ہوں — ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلی بدعت پیٹ بھر کر کھانے کی صورت میں ظاہر ہوئی جب لوگوں کے پیٹ بھر جاتے ہیں تو ان کے نفس اس دنیا کی طرف زور لگاتے ہیں۔

اور یہ ایک فائدہ نہیں بلکہ فوائد کے خزانے ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ بھوک اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور بھوک کی وجہ سے سب سے ادنیٰ بات جو دور ہو جاتی ہے وہ شرمگاہ اور کلام کی شہوت ہے کیونکہ بھوکا آدمی فضول کلام کی خواہش نہیں رکھتا اور یوں وہ زبان کی آفات سے بچ جاتا ہے جیسے غیبت، فحش کلامی، جھوٹ اور چغلی وغیرہ — بھوک ان تمام باتوں سے بچاتی ہے اور جب وہ شکم سیر ہوتا ہے تو وہ دل لگی کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور یوں وہ لوگوں کی عزتوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اسی زبان کا کاٹا ہوا ہی تو جہنم میں لے جاتا ہے۔

جہاں تک شرمگاہ کی شہوت کا تعلق ہے تو اس کی برائی پوشیدہ نہیں ہے اور بھوک اس کے شر کو دور کر دیتی ہے جب آدمی شکم سیر ہو تو وہ اپنی شرمگاہ پر کنٹرول نہیں کر سکتا اور اگر اسے اس کا تقویٰ اس سے روک بھی دے تو وہ اپنی آنکھوں کو نہیں بچا سکتا تو آنکھ کا بھی زنا ہوتا ہے جیسے شرمگاہ زنا کرتی ہے اور اگر وہ آنکھ کو بند کر کے اسے کنٹرول کر لے تو وہ اپنی سوچ و فکر پر قابو نہیں پا سکتا اور اسے گھٹیا قسم کے تفکرات گھیر لیتے ہیں اور دل میں شہوت کے اسباب جنم لیتے ہیں اور اس کی مناجات میں خلل واقع ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ بات نماز کے دوران پیش آتی ہے۔

ہم نے زبان اور شرمگاہ کی آفت کا ذکر بطور مثال کیا ہے ورنہ تمام اعضاء کے گناہوں کا سبب وہ قوت ہے جو پیٹ بھر کر کھانے سے حاصل ہوتی ہے ایک دانا نے کہا ہے کہ جو مرید سیاست پر صبر کرے اور سال بھر تک ایک روٹی پر گزارہ کرے اور اس میں کوئی خواہش شامل نہ ہو نیز وہ نصف پیٹ کے مطابق کھائے تو اللہ تعالیٰ اس سے عورتوں

کے بارے میں سوچ کو دُور کر دیتا ہے۔

چھٹا فائدہ:

کم کھانے سے نیند اور ہمیشہ کی بیداری دور ہو جاتی ہے کیوں کہ جو آدمی سیر ہو کر کھاتا ہے وہ پانی بہت پیتا ہے۔ اور جو شخص زیادہ پانی پیئے اسے نیند زیادہ آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مشائخ کے پاس جب کھانا حاضر ہوتا تو وہ فرماتے اے مریدین کے گروہ زیادہ نہ کھاؤ اس طرح زیادہ پانی پیو گے اور پھر زیادہ نیند آئے گی اور اس کے نتیجے میں زیادہ نقصان اٹھاؤ گے۔ ستر صدیقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نیند کی کثرت کا باعث زیادہ پانی پینا ہے اور زیادہ نیند سے زندگی ضائع ہو جاتی ہے،، تہجد کی نماز رہ جاتی ہے، طبیعت غبی اور دل سخت ہو جاتا ہے زندگی ایک بہترین جوہر ہے اور یہ بندے کا اصل مال ہے جس کے ساتھ تجارت کرتا ہے جب کہ نیند موت ہے لہذا اس کی کثرت عمر کو کم کر دیتی ہے پھر تہجد کی فضیلت پوشیدہ نہیں ہے اور سونے کی وجہ سے تہجد کی نماز فوت ہو جاتی ہے اور اگر نیند کے غلبہ کی صورت میں تہجد پڑھے تو عبادت کی چاشنی حاصل نہیں کر سکتا پھر مجرد (غیر شادی) آدمی اگر شکم سیری کے ساتھ سو جائے تو اسے احتلام آتا ہے اور یہ بات بھی تہجد کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے اور اسے غسل کی ضرورت ہوتی ہے اب اگر پانی ٹھنڈا ہو گا تو وہ اذیت محسوس کرے گا یا حمام میں جانے کی ضرورت ہو گی اور بعض اوقات رات کے وقت وہاں نہیں جا سکتا اور اگر وتر رات کو نہ پڑھے ہوں تو وہ بھی رہ جاتے ہیں پھر حمام کی اجرت وغیرہ کی ضرورت ہو گی پھر بعض اوقات حمام میں کسی کی شرمگاہ پر نگاہ پڑ جاتی ہے اور اس میں وہ خطرات ہیں جن کا ہم نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے اور یہ تمام خرابیاں پیٹ بھر کر کھانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ کہ احتلام ایک عذاب ہے اور انہوں نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ احتلام بہت سی عبادات میں رکاوٹ بنتا ہے کیونکہ ہر حال میں غسل کرنا ممکن نہیں ہوتا تو نیند آفات کا منبع ہے اور زیادہ کھانا اس کا سبب ہے جب کہ بھوک اس کو ختم کرتی ہے۔

ساتواں فائدہ:

کم کھانے سے عبادت پر دوام آسان ہو جاتا ہے کیونکہ کھانا زیادہ عبادت سے روکتا ہے اس لیے کہ کھانے میں مشغولیت کے لیے وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات کھانا خریدنے اور پکانے میں وقت صرف ہو جاتا ہے پھر ہاتھوں کو دھونا اور دانتوں کا خلال کرنا بھی وقت کا تقاضا کرتا ہے پھر پانی پینے کے لیے پانی لینے کی جگہ میں بار بار آنا جانا پڑتا ہے اور جو وقت ان کاموں میں صرف کیا اگر اسے ذکر خداوندی مناجات اور باقی عبادات میں صرف کرے تو اس کا نفع زیادہ ہو گا۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت علی جرجانی رحمہ اللہ کے پاس ستو دیکھے جنہیں وہ پھانک رہے تھے میں نے پوچھا آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میرا خیال ہے کہ چبانے اور پھانکنے کے درمیان میں ستر تسبیحات کا وقت ہوتا ہے اس لیے میں نے چالیس سال سے روٹی نہیں چبائی (یعنی نہیں کھائی)

تو دیکھئے انہوں نے کس طرح اپنے نفس پر خوف محسوس کرتے ہوئے کھانا چبانے میں وقت ضائع نہیں کیا۔
زندگی کا ہر لمحہ ایک نفیس جوہر ہے جو نہایت بیش قیمت ہے لہٰذا اس سے ایسا خزانہ حاصل کیا جائے جو آخرت میں باقی رہے گا اور اس کی کوئی انتہا نہیں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اپنے وقت کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں صرف کیا جائے زیادہ کھانے کی وجہ سے جو کام مشکل ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک ہمیشہ کی طہارت اور مسجد میں ٹھہرنا بھی ہے کیوں کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے اسے زیادہ پانی پینے اور پیشاب کے لیے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئے گی اور ان مشکلات میں سے ایک روزہ رکھنا بھی ہے کیونکہ جسے بھوکا رہنے کی عادت ہو اس کے لیے روزہ رکھنا آسان ہو جاتا ہے لہٰذا روزہ رکھنے، ہمیشہ باوضو رہنے اور کھانے پینے اور اس کے اسباب میں خرچ ہونے والے اوقات کو عبادات میں صرف کرنے جیسے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور ان کاموں کو وہی لوگ معمولی سمجھتے ہیں جو دین کی قدر نہیں پہچانتے بلکہ وہ دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ۔ (۱)

وہ دنیا کی ظاہری زندگی کو (ہی) جانتے ہیں اور آخرت سے وہی لوگ غافل ہیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے شکم سیری کی چھ آفات کی طرف اشارہ کیا ہے انہوں نے فرمایا جو شخص پیٹ بھر کر کھاتا ہے اس پر چھ آفات آتی ہیں وہ مناجات خداوندی کی چاشنی سے محروم ہو جاتا ہے، حکمت کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے، مخلوق پر شفقت سے محرومی ہوتی ہے کیونکہ جب وہ پیٹ بھر کر کھاتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا ہے، عبادت ایک بوجھ بن جاتی ہے خواہشات زیادہ ہوتی ہیں تمام لوگ مساجد کے گرد چکر لگاتے ہیں اور پیٹ بھر کر کھانے والے گندی جگہوں کے گرد چکر لگاتے ہیں۔

آٹھواں فائدہ:

کم کھانے سے بدن کی صحت برقرار رہتی ہے اور بیماریاں دور ہو جاتی ہیں کیوں کہ ان کا سبب زیادہ کھانا ہے نیز اس کی وجہ سے معدے اور لوگوں میں فضول (زائد) اخلاط جمع رہتے ہیں۔ پھر بیماری عبادت سے روکتی اور دل کو پریشان کرتی ہے نیز وہ ذکر و فکر کے راستے میں بھی رکاوٹ ہے اور اس کی وجہ سے زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ بیماری کی وجہ سے انسان فاسد خون نکلوانے دوائی اور ڈاکٹر کا محتاج ہو جاتا ہے اور یہ تمام چیزیں روپیہ پیسہ مانگتی ہیں اور اس سلسلے میں انسان کو تکاوٹ کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے گناہوں اور خواہشات کا شکار ہونا پڑتا ہے اور بھوک میں یہ تمام باتیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ روم آیت ۷

اوجھل ہو جاتی ہیں۔

منقول ہے کہ ہارون الرشید بادشاہ نے چار طبیب بلائے ایک ہندوستانی دوسرا رومی، تیسرا عراقی اور چوتھا حبشی تھا اس نے ان سے کہا کہ تم میں سے ہر ایک ایسی دوائی کا ذکر کرے جس میں کوئی بیماری نہ ہو ہندوستانی حکیم نے کہا میرے نزدیک ایسی دوائی سیاہ ہڑ ہے عراقی نے کہا میرے نزدیک تیرہ تیزک ہے رومی نے کہا میرے نزدیک ایسی دوائی گرم پانی ہے، حبشی جوان سب سے زیادہ علم رکھتا تھا کہنے لگا ہڑ معدے کو تنگ کر دیتی ہے اور یہ ایک بیماری ہے جب کہ تیرہ تیزک معدے کو نرم کر دیتی ہے اور یہ بھی ایک بیماری ہے گرم پانی معدے کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے اور یہ بھی ایک بیماری ہے انہوں نے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا ایسی دوائی جس میں کوئی بیماری نہ ہو یہ ہے کہ جب بھوک لگے اس وقت کھانا کھائے اور ابھی بھوک باقی ہو کہ کھانا چھوڑ دے انہوں نے کہا تم نے سچ کہا ہے۔

اہل کتاب کے ایک طبیب فلسفی کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا۔

ثُلُثٌ لِلطَّعَامِ وَثُلُثٌ لِلشَّرَابِ وَثُلُثٌ لِلنَّفَسِ۔ (۱)

ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے ہو۔

اس طبیب نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ میں نے قلتِ طعام کے سلسلے میں اس سے زیادہ محکم و مضبوط بات نہیں سنی۔ بے شک یہ دانا شخصیت کا قول ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْبِطْنَةُ اَصْلُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ اَصْلُ الدَّوَاءِ وَعَوِّدُوْا كُلَّ جِسْمٍ مَا اعْتَادَ (۲)

شکم سیری اصل بیماری، پرہیز کرنا اصل دوائی ہے اور ہر جسم کو اس کا عادی بناؤ جس کا وہ عادی ہے۔

اور ہمارے خیال میں طبیب کو اس پہلی حدیث کی نسبت اس پر تعجب کا اظہار کرنا زیادہ لائق و مناسب ہے۔

حضرت ابن سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص گندم کی روکھی روٹی ادب کے ساتھ کھائے اسے موت کے سوا کوئی بیماری نہیں آسکتی پوچھا گیا ادب کیا ہے؟ فرمایا بھوک لگنے پر کھائے اور سیر ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھالے بعض فاضل طبیبوں نے زیادہ کھانے کی برائی میں فرمایا کہ انسان جو کچھ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس میں سے زیادہ نفع بخش انار ہے اور سب سے زیادہ نقصان دِہ نمک ہے لیکن زیادہ انار کی نسبت تھوڑا نمک بہتر ہے۔

حدیث شریف میں ہے،

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۲ مرویات مقدام بن معدی

(۲) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اول ص ۲۷۶ حدیث ۲۵۲

صُوْمُوْا تَصِحُّوْا۔ (۱) روزہ رکھو صحت مند رہو۔
کیوں کہ روزہ رکھنے، بھوکا رہنے اور کم کھانے میں جسمانی صحت مضمر ہے نیز اس کی وجہ سے دل سرکشی اور تکبر کی بیماری سے محفوظ رہتے ہیں۔

نواں فائدہ:

کم کھانے کی وجہ سے مشقت کم اٹھانا پڑتی ہے کیونکہ جس شخص کو کم کھانے کی عادت ہو اسے تھوڑا مال بھی کفایت کرتا ہے اور جو شخص شکم سیری کا عادی ہو اس کا پیٹ اس کو پکڑے رکھتا ہے اور ہر دن اس کی گردن کو پکڑ کر کہتا ہے آج کیا کھاؤ گے لہٰذا وہ مختلف مقامات پر جانے کا محتاج ہوتا ہے اور اس طرح وہ حرام کاموں میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے یا وہ حلال مال سے لائے گا اور وہ بھی ذلت و رسوائی کا باعث ہوگا اور بعض اوقات وہ لوگوں کی طرف لالچ کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور یہ انتہائی درجہ کی ذلت ہے اور مومن اپنا خرچ کم رکھتا ہے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ میں اپنی عام ضرورتوں کو چھوڑنے کے ذریعے پورا کرتا ہوں اس سے میرے دل کو زیادہ راحت پہنچتی ہے۔

ایک دوسرے حکیم کا قول ہے کہ جب میں کسی خواہش یا مال کے اضافے کے لیے قرض لینے کا ارادہ کرتا ہوں تو اپنے نفس سے قرض لے لیتا ہوں یعنی اپنی خواہش کو چھوڑ دیتا ہوں تو میرا نفس میرے لیے اچھا قرض خواہ ہے۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمہ اللہ اپنے ساتھیوں سے کھانے پینے کی چیزوں کا بھاؤ پوچھتے رہتے کہا جاتا مہنگائی ہے تو فرماتے چھوڑنے کے ذریعے سستا کرلو۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین حالتوں میں کھانا مذموم ہے اگر وہ شخص عبادت گزار ہے تو کھانے سے سستی پیدا ہوتی ہے اگر وہ کمانے والا ہے تو آفات سے بچ نہیں سکتا اور اگر کچھ آمدنی والا ہے تو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حق میں انصاف نہیں کرے گا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ لوگوں کی ہلاکت کا باعث دنیا کی حرص ہے اور دنیوی حرص کا سبب پیٹ اور شرمگاہ ہے اور شرمگاہ کی شہوت کا باعث پیٹ کی خواہش ہے اور کم کھانے سے یہ تمام باتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یہ جہنم کے دروازے ہیں اور ان کو ختم کرنا جنت کے دروازوں کو کھولنا ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَدِيْمُوْا قَرْعَ بَابِ الْجَنَّةِ بِالْجُوْعِ۔ (۲) ہمیشہ جنت کا دروازہ بھوک کے ذریعے کھٹکھٹاتے رہو۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۸۳ کتاب الصوم

(۲)

تو جو شخص یومیہ ایک روٹی پر قناعت کرتا ہے وہ تمام خواہشات سے صبر کر لیتا ہے وہ آزاد ہوگا اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے گا نیز تھکاوٹ سے بھی بچ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے علیحدگی اختیار کر کے آخرت کی تجارت کرے گا اور یہ ان لوگوں میں سے ہو گا جن کو ان کی تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روکتی کیوں کہ وہ قناعت کرنے کی وجہ سے نیچے رہتے ہیں لیکن جو محتاج ہوتا ہے اسے تجارت لازماً ذکر خداوندی سے روکتی ہے۔

دسواں فائدہ:

کم کھانے کی وجہ سے آدمی زائد کھانا یتیموں اور مساکین کو بطور صدقہ دینے پر قادر ہو جاتا ہے اس طرح وہ قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

كُلُّ امْرِئٍ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ۔ (۱)

ہر شخص قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا۔

تو جو کچھ آدمی کھاتا ہے وہ گندگی میں جمع ہو جاتا ہے اور جو کچھ صدقہ کرتا ہے وہ فضل خداوندی کے سلیے ذخیرہ بن جاتا ہے پس بندے کے لیے وہی ہے جو اس نے صدقہ کر کے جمع کر دیا یا کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا۔ لہٰذا زائد کھانا صدقہ کر دینا شکم سیری اور بد ہضمی سے بہتر ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جب قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (۲)

ہم نے (اپنی) امانت آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے انسان نے اٹھا لیا بے شک وہ زیادتی کرنے والا نادان ہے۔

اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو سات آسمانوں، ان راستوں جن کو ستاروں کے ساتھ مزین کیا اور عرش کے اٹھانے والے فرشتوں پر پیش کیا اور ارشاد فرمایا کہ اس میں جو امانت ہے اسے اٹھاؤ گے؟ انہوں نے پوچھا اس میں کیا ہے؟ فرمایا اگر تم نیکی کرو تو اس کا بدلہ دیا جائے گا اور اگر برائی کرو تو اس کا عذاب دیا جائے گا انہوں نے عرض کیا نہیں پھر اسی طرح اسے زمین کے سامنے پیش کیا تو اس نے بھی انکار کر دیا پھر نہایت بلند، مضبوط اور سخت پہاڑوں پر پیش کیا اور ان سے فرمایا کہ کیا تم اس امانت کو اٹھاؤ گے جو اس میں ہے؟ انہوں نے پوچھا اس میں کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۷، ۱۴۸ مرویات عقبہ بن عامر

(۲) قرآن مجید، سورۃ احزاب آیت ۷۲

جزا و سزا کا ذکر فرمایا انہوں نے عرض کیا نہیں پھر انسان کے سامنے رکھا تو اس نے اٹھا لیا کیونکہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اور حکم خداوندی سے ناواقف ہے تو ہم دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم وہ اس امانت کو اپنے مالوں کے بدلے خریدتے ہیں اور ہزاروں تک پہنچتے ہیں انہوں نے اس میں کیا کیا؟ اپنے مکانوں کو کشادہ اور قبروں کو تنگ کیا، اپنی سواریوں کو موٹا تازہ اور دین کو کمزور کیا اور انہوں نے صبح و شام حکمران کے دروازے پر جا کر اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ عافیت میں ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے تیرے لیے فلاں فلاں چیز تلاش کروں تمہیں اس قدر زیادہ دوں گا وہ بائیں ہاتھ پر تکیہ لگائے ہوئے ہوتا ہے اور دوسروں کا مال کھاتا ہے اس کی گفتگو میں مسخرہ پن ہوتا ہے اور اس کا مال حرام ہے حتیٰ کہ جب اسے بدہضمی ہوتی ہے اور ہیضے میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنے ملازم سے کہتا ہے فلاں چیز لاؤ تاکہ میں روٹی کو ہضم کر سکوں تو روٹی کو ہضم کرتا ہے حالانکہ تو دین کو ہضم کر چکا ہے فقیر کہاں ہے؟ بیوہ، یتیم اور مسکین کہاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔

تو یہ اس فائدے کی طرف اشارہ ہے کہ زائد کھانا فقیر کو دیا جائے تاکہ اس کے ذریعے اجر و ثواب جمع ہو جائے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ وہ خود کھائے حتیٰ کہ اس پر بوجھ دوگنا ہو جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موٹے پیٹ والے شخص کو دیکھا تو اپنی انگلی مبارک سے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر اس قدر کسی دوسرے پیٹ میں جاتا تو تیرے لیے بہتر تھا (۱)

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں اسے آخرت کے لیے بھیجتے اور اس کے ذریعے دوسروں کو ترجیح دیتے تو اچھا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ ان میں سے ایک کے پاس شام کے وقت بقدر کفایت رزق تھا اگر وہ چاہتا تو اسے کھا لیتا لیکن اس نے کہا اللہ کی قسم میں اس سب کو اپنے پیٹ میں نہیں ڈالوں گا جب تک اس میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہ دے دوں۔

تو یہ بھوک کے دس فائدے ہیں اور ان میں سے ہر ایک سے بے شمار فائدہ نکلتے ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں تو بھوک اُخروی فوائد کے لیے ایک عظیم ذخیرہ ہے اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ بھوک آخرت کی چابی اور زہد کا دروازہ ہے جب کہ شکم سیری دنیا کی چابی اور رغبت کا دروازہ ہے بلکہ یہ بات ان احادیث میں صراحتاً بیان کی گئی ہے جو ہم نے ذکر کی ہیں ان فوائد کی تفصیل سے واقف ہونے سے ان احادیث کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اگر تم اس تفصیل کو نہ جانو اور پھر بھی بھوک کی فضیلت کو تسلیم کرو تو تمہیں تقلیدی ایمان کا رتبہ حاصل ہو گا۔

واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۷۹ مرویات جعدہ جشمی

پیٹ کی خواہش توڑنے کے لیے ریاضت

مرید پر پیٹ اور کھانوں کے سلسلے میں چار وظائف ہیں۔

صرف حلال چیز کھائے کیونکہ حرام کھانے کے ساتھ عبادت اس طرح ہے جیسے سمندر کی موجوں پر مکان تعمیر کرنا اس سلسلے میں کن کن باتوں کی رعایت واجب ہے ہم نے حلال وحرام کے بیان میں تقویٰ کے درجات کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور تین وظائف کا تعلق خاص طور پر کھانے سے ہے۔

(ا) قلت و کثرت کے اعتبار سے کھانے کی مقدار

(ب) جلدی یا دیر سے کس وقت کھانا کھایا جائے۔

(ج) پسندیدہ کھانا کھانے کے سلسلے میں کیا چیز کھائے۔

پہلا وظیفہ:

کھانا تھوڑا کھانا چاہیئے اور اس سلسلے میں تدریجاً ریاضت کا راستہ اختیار کیا جائے جس شخص کو زیادہ کھانے کی عادت ہو اگر وہ یکدم تھوڑے کھانے کی طرف آجائے تو اس کا مزاج برداشت نہیں کر سکے گا اور وہ کمزور ہو جائے گا نیز مشقت بہت زیادہ ہو گی لہذا اسے چاہیئے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے کمی کرتا رہے۔ یعنی جتنا کھانے کی عادت ہے اس سے آہستہ آہستہ کم کرتا رہے مثلاً وہ دو روٹیاں کھاتا ہے اور اپنے آپ کو ایک روٹی کی طرف لانا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ روٹی کو اٹھائیس بائیس حصوں میں تقسیم کرے روزانہ ایک حصہ کم کرے تو یوں ایک مہینے میں ایک روٹی تک آجائے گا اس سے اسے نہ تو کوئی نقصان ہو گا اور نہ ہی اس کا کوئی اثر ظاہر ہو گا۔ اگر چاہے تو وزن کے طریقے پر بھی ایسا کر سکتا ہے ورنہ مشاہدے کے ذریعے ایسا کرے یعنی روزانہ ایک لقمے کی مقدار کم کر دے اور کل جتنا کھایا تھا اس سے کچھ کم کرے۔

پھر اس کے چار درجات ہیں ایک یہ کہ اپنے نفس کو اتنی مقدار تک لے آئے جس سے زندہ رہ سکے یہ صدیقین کی عادت ہے۔ حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے یہی طریقہ اختیار کیا جب آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تین بندوں سے چیزوں کے ذریعے عبادت لیتا ہے زندگی، عقل اور طاقت، اگر بندے کو ان میں سے دو یعنی زندگی اور عقل کے جانے کا ڈر ہو تو کھائے اور اگر روزہ ہو تو افطار کرے اگر فقیر ہو تو تلاش کرے اور اگر ان دو کا نہیں بلکہ قوت کے جانے کا خوف ہو تو اس کی کوئی پرواہ نہ کرے اگر کمزور ہو جائے حتیٰ کہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور یوں خیال کرے کہ اس کا بھوک کی وجہ سے کمزور ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھنا زیادہ کھانے کی صورت میں کھڑے ہو کر پڑھنے سے بہتر ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ سے اس کے آغاز اور کھانے کی مقدار کے سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میرا کھانا سال بھر میں تین درہم کا ہوتا تھا میں ایک درہم کا شیرۂ انگور ایک درہم کا چاولوں کا آٹا اور ایک درہم کا گھی لیتا تھا پھر ان سب کو ملا کر تین

سو ساٹھ گولیاں بنا لیتا اور روزانہ ایک گولی سے روزہ افطار کر لیتا پوچھا گیا اب کیسے کھاتے ہیں؟ فرمایا اب کچھ مقدار اور وقت مقرر نہیں، بعض راہبوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنی غذا کو ایک درہم تک لوٹا لیا تھا۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو رات دن میں نصف مُد (آدھا کلو) کی طرف پھیر دے اور یہ ایک روٹی اور اس سے کچھ اوپر ہے ——— اور یہ اکثر لوگوں کے حق میں پیٹ کا تیسرا حصہ ہوگا جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور یہ چند لقموں سے زیادہ ہے کیونکہ یہ صیغہ جمع قلت کے لیے ہے اور وہ دس سے کم پر بولی جاتی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہی عادت مبارکہ تھی کیونکہ آپ سات یا نو لقمے کھاتے تھے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ دو مُد کی طرف لوٹا دے اور یہ اڑھائی روٹیاں ہیں اور اکثر لوگوں کے حق میں یہ پیٹ کے تہائی سے زیادہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پیٹ کے دو تہائی تک پہنچ جائے اور تیسرا حصہ پانی کے لیے باقی رہے۔ لیکن اب ذکر کے لیے کچھ نہیں رہے گا اور بعض روایات میں سانس کی بجائے ذکر کے لیے تیسرا حصے کا بیان ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ مُد سے ایک کلو تک لے جائے اور اس سے زیادہ کھانا اسراف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے خلاف ہے۔

وَلَا تُسْرِفُوْا۔ (۱) اور ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ

یعنی اکثر لوگوں کے حق میں ایسا ہے کیونکہ کھانے کی حاجت عمر، آدمی اور جس کام میں مشغولیت ہو اس کے حوالے سے مختلف ہوتی ہے یہاں ایک پانچواں طریقہ بھی ہے جس میں کوئی مقدار مقرر نہیں لیکن اس میں دھوکے کا مقام بھی ہے وہ صورت اس طرح ہے کہ جب اچھی طرح بھوک لگے تو کھانا کھائے اور ابھی اچھی طرح خواہش باقی ہو تو اپنا ہاتھ کھینچ لے لیکن زیادہ غالب بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے لیے ایک یا دو روٹیوں کی مقدار مقرر نہیں کرے گا اس کے لیے سچی بھوک کی حد واضح نہ ہوگی اور اس پر جھوٹی خواہش کے ساتھ یہ بات مخفی رہے گی۔ سچی بھوک کے لیے کچھ علامات ذکر کی گئی ہیں۔

بھوک کی علامات:

بھوک کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ سالن کی خواہش نہ کرے بلکہ وہ رُوکھی روٹی خواہش اور چاہت کے ساتھ کھائے وہ جو روٹی بھی ہو جب اس کی طبیعت کسی خاص روٹی یا سالن کا مطالبہ کرے تو یہ سچی بھوک نہیں ہے۔

کہا گیا ہے کہ بھوک کی علامت یہ ہے کہ وہ تھوکے تو اس کے تھوک پر مکھی نہ بیٹھے مقصد یہ ہے کہ اس میں جب چکناہٹ نہیں ہوگی تو یہ معدے کے خالی ہونے پر دلالت ہے اور اس کی پہچان بہت مشکل ہے تو مرید کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ

(۱) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۳۱

اپنے پیٹ کھانے کی اتنی مقدار مقرر کرے کہ وہ کوئی عبادت بھی کرے، اسے کمزوری محسوس نہ ہو جب اس حد تک پہنچ جائے تو ٹھہر جائے اگرچہ کھانے کی خواہش باقی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ کھانے کی مقدار کا تعین ناممکن ہے کیونکہ یہ احوال و اشخاص کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔

ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ہفتہ بھر ایک صاع (چار کلو) گندم پر گزارہ کرتی تھی اور جب وہ کھجوریں تناول فرماتے تو ہفتہ میں ڈیڑھ صاع (چھ کلو) کھاتے گندم کا ایک صاع چار مد ہوتا ہے تو ہر دن وہ تقریباً نصف مد (آدھا کلو) کے قریب کھاتے تھے اور وہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا پیٹ کا تہائی ہوتا تھا کھجوروں کی صورت میں زیادہ کی ضرورت ہوتی تھی کیوں کہ اس میں سے گٹھلیاں پھینک دی جاتی ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں میرا ہفتہ بھر کا کھانا جو کا ایک صاع (چار کلو) ہوتا تھا اور اللہ کی قسم میں وفات تک اس میں اضافہ نہیں کروں گا کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:

اَقْرَبُكُمْ مِنِّىْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَحَبُّكُمْ اِلَىَّ مَنْ مَاتَ عَلٰى مَا هُوَ عَلَيْهِ الْيَوْمَ (۱)

قیامت کے دن تم میں سے میرے زیادہ قریب اور مجھے زیادہ محبوب وہ شخص ہوگا جو اس عمل پر فوت ہو جس پر وہ آج ہے۔

جب وہ بعض صحابہ کرام کی حالت دیکھتے تو اعتراض کرتے ہوئے فرماتے تم نے تبدیلی کر دی ہے تمہارے لیے جو کا آٹا چھنا جاتا ہے حالانکہ (حضور علیہ السلام کے زمانے میں) چھنا نہیں جاتا تھا تم چپاتیاں پکاتے ہو اور دو دو سالن جمع کرتے ہو تمہارے پاس طرح طرح کھانے ہیں تم صبح اور کپڑوں میں ہوتے ہو اور شام کے وقت دوسرے کپڑوں میں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تم اس طرح نہیں تھے۔

اصحاب صفہ میں سے دو دو افراد کے لیے یومیہ ایک مُد (ایک کلو) کھجوریں ہوتی تھیں (۱) اور مد ایک سیر اور سیر کا تہائی ہے۔ اور اس سے گٹھلیاں نکالی جاتی ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے مومن کی مثال بکری جیسی ہے اس کے لیے ایک مٹھی سڑی ہوئی کھجوریں اور ستو اور ایک گھونٹ پانی کافی ہے جب کہ منافق کاٹنے والے درندے کی طرح ہے وہ حلق سے اتارتا چلا جاتا ہے نہ پڑوسی کے لیے اپنے پیٹ میں کمی کرتا ہے اور نہ ہی زائد کھانے کے ساتھ اپنے کسی بھائی کو ترجیح دیتا ہے اس زائد مال کو آگے (آخرت

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۳ ص ۲۲۵ حدیث ۳۶۲۶۱

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۸۷ مرویات طلحہ بصری

کے لیے) بھیجو۔

حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا اگر دنیا موٹے تازے جانور کا خون ہوتی تو بھی مومن کی روزی حلال ہی ہوتی کیوں کہ مومن ضرورت کے وقت کھاتا ہے اور صرف اتنا کھاتا ہے جس سے اسے قوت حاصل ہو جائے۔

دوسرا وظیفہ:

کھانے کا وقت اور اس میں کس قدر تاخیر ہو سکتی ہے اس کے بھی چار درجات ہیں۔

سب سے بلند درجہ یہ ہے کہ تین دن یا اس سے زیادہ کچھ نہ کھائے مریدین میں سے بعض کھانے کی مقدار کی بجائے وقفے کے ذریعے ریاضت کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض تیس دن اور چالیس دن تک کچھ نہیں کھاتے اور علماء کرام میں سے بہت سے لوگ جن میں حضرت محمد بن عمرو قرنی عبداللہ بن ابراہیم، رحیم، ابراہیم تیمی، حجاج بن فرافصہ حفص عابد مصیصی، مسلم بن سعید، زہیر، سلیمان خواص سہل بن عبداللہ تستری اور ابراہیم بن احمد خواص رحمہم اللہ شامل ہیں وہ بھی اس مدت تک پہنچ گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ دن تک کچھ بھی تناول نہ فرماتے حضرت عبداللہ بن زبیر، سات دن تک وقفہ کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت ابوالجوزاء سات دن تک کچھ نہ کھاتے حضرت ابراہیم بن ادھم اور حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ تین تین دن تک وقفہ کرتے یہ تمام حضرات بھوک کے ذریعے آخرت کے راستے پر چلنے میں مدد حاصل کرتے تھے بعض علماء نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے چالیس دن کھانا چھوڑ دیتا ہے اس پر اسرار الٰہی کھل جاتے ہیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ اس گروہ کے ایک شخص کا ایک راہب پر گزر ہوا تو اس سے اس کی حالت کے بارے میں گفتگو کی اور اس کے اسلام لانے اور جس دھوکے پر وہ تھا اس کو چھوڑنے کا طمع کیا اور اس سے بہت زیادہ کلام کیا یہاں تک کہ راہب نے اس سے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس دن کچھ نہیں کھاتے تھے اور یہ ایک معجزہ ہے جو کسی نبی کو ہی حاصل ہو سکتا ہے اس صوفی نے اس سے کہا اگر میں پچاس دن تک کچھ نہ کھاؤں تو تم اپنے دین کو چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہو جاؤ گے اور اس بات کا یقین کرو گے کہ دین اسلام ہی حق ہے اور تم باطل پر ہو اس نے کہا ہاں چنانچہ اس صوفی نے وہاں ہی اس کے سامنے پچاس دن تک روزہ رکھا پھر کہا کہ میں تمہارے لیے اس میں کچھ اضافہ کرتا ہوں چنانچہ ساٹھ دن تک کچھ نہ کھایا اس پر راہب کو تعجب ہوا اور اس نے کہا میرا خیال نہیں تھا کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے (اس سلسلے میں) بڑھ جائے گا چنانچہ یہی واقعہ اس اسلام لانے کا سبب بنا۔

یہ بہت بڑا درجہ ہے اس تک بہت کم لوگ پہنچتے ہیں صرف وہی لوگ پہنچتے ہیں جو کشف و مشاہدہ میں مشغول ہو کر بھوک اور حاجت سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو سے تین دن تک کچھ نہ کھائے اور یہ بات عادت سے باہر نہیں بلکہ اس کے قریب ہے

اور محنت و مجاہدہ سے اس تک پہنچنا ممکن ہے۔

تیسرا درجہ اس سے ادنیٰ ہے اور وہ ایک دن رات میں ایک بار کھانے پر اکتفا کرے اور یہ سب سے کم درجہ ہے اس سے تجاوز کرنا اسراف اور ہمیشہ شکم سیر رہنا ہے حتیٰ کہ بھوک باقی نہ رہے اور یہ عیاش لوگوں کا کام ہے اور سنت سے دور رہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کھانا کھاتے تو شام کو نہ کھاتے اور شام کو تناول فرماتے تو صبح نہ کھاتے (۱) اور اکابر بزرگ ہر دن ایک بار کھانا کھاتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

ضرورت سے زائد کھانے سے بچو دن میں دو بار کھانا اسراف ہے اور دو دنوں میں ایک بار کھانا ضرورت سے کم کھانا ہے اور ایک دن میں ایک بار کھانا اعتدال ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ (۲)

جو شخص دن میں ایک بار کھانے پر اکتفا کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ طلوع فجر سے پہلے سحری کھائے اب اس کا کھانا تہجد کے بعد اور صبح سے پہلے ہو گا دن کا بھوکا رہنا روزہ ہو جائے گا اور رات کو بھوکا رہنے سے تہجد کے لیے فائدہ ہو گا اور معدے کے فارغ ہونے کی وجہ سے دل بھی فارغ ہو گا اور فکر میں نرمی پیدا ہو گی خیالات مجتمع ہوں گے اور معلوم بات کی طرف نفس کو سکون حاصل ہو گا اور وہ وقت سے پہلے اس سے تقاضا نہیں کرے گا۔

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح تہجد کے لیے قیام نہیں کرتے تھے آپ قیام فرماتے حتیٰ کہ قدم مبارک پھول جاتے (۳) اور وصال کا روزہ بھی تمہاری طرح نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ افطار کو سحری تک مؤخر کرتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی سحری تک لے جاتے تھے (۴)

نوٹ: یہ طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے تھا عام لوگوں کے لیے شام کو افطاری ضروری ہے
۔۔۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

اگر مغرب کے بعد روزہ دار کا دل کھانے کی طرف متوجہ ہو اور تہجد کے وقت اس کا دل حاضر نہ ہو تو اسے چاہیے کہ

---

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۳ حدیث ۱۸۱۷۷
(۲) الاحادیث الضعیفۃ الموضوعۃ جلد اول ص ۲۸۰ حدیث ۲۵۷
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵۵ مرویات مغیرہ بن شعبہ
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۹۱ مرویات علی المرتضیٰ

کھانے کو دو حصوں میں تقسیم کر دے مثلاً اگر دو روٹیاں ہوں تو ایک روٹی افطار کے وقت کھائے اور دوسری روٹی سحری کے وقت ـــــ تاکہ اس کا نفس پر سکون رہے تہجد کے وقت بدن ہلکا پھلکا ہو اور دن کو زیادہ بھوک نہ لگے کیونکہ اس نے سحری کھائی ہو گی، تو پہلی روٹی کے ساتھ تہجد پر اور دوسری کے ذریعے روزے پر مدد حاصل کرے گا اور جو شخص ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے تو کوئی حرج نہیں کہ افطار کے دن ظہر کے وقت کھائے اور روزے والے دن سحری کے وقت کھائے ـــــ تو کھانے کے اوقات مقرر کرنے کے سلسلے میں یہ (مذکورہ بالا) طریقہ ہے۔

تیسرا وظیفہ کھانے کی جنس اور سالن چھوڑنے سے متعلق ہے بہترین کھانا گندم کا آٹا ہے اگر اسے چھانا جائے تو وہ عیاشی میں داخل ہو گا درمیانے قسم کا کھانا جو کا چھنا ہوا آٹا ہے اور سب سے کم درجے کا کھانا جو کا آٹا جو چھنا نہ جائے سب سے بہترین سالن گوشت اور حلوہ ہے سب سے ہلکا نمک اور سرکہ ہے اور درمیانے قسم کا سالن گوشت کے بغیر چکنائی ہے آخرت کے راستے پر چلنے والے بزرگان دین کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ سالن نہیں کھاتے تھے بلکہ وہ خواہشات کی تکمیل سے بچتے تھے۔ کیونکہ انسان جس لذیذ چیز کی خواہش کرتا ہے تو اسے کھاتا ہے اور اس سے اس کے نفس میں اکڑ پیدا ہوتی ہے اور دل سخت ہو جاتا ہے نیز وہ دنیا کی لذتوں سے مانوس ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی محبت میں موت اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو بھول جاتا ہے اس کے حق میں دنیا جنت اور موت قید خانہ بن جاتی ہے اور جب وہ اپنے آپ کو خواہشات سے روکے اور اپنے نفس پر سختی کرتے ہوئے اس کو لذتوں سے محروم رکھے تو دنیا اس کے لیے قید خانہ بن جاتی ہے وہ اس میں گھٹن محسوس کرتا ہے اور اب اس کا نفس یہاں سے کوچ کرنا چاہتا ہے اور موت کے ذریعے زندگی کی قید سے چھوٹنا چاہتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اے صدیقین کے گروہ! اپنے آپ کو جنت کے ولیمے کے لیے بھوکے رکھو کیونکہ نفس کو جس قدر بھوکا رکھا جائے اسی قدر کھانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

ہم نے شکم سیری کی جتنی آفات ذکر کی ہیں وہ تمام خواہشات میں جاری ہوتی ہیں نیز تمام لذات سے ان کا منہ دیکھنا پڑتا ہے ہم دوبارہ ان کا ذکر کر کے کلام کو طول دینا نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ مباح (جائز) خواہشات کو چھوڑنے پر بہت بڑا ثواب ہے جب کہ ان کو حاصل کرنے میں بہت بڑا خطرہ ہے حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شِرَارُ اُمَّتِیَ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ مُخَّ الْحِنْطَۃِ۔ (۱)

میری امت میں سے وہ لوگ برے ہیں جو گندم کا آٹا کھاتے ہیں۔

---

(۱)

آپ نے اسے حرام قرار نہیں دیا بلکہ یہ جائز ہے اگر کوئی شخص ایک دو بار کھائے تو گناہ گار نہیں ہوگا اور جو ہمیشہ کھائے وہ بھی گناہ گار نہیں ہوتا لیکن اس کا نفس نعمتوں میں پرورش پاکر دنیا سے مانوس ہو جاتا ہے اور لذتوں سے الفت پیدا ہو جاتی ہے پھر وہ اس کی طلب میں کوشش کرتا ہے اور یوں وہ گناہ میں پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ لوگ امت میں سے بُرے لوگ ہیں کیونکہ گندم کا آٹا انہیں کچھ ایسے کاموں کی طرف لے جاتا ہے جو امور گناہ ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت کے وہ افراد برے ہیں جو نعمتوں میں پلتے ہیں اور ان کے جسم بھی ان نعمتوں سے پروان چڑھتے ہیں ان کی ہمت اور مقصد طرح طرح کے کھانے اور مختلف قسم کے لباس ہیں اور وہ (تکلیف کرتے ہوئے) منہ پھاڑ پھاڑ کر بات کرتے ہیں۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ یاد رکھیے آپ قبر کے رہنے والے ہیں اور وہ آپ کو زیادہ خواہشات سے روکتی ہے۔

پہلے بزرگ لذیذ کھانوں کے کھانے سے اس قدر خوف کھاتے تھے کہ اسے بدبختی کی علامت سمجھتے اور اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کو سعادت سمجھتے تھے یہاں تک کہ ایک روایت میں ہے حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا چوتھے آسمان میں دو فرشتوں کی باہم ملاقات ہوئی تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے فرمایا تم کہاں سے آئے ہو؟

اس نے کہا مجھے حکم ہوا کہ سمندر سے ایک مچھلی فلاں جگہ لے جاؤں ایک یہودی ملعون نے اس کی خواہش فلاں عابد نے کی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خواہشات کے اسباب کا آسانی سے حاصل ہو جانا بھلائی کی علامات میں سے نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس ٹھنڈے پانی کے پینے سے اجتناب فرمایا جس میں شہد ملا ہوا تھا اور فرمایا اس کا حساب مجھ سے دور کردو تو خواہشات میں نفس کی مخالفت اور لذتوں کو چھوڑنے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں جیسا کہ ہم نے ریاضتِ نفس کے باب میں ذکر کیا ہے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما علیل تھے تو آپ نے ایک تازہ مچھلی کی خواہش کی (حضرت نافع فرماتے ہیں) میں نے مدینہ طیبہ میں تلاش کی تو نہ ملی پھر جب کہیں سے ملی تو میں نے ڈیڑھ درہم میں خرید لی میں اسے بھون کر اور ایک روٹی پہ رکھ کر ان کے سامنے لایا اتنے میں ایک سائل دروازے پر آیا تو انہوں نے غلام سے فرمایا اسے روٹی میں لپیٹ کر سائل کو دے دو۔ غلام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے آپ نے اتنے دنوں سے اس کی خواہش کی تو ہمیں یہ نہ ملی پھر جب ملی تو ڈیڑھ درہم میں خریدی اب اگر آپ فرمائیں تو ہم اس کی قیمت دے دیتے ہیں آپ

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۰۵ کتاب اللباس

نے فرمایا نہیں اسے لپیٹ کر سائل کو دے دو پھر غلام نے سائل سے کہا کیا تم اسے چھوڑ کر درھم لے سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں چنانچہ اس نے درھم دے دیا اور وہ مچھلی لا کر آپ کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ میں نے اسے ایک درھم دے کر حاصل کی ہے آپ نے فرمایا اسے لپیٹ کر اسے دے دو اور اس سے درہم بھی واپس نہ لینا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

اَيُّمَا امْرِیٍٔ اشْتَهٰى شَهْوَةً فَرَدَّ شَهْوَتَهٗ وَآثَرَ بِهَا عَلٰى نَفْسِهٖ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ۔ (۱)

جو شخص کسی چیز کی خواہش کرے پھر اپنی خواہش کو رد کر دے اور اس چیز کے ساتھ کسی دوسرے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا سَدَدْتَ كَلَبَ الْجُوْعِ بِرَغِيْفٍ وَكُوْزٍ مِنَ الْمَاءِ الْقَرَاحِ فَعَلَى الدُّنْيَا وَاَهْلِهَا الدَّمَارُ۔ (۲)

جب تو بھوک کے کتے کو ایک روٹی اور خالص پانی کے ایک لوٹے سے روکے تو دنیا اور اہل دنیا پر ہلاکت (خرابی) ہے۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقصود بھوک اور پیاس کی تکلیف کو دور کرنا اور ان کے ضرر کو ختم کرنا ہے دنیا کی لذات سے عیش کرنا نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حضرت یزید بن سفیان طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام سے فرمایا جب تمہیں معلوم ہو کہ ان کا رات کا کھانا آچکا ہے تو مجھے اطلاع کرنا چنانچہ ان کی اطلاع پر آپ ان کے پاس تشریف لے گئے حضرت یزید کے سامنے کھانا پیش کیا گیا ان کے پاس ثرید اور گوشت لایا گیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کھانا کھایا پھر بھنا ہوا گوشت لایا گیا انہوں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ روک دیا اور فرمایا اے یزید بن سفیان! اللہ تعالیٰ سے ڈرو کھانے کے بعد پھر کھانا!! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے اگر تم نے اسلاف کی سنت کو چھوڑ دیا تو تم ان کے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔

حضرت یسار بن عمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے جب بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے آٹا چھانا تو ان کی مرضی کے خلاف ایسا کیا ایک روایت میں ہے کہ عتبہ غلام آٹا گوندھ کر دھوپ میں رکھتے جب وہ خشک ہو جاتا تو اسے کھاتے اور فرماتے ایک ٹکڑے اور نمک پر گزارہ کرنا چاہیے تاکہ قیامت کے دن بھنا ہوا گوشت اور اچھا کھانا ملے۔ وہ لوٹا لے کر ایک مٹکے میں سے پانی پیتے ان کی ایک لونڈی عرض کرتی اے عتبہ! اگر آپ مجھے آٹا دیتے تو میں آپ کے لیے روٹی پکاتی اور آپ

(۱) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۷۸۷ حدیث ۴۳۳۱۲

(۲) الاحادیث الضعیفہ الموضوعۃ جلد اوّل ص ۴۹۷ حدیث ۴۸۹

کے لیے پانی ٹھنڈا کرتی آپ فرماتے اے ام فلاں! میں نے اپنے آپ سے بھوک کے کتے کو بھگا دیا ہے۔

حضرت شقیق بن ابراہیم فرماتے ہیں میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ کو مکہ مکرمہ میں شوق اللیل (ایک بازار کا نام) میں دیکھا اور یہ بازار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت کے قریب ہے۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمہ اللہ راستے کے کنارے پر بیٹھے رو رہے تھے۔ میں بھی راستہ چھوڑ کر ان کے قریب بیٹھ گیا اور پوچھا اے ابو اسحٰق! یہ رونا کیسا ہے؟ فرمایا سب ٹھیک ہے، میں نے ایک یا دو یا تین بار مزید پوچھا تو انہوں نے فرمایا شقیق! یہ بات کسی کو نہ بتانا میں نے عرض کیا اے میرے بھائی! آپ جو چاہیں فرمائیں انہوں نے فرمایا میرا نفس تیس سال سے حریرہ کی خواہش کر رہا تھا لیکن میں بہت کوشش کر کے اس کو روکتا رہا لیکن گذشتہ شام میں بیٹھا ہوا تھا اور مجھ پر اونگھ غالب آگئی میں ایک نے نوجوان کو دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک سبز پیالہ تھا جس میں سے حریرہ کی بھاپ اٹھ رہی تھی اور خوشبو آ رہی تھی میں نے ہمت کے ساتھ اپنے نفس کو روکا لیکن اس نے وہ پیالہ میرے قریب کر دیا اور کہا اے ابراہیم! کھاؤ میں نے کہا میں نہیں کھاؤں گا میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اسے چھوڑ دیا ہے اس نے کہا تمہیں اللہ تعالیٰ کھلا رہا ہے کھاؤ میں کوئی جواب نہ دے سکا اور رونے لگا اس نے کہا کھا لیجئے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے میں نے کہا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ یہ کہاں سے آیا ہے ہم اپنے برتن میں نہیں ڈالتے اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے کھائیں یہ آپ کو دیا گیا ہے مجھے حکم ہوا کہ اے خضر علیہ السلام! اسے لے جائیں اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کو کھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اس نے کتنا طویل عرصہ صبر کیا اور نفس کو اس سے روک رکھا۔ اے ابراہیم! میں نے فرشتوں سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ جس کو کوئی چیز دی جائے اور وہ نہ لے تو وہ مانگے بھی تو اسے نہیں ملے گا میں نے کہا اگر بات یہ ہے تو میں آپ کے سامنے ہوں اس عقدہ کو اللہ تعالیٰ ہی کھولے گا پھر میں نے دیکھا تو وہاں ایک دوسرا نوجوان بھی کھڑا تھا جو ان کو کوئی چیز دے کر کہہ رہا تھا اے خضر علیہ السلام! آپ ان کو خود کھلائیں وہ مسلسل مجھے کھلاتے رہے حتیٰ کہ میں سو گیا جب بیدار ہوا تو منہ میں اس کا ذائقہ محسوس ہو رہا تھا۔

حضرت شقیق فرماتے ہیں میں نے کہا مجھے اپنی ہتھیلی دکھائیں چنانچہ میں نے ان کی ہتھیلی کو پکڑ کر بوسہ دیا اور کہا۔

اے اللہ! جو لوگ اپنی خواہشات کو ترک کرتے ہیں تو تو ان کو کھانا کھلاتا ہے اے اللہ! تو ہی دل میں یقین ڈالتا ہے اور تو ہی ان کے دلوں کو اپنی محبت سے سکون عطا فرماتا ہے کیا شقیق کا بھی تیرے نزدیک کوئی حال ہے؟ پھر میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم کا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا یا اللہ! اس ہاتھ اور اس کے مالک کی عظمت جو تیرے نزدیک ہے اور وہ جود و کرم جو تو نے ان پر فرمایا اس فقیر پر بھی کرم فرما یا یہ تیرا احسان، فضل اور رحمت ہو گی اگرچہ یہ بندہ اس کا مستحق نہیں ہے فرماتے ہیں پھر حضرت ابراہیم بن ادھم کھڑے ہو کر چل پڑے اور ہم حرم شریف میں داخل ہو گئے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ چالیس سال تک دودھ کی خواہش کرتے رہے

لیکن اسے نوش نہیں فرمایا اور ایک دن انہیں کھجوروں کا تحفہ پیش کیا گیا تو انہوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کھاؤ میں نے چالیس سال سے ان کو نہیں چکھا۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کو نمکین گرم روٹی کی خواہش ہوئی تو میں ان کی خدمت میں روٹی لایا انہوں نے اس کچھ حصہ کاٹا اور باقی کو چھوڑ دیا اور رونے لگے فرمایا میری بہت زیادہ محنت اور مشقت کے بعد تو نے میری خواہش کو جلدی پورا کیا میں پکی طرح توبہ کرتا ہوں تو مجھے معاف کر دے حضرت احمد فرماتے ہیں میں نے ان کو مرتے دم تک نمک استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت مالک بن ضیغم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں بصرہ کے ایک بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک سبزی دیکھی میرے نفس نے کہا اگر آج رات تم مجھے یہ سبزی کھلا دو تو اچھا ہے تو میں نے قسم کھائی کہ میں اسے چالیس راتوں تک یہ سبزی نہیں کھلاؤں گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ بصرہ میں پچاس سال رہے لیکن وہاں کی تر اور خشک کھجور بالکل تناول نہ فرمائی اور فرمایا اے بصرہ والو! میں تم میں پچاس سال رہا لیکن میں نے تمہاری تر اور خشک کھجور نہیں کھائی پھر بھی جو چیز تم میں بڑھی مجھ سے کم نہ ہوئی اور نہ ہی میری کسی نے تمہارے لیے اضافہ کیا میں نے پچاس سال سے دنیا کو طلاق دے رکھی ہے میرا نفس چالیس سال سے دودھ کی خواہش کر رہا ہے لیکن زندگی بھر میں اسے نہیں دوں گا۔

حضرت حماد بن ابو حنیفہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں میں حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کا دروازہ بند تھا میں نے سنا وہ فرما رہے تھے تو نے گاجر کی خواہش کی میں نے تجھے کھلا دی پھر تم نے کھجور کی خواہش کی تو میں نے قسم کھائی کہ تجھے کبھی نہیں کھلاؤں گا میں سلام کہہ کر اندر داخل ہوا تو وہ تنہا تھے۔

حضرت حاتم ایک بار بازار سے گزرے تو انہوں نے پھل دیکھ کر اس کی خواہش کی پھر اپنے بیٹے سے فرمایا ہمارے لیے یہ ٹوٹا ہوا ممنوع پھل لاؤ شاید ہم جنت کے ایسے میوے کی طرف جائیں جو ٹوٹا ہوا روکا ہوا ہو جب انہوں نے خرید کر پیش کیا تو اپنے نفس سے فرمانے لگے تو نے مجھے فریب دیا کہ دیکھتے ہی خواہش کرنے لگا اور مجھ پر اس قدر غالب آیا کہ میں نے خرید لیا اللہ کی قسم میں تمہیں نہیں چکھاؤں گا چنانچہ انہوں نے وہ یتیموں اور فقراء کے پاس بھیج دیا۔

حضرت موسیٰ اشجع رحمہ اللہ کے بارے میں مروی ہے انہوں نے فرمایا میرا دل بیس سال سے پسے ہوئے نمک کی خواہش کر رہا ہے۔

حضرت احمد بن خلیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرا نفس بیس سال سے پیٹ بھر کر پانی پینے کی خواہش کر رہا ہے لیکن میں نے جی بھر کر نہیں پلایا۔ منقول ہے کہ حضرت عتبہ غلام نے سات سال تک گوشت کی خواہش کی اس کے بعد فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ میں سات سال سے نفس کو ٹال رہا ہوں آخر کب ٹالتا رہوں گا تو میں نے گوشت کا ایک ٹکڑا اور روٹی خریدی پھر اسے بھون کر روٹی کے اوپر رکھا اس کے بعد ایک بچہ ملا تو میں نے پوچھا کیا تو فلاں کا بیٹا نہیں اور تمہارا باپ فوت ہو گیا ہے اس نے

عرض کیا جی ہاں، فرماتے ہیں میں نے وہ روٹی اور گوشت اسے دے دیا آپ کے ساتھ کہتے ہیں کہ آپ اس کے بعد رو پڑے اور یہ آیت پڑھنے لگے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ (۱)

اور وہ لوگ خود طلب کے باوجود مسکین، یتیموں اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے اسے کبھی نہ چکھا اور وہ کئی سال تک کھجور کی خواہش کرتے رہے پھر ایک دن ایک قیراط درہم کا بارھواں حصہ اس کے بدلے کھجور خرید کر افطاری کے لیے رکھ دی فرماتے ہیں اتنی تیز آندھی چلی کہ دنیا تاریک ہوگئی اور لوگ گھبرا گئے حضرت عتبہ اپنے آپ سے فرمانے لگے یہ تیری جرأت اور کھجور خریدنے کی وجہ سے ہوا پھر اپنے آپ سے فرمایا میرا خیال یہی ہے کہ تیرے گناہ کی وجہ سے لوگ اس میں مبتلا ہوئے اب اسے نہیں چکھوں گا۔

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ نے آدھے پیسے کی سبزی خریدی اور ایک پیسے کا سرکہ لیا پھر ساری رات کہتے رہے اے داؤد تیرے لیے ہلاکت ہو قیامت کے دن تیرا حساب کس قدر طویل ہوگا اس کے بعد انہوں نے ہمیشہ روکھی روٹی تناول فرمائی اور حضرت عتبہ غلام نے ایک دن حضرت عبدالواحد بن زید سے فرمایا کہ فلاں شخص اپنے بارے میں ایسا مقام ذکر کرتا ہے کہ میں اپنے آپ میں وہ مقام نہیں پاتا انہوں نے کہا اس لیے کہ آپ روٹی کے ساتھ کھجور کھاتے ہیں اور وہ صرف روٹی کھاتے ہیں فرمایا اگر میں کھجور کھانا چھوڑ دوں تو کیا اس مقام کو پہچان لوں گا؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں اور اس کے علاوہ بھی۔

چنانچہ حضرت عتبہ رونے لگے ان کے کچھ شاگردوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو نہ رلائے کیا کھجور کے چھوٹنے پر رو رہے ہیں؟ حضرت عبدالواحد نے فرمایا ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو ان کے نفس نے کھجور چھوڑنے کے سچے عزم کو پہچان لیا ہے اور وہ جب کسی چیز کو چھوڑتے ہیں تو دوبارہ اس کے قریب نہیں جاتے۔

حضرت جعفر بن نصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے حضرت جنید رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ میں ان کے لیے وزیری انجیر خرید کر لاؤں جب میں نے خریدے تو انہوں نے افطاری کے وقت ان میں سے ایک لیا اور منہ میں ڈال دیا پھر اسے پھینک کر رونا شروع کر دیا اور فرمایا اسے لے جاؤ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا مجھے غیبی آواز آئی ہے کہ کیا تمہیں حیا نہیں آتی تم نے اسے میری رضا کی خاطر چھوڑا اور پھر اس کی طرف رجوع کر لیا۔

حضرت صالح مری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عطاء اسلمی رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں ایک چیز بھیج رہا ہوں لیکن مجھے واپس نہ کرنا انہوں نے فرمایا جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو، فرماتے ہیں میں نے اپنے بیٹے کے ہاتھ ستو کا مشروب بھیجا اور اس میں گھی اور شہد بھی ملا دیا اور بیٹے سے کہا کہ جب تک وہ پی نہ لیں واپس نہ آنا جب دوسرا دن ہوا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ دھر آیت ۸

تو میں نے اسی قسم کا مشروب بنا کر بھیجا تو انہوں نے نہ پیا اور واپس کر دیا میں نے اس پر ناراضگی ظاہر کی اور ان کو ملامت کیا اور کہا سبحان اللہ! آپ نے میرا تحفہ لوٹا دیا جب انہوں نے اس وجہ سے میرے غصے کو دیکھا تو فرمایا برا نہ مانیں میں نے ایک مرتبہ تو پیا ہے دوسری مرتبہ میں نے اپنے نفس کو اس پر تیار کرنا چاہا لیکن ایسا نہ ہو سکا جب بھی میں اس کا ارادہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول یاد آجاتا۔

يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ (۱) وہ اسے گھونٹ گھونٹ لیتا ہے اور گلے سے اتار نہیں سکتا۔

حضرت صالح فرماتے ہیں اس پر میں رو پڑا اور دل میں کہا کہ میں کسی اور وادی میں ہوں اور تم کسی اور وادی میں ہو۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرا نفس تیس سال سے مطالبہ کر رہا ہے کہ میں انگور کے شیرے میں گاجر تر کر کے کھاؤں لیکن میں نے اسے نہیں کھلایا۔

حضرت ابوبکر جلاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کا نفس اس سے کہتا ہے میں دس دن تک کچھ نہیں کھاؤں گا لیکن شرط یہ ہے کہ دس دن کے بعد تم میری خواہش کے مطابق کھلاؤ تو اس شخص نے کہا میں یہ نہیں چاہتا کہ تم دس دن کچھ نہ کھاؤ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی خواہش کو چھوڑ دو منقول ہے کہ ایک عابد نے اپنے کسی دوست کو دعوت دی اور اس کے سامنے روٹیاں رکھیں وہ دوست روٹیوں کو الٹ پلٹ کرنے لگا تاکہ اچھی سی روٹی کھائے، اس عابد نے کہا ٹھہر جائیے آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں جس روٹی کو آپ نے چھوڑ دیا ہے اس میں کیا کیا حکمتیں ہیں اور اس میں کتنے کاریگروں نے کام کیا حتیٰ کہ یہ اس بادل سے آئی ہے جس نے پانی کو اٹھایا اور اس پانی نے زمین کو سیراب کیا پھر ہوا ہے، زمین اور جانور اور انسان ہیں ان سب سے گزر کر تمہارے پاس آتی ہے اور تم اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہو اور اس پر راضی نہیں ہو۔

ایک روایت میں ہے یہ روٹی تمہارے سامنے اس وقت نہیں آتی جب تک اس ایک سو ساٹھ کاریگر کام نہ کریں پہلے میکائیل علیہ السلام ہیں جو رحمت کے خزانے سے پانی کو ناپتے ہیں (۲) پھر دوسرے ملائکہ ہیں جو بادلوں کو ہنکاتے ہیں پھر سورج، چاند، آسمان، ہوا کے فرشتے، زمین کے چارپائے اور آخر میں روٹی پکانے والا ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوهَا۔ (۳) اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہا تو شمار نہیں کر سکتے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۱۷

(۲) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۶۸ حدیث ۱۰۷۱

(۳) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۳۴، سورۂ نحل آیت ۱۸

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت قاسم جرعی رحمہ اللہ کے پاس آیا اور اُن سے زہد کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا تم نے اس کے بارے میں کیا سن رکھا ہے؟ میں نے کئی قول بیان کئے لیکن وہ خاموش رہے میں نے پوچھا آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا جان لو کہ پیٹ بندے کی دنیا ہے تو جس قدر وہ پیٹ پر کنٹرول کرے گا اسی قدر اسے زہد حاصل ہوگا اور جس قدر اس کا پیٹ اس پر غالب ہوگا اسی قدر وہ دنیا کے شکنجے میں ہوگا۔

حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو وہ عبدالرحمٰن طبیب کے پاس آئے اور پوچھا کہ کونسا کھانا ان کے موافق ہے انہوں نے فرمایا آپ مجھ سے پوچھتے ہیں لیکن جب میں بتاؤں گا تو آپ مجھ سے قبول نہیں کریں گے حضرت بشر نے فرمایا آپ بیان کیجئے تاکہ میں سن لوں فرمایا سکنجبین نوش فرمائیں اور بہی دانہ چوسیں اور اس کے بعد شوربا پئیں حضرت بشر نے پوچھا آپ کو کوئی ایسی چیز معلوم ہے جو سکنجبین سے کم تر ہو لیکن اس کے قائم مقام ہو، انہوں نے فرمایا نہیں، حضرت بشر نے فرمایا مجھے معلوم ہے حکیم نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا سر کے ساتھ کاسنی (ایک دوا ہے) پھر پوچھا کیا آپ بہی سے کمتر چیز کو جانتے ہیں جو اس کے قائم مقام ہو؟ فرمایا نہیں حضرت بشر نے فرمایا میں جانتا ہوں حکیم نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا شامی خرنوب (سیب کی طرح لیکن کڑوا پھل) پھر پوچھا کیا آپ شوربے سے کمتر چیز جانتے ہیں جو اس کے قائم مقام ہو حکیم نے کہا نہیں تو انہوں نے فرمایا میں جانتا ہوں چنے کا پانی گائے کے گھی میں اس کا بدل ہے اس پر حضرت عبدالرحمٰن حکیم نے کہا آپ طب کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں۔

تو اس تمام گفتگو سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ خواہشات اور سیر ہو کر کھانے سے بچتے تھے اور ان کا پرہیز کرنا ان فوائد کے لیے تھا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض اوقات ان کے لیے حلال روزی کی وضاحت نہیں ہوتی تھی تو وہ اپنے نفسوں کو ضرورت کے مطابق اجازت دیتے تھے اور خواہشات کا تعلق ضرورتوں سے نہیں ہے حتیٰ کہ حضرت ابوسلیمان رحمہ اللہ نے فرمایا نمک بھی خواہش ہے کیونکہ وہ روٹی سے زائد ہے اور جو کچھ روٹی سے زائد ہے وہ خواہش ہے یہ انتہائی مقام ہے اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو اپنے نفس سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اور خواہشات میں مستغرق نہ ہو انسان کے اسراف (فضول خرچی) کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر من پسند چیز کھائے اور جو خواہش ہو اس پر عمل کرے لہٰذا ہمیشہ گوشت نہیں کھانا چاہیے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا جو شخص چالیس دن گوشت کھانا چھوڑ دے وہ بداخلاق ہو جاتا ہے اور جو آدمی مسلسل چالیس دن گوشت کھائے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمیشہ گوشت کھانا شراب کے نشے کی طرح نشہ ہے اور جب آدمی بھوکا ہو اور جماع کو بھی دل چاہیے تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ کھانا کھائے اور جماع کرے اور یوں وہ اپنے نفس کی دو خواہشیں پوری کرے اس طرح نفس اس پر قوی ہو جائے گا اور بعض اوقات نفس کھانا مانگتا ہے تاکہ جماع میں خوشی اور لذت حاصل ہو۔

مستحب ہے کہ آدمی سیر ہو کر کھانے کے بعد نہ سوئے اس طرح دو غفلتیں جمع ہو جائیں گی اور سستی کی عادت پڑ جائے گی نیز اس عمل کے باعث اُس کا دل سخت ہو جائے گا بلکہ اسے چاہیے کہ نماز پڑھے یا بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے کیوں کہ یہ شکر کے زیادہ قریب ہے حدیث شریف میں ہے۔

اَذِیْبُوْا طَعَامَکُمْ بِالذِّکْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَلَا تَنَامُوْا عَلَیْہِ فَتَقْسُوَ قُلُوْبُکُمْ۔ (۱)

اپنی غذا کو ذکر اور نماز کے ذریعے ہضم کرو اور کھانے کے بعد سو نہ جاؤ، اس طرح تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔

کھانے کے بعد کم از کم چار رکعات پڑھے یا ایک سو بار تسبیح پڑھے یا قرآن پاک سے کچھ پڑھے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ جب رات کو سیر ہو کر کھاتے تو شب بیداری کرتے اور جب دن کے وقت سیر ہو کر کھاتے تو اس کے بعد نماز پڑھتے اور ذکر کرتے۔ اور فرمایا کرتے تھے سیاہ فام کا پیٹ بھرو اور اس سے کام لو اور کبھی یوں فرماتے گدھے کو سیر کر کے کھلاؤ اور اس سے کام لو۔

اگر کبھی کھانے اور عمدہ پھلوں کی خواہش ہو تو روٹی نہ کھائے اور اس کی جگہ وہ پھل کھائے تاکہ یہ غذا میں شامل ہو پھل میں شمار نہ ہو اور نفس کے لیے عادت اور خواہش جمع نہ ہو جائیں۔

حضرت سہل رحمہ اللہ نے حضرت ابن سالم کی طرف دیکھا اور ان کے ہاتھ میں روٹی اور کھجور تھی تو ان سے فرمایا پہلے کھجور کھائیں اگر اس سے کام چل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اُس کے بعد حسب ضرورت روٹی کھالیں۔

اور جب نرم اور سخت دونوں قسم کی غذا حاصل ہو تو ہلکی پھلکی غذا پہلے کھائے اس کے بعد بھاری غذا کی خواہش نہیں ہو گی اور اگر بوجھل قسم کا کھانا پہلے کھائے گا تو اس کے بعد لطیف غذا کھانے کو بھی دل کرے گا بعض بزرگ اپنے احباب سے فرمایا کرتے تھے، کہ خواہش کے مطابق نہ کھاؤ اگر کھاؤ تو اس کی تلاش نہ کرو اور اگر تلاش کرو تو اس سے محبت نہ کرو۔

اور مختلف قسم کی روٹی طلب کرنا خواہش ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے عراق سے ہمارے لیے روٹی سے بڑھ کر کوئی پھل نہیں آتا تو آپ روٹی کو پھل قرار دیتے تھے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نفس کو جائز خواہشات کے لیے بھی کھلی چھٹی نہیں دینی چاہیے اور نہ ہی ہر حال میں اس کی اتباع کی جائے۔ بندہ جس قدر خواہش کو پورا کرتا ہے اسی قدر اسے ڈرنا چاہیے کہ قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا۔

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ (۲)

تم نے اپنے اچھے اچھے کھانے دنیا میں ہی ضائع کر دیئے اور ان سے نفع اٹھایا۔

---

(۱) میزان الاعتدال جلد اول ص ۲۷۲ ترجمہ ۱۰۱۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ احقاف آیت ۲۰

اور جس قدر اپنے نفس کو مجاہدے میں ڈالے گا اور خواہش کو چھوڑے گا اسی قدر آخرت میں من پسند چیزوں سے نفع اٹھائے گا۔

ایک بصری شخص کا قول ہے کہ میرے نفس نے مجھ سے روٹی چاول اور مچھلی کا مطالبہ کیا تو میں نے اسے نہ دیا۔ اس کا مطالبہ بڑھ گیا اور بیس سال تک میں بھی مجاہدے میں رہا۔

جب وہ شخص مر گیا تو کسی نے اسے خواب دیکھا اور پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر نعمتیں اور عزت مجھے عطا کی میں اسے بیان نہیں کر سکتا اور مجھے سب سے پہلے جو چیز دی گئی وہ روٹی، چاول اور مچھلی تھی۔ اور ارشاد ہوا کہ آج اپنی خواہش کے مطابق جس قدر دل چاہے کھاؤ۔

ارشاد خداوندی ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔ (۱)

خوشگوار کھاؤ اور پیو یہ اس کا صلہ ہے جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں آگے بھیجا تھا۔

انہوں نے خواہشات کو چھوڑ دیا تھا اسی لیے حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ نے فرمایا کسی خواہش کو چھوڑ دینا دل کو ایک سال کے روزے اور شب بیداری سے زیادہ نفع دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بھوک اور اس کی فضیلت نیز اس سلسلے میں لوگوں کے حالات میں اختلاف

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ تمام امور اور اخلاق کا میں غایت مقصود میانہ روی ہے کیونکہ بہترین امور وہ ہوتے جن میں میانہ روی ہو۔

جب کہ افراط و تفریط قابل مذمت ہے ہم نے بھوک کے جو فضائل ذکر کئے ہیں ان میں اس بات کی طرف اشارہ نہیں ہے کہ بھوک کے سلسلے میں حد سے بڑھ جانا مطلوب ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے لیکن شریعت کی حکمت کے اسرار میں سے یہ بات ہے کہ جس انتہائی کنارے کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور اس میں فساد ہو تو شریعت اس سے روکنے میں مبالغہ سے کام لیتی ہے تاکہ جاہل کو یہی گمان ہو کہ طبیعت کے تقاضے کے خلاف کرنا ہی مقصود ہے جس قدر ممکن ہو سکے اور عالم کو معلوم ہو جائے کہ مقصود میانہ روی ہے کیونکہ جب طبیعت سیر ہو کر کھانا چاہتی ہو تو شریعت بھوک کی خوب تعریف کرتی ہے تاکہ طبیعت اس کو چاہے اور شریعت روکے تو یوں برابر برابر ہو جائیں اور میانہ روی پیدا ہو جائے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحاقۃ آیت ۲۴

کیونکہ طبیعت کی خواہش کو مکمل طور پر ختم کرنا ناممکن ہے تو اسے معلوم ہو کہ وہ انتہائی درجہ تک نہ پہنچے کیوں کہ اگر کوئی حد سے بڑھنے والا طبیعت کے خلاف حد سے بڑھ جائے تو شریعت میں اس کی بھی مذمت پائی جاتی ہے جس طرح شب بیداری اور روزہ رکھنے کے سلسلے میں شریعت نے خوب تعریف کی پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض صحابہ کرام کا حال معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور پوری پوری رات کھڑے رہتے ہیں تو آپ نے اس سے منع فرمایا۔ (۱)

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ معتدل طبیعت کے حوالے سے افضل یہ ہے کہ اس طریقے پر کھائے کہ معدے کا بوجھ بھی محسوس نہ ہو اور بھوک کی تکلیف کا بھی احساس نہ ہو۔ بلکہ پیٹ کو بھول جائے اور اس میں بھوک اثر نہ کرے کیونکہ کھانے کا مقصود زندگی کو باقی رکھنا اور عبادت کی قوت حاصل کرنا اور معدے کا بوجھ عبادت سے روکتا ہے اور بھوک کی تکلیف بھی دل کو مصروف رکھتی اور عبادت سے روکتی ہے تو مقصود یہ ہے کہ اس طرح کھائے کہ جو چیز کھائی ہے اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور وہ فرشتوں کے مشابہ ہو جائے کیونکہ وہ کھانے کے بوجھ اور بھوک کی تکلیف سے پاک ہیں اور انسان کی عنایت و غرض ان (فرشتوں) کی اقتدا کرنا ہے اور جب انسان شکم سیری اور بھوک دونوں سے بچ نہیں سکتا تو دونوں طرفوں سے دوری کی حالت میانہ روی یعنی اعتدال ہے۔

دونوں کناروں سے آدمی کے بچنے اور میانہ روی کی طرف رجوع کرنے کی مثال اس طرح ہے کہ ایک چیونٹی کو جب لوہے کے ایک گرم حلقے کے درمیان چھوڑ دیا جائے اور وہ حلقہ زمین پر ہو تو وہ چیونٹی اس حلقے کی گرمی سے بھاگتی ہے لیکن وہ اس کے گھیرے میں ہونے کی وجہ سے باہر نکلنے پر قادر نہیں ہوتی وہ مسلسل بھاگتی ہے حتی کہ وہ اس کے درمیان میں جا کر ٹھہر جاتی ہے اب اگر وہ مر جائے تو درمیان ہی مرتی ہے کیونکہ مرکز اس گرمی سے دور ہے جو اس حلقے کے اندر ہے جس نے اسے گھیر رکھا ہے اسی طرح خواہشات نے بھی انسان کو گھیر رکھا ہے اور فرشتے اس حلقے سے باہر ہیں اور انسان اس سے باہر نہیں نکل سکتا حالانکہ وہ فرشتوں کی طرح ان خواہشات سے چھٹکارا چاہتا ہے اور کناروں سے زیادہ دور درمیان ہے تو ان باہم مقابل اخلاق میں سے وہی مطلوب ہونا چاہیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلسلے میں فرمایا۔

خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَاطُهَا۔ (۲) — بہترین امور وہ ہیں جن میں اعتدال ہو۔

اور قرآن پاک کی اس آیت میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا۔ — اور کھاؤ پیو اور ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۶۵ کتاب الصوم

(۲) شعب الایمان جلد ۵ ص ۲۶۱ حدیث ۶۶۰۱

(۳) قرآن مجید سورۃ اعراف آیت ۳۱

اور جب انسان کو بھوک اور شکم سیری کا احساس نہ ہو تو اس کے لیے عبادت اور غور و فکر آسان ہو جاتا ہے، کیوں کہ نفس ہلکا رہتا ہے اور اس ہلکے پن کی وجہ سے عمل پر قوت حاصل ہوتی ہے لیکن یہ اسی وقت ہے جب طبیعت اعتدال پر ہو جب کہ ابتدائی مرحلے ہیں جب نفس سرکش ہو اور خواہشات کا شوق رکھتا ہو اور افراط (زیادتی) کی طرف مائل ہو تو اس وقت اعتدال نفع بخش نہیں ہوتا بلکہ اس وقت اسے زیادہ سے زیادہ بھوکا رکھ کر تکلیف میں مبتلا کرنا چاہیے جیسے گھوڑا جب تک سدھایا ہوا نہ ہو اسے بھوکا رکھنے اور مارنے کے ذریعے اذیت پہنچائی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اعتدال پر آجاتا ہے اور جب وہ سیدھا ہو جاتا ہے قابو میں آجاتا ہے اور اعتدال کی طرف لوٹ آتا ہے تو اب اسے ایذا رسانی کا عمل ترک کر دیا جاتا ہے اسی راز کے پیش نظر شیخ اپنے مرید کو ان کاموں کا حکم دیتا ہے جو وہ خود نہیں کرتا۔ وہ اسے بھوکا رہنے کا حکم دیتا ہے حالانکہ خود بھوکا نہیں رہتا نیز اسے پھلوں اور من پسند چیزوں سے روکتا ہے حالانکہ خود پرہیز نہیں کرتا کیوں کہ وہ اپنے نفس کی تادیب سے فارغ ہو چکا ہے۔

لہٰذا وہ اسے تکلیف پہنچانے سے بے نیاز ہو گیا!

اور جب نفس کے زیادہ غالب حالات لالچ، شہوت سرکشی اور عبادت سے رکنا ہے تو اس کے لیے بھوک زیادہ بہتر ہے تاکہ عام طور پر تکلیف اٹھائے اور اس کے نفس میں انکساری پیدا ہو اور مقصود بھی یہی ہے (کہ اس میں انکساری پیدا ہو) یہاں تک کہ وہ اعتدال پر آجائے اس کے بعد غذا میں بھی اعتدال کی طرف لوٹایا جائے آخرت کے راستے پر چلنے والوں میں سے ہمیشہ کی بھوک کو دو قسم کے لوگ اختیار کرتے ہیں ایک صدیق اور دوسرا مغرور بیوقوف — صدیق اس لیے کہ اس کا نفس صراط مستقیم پر قائم ہوتا ہے اور اسے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ بھوک کے کوڑوں کے ذریعے حق کی طرف ہانکا جائے اور مغرور (دھوکے میں پڑا ہوا شخص) اپنے آپ کو صدیق (سچا) سمجھتا ہے اور اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اسے تادیب نفس کی ضرورت نہیں وہ اس کو اچھا خیال کرتا ہے اور یہ بہت بڑا دھوکہ ہے اور یہی بات زیادہ غالب ہے کیوں کہ نفس بہت کم کامل طور پر مؤدب ہوتا ہے اور اکثر دھوکہ کھاتا ہے وہ صدیق کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ اپنے نفس کے بارے میں پرواہ نہیں کرتا تو یہ بھی اپنے نفس کی پرواہ نہیں کرتا جیسے کوئی بیمار آدمی اس شخص کو دیکھتا ہے جو تندرست ہو چکا ہے تو یہ بھی وہی چیز کھاتا ہے جو کچھ وہ کھاتا ہے اور اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہے اور اس طرح ہلاک ہو جاتا ہے۔

اور یہ بات کہ کھانے کی تھوڑی مقدار، مخصوص وقت میں اور مخصوص قسم کا کھانا ذاتی طور پر مقصود نہیں بلکہ یہ تو اس نفس کا مجاہدہ ہے جو حق کا نافرمان ہے اور مرتبۂ کمال تک نہیں پہنچا اس بات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کھانے کی مقدار مقرر فرمائی اور نہ ہی وقت —

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے آپ روزہ

نہیں چھوڑیں گے اور بعض اوقات روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ ہم کہتے اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے (۱)
اور آپ اہل خانہ کے پاس تشریف لائے اور پوچھتے کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اگر وہ ہاں میں جواب دیتے تو آپ تناول فرماتے اور اگر وہ کہتے نہیں تو آپ فرماتے اچھا تو میرا روزہ ہے (۲)
آپ کے سامنے کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ فرماتے میں روزہ رکھنا چاہتا تھا، پھر آپ تناول فرماتے (۳)
ایک دن آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا میرا روزہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہمیں رحیس (ایک قسم کا کھانا جو کھجور ستو اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے) کا تحفہ پیش کیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا اسے قریب کرو (۴) (نفل روزہ رکھ کر توڑا جائے تو اس کی قضا واجب ہے)
یہی وجہ ہے کہ حضرت سہل رحمہ اللہ سے منقول ہے ان سے پوچھا گیا آپ ابتدا میں کس حالت میں تھے انہوں نے مختلف ریاضتوں کے بارے میں بتایا ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ایک مدت تک بیری کے پتے کھاتے رہے دوسری ریاضت یہ کہ وہ تین سال تک انجیر کوٹ کوٹ کر کھاتے رہے پھر فرمایا کہ تین سال تک تین درہم کی غذا پہ گزارہ کرتا رہا پھر پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی کیفیت کیا ہے؟ فرمایا کسی مقرر مقدار اور وقت کی پابندی کے بغیر کھاتا ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں زیادہ کھاتا ہوں بلکہ میں نے کھانے کے لیے کوئی مقدار مقرر نہیں کی۔
حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کی خدمت میں اچھے اچھے کھانوں کا تحفہ پیش کیا جاتا تو وہ کھا لیتے ان سے کہا گیا کہ آپ کے بھائی حضرت بشر رحمہ اللہ اس قسم کے کھانے نہیں کھاتے فرمایا میرے بھائی بشر پہ تقویٰ کا قبضہ ہے اور مجھے معرفت نے کشادگی دی ہے پھر فرمایا میں اپنے مولا کے مکان میں مہمان ہوں جب وہ کھلاتا ہے کھا لیتا ہوں اور جب وہ بھوک میں مبتلا کرتا ہے تو صبر کرتا ہوں مجھے اعتراض و تمیز سے کیا غرض ہے۔
حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے اپنے بھائیوں میں سے کسی کو چند درہم دیئے اور فرمایا ہمارے لیے ان درہموں کا مکھن شہد اور روٹی لے آؤ کہا گیا اے ابو اسحٰق! ان سب کا؟
فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے جب ہم کچھ پاتے ہیں تو مردوں کی طرح کھاتے ہیں اور جب نہیں پاتے تو مردوں کی طرح صبر کرتے ہیں ایک دن آپ نے بہت سا کھانا پکوایا اور چند آدمیوں کو دعوت دی جن میں حضرت اوزاعی اور حضرت سفیان

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۲۶۴ کتاب الصوم
(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۳۳ کتاب الصیام
(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۶۴ کتاب الصیام
(۴) ایضاً

ثوری رحمہما اللہ بھی تھے حضرت ثوری رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا اے ابو اسحٰق! کیا آپ کو اس کے اسراف ہونے کا خوف نہیں انہوں نے فرمایا کھانے میں اسراف نہیں ہوتا اسراف تو لباس اور ساز و سامان میں ہوتا ہے۔

جس شخص کو سماعت اور نقل سے بطور تقلید حاصل ہوا تو وہ حضرت ابراہیم ادھم سے یہ حال دیکھتا ہے اور حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ سے سنتا ہے انہوں نے فرمایا بیس سال سے میرے گھر میں نمک داخل نہیں ہوا حضرت سری سقطی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ چالیس سال سے ان کا دل چاہتا تھا کہ وہ انگور کے شیرے میں گاجر بھگو کر کھائیں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔

تو جو شخص ان واقعات میں تضاد دیکھتا ہے تو وہ حیران ہو جاتا ہے یا وہ یقین کر لیتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک خطا پر ہے لیکن جو شخص اسرارِ علم سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ یہ سب حق ہے لیکن حالات مختلف ہونے کی وجہ سے اختلاف ہے۔

پھر ان مختلف احوال کو کوئی محتاط سمجھدار آدمی سنتا ہے یا کوئی غبی دھوکے میں پڑا ہوا، جو شخص محتاط ہے وہ کہتا ہے میرا ان عارفین سے کیا مقابلہ ہے کہ میں اپنے نفس سے چشم پوشی کروں میرا نفس حضرت سری سقطی اور مالک بن دینار رحمہما اللہ کے نفسوں سے زیادہ اطاعت گزار نہیں ہے یہ لوگ خواہشات سے رکنے والے تھے لہٰذا ان کی اقتدا کرتا ہے جب کہ دھوکے کا شکار آدمی کہتا ہے میرا نفس حضرت معروف کرخی اور حضرت ابراہیم ادھم رحمہما اللہ سے زیادہ میرا نافرمان نہیں ہے کہ میں ان کی اقتدا کروں۔ اور اپنے کھانوں کے سلسلے میں مقدار سے ہاتھ اٹھالوں میں بھی اپنے مالک کے گھر میں مہمان ہوں مجھے اعتراض سے کیا واسطہ؟۔

پھر اگر کوئی شخص ایسے آدمی کے حق یا عزت یا مال اور جاہ و مرتبہ کے سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی کرتا ہے تو اس پر قیامت آجاتی ہے اور یہ اعتراض کرنے لگتا ہے اور یہ شیطان کی بیوقوف لوگوں کے ساتھ جولانگاہ ہے بلکہ کھانے اور روزہ رکھنے کی مقدار کو ختم کر دینا اور خواہشات کے مطابق کھانے کو چھوڑ دینا اسی شخص کو زیبا ہے جو ولایت و نبوت کے نور سے دیکھتا ہے پس یہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آسودگی اور انقباض کی علامت بن جاتی ہے اور یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب آدمی کا نفس خواہشات اور عادات سے کلی طور پر باہر ہو جائے حتیٰ کہ جب وہ کھائے تو اس کی بھی نیت ہو جیسے روزہ رکھنے میں نیت ہوتی ہے یوں وہ اپنے کھانے اور پینے میں مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے والا ہوتا ہے۔

اسے چاہیئے کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے احتیاط سیکھے وہ دیکھتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو پسند فرماتے ہیں اور تناول بھی فرماتے ہیں۔ (۱)

پھر بھی انہوں نے اپنے آپ کو حضور علیہ السلام پر قیاس نہیں کیا کہ جب آپ کو شہد ملا ہوا ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا تو آپ نے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۴۰ کتاب الاشربة

برتن کو اپنے ہاتھ میں پھرتے ہوئے فرمایا اگر اسے پیئوں گا تو مزہ تھوڑی دیر میں چلا جائے گا لیکن اس کا مواخذہ باقی رہے گا اس کا حساب مجھ سے لے جاؤ چنانچہ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔

شیخ کے لیے جائز نہیں کہ مرید کے سامنے یہ اسرار بیان کرے بلکہ صرف بھوک کے فضائل ذکر کرے اور اسے اعتدال کی طرف بھی نہ بلائے کیونکہ جس بات کی طرف بلایا جا رہا ہے وہ ضرور اس میں کوتاہی کرے گا لہٰذا اسے چاہیے کہ مرید کو بھوک کے انتہائی درجہ کی دعوت دے یہاں تک کہ اس کے لیے اعتدال آسان ہو جائے۔

اس کے سامنے اس بات کا ذکر نہ کرے کہ عارف کامل ریاضت سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیوں کہ اس طرح شیطان اس دل سے تعلق پیدا کرلے گا اور ہر وقت یہ وسوسہ ڈالے گا کہ تم کامل عارف ہو اور تم سے معرفت و کمال کو کون چھین سکتا ہے بلکہ حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ اپنے مرید کو جس ریاضت کا حکم دیتے خود بھی اس کے ساتھ شریک ہوتے تاکہ اس کے دل میں خیال پیدا نہ ہو کہ میرے مرشد جو کچھ خود نہیں کرتے مجھے اس بات کا حکم کیوں دیتے ہیں۔ اس طرح وہ ریاضت سے نفرت کرنے لگے گا اور قوت والا شخص جب دوسرے کو ریاضت سکھاتے اور اس کی اصلاح میں مشغول ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ کمزور لوگوں کے درجہ میں اتر آئے۔ اس طرح وہ ان کو سعادت کی طرف لے جائے گا۔ اس میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی بہت بڑی آزمائش ہے تو جب اعتدال کی حد ہر شخص میں پوشیدہ ہے تو حزم و احتیاط کا تقاضا ہے کہ اسے کسی حالت میں نہ چھوڑے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ادب سکھایا جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ (روٹی) گوشت اور گھی کے ساتھ کھا رہے ہیں تو آپ نے ان پر درہ بلند کیا اور فرمایا تمہاری ماں نہ ہو (محض رحمت کا کلمہ ہے) ایک دن روٹی گوشت سے کھاؤ، دوسرے دن روٹی دودھ سے کھاؤ، کسی دن روٹی اور گھی کسی دن روٹی اور زیتون، کسی دن روٹی اور نمک اور کسی دن سالن کے بغیر روٹی کھاؤ۔ یہی اعتدال ہے۔

ہمیشہ گوشت کھانا اور خواہشات کے مطابق کھانا یہ افراط اور اسراف ہے اور گوشت کو بالکل چھوڑ دینا تنگی ہے اور یہ درمیانہ راستہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم

ترکِ خواہش اور قلتِ طعام کی وجہ سے ریاکاری کی آفت

جان لو! خواہشات کو چھوڑنے والے پر دو بڑی مصیبتیں آتی ہیں جو خواہشات کے مطابق کھانے سے بھی بڑی ہیں۔

ایک یہ کہ نفس بعض خواہشات کو چھوڑ نہ سکے اور ان چیزوں کی خواہش کرے لیکن وہ یہ بات نہیں چاہتا کہ اس کی خواہش کا علم ہو لہٰذا وہ خواہش کو پوشیدہ رکھتا ہے اور علیحدگی میں وہ چیز کھاتا ہے جو جماعت کے ساتھ نہیں کھاتا یہ شرکِ خفی ہے۔

ایک عالم سے کسی زاہد کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ خاموش رہے ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اس میں کچھ حرج سمجھتے ہیں فرمایا وہ علیحدگی میں وہ چیز کھاتا ہے جو دوسروں کے ساتھ نہیں کھاتا اور یہ بہت بڑی آفت ہے۔

بلکہ بندے پر لازم ہے کہ جب وہ کسی چیز کی خواہش میں مبتلا ہو اور اسے پسند کرے تو اس کو ظاہر کرے یہ حال کی صداقت ہے اور یہ اعمال کے ذریعے مجاہدات کے فوت ہونے پر دلالت ہے کیونکہ ناقص عمل کو چھپا کر اس کے مخالف کمال کو ظاہر کرنے میں دو بڑے نقصان ہیں ایک جھوٹ بولنا اور دوسرا اسے چھپانا لہٰذا وہ دوگنا غضب کا مستحق ہوتا ہے اور جب تک وہ سچی توبہ نہ کرے اس سے کوئی بھی خوش نہیں ہوتا اسی لیے منافقین کے بارے میں سخت سزا بیان کی گئی۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۱)

بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔

کیوں کہ کافر، کفر کرتا ہے اور اسے ظاہر کرتا ہے۔

جب کہ یہ کفر بھی ہے اور اسے چھپاتا بھی۔ لہٰذا اس کا اپنے کفر کو چھپانا ایک دوسرا کفر ہے، ہلکا سمجھا اور اور مخلوق کی نظر کو عظیم خیال کیا اور اس طرح اس نے اپنے ظاہر سے کفر کو مٹا دیا۔

عارفین کو خواہشات بلکہ گناہوں میں مبتلا کیا جاتا ہے لیکن وہ ریاکاری، کھوٹ اور چھپانے جیسے جرائم میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خواہشات کو چھوڑ دے اور اپنے آپ سے خواہش ظاہر کرے تاکہ مخلوق کے دلوں سے اس کا مقام گر جائے بعض بزرگ خواہشات کے مطابق اشیاء خرید کر گھر میں لٹکا دیتے تھے حالانکہ وہ ان خواہشات سے پرہیز کرتے تھے ان کا مقصد اپنے حال کو چھپانا تھا تاکہ غافل لوگوں کے دل ان سے پھر جائیں اور وہ ان کی حالت کے بارے میں پریشانی کا شکار نہ ہوں۔

تو زہد کی انتہا یہ ہے کہ زہد میں بھی زہد ہو یعنی اس کی ضد کو ظاہر کیا جائے اور یہ صدیقین کا عمل ہے اور ان کے ہاں دو سچ جمع ہوتے ہیں جیسے پہلے قسم کے لوگ دو جھوٹ جمع کرتے ہیں اس نے اپنے نفس پر دو بوجھ رکھے اور صبر کا پیالہ دو مرتبہ پیا ایک دفعہ اس چیز کو چھوڑنے اور دوسری دفعہ لوگوں کے طعن کے باعث۔

تو یقیناً ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے دو مرتبہ اجر دیا جائے گا یہ اس شخص کے طریقے کے مطابق ہے جسے ظاہر کر کے دیا جاتا ہے تو وہ لے لیتا ہے اور پوشیدہ طور پر واپس کر دیتا ہے تاکہ ظاہراً اپنے نفس کو ذلیل کر کے اس کے تکبر کو توڑے اور پوشیدہ طور پر فقر کے ذریعے اس کی سرکشی کو ختم کرے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ نساء آیت ۱۴۵

تو جو شخص یہ طریقہ اختیار نہ کر سکے اسے چاہیے کہ خواہشات اور اپنے نفس کو ظاہر کرتا رہے سچائی اسی میں ہے اسے شیطان کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے کیونکہ شیطان کہتا ہے اگر تو اسے ظاہر کرے گا تو دوسرے لوگ بھی تمہارے پیچھے چلیں گے لہٰذا دوسروں کی اصلاح کے لیے اسے چھپاؤ اگر وہ دوسروں کی اصلاح چاہتا تو دوسروں کی نسبت اپنی اصلاح زیادہ اہم ہے یہ تو محض ریاکاری کا قصد ہے اور شیطان دوسروں کی اصلاح کا نام دے کر اسے اس میں مبتلا کرتا ہے اسی وجہ سے اس پر اس کا ظاہر کرنا بھاری ہوتا ہے اگرچہ اسے معلوم ہو کہ جو شخص اس پر مطلع ہوگا وہ اس کے عمل کی پیروی نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کے تارکِ شہوات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے باز آئے گا۔

دوسری آفت یہ ہے کہ وہ خواہشات کو چھوڑنے پر قادر ہے لیکن اس کے ساتھ مشہور ہونے کا شوق رکھتا ہے لہٰذا وہ خواہشات سے پرہیز کرنے والا مشہور ہو جاتا ہے تو اس نے کمزور خواہش یعنی کھانے کی خواہش کی مخالفت کی لیکن اس سے بڑی خواہش یعنی جاہ و مرتبہ کی خواہش کی اطاعت کی اور یہی پوشیدہ خواہش ہے پس جب اسے اس قسم کی خواہش کا اپنے نفس میں احساس ہو اور اس شہوت کو توڑ دے تو یہ کھانے کی خواہش کو ختم کرنے سے زیادہ ضروری ہے جب یہ سوچ کر کھائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

حضرت ابو سلیمان فرماتے ہیں جب تمہیں کوئی خواہش ہو اور تم اس کو چھوڑنے والے ہو تو اس میں سے تھوڑا سا کھا لو نفس کی مرضی کے مطابق نہ کھاؤ گویا تم نے اپنے آپ سے خواہشات کو دور کر دیا اور نفس کی خواہش کو پورا نہ کر کے اسے بھی بدمزہ کر دیا۔

حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب مجھے کوئی خواہش ہوتی ہے تو میں اپنے نفس کی طرف دیکھتا ہوں اگر ظاہر میں اس کی تمنا پاتا ہوں تو اسے کھلا دیتا ہوں کیونکہ اس کو روکنے سے یہ افضل ہے اور اگر خواہش پوشیدہ ہو اور ظاہر میں ترک کرنا چاہتا ہے تو اسے چھوڑنے کے ذریعے سزا دیتا ہوں اور اس میں سے کچھ بھی نہیں کھاتا تھا اس پوشیدہ خواہش پر نفس کو سزا دینے کا یہ طریقہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کھانے کی خواہش کو چھوڑ دے اور ریاکاری کی خواہش میں پڑ جائے وہ اس شخص کی طرح ہے جو بچھو سے بھاگ کر سانپ کے پاس چلا جاتا ہے کیوں کہ دکھاوے کی خواہش کھانے کی خواہش سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

شرمگاہ کی شہوت:

انسان کو دو فائدوں کے لیے جماع کی شہوت دی گئی ہے ایک یہ کہ اس سے لذت حاصل کر کے آخرت کی لذتوں کو یاد رکھے کیونکہ اگر جماع کی لذت دیرپا ہوتی تو تمام جسمانی لذات سے زیادہ قوی ہوتی۔ جیسے آگ کی تکلیف جسم کی تمام تکلیفوں سے زیادہ بڑی تکلیف ہے اور ترغیب و ترہیب لوگوں کو ان کی سعادتوں کی طرف لے جاتی ہے اور یہ محسوس ہونے والی

تکلیف اور محسوس ہونے والی لذت کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ جو شخص کسی چیز کو نہ چکھے اسے اس کا زیادہ شوق نہیں ہوتا۔
دوسرا فائدہ نسل کا بقا ہے تو یہ اس کے فائدے ہیں لیکن اس میں ایسی آفات ہیں جو دین اور دنیا کو ہلاک کر دیتی ہیں اگر وہ اسے کنٹرول کر کے اعتدال کی حد کی طرف نہیں لوٹاتا ارشاد خداوندی ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ۔ (۱)
اے ہمارے رب ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوانا جس کی ہمیں طاقت نہیں۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی شہوت کی شدت ہے اور آیت کریمہ:

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۔ (۲)
اور اندھیرا ڈالنے کے شر سے جب وہ ڈوبے (پناہ چاہتا ہوں)

کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے عضو مخصوص کا انتشار مراد ہے بعض راویوں نے اس حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا ہے لیکن اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جب عضو مخصوص داخل ہو جائے۔(۳)
کہا گیا ہے کہ جب انسان کا عضو مخصوص کھڑا ہوتا ہے تو اس کی دو تہائی عقل چلی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یوں کہا کرتے تھے۔

اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَقَلْبِيْ وَهَنِيْ وَمَنِيِّيْ۔ (۴)
(اے اللہ) میں اپنے کانوں آنکھوں، دل، شرمگاہ اور مادہ منویہ کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ۔ (۵)
عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔

اگر یہ شہوت نہ ہوتی تو عورتیں مردوں پر مسلط نہ ہوتیں۔
ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ابلیس آپ کے سامنے آیا اس کے سر پر ایک ٹوپی تھی جس میں کئی رنگ چمک رہے تھے جب وہ آپ کے قریب ہوا تو ٹوپی اتار کر رکھ دی اور حاضر خدمت ہو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶
(۲) قرآن مجید، سورۂ الفلق آیت ۳
(۳) احکام القرآن للقرطبی جلد ۲۰ ص ۲۵۶ سورۂ فلق
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۲۹ مرویات شکل بن حمید
(۵) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۷۵ کتاب الحدود

کر سلام پیش کیا اس نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام آپ پر سلام ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ابلیس ہوں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے زندہ نہ رکھے کیوں آئے ہو اس نے کہا چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقام و مرتبہ حاصل ہے اس لیے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے حاضر ہوا ہوں آپ نے پوچھا میں نے تم پر جو کچھ دیکھا ہے وہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ ٹوپی ہے جس کے ذریعے میں انسانوں کے دلوں کو اُچک لیتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا عمل ہے کہ جب انسان کرتا ہے تو تو اس پر غالب آجاتا ہے؟ شیطان نے کہا جب وہ اپنے آپ پر اترانے لگتا ہے اپنے اعمال کو زیادہ جانتا ہے اور گناہوں کو بھول جاتا ہے پھر اس نے کہا میں آپ کو تین باتوں سے ڈراتا ہوں کسی غیر محرم عورت کے ساتھ علیحدگی میں نہ ہوں کیونکہ جو شخص ایسی عورت کے ساتھ علیحدگی میں ہوتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں تو میں خود وہاں ہوتا ہوں اپنے کارندوں کو نہیں بھیجتا یہاں تک کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے فتنے میں مبتلا کر دیتا ہوں دوسری بات یہ کہ جب اللہ تعالیٰ سے وعدہ کریں تو اسے پورا کریں تیسرا یہ کہ جب صدقہ کا مال نکالیں تو اسے خرچ کر دیں کیونکہ جب کوئی شخص صدقہ کا مال الگ کر کے رکھتا ہے اور اسے خرچ نہیں کرتا وہاں بھی میں اپنے کارندوں کو بھیجنے کی بجائے خود جاتا ہوں حتیٰ کہ اس کے خرچ کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہوں پھر شیطان یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ ہائے افسوس! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ بات معلوم ہو گئی جس کے ذریعے انسان کو ڈرایا جاتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے ہیں شیطان کو یہی توقع تھی کہ میں عورتوں کے ذریعے ان کو ہلاک کر دوں گا۔

اور میرے نزدیک بھی عورتوں اور میرے نزدیک بھی عورتوں سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں ہے اور میں مدینہ طیبہ میں صرف اپنے گھر جاتا ہوں یا اپنی صاحبزادی کے گھر جمعہ کے دن غسل کرنے جاتا ہوں پھر چلا آتا ہوں بعض بزرگوں نے فرمایا شیطان عورت سے کہتا ہے کہ تو میرا نصف لشکر ہے اور میرا تیر ہے جسے میں پھینکتا ہوں تو یہ نشانے سے خطا نہیں کرتا۔ تو میرے راز کی جگہ ہے اور میرے کام کے سلسلے میں تو میری قاصد ہے تو اس کا نصف لشکر شہوت ہے اور نصف لشکر غصہ ہے اور سب سے بڑی شہوت، عورتوں کی شہوت ہے۔

اور اس شہوت میں بھی افراط، تفریط اور اعتدال ہے افراط یہ ہے کہ عقل پر غالب آجائے اور مردوں کی ہمت کو عورتوں اور لونڈیوں سے لطف اندوزی کی طرف پھیر دے اور اس طرح وہ آخرت کا راستہ طے کرنے سے محروم ہو جاتا ہے یا اس کے دین پر غالب آجائے اور اسے بے حیائی کے کاموں تک لے جائے اور بعض اوقات اس کی زیادتی دو ناپسندیدہ کاموں تک لے جاتی ہے۔ ان میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ ایسے لوگ وہ چیزیں استعمال کرتے ہیں جو بکثرت جماع پر ان کی شہوت کو قوت دیں جیسے بعض لوگ مقوی معدہ اشیاء استعمال کرتے ہیں تاکہ کھانے کی خواہش بڑھے اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کاٹنے والے درندوں اور سانپوں میں جا پڑے اور جب وہ اس سے

غافل ہو کر سو جائیں تو یہ ان کو کسی نہ کسی طریقے سے جگا دے اور پھر اپنے زخموں کے علاج اور اصلاح میں مشغول ہو جائے بلاشبہ کھانے اور جماع کی خواہش ایسی تکالیف ہیں جن سے انسان چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس چھٹکارے کی وجہ سے لذت محسوس کرتا ہے۔

اگر تم کہو کہ ایک حدیث شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے قوتِ باہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ہریسہ کھانے کو کہا۔(۱)

تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں اور آپ پر ان سب کو نفع پہنچا کر مطمئن کرنا لازم تھا کیونکہ آپ ان کو طلاق بھی دے دیتے تو کسی اور سے ان کا نکاح کرنا حرام تھا۔ تو آپ نے قوت کی طلب اس مقصد کے لیے کی لذت کے حصول کے لیے نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ شہوت بعض لوگوں کو عشق تک پہنچاتی ہے اور یہ جماع کے مقاصد سے لاعلمی کی انتہا ہے۔ اور یہ جانوروں کی حد سے بڑھ کر حیوانیت ہے۔

کیونکہ جھوٹا عاشق جماع کی شہوت کی تکمیل پر قناعت نہیں کرتا اور یہ سب سے بڑی شہوت ہے اور اس سے حیا زیادہ مناسب ہے یہاں تک کہ اس کا اعتقاد ہوتا ہے کہ ایک معین شخص سے ہی ہو حالانکہ جانور اپنی شہوت کو پورا کرتا ہے جس جگہ بھی ہو وہ اسی پر کفایت کرتا ہے اور یہ ایک معین شخص پر اکتفا کرتا ہے اور اس سلسلے میں ذلت پر ذلت اور غلامی کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شہوت کی خدمت کے لیے عقل کو زیر فرمان کر لیتا ہے حالانکہ اسے (عقل کو) اس لیے پیدا کیا گیا کہ اس کی اطاعت کی جائے شہوت کا خادم بنا کر پیدا نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کا محتاج بنایا گیا ہے اور عشق شہوت کی زیادتی کا نام ہے اور یہ ایسے دل کی بیماری ہے جو فارغ ہو اور اسے کوئی فکر نہ ہو اس کے آغاز میں ہی جان چھڑائی جائے یعنی نظر و فکر کو ترک کر دیا جائے ورنہ جب یہ مضبوط ہو جائے گی تو اس کو دور کرنا مشکل ہوگا اسی طرح مال، مرتبے، زمین اور اولاد کا عشق حتیٰ کہ پرندوں سے کھیلنے اور لہو و لعب کے آلات سے کھیلنے کا عشق بھی شروع سے دور کیا جائے کیوں کہ یہ چیزیں بعض لوگوں پر غالب آ کر انہیں دینی اور دنیوی اعتبار سے پریشان کر دیتی ہیں اور وہ ان سے کسی صورت میں صبر نہیں کر سکتے جو شخص شروع میں ہی عشق کو توڑ دیتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو جانور کی باگ کو پھر کر اسے دروازے سے اندر داخل ہونے سے روک دیتا ہے اس وقت اس کی باگ پکڑ کر اسے پھیرنا آسان ہوتا ہے لیکن جب عشق پکا ہو جائے تو اس کے بعد علاج کرنے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو جانور کو کھلی چھٹی دیتا ہے یہاں

---

(۱) الاسرار المرفوعہ ص ۶۶ حدیث ۲۳۱

تک کہ وہ داخل ہو کہ دروازے سے بھی تجاوز کر لیتا ہے۔
پھر وہ اسے دُم سے پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچتا ہے تو آسانی اور تنگی کے درمیان کس قدر تفاوت ہے پس ابتدائی مراحل میں احتیاط ہونی چاہیے جب معاملہ انتہا کو پہنچ جائے تو علاج بہت مشکل ہو جاتا ہے اور ممکن ہے رُوح کو نکالنے تک پہنچا دے شہوت کی زیادتی یہ ہے کہ وہ عقل پر اس حد تک غالب آجائے اور یہ بات نہایت درجہ مذموم ہے۔
اور اس میں کمی یہ ہے کہ وہ نامرد ہو یا بیوی کو نفع پہنچانے میں کمزور ہو یہ بھی مذموم ہے قابل تعریف درجہ اعتدال ہے نیز یہ کہ اسے عقل و شریعت کا مطیع بنائے اور جب زیادہ ہو تو بھوک اور نکاح کے ذریعے اسے توڑے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَعَاشِرَ الشَّبَابِ عَلَيْكُمْ بِالْبَاءَةِ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَالصَّوْمُ لَهُ وِجَاءٌ۔ (۱)

اے نوجوانوں کے گروہ تم پر نکاح کرنا لازم ہے پس جسے طاقت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے بے شک روزہ شہوت کو ختم کر دیتا ہے۔

مرید پر نکاح کرنا لازم ہے یا اسے ترک کرنا

جان لو! مرید کو اپنے ابتدائی مرحلے میں مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو نکاح میں مشغول نہ کرے کیونکہ یہ ایک ایسی مصروفیت ہے جو اسے سلوک الی اللہ سے روک دے گی اور بیوی سے محبت کی طرف کھینچے گی اور جو شخص غیر خدا سے اُنس پیدا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بکثرت نکاح کرنے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ دنیا کی کوئی چیز آپ کے دل کو اللہ تعالیٰ سے نہیں پھیرتی تھی لہذا فرشتوں کو لوہاروں پر قیاس نہ کریں۔
اسی لیے حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص شادی کرتا ہے وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے اور انہوں نے فرمایا میں نے کسی ایسے مرید کو نہیں دیکھا جو شادی کے بعد پہلی حالت پر رہا ہو ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو ایک عورت سے مانوس ہونے کی کیا ضرورت پیش آئی انہوں نے فرمایا اللہ نہ کرے کہ میں اس سے اُنس کروں کیوں کہ اس سے اُنس ہو گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس کے راستے میں رکاوٹ بنے گا۔
انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو بھی چیز تمہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہ اہل وعیال ہوں یا مال، وہ باعث نحوست ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی دوسرے کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے آپ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سمندر میں غوطہ زن رہتے تھے حتیٰ کہ اس کی مدت اس قدر پاتے کہ بعض اوقات ڈر پیدا ہو جاتا کہ وہ دل سے جسم کی طرف آکر اسے ختم ہی نہ کر دے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۵ کتاب الصوم

اسی لیے آپ کبھی کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہاتھ مار کر فرماتے "اے عائشہ! مجھ سے گفتگو کرو"(۱) مقصد یہ تھا کہ ان کی گفتگو کے ذریعے آپ اس عظیم معاملے سے دوسری طرف متوجہ ہوں جس میں آپ مستغرق تھے۔ کیونکہ جسم اسے برداشت نہیں کر سکتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی اور فطری طور پر اُنس خداوندی حاصل تھا اور مخلوق کے ساتھ، آپ کا اُنس عارضی تھا اور وہ جسمانی طور پر نرمی کا برتاؤ ہوتا تھا پھر آپ مخلوق کے ساتھ بیٹھتے تو صبر نہیں کر سکتے تھے اور جب سینہ مبارکہ میں کچھ تنگی محسوس فرماتے تو ارشاد فرماتے۔

اَرِحْنَا یَا بِلَالُ (۲) اے بلال رضی اللہ عنہ! ہمیں راحت پہنچاؤ۔

حتیٰ کہ آپ اس چیز کی طرف لوٹتے جس میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی (یعنی نماز کی طرف) — تو کمزور آدمی جب اس قسم کے معاملات میں آپ کے حالات کو دیکھتا ہے تو دھوکے میں آجاتا ہے کیونکہ ہماری سمجھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے بھیدوں پر آگاہی سے قاصر ہے۔

مرید کے لیے شرط ہے کہ ابتدائی مرحلے میں مجرد رہے تاکہ اسے معرفت میں قوت حاصل ہو اور یہ اس وقت ہے جب اس پر شہوت کا غلبہ نہ ہو اگر اس پر شہوت کا غلبہ ہو تو اسے طویل بھوک اور دائمی روزے کے ذریعے توڑ دے اور اگر اس کے ذریعے بھی دور نہ ہو اور وہ اپنی آنکھ پر بھی کنٹرول نہ کر سکتا ہو تو دیکھئے اگر وہ شرمگاہ کی حفاظت پر قادر ہے تو ہے تو اس کے لیے نکاح کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ شہوت ٹھہر جائے ورنہ جب اس کی آنکھ محفوظ نہیں ہوگی تو فکر بھی محسوس نہیں ہوگی اور اس کی سوچ منتشر رہے گی اور وہ ایسی مصیبت میں پڑے گا جسے برداشت کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے اور آنکھ کا زنا صغیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ ہے اور وہ جلد ہی بہت بڑے گناہ کی طرف لے جائے گا اور وہ شرمگاہ کا زنا ہے اور جو آدمی اپنی آنکھ کو بند کرنے پر قادر نہیں ہوتا وہ اپنی شرمگاہ کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنی نظر کی حفاظت کرو یہ دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے اور فتنے کے لیے یہی کافی ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نظر کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہوئے اسی لیے آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا اے بیٹے! شیر اور سانپ کے پیچھے چلو لیکن عورت کے پیچھے نہ چلو۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ زنا کی ابتدا کیسے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا دیکھنے اور خواہش کرنے سے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں شیطان کہتا ہے نظر میرا پرانا تیر اور کمان ہے جو خطا نہیں ہوتا۔

---

(۱)

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۲۷۷ حدیث ۶۲۱۵

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَلنَّظْرَۃُ سَہْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِہَامِ اِبْلِیْسَ فَمَنْ تَرَکَہَا خَوْفًا مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْطَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَہٗ فِیْ قَلْبِہٖ - (۱)

نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے اسے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اسے ایسا ایمان عطا کرتا ہے جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ - (۲)

میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اِتَّقُوْا فِتْنَۃَ الدُّنْیَا وَفِتْنَۃَ النِّسَآءِ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَۃِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ مِنْ قِبَلِ النِّسَآءِ -

دنیا کے فتنے اور عورت کے فتنے سے بچو بے شک بنی اسرائیل کے پہلے فتنے کا باعث عورتیں تھیں۔ (۳)

ارشاد خداوندی ہے :

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِہِمْ - (۴)

آپ مومنوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ہر انسان کے لیے زنا سے ایک حصہ ہے آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے، ہاتھ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنے کی صورت میں ہوتا ہے پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنے کی صورت میں ہوتا ہے پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا چلنا ہے، منہ زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوسہ لینا ہے اور دل سوچتا ہے یا تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے (۵)

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۴ کتاب الرقاق

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۶۳ کتاب النکاح

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۳ کتاب الذکر

(۴) قرآن مجید سورۃ نور آیت ۳۰

(۵) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۸۹ کتاب النکاح

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے اجازت طلب کی میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا وہاں بیٹھی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا تم دونوں پردہ کرو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہمیں دیکھ نہیں سکتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم بھی نہیں دیکھ سکتیں ؟ (۱)

یہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کے لیے نابینا لوگوں کے ساتھ مجلس بھی جائز نہیں جیسا کہ کسی کے فوت ہونے یا ولیمہ کے موقعہ پر مروج ہے۔ نابینا آدمی پر بھی حرام ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ خلوت اختیار کرے اور عورت پر حرام ہے کہ وہ کسی ضرورت کے بغیر نابینا آدمی کے پاس بیٹھے اور اسے دیکھے ضرورت کے تحت عورتوں کو مردوں سے بات چیت کرنے اور ان کی طرف دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

مرید اگرچہ عورتوں سے اپنی نگاہ کو محفوظ رکھ سکتا ہے لیکن بچوں سے محفوظ رکھنے پر قادر نہیں ہے تو اس کے لیے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ لڑکوں کے ساتھ میل جول میں خرابی زیادہ ہے اگر عورت کی طرف اس کا دل مائل ہوا تو نکاح کے ذریعے اسے جائز طریقے پر حاصل کر سکتا ہے اور لڑکے کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا حرام ہے بلکہ ہر وہ مرد جو داڑھی والے کی نسبت زیادہ دل پر اثر انداز ہوتا ہے اور لڑکے کی طرح اس کی صورت اچھی معلوم ہوتی ہے تو اس کی طرف دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

اگر تم کہو کہ ہر شخص خوبصورت اور بدصورت میں فرق کر لیتا ہے اور بچوں کے چہرے ہمیشہ ننگے رہتے ہیں (تو کیسے بچا جائے) تو میں کہوں گا کہ ہمارا مقصد صرف تمیز نہیں بلکہ ایسی تمیز ہو کہ وہ ان میں اس طرح تفریق کر سکے جس طرح سرسبز اور خشک درخت، صاف اور گدلے پانی، پھول اور کلیوں والے درخت اور جس کے پتے گر چکے ہیں ایسے درختوں کے درمیان تفریق کرتا ہے کیوں کہ وہ اپنی طبیعت اور آنکھ کے ذریعے ان میں سے ایک کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن یہ میلان شہوت سے خالی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی کلی یا پھول کو ہاتھ لگانے اور چومنے سے شہوت پیدا نہیں ہوتی اور نہ صاف پانی کو بوسہ دینے سے ایسا ہوتا ہے اسی طرح اچھی شکل کی طرف آنکھ مائل ہوتی ہے اور اس کے اور بدصورت شکل کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں شہوت نہیں ہوتی اور یہ بات اس وقت معلوم ہوتی ہے جب نفس کا اس کے قرب اور چھونے کی طرف میلان ہو جب وہ اپنے دل میں یہ میلان پائے اور خوبصورت چہرے اور اچھی سبزی منقش کپڑوں اور سونے سے مزین چھت میں فرق محسوس کرے اور شہوت کی نظر سے دیکھے تو یہ حرام ہے یہ وہ بات ہے جس میں لوگ سستی کرتے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۹۶ مرویات ام سلمہ

ہیں اور وہ غیر شعوری طور پر ہلاکتوں میں پڑتے ہیں ایک تابعی فرماتے ہیں مجھے نوجوان سالک پر جس قدر نوخیز لڑکے کا خوف ہے جو اس کی مجلس میں بیٹھا ہے اس قدر خوف درندے کا بھی نہیں۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کسی لڑکے کی پاؤں کی انگلیوں کے درمیان گدگدی کرے اور اس کا مقصد شہوت ہو تو وہ لوطی ہو گا۔

بعض سلف (بزرگ) فرماتے ہیں کہ اس امت میں تین قسم کے لوطی ہوں گے ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو صرف دیکھیں گے دوسرے وہ جو صرف ہاتھ ملائیں گے اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو لواطت کا عمل کریں گے۔ تو معلوم ہوا کہ نوخیز لڑکوں کی طرف دیکھنے میں بہت بڑی آفت ہے تو جب مرید آنکھ کو جھکانے اور فکر کو کنٹرول کرنے سے عاجز ہو تو اس کے لیے بہتر ہے کہ نکاح کے ذریعے اپنی شہوت کو توڑ دے کیوں کہ کئی نفس ایسے ہیں جن کی شہوت محض بھوک سے نہیں ٹھہرتی۔ ان میں سے بعض نے فرمایا کہ ابتدائے سلوک میں مجھ پر شہوت کا اس قدر غلبہ ہوا جو میری برداشت سے باہر تھا تو میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت زیادہ رویا میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا تو اس نے مجھ سے پوچھا تمہیں کیا ہوا میں نے اس سے شکایت کی تو اس نے کہا میری طرف آؤ میں اس کی طرف بڑھا اس نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا میں نے اس کے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دل اور تمام جسم میں محسوس کی صبح ہوئی تو وہ جوش ختم ہو چکا تھا میں ایک سال تک صحیح سلامت رہا پھر شہوت لوٹ آئی میں نے اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ مدد مانگی تو ایک شخص مجھے خواب میں ملا اس نے کہا کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم جس بات میں مبتلا ہو وہ چلی جائے اور میں تمہاری گردن مار دوں میں نے کہا جی ہاں اس نے کہا گردن جھکا دو میں نے گردن جھکا دی اس نے ایک نورانی تلوار نکالی اور اس سے میری گردن مار دی میں صبح اُٹھا تو ٹھیک ٹھاک تھا اور سال بھر اسی طرح رہا پھر اسی قدر یا اس سے بھی زیادہ شہوت پیدا ہوئی تو میں نے اپنے پہلو اور سینے کے درمیان ایک شخص کو دیکھا جو مجھے مخاطب کر کے کہہ رہا تھا جس چیز کو اللہ تعالیٰ دُور کرنا نہیں چاہتا تو کب تک اللہ تعالیٰ سے اس کے دُور کرنے کا سوال کرتا رہے گا۔ وہ فرماتے ہیں میں نے نکاح کر لیا اولاد پیدا ہو گئی اور وہ شدت ختم ہو گئی اور جب مرید کو نکاح کی ضرورت محسوس ہو تو اسے چاہیے کہ ابتدائے نکاح میں ارادت کی شرائط کو نہ چھوڑے بلکہ ہمیشہ سامنے رکھے ابتداء میں حُسنِ نیت کے ذریعے اور بعد میں حُسنِ اخلاق کے ذریعے قائم رکھے۔ سیرت اچھی ہو اور واجب حقوق ادا کرتا رہے جیسا کہ ہم نے آداب نکاح کے بیان میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اب ہم اسے دوبارہ ذکر کر کے کلام کو طُول دینا نہیں چاہتے۔ صدقِ ارادہ کی علامت یہ ہے کہ وہ کسی فقیر دین دار عورت سے نکاح کرے اور مالدار کی تلاش نہ کرے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا جو شخص کسی مالدار عورت سے نکاح کرتا ہے اسے پانچ خرابیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۱) مہر کی زیادتی (۲) رخصتی میں ٹال مٹول (۳) خدمت سے محرومی (۴) اخراجات کی زیادتی (۵) اور جب اسے طلاق دینا چاہے تو مال کی حرص کے باعث طلاق نہیں دے سکتا۔ جب کہ غریب لڑکی کا معاملہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا عورت کو چار باتوں میں مرد کے مقابلے میں کمتر ہونا چاہیے ورنہ وہ اسے حقیر سمجھے گی عمر میں، قد میں، مال اور حسب و نسب میں کم ہو۔

اور چار باتوں یعنی حُسن، ادب، تقویٰ اور اخلاق حسنہ میں مرد سے برتر ہو۔ اور دوامِ نکاح میں صدقِ ارادت کی علامت خُلق ہے۔

کسی مرید نے ایک عورت سے نکاح کیا اور وہ ہمیشہ اس کی خدمت کرتے رہے حتیٰ کہ عورت نے شرم محسوس کیا اور اپنے باپ سے شکایت کرتے ہوئے کہا میں اس شخص کی حالت پر حیران ہوں میں کئی سال سے اس کے گھر میں ہوں میں جب بھی بیت الخلاء میں جاتی ہوں وہ مجھ سے پہلے وہاں پانی رکھ دیتا ہے۔

ایک بزرگ نے کسی خوبصورت عورت سے نکاح کیا جب رخصتی کا وقت قریب آیا تو اس لڑکی کو چیچک نکل آئی اُس کے گھر والے بہت زیادہ پریشان ہوئے کہ اس کا خاوند اسے پسند نہیں کرے گا تو انہوں نے (بزرگ نے) ان لوگوں پر ظاہر کیا کہ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں پھر ان کو باور کرایا کہ ان کی بینائی چلی گئی ہے حتیٰ کہ اس خاتون کی رخصتی ہوئی اور ان لوگوں کی پریشانی زائل ہوگئی یہ خاتون ان کے گھر بیس سال رہیں پھر وفات پاگئیں اس وقت انہوں نے اپنی آنکھوں کو کھول دیا ان سے جب اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں نے اس خاتون کے گھر والوں کی وجہ سے ایسا کیا تاکہ وہ غمگین نہ ہوں انہیں کہا گیا کہ اس خُلق میں آپ اپنے بھائیوں سے سبقت لے گئے۔ کسی بزرگ نے ایک بداخلاق عورت سے نکاح کیا اور اس پر صبر کرتے رہے ان سے کہا گیا کہ آپ اسے طلاق کیوں نہیں دیتے انہوں نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ اس سے کوئی ایسا شخص نکاح کرے جو اس پر صبر نہ کر سکے اور اس کی وجہ سے اذیت اٹھائے۔

اگر مرید نکاح کرے تو اسے اس طرح ہونا چاہیے اور اگر ترکِ نکاح پر قادر ہو تو اس کے لیے یہ زیادہ بہتر ہے جب وہ نکاح کی فضیلت اور سلوکِ راہِ خداوندی کو جمع نہ کر سکے اور وہ سمجھتا ہو کہ یہ نکاح اسے اس کی حالت سے غافل کردے گا۔

جیسا کہ محمد بن سلیمان ہاشمی کے بارے میں مروی ہے کہ وہ دنیا کے مال سے روزانہ اسی ہزار درہم کے مالک ہوتے انہوں نے بصرہ والوں اور ان کے علماء کو ایک عورت کے بارے میں لکھا کہ وہ اس سے ان کی شادی کرائیں وہ سب کے سب رابعہ عدویہ رحمہا اللہ پر متفق ہوئے چنانچہ انہوں نے حضرت رابعہ کو لکھا۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد! اللہ تعالیٰ مجھے روزانہ اسی ہزار درہم کا مالک بناتا ہے چند دن بعد یہ ایک لاکھ ہو جائیں گے میں آپ کے لیے اس طرح اس طرح صبر کروں گا۔

لہٰذا میری بات مان لیجئے۔ حضرت رابعہ نے ان کو جواب میں لکھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد۔ دنیا سے بے رغبتی دل اور بدن کا آرام ہے اور دنیا کی رغبت پریشانی اور غم کا باعث ہے جب آپ کے پاس میرا یہ خط

پہنچے تو اپنے لیے زادِ راہ تیار کر کے آخرت کی تیاری کریں اپنے نفس کو وصی بنائیں اور دوسرے لوگوں کو اپنا وصی مقرر نہ کریں وہ تمہاری میراث کو تقسیم کر لیں گے روزانہ روزہ رکھیں اور موت پر ہی روزہ چھوڑیں جہاں تک میرا تعلق ہے تو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر دولت عطا فرمائے جس قدر آپ کو دی ہے اور اس سے دوگنا عطا فرمائے تو مجھے یہ بات پسند نہیں ہوگی کہ میں پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاؤں یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ جو بات اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہ نقصان دہ ہے۔

تو مرید کو اپنی حالت اور دل کی طرف دیکھنا چاہیئے اگر تجرد میں اسے پائے تو یہ زیادہ قریب ہے اور اگر اس سے عاجز ہو تو نکاح کرنا زیادہ اچھا ہے اور اس بیماری کی دوا تین چیزیں ہیں بھوک، آنکھوں کو پست کرنا اور ایسے کاموں میں مشغول ہونا جو دل پر غالب آجائیں۔

اگر یہ تین کام نفع نہ دیں تو نکاح ہی وہ چیز ہے جو اس بیماری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف نکاح کے لیے جلدی کرتے تھے اور اپنی بیٹیوں کا نکاح بھی جلد از جلد کر دیتے تھے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابلیس کسی سے مایوس نہیں ہوتا اور وہ عورتوں کے واسطے سے آتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی عمر چوراسی سال تھی اور آپ کی ایک آنکھ کی بینائی چلی گئی تھی اور دوسری آنکھ بینائی بھی کمزور ہو گئی تھی۔ اس وقت آپ نے فرمایا مجھے عورتوں سے زیادہ کسی کا خوف نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابو وداعہ فرماتے ہیں میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا انہوں نے چند دن مجھے نہ دیکھا جب میں حاضر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اور میں وہاں مصروف رہا فرمایا تم نے ہمیں کیوں نہ بتایا تاکہ ہم بھی وہاں حاضر ہوتے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں جب میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو فرمایا کیا کوئی اور بیوی ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے مجھے کون رشتہ دے گا میں تو دو یا تین درھموں کا مالک ہوں۔ فرمایا "میں (رشتہ دوں گا) میں نے عرض کیا آپ ایسا کریں گے؟ فرمایا ہاں چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ درود بھیجا اور دو یا تین درھموں پر میرا نکاح کر دیا۔ (۱)

فرماتے ہیں میں اٹھا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ میں اپنے گھر کی طرف چل پڑا اور سوچتا رہا کہ کس سے ادھار لوں میں مغرب کی نماز پڑھ کر گھر آیا اور چراغ جلایا میں روزہ دار تھا روٹی اور زیتون سامنے رکھا کہ روزہ افطار کروں کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ فرمایا "سعید" فرماتے ہیں میں نے ہر سعید نامی شخص کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا لیکن حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا خیال نہ آیا کیونکہ چالیس سال سے وہ صرف مسجد اور گھر کے درمیان دکھائی دیتے تھے۔ فرماتے ہیں میں باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ ہیں میں نے سوچا انہیں کوئی کام ہوگا میں نے عرض

کیا اے ابو محمد! اگر مجھے بلا لیتے تو میں حاضر ہو جاتا فرمایا نہیں، تیرے پاس آنا ہی زیادہ مناسب تھا میں نے عرض کیا کیا حکم ہے؟ فرمایا تم مجرد تھے تو تم نے نکاح کیا مجھے تمہارا اکیلا رات گزارنا برا معلوم ہوا اور یہ تمہاری بیوی ہیں میں نے دیکھا تو واقعی وہ ان کے پیچھے کھڑی تھیں پھر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے سے اندر کر دیا اور خود واپس تشریف لے گئے وہ عورت شرم کے مارے گر پڑی میں نے دروازے کو اچھی طرح بند کیا اور واپس آ کر اس پیالے کو جس میں روٹی اور زیتون تھا چراغ کے سائے میں رکھ دیا تاکہ اسے نہ دیکھے پھر میں چھت پر چڑھ گیا اور اپنے ہمسایوں کو پکارا وہ سب آئے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہوا؟ میں نے کہا آج حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کیا اور اسے اچانک ابھی رات کو میرے پاس لے آئے انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کیا حضرت سعید نے تمہارا نکاح کیا میں نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کیا وہ خاتون گھر میں ہیں میں نے کہا ہاں، تو وہ اس کی طرف اتر آئے پھر میری ماں کو معلوم ہوا تو وہ بھی آ گئیں اور کہنے لگیں اگر تم نے تین دن تک اسے ہاتھ لگایا تو مجھے دیکھنا تم پر حرام ہے تین دن تک میں اس کا بناؤ سنگھار کروں گی فرماتے ہیں تین دن ٹھہرنے کے بعد جب میں اس کے پاس گیا تو وہ بہت خوبصورت تھیں کتاب اللہ کی حافظہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمہ تھیں وہ خاوند کے حق سے بہت زیادہ واقف تھیں۔

فرماتے ہیں ایک مہینے تک نہ میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور نہ وہ خود تشریف لائے ایک ماہ بعد میں حاضر ہوا تو وہ احباب کے حلقہ میں تھے میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا لیکن مزید کوئی گفتگو نہ فرمائی حتیٰ کہ مجلس برخاست ہو گئی پھر فرمایا اس انسان کا کیا حال ہے (اپنی صاحبزادی کے بارے میں پوچھا) میں نے عرض کیا اے ابو محمد! وہ ٹھیک ہے جس طرح کوئی دوست چاہتا ہے اور دشمن ناپسند کرتا ہے۔ فرمایا اگر کوئی بات مرضی کے خلاف پاؤ تو لاٹھی استعمال کرنا، پھر میں اپنے گھر آ گیا تو انہوں نے میری طرف بیس ہزار درہم بھیجے۔

حضرت عبداللہ بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی اس صاحبزادی کا رشتہ عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے ولید کے لیے مانگا تھا جب اس نے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنایا حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جب انکار کیا تو مروان نے کسی حیلے بہانے سے ان کو ایک سو کوڑے مارے اور ان پر پانی کا گھڑا انڈیل دیا اور ایک اونی کرتہ پہنا دیا۔

تو ان کا اسی رات رخصتی کرنا تمہارے لیے شہوت کی خرابی اور نکاح کے ذریعے اس کی آگ کو بجھانے کے لیے میں جلدی کرنے سے آگاہ کرنا ہے کہ یہی دین ہے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان پر رحمت فرمائے۔

شرمگاہ اور آنکھ کی شہوت سے بچنے والے کی فضیلت

جاننا چاہیے کہ یہ شہوت انسان پر سب سے غالب آنے والی شہوت ہے اور جب عقل پر چھا جائے تو اسے نافرمانی کی

راہ دکھاتی ہے علاوہ ازیں اس کا نتیجہ برا ہے جس سے حیا آتی ہے اور اس کے چنگل میں پھنسنا خطرناک ہوتا ہے عام لوگ کسی کمزوری خوف، حیا یا اپنے جسم کی حفاظت کے پیش نظر اس سے اجتناب کرتے ہیں لیکن ان میں سے کسی صورت میں ثواب نہیں ہے کیونکہ یہ ایک نفسانی لذت کو دوسری پر ترجیح دینا ہے ہاں اس پہ قادر نہ ہونا بھی حفاظت ہے تو ان رکاوٹوں میں ایک فائدہ ہے اور وہ گناہ کو دور کرنا ہے کیونکہ جو شخص زنا کو چھوڑ دیتا ہے اس سے اس کا گناہ چلا جاتا ہے وہ جس سبب سے بھی چھوڑے لیکن جب طاقت کے باوجود ان رکاوٹوں کے نہ ہونے کی صورت میں محض خوف خداوندی سے چھوڑ دے تو اس کے لیے بہت بڑی فضیلت اور بہت زیادہ ثواب ہے بالخصوص جب اسباب آسانی سے میسر ہوں اور شہوت صادقہ موجود ہو یہ صدیقین کا درجہ ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ عَشِقَ فَعَفَّ فَكَتَمَ فَمَاتَ فَهُوَ شَهِيدٌ۔ (۱)

جو شخص عاشق ہوا اور اس نے پاکدامنی اختیار کی اور عشق کو چھپایا وہ شہید ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّ عَرْشِهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ۔ (۲)

سات آدمی ایسے ہیں جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا جب کہ اس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

اور آپ نے ان سات افراد میں اس شخص کو بھی شمار کیا جسے کوئی خوبصورت اور حسب و نسب والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ حضرت زلیخا کو رغبت تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو طاقت و قدرت بھی حاصل تھی لیکن اس کے باوجود آپ باز رہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز (قرآن پاک) میں آپ کے اس عمل پر آپ کی تعریف فرمائی اور جو شخص اس عظیم شہوت کے سلسلے میں شیطان سے جہاد کرتا ہے اس کے لیے آپ امام ہیں مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن یسار رحمہ اللہ بہت خوبصورت تھے ایک عورت آپ کے پاس آئی اور آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تو آپ نے انکار فرمایا اور اس عورت کو وہاں اپنے گھر میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت سلیمان بن یسار فرماتے ہیں میں نے اسی رات خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا گویا میں کہہ رہا ہوں آپ یوسف علیہ السلام ہیں؟ وہ فرماتے ہیں ہاں میں یوسف ہوں جس نے ارادہ کیا اور تم سلیمان ہو جس نے ارادہ نہیں کیا اسی بات کی طرف قرآن پاک میں اشارہ کرتے

---

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۲۲۹ ثم دخلت سنۃ خمس وتسعین وماثۃ۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۹۱

ہوئے فرمایا گیا۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ (۱)

اور بے شک انہوں نے (حضرت زلیخا نے) حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور آپ بھی ان کا ارادہ کرتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھے۔

(مطلب یہ ہے کہ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو حضرت زلیخا کا قصد کرتے لیکن چونکہ اپنے رب کی طرف سے برہان دیکھ لی لہذا قصد نہیں تو اس آیت سے قصد ثابت نہیں ہوتا ۱۲ ہزاروی)

اور ان ہی سے ایک زیادہ تعجب خیز واقعہ منقول ہے وہ یہ کہ آپ مدینہ طیبہ سے حج کرنے کے لیے نکلے آپ کے ساتھ آپ کا ایک رفیق بھی تھا حتی کہ مقام ابواء میں پہنچے تو رفیق سفر اٹھا اور دستر خوان لے کر کچھ خریدنے بازار چلا گیا حضرت سلیمان بن یسار خیمے میں بیٹھے رہے اور آپ بہت زیادہ خوبصورت اور نہایت متقی تھے ایک دیہاتی عورت نے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے دیکھ لیا اور اتر کر آپ کے سامنے آکھڑی ہوئی اس پر برقعے اور دستانے تھے اس نے چہرے سے پردہ اٹھایا تو گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہو کہنے لگی مجھے کچھ دیجئے آپ نے سمجھا کہ شاید روٹی مانگ رہی ہے وہ کہنے لگی میرا یہ مقصد نہیں ہے میں تو وہ چیز چاہتی ہوں جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے آپ نے فرمایا تجھے شیطان نے میرے پاس بھیجا ہے پھر آپ نے اپنا سر مبارک اپنے گھٹنوں کے درمیان رکھا اور زور زور سے رونے لگے جب اس نے یہ حالت دیکھی تو اپنے چہرے کو برقعے سے ڈھانپ لیا اور واپس چلی گئی جب آپ کا ساتھی آیا اور اس نے یہ کیفیت دیکھی اور دیکھا کہ رونے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سوج گئی ہیں اور گلا بند ہو گیا ہے تو پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کوئی بات نہیں مجھے اپنا بچہ یاد آگیا ہے اس نے کہا نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی واقعہ ہے بچے سے جدا ہوئے تو تین دن ہوئے ہیں وہ مسلسل اصرار کرتا رہا حتی کہ آپ نے اعرابیہ عورت کا واقعہ بتا دیا رفیق نے دستر خوان رکھا اور وہ بھی شدت سے رونے لگا آپ نے فرمایا تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا مجھے آپ سے زیادہ رونا چاہیے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو اس سے صبر نہ کر سکتا تو وہ دونوں روتے رہے جب حضرت سلیمان بن یسار رحمہ اللہ مکہ مکرمہ پہنچے تو طواف کیا، سعی کی اور حطیم میں آکر چادر سے گھٹنوں کے گرد گھیرا باندھ کر بیٹھ گئے اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی آپ نے خواب میں ایک لمبے قد کے خوبصورت آدمی کو دیکھا اس نے نہایت عمدہ لباس پہنا ہوا تھا اور خوشبو لگا رکھی تھی۔

حضرت سلیمان بن یسار نے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں یوسف ہوں پوچھا یوسف صدیق؟ فرمایا ہاں،

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یوسف آیت ۲۴

حضرت سلیمان بن یسار نے عرض کیا حضرت زلیخا کے ساتھ آپ کا واقعہ عجیب واقعہ ہے، انہوں نے فرمایا مقام ابواء والی عورت کے ساتھ آپ کا واقعہ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

پہلی امتوں میں سے تین شخص (سفر پر) چلے یہاں تک کہ انہیں ایک غار میں رات آگئی وہ اس میں داخل ہوئے تو پہاڑ سے ایک چٹان لڑھک کر آئی اور اس نے غار کا دروازہ بند کر دیا انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اس چٹان سے چھٹکارے کی صورت یہ ہے کہ اپنے کسی اچھے عمل کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں چنانچہ ان میں سے ایک نے عرض کیا یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے بوڑھے ماں باپ تھے میں ان سے پہلے اپنے بال بچوں کو دودھ نہیں دیتا تھا ایک دن مجھے چارے کی تلاش میں تاخیر ہو گئی اور میں واپس نہ آیا حتیٰ کہ وہ دونوں سو گئے میں نے ان کے لیے دودھ دوہا لیکن ان کو سویا ہوا پایا میں نے ان سے پہلے گھر والوں اور جانوروں کو دودھ پلانا مناسب نہ جانا تو میں انتظار کرنے لگا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا اور میں ان کی بیداری کا منتظر تھا حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور بچے میرے قدموں میں بلکتے رہے جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے دودھ پیا یا اللہ اگر میرا یہ عمل تیری رضا کے حصول کے لیے تھا تو ہمیں اس چٹان کی مصیبت سے نجات عطا فرما چنانچہ کچھ حصہ کھل گیا لیکن اس سے نکل نہیں سکتے تھے۔

دوسرے آدمی نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ تو جانتا ہے کہ میرے چچا کی ایک بیٹی تھی جو مجھے سب سے زیادہ پسند تھی میں نے اسے اپنی طرف بلایا تو اس نے انکار کر دیا حتیٰ کہ اسے قحط نے گھیر لیا وہ میرے پاس آئی تو میں نے اسے اس شرط پر ایک سو بیس دینار دیئے کہ وہ میرے اور اپنے درمیان رکاوٹ نہ بنے اس نے بات مان لی یہاں تک کہ جب میں اس پر قادر ہو گیا تو اس نے کہا خدا کا خوف کرو اور ناحق مہر نہ توڑو میں نے ڈرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا حالانکہ مجھے اس سے بہت زیادہ محبت تھی میں نے وہ سونا بھی معاف کر دیا جو میں نے اسے دیا تھا یا اللہ! اگر میرا یہ عمل خالص تیری رضا کے لیے تھا تو ہماری اس مصیبت کو دور کر دے چنانچہ چٹان کچھ اور ہٹ گئی لیکن اب بھی وہ نکل نہیں سکتے تھے۔

تیسرے آدمی نے عرض کیا یا اللہ! میں نے کچھ لوگوں کو مزدوری پر لگایا اور ان کو ان کی اجرت دے دی لیکن ایک شخص اپنی اجرت چھوڑ کر چلا گیا میں نے اس کی مزدوری کو بڑھایا حتیٰ کہ اس کا مال بڑھ گیا کچھ عرصے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے بندے مجھے میری اجرت دے دے میں نے کہا یہ سب اونٹ، گائے، بکریاں اور غلام جو تجھے نظر آرہے ہیں، تمہارے ہیں اس نے کہا بندۂ خدا! مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا یہ سب کچھ لے جاؤ چنانچہ وہ سب مال لے گیا اور کچھ بھی نہ چھوڑا یا اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہماری مصیبت کو دور کر دے چنانچہ چٹان بالکل ہٹ گئی اور وہ وہاں سے نکل کر چل پڑے (۱)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۳۰۳، ۳۰۴ کتاب الاجارات

یہ اس شخص کی فضیلت ہے جوان شہوات کو پورا کرنے پر قادر ہو اور اپنے آپ کو بچائے اور اسی کے قریب وہ شخص ہے جو آنکھ کی شہوت کو پورا کر سکتا ہے (اور پھر رک جاتا ہے) کیونکہ آنکھ زنا کا آغاز ہے لہذا اس کی حفاظت بہت اہم ہے اور وہ مشکل ہے کیونکہ اسے معمولی بات سمجھا جاتا ہے اور اس سے زیادہ خوف محسوس نہیں کیا جاتا حالانکہ یہ تمام آفات کے پیدا ہونے کی جگہ ہے پہلی نظر اگر ارادے کے بغیر ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن جب دوبارہ نظر ڈالے تو اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَكَ الْاُوْلٰى وَعَلَيْكَ الثَّانِيَةُ۔ پہلی نظر تمہارے لیے ہے اور دوسری نظر تمہارے خلاف ہے۔ (۱)

حضرت علاء بن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنی نظر کو عورت کی چادر پر بھی نہ ڈالو کیونکہ نظر دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے اور انسان عورتوں اور بچوں پر نظر ڈالنے سے بہت کم بچتا ہے اور جب اسے اس کے جمال کا خیال ہوگا تو طبیعت دوبارہ دیکھنے کا تقاضا کرے گی اس وقت دل میں خیال کرنا چاہیے کہ دوبارہ دیکھنا جہالت ہے اگر دوبارہ دیکھنے سے بھی اچھی معلوم ہو تو شہوت پیدا ہوگی اور وہاں تک پہنچنے سے عاجز ہے لہذا اسے سوائے افسوس کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر برا سمجھے گا تو پریشانی ہوگی کیونکہ یہ گناہ بے لذت ہے اور اس نے وہ کام کیا جو اس کے لیے اذیت کا باعث ہے تو دونوں حالتوں میں وہ گناہ، تکلیف اور افسوس سے خالی نہ ہوگا اور جب اس طریقے پر آنکھ کی حفاظت کرے گا تو اس کے دل سے بہت سی آفات دور ہو جائیں گی اور اگر اسے خطا ہو اور قدرت کے باوجود شرمگاہ کی حفاظت بھی کرے تو یہ نہایت درجہ کی قوت اور توفیق کا کام ہے۔

حضرت ابوبکر بن عبداللہ مزنی رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک قصاب کو اپنے پڑوسی کی لونڈی سے عشق ہو گیا اس کے گھر والوں نے اسے کسی کام کے لیے دوسرے گاؤں بھیجا تو یہ شخص اس کے پیچھے ہو گیا اور اس سے مطالبہ کرنے لگا اس نے کہا ایسا نہ کرو تمہیں مجھ سے اس قدر محبت نہیں کرتے جتنی محبت مجھے تم سے ہے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اس نے کہا تمہیں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور مجھے نہیں؟ چنانچہ وہ توبہ کرتے ہوئے واپس ہو گیا پھر اسے پیاس لگی حتیٰ کہ وہ ہلاکت کے قریب ہو گیا اتنے میں بنی اسرائیل کے کسی نبی کا قاصد ملا اس نے اس سے اس کا حال پوچھا تو بتایا کہ پیاس لگی ہے اس نے کہا آؤ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہم پر بادلوں کا سایہ کرے یہاں تک کہ ہم گاؤں میں داخل ہو جائیں اس قصاب نے کہا میرا تو کوئی اچھا عمل نہیں میں کیسے دعا مانگوں تم خود دعا مانگو اس نے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۵۱ مرویات بریدہ

کہا میں دعا مانگتا ہوں تم میری دعا پر آمین کہو قاصد نے دعا مانگی اور اس نے آمین کہا چنانچہ بادلوں نے ان پر سایہ کیا یہاں تک کہ وہ گاؤں میں داخل ہو گئے قصاب اپنے گھر کی طرف جانے لگا تو بادل بھی اس کے ساتھ ہو گیا قاصد نے اس سے کہا تم کہتے تھے کہ تمہارا کوئی نیک عمل نہیں ہے میں نے دعا مانگی اور تم نے آمین کہا بادل نے ہم پر سایہ کیا پھر یہ بادل تمہارے ساتھ کیسے ہو گیا؛ مجھے اپنا واقعہ بتاؤ اس نے بتایا تو قاصد نے کہا توبہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مرتبہ ملتا ہے جو کسی دوسرے کو نہیں ملتا۔

حضرت احمد بن سعید عابد رحمہ اللہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہمارے پاس کوفہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا۔ جو ہر وقت جامع مسجد میں رہتا تھا وہاں سے الگ نہیں ہوتا تھا وہ نہایت خوبصورت اچھے قد کا آدمی تھا اس کی سیرت بھی اچھی تھی۔ ایک خوبصورت عقل مند عورت نے اس کو دیکھا تو اس پر عاشق ہو گئی اور ایک مدت تک یہی صورت رہی ایک دن وہ اس کے راستے میں کھڑی ہو گئی اور وہ مسجد کی طرف جا رہا تھا اس نے کہا اے نوجوان! میں تجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہوں میری بات سنو پھر جو دل چاہے کرو وہ چلا گیا اور اس نے اس کی بات نہ سُنی پھر وہ اس کے راستے میں کھڑی ہوئی اور وہ گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے کہا اے نوجوان! میں کچھ بات کرنا چاہتی ہوں سنو وہ کچھ دیر ٹھہر گیا اور کہا یہ تہمت کی جگہ ہے اور مجھے تہمت کی جگہ ٹھہرنا اچھا نہیں لگتا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں اس جگہ اس لیے کھڑی نہیں ہوئی کہ تمہارے حال سے ناواقف ہوں میں تو خود نہیں چاہتی کہ لوگ میرے بارے میں اس قسم کی بات کریں مجھے جس بات نے تمہارے پاس آنے پر مجبور کیا وہ یہ ہے کہ میں جانتی ہوں کہ اس سلسلے میں لوگ تھوڑی بات کو زیادہ جانتے ہیں اور تم عبادت گزار لوگ شیشے کی طرح ہو جسے معمولی سی چیز بھی عیب ناک کر دیتی ہے میں تمہیں جو کچھ کہنا چاہتی ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے تمام اعضاء تمہارے ہی گُن گاتے ہیں میرے اور اپنے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو راوی کہتے ہیں۔ نوجوان اپنے گھر چلا گیا اور نماز پڑھنے لگا لیکن اسے سمجھ نہ آئی کہ کیسے پڑھے چنانچہ اس نے کاغذ لے کر ایک خط لکھا اور پھر گھر سے باہر چلا گیا اس نے دیکھا کہ وہ عورت راستے میں کھڑی ہے اس نے خط اس کی طرف پھینکا اور واپس گھر لوٹ آیا اس خط میں لکھا تھا۔

"اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے اے خاتون! جان لو جب انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ بُردباری فرماتا ہے جب دوبارہ وہ گناہ کرتا ہے تو پردہ پوشی فرماتا ہے پھر جب وہ گناہ کا لباس پہن لیتا ہے (اس گناہ کو بار بار کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس پر اس قدر غضبناک ہوتا ہے کہ اس سے آسمان، زمین، پہاڑ درخت اور جانور تنگی میں آجاتے ہیں تو کون ہے جو اس کے غضب کو برداشت کر سکے۔ جو کچھ تو نے کہا ہے اگر وہ جھوٹ ہے تو اس دن کو یاد کر جب آسمان پگھلی ہوئی دھات کی طرح ہوں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں جیسے ہو جائیں گے اور جبار عظیم کے دبدبے کی وجہ سے لوگ اوندھے گرے ہوں گے میں تو اپنی اصلاح کے سلسلے میں کمزور ہوں دوسروں کی

اصلاح کیسے کر سکتا ہوں۔

اور اگر تم سچ کہتی ہو تو میں نہیں ایک ایسے طبیب کی طرف راہنمائی کرتا ہوں جو تمام بیماریوں کا علاج کرتا ہے اور وہ اللہ رب العالمین ہے تو سچے دل سے اس کے سامنے سوال کر۔ مجھے تیری طرف سے پھرنے کے لیے یہی آیت کافی ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔ (۱)

اور انہیں نزدیک آنے والے آفت کے دن سے ڈرائیں جب دل اچھل کر حلق میں آجائیں گے غم سے بھرے ہوں گے ظالموں کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ اللہ تعالیٰ چوری چھپے خیانت کی نگاہ کو اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے سب کچھ جانتا ہے

اس آیت سے کہاں بھاگیں گے پھر کچھ دن بعد وہ عورت آئی اور اس نوجوان کے راستے میں کھڑی ہوگئی جب اس نے اسے دور سے دیکھا تو گھر کی طرف واپسی کا ارادہ کیا تاکہ وہ اسے دیکھ نہ لے اس نے کہا اے نوجوان واپس نہ جاؤ اس کے بعد ہماری ملاقات صرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوگی پھر وہ بہت زیادہ روئی اور کہنے لگی میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتی ہوں جس کے قبضے میں تیرے دل کی چابیاں ہیں کہ تیرا معاملہ مجھ پر آسان کردے پھر وہ اس کے پیچھے چلی اور کہا مجھے کوئی وصیت کریں آپ کی احسان مند ہوں گی اور ایسی وصیت کریں جس پر میں عمل کرسکوں اس نے کہا میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے نفس کو اپنے نفس سے محفوظ رکھو اور تجھے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی یاد دلاتا ہوں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ۔ (۲)

وہی ذات ہے جو رات کے وقت تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم دن کے وقت کماتے ہو۔

فرماتے ہیں اس عورت نے سر جھکا دیا اور پہلے سے زیادہ رونے لگی پھر جب اسے افاقہ ہوا تو گھر میں جا بیٹھی اور عبادت میں مشغول ہوگئی وہ اسی حالت میں رہی اور اسی غم میں انتقال کرگئی وہ نوجوان اس کے فوت ہونے کے بعد اسے یاد کرکے رو رہا تھا اس سے پوچھا جاتا کہ کیوں رو رہے ہو تم نے تو خود اسے مایوس کیا تھا تو وہ کہتا میں نے پہلے مرحلے میں اس کی طمع کو ذبح کردیا اور اس سے علیحدگی کو اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ بنایا تو مجھے شرم آتی ہے کہ کہیں یہ ذخیرہ واپس نہ ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اس کے کرم سے شہوتوں کے خاتمہ سے متعلق بیان مکمل ہوا اس کے بعد زبان کی آفات کا بیان ہوگا۔

اول و آخر اور ظاہر و باطن حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور ہمارے ان شاء اللہ تعالیٰ سردار مخلوق میں سے بہتر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور زمین و آسمان کے ہر منتخب بندے پر رحمت و سلام ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مومن آیت ۱۸ (۲) قرآن مجید، سورۃ الانعام آیت ۶۰

۴- زبان کی آفات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے انسان کی تخلیق میں حسن واعتدال رکھا اس کے دل میں نورِ ایمان ڈالا اور اس کے ذریعے اس کو زینت وجمال سے نوازا اسے بیان سکھایا اور اس کے سبب تمام مخلوق پر مقدم کیا اور افضل بنایا اس کے دل پر علوم کے خزانے ڈال کر اسے کامل بنایا پھر اسے اپنی رحمت کی چادر سے ڈھانپا پھر زبان کے ذریعے اس کی مدد فرمائی جو اس کے دل اور عقل کی ترجمان ہے اور وہ دل سے پردوں کو اٹھاتی ہے اس کی زبان کو حق کے ساتھ چلایا اور اسے جو نعمتیں عطا فرمائیں کہ علم دیا اور بولنا آسان کیا اس کے شکر کے لیے زبان کو گویائی عطا کی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو عزت وکرامت سے نوازا آپ اللہ تعالیٰ کے وہ رسول ہیں جن کو کتاب عطا فرمائی اور آپ کا درجہ بلند کیا اور آپ کے راستے کو واضح کیا آپ پر، آپ کے آل واصحاب اور امت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جب تک ایک بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی تکبیر وتہلیل کرتا ہے۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد — بے شک زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت اور اس کی صنعتِ عجیبہ کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے اس کا جسم چھوٹا لیکن اطاعت وجرم بڑا ہے کیونکہ کفر اور ایمان میں تفریق زبان کی شہادت کے بغیر نہیں ہوتی اور یہ دونوں (کفر اور ایمان) اطاعت اور نافرمانی کا انتہائی درجہ ہے۔

پھر یہ موجود ومعدوم، خالق ومخلوق، تخیلاتی اور معلوم، مظنون وموہوم کا تعلق زبان سے ہے وہ اسے ثابت کرتی ہے یا اس کی نفی کرتی ہے جو کچھ بھی علم میں ہوتا ہے زبان اس کو بیان کرتی ہے وہ حق ہو یا باطل اور ہر چیز علم میں شامل ہے۔ یہ خاصیت جسم کے دوسرے اعضاء کو حاصل نہیں ہے آنکھ صرف رنگوں اور صورتوں تک پہنچتی ہے کان آواز کے علاوہ کسی چیز تک رسائی حاصل نہیں کرتے ہاتھ غیر جسم تک نہیں پہنچتے اسی طرح دیگر اعضاء کا معاملہ ہے جب کہ زبان کا میدان وسیع ہے اس کی کوئی انتہا اور حد نہیں نیکی میں اس کا میدان وسیع ہے اور برائی میں اس کا دامن لمبا ہے جو شخص اپنی زبان کو کھلی چھٹی دیتا ہے اور اس کی لگام کو ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے شیطان اسے ہر جگہ لے جاتا ہے اور اسے گرنے والے گڑھے کے کنارے پر لے جاتا ہے یہاں تک ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

وَلَا یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی مَنَاخِرِھِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ۔ (۱)

لوگوں کو ان کے نتھنوں کے بل ان کی زبانوں کا کاٹا ہوا گرا دیتا ہے۔

وہی شخص زبان کی شر سے نجات پاتا ہے جو اسے شریعت کی لگام کے ذریعے قابو کرتا ہے اور اسے اسی بات کے لیے استعمال کرتا ہے جو اسے دنیا اور آخرت میں نفع دے اور انسان اسے اس بات سے روکتا ہے جس سے فی الحال یا مستقبل میں گمراہی کا خطرہ ہو جس علم کے ذریعے اس بات کا پتہ چلے کہ زبان کو کھلا چھوڑنا اچھا ہے یا برا، بہت دقیق علم ہے اور جس شخص کو اس بات کا علم ہو جائے اس کے لیے اس پر عمل کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے انسان کے اعضاء میں سے سب سے زیادہ نافرمان زبان ہے کیونکہ اسے حرکت دینے اور بولنے میں کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔

اس کی آفات اور گمراہیوں سے بچنے میں لوگ سستی کرتے ہیں اسی طرح اس کی چالوں اور رسیوں سے بھی نہیں بچتے حالانکہ انسان کو گمراہ کرنے میں زبان شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے زبان کی آفات تفصیل سے ذکر کریں گے نیز اس کی حدود، اسباب اور گمراہیوں کو بیان کریں گے اس سے بچنے کا طریقہ بتائیں گے اور اس کی مذمت میں جو احادیث اور آثار وارد ہیں ان کا ذکر بھی کریں گے —— اس کی تفصیل یہ ہے۔

خاموشی کی فضیلت، بے معنیٰ گفتگو کی آفت زائد کلام کی آفت، باطل میں غور و خوض کی آفت، باہم جھگڑوں کی آفت، کلام کی گہرائی میں جاتے گفتگو کرتے وقت منہ کھولنے، اور بتکلف قافیہ ملاتے اور فصاحت کا اظہار کرنے اور بناوٹ سے کام لینے کی آفات اور اس کے علاوہ وہ باتیں جو خطابت کا دعویٰ کرنے والوں کی عادت میں شامل ہیں۔

فحش کلامی، گالی گلوچ، بدکلامی اور لعن طعن کی آفت چاہے کسی حیوان پر لعنت بھیجے یا پتھر پر یا کسی انسان پر، اشعار گانے کی آفت کا بیان بھی ہوگا اور ہم نے حرام غنا کا ذکر سماع کے باب میں کر دیا ہے اب دوبارہ ذکر نہیں کریں گے مزاح کی آفت، مذاق اور تمسخر کی آفت، راز افشا کرنے، جھوٹا وعدہ کرنے نیز گفتگو اور قسم میں جھوٹ بولنے کی آفات، اشارتاً جھوٹ بولنے کی آفت، غیبت، چغلی، اور منافقت کی آفات یعنی وہ شخص جو دو ایسے آدمیوں کے درمیان گفتگو پھیلاتا ہے جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں وہ ہر ایک سے اس کے موافق گفتگو کرتا ہے، کسی کی تعریف کرنے، گفتگو میں پائی جانے والی باریک غلطیوں سے غفلت بالخصوص وہ گفتگو جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اصول دین سے متعلق ہو، پھر عوام کا ذات باری تعالیٰ اور اس کے کلام سے متعلق سوال کرنا اور یہ کہ حروف قدیم ہیں یا حادث، اور اس سے متعلق امور کی آفات یہ بیس آفات ہیں جن کا ذکر ہوگا ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے کرم و احسان کی بدولت حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۷ مرویات معاذ

زبان کا بہت بڑا خطرہ اور خاموشی کی فضیلت

جان لو! زبان کا خطرہ بہت بڑا ہے اور اس کے خطرے سے نجات صرف خاموشی میں ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے خاموشی کی تعریف کی اور اس کی ترغیب دی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَمَتَ نَجَا (۱) — جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّمْتُ حُکْمٌ وَقَلِیْلٌ فَاعِلُہٗ۔ (۲) — خاموشی حکمت اور احتیاط ہے اور خاموشی اختیار کرنے والے لوگ تھوڑے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام سے متعلق کوئی ایسی بات بتائیں کہ میں آپ کے بعد کسی اور سے نہ پوچھوں آپ نے فرمایا کہو میں ایمان لایا پھر اس پر قائم رہو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا میں کس چیز سے ڈروں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! نجات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اپنے اوپر اپنی زبان کو روک دو اپنے گھر میں رہو اور اپنے گناہوں پر روؤ۔ (۴)

حضرت سہل بن ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ یَتَکَفَّلُ لِیْ بِمَا بَیْنَ لَحْیَیْہِ وَرِجْلَیْہِ اَتَکَفَّلُ لَہُ الْجَنَّۃَ۔ (۵) — جو شخص مجھے دو جبڑوں کے درمیان والی چیز (زبان) اور دو ٹانگوں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۹ مرویات عبداللہ بن عمرو

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۷۱ م حدیث ۳۱۵۱

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۸ کتاب الایمان

(۴) جامع ترمذی ص ۳۴۷، ابواب الزہد

(۵) جامع ترمذی ص ۳۴۷، ابواب الزہد

مَنْ وُقِیَ شَرَّ قَبْقَبِہٖ وَذَبْذَبِہٖ وَلَقْلَقِہٖ فَقَدْ وُقِیَ الشَّرَّ کُلَّہٗ۔ (۱)

جو شخص اپنے پیٹ، شرمگاہ اور زبان کے شر سے محفوظ ہوا وہ تمام برائی سے بچا لیا گیا۔

"قبقب" سے مراد پیٹ ہے "ذبذب" شرمگاہ اور "لقلق" زبان کو کہتے ہیں انہی تین خواہشات کی وجہ سے اکثر لوگ ہلاک ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے پیٹ اور شرمگاہ کی آفت ذکر کرنے کے بعد زبان کی آفات کا ذکر شروع کیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا جنت میں داخل کرنے والا سب سے بڑا عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

تَقْوَی اللّٰہِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق۔

اور پوچھا گیا کہ جہنم میں لے جانے والے کاموں میں سے سب سے بڑا عمل کونسا ہے؟

آپ نے فرمایا:

اَلْاَجْوَفَانِ الْفَمُ وَالْفَرْجُ۔ (۲)

دو خالی جگہیں منہ اور پیٹ۔

ممکن ہے منہ سے زبان کی آفات مراد ہوں کیونکہ منہ زبان کا مقام ہے اور ہو سکتا ہے پیٹ مراد ہو کیونکہ اس کا راستہ منہ ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہماری گفتگو پر بھی مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا اے ابن جبل! تجھے تیری ماں روئے لوگوں کو ان کے نتھنوں کے بل جہنم میں ان کی زبان کا کاٹا ہوا ہی تو داخل کرے گا۔ (۳)

حضرت عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جسے میں مضبوطی سے پکڑ لوں آپ نے فرمایا کہو میرا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا آپ مجھ پر کس چیز کا زیادہ خوف محسوس کرتے ہیں۔ تو آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا "اس کا خوف" (۴)

ایک روایت میں ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سا عمل افضل ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک باہر نکالی اور پھر اس پر اپنی انگلی رکھ دی۔ (۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۶۲۲ حدیث ۵۹۰۸

(۲) شرح السنۃ جلد ۱۳ ص ۸۰ حدیث ۳۴۹۸

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۷ مرویات معاذ

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۱۳ مرویات سفیان بن عبد اللہ

(۵) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۳۰ کتاب الادب سفیان بن عبد اللہ

لَا یَسْتَقِیْمُ اِیْمَانُ الْعَبْدِ حَتّٰی یَسْتَقِیْمَ قَلْبُہٗ وَلَا یَسْتَقِیْمُ قَلْبُہٗ حَتّٰی یَسْتَقِیْمَ لِسَانُہٗ وَلَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ رَجُلٌ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔ (۱)

بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک اس کا دل ٹھیک نہ ہو اور اس کا دل اس وقت ٹھیک نہیں ہوتا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّسْلَمَ فَلْیَلْزَمِ الصَّمْتَ۔ (۲)

جس شخص کو پسند ہو کہ وہ سلامت رہے اسے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

"جب انسان صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء صبح کے وقت زبان سے کہتے ہیں ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (۳)

ایک روایت میں ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ اپنی زبان مبارک کو ہاتھ سے کھینچ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا اے رسول اللہ کے خلیفہ! کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہی مجھے کئی مقامات پر لے گئی ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسم کا ہر عضو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے (۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے آپ صفا پر کھڑے تلبیہ پڑھ رہے تھے اور فرماتے تھے اے زبان! اچھی بات کہو فائدہ ہو گا اور بری بات سے خاموشی اختیار کرو سلامت رہو گی۔ اس سے پہلے کہ تمہیں ندامت اٹھانا پڑے ان سے پوچھا گیا اے ابو عبدالرحمٰن! کیا یہ بات آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟

آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا انسان کی اکثر خطائیں اسکی زبان میں ہوتی ہیں (۵)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۹۸ مرویات انس

(۲) شعب الایمان جلد ۴ ص ۲۴۱ حدیث ۴۹۳۷

(۳) جامع ترمذی ص ۳۴۰، ابواب الزھد

(۴) شعب الایمان جلد ۴ ص ۲۴۴ حدیث ۴۹۴۷

(۵) شعب الایمان جلد ۴ ص ۲۴۱ حدیث ۴۹۳۲

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی زبان کو روکے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرتا ہے اور جو آدمی اپنے غصے کو قابو میں رکھے اللہ تعالیٰ اسے اپنے عذاب سے بچاتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر پیش کرے (توبہ کرے) اللہ تعالیٰ اس کی معذرت کو قبول فرماتا ہے۔ (۱)

ایک روایت میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اپنے آپ کو مرنے والوں میں شمار کرو اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ تیرے لیے ان میں سے سب سے زیادہ بہتر کون سی چیز ہے پھر آپ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ (۲)

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا میں تمہیں ایسی عبادت نہ بتاؤں جو سب سے زیادہ آسان اور بدن پر زیادہ ہلکی پھلکی ہے (پھر فرمایا) وہ خاموشی اور اچھے اخلاق ہیں (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ۔ (۴)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کرے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے سامنے ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا تَكَلَّمَ فَغَنِمَ أَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ۔ (۵)

اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو گفتگو کرتا ہے تو نفع حاصل کرتا ہے یا خاموش رہ کر سلامتی حاصل کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ہمیں ایسا عمل بتائیں جس کے ذریعے ہم جنت میں داخل ہو جائیں آپ نے فرمایا کبھی بھی گفتگو نہ کرو انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں اس کی طاقت نہیں فرمایا صرف بھلائی کی بات کرو اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے فرمایا اگر گفتگو چاندی سے ہے تو خاموشی سونے سے ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک اعرابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے باعث میں، میں جنت میں داخل ہو جاؤں آپ نے فرمایا۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۲۵ کتاب الادب

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۰۶ کتاب التوبہ والزہد

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۳۳ کتاب الادب

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۹ کتاب الادب

(۵) شعب الایمان جلد ۴ ص ۲۴۱ حدیث ۴۹۳۸

بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اگر ایسا نہ کر سکو تو اپنی زبان کو بھلائی کی باتوں تک محدود رکھو۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اچھی بات کے علاوہ زبان کو روک کر رکھو کیوں کہ اس کے ذریعے شیطان غالب آجاتا ہے۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ ہر بولنے والے کی زبان کے پاس ہوتا ہے لہذا اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے وہ جو کچھ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْمُؤْمِنَ صَمُوتًا وَقُورًا فَادْنُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقَّنُ الْحِكْمَةَ۔ (۳)

جب تم کسی مومن کو خاموش اور باوقار دیکھو تو اس کے قریب ہو جاؤ اسے حکمت دی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ تین قسم کے ہیں، ایک غنیمت حاصل کرنے والا دوسرا محفوظ رہنے والا اور تیسرا ہلاک ہونے والا، غنیمت حاصل کرنے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے محفوظ رہنے والا وہ شخص ہے جو خاموش رہتا ہے اور ہلاک ہونے والا وہ ہے جو باطل میں پڑتا ہے۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مومن کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے جب وہ کوئی بات کرنا چاہتا ہے تو دل سے غور و فکر کرتا ہے پھر اسے زبان پر جاری کرتا ہے اور منافق کی زبان اس کے دل کے آگے ہوتی ہے جب وہ کسی بات کا قصد کرتا ہے تو اسے زبان پر لے آتا ہے اور دل سے سوچتا نہیں۔ (۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا عبادت کے دس اجزاء ہیں ان میں سے نو خاموشی میں ہیں اور ایک لوگوں سے دور بھاگنے میں ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۹۹ مرویات براء بن عازب

(۲) الدر المنثور جلد ۶ ص ۹۹ تحت آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۰۱ ابواب الزھد

(۴) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۲۴۳، ۲۴۴ حدیث ۳۲۸۸

(۵)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس شخص کی گفتگو زیادہ ہو اس کی غلطیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور جس کی غلطیاں زیادہ ہوں اس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جس کے گناہ زیادہ ہوں وہ جہنم کے زیادہ لائق ہے۔ (۱)

آثار:

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے منہ میں کنکریاں رکھتے تھے اور ان کے ذریعے گفتگو سے پرہیز کرتے آپ اپنی زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہی مجھے مختلف مقامات پر لے گئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں زبان سے زیادہ کوئی چیز لمبی قید کی محتاج نہیں۔

حضرت طاؤس فرماتے ہیں میری زبان ایک درندہ ہے اگر میں اسے کھلا چھوڑوں تو وہ مجھے کھالے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ حکمت آل داؤد (علیہ السلام) میں فرماتے ہیں عقل مند پر لازم ہے کہ اپنے زمانے سے واقف ہو اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو اور اپنی وضع کا خیال رکھنے والا ہو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرتا اسے اپنے دین کی سمجھ نہیں۔

حضرت اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ہمیں لکھا حمد و صلوٰۃ کے بعد! جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے وہ دنیا کے تھوڑے سے مال پر راضی ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنی گفتگو کو اپنے عمل میں شمار کرتا ہے وہ ضروری اور مختصر کلام کرتا ہے بعض بزرگوں نے فرمایا خاموشی انسان میں دو فضیلتیں جمع کرتی ہے ایک دین میں سلامتی اور دوسری بات یہ کہ دوسرے آدمی کی بات سمجھ آجاتی ہے۔

حضرت محمد بن واسع نے حضرت مالک بن دینار (رحمہما اللہ) سے کہا اے ابو یحییٰ! لوگوں کے لیے دینار اور درہم کی حفاظت کے مقابلے میں زبان کی حفاظت زیادہ مشکل ہے اور حضرت یونس بن عبید فرماتے ہیں جس شخص کی زبان ایک ٹھکانے پر رہتی ہے میں اس کے ہر عمل میں بہتری دیکھتا ہوں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کچھ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گفتگو کر رہے تھے اور حضرت احنف بن قیس خاموش بیٹھے تھے انہوں نے پوچھا اے ابو بحر! آپ کو کیا ہوا آپ گفتگو نہیں کرتے؟ انہوں نے فرمایا اگر میں جھوٹ بولوں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور سچ کہوں تو آپ کا ڈر ہے۔

حضرت ابو بکر بن عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں چار بادشاہ اکٹھے ہو گئے ہندوستان کا بادشاہ، چین کا حکمران قیصر (روم کا بادشاہ)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۳۰۲ کتاب الزھد

اور کسریٰ (ایران کا بادشاہ) ان میں سے ایک نے کہا میں اپنی بات پر نادم ہوتا ہوں اور جو کچھ نہیں کہتا اس پر ندامت نہیں ہوتی دوسرے نے کہا جب میں کوئی بات کرتا ہوں تو اس کے کنٹرول میں ہو جاتا ہوں اور جب بات نہیں کرتا ہوں تو وہ میرے اختیار میں ہوتی ہے تیسرے نے کہا مجھے ایسے متکلم پر تعجب ہوتا ہے کہ اگر وہی بات اس کی طرف لوٹے تو اسے نقصان دے اور اگر واپس نہ آئے تو نفع دے چوتھے نے کہا میں جو بات نہیں کہتا اسے واپس لینے پر زیادہ قادر ہوں جو کہہ چکا اسے واپس نہیں لے سکتا کہا گیا ہے کہ منصور بن معتمر نے چالیس سال تک عشاء کی نماز کے بعد گفتگو نہیں کی اور یہ بھی کہا گیا کہ ربیع بن خیثم نے بیس سال تک دنیوی گفتگو نہیں کی جب صبح ہوتی تو وہ قلم دوات اور کاغذ لیتے اور جو گفتگو کرتے اسے لکھ لیتے اور شام کے وقت اپنے نفس کا محاسبہ فرماتے۔

اگر تم کہو کہ خاموشی کی اتنی بڑی فضیلت کس وجہ سے ہے؛

تو جان لو! کہ زبان کی آفات بہت زیادہ ہیں مثلاً خطا، جھوٹ، غیبت، چغلی، ریاکاری، منافقت، فحش کلامی، جھگڑا، اپنی خوبی بیان کرنا، باطل میں پڑنا، فضول کام، کمی زیادتی، کلام میں تبدیلی، مخلوق کو ایذا پہنچانا اور لوگوں کی پردہ دری کرنا۔

یہ بہت سی آفات ہیں اور ان سب کا تعلق زبان سے ہے اور زبان پر یہ بھاری نہیں ہیں اور ان کا باعث طبعی بھی ہے اور شیطانی بھی، اور جو آدمی بولنے کا عادی ہو وہ بہت کم زبان کو روک سکتا ہے کہ جو بات پسند ہو وہ کرے اور جو ناپسند ہو اس سے رُک جائے۔ اس کا معلوم ہونا بہت مشکل ہے جیسے اس کی تفصیل آئے گی لہٰذا بولنے میں خطرہ ہے اور خاموشی میں سلامتی ہے اسی لیے اس (خاموشی) کی فضیلت زیادہ ہے اس لیے کہ خاموشی کی وجہ سے آدمی کے خیالات مجتمع رہتے ہیں وقار باقی رہتا ہے اور وہ ذکر و فکر اور عبادت کے لیے فارغ ہوتا ہے دنیا میں اس کی آفات سے اور آخرت میں اس کے حساب سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (۱)

وہ اپنی زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لیے) تیار ہوتا ہے۔

اور خاموشی کی فضیلت کی ایک اور دلیل بھی ہے وہ یہ کہ کلام کی چار قسمیں ہیں ایک وہ کلام ہے جس میں نقصان ہی نقصان ہے، دوسری قسم میں نفع ہی نفع ہے تیسری قسم وہ ہے جس میں نہ نفع ہے اور نہ ہی نقصان اور چوتھی قسم وہ ہے جس میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی۔ جو صرف نقصان پر مشتمل ہے اس سے خاموشی ضروری ہے اور اسی طرح وہ کلام جس میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی لیکن نفع، نقصان کے برابر نہیں (بلکہ کم ہے) اس سے بچنا بھی ضروری ہے اور جس میں نفع بھی نہ ہو اور نقصان بھی نہ ہو تو وہ فضول کلام ہے اور اس میں مشغولیت وقت کا ضیاع ہے اور یہ نقصان ہے اب صرف چوتھی قسم رہ جاتی ہے تو کلام کا تین

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ ق آیت ۱۸

چوتھائی ساقط ہوگیا اور ایک چوتھائی رہ گیا اور اس چوتھائی میں خطرہ ہے کیوں کہ اس میں باریک قسم کی ریا، بناوٹ، غیبت، اپنی پاکیزگی بیان کرنے اور فضول کلام کے ذریعے گناہ کا ارتکاب شامل ہے اور یہ شمولیت ایسی ہے جس کا علم نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کے ذریعے انسان خطرے میں ہوتا ہے جو شخص زبان کی آفات کی باریک باتوں کو جان لیتا ہے جیسے کہ ہم ذکر کریں گے تو اسے قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ حتمی بات ہے آپ نے فرمایا۔

مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ (۱) جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی۔

اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمت کے موتی اور جامع کلمات عطا کئے گئے (۲) اور ایک کلمہ کے تحت جو معانی کے سمندر ہیں انہیں خاص خاص علماء ہی جانتے ہیں ہم عنقریب جن آفات کا ذکر کریں گے اور ان سے بچنا مشکل ہے اس بیان سے اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ اب ہم زبان کی آفات کا ذکر کرتے ہیں ابتداء میں ہم ان میں سے ہلکی قسم کی آفات ذکر کریں اور پھر درجہ بدرجہ سخت قسم کی آفات بیان کریں گے اور آخر میں غیبت، چغلی اور جھوٹ کا ذکر ہوگا کیونکہ اس میں طویل گفتگو ہے یہ کل بیس آفات ہیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے تمہیں ہدایت حاصل ہو اسے جان لو۔

پہلی آفت:

بے مقصد گفتگو

جان لو! تمہاری بہترین حالت یہ ہے کہ اپنے الفاظ کو ان تمام آفات سے بچاؤ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی غیبت، چغلی، جھوٹ اور جھگڑا وغیرہ اور ایسی جائز گفتگو کرو جس میں نہ تمہارا نقصان ہو اور نہ ہی کسی دوسرے مسلمان کا ــــ اگر تم ایسی گفتگو کرو گے جس کی تمہیں حاجت نہیں ہے تو اس طرح تم اپنا وقت ضائع کرو گے اور تمہارے اس زبانی عمل کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی اور اس طرح تم اچھی چیز دے کر اس کے بدلے میں بری چیز لینے والے ہو گے۔ کیونکہ گفتگو پر صرف ہونے والا وقت غور و فکر پہ خرچ کرو تو اس کے نتیجے میں تمہیں فتوحات غیبیہ سے ایسی چیز حاصل ہوگی جس کا نفع زیادہ ہوگا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے کتنے ہی کلمات ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے جنت میں محل بنایا جاتا ہے اور جو شخص اس بات پر قادر ہو کہ وہ خزانوں میں سے کوئی خزانہ حاصل کرے لیکن وہ ایک غیر نافع ڈھیلا لیتا ہے تو وہ واضح نقصان اٹھاتا ہے یہ اس شخص کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کو چھوڑ دیتا ہے اور جائز لیکن بے مقصد کام میں مشغول ہو جاتا ہے اگرچہ وہ گناہ گار نہیں ہوتا لیکن وہ نقصان اٹھاتا ہے کیونکہ اس سے وہ بہت بڑا نفع ضائع ہو گیا جو اسے ذکرِ خداوندی کے ذریعے حاصل ہوتا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۹ مرویات عبداللہ بن عمرو

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۰ کتاب المساجد

کیوں کہ مومن کی خاموشی فکر، نظر اور عبرت ہے اور بولنا ذکر ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے (۱)
بلکہ بندے کا اصل مال وقت ہے اور جب وہ اسے بے مقصد کام میں لگاتا ہے اور اس کے ذریعے آخرت کا ثواب حاصل نہیں کرتا تو وہ اپنے اصل مال کو ضائع کرتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔ (۲) انسان کے حُسنِ اسلام میں سے بے مقصد باتوں کو چھوڑنا بھی ہے۔

بلکہ اس سے بھی سخت بات وارد ہوئی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اُحد کے دن ہمارا ایک غلام شہید ہوگیا ہم نے دیکھا کہ اس نے بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا اس کی ماں نے اس کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرتے ہوئے کہا اسے بیٹے! تمہیں جنت مبارک ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ جنتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بے مقصد کلام کرتا رہا ہو اور ایسی گفتگو سے رُکتا ہو جو نقصان نہیں پہنچاتی ۔ (۳)

ایک دوسری حدیث میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو نہ پایا تو ان کے بارے میں پوچھا صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ بیمار ہیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے کعب! تمہیں خوشخبری ہو ان کی والدہ نے کہا اسے کعب! تمہیں جنت کی خوشخبری ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ پر حکم لگانے والی کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میری ماں ہیں آپ نے فرمایا اسے کعب کی ماں! تمہیں کیا معلوم شاید کعب نے ایسی بات کی ہو جو بے مقصد ہو اور ایسی گفتگو سے احتراز کیا ہو جس کی ضرورت ہو۔ (۴)

مقصد یہ ہے کہ جنت میں کسی روک ٹوک کے بغیر وہی جاتا ہے جس کا حساب و کتاب نہ ہو اور جو شخص بے مقصد گفتگو کرتا ہے اس حساب ہوگا اگرچہ جائز کلام ہو لہذا جس کا کچھ حساب ہو وہ جنت میں کسی روک ٹوک کے بغیر نہیں جائے گا اور یہ بھی ایک قسم کا عذاب ہے حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہوگا وہ جنتی ہوگا (۵)

---

(۱) میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۵۵۰ ترجمہ ۷۵۲۷

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۵، ابواب الفتن

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۴۱ کتاب الادب

(۴) تاریخ بغداد جلد ۴ ص ۲۷۲ ترجمہ ۲۰۲۳

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۲۲ مرویات عبداللہ بن عمرو

چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ داخل ہوئے صحابہ کرام ان کی طرف اٹھے اور انہیں یہ خوشخبری سنائی پھر فرمایا ہمیں وہ عمل بتایئے جس پر آپ کو پورا پورا یقین ہو اور آپ اس کی امید رکھتے ہوں انہوں نے فرمایا میں ایک کمزور آدمی ہوں اور سب سے یقینی بات جس کی میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں میرے سینے کی سلامتی اور بے مقصد باتوں کو چھوڑنا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو بدن پر ہلکا اور میزان میں بھاری ہوگا میں نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ نے فرمایا وہ خاموشی، اچھے اخلاق اور بے مقصد بات کو چھوڑ دینا ہے (۱)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے تھے مجھے پانچ باتیں، وقف کئے ہوئے درہموں سے بھی زیادہ پسند ہیں بے مقصد بات نہ کرو کیونکہ یہ فضول کام ہے اور کسی بوجھ سے تم بے خوف نہیں ہو گئے۔

اور بامقصد بات بھی بے محل نہ کرو کیوں کہ بہت سے گفتگو کرنے والے بامقصد بات کرتے ہیں لیکن وہ اپنے محل پر نہیں ہوتی تو اس سے خرابی پیدا ہوتی ہے کسی بردبار اور بے وقوف سے بحث نہ کرو کیونکہ بردبار تمہیں دل سے برا سمجھے گا اور بے وقوف تمہیں اذیت پہنچائے گا اور اپنے (مسلمان) بھائی کی پیٹھ پیچھے اس کا ذکر اس طرح کرو جس طرح تم چاہتے کہ وہ تمہارا ذکر کرے اور اس کی ان باتوں کو معاف کر دو جن کے بارے میں تم چاہتے ہو کہ وہ تمہیں معاف کر دے اپنے بھائی سے ایسا معاملہ کرو جیسا اس سے چاہتے ہو اور اس آدمی کی طرح عمل کرو جس کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ نیکی پر اسے بدلہ دیا جائے گا اور جرم پر سزا پائے گا۔

لقمان حکیم سے پوچھا گیا کہ آپ کی حکمت کیا ہے؟

فرمایا جس بات کا علم ہو جائے وہ نہیں پوچھتا اور بے مقصد بات نہیں کرتا حضرت مورق عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں بیس سال سے ایک بات کے پیچھے لگا ہوا ہوں ابھی تک وہ مجھے حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی میں نے اس کی طلب چھوڑی ہے انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا بے مقصد باتوں سے خاموشی اختیار کرنا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے مقصد باتوں کے پیچھے نہ پڑو اپنے دشمن سے کنارہ کش رہو اور دوست سے بھی ڈرتے رہنا چاہیے البتہ یہ کہ وہ امین ہو اور امین وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوگا۔ کسی فاجر کی مجلس اختیار نہ کرو کیوں کہ اس سے گناہ ہی سیکھو گے اور اسے اپنے رازوں پر مطلع نہ کرو اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں بے فائدہ کلام کی حد یہ ہے کہ اگر تم اس گفتگو سے خاموش رہو تو تمہیں کوئی گناہ نہ ہو اور تم فی الحال اور آئندہ بھی

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۳۴۵ کتاب الادب

اس کے ذریعے نقصان نہ اٹھاؤ اس کی مثال اس طرح ہے کہ تم کسی قوم کے ساتھ بیٹھو اور ان کے سامنے اپنے سفروں کا ذکر کرو اس دوران جو پہاڑ اور نہریں تم نے دیکھیں اور جو واقعات پیش آئے وہ بیان کرو علاوہ ازیں ان کھانوں اور کپڑوں کا ذکر کرو جو تمہیں پسند آئے اسی طرح مختلف مقامات پر جن مشائخ کو دیکھا ان کا ذکر کرو اور ان کے واقعات بیان کرو۔ یہ وہ امور ہیں کہ اگر تم ان سے خاموشی اختیار کرو تو نہ تمہیں کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی کوئی نقصان ہوگا اور یہ اسی صورت میں ہے جب ان واقعات کے بیان میں مبالغہ آرائی کرتے ہوئے اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کرو نہ اپنا تزکیۂ نفس بیان کرو مثلاً یہ کہ ان عظیم واقعات کے مشاہدہ کے ذریعے فخر کا اظہار کرنے لگو اسی طرح کسی کی غیبت نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی برائی بیان نہ کرو ان تمام باتوں کے باوجود تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو اور تم ان آفات سے کس طرح بچ سکتے ہو جو ہم نے ذکر کی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم کسی دوسرے آدمی سے بے فائدہ بات کے بارے میں پوچھو گے تو تم سوال کے ذریعے اپنے وقت کو ضائع کرنے والے ہو گے بلکہ تم نے سوال کے ذریعے اس دوسرے شخص کو بھی وقت ضائع کرنے پر مجبور کر دیا اور یہ اس صورت میں ہے جب سوال کرنے میں کوئی آفت نہ ہو۔ جب کہ عام طور پر سوالات میں آفات پائی جاتی ہیں مثلاً تم کسی دوسرے آدمی سے اس کی عبادت کے بارے میں سوال کرتے ہوئے پوچھتے ہو "کیا تم روزہ دار ہو؟ اگر وہ کہے جی ہاں تو وہ اپنی عبادت کو ظاہر کر کے ریاکاری کا مرتکب ہوتا ہے اور اگر یہ بات نہ بھی ہو تو بھی اس کی عبادت پوشیدگی سے ظاہر میں آ جاتی ہے حالانکہ پوشیدہ عبادت، علانیہ عبادت پر کئی درجے فضیلت رکھتی ہے اور اگر وہ کہے کہ میں روزہ دار نہیں ہوں تو وہ جھوٹ بولنے والا ہوگا اور اگر وہ خاموشی اختیار کرے تو وہ تمہیں حقیر سمجھنے والا ہوگا اور اس وجہ سے تمہیں اذیت پہنچے گی۔

اور اگر وہ جواب نہ دینے کے لیے کوئی حیلہ سوچے گا تو اسے مشقت اٹھانا پڑے گی تو تم نے اس سے سوال کر کے اسے ریا یا جھوٹ یا حقیر جاننے یا ٹالنے کے حوالے سے مشقت میں ڈال دیا اسی طرح تمام عبادات کے بارے میں سوال کرنا ہے اگر گناہوں کے بارے میں سوال کیا جائے یا ہر ایسی بات کے بارے میں جسے وہ چھپاتا ہے اور اس سے حیا کرتا ہے یا تم اس سے کسی دوسرے کی گفتگو کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہو کہ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے؟ اسی طرح تم کسی آدمی کو راستے میں دیکھ کر پوچھو کہ تم کہاں سے آئے ہو بعض اوقات وہ کسی وجہ سے بتا نہیں سکتا اگر بتاتا ہے تو اسے اذیت پہنچتی ہے اور وہ حیا کرتا ہے اور اگر وہ سچ نہ بتائے تو جھوٹ میں پڑتا ہے اور اس کا باعث تم بن رہے ہو اسی طرح تم کوئی مسئلہ پوچھتے ہو حالانکہ تمہیں اس کی حاجت نہیں ہے اور جواب دینے والا بعض اوقات یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ مجھے معلوم نہیں اس طرح وہ علم و بصیرت کے بغیر جواب دیتا ہے۔

میری مراد یہ نہیں کہ اس قسم کی گفتگو محض بے فائدہ ہے کیونکہ اس میں گناہ یا ضرر ہے بے فائدہ بات کی مثال وہ روایت ہے لقمان حکیم، حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور آپ زرہ بنا رہے تھے انہوں نے اس سے پہلے زرہ نہیں دیکھی تھی اس لیے تعجب کے ساتھ دیکھنے لگے اب پوچھنے کا ارادہ ہوا تو ان کی حکمت آڑے آگئی چنانچہ اپنے آپ کو روک لیا اور

سوال نہ کیا جب حضرت داؤد علیہ السلام فارغ ہوئے اور انہوں نے اسے پہنا تو فرمایا لڑائی کے لیے کتنی اچھی زرہ ہے حضرت لقمان نے فرمایا خاموشی حکمت ہے اور بہت کم لوگ اسے اختیار کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی سوال کے بغیر علم حاصل ہو گیا اور سوال کی ضرورت نہ رہی یہ بھی کہا گیا کہ وہ ایک سال تک حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جاتے رہے وہ چاہتے تھے کہ کسی سوال کے بغیر معلوم ہو جائے۔

اس قسم کے سوالات میں جب کوئی ضرر بھی نہ ہو، پردہ دری بھی نہ ہو اور ریاکاری اور جھوٹ میں مبتلا ہونا بھی نہ ہو تو یہ بے فائدہ کاموں میں سے ہے اور اسے چھوڑنا حسنِ اسلام سے ہے یہ اس کی حد ہے۔ اس کی ترغیب کا سبب غیر ضروری باتوں کو جاننے کی حرص ہوتی ہے یا محبت کے طور پر کلام کو پھیلانا مقصود ہوتا ہے یا ایسے احوال بیان کرنے میں وقت خرچ کرنا ہے جو بے فائدہ ہیں ان تمام باتوں کا علاج اس بات کا یقین رکھنا ہے کہ موت اس کے سامنے ہے اور اس سے ہر بات کے بارے میں سوال ہو گا اس کے سانس اصل مال ہیں اس کی زبان ایک جال ہے جس کے ذریعے وہ حُورِ عین کا شکار کر سکتا ہے لہٰذا اسے کھلی چھٹی دے دینا اور ضائع کرنا بہت بڑا نقصان ہے یہ علم کے اعتبار سے علاج ہے عمل کے اعتبار سے اس کا علاج یہ ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرے یا منہ میں کنکریاں رکھ لے اور بعض مفید باتوں سے بھی خاموشی اختیار کرے حتیٰ کہ زبان بے فائدہ باتوں کو چھوڑنے کی عادی ہو جائے جو شخص گوشہ نشینی اختیار نہیں کرتا اس کے لیے اس قسم کی باتوں سے زبان کو کنٹرول کرنا بہت مشکل ہے۔

دوسری آفت:

فضول کلام

یہ بھی مذموم ہے اور یہ بے فائدہ کلام میں مشغول ہونے کو بھی شامل ہے اور اس کلام کو بھی جو اگرچہ فائدہ مند ہو لیکن ضرورت سے زیادہ ہو اگر کسی شخص کو کوئی بات کہنا ہو تو وہ مختصر گفتگو کے ذریعے بھی اس کا ذکر کر سکتا ہے اور اسے بڑھا بھی سکتا ہے کہ بار بار ذکر کرے اگر ایک کلمہ سے اس کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو اور وہ دو کلمے ذکر کرے تو دوسرا کلمہ فضول ہو گا یعنی ضرورت سے زیادہ ہو گا اور وہ بھی مذموم ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اگرچہ اس میں کوئی گناہ یا ضرر نہ ہو ___ حضرت عطا ابن ابی رباح فرماتے ہیں تم سے پہلے لوگ فضول کلام کو ناپسند کرتے تھے اور وہ اس کلام کو فضول سمجھتے تھے جو قرآن پاک، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علاوہ ہو یا وہ معاشی ضروریات سے متعلق نہ ہو کیا تم اس بات کا انکار کرتے ہو کہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے کراماً کاتبین ہیں جو دائیں بائیں کاندھے پر موجود ہیں انسان جو گفتگو کرتا ہے اس کے پاس ایک نگران تیار بیٹھا ہے کیا تم اس بات سے حیا نہیں کرتے کہ جب تمہارا نامۂ اعمال سب کے سامنے کھلے گا تو اس میں اکثر باتیں وہ ہوں گی جن کا دین اور دنیا دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص مجھ سے کوئی بات کرتا ہے تو اس کا جواب مجھے اس قدر پسند ہوتا ہے جس جس قدر پیاسے آدمی کو ٹھنڈا پانی بھی پسند نہیں ہوتا لیکن میں اس بات سے ڈرتے ہوئے اسے چھوڑ دیتا ہوں کہ کہیں یہ فضول کلام ہی نہ ہو۔

حضرت مطرف فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا لحاظ رکھا کرو اور کتے اور گدھے کے ذکر کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا کرو مثلاً یہ کہ یا اللہ اسے ہٹا دے وغیرہ۔

جان لو! فضول کلام کی کوئی حد نہیں بلکہ ضروری کلام کتاب الٰہی میں محدود ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔ (۱)

تمہاری اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں البتہ جو شخص صدقہ کا حکم دے یا نیکی کا یا لوگوں کے درمیان صلح کا حکم دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طُوبَىٰ لِمَنْ أَمْسَكَ الْفَضْلَ مِنْ لِسَانِهِ وَأَنْفَقَ الْفَضْلَ مِنْ مَالِهِ۔ (۲)

اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو زبان کی زائد گفتگو کو روک لے اور مال میں سے زائد کو خرچ کرے۔

دیکھو لوگوں نے کس طرح معاملہ بدل دیا وہ زائد مال کو روکتے ہیں اور زبان کے زائد کو کھلا چھوڑتے ہیں۔

حضرت مطرف بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں بنو عامر کے ایک گروہ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا آپ ہمارے والد ہیں آپ ہمارے سردار ہیں آپ ہم سے بہت زیادہ افضل ہیں۔ آپ بہت زیادہ انعام کرنے والے ہیں آپ اس طرح ہیں اس طرح ہیں آپ نے فرمایا بات کرو شیطان تمہیں سرگشتہ نہ کرے (۳)

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب زبان تعریف میں کھلتی ہے اگرچہ تعریف ہی کیوں نہ ہو تو اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ شیطان ضرورت سے زائد بات کہلوا دے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں تمہیں فضول کلام سے ڈراتا ہوں انسان کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے جو اس کی حاجت کے مطابق ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ النساء آیت ۱۱۴

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۸۲ کتاب الزکوٰۃ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵ مرویات مطرف بن عبداللہ

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں گفتگو لکھی جاتی ہے حتی کہ ایک شخص اپنے بیٹے کو خاموش کراتے ہوئے کہتا ہے میں تمہارے لیے فلاں فلاں چیز خریدوں گا تو وہ جھوٹا لکھا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اے ابن آدم! تمہارے لیے کتاب کھول دی گئی اور اس کے ساتھ دو معزز فرشتے مقرر کر دیے گئے جو تمہارے اعمال لکھتے ہیں اب جو چاہو کرو زیادہ کرو یا کم ——

ایک روایت میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ماتحت جنوں میں سے ایک جن کو بھیجا اور کچھ لوگوں کو بھی بھیجا کہ وہ دیکھیں جو کچھ وہ کہتا ہے اس کی خبر دیں انہوں نے آکر بتایا کہ وہ بازار میں سے گزرا تو اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا پھر لوگوں کی طرف دیکھ کر سر ہلانے لگا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلسلے میں اس سے پوچھا تو اس نے کہا مجھے ان فرشتوں پر تعجب ہوا جو انسانوں کے سروں پر ہیں کہ وہ کس قدر جلدی لکھتے ہیں اور جو ان کے نیچے لوگ ہیں ان پر بھی تعجب ہو کہ وہ کتنی جلدی بہک جاتے ہیں حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب مومن بات کرنا چاہتا ہے تو دیکھتا ہے اگر کوئی فائدہ ہو تو بات کرتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے اور فاجر کی زبان خوب چلتی ہے جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس شخص کی گفتگو زیادہ ہو اس کا جھوٹ بھی زیادہ ہوتا ہے اور جس کا مال زیادہ ہو اس کے گناہ بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جو آدمی بداخلاق ہو وہ اپنے آپ کو عذاب دیتا ہے۔

حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بہت زیادہ گفتگو کی آپ نے فرمایا تمہاری زبان کی اس طرف کتنے پردے ہیں اس نے عرض کیا دو ہونٹ اور دانت ہیں آپ نے فرمایا کیا یہ تمہارے کلام کو واپس نہیں کر سکتے ایک روایت میں ہے آپ نے یہ بات اس شخص سے فرمائی جس نے آپ کی تعریف میں طویل گفتگو کی پھر فرمایا انسان کو زبان کی فضول گفتگو سے بڑھ کر بری چیز نہیں دی گئی۔ (۱)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں فخر کے ڈر سے زیادہ کلام نہیں کرتا بعض حکما کا قول ہے کہ جب کوئی شخص کسی مجلس میں ہو اور اسے تقریر کرنا اچھا لگتا ہو تو اسے چاہیے کہ خاموش رہے اور اگر وہ خاموش ہو اور خاموشی اچھی لگتی ہو تو گفتگو کرے۔

حضرت یزید بن حبیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں عالم کے لیے فتنہ یہ ہے کہ اسے سننے کی بجائے بولنا زیادہ پسند ہو اس لیے جب کوئی بولنے والا موجود ہو تو سننے میں سلامتی ہے اور کلام میں زینت دنیا اور کم یا زیادہ کرنا پایا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پاک کرنے کی سب سے زیادہ مستحق زبان ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک زبان دراز عورت کو دیکھ کر فرمایا اگر یہ عورت گونگی ہوتی تو اس کے لیے

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۴ ص ۱۲۰ حدیث ۶۲۷۳

اچھا تھا۔

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دو باتیں آدمی کو ہلاک کرتی ہیں زائد مال اور فضول کلام۔

تو فضول کلام کی یہ مذمت ہے اس کا سبب بھی بیان ہو گیا اور گذشتہ باب یعنی بے فائدہ کلام کے بیان میں اس کا علاج بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

تیسری آفت:

باطل میں مصروفیت

یہ گناہ سے متعلق گفتگو ہے جس طرح عورتوں کے حالات شراب کی مجالس، بدکاروں کی مجالس، مالدار لوگوں کی عیاشی ان کی مذموم رسموں اور ناپسندیدہ حالات کا ذکر کرنا ــــ یہ تمام امور ایسے ہیں جن میں مشغول ہونا جائز نہیں بلکہ حرام ہے لیکن بے فائدہ باتوں میں مصروف ہونا یا فائدہ مند گفتگو زیادہ کرنا حرام نہیں البتہ اسے چھوڑنا زیادہ بہتر ہے ہاں جو شخص بے فائدہ گفتگو کثرت سے کرے وہ باطل میں پڑنے سے بے خوف نہیں ہو سکتا اور اکثر لوگ ازالۂ غم کے لیے گفتگو کرتے لیکن ان کی گفتگو لوگوں کی عزتوں یا باطل میں پڑنے سے متجاوز نہیں ہوتی۔

باطل کی اقسام شمار نہیں کی جا سکتیں کیونکہ وہ بہت زیادہ ہیں اس لیے ان سے بچنے کی صورت صرف یہ ہے کہ دین اور دنیا کے حوالے سے ضروری گفتگو پر اکتفا کیا جائے کیونکہ اس صورت میں کچھ ایسے کلمات بولے جاتے ہیں جن کی وجہ سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ وہ اسے معمولی سمجھتا ہے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ایک شخص اللہ تعالیٰ کی رضا پر مبنی ایک ایسا کلمہ کہتا ہے جس کے بارے میں اس کا خیال نہیں ہوتا کہ وہ بلندی تک پہنچے گا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے سبب قیامت تک اس کے لیے اپنی رضا لکھ دیتا ہے اور آدمی ایک کلمہ کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے حالانکہ وہ شخص اسے معمولی سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس شخص کے لیے قیامت تک ناراضگی لکھ دیتا ہے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اکثر باتوں سے مجھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس روایت نے روکا ہے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ يُضْحِكُ بِهَا جُلَسَاءَهُ يَهْوِيْ بِهَا اَبْعَدَ مِنَ

ایک شخص ایسا کلمہ بولتا ہے جس کے ذریعے اپنے ہم مجلسوں کو ہنساتا ہے لیکن اس کے باعث ثریا سے

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۶۹ مرویات بلال بن حارث

بھی دور جا گرتا ہے۔ الثُّرَیَّا۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کوئی شخص ایک بات کہتا ہے جس کی پرواہ نہیں کرتا لیکن اس کے ذریعے جہنم میں گرتا ہے اور ایک شخص کوئی دوسرا کلمہ کہتا ہے اور وہ اسے معمولی سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے جنت میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَعْظَمُ النَّاسِ خَطَايَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ خَوْضًا فِي الْبَاطِلِ۔ (۲)

قیامت کے دن ان لوگوں کے گناہ بہت بڑے ہوں گے جو باطل امور میں پڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ۔ (۳)

(جہنمی کہیں گے) اور ہم بے ہودگی میں پڑے ہوئے لوگوں کے ساتھ بیہودہ باتوں میں شریک ہوتے تھے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ۔ (۴)

پس ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مصروف ہو جائیں (اگر بیٹھو گے) تو اس وقت ان کی مثل ہو گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قیامت کے دن ان لوگوں کے گناہ زیادہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں زیادہ گفتگو کرتے ہیں۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں انصار میں سے ایک شخص ان کی مجلس سے گزرتے ہوئے کہتا وضو کر لو کیوں کہ تمہاری بعض گفتگو بے وضو ہونے سے بھی بری ہے۔

یہ بھی باطل میں پڑنا ہے اور یہ غیبت، چغلی اور فحش کلام کے علاوہ ہے جس کا ذکر آگے آئے گا بلکہ یہ ان ممنوع باتوں میں مشغول ہونا ہے جو پہلے ہو چکی ہیں اور ان کے ذکر کی کوئی دینی حاجت نہیں ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۰۲ مرویات ابوہریرہ

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۴۴ کتاب الادب

(۳) قرآن مجید، سورہ المدثر آیت ۴۵

(۴) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۱۴۰

بدعات اور مذاہب فاسدہ کا ذکر نیز صحابہ کرام کے درمیان جو لڑائی ہوئی اس کا اس طرح ذکر کرنا کہ بعض صحابہ کرام پر طعن کا وہم ہو یہ بھی باطل میں پڑنا ہے یہ تمام باتیں باطل میں اور ان میں مشغولیت، باطل میں مشغول ہونا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں مدد فرماتے۔

چوتھی آفت:

دوسروں کی بات کاٹنا اور جھگڑا کرنا

اس سے منع کیا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهٗ۔ (۱)

اپنے (مسلمان) بھائی سے جھگڑا نہ کر نہ اس سے مذاق کر اور اس سے کوئی وعدہ کرکے اس کی خلاف ورزی نہ کر۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذَرُوا الْمِرَاءَ فَاِنَّهٗ لَا تُفْهَمُ حِكْمَتُهٗ وَلَا تُؤْمَنُ فِتْنَتُهٗ (۲)

جھگڑا چھوڑ دو نہ تو اس کی حکمت سمجھی جاتی اور نہ اس کے فتنہ سے حفاظت ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیتا ہے اس کے لیے جنتِ اعلیٰ میں ایک گھر بنایا جاتا ہے اور جو باطل پر ہونے کی وجہ سے جھگڑا چھوڑ دے اس کے لیے جنت کے گرد و نواح میں مکان بنایا جاتا ہے (۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو سب سے پہلا عہد لیا اور بت پرستی اور شراب نوشی کے بعد جس چیز سے منع کیا وہ لوگوں سے جھگڑا کرنا ہے۔ (۴)

آپ نے فرمایا:

مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ اَنْ هَدَاهُمُ اللّٰهُ

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہدایت دے اور

---

(۱) جامع ترمذی ص ۲۹۳، ابواب البر والصلۃ

(۲)

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۵ کتاب الادب

(۴)

إِلَّا أُوْتُوا الْجَدَلَ۔ (۱)
اس کے بعد وہ گمراہ ہو تو اسے باہم لڑائی میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَسْتَكْمِلُ عَبْدٌ حَقِيْقَةَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَدَعَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا۔ (۲)
کوئی بندہ حقیقتِ ایمان کے کمال کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک وہ جھگڑا نہ چھوڑ دے اگرچہ حق پر ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس شخص میں چھ باتیں پائی جاتی ہوں وہ حقیقتِ ایمان تک پہنچتا ہے گرمیوں میں روزہ رکھنا، دشمنانِ خدا کو تلوار سے قتل کرنا بادلوں والے دن نماز میں جلدی کرنا، مصیبتوں پر صبر کرنا، نہ چاہنے کے وقت وضو مکمل کرنا اور حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہ کرنا (۳)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا قرآن کے ذریعے لوگوں سے جھگڑا نہ کرنا تم ان کی تاب نہیں لاسکتے تم پر سنت لازم ہے (اس کے ذریعے گفتگو کرنا)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے دین کو جھگڑوں کا نشانہ بناتا ہے وہ اکثر بدلتا رہتا ہے۔

حضرت مسلم بن یسار فرماتے ہیں اپنے آپ کو جھگڑوں سے بچاؤ کیونکہ یہ عالم کی جہالت کا وقت ہے اور اس وقت شیطان اس کی لغزش کے درپے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ جب کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ ہوتی ہے تو اسے جھگڑوں میں مبتلا کیا جاتا ہے حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جھگڑا دین سے کچھ تعلق نہیں رکھتا اور یہ بھی فرمایا کہ جھگڑا دل کو سخت کر دیتا ہے اور دلوں میں کینہ ڈالتا ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا علماء سے نہ جھگڑنا ورنہ وہ تجھ سے عداوت کریں گے۔

حضرت بلال بن سعد نے فرمایا جب تم کسی شخص کو بہت جھگڑالو اور اپنی رائے کو پسند کرنے والا دیکھو تو (سمجھ لو کہ) وہ مکمل خسارے میں ہے۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر میں اپنے بھائی سے انار کے بارے میں جھگڑوں وہ کہے کہ یہ میٹھا ہے اور میں کہوں کھٹا ہے تو وہ مجھے بادشاہ کے پاس لے جائے گا۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ تم جس سے چاہو صلح صفائی رکھو پھر تم اس کو جھگڑے کے ذریعے غصہ دلاؤ گے تو وہ تمہیں

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۶ مرویات ابو امامہ

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۳۵۵ حدیث ۶۹۰۸

(۳) الفردوس بما ثور الخطاب جلد ۲ ص ۲۶۳ حدیث ۳۴۸۴

ایسی مصیبت میں پھنسائے گا کہ تمہاری زندگی برباد ہو جائے گی۔

حضرت ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اپنے دوست سے جھگڑا نہیں کرتا کیونکہ اس طرح یا تو اسے جھٹلاؤں گا یا غصہ دلاؤں گا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہارے گناہ گار ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہمیشہ جھگڑتے رہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَكْفِيرُ كُلِّ لِحَاءٍ رَكْعَتَانِ - (۱) ہر بحث کرنے والے کا کفارہ دو رکعتیں ہیں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تین باتوں کے لیے علم نہ سیکھو اس لیے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعے تم جھگڑا کرو اور اس لیے بھی نہیں کہ اس کے ذریعے دوسروں پر فخر کرو اور نہ دکھاوے کے لیے سیکھو۔ اور علم کا حصول اس کی طلب سے حیا کرتے ہوئے، اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے اور جہالت کو پسند کرنے کی وجہ سے ترک نہ کرو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

جو شخص زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کا حسن چلا جاتا ہے اور جو آدمی لوگوں سے زیادہ بحث و تکرار کرتا ہے اس کی عزت باقی نہیں رہتی اور جو زیادہ فکر مند رہتا ہے اس کا جسم بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جس کا خُلق اچھا نہ ہو وہ اپنے آپ کو عذاب دیتا ہے۔

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے آپ اپنے (مسلمان) بھائی کو عداوت کی وجہ سے نہیں چھوڑتے؟ فرمایا اس لیے کہ میں نہ تو اس سے دل لگی کرتا ہوں اور نہ بحث و تکرار کرتا ہوں۔

بحث و تکرار اور جھگڑے کی جس قدر مذمت کی گئی ہے وہ شمار سے باہر ہے۔

مراد (جھگڑا) یہ ہے کہ دوسرے کی بات پر اعتراض کرنا یعنی اس کے الفاظ یا معانی میں خلل ڈالنا یا اس کے ارادے میں خلل ڈالنا۔ اور اگر اس پر اعتراض نہ کیا جائے تو یہ جھگڑے اور بحث کا ترک ہے تم جو بات سنو تو دیکھو اگر وہ سچ ہے تو اس کی تصدیق کرو اور اگر وہ باطل یا جھوٹ ہے اور دین سے متعلق نہیں ہے تو اس سے خاموش رہو دوسرے آدمی کے کلام پر طعن کرنا کبھی اس کے الفاظ میں ہوتا ہے مثلاً نحوی اعتبار سے اس میں خرابی نکالنا یا لغوی اعتبار سے یا عربیت کے حوالے سے غلطی نکالنا یا یہ کہ اس کی ترتیب غلط ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر ہے بعض اوقات یہ غلطی علم کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے یا زبان کی لغزش سے ایسا ہو جاتا ہے جو بھی وجہ ہو اس کی غلطی نکالنا صحیح نہیں معنیٰ پر اعتراض کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے جس طرح تم کہتے ہو بات اس طرح نہیں تم نے اس میں فلاں فلاں وجہ سے غلطی کی ہے۔ اس کے قصد پر اعتراض کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ کہتا ہے یہ کلام حق ہے لیکن تمہاری نیت ٹھیک نہیں بلکہ اس میں تمہاری کوئی غرض ہے اس کی قسم کی باتیں کرتا ہے اگر یہ بات کسی

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۲۰۷، احدیث ۱۶۵۷

علمی معاملہ میں جاری ہو تو بعض اوقات اسے جدل کا نام دیا جاتا ہے اور یہ بھی مذموم ہے بلکہ خاموشی واجب ہے یا کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لیے سوال کرے عناد اور اعتراض کے طور پر نہ کرے اور نرمی سے آگاہ کرے بطور طعن نہ بنائے مجادلہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے کلام پر اعتراض کرکے اس کو عاجز کیا جائے اور خاموش کر دیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ وہ جاہل اور کم علم ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اسے دوسرے انداز میں سمجھانا اچھا نہ لگتا ہو وہ اس بات کو پسند کرتا ہو کہ وہ اس کی غلطی کو ظاہر کرے تاکہ اس طریقے پر اپنے فضیلت کو اور دوسرے کی خامی کو واضح کرے اس (خرابی) سے نجات کا طریقہ یہ ہے کہ ہر اس بات سے خاموشی اختیار کرے جس سے خاموش ہونے میں کوئی گناہ نہیں۔

اس کا باعث اپنے علم و فضل کے اظہار کے ذریعے دوسروں پر برتری جتانا اور ان کی خامیاں ظاہر کر کے ان پر رعب جمانا ہے اور یہ دونوں نفس کی باطنی خواہشات ہیں جو اس کی تقویت کا باعث ہیں فضیلت کا اظہار اپنی پاکیزگی بیان کرنا ہے اور یہ بندے کی سرکشی کا تقاضا ہے کہ وہ بلندی اور بڑائی کا دعوت کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں ربوبیت کی صفات سے ہیں۔

جہاں تک دوسروں میں کمی ظاہر کرنے کا تعلق ہے تو وہ درندوں کی فطرت کا تقاضا ہے وہ دوسروں کو پھاڑ کھانا چاہتا ہے انہیں اذیت دینا اور کاٹ کر رکھ دینا اور توڑنا چاہتا ہے۔

یہ دونوں باتیں مذموم اور ہلاک کرنے والی ہیں اور ان دونوں کی قوت جھگڑا کرنا ہے تو جو شخص ہمیشہ جھگڑوں اور بحث مباحثے میں لگا رہتا ہے وہ ان مہلک صفات کو تقویت پہنچاتا ہے اور یہ بات کراہت کی حد سے تجاوز کرتی ہے بلکہ یہ گناہ ہے جب کہ اس میں دوسروں کو اذیت بھی پہنچانا ہو اور جھگڑا اذیت پہنچانے اور غصے کو ابھارنے سے الگ نہیں ہو سکتا اور معترض کے جواب میں اپنے کلام کی تائید میں ہر قسم کے دلائل دیتا ہے وہ حق ہوں یا باطل ——— اور دوسروں کے کلام میں جو خرابی سوجھے بیان کرتا ہے تو اس قسم کے دو آدمیوں کے درمیان اس طرح جھگڑا پیدا ہوتا ہے جس طرح دو کتوں کے درمیان لڑائی ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک، دوسرے کو کاٹنا چاہتا ہے اور اسے نکام دینے کے لیے جو حیلہ جانتا ہے استعمال کرتا ہے،

اس کا علاج یہ ہے کہ اس تکبر کو توڑ دے جس کی وجہ سے وہ اس پر اپنی فضیلت ظاہر کرتا ہے اسی طرح اس درندگی کا بھی خاتمہ کر دے جو دوسروں کی عیب جوئی کا باعث ہے تکبر اور خود پسندی کی مذمت کے بیان میں اس کا ذکر ہو گا۔

کیونکہ ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کو دور کرنے کے ذریعے ہوتا ہے اور بحث و تمحیص اور جھگڑے کا سبب وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے پھر اس کی مواظبت اسے عادت و فطرت بنا دیتی ہے حتیٰ کہ وہ نفس پر قابو پا لیتی ہے اور اس سے صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آپ نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کی ہے انہوں نے فرمایا اس لیے کہ میں جھگڑوں کے ترک کے ذریعے اپنے نفس کو مجاہدہ میں ڈالنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ آپ مجلس میں آئیں اور غور سے سنیں خود نہ بولیں۔ وہ فرماتے ہیں میں نے یہ کام کیا لیکن مجھے اس سے زیادہ سخت کوئی مجاہدہ دکھائی نہ دیا اور واقعی انہوں نے سچ فرمایا کیونکہ جو شخص دوسرے آدمی سے خطا سنے اور اس کی حقیقت بتانے پر قادر ہو تو اس کے لیے صبر کرنا مشکل ہوجاتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ۔ (۱)

جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے لیے اعلیٰ جنت میں گھر بناتا ہے۔

مذاہب اور عقائد میں یہ بات اکثر غالب ہوتی ہے کیوں کہ جھگڑا کرنا انسانی فطرت میں شامل ہے اور جب وہ یہ گمان بھی کرے کہ اس پر اسے ثواب ملے گا تو اس کی حرص بڑھ جاتی ہے اور اسے فطرت اور شریعت کی معاونت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ محض خطا ہے۔

بلکہ انسان کو چاہیے کہ اہل قبلہ سے اپنی زبان کو روکے اور اگر کسی بدعتی کو دیکھے تو علیحدگی میں اسے سمجھائے جھگڑے کا انداز اختیار نہ کرے کیوں کہ جھگڑے سے خیال پیدا ہوگا۔ یہ دوسروں کو خاموش کرنے کا ایک طریقہ ہے اور اہل مذاہب میں سے مقررین ومناظرین اگر چاہیں تو یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں، یوں اس جھگڑے سے اس کے دل میں وہ بدعت پکی اور مؤکد ہوجائے گی اور جب معلوم ہوجائے کہ سمجھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہورہا تو اپنے آپ میں مشغول ہوجائے اور اسے چھوڑ دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ كَفَّ لِسَانَهٗ عَنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ إِلَّا بِأَحْسَنِ مَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنی زبان کو اہل قبلہ سے روک کر رکھتا ہے البتہ جو اچھی بات ہو سکے (تو کوئی حرج نہیں)

حضرت ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ارشاد گرامی کو سات مرتبہ دہراتے تھے۔

اور جب آدمی کو بحث مباحثے کی عادت ہوجائے اور اس پر لوگ اس کی تعریف کریں اور وہ اس کی وجہ سے اپنی عزت اور قبولیت سمجھے تو اس میں یہ ہلاک کرنے والی باتیں مضبوط ہوجاتی ہیں۔ اور جب اس پر غضب تکبر، ریاکاری، جاہ و

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۵ کتاب الادب

(۲) کنزالعمال جلد اول ص ۲۱۵ حدیث ۱۰۷۹

مرتبے کی محبت اور خود ساختہ عزت کا غلبہ ہو جائے تو ان کا مقابلہ مشکل ہو جاتا ہے حالانکہ یہ باتیں الگ الگ پائی جائیں تو مجاہدہ مشکل ہوتا ہے ان کے جمع ہونے کی صورت میں کیا حال ہوگا۔

پانچویں آفت:

خصومت

یہ بھی قابل مذمت ہے اور یہ جدال اور مراء کے علاوہ ہے مراء دوسروں کے کلام پر طعن و تشنیع کو کہتے ہیں یعنی اس میں خلل ظاہر کیا جائے اور مقصود صرف اس شخص کی تحقیر اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا ہو۔

جدال مذاہب کے اظہار اور ان کی تقریر یعنی ان میں بحث مباحثہ ہے جب کہ خصومت اپنے کلام پر ڈٹ جانا ہے تاکہ اس کے ذریعے دوسرے کا مال یا حق حاصل کیا جائے اور یہ کبھی ابتداءً ہوتا ہے اور کبھی اعتراض کی صورت میں جبکہ مراء صرف گذشتہ کلام پر اعتراض کی صورت میں ہی ہوتا ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَی اللّٰہِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو بہت جھگڑالو ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ جَادَلَ فِیْ خُصُوْمَۃٍ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَمْ یَزَلْ فِیْ سَخَطِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْزِعَ۔ (۲)

جو شخص بے جا خصومت میں پڑتا ہے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔

بعض بزرگ فرماتے ہیں خصومت سے بچو یہ دین کو مٹا دیتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی پرہیزگار شخص دین میں کبھی جھگڑا نہیں کرتا ہے حضرت ابن قتیبہ فرماتے ہیں حضرت بشر بن عبداللہ بن ابی بکرہ میرے پاس سے گزرے تو فرمایا آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ میں نے جواب دیا میرے اور میرے چچازاد بھائی کے درمیان کچھ جھگڑا ہے انہوں نے فرمایا تمہارے باپ کا مجھ پر کچھ احسان ہے میں اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں میں نے خصومت سے بڑھ کر کسی چیز کو دین کو زیادہ لے جانے والی، مروت کو نقصان پہنچانے والی لذت کو ضائع کرنے والی اور دل کو پھیرنے والی نہیں دیکھا۔

ابن قتیبہ فرماتے ہیں میں اٹھ کر جانے لگا تو میرے مخالف نے کہا تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا میں تجھ سے جھگڑا نہیں کرتا اس نے کہا تم سمجھ گئے ہو کہ میں حق پر ہوں؟ میں نے کہا نہیں لیکن میں اپنے نفس کو اس سے بچانا چاہتا ہوں اس نے کہا میں تم سے کچھ بھی نہیں مانگتا وہ تمہارا ہے اگر تم کہو کہ جب کسی آدمی کا حق ہو تو اس کی طلب یا حفاظت کے لیے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۳۲ کتاب المظالم (۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۸۲ مرویات ابن عمر

لازماً جھگڑنا پڑتا ہے جب کوئی ظالم اس پر ظلم کرے تو اس کا کیا حکم ہے اور ہم اس کے جھگڑے کو کیسے قابل مذمت قرار دیں گے؟

تو جان لو! یہ مذمت اس جھگڑالو شخص کو شامل ہے جو باطل پر جھگڑتا ہے نیز وہ جو علم کے بغیر جھگڑتا ہے۔ جیسے قاضی کا وکیل وہ اس بات کو جاننے سے پہلے کہ حق کس طرف ہے محض جھگڑے کی وکالت کرتا ہے وہ کسی بھی جانب سے ہو اور یوں وہ علم کے بغیر جھگڑتا ہے۔ اسی طرح اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو اپنا حق طلب کرتا ہے لیکن وہ ضرورت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ غلبہ حاصل کرنے یا ایذا پہنچانے کی خاطر خوب جھگڑتا ہے۔ اسی طرح اس سے وہ لوگ بھی مراد ہیں جو اس خصومت (جھگڑے) میں ایذا رساں کلمات کو ملاتے ہیں حالانکہ دلیل کی مدد اور اظہار حق کے لیے ان کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح وہ شخص جو محض دشمنی کی وجہ سے جھگڑتا ہے تاکہ مخالف کو مغلوب کرے حالانکہ جس مال کے لیے جھگڑتا ہے اس کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی بعض لوگ واضح الفاظ میں اس بات کو ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد اس شخص سے دشمنی اور اس کی عزت کو خاک میں ملانا ہے اور میں تو اس سے پیسے لے کر کنویں میں پھینک دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، تو اس شخص کا مقصد محض جھگڑا کرنا اور ٹیڑھ پن کا اظہار ہے اور یہ صورت بہت ہی مذمت کے قابل ہے۔

لیکن مظلوم شخص جس کی دلیل کو شرعی طریقے پر مدد پہنچائی جائے اور اس میں حد سے زیادہ جھگڑا نہ ہو نہ عناد مقصود ہو اور نہ ہی ایذا رسانی تو اس صورت میں یہ طریقہ حرام نہیں ہے لیکن جس حد تک ہو سکے اسے چھوڑنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ خصومت میں زبان کو حد اعتدال پر رکھنا مشکل ہے اور خصومت سے دل میں غصہ پیدا ہوتا ہے اور جب غصہ آتا ہے تو جس بات میں جھگڑا ہوتا ہے وہ بھول جاتی ہے اور جھگڑا کرنے والوں کے درمیان محض کینہ باقی رہتا ہے حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے کے غم پر خوش اور خوشی پر غمگین ہو جاتے ہیں اور زبان اس کی عزت کے پیچھے پڑی رہتی ہے تو جو شخص خصومت شروع کرتا ہے وہ ان ممنوع امور میں پڑ جاتا ہے اور سب سے کم بات جو اس میں پائی جاتی ہے وہ اس کے دل کا پریشان ہوتا ہے حتیٰ کہ نماز میں بھی وہ اپنے مخالف کے خلاف دلیل سوچتا ہے اور یہ معاملہ واجب حد پر نہیں رہتا تو خصومت (جھگڑا) ہر برائی کی بنیاد ہے مراء اور جدال کا بھی یہی معاملہ ہے لہٰذا اس کا دروازہ ضرورت کے بغیر نہ کھولا جائے اور ضرورت کے وقت بھی زبان اور دل کی حفاظت کرنا مناسب ہے کہ وہ خصومت کی راہ اختیار نہ کرے اور یہ بہت مشکل ہے جو شخص جھگڑے میں واجب حد پر اکتفا کرتا ہے وہ گناہ سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے جھگڑے کی مذمت نہیں کی جا سکتی۔

لیکن جب اس معاملے میں خصومت سے بچ سکتا ہو لیکن پھر بھی جھگڑا کرے تو وہ اولیٰ کو ترک کرنے والا ہوگا۔ لیکن گناہ گار نہ ہوگا۔ البتہ خصومت، مراء اور جدال کی صورت میں کم از کم جو نقصان ہوتا ہے وہ اچھے کلام کا فوت ہو جاتا ہے اور ثواب سے محرومی ہوگی کیونکہ اچھے کلام کا سب سے نچلا درجہ موافقت کا اظہار ہے اور طعن و اعتراض سے بڑھ کر

کلام میں کوئی سختی نہیں اور اس کا نتیجہ ایک دوسرے کو جاہل قرار دینا اور جھٹلانا ہے جو شخص کسی دوسرے سے جھگڑتا ہے مراد اور خصومت ظاہر کرتا ہے وہ اس دوسرے کو جاہل یا جھوٹا قرار دیتا ہے اور اس سے کلام کی پاکیزگی ختم ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

يُمَكِّنُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ طِيبُ الْكَلَامِ وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ ۔ (۱)

تمہیں اچھا کلام اور (بھوکوں کو) کھانا کھلانا جنت میں لے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۔ (۲)

اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بھی تمہیں سلام کرے اس کو سلام کا جواب دو اگرچہ وہ مجوسی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۔ (۳)

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس کا اچھا جواب دو یا وہی لوٹا دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر فرعون بھی مجھ سے اچھی بات کرتا تو میں اسے اچھا جواب دیتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا أَعَدَّهَا اللهُ تَعَالَى لِمَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَلَانَ الْكَلَامَ ۔ (۴)

بے شک جنت میں بالاخانے ہیں جن کا بیرونی حصہ اندر سے اور اندرونی حصہ باہر سے نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ان لوگوں کے لیے تیار کیا ہے جو کھانا کھلاتے اور نرم گفتگو کرتے ہیں۔

ایک روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ایک خنزیر گزرا [illegible] نے فرمایا اچھی طرح چلا جا عرض کیا گیا اے

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۷ کتاب الاطعمۃ

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۸۳

(۳) قرآن مجید، سورۂ النساء آیت ۸۶

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۵۶ مرویات علی المرتضیٰ

روح اللہ! خنزیر سے یہ بات فرما رہے ہیں؟ فرمایا میں زبان پر بری بات لانا نہیں چاہتا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ۔ (۱)
اچھی گفتگو صدقہ ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَبِکَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ۔ (۲)
جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہو اور اگر یہ نہ پاؤ تو اچھی گفتگو کے ذریعے (بچو)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
نیکی ایک آسان کام ہے خندہ پیشانی سے پیش آنا اور نرم گفتگو کرنا بعض حکماء کا قول ہے کہ نرم گفتگو اعضا میں پوشیدہ کینے کو دھوڈالتی ہے اور بعض حکماء فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی کلام سے ناراض نہیں ہوتا لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے ذریعے تم اپنے ہم نشین کو راضی رکھو لہٰذا ایسے کلام میں بخل نہ کرو ممکن ہے تمہیں اس کے بدلے میں نیکی کرنے والوں کی طرح ثواب حاصل ہو۔
یہ تمام باتیں اچھی گفتگو کی فضیلت سے متعلق ہیں جب کہ خصومت (جھگڑا) اس کے خلاف ہے اسی طرح مراد اور جدال بھی، کیوں کہ یہ ایسا کلام ہے جو مکروہ ہے اور وحشت میں ڈالتا ہے دل کو اذیت پہنچاتا ہے آرام و سکون کو برباد کر دیتا ہے غصے کو ابھارتا اور دل میں رنج پیدا کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ اپنے احسان اور کرم سے حُسنِ توفیق عطا فرمائے۔

چھٹی آفت:

پُرتکلف کلام کرنا

منہ کھول کھول کر بتکلف مسجع اور فصاحت سے بھرپور کلام کرنا اور اس میں بناوٹ کرتے ہوئے مقدمات اور تمہیدات بنانا جس طرح عام خود ساختہ فصاحت کے دعویداروں اور خطابت کے مدعی لوگوں کی عادت ہے یہ تمام باتیں مذموم تصنع سے تعلق رکھتی ہیں، اور یہ ایسا تکلف ہے جو غضب کو دعوت دیتا ہے اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَنَا وَاَتْقِیَاءُ اُمَّتِیْ بُرَآءٌ مِّنَ التَّکَلُّفِ۔ (۳)
میں اور میری امت کے پرہیزگار لوگ تکلف سے دور ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۱۶ مرویات ابوہریرہ
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵۶ مرویات عدی بن حاتم
(۳) الاسرار المرفوعۃ ص ۹۸ حدیث ۲۷۷

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَکُمْ مِّنِّیْ مَجْلِسًا الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَفَیْهِقُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ فِی الْکَلَامِ ۔ (۱)

تم میں سے وہ لوگ میرے نزدیک زیادہ برے اور میری مجلس سے زیادہ دور ہیں جو بکتے رہتے ہیں منہ بھر کر کلام کرتے ہیں اور گفتگو کرتے وقت بہت زیادہ منہ کھولتے ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شِرَارُ اُمَّتِی الَّذِیْنَ غُذُوْا بِالنَّعِیْمِ یَاْکُلُوْنَ اَلْوَانَ الطَّعَامِ وَیَلْبَسُوْنَ اَلْوَانَ الثِّیَابِ وَیَتَشَدَّقُوْنَ فِی الْکَلَامِ

(۲)

میری امت کے وہ لوگ برے لوگ ہیں جو طرح طرح کی نعمتوں سے پروان چڑھتے ہیں طرح طرح کے کھانے کھاتے اور طرح طرح کے لباس پہنتے ہیں اور گفتگو کرتے وقت (تکلفاً) منہ کھولتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا۔

اَلَا هَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ ۔ (۳)

سنو! کلام میں مبالغہ آمیزی کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کلام میں اونٹ کی طرح منہ ہلانا شیطان کی طرف سے ہے۔

عمرو بن سعد اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کام کے لیے حاضر ہوا اور حاجت بیان کرنے سے پہلے کچھ کلام کیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا آج تو جس قدر طویل تمہید باندھ رہا ہے ایسا تو نے کبھی نہیں کیا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں وہ اپنے کلام کو اس طرح چبائیں گے جس طرح گائے اپنی زبان سے گھاس کو چباتی ہے (۴)

گویا انہوں نے ان تمہیدی کلام کو اچھا نہ سمجھا کیوں کہ یہ تکلف اور مصنوعی انداز کی تمہید تھی اور یہ بھی زبان کی آفات میں سے ہے اور اس میں ہر وہ سجع داخل ہے جس میں تکلف ہو اسی طرح عادت سے بڑھ کر تکلف فصاحت کا اظہار بھی اس میں شامل ہے۔ محاورات میں قافیے ملانا اور موزوں کلام کرنا بھی اسی زمرے میں آتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مردہ بچے کے عوض ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا تو جرم کرنے والے کی قوم میں سے ایک نے مسجع کلام کیا (ترجمہ یہ ہے) ہم اس کا فدیہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۴ مرویات ابو ثعلبہ

(۲) شعب الایمان جلد ۵ ص ۳۳ حدیث ۵۶۶۹

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۸۶ مرویات عبداللہ بن مسعود

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۸۷ مرویات ابن عمرو

کس طرح دیں جس نے کھایا نہ پیا نہ چیخا اور نہ کوئی آواز نکالی اس قسم کا خون معاف ہوتا ہے" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیہاتیوں کی طرح مسجع کلام کرتا ہے (۱) گویا آپ نے ناپسند فرمایا یوں کہ ایسی گفتگو میں تکلف کا اثر واضح طور پر معلوم ہوتا ہے بلکہ آدمی کو چاہیے کہ ہر بات میں مقصود تک رہے اور کلام کا مقصد کسی غرض کا سمجھانا ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مذموم بناوٹ ہے۔

خطابت کے دوران الفاظ کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کرنا اور کسی مبالغہ آرائی کے بغیر وعظ کرنا اس حکم میں شامل نہیں کیونکہ خطاب سے مقصود لوگوں کے دلوں کو حرکت دینا اور شوق دلانا نیز انہیں بند کرنا اور کھولنا ہے۔ اور الفاظ کی عمدگی اس میں موثر ہوتی ہے لہذا یہ اس کے لائق ہے لیکن وہ محاورات جو ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان میں وزن، قافیہ اور تکلف مذموم ہے کیونکہ یہاں صرف ریاکاری اور فصاحت و بلاغت کا اظہار مقصود ہوتا ہے یہ تمام باتیں ناپسندیدہ ہیں شریعت میں یہ جائز نہیں اور ان سے روکا گیا ہے۔

<u>ساتویں آفت:</u>

فحش کلامی اور گالی گلوچ

اس سے منع کیا گیا ہے اور یہ قابلِ مذمت ہے اس کی بنیاد خبث باطنی اور ظاہری کمینگی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِيَّاكُمْ وَالْفُحْشَ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ۔ (۲)

اپنے آپ کو فحش کلامی سے بچاؤ بے شک اللہ تعالیٰ فحش کلامی اور تکلف فحش کلام کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کو گالی دینے سے منع فرمایا آپ نے فرمایا۔

لَا تَسُبُّوا هٰؤُلَاءِ فَإِنَّهُ لَا تَخْلُصُ إِلَيْهِمْ شَيْءٌ مِمَّا تَقُولُونَ وَتُؤْذُونَ الْأَحْيَاءَ أَلَا إِنَّ الْبَذَاءَ لُؤْمٌ۔ (۳)

ان لوگوں کو گالی نہ دو جو کچھ تم کہتے ہو وہ ان تک نہیں پہنچتی بلکہ تم زندوں کو تکلیف پہنچاتے ہو خبردار بری بات کہنا کمینگی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۶۲ کتاب القسامۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۹۵ مرویات ابن عمر

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۳۲۹ کتاب معرفۃ الصحابۃ

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ۔ (۱)

مومن طعن کرنے والا لعنت بھیجنے والا، فحش گوئی کرنے اور بد کلامی کرنے والا نہیں ہوتا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اَلْجَنَّةُ حَرَامٌ عَلٰى كُلِّ فَاحِشٍ اَنْ يَدْخُلَهَا۔ (۲)

ہر فحش کلام کرنے والا پر جنت کا داخلہ حرام ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جہنمیوں میں سے چار قسم کے آدمی وہ ہیں جو تمام اہل جہنم کو مزید اذیت پہنچائیں گے وہ کھولتے ہوئے پانی اور آگ کے درمیان دوڑتے ہوں گے اور اپنی تباہی اور خرابی پر پکارتے ہوں گے ایک وہ شخص جس کے منہ سے پیپ اور خون جاری ہوگا اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اسے دھتکار ہو ہم پہلے سے تکلیف میں ہیں اس نے مزید تکلیف پہنچائی وہ کہے گا جو بھی بری بات میرے ذہن میں آتی وہ کہہ کر میں جماع کی لذت محسوس کرتا تھا۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

يَا عَائِشَةُ لَوْ كَانَ الْفُحْشُ رَجُلًا لَكَانَ رَجُلَ سَوْءٍ۔ (۴)

اے عائشہ اگر بری گفتگو آدمی ہوتی تو وہ بہت برا آدمی ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنْ شُعَبِ النِّفَاقِ۔ (۵)

فحش گوئی اور بیان منافقت کے شعبوں میں سے دو شعبے ہیں۔

اس بات کا احتمال ہے کہ بیان سے مراد ایسی بات کو ظاہر کرنا ہو جسے ظاہر کرنا جائز نہیں۔ یا وضاحت میں مبالغہ مراد ہو حتیٰ کہ تکلف کرنا پڑے یا امور دین اور صفاتِ خداوندی کا بیان مقصود ہو کیونکہ لوگوں کے سامنے اسے اجمالی طور پہ بیان کرنا مبالغہ کے ساتھ بیان کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیوں کہ بعض اوقات زیادہ بیان کرنے سے شکوک و شبہات اور وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ جب تم اجمالی طور پہ بیان کرو گے تو دل اسے جلدی قبول کریں گے اور کوئی پریشانی نہ ہوگی۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۲۴۳ کتاب الشہادات۔

(۲)

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۷ ص ۳۱۱ حدیث ۷۲۲۶

(۴) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۳۹۹ کتاب الادب

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۶۹ مرویات ابوامامہ

لیکن چونکہ حدیث شریف میں لفظ بیان، فحش کلامی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لہٰذا زیادہ مناسب یہی ہے کہ اس سے مراد ایسی بات کو ظاہر کرنا ہو جس کے بیان سے انسان شرم محسوس کرتا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں چشم پوشی اور بے خبری کا اظہار، کشف و بیان سے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ الصَّیَّاحَ فِی الْاَسْوَاقِ (۱)	بے شک اللہ تعالیٰ فحش گفتگو کرنے والے بازاروں میں خوب چلانے والے کو پسند نہیں فرماتا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اور میرے والد ماجد میرے سامنے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بے شک فحش کلامی اور بیہودہ گفتگو کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اسلام کے اعتبار سے وہ شخص سب سے اچھا ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ (۲)

حضرت ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قیامت کے دن فحش کلام اور بیہودہ بکنے والے کو کتے کی صورت میں یا کتے کے پیٹ میں لایا جائے گا۔

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

کیا میں تمہیں سب سے بری بیماری نہ بتاؤں؟ پھر فرمایا وہ، بدکلامی اور بد خلقی ہے تو یہ فحش کلامی کی مذمت ہے۔

اس کی تعریف اور حقیقت یہ ہے کہ بری باتوں کو واضح الفاظ میں ذکر کیا جائے عام طور پر جماع وغیرہ کے الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں، فسادی لوگ واضح فحش پر مبنی عبارات استعمال کرتے ہیں جب کہ نیک لوگ ایسے لوگوں سے دور بھاگتے ہیں اور کنایتاً ذکر کرتے ہیں اور اشاروں کے ذریعے سمجھاتے ہیں وہ الفاظ جو اس کے قریب قریب ہوں یا اس سے متعلق ہوں ان کے ذریعے اظہار کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ حیا فرمانے والا کریم ہے وہ درگزر فرماتا اور کنایتاً بیان فرماتا ہے اس نے جماع کا ذکر لمس (چھونے) کے ذریعے کیا مسیس، لمس (چھونا)، دخول اور صحبت (یہ تمام الفاظ) جماع سے کنایہ ہیں۔ اور ان الفاظ میں فحش کلامی نہیں اور یہاں بے حیائی پر مبنی الفاظ ہیں جن کا ذکر قبیح ہے ان میں سے اکثر گالی اور

---

(۱) الکامل لابن عدی ۶ ص ۲۰۴۳ من اسمہ الفضل بن مبشر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۹۹ مرویات جابر بن سمرہ

عار دلانے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور یہ عبارات فحاشی میں مختلف ہیں ان میں سے بعض بیں دوسرے بعض کی نسبت زیادہ بے حیائی ہے اور بعض علاقائی عادت کی وجہ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی طور پر یہ ناپسندیدہ اور آخر میں ممنوع ہوتے ہیں اور ان کے درمیان کئی درجات ہیں۔

کنایہ کا استعمال جماع کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پیشاب کے لیے قضائے حاجت کا لفظ بطور کنایہ بولا جاتا ہے لفظ تغوط اور خراء وغیرہ کی نسبت لفظ غائط (جس کا معنیٰ پیشاب ہے) زیادہ مناسب ہے یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جن کو چھپایا جاتا ہے اور جسے پوشیدہ رکھا جائے اس سے حیا کیا جاتا ہے لہٰذا صریح الفاظ سے ان کا ذکر مناسب نہیں کیونکہ یہ بے حیائی ہے۔

اسی طرح عورتوں سے کنایہ اچھا ہے یہ نہ کہا جائے کہ تمہاری بیوی نے یہ بات کہی ہے بلکہ کہا جائے کہ گھر میں یوں کہا گیا ہے یا پردے کے پیچھے سے یہ بات کہی گئی ہے یا یہ کہ بچوں کی ماں یہ بات کہتی ہے تو ان الفاظ میں کنایہ قابل تعریف ہے اور واضح طور پر ان الفاظ کا استعمال فحش کلامی کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص میں کچھ عیب ہوں جن سے وہ حیا کرتا ہو تو صریح الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے جیسے برص، خارشی پھنسیاں اور بواسیر وغیرہ ہوں تو یوں کہے کہ اسے کچھ تکلیف ہے جس کی شکایت کرتا ہے یا اس قسم کے دوسرے الفاظ کہے جائیں صریح الفاظ میں ان بیماریوں کا ذکر فحش کلامی میں داخل ہے اور یہ سب زبان کی آفات میں شامل ہیں۔

حضرت علاء بن ہارون نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ گفتگو میں احتیاط فرماتے تھے ان کی بغل کے نیچے پھوڑا نکل آیا ہم ان کی بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوئے کہ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں ہم نے پوچھا کہاں نکلا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاتھ کے اندرونی حصے میں نکلا ہے۔

فحش کلامی کا سبب یا تو مخاطب کو ایذا پہنچانا ہوتا ہے یا فاسق لوگوں کی ہمنشینی سے عادت بن جاتی ہے اسی طرح خبیث اور کمینے لوگوں کی مجلس بھی اثر انداز ہوتی ہے اور گالی دینا ان لوگوں کی عادت ہوتی ہے (لہٰذا ان سے بچنا چاہیئے)

ایک اعرابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اگر تمہارے اندر کوئی عیب کسی شخص کو معلوم ہو اور وہ تمہیں عار دلائے تو تم اسے اس عیب کے ساتھ عار نہ دلاؤ جو اس کے بارے میں جانتے ہو اس طرح اس کا وبال اس شخص پر ہو گا اور اس کا اجر تمہیں ملے گا اور کسی چیز کو کبھی بھی ہرگز گالی نہ دینا وہ فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے کسی چیز کو گالی نہیں دی (۱)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری قوم کا ایک شخص جو مجھ سے کم مرتبہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۶۳ مرویات جابر بن سلیم

رکھتا ہے مجھے گالی دیتا ہے اگر میں بدلہ لوں تو کوئی حرج ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمُتَسَابَّانِ شَیْطَانَانِ یَتَعَادَیَانِ وَیَتَهَاتَرَانِ۔ (۱)

ایک دوسرے کو گالی دینے والے دو آدمی شیطان ہیں ایک دوسرے کو جھٹلاتے اور تہمت لگاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَی الْبَادِیْ مِنْهُمَا حَتّٰی یَعْتَدِیَ الْمَظْلُوْمُ۔ (۲)

ایک دوسرے کو گالی دینے والے جو کچھ کہتے ہیں وہ ابتدا کرنے والے پر پڑتا ہے جب تک مظلوم حد سے نہ بڑھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ کُفْرٌ۔ (۳)

مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر (کی علامت) ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَلْعُوْنٌ مَنْ سَبَّ وَالِدَیْهِ۔ (۴)

جو شخص اپنے والدین کو گالی دیتا ہے وہ ملعون ہے

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔

مِنْ اَکْبَرِ الْکَبَائِرِ اَنْ یَسُبَّ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ۔

کسی شخص کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے والدین کو کیسے گالی دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کسی دوسرے شخص کے والد کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ (۵)

آٹھویں آفت:

لعنت بھیجنا

حیوانات جمادات اور انسان کسی پر بھی لعنت بھیجی جائے قابل مذمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۶۳ مرویات عیاض بن حمار

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۱ کتاب البر والصلۃ

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۲ کتاب الایمان

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۱۷ مرویات ابن عباس

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۱۶ مرویات ابن عمرو

اَلْمُؤْمِنُ لَیْسَ بِلَعَّانٍ۔ (۱)
مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِهٖ وَلَا بِجَهَنَّمَ۔ (۲)
اللہ تعالیٰ کی لعنت، غضب اور جہنم کے ساتھ ایک دوسرے پر لعنت نہ بھیجو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کوئی قوم ایک دوسرے پر لعنت بھیجتی ہے تو ان پہ اللہ تعالیٰ کی مار ثابت ہو جاتی ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور انصار کی ایک عورت اونٹنی پر سوار تھی اونٹنی بدکی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اونٹنی پر جو کچھ ہے اسے اتار کر اس کو ننگا کر دو کیونکہ یہ ملعون ہو گئی ہے (۳) راوی فرماتے ہیں گویا میں اس اونٹنی کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ لوگوں کے درمیان چل رہی ہے اور اسے کوئی بھی نہیں چھیڑتا تھا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص زمین پر لعنت بھیجتا ہے تو زمین کہتی ہے ہم میں سے جو اللہ تعالیٰ کا زیادہ نافرمان ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایک غلام پر لعنت بھیج رہے ہیں آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور دو یا تین مرتبہ فرمایا۔

یَا اَبَا بَکْرٍ اَصِدِّیْقِیْنَ وَلَعَّانِیْنَ کَلَّا وَرَبِّ الْکَعْبَةِ۔
اے ابوبکر! کیا صدیق اور لعنت کرنے والے بھی، رب کعبہ کی قسم (ایسا) ہرگز نہیں ہو سکتا)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنا غلام آزاد کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں دوبارہ یہ کلمات نہیں کہوں گا۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَا یَکُوْنُوْنَ شُفَعَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (۵)
بے شک لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن نہ کسی کی سفارش کریں گے اور نہ ہی گواہ بن سکیں گے۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۴۷۰ کتاب الادب
(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۶ کتاب الادب
(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۳ کتاب البر والصلۃ
(۴) الادب المفرد للبخاری ص ۸۹-۸۸ حدیث ۳۱۹
(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۴۸ مرویات ابوالدرداء

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اونٹ پر جارہا تھا کہ اس نے اپنے اونٹ پر لعنت بھیجی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے بندۂ خدا ہمارے ساتھ ملعون اونٹ پر نہ جا" (۱)

اس کا مطلب اس کے عمل کی برائی اور ناپسندیدگی بتانا تھا کہ اونٹ لعنتی ہوگیا لعنت کا معنیٰ اللہ تعالیٰ سے دُوری ہے اور یہ صرف اسی کے لیے جائز ہے جو ایسی صفت سے موصوف ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے، اور وہ کفر اور ظلم ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے "ظالموں اور کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو"، اور اس سلسلے میں وہی لفظ استعمال کرے جو شریعت میں وارد ہوئے ہیں اس لیے کہ لعنت میں خطرہ ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فیصلے کا اظہار ہے کہ اس نے ملعون کو دور کر دیا اور یہ غیب کی بات ہے اللہ تعالیٰ ہی اس پر مطلع ہے یا اس کے بتانے سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوتی ہے۔

لعنت کے اسباب :

لعنت کا تقاضا کرنے والے اسباب تین ہیں۔

۱۔ کفر۔ ۲۔ بدعت۔ ۳۔ فسق — اور ان میں سے ہر ایک کے لیے لعنت کے تین طریقے ہیں۔

۱۔ عمومی وصف کے ساتھ لعنت بھیجنا جیسے (یوں کہنا کہ) کافروں بدعتیوں اور فاسقوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

۲۔ خاص وصف کے ساتھ لعنت بھیجنا جیسے یہودیوں، نصاریٰ، مجوسیوں، قدریوں، خارجیوں، رافضیوں، زانیوں، ظالموں اور سود خوروں پر لعنت ہو۔ یہ دونوں طریقے جائز ہیں لیکن بدعتی کے اوصاف کے حوالے سے لعنت میں خطرہ ہے کیونکہ بدعت کی پہچان بہت مشکل بات ہے اور حدیث شریف میں کوئی لفظ اس سلسلے میں وارد نہیں ہے لہٰذا عوام کو اس سے روکا جائے کیونکہ اس طرح لوگوں میں جھگڑا پیدا ہوگا۔ (جس طرح آج کل وہابی، دیوبندی حضرات نے مسلمانوں کو بات بات پر بدعتی کہنا شروع کر دیا ہے عید میلاد منانا بدعت، بزرگوں کے عرس بدعت، فاتحہ خوانی بدعت الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا بدعت غرضیکہ ہر اچھے کام کو بدعت کا فتویٰ دیکر پوری امت مسلمہ کو انتشار کا شکار بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے فتنوں سے بچائے آمین ۱۲ ہزاروی)

۳۔ شخص معین پر لعنت بھیجنا اور یہ خطرناک بات ہے مثلاً یہ کہ فلاں پر لعنت ہو کیونکہ وہ کافر ہے یا بدعتی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کے لیے شریعت میں لعنت ثابت ہو اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے جیسے فرعون پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، ابوجہل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، کیونکہ ان لوگوں کا کفر پر مرنا شرعی طور پر ثابت ہے لیکن ہمارے زمانے میں کسی معین

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۲۹۴ کتاب الادب

شخص پر لعنت بھیجنا کہ مثلاً وہ یہودی ہے، بہت مشکل بات ہے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اسلام قبول کر کے فوت ہوا ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گیا ہو لہٰذا اس کے ملعون ہونے کا فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

سوال:

اگر تم ہو کہ اس کی موجودہ حالت کے پیش نظر اس پر لعنت بھیجی جا سکتی ہے جیسے مسلمان کے بارے میں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اگرچہ وہ مرتد بھی ہو سکتا ہے (معاذ اللہ)

جواب:

تو جان لو! ہمارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اسلام پہ ثابت قدم رکھے اور اسلام رحمت کا سبب ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اسے اپنی اطاعت پر قائم رکھے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کافر کو اس بات پر ثابت رکھے جو لعنت کا باعث ہے یہ تو کفر کا مطالبہ ہے اور یہ مطالبہ بذات خود کفر ہے بلکہ یوں کہنا جائز ہے کہ اگر یہ کفر پہ مر جائے تو اس پر لعنت ہو اور اگر یہ اسلام پر فوت ہو تو اس پر لعنت نہ ہو، اور یہ غیب کی بات ہے جس کا ادراک نہیں ہو سکتا، اور مطلق بات دونوں جہتوں کے درمیان متردد ہوتی ہے اور اس میں خطرہ ہے جب کہ لعنت کو چھوڑنے میں کوئی ڈر نہیں۔

جب تم نے کافر کے بارے میں یہ بات معلوم کر لی تو اگر زید فاسق یا بدعتی ہو تو اس پر لعنت سے بچنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے معین افراد پر لعنت بھیجنے میں خطرہ ہے کیونکہ افراد کی حالت بدلتی رہتی ہے البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوتا تھا اور آپ جانتے تھے۔ کہ کون شخص کفر پر مرے گا اسی لیے آپ نے معین لوگوں پر لعنت فرمائی آپ قریش کے خلاف یوں بددعا کرتے تھے۔

یا اللہ! ابوجہل بن ہشام اور عتبہ بن ربیعہ کو عذاب دے (۱) اسی طرح جو کفار بدر میں مارے گئے ان کے بارے میں یہی فرماتے حتیٰ کہ جن کی عاقبت کا آپ کو علم نہ تھا ان پر آپ لعنت بھیجتے تو آپ کو روک دیا گیا کیونکہ روایات میں ہے کہ آپ ایک مہینے تک دعائے قنوت میں ان لوگوں پہ لعنت بھیجتے رہے جنہوں نے بئر معونہ والوں کو شہید کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (۲)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ۔

یہ آپ کے اختیار میں نہیں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب دے بے شک وہ ظالم ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۹ کتاب الجہاد والسیر

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۹۷ کتاب الصلوٰۃ (۳) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۲۸

یعنی ہو سکتا ہے وہ اسلام قبول کریں تو آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ ملعون ہیں۔
اسی طرح کسی شخص کے کفر پر مرنے کا ہمیں علم ہو تو اس پر لعنت بھیجنا اور اس کی مذمت کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچائی جائے ورنہ جائز نہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے جاتے ہوئے ایک قبر کے پاس سے گزرے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا انہوں نے عرض کیا یہ ایک ایسے شخص کی قبر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا باغی تھا۔ اور وہ سعید بن عاص تھا اس کے بیٹے عمرو بن سعید کو غصہ آیا اور اس نے کہا یہ اس شخص کی قبر ہے جو ابو قحافہ سے زیادہ کھانا کھلاتا تھا اور اس سے زیادہ شجاع تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ شخص مجھ سے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر سے اپنی زبان کو روک وہ چلا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جب تم کفار کا ذکر کرو تو عمومی ذکر کرو جب تم خاص طور پر کسی کا ذکر کرتے ہو تو ان کے بیٹوں کو غصہ آتا ہے چنانچہ لوگ اس بات سے رک گئے۔ (۱)

نعیمان شراب پیا کرتا تھا اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کئی بار کوڑے لگائے گئے تو کسی صحابی نے کہا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیجے کس کثرت کے ساتھ اسے لایا جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا یہ بات نہ کہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے (۲)

تو آپ نے اسے اس بات سے روک دیا یہ اس بات پر دلالت ہے کہ کسی فاسق کو معین کر کے لعنت بھیجنا جائز نہیں، خلاصہ یہ ہوا کہ معین اشخاص پر لعنت میں خطرہ ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے جب کہ شیطان پر لعنت کرنے سے خاموشی اختیار کرنے میں کوئی خطرہ نہیں چہ جائیکہ دوسروں پر لعنت کی جائے۔

یزید پر لعنت بھیجنا:

اگر کہا جائے کہ کیا یزید پر لعنت بھیجنا جائز ہے کیونکہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے یا آپ کے قتل کا حکم دینے والا ہے تو ہم (جواباً) کہتے ہیں یہ بات بالکل ثابت نہیں ہے لہٰذا جب تک یہ بات ثابت نہ ہو کہ اس نے آپ کو قتل کیا یا حکم دیا یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ اس نے آپ کو قتل کیا یا آپ کے قتل کا حکم دیا لعنت بھیجنا تو بعد کی بات ہے کیونکہ کسی تحقیق کے بغیر کسی مسلمان پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اور ابو لؤلؤ

---

(۱) المراسیل لابن ابی داؤد ص ۱۹۹ حدیث ۴۶۶

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۲ کتاب الحدود، (کچھ تبدیلی کے ساتھ)

نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، کیوں کہ یہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے لہٰذا کسی مسلمان پر تحقیق کے بغیر فسق یا کفر کا الزام لگانا جائز نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْكُفْرِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْفِسْقِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَّمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ (۱)

کوئی شخص کسی دوسرے پر کفر یا فسق کا الزام لگاتا ہے تو اگر وہ شخص ایسا نہ ہو تو وہ بات کہنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب کوئی شخص کسی دوسرے کو کافر کہتا ہے تو وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹتا ہے اگر وہ شخص واقعی کافر ہو تو اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہا اور اگر وہ کافر نہ ہو تو اس کو کافر کہنے کی وجہ سے کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے (۲)

مطلب یہ ہے کہ جب معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہے اور اس کے باوجود وہ اسے کافر کہے، اگر اس کا گمان ہو کہ وہ کسی بدعت یا کسی دوسری وجہ سے کافر ہو چکا ہے تو وہ خطا کار ہو گا کافر نہیں ہو گا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میں تمہیں اس بات سے روکتا ہوں کہ تم کسی مسلمان کو گالی دو یا عادل امام کی نافرمانی کرو۔ (۳)

فوت شدہ لوگوں کے حالات کو چھیڑنا زیادہ گناہ ہے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا فلاں شخص کا کیا حال ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو میں نے عرض کیا وہ تو فوت ہو گیا ہے ام المومنین نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے میں نے عرض کیا آپ یہ بات کیسے فرما رہی ہیں؟ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلٰى مَا قَدَّمُوْا۔ (۴)

مرنے والوں کو گالی نہ دو بے شک وہ اپنے کئے ہوئے عمل کی طرف چلے گئے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۳ کتاب الادب

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۴ ص ۰۷، الحدیث ۶۲۳۳

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۲۴۲ ترجمہ

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۸۷ کتاب الجنائز

لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَتُؤْذُوا بِهِ الْاَحْيَاءَ۔ مردوں کو گالی نہ دو اس طرح تم زندوں کو اذیت پہنچاؤ گے۔ (۱)

اور آپ نے فرمایا:

اے لوگو! میرے صحابہ کرام، میرے بھائیوں اور میرے دامادوں کے حوالے سے میری حفاظت کرو اور ان کو برا بھلا نہ کہو۔ (۲)

اے لوگو! جب کوئی مر جائے تو اس کی اچھی باتوں کا ذکر کرو۔ (۳)

اگر کہا جائے کہ کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا یہ کہنا کہ جس نے آپ کو شہید کرنے کا حکم دیا اس پر لعنت ہو۔

ہم کہتے ہیں یوں کہا جائے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے اگر توبہ کئے بغیر مر گئے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ توبہ کے بعد مرے ہوں۔

حضرت وحشی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور وہ (وحشی) اس وقت حالتِ کفر میں تھے پھر انہوں نے کفر اور قتل دونوں سے توبہ کر لی لہٰذا ان پر لعنت بھیجنا جائز نہیں اور قتل اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے لیکن وہ کفر کے درجے تک نہیں پہنچا۔ لیکن جب توبہ کی قید کے بغیر مطلقاً لعنت بھیجی جائے تو اس میں خطرہ ہے جب کہ خاموشی میں کوئی خطرہ نہیں اور یہ زیادہ بہتر ہے۔

ہم نے یہ بحث اس لیے ذکر کی ہے کہ لعنت کرنے اور اس سلسلے میں زبان کو کھلی چھٹی دینے میں لوگ سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں جب کہ مومن لعنت بھیجنے والا نہیں ہوتا۔ لہٰذا صرف اسی پر لعنت بھیجی جا سکتی ہے جو کفر پر مرا یا معروف صفات (جیسے جھوٹ وغیرہ) کے ساتھ لعنت بھیجی جائے متعین اشخاص پر نہ بھیجی جائے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو خاموشی میں سلامتی ہے۔

حضرت مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت ابن عون رحمہ اللہ کے پاس حاضر تھے اہل مجلس نے بلال بن ابو بردہ کا ذکر کیا تو کچھ لوگوں نے اس پر لعنت کرنا شروع کر دی ابن عون خاموش تھے انہوں کہا اے ابن عون! ہم اس کے بعض اعمال کی وجہ سے یہ بات کہہ رہے ہیں انہوں نے فرمایا قیامت کے دن دو کلمے میرے نامۂ اعمال سے نکلیں گے ایک "لا الٰہ الا اللہ"

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵۲ مرویات مغیرہ بن شعبہ

(۲) تاریخ ابن عساکر جلد ۶ ص ۱۲۹ من اسمہ سعید / مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۱ مرویات ابو سعید

(۳) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۶۸۰ حدیث ۴۲۷۱۲

اور دوسرا یہ کہ اس نے فلاں پر لعنت بھیجی۔ تو میرے نامۂ اعمال سے لا الٰہ الا اللہ کا نکلنا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ کسی پر لعنت کے الفاظ نکلیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی وصیت فرمائیں آپ نے فرمایا میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ لعنت کرنے والا نہ بننا۔ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ بہت ناپسند ہیں جو لعن طعن کرنے والے ہوں۔

بعض بزرگ فرماتے ہیں مومن پر لعنت بھیجنا اسے قتل کرنے کے برابر ہے حضرت حماد بن زید اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اگر میں اس کو مرفوع حدیث بھی کہوں تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہا جاتا تھا کہ جو شخص کسی مومن پر لعنت بھیجتا ہے گویا وہ اسے قتل کرتا ہے (۲) انہوں نے اسے مرفوع حدیث کے طور پر نقل کیا ہے کسی شخص کے خلاف برائی کی بد دعا کرنا بھی لعنت کے قریب قریب ہے حتیٰ کہ ظالم کے خلاف دعا بھی اسی حکم میں ہے جس طرح کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو صحیح نہ رکھے اور نہ اسے سلامتی عطا کرے اور اس قسم کے دوسرے الفاظ استعمال کرنا مذموم ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ الْمَظْلُوْمَ لَيَدْعُوْ عَلَى الظَّالِمِ حَتّٰى يُكَافِئَهُ ثُمَّ يَبْقٰى لِلظَّالِمِ عِنْدَهُ فَضْلَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۳)

بے شک مظلوم، ظالم کے خلاف دعا کر کے بدلہ لے لیتا ہے پھر قیامت کے دن ظالم کے لیے کچھ زیادتی بچی رہے گی۔

نویں آفت:

گانا اور شعر گوئی

ہم نے سماع کے بیان میں ذکر کیا ہے کہ کونسا غنا حرام ہے اور کونسا جائز؛ لہٰذا دوبارہ یہ بحث ذکر نہیں کریں گے۔ جہاں تک شعر کا تعلق ہے تو کلام اچھا ہو تو اچھا ہے اور برا ہو تو برا ہو گا لیکن شعر گوئی کو پیشہ بنا لینا مذموم ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا حَتّٰى يَرِيَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ

تم میں سے کسی ایک کے پیٹ کا پیپ سے بھر جانا حتیٰ کہ وہ اسے خراب کر دے اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۷۰ مرویات
(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۳ کتاب الادب
(۳) المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۰ ص ۳۴۸ حدیث ۹۶۲۵

شِعْرًا - (۱) سے بھر جائے۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان سے کسی شعر کے ایک بیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اسے ناپسند کیا اس سلسلے میں ان سے استفسار ہوا تو انہوں نے فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے نامۂ اعمال میں اشعار ہوں۔ بعض بزرگوں سے اشعار کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کی جگہ ذکر کر لیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر شعر سے بہتر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شعر پڑھنا اور کہنا حرام نہیں ہے بشرطیکہ اس میں کوئی ناپسندیدہ کلام نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً - (۱) بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

ہاں شعر کا مقصد تعریف، مذمت اور عورتوں کا ذکر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس میں جھوٹ داخل ہو جاتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو کفار کے مذمت کرنے (ھجو کرنے) کا حکم فرمایا (۲) اور تعریف کرنے میں کچھ مبالغہ ہو جائے تو اگرچہ وہ جھوٹا ہوگا لیکن یہ حرام نہیں ہے۔ جس طرح شاعر کہتا ہے۔

وَلَوْ لَمْ یَکُنْ فِیْ کَفِّہٖ غَیْرُ رُوْحِہٖ لَجَادَ بِھَا فَلْیَتَّقِ اللّٰہَ سَائِلُہٗ

"اگر اس کے ہاتھ میں اس کی روح کے سوا کچھ بھی نہ ہو تو وہ اس کے ذریعے بھی سخاوت کرے گا لہذا اس سے مانگنے والے کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔" اس عبارت میں سخاوت کا انتہائی درجہ بیان ہوا ہے اب اگر وہ شخص سخی نہیں ہے تو شاعر جھوٹ بولنے والا ہوگا اور اگر وہ سخی ہے تو مبالغہ فن شعری سے ہے اس کی صورت کا اعتقاد مقصود نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئی اشعار پڑھے گئے اگر تم غور کرو تو ان میں بھی اس قسم کی بات پاؤ گے۔ لیکن آپ نے منع نہیں فرمایا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نعلین مبارک ٹھیک کر رہے تھے اور میں سوت کات رہی تھی کہ آپ کی مبارک پیشانی پر پسینہ آگیا جس سے نورانی کیفیت پیدا ہو رہی تھی فرماتی ہیں یہ دیکھ کر میں حیران رہ گئی آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ تم حیران ہوئیں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی مبارک پیشانی سے پسینے کے نورانی قطرے نمودار ہو رہے تھے اگر ابو کبیر ہذلی نے آپ کو اس حالت میں

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۹ کتاب الادب

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۶۹ مرویات ابن عباس

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۹ کتاب الادب

دیکھا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ آپ اس کے شعر کے زیادہ مستحق ہیں آپ نے فرمایا اے عائشہ! ابوبکر ھذلی نے کیا کہا ہے
ام المؤمنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا وہ یہ دو شعر کہتا ہے وہ (ممدوح) حیض کی کدورت، دودھ پلانے کے فساد اور اس کے امراض سے پاک ہے جب تم اس کے چہرے کی لکیروں کو دیکھو تو چمکنے والے بادل کی طرح چمکتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں جو کچھ تھا آپ نے اسے رکھ دیا اور میری طرف تشریف لائے میری آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا اے عائشہ! اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی جزا عطا فرمائے تم مجھ سے اس قدر خوش نہیں ہوتی ہو گی جس قدر میں تم سے خوش ہوا ہوں (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن جب مال غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کو چار اونٹ دینے کا حکم دیا وہ چلے گئے اور اپنے اشعار میں شکایت بیان کی اس کے آخر میں یوں تھا۔
بدر اور حابس (ابن عیینہ اور اقرع) کسی جماعت میں مرداس سے فوقیت نہیں رکھتے تھے اور میں ان سے کم مرتبہ نہیں ہوں اور جسے آج پست کیا وہ کبھی بلندی پر نہیں جائے گا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی زبان کو مجھ سے روکو چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور انہیں ایک سو اونٹنیاں دیں پھر وہ سب سے زیادہ خوش ہو کر واپس ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بارے میں اشعار کہتے ہو؟ انہوں نے معذرت پیش کی اور عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اپنی زبان پر شعر کو اس طرح پاتا ہوں جس طرح چیونٹی کے چلنے کی آواز ہوتی ہے پھر وہ شعر مجھے چیونٹی کی طرح کاٹتا ہے لہٰذا میں اشعار کہنے سے بچ نہیں سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا جب تک اونٹ بلبلاتے رہیں گے اہل عرب شعر گوئی ترک نہیں کریں گے۔ (۲)

دسویں آفت:

مزاح

مزاح اپنی اصل کے اعتبار سے مذموم ہے اور اس سے روکا گیا ہے۔ البتہ تھوڑا سا ہو تو وہ مستثنیٰ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ۔ (۳) اپنے (مسلمان) بھائی کی بات نہ کاٹو اور نہ اس سے مذاق کرو۔

---

(۱) تاریخ ابن عساکر جلد اول ص ۳۲۵ باب صفۃ خلقہ

(۲) البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ ص ۳۵۹، ۳۶۰ مرجعہ من الطائف

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد ۳ ص ۳۴۴ ترجمہ ۲۵۴

اگر تم کہو کہ بات کاٹنا اس لیے منع ہے کہ اس میں ایذا رسانی ہے کیونکہ اس کے ذریعے اپنے مسلمان بھائی اور دوست کو جھٹلایا جاتا ہے یا اس کو جاہل قرار دیا جاتا ہے لیکن مزاح تو ایک قسم کی خوش مزاجی ہے اس کے ذریعے دوسرے کو خوش کیا جاتا ہے اور دل لگی کی جاتی ہے تو اس سے کیوں روکا گیا ہے۔

تو جان لو کہ اس میں حد سے بڑھنا منع ہے یا ہمیشہ اسی کام میں لگے رہنا ممنوع ہے —— مزاح کو وطیرہ بنا لینے میں خرابی یہ ہے کہ یہ کھیل کود اور غیر سنجیدگی ہے کھیل اگرچہ جائز ہے لیکن ہمیشہ کے لیے اسی کام میں لگ جانا مذموم ہے۔ اور کثرت سے مزاح میں خرابی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے زیادہ ہنسی پیدا ہوتی ہے اور زیادہ ہنسنے سے دل مرجاتا ہے اور بعض اوقات دل میں بغض پیدا ہو جاتا ہے نیز اس کی وجہ سے ہیبت اور وقار ختم ہو جاتا ہے لہذا جس سے یہ خرابیاں پیدا نہ ہوں وہ قابلِ مذمت نہیں ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنِّی لَاَمْزَحُ وَلَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا۔ (۱) — میں مزاح کرتا ہوں لیکن حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

لیکن یہ بات تو آپ کے ساتھ خاص تھی کہ مزاح بھی فرمانے اور جھوٹ بھی نہ ہوتا جہاں تک دوسرے لوگوں کا تعلق ہے تو وہ مزاح اسی لیے کرتے ہیں کہ لوگوں کو ہنسائیں جس طرح بھی ہو، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ یُضْحِكُ بِهَا جُلَسَاءَهٗ یَهْوِیْ بِهَا فِی النَّارِ اَبْعَدَ مِنَ الثُّرَیَّا۔ (۲) — ایک شخص کوئی بات کہتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے ہم مجلس لوگوں کو ہنساتا ہے لیکن وہ اسے ثریا ستارے سے بھی زیادہ فاصلے تک دور جہنم میں لے جائے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص زیادہ ہنستا ہے اس کا دبدبہ اور رعب چلا جاتا ہے اور جو آدمی مزاح کرتا ہے وہ دوسروں کی نظروں سے گر جاتا ہے اور جو آدمی ایک کام کثرت سے کرتا ہے وہ اسی کام کے ساتھ مشہور ہو جاتا ہے اور جس کی گفتگو زیادہ ہو وہ زیادہ غلطیاں کرتا ہے اور جس کی غلطیاں زیادہ ہوں اس میں حیا کم ہوتا ہے اور جس میں حیا کی کمی ہو اس میں تقویٰ کم ہوتا ہے اور جس میں تقویٰ کی کمی ہو اس کا دل مر جاتا ہے۔ نیز ہنسنا آخرت سے غفلت کی علامت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا۔ (۳) — اگر تمہیں اس بات کا علم ہوتا جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روتے اور کم ہنستے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۱۷، کتاب علامات النبوۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۰۲ مرویات ابوہریرہ

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۴۲، ابواب الکسوف

ایک شخص نے اپنے بھائی سے کہا اے بھائی! تمہیں معلوم ہے کہ دوزخ میں جانا پڑے گا اس نے کہا جی ہاں اس نے پوچھا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم اس سے نکلو گے؟ اس نے کہا نہیں پہلے شخص نے کہا پھر کس بات پر ہنستے ہو۔ کہا گیا ہے کہ اس کے بعد مرتے دم تک اسے کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت یوسف بن اسباط فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تیس سال تک نہیں ہنسے کہا گیا کہ حضرت عطا سلمی رحمہ اللہ چالیس سال تک نہیں ہنسے۔

حضرت وہیب بن ورد رحمہ اللہ نے عید الفطر کے دن کچھ لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا اگران لوگوں کی بخشش ہوگئی ہے تو یہ کام شکر گزار لوگوں کا نہیں اور اگران کی بخشش نہیں ہوتی تو ڈرنے والوں کا یہ عمل نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن ابی یعلیٰ رحمہ اللہ فرماتے تھے تم ہنس رہے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہارا کفن دھوبی کے ہاں سے ڈھل کر آگیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص گناہ کر کے ہنستا ہے وہ جہنم میں روتا ہوا داخل ہوگا۔

حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ نے پوچھا جب تم جنت میں کسی کو روتا ہوا دیکھو تو تمہیں تعجب نہیں ہوگا؟ کہا گیا ضرور ہوگا۔ انہوں نے فرمایا جو شخص دنیا میں ہنستا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا اس پر زیادہ تعجب ہوتا ہے۔

تو ہنسنے کی یہ آفت ہے اور ہنسی سے بھی وہی صورت مذموم ہے جب آواز کے ساتھ ہنسے اگر تبسم ہو جس میں صرف دانت ظاہر ہوتے ہیں اور آواز سنائی نہیں دیتی تو یہ قابل تعریف ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح تبسم فرمایا کرتے تھے (۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت قاسم فرماتے ہیں ایک اعرابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ایک سرکش اونٹ پر سوار تھا سلام کرنے کے بعد وہ کچھ پوچھنے کے لیے آپ کے قریب ہوا تو اونٹ اسے لے کر بھاگ کھڑا ہوا صحابہ کرام یہ دیکھ کر ہنسنے لگے کئی بار اسی طرح ہوا پھر اس نے اسے گرا کر ہلاک کر دیا آپ نے فرمایا ہاں لیکن اس کے خون سے تمہارے منہ بھرے ہوئے ہیں۔ (۲)

اور جب مزاح اس حد تک ہو کہ انسان کا وقار ختم ہو جائے تو اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص مذاق کرتا ہے وہ رسوا ہو جاتا ہے۔

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میری ماں نے مجھ سے فرمایا اے بیٹے! بچوں سے مذاق نہ کرنا ورنہ ان کی نظروں میں رسوا ہو جاؤ گے حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کسی شریف آدمی سے مذاق نہ کرنا اس کے

---

(۱) جامع الترمذی ص ۵۲۲، ابواب المناقب

(۲)

دل میں تمہارے خلاف کینہ پیدا ہو جائے گا اور کسی ادنیٰ آدمی سے بھی مذاق نہ کرنا ورنہ وہ تم پر جرأت کرے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مذاق نہ کرو اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا انجام بُرا ہے قرآن پاک کا ذکر کیا کرو اور اسی کے لیے مجلس منعقد کرو اگر اس میں بوجھ محسوس کرو تو نیک بندوں کا تذکرہ کیا کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مزاح کو مزاح کیوں کہتے ہیں؟ حاضرین نے عرض کیا ہم نہیں جانتے فرمایا اس لیے کہ وہ مزاح کرنے والے کو حق سے دُور کر دیتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ چیز کا بیج ہوتا ہے اور دشمنی کا بیج مزاح ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مزاح عقل کو زائل کرتا اور دوستوں سے تعلق کو منقطع کر دیتا ہے۔

اگر تم کہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مزاح منقول ہے تو اس سے کیسے منع کیا جا سکتا ہے۔ تو میں جواباً کہتا ہوں اگر تم اس بات پر قادر ہو جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام قادر تھے کہ مزاح کرتے وقت صرف حق بات کہو کسی کے دل کو اذیت پہنچاؤ نہ حد سے بڑھو اور کبھی کبھی مزاح کرو تو تمہارے لئے بھی کوئی حرج نہیں لیکن مزاح کو پیشہ بنا لینا بہت بڑی غلطی ہے جو شخص مزاح کے سلسلے میں حد سے تجاوز کرے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے استدلال کرے اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص دن بھر حبشیوں کے ساتھ پھرتا رہے ان کو اور ان کے رقص کو دیکھے اور دلیل یہ دے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا رقص دیکھنے کی اجازت دی تھی (۱) یہ استدلال غلط ہے کیونکہ بعض صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے کبیرہ بن جاتے ہیں اور کئی مباح (جائز) کام اصرار کی وجہ سے صغیرہ گناہ بن جاتے ہیں لہٰذا اس بات سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔

مزاح نبوی:

ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کے بارے میں یوں مروی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

اِنِّیْ وَاِنْ دَاعَبْتُکُمْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا۔ (۲)

اگرچہ میں تم سے مزاح کرتا ہوں لیکن حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۱ کتاب العیدین

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۶۰ مرویات ابوہریرہ

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں پوچھا آپ کا مزاح کیسا ہوتا تھا؟ فرمایا آپ کا مزاح اس طرح ہوتا تھا ایک دن آپ نے اپنی ایک زوجۂ مطہرہ کو ایک بڑا کپڑا پہنایا اور فرمایا اسے پہن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس کے دامن کو دلہن کے دامن کی طرح گھسیٹو۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے باقی لوگوں کی نسبت زیادہ خوش طبعی فرماتے تھے (۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپ بہت زیادہ تبسم فرماتے تھے (۳)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک بوڑھی عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی وہ رونے لگی تو آپ نے فرمایا تم اس دن بوڑھی نہ ہو گی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ (۴)

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا۔ (۵)

بے شک ہم نے انہیں ایک طریقے پر پروان چڑھایا پھر ان کو کنواریاں بنادیا۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک خاتون جن کو ام ایمن کہا جاتا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ آپ کو میرا شوہر بلاتا ہے آپ نے فرمایا وہ کون ہے؟ کیا وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؛ اس نے عرض کیا اللہ کی قسم اس کی آنکھوں میں سفیدی نہیں ہے آپ نے فرمایا کیوں نہیں بے شک اس کی آنکھ میں سفیدی ہے اس نے عرض کیا اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے (۶)

آپ نے اس سے وہ سفیدی مراد لی تھی جو آنکھ کی پتلی میں ہوتی ہے ایک دوسری عورت حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے سواری کے لیے اونٹ عنایت فرمائیں آپ نے فرمایا ہم تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کریں گے اس نے

---

(۱) کنز العمال جلد ۷، ص ۲۰۶ حدیث ۱۸۶۴۶

(۲) کنز العمال جلد ۷، ص ۴۰۱ حدیث ۱۸۴۰۰

(۳) کنز العمال جلد ۷، ص ۴۰۱ حدیث ۱۸۴۰۳

(۴) الوفا جلد ۲، ص ۴۴۵ الباب الحادی عشر / جامع الترمذی ص ۵۸۶ ابواب الشمائل

(۵) قرآن مجید، سورہ الواقعہ آیت ۳۵

(۶) جامع الترمذی ص ۵۸۶ ابواب الشمائل

عرض کیا میں اسے کیا کروں گی وہ تو مجھے اٹھا نہیں سکے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر اونٹ، اونٹ کا بچہ ہوتا ہے (۱)
آپ اس طرح مزاح فرمایا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے تھے جن کو ابو عمیر کہا جاتا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لایا کرتے اور فرماتے۔

یَا اَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ۔ اے ابو عمیر، نغیر کو کیا ہوا۔

نغیر چڑیا کا بچہ تھا جس سے وہ کھیلا کرتے تھے۔ (۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں غزوۂ بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی تھی آپ نے فرمایا آؤ دوڑ نے کا مقابلہ کریں چنانچہ میں نے اپنا دوپٹہ اپنے پیٹ پر مضبوطی سے باندھ لیا۔ پھر ہم نے ایک لکیر کھینچی اور اس پر کھڑے ہو کر دوڑے تو آپ آگے نکل گئے آپ نے فرمایا یہ ذوالمجاز کا بدلہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن آپ تشریف لائے اور ہم مقام ذوالمجاز میں تھے میں اس وقت چھوٹی تھی اور میرے والد نے مجھے کوئی چیز دے کر آپ کے پاس بھیجا تھا آپ نے فرمایا مجھے دو میں نے انکار کیا اور دوڑ پڑی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی میرے پیچھے دوڑے لیکن میں آگے نکل گئی۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے درمیان دوڑ کا مقابلہ ہوا تو میں آگے نکل گئی پھر جب میرا جسم کچھ بھاری ہو گیا اور ہمارے درمیان مقابلہ ہوا تو آپ آگے نکل گئے آپ نے فرمایا یہ اس کا بدلہ ہے (۳)

ان ہی سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف فرما تھے اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ میں حریرہ (ایک قسم کا کھانا) بنا کر لائی اور میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا آپ کھائیں انہوں نے فرمایا مجھے پسند نہیں میں نے کہا اللہ کی قسم! آپ اسے کھائیں ورنہ میں آپ کے منہ پر مل دوں گی انہوں نے کہا میں تو اسے چکھتی بھی نہیں چنانچہ میں نے پیالے میں سے کچھ لے کر ان کے چہرے پر مل دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے آپ نے اپنے گھٹنوں کو نیچے کر لیا تاکہ وہ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا) بھی مجھ سے بدلہ لے سکیں چنانچہ انہوں نے بھی پیالے میں سے کچھ لیا اور میرے منہ پر مل دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرانا شروع کر دیا (۴)

ایک روایت میں ہے کہ ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ تھا اور شکل و صورت بھی کچھ اچھی نہ تھی جب

---

(۱) جامع الترمذی ص ۵۸۵، ابواب الشمائل (۲) ایضاً

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۹ مرویات عائشہ

(۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیعت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا میرے پاس اس سُرخ خاتون (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے بھی خوبصورت بیویاں ہیں اور اس وقت پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا کیا میں ان میں سے ایک کو آپ کے لیے نہ بھیج دوں کہ آپ اس سے شادی کرلیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی سن رہی تھیں انہوں نے پوچھا وہ خوبصورت ہے یا تم؟ انہوں نے کہا بلکہ میں اس سے کہیں اچھا اور خوبصورت ہوں یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین کے سوال پر مسکرا پڑے کیونکہ وہ (حضرت ضحاک) خوبصورت نہ تھے۔ (۱)

حضرت علقمہ، حضرت ابوسلمہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے سامنے اپنی زبان مبارک باہر نکالتے تھے اور بچہ (حضرت امام حسن) آپ کی زبان کو دیکھ کر خوش ہورہا تھا۔ عیینہ بن بدر فزاری نے کہا اللہ کی قسم! میرا بیٹا شادی شدہ ہوگیا اور اس کے چہرے پر داڑھی آگئی لیکن میں نے آج تک اسے نہیں چوما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ ۔ (۲) بے شک جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں اور بچوں کے ساتھ اس طرح خوش طبعی کرنا بکثرت منقول ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مذاق نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کے کمزور دلوں کے علاج کے طور پر ایسا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں درد ہوا اور وہ کھجوریں کھا رہے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ کی آنکھ میں درد ہے اور آپ کھجوریں کھا رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دوسری طرف (کی داڑھ) سے کھا رہا ہوں یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے (۳) بعض راوی فرماتے ہیں آپ اس قدر مسکرائے کہ آپ کے پچھلے دانت مبارک ظاہر ہوگئے۔

ایک روایت میں ہے کہ خوات بن جبیر انصاری مکہ مکرمہ کے راستے میں بنو کعب کی عورتوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا آپ نے فرمایا اے ابو عبداللہ! عورتوں کے ساتھ آپ کا کیا کام ہے؟ انہوں نے عرض کیا میرے پاس ایک شریر اونٹ ہے اس کے لیے رسی بُن رہی ہیں راوی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام کے لیے تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو فرمایا اے ابو عبداللہ! کیا ابھی تک اس اونٹ نے شرارت نہیں چھوڑی فرماتے ہیں میں خاموش رہا اور مجھے شرم آگئی اس کے بعد میں جب بھی آپ کو دیکھتا تو شرم کی وجہ سے بھاگ

---

(۱) مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۲ کتاب التفسیر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۲۸ مرویات ابوہریرہ

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۳۹۹ کتاب معرفة الصحابة

جاتا حتی کہ میں مدینہ طیبہ آ گیا ایک دن آپ نے مجھے مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میرے پاس بیٹھ گئے میں نے نماز لمبی کر دی تو آپ نے فرمایا نماز کو لمبا نہ کریں میں آپ کا منتظر ہوں جب میں نے سلام پھیرا تو فرمایا اے ابو عبداللہ! کیا اس شریر اونٹ نے ابھی تک شرارت نہیں چھوڑی؟ فرماتے ہیں آپ یہ بات کہہ کر خاموش ہو گئے اور مجھے شرم آگئی آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور میں بھاگ کھڑا ہوا حتی کہ ایک دن آپ مجھے دراز گوش پر سوار ملے آپ نے دونوں پاؤں ایک طرف کئے ہوئے تھے آپ نے پھر وہی بات کہی کہ اے ابو عبداللہ! کیا اس شرارتی اونٹ نے ابھی تک شرارت نہیں چھوڑی؟

میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اللہ کی قسم جب سے اسلام لایا ہوں کوئی شرارت نہیں کی آپ نے "اللہ اکبر اللہ اکبر" کا نعرہ بلند فرمایا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! ابو عبداللہ کو ہدایت عطا فرما۔ راوی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت عطا فرمائی اور وہ بہت اچھے مسلمان ہو گئے (۱)

حضرت نعیمان انصاری رضی اللہ عنہ مزاح کیا کرتے تھے۔ وہ مدینہ طیبہ میں شراب پیتے تو انہیں بارگاہ نبوی میں لایا جاتا آپ ان کو نعلین مبارک سے مارتے اور صحابہ کرام کو بھی حکم دیتے کہ وہ اپنے جوتوں سے ان کو ماریں جب ان کی شراب نوشی زیادہ ہو گئی تو ایک صحابی نے کہا اللہ تعالیٰ تجھ پر لعنت بھیجے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں ان کی عادت تھی کہ مدینہ طیبہ میں جب بھی دودھ یا کوئی چیز آتی تو اس میں سے کچھ خرید کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے اور عرض کرتے یا رسول اللہ! میں نے یہ چیز آپ کے لیے خریدی ہے اور آپ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر رہا ہوں جب دوکاندار پیسے مانگنے آتا تو وہ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آتے اور عرض کرتے یا رسول اللہ! اپنے سامان کی قیمت ادا کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کیا تم نے وہ چیز مجھے تحفتاً نہیں دی تھی؟ تو وہ عرض کرتے یا رسول اللہ! میرے پاس پیسے نہیں تھے اور میں چاہتا تھا کہ آپ اسے تناول فرمائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑتے اور دوکاندار کو پیسے دینے کا حکم فرماتے۔ (۲)

تو اس قسم کی خوش مزاجی کبھی کبھی جائز ہے ہمیشہ نہ ہو ورنہ مذموم ہو گی اور ہنسی کا باعث ہونے کی وجہ سے دل کو مردہ کر دے گی۔

گیارھویں آفت:

مذاق اڑانا

یہ بھی حرام ہے جب اس کے ذریعے ایذا پہنچائی جائے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۲۰۴ حدیث ۶ ۲ ۱ ۴

(۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ (۱)

اے ایمان والو! کوئی جماعت کسی دوسری جماعت سے مذاق نہ کرے ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت سے مذاق کرے ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔

تمسخر (سخریت) کا مطلب دوسرے آدمی کی توہین کرنا اور اسے حقیر جاننا ہے اور اس کے عیبوں اور نقائص کو اس طرح ظاہر کرنا ہے کہ اس پر ہنسی آئے۔ یہ بات بعض اوقات اس کے قول و فعل کی نقل اتارنے کے ذریعے پائی جاتی ہے اور کبھی اشاروں کے ذریعے ہوتی ہے جب یہ بات اس آدمی کے سامنے ہو جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو یہ غیبت نہیں ہے لیکن اس میں غیبت کا معنی پایا جاتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے ایک آدمی کی نقل اتاری تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں کسی آدمی کی نقل اتارنا پسند نہیں کرتا اگرچہ مجھے بہت مال ملے۔ (۲)

ارشاد خداوندی ہے:

يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا۔ (۳)

ہائے افسوس اس نامۂ اعمال کو کیا ہوا اس نے کسی چھوٹی اور بڑی بات کو بیان کئے بغیر نہیں چھوڑا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں صغیرہ (چھوٹی بات) سے مراد کسی مومن کا مذاق اڑانے پر ہنسنا اور کبیرہ سے مراد اس پر قہقہہ لگانا ہے۔ —— یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں پر ہنسنا گناہ میں داخل ہے۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ سامعین کو گوز (ہوا خارج ہوتے) پر ہنسنے کے بارے میں نصیحت فرمارہے تھے آپ نے فرمایا۔

تم میں سے کوئی شخص اس بات پر کیوں ہنستا ہے جسے وہ خود کرتا ہے۔ (۴)

آپ نے ارشاد فرمایا۔

— مذاق اڑانے والے کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا آؤ آؤ وہ غم اور تکلیف کی حالت

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۱

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۰۹ اسروایات عائشہ۔

(۳) قرآن مجید، سورہ کہف آیت ۴۹

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷، اسروایات

میں آئے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا آؤ آؤ وہ غم اور تکلیف کے ساتھ آئے گا جب وہاں پہنچے گا تو اس پر وہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا مسلسل اسی طرح ہوتا رہے گا حتیٰ کہ اس کے لیے دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا آؤ آؤ اور وہ نہیں آئے گا۔ (۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهٗ ۔ (۲)

جو آدمی اپنے (مسلمان) بھائی کو اس کے کسی ایسے گناہ کی عار دلاتا ہے جس سے وہ توبہ کر چکا ہے تو وہ مرنے سے پہلے اس عمل میں مبتلا ہو گا۔

یہ تمام صورتیں دوسرے آدمی کو حقیر جاننے پر مشتمل ہیں اور اس پر ہنسنا اسے ذلیل کرنا اور اس کی توہین کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر یوں تنبیہ فرمائی ہے۔

عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ۔ (۳)

ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔

مطلب یہ کہ اسے حقیر نہ جانو ہو سکتا ہے وہ تم سے بہتر ہو۔ اور یہ استہزا اس صورت میں حرام ہے جب اس کے ذریعے اذیت پہنچائی جائے۔

لیکن جو شخص اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اس سے مذاق کیا جائے تو اس سے مذاق کرنا مزاح میں شمار ہو گا اور مزاح کی قابلِ مذمت صورت کیا ہے اور یہ قابلِ تعریف کب ہوتا ہے اس کا بیان ہو چکا ہے حرام یہ ہے کہ کسی آدمی کے ساتھ مذاق کر کے اس کو اذیت پہنچائی جائے کیوں کہ اس میں اس کو حقیر جاننا اور توہین آمیز سلوک کرنا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بعض اوقات اس کے بے ترتیب کلام پر یا اس کے بے تکے عمل پر ہنسا جاتا ہے جیسے کسی کے خط اور کاریگری پر ہنستے ہیں یا مثلاً وہ چھوٹے قد کا ہو یا اس میں کوئی دوسرا عیب ہو تو اس کی صورت اور تخلیق کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان تمام باتوں پر ہنسنا اس مذاق اور استہزاء میں داخل ہے جس سے روکا گیا ہے۔

بارھویں آفت:

راز افشا کرنا

راز افشا کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ذریعے ایذا پہنچائی جاتی ہے اور دوست احباب کے حق کو معمولی

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۶۱۱، ۶۱۲ کتاب الادب

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۲۱۰ کتاب الحدود

(۳) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۱

سمجھا جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ۔ (۱)

جب کوئی شخص بات کرکے ادھر ادھر دیکھے تو وہ بات امانت ہوتی ہے۔

اور آپ نے کسی قید کے بغیر مطلقاً بھی فرمایا۔

اَلْحَدِيْثُ بَيْنَكُمْ اَمَانَةٌ۔ (۲)

گفتگو تمہارے درمیان امانت ہے

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے بھائی کا راز بیان کرنا بھی خیانت سے ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ سے ایک راز کی بات کہی انہوں نے اپنے والد سے کہا اباجان! امیر المومنین نے مجھ سے ایک راز کی بات کہی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ جو بات انہوں نے آپ کے غیر سے کہی ہے وہ آپ سے پوشیدہ رکھیں انہوں نے فرمایا مجھے نہ بتانا کیونکہ جو آدمی راز کو چھپائے رکھتا ہے اسے اختیار ہوتا لیکن جب ظاہر کر دے تو اس کے اختیار سے نکل جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں میں نے کہا اباجان! یہ معاملہ باپ بیٹے کے درمیان بھی ہوتا ہے انہوں نے کہا اے بیٹے اللہ کی قسم اس طرح نہیں میں چاہتا ہوں کہ تم راز فاش کرکے اپنی زبان کو نہ پھسلاؤ وہ فرماتے ہیں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو تمام بات بتائی انہوں نے فرمایا اے ولید! تجھے تیرے باپ نے غلطی کی غلامی سے آزاد کر دیا۔

تو راز افشا کرنا خیانت ہے اور جب اس کے ذریعے نقصان بھی پہنچایا جائے تو حرام ہے اور اگر نقصان نہ پہنچائے تو کمینگی ہے ہم نے آدابِ صحبت کے بیان میں راز چھپانے سے متعلق باتیں ذکر کر دی ہیں لہٰذا دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

تیرھویں آفت:

جھوٹا وعدہ

زبان وعدہ کی طرف پیش قدمی کرتی ہے لیکن پھر نفس اسے پورا نہیں کرتا تو اس طرح وعدہ خلافی ہو جاتی ہے اور یہ منافقت کی علامات میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ (۳)

اے ایمان والو! وعدوں کو پورا کرو۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۲ کتاب الادب

(۲)

(۳) قرآن مجید سورۂ مائدہ آیت ۱

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْعِدَةُ عَطِیَّةٌ۔ (۱)

وعدہ پورا کرنا عطیہ دینا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْوَاْیُ مِثْلُ الدَّیْنِ اَوْ اَفْضَلُ (۲)

وعدہ بھی ایک قرض ہے یا اس سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اِنَّهٗ صَادِقُ الْوَعْدِ (۳)

بے شک وہ وعدے کے سچے تھے۔

کہا گیا ہے کہ آپ نے کسی آدمی سے ایک جگہ کا وعدہ فرمایا اور وہ شخص وہاں واپس نہ آیا بلکہ بھول گیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں بائیس دن تک اس کے منتظر رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے وصال کا وقت ہوا تو انہوں نے فرمایا قریش کے ایک آدمی نے مجھ سے میری لڑکی کا رشتہ مانگا ہے اور میں نے کچھ ڈھیلا ڈھالا سا وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں نفاق کے تہائی حصے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات نہیں کروں گا میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی کا رشتہ اس شخص کو دے دیا۔

حضرت عبداللہ بن ابی الخنساء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ سے کوئی سودا کیا اور آپ کا کچھ بقایا رہ گیا میں نے کسی جگہ حاضر ہونے کا وعدہ کیا لیکن میں اس دن اور اگلے دن بھی بھول گیا اور تیسرے دن حاضر ہوا تو آپ اسی مقام پر تھے آپ نے فرمایا اے نوجوان! تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا میں تین دن سے یہاں تمہارا منتظر ہوں۔ (۴)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کسی جگہ آنے کا وعدہ کرتا ہے اور پھر نہیں آتا تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا آنے والی نماز تک اس کا انتظار کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے وعدہ کرتے تو لفظ "عسیٰ" (شاید) بولتے تھے۔ (۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب بھی وعدہ فرماتے ان شاء اللہ بھی کہتے ــ اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۱۶۶ کتاب البیوع

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۴ ص ۴۳۵ حدیث ۲۶۲۳،

(۳) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۵۴

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۶ کتاب الادب

(۵)

پھر جب وعدے کے ساتھ پختہ ارادہ بھی ہو تو اسے پورا کرنا ضروری ہے البتہ یہ کہ پورا کرنا مشکل ہو اور اگر وعدہ کرتے وقت پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو تو یہ منافقت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ۔ (۱)

تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں وہ منافق ہے اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے جب بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

چار باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں وہ منافق ہے اور اگر ان میں سے ایک پائی جائے تو اس میں منافقت کی ایک خصلت پائی جاتی ہے حتیٰ کہ اسے چھوڑ دے جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔ (۲)

یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو وعدہ کرے اور پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو یا کسی عذر کے بغیر پورا نہ کرے لیکن جو شخص وعدہ پورا کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو اور اسے کوئی عذر پیش آجائے تو وہ منافق نہیں ہوگا اگرچہ بظاہر یہ منافقت کی صورت ہے۔

منافقت کی صورت سے بھی بچنا چاہیے جس طرح حقیقی منافقت سے اجتناب کیا جاتا ہے اور کسی غیر ضروری رکاوٹ کے بغیر اپنے آپ کو معذور نہ سمجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کو ایک غلام دینے کا وعدہ فرمایا تھا آپ کے پاس تین قیدی آئے تو آپ نے دو قیدی عطا فرما دیئے اور تیسرا باقی رہ گیا حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا خادم کا مطالبہ لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا کیا آپ میرے ہاتھ پر چکی پیسنے کے نشانات نہیں دیکھتے آپ کو حضرت ابوالہیثم سے کیا ہوا وعدہ یاد آگیا تو آپ فرمانے لگے میں ابوالہیثم کے وعدے کا کیا کروں گا؟ چنانچہ آپ نے حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا پر ان کو ترجیح دے دی (۳) کیونکہ آپ ان سے وعدہ کر چکے تھے حالانکہ خاتون جنت

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۳۶ مرویات ابوہریرہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۸۹ مرویات ابن عمرو

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۶۹ ترجمہ ۹

اپنے نازک ہاتھوں سے چکی پیستی تھیں۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین کے موقعہ پر مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا ہے تمہیں جو چاہیئے لے جاؤ اس نے عرض کیا میں اسّی بھیڑیں اور ان کے ساتھ چرانے والے لے کر جاؤں گا آپ نے فرمایا لے جاؤ اور فرمایا تم نے تو کچھ بھی نہیں مانگا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی وہ خاتون جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم اقدس کی طرف راہنمائی کی تھی تجھ سے زیادہ ہوشیار اور سمجھدار تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اختیار دیا تو اس نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ میں دوبارہ جوان ہو جاؤں اور آپ کے ساتھ جنت میں جاؤں۔ (۱)
کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کو اس شخص کا مانگنا اتنا کم معلوم ہوا کہ عربی میں ضرب المثل بن گئی کہا جاتا ہے "اَشَحُّ مِنْ صَاحِبِ الثَّمَانِیْنَ وَالرَّاعِیْ"، کہ فلاں شخص اسی بھیڑوں اور چرواہے والے سے بھی زیادہ بخیل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیْسَ الْخُلْفُ اَنْ یَعِدَ الرَّجُلُ وَفِیْ نِیَّتِہٖ اَنْ یَفِیَ۔ (۲)

وعدہ خلافی یہ نہیں کہ انسان کسی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت پورا کرنے کی ہو۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاہُ وَفِیْ نِیَّتِہٖ اَنْ یَفِیَ فَلَمْ یَجِدْ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ (۳)

جب کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی سے وعدہ کرے اور وہ پورا کرنے کی نیت کرتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

چودھویں آفت:

گفتگو اور قسم میں جھوٹ بولنا

یہ نہایت قبیح قسم کے گناہوں میں سے ہے اور نہایت بڑا عیب ہے حضرت اسماعیل بن واسط فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سنا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سال اس مقام پر کھڑے ہوئے جہاں میں کھڑا ہوں پھر آپ رو پڑے اور حدیث بیان کی

---

(۱)
(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۳۴۷ حدیث ۶۸۷۱
(۳) کنز العمال جلد ۳ ص ۳۴۹ حدیث ۶۸۷۸

(کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔)

اِیَّاکُمْ وَالْکِذْبَ فَاِنَّہٗ مَعَ الْفُجُوْرِ وَھُمَا فِی النَّارِ۔ (۱)
اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کہ وہ (جھوٹ بولنے والا) بدکار کے ساتھ ہے اور وہ دونوں دوزخ میں ہوں گے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْکِذْبَ بَابٌ مِنْ اَبْوَابِ النِّفَاقِ۔ (۲)
بے شک جھوٹ منافقت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہا جاتا تھا کہ باطن اور ظاہر قول وعمل اور نکلنے اور داخل ہونے کے مقامات کے درمیان اختلاف منافقت میں سے ہے اور منافقت کی بنیاد جھوٹ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کَبُرَتْ خِیَانَۃً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاکَ حَدِیْثًا ھُوَلَکَ بِہٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ لَہٗ بِہٖ کَاذِبٌ۔ (۳)
یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات کرو جس میں وہ تمہاری تصدیق کرے حالانکہ تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَایَزَالُ الْعَبْدُ یَکْذِبُ وَیَتَحَرَّی الْکِذْبَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ کَذَّابًا۔ (۴)
بندہ مسلسل جھوٹ بولتا اور اس کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے پاس سے گزرے جو ایک بکری کا سودا کرتے ہوئے ایک دوسرے کو قسم دے رہے تھے ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں اتنی رقم سے کم نہیں کروں گا اور دوسرا کہہ رہا تھا۔ قسم بخدا! میں اتنی رقم سے زائد نہیں دوں گا۔ آپ جب وہاں سے گزرے تو ان میں سے ایک بکری کو خرید چکا تھا آپ نے فرمایا۔

اَوْجَبَ اَحَدُھُمَا بِالْاِثْمِ وَالْکَفَّارَۃِ۔ (۵)
ان میں سے ایک پر گناہ اور کفارہ دونوں لازم ہو گئے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص، مرویات ابوبکر
(۲) الکامل لابن عدی جلد اوّل ص ۴۲ الباب العشرون
(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۳ کتاب الادب
(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۵ کتاب البر والصلۃ
(۵) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۳۵ کتاب الایمان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْکِذْبُ یُنْقِصُ الرِّزْقَ ۔ (۱)

جھوٹ رزق کو گھٹا دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ التُّجَّارَ هُمُ الْفُجَّارُ ۔

بے شک تاجر ہی فاجر ہیں۔

عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال قرار نہیں دیا؟ آپ نے فرمایا ہاں لیکن یہ لوگ قسمیں کھا کر گناہ گار ہوتے ہیں اور گفتگو میں جھوٹ بولتے ہیں۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثَةٌ نَفَرٍ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ اَلْمَنَّانُ بِعَطِیَّتِهٖ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْفَاجِرِ وَالْمُسْبِلُ اِزَارَهٗ ۔

(۳)

تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا عطیہ دینے کے بعد احسان جتانے والا جھوٹی قسم کے ذریعے سودا بیچنے والا اور تکبر کے طور پر اپنی چادر کو لٹکانے والا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَا حَلَفَ حَالِفٌ بِاللّٰهِ فَاَدْخَلَ فِیْهَا مِثْلَ جَنَاحِ بَعُوْضَةٍ اِلَّا کَانَتْ نُکْتَةً فِیْ قَلْبِهٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ ۔ (۴)

جو شخص قسم کھا کر اس میں مچھر کے برابر بھی کوئی چیز ملاتا ہے تو قیامت تک اس کے دل میں ایک (سیاہ) نکتہ قائم رہے گا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثَةٌ یُحِبُّهُمُ اللّٰهُ رَجُلٌ کَانَ فِیْ فِئَةٍ فَنَصَبَ نَحْرَهٗ حَتّٰی یُقْتَلَ اَوْ یَفْتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اَصْحَابِهٖ وَرَجُلٌ کَانَ لَهٗ جَارُ سُوْءٍ

تین (قسم کے) آدمی وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ایک وہ شخص جو کسی لشکر میں سینہ تان کر کھڑا ہو حتیٰ کہ وہ شہید ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے ساتھیوں کو فتح عطا

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۹۶ کتاب الایمان

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۲۸ مرویات عبدالرحمٰن بن شبل

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۷ کتاب الایمان

(۴) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۹۶ کتاب الایمان والنذور

يُؤْذِيهِ فَصَبَرَ عَلَى أَذَاهُ حَتَّى يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا مَوْتٌ أَوْ ظَعْنٌ وَرَجُلٌ كَانَ مَعَهُ قَوْمٌ فِي سَفَرٍ أَوْ سَرِيَّةٍ فَأَطَالُوا السُّرَى حَتَّى أَعْجَبَهُمْ أَنْ يَمَسُّوا الْأَرْضَ فَنَزَلُوا فَتَنَحَّى يُصَلِّي حَتَّى يُوقِظَ أَصْحَابَهُ لِلرَّحِيلِ وَثَلَاثَةٌ يَشْنَؤُهُمُ اللهُ التَّاجِرُ أَوِ الْبَيَّاعُ الْحَلَّافُ وَالْفَقِيرُ الْمُخْتَالُ وَالْبَخِيلُ الْمَنَّانُ۔ (۱)

فرمادے دوسرا وہ شخص جس کا پڑوسی برا آدمی ہو وہ اسے اذیت پہنچائے تو یہ اس کی اذیت پر صبر کرے حتیٰ کہ ان کے درمیان موت یا سفر تفریق کر دے اور تیسرا وہ شخص جس کے ساتھ سفر میں کوئی جماعت ہو یا کوئی لشکر ہو وہ اس قدر لمبا سفر کریں کہ زمین کو چھونے کے لیے ترس جائیں اب وہ ایک مقام پر اتریں تو وہ شخص الگ ہو کر نماز پڑھنے لگ جائے حتیٰ کہ وہ اپنے ساتھیوں کو کوچ کرنے کے لیے جگائے (یعنی اس تمام وقت میں وہ نماز پڑھتا رہے) اور تین (قسم کے) آدمی وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھتا ہے وہ تاجر جو زیادہ قسمیں کھاتا ہو وہ فقیر جو اکڑتا ہو اور احسان جتلانے والا بخیل۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ۔ (۲)

اس شخص کے لیے خرابی ہے جو بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو ہنسائے اس کے لیے خرابی ہے اس کے لیے خرابی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

رَأَيْتُ كَأَنَّ رَجُلًا جَاءَنِي فَقَالَ لِي قُمْ۔ فَقُمْتُ مَعَهُ فَإِذَا أَنَا بِرَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا قَائِمٌ وَالْآخَرُ جَالِسٌ بِيَدِ الْقَائِمِ كَلُّوبٌ مِنْ حَدِيدٍ يُلْقِمُهُ فِي شِدْقِ الْجَالِسِ فَيَجْذِبُهُ حَتَّى يَبْلُغَ كَاهِلَهُ ثُمَّ يَجْذِبُهُ فَيُلْقِمُهُ الْجَانِبَ الْآخَرَ فَيَمُدُّهُ فَإِذَا مَدَّهُ رَجَعَ الْآخَرُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ

میں نے دیکھا کہ گویا ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا اٹھئے میں اس کے ساتھ اٹھا میں نے اچانک دیکھا تو دو آدمی تھے ان میں سے ایک کھڑا اور دوسرا بیٹھا ہوا تھا جو کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے آگے لوہا لگا ہوا تھا وہ بیٹھے ہوئے شخص کی ایک باچھ میں ڈال کر اسے کھینچتا حتیٰ کہ وہ اس کے کندھے تک آ جاتی پھر وہ اسے کھینچتا پھر وہ دوسری باچھ میں ڈال کر

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۷۶ امرویات ابوذر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۵ مرویات بہز بن حکیم

لِلَّذِی اَتَانِی مَا هٰذَا؟ فَقَالَ هٰذَا رَجُلٌ کَذَّابٌ یُعَذَّبُ فِی قَبْرِهٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ (۱)

اسی طرح کھینچا جب وہ اسے کھینچتا تو دوسری اپنی جگہ آجاتی ہے جو شخص مجھے لے گیا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ جھوٹا شخص ہے اسے قیامت تک قبر میں عذاب دیا جاتا رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مومن زنا کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے انہوں نے عرض کیا کیا مومن جھوٹ بولتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ (۲)

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ۔ (۳)

جھوٹ تو صرف وہ لوگ بولتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ دعا مانگتے ہوئے یوں کہہ رہے تھے،

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَفَرْجِیْ مِنَ الزِّنَا وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ۔ (۴)

اے اللہ! میری زبان کو نفاق سے میری شرمگاہ کو زنا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے پاک رکھنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ شَیْخٌ زَانٍ وَمَلِکٌ کَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَکْبِرٌ۔ (۵)

تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ اور عیالدار متکبر۔

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور میں چھوٹا بچہ تھا میں

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۸۵ کتاب الجنائز

(۲) تاریخ ابن عساکر جلد ۷ ص ۲۷۲ تحت عبداللہ

(۳) قرآن مجید، سورۃ النحل آیت ۱۰۵

(۴) تاریخ بغداد جلد ۵ ص ۲۶۸ ترجمہ ۲۷۵۹

(۵) صحیح مسلم جلد اول ص ۷۱، کتاب الایمان

کھیلنے لگا تو میری والدہ نے کہا عبداللہ! ادھر آؤ میں تمہیں کچھ دوں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا آپ کیا دینا چاہتی ہیں؟ عرض کیا کھجور، آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتیں تو تم پر ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔(۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلَیَّ نِعَمًا عَدَدَ هٰذَا الْحَصٰی لَقَسَمْتُهَا بَيْنَكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِیْ بَخِیْلًا وَلَا كَذَّابًا وَلَا جَبَانًا۔ (۲)

اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان کنکریوں کے برابر بھی نعمتیں عطا فرمائے تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دوں پھر تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاؤ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا۔

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ۔

کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

(۳)

پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا سنو! جھوٹی بات بھی گناہ کبیرہ ہے۔ (۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْعَبْدَ يَكْذِبُ الْكِذْبَةَ فَيَتَبَاعَدُ الْمَلَكُ عَنْهُ مَسِيْرَةَ مِيْلٍ مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ۔(۴)

بے شک بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے ایک میل دور ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے بو پھیلتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَقَبَّلُوْا اِلَیَّ سِتًّا اَتَقَبَّلْ لَكُمْ بِالْجَنَّةِ فقالوا وما هن؟ قال "اِذَا حَدَّثَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَكْذِبْ وَاِذَا وَعَدَ فَلَا يُخْلِفْ وَاِذَا اؤْتُمِنَ فَلَا يَخُنْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ.

تم چھ باتوں کے ساتھ میری طرف بڑھو میں جنت کے ساتھ تمہاری طرف آؤں گا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا باتیں ہیں؟ فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک بات کرے تو جھوٹ نہ بولے جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف نہ کرے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرے،

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۷ مرویات عبداللہ بن عمر

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۹۶ کتاب الجہاد

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶۲ کتاب الشہادات

(۴) جامع الترمذی ص ۱۹۲۹ ابواب البر والصلۃ

وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ۔ (۱)

اپنی نگاہوں کو پست رکھو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو اور اپنے ہاتھوں کو (دوسروں کو اذیت دینے سے) روکے رکھو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِلشَّيْطَانِ كُحْلًا وَلَعُوْقًا وَنَشُوْقًا اَمَّا لَعُوْقُهٗ فَالْكَذِبُ وَاَمَّا نَشُوْقُهٗ فَالْغَضَبُ وَاَمَّا كُحْلُهٗ فَالنَّوْمُ۔ (۲)

بے شک شیطان کے لیے سرمہ چٹنی اور خوشبو ہے اس کی چٹنی جھوٹ ہے اس کی خوشبو غصہ ہے اور اس کا سرمہ (زیادہ) سونا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اس طرح کھڑے ہوئے جس طرح میں تمہارے درمیان کھڑا ہوں اور فرمایا۔

اَحْسِنُوْا اِلٰی اَصْحَابِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ یَفْشُوْ الْكَذِبُ حَتّٰی یَحْلِفَ الرَّجُلُ عَلَی الْیَمِیْنِ وَلَمْ یُسْتَحْلَفْ وَیَشْهَدُ وَلَمْ یُسْتَشْهَدْ۔ (۳)

میرے صحابہ کرام سے اچھا سلوک کرو پھر ان سے جو ان کے ساتھ متصل ہیں پھر جھوٹ پھیل جائے گا حتیٰ کہ آدمی قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم نہیں لی جائے گی اور گواہی طلب نہ ہونے کے باوجود گواہی دے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ حَدَّثَ عَنِّیْ بِحَدِیْثٍ وَهُوَ یَرٰی اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِیْنَ۔ (۴)

جو آدمی میری طرف سے حدیث بیان کرے اور وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ بِاِثْمٍ یَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَیْرِ حَقٍّ لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانُ۔ (۵)

جو شخص گناہ پر قسم کھائے کہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال ناحق طور پر کھائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۳۰۱ کتاب الزھد

(۲) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۳۰۹ ترجمہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۶ مرویات عمر

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۶ مقدمہ

(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۱۷ کتاب المساقات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے ایک شخص کے صرف ایک بار جھوٹ بولنے سے اس کی گواہی رد فرمادی (۱)
آپ نے ارشاد فرمایا۔

كُلُّ خَصْلَةٍ يُطْبَعُ اَوْ يُطْوِيْ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُ اِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكِذْبَ۔ (۲)

مسلمان کی فطرت اور طبیعت میں خیانت اور جھوٹ کے علاوہ ہر خصلت ہو سکتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جھوٹ سے زیادہ بری کوئی عادت معلوم نہ ہوتی تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی صحابی کے جھوٹ بولنے کا علم ہوتا تو جب تک اس کے توبہ کرنے کا پتہ نہ چلتا آپ کے دل سے یہ بات نہ جاتی (۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے رب تیرے کون سے بندے کا عمل تیرے ہاں بہتر ہے فرمایا وہ شخص جس کی زبان پر جھوٹ نہ آئے اس کا دل برائی نہ کرے اور اس کی شرمگاہ زنا نہ کرے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا اپنے آپ کو جھوٹ سے بچا وہ چڑیا کے گوشت کی طرح لذیذ ہوتا ہے کہ آدمی اس تھوڑے سے گوشت کو بھی بھون لیتا ہے۔

اور سچ کی تعریف کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَرْبَعٌ اِذَا كُنَّ فِيْكَ فَلَا يَضُرُّكَ مَا فَاتَكَ مِنَ الدُّنْيَا صِدْقُ الْحَدِيْثِ وَحِفْظُ الْاَمَانَةِ وَحُسْنُ خُلُقٍ وَعِفَّةُ طُعْمَةٍ۔ (۴)

چار باتیں ایسی ہیں کہ اگر تم میں پائی جائیں تو جو کچھ دنیا سے تجھے نہ ملے تجھے کوئی ضرر نہ ہوگا سچ بولنا، امانت کی حفاظت کرنا، اچھے اخلاق اور رزق حلال۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سال ہمارے درمیان اسی طرح کھڑے ہوئے جس طرح میں کھڑا ہوں۔
پھر آپ روئے اور فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّهٗ مَعَ الْبِرِّ وَهُمَا فِي الْجَنَّةِ۔ (۵)

تم پر سچ بولنا لازم ہے کیونکہ یہ نیکی کے ساتھ اور یہ دونوں جنت میں لے جانے کا باعث ہیں۔

---

(۱)
(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۱۹۷ کتاب الشہادات
(۳) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۴۲ کتاب العلم
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۷۷ مرویات عبداللہ بن عمرو
(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳ مرویات ابی بکر

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَصِدْقِ الْحَدِيْثِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَالْوَفَاءِ وَبَذْلِ السَّلَامِ وَخَفْضِ الْجَنَاحِ - (۱)

میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے سچ کہنے، امانت ادا کرنے وعدہ پورا کرنے، اسلام پھیلانے اور تواضع کی وصیت کرتا ہوں۔

آثار:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے — اور سب سے بڑی پشیمانی یوم قیامت کی پشیمانی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے جب سے تہبند باندھنا شروع کیا ہے (سن تمیز کو پہنچا ہوں) اس دن سے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تک ہم تم سے ملاقات نہ کریں اس وقت تک تم میں سے وہ شخص زیادہ اچھا لگتا ہے جس کا نام اچھا ہو اور جب ہم تم سے ملاقات کریں تو ہمیں تم میں سے وہ آدمی اچھا لگتا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور جب ہم تمہیں آزمائیں تو وہ شخص سب سے زیادہ پسند آتا ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار ہے۔

حضرت میمون بن ابی شبیب فرماتے ہیں میں خط لکھنے بیٹھا تو مجھے ایک ایسا لفظ معلوم ہوا کہ اگر میں اسے لکھوں تو خط کو زینت حاصل ہو لیکن وہ جھوٹ ہوگا چنانچہ میں نے اسے چھوڑنے کا ارادہ کر لیا تو مجھے گھر کے کونے سے آواز آئی۔

يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ - (۲)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیوی زندگی اور آخرت میں مضبوط بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں جھوٹ بولنے والے اور بخیل میں سے کون جہنم میں زیادہ دور تک جائے گا۔

حضرت ابن سماک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے جھوٹ چھوڑنے پر ثواب کی امید نہیں ہے کیونکہ میں اسے دنیوی غیرت کے لیے چھوڑتا ہوں حضرت خالد بن صُبیح سے پوچھا گیا کہ کیا ایک بار جھوٹ بولنے پر کسی شخص کو کذاب کہا جا سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے کہ ہر خطیب کا خطبہ اس کے عمل کے مطابق ہو جائے گا اگر سچا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر جھوٹا ہے تو جہنم کی قینچیوں سے اس کے ہونٹ کاٹے جائیں گے جب بھی ان کو کاٹا

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۷۰، کتاب التوبہ

(۲) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۲۷

جائے گا وہ دوبارہ بن جائیں گے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں سچ اور جھوٹ دونوں دل میں لڑتے رہتے ہیں حتی کہ ان میں سے ایک دوسرے کو نکال دیتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کسی معاملے میں ولید بن عبدالملک سے گفتگو کی تو اس نے کہا آپ جھوٹ بولتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ کی قسم! جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ انسان میں عیب پیدا کردیتا ہے میں نے جھوٹ نہیں بولا۔

کہاں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے

جاننا چاہیے کہ جھوٹ ذاتی طور پر حرام نہیں بلکہ اس لئے حرام ہے کہ اس کے ذریعے مخاطب یا کسی دوسرے کو ضرر پہنچایا جاتا ہے اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ کسی چیز کی خبر دینے والا حقیقت حال کے خلاف عقیدہ رکھے تو وہ جاہل ہوگا اور بعض اوقات اس سے دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے اور بعض اوقات جہالت میں نفع اور مصلحت ہوتی ہے اور جھوٹ اس جہالت کو پیدا کرتا ہے لہٰذا اس کی اجازت ہوگی بلکہ بعض اوقات واجب ہوگا۔

حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعض مقامات پر سچ کے مقابلے میں جھوٹ بولنا بہتر ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک شخص کسی دوسرے کو قتل کرنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑتا ہے اور ایک مکان میں داخل ہو جاتا ہے وہاں پہنچنے کے بعد تم سے پوچھتا ہے کہ کیا تم نے فلاں کو دیکھا ہے؟ تو تم کیا کہو گے؟ کیا تم نہیں کہو گے کہ میں نے اسے نہیں دیکھا تم سچ نہیں کہو گے اور یہ جھوٹ واجب ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ کلام، مقاصد کا وسیلہ ہوتا ہے اور ہر وہ مقصود محمود جس تک سچ اور جھوٹ دونوں کے ذریعے پہنچنا ممکن ہو اس میں جھوٹ حرام ہے اور اگر اس تک جھوٹ کے ذریعے پہنچ سکتے ہوں سچ کے ذریعے نہیں تو اس میں جھوٹ بولنا جائز ہے اگر اس مقصد کا حصول جائز ہو۔

اور اگر وہ مقصود واجب ہو تو جھوٹ واجب ہوگا جیسے کسی مسلمان کا خون بچانا واجب ہے تو جس صورت میں سچ بولنے سے مسلمان آدمی کا خون بہایا جاتا ہو مثلاً وہ ظالم سے چھپا ہوا ہو تو ایسی صورت جھوٹ بولنا ضروری ہوگا اور جب لڑائی کے مقصد کی تکمیل، دو آدمیوں کے درمیان صلح اور جس پر ظلم ہوا اس کے دل کا میلان جھوٹ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو جھوٹ بولنا جائز ہوگا لیکن جس حد تک ممکن ہو اس سے بچنا چاہیے کیونکہ جب وہ اپنے اوپر جھوٹ کا دروازہ کھولے گا تو اس بات کا ڈر ہوگا کہ وہ بلا ضرورت بھی جھوٹ بولے لہٰذا جھوٹ ذاتی طور پر حرام ہے اور ضرورت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

اس استثناء پر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی یہ روایت دلالت کرتی ہے فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے تین آدمیوں کے علاوہ کسی کو جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی، وہ شخص جو جھوٹ بول کر اصلاح چاہتا ہے،

وہ آدمی جو لڑائی کے دوران کوئی جھوٹی بات کہتا ہے اور وہ شخص جو اپنی بیوی سے اور بیوی اس سے اس طرح کی بات کرتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَيْسَ بِكَذَّابٍ مَنْ اَصْلَحَ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَقَالَ خَيْرًا اَوْ نَمٰى خَيْرًا ۔ (۱)

وہ شخص جو دو آدمیوں کے درمیان صلح کرتے ہوئے اچھی بات کہے یا اچھی بات کو پروان چڑھائے وہ جھوٹا نہیں ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُلُّ الْكَذِبِ يُكْتَبُ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا رَجُلٌ كَذَبَ بَيْنَ مُسْلِمَيْنِ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمَا ۔ (۲)

ابن آدم ہر جھوٹ لکھا جاتا ہے مگر وہ شخص جو دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولے۔

حضرت ابو کاھل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابہ کرام کے درمیان گفتگو ہوئی حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے پر تیار ہو جاتے میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ فلاں کے ساتھ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ میں نے تو اس سے تمہاری بہت تعریف سنی ہے پھر دوسرے سے ملاقات ہوئی تو اس سے بھی اسی طرح کی بات کہی حتیٰ کہ ان کے درمیان صلح ہو گئی پھر میں نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو ہلاک کیا لیکن ان دونوں کے درمیان صلح کرا دی میں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا اے ابو کاھل! لوگوں کے درمیان صلح کرایا کرو یعنی اگرچہ جھوٹ کے ذریعے ہی ہو۔ (۳)

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی بیوی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا جھوٹ میں کوئی بھلائی نہیں اس نے پوچھا کیا میں اس سے وعدہ کروں اور اس سلسلے میں اس سے کوئی بات کہوں؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ (۴)

مروی ہے کہ ابو عذرہ دولی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عورتوں سے نکاح کر کے خلع کرا لیا کرتے تھے لوگوں میں یہ بات مشہور ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند فرمایا جب انہیں علم ہوا تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن ارقم کا ہاتھ پکڑ کر انہیں گھر لے آئے پھر اپنی بیوی سے کہا میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہا تو مجھے

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۵ کتاب البر والصلۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۵۴ مرویات اسماء بنت زید

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۸ ص ۳۶۱ حدیث ۹۲۷

(۴) موطا امام مالک کتاب الجامع ص ۷۳۲

ناپسند کرتی ہے؟ اس نے کہا مجھے قسم نہ دے کہا میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں اس نے کہا ہاں میں تجھے ناپسند کرتی ہوں انہوں نے عبداللہ بن ارقم سے کہا آپ نے سن لیا پھر دونوں چلے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے آپ لوگ کہتے ہیں کہ میں عورتوں پر ظلم کرتا ہوں اور ان کو خلع پر مجبور کرتا ہوں،

آپ حضرت ابن ارقم سے پوچھ لیں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے واقعہ بتا دیا آپ نے ابن ابی عذرہ کی بیوی کو بلا بھیجا وہ آئی اور اس کے ساتھ اس کی پھوپھی بھی تھی آپ نے فرمایا تم کہتی ہو کہ تم اپنے خاوند کو ناپسند کرتی ہوں اس نے کہا میں سب سے پہلے توبہ کرتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہوں اس نے مجھے قسم دی تو میں نے جھوٹ بولنا مناسب نہ سمجھا اے امیر المومنین! کیا میں جھوٹ بولوں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم جھوٹ بولو اگر تم میں سے کسی کو اپنا خاوند پسند نہ آئے تو وہ اس سے یہ بات بیان نہ کرے بہت کم گھروں میں محبت ہوتی ہے لیکن لوگ اسلام اور خاندانی حوالے سے زندگی گزارتے ہیں۔

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَالِي أَرَاكُمْ تَتَهَافَتُونَ فِي الْكَذِبِ تَهَافُتَ الْفَرَاشِ فِي النَّارِ كُلُّ الْكَذِبِ يُكْتَبُ عَلَى ابْنِ آدَمَ لَا مَحَالَةَ إِلَّا أَنْ يَكْذِبَ الرَّجُلُ فِي الْحَرْبِ فَإِنَّ الْحَرْبَ خَدْعَةٌ أَوْ يَكُونَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فَيُصْلِحَ بَيْنَهُمَا أَوْ يُحَدِّثَ امْرَأَتَهُ يُرْضِيهَا۔

مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں تم جھوٹ میں اس طرح گرتے ہو جس طرح پروانے آگ میں گرتے ہیں انسان پر ہر جھوٹ کا گناہ لکھا جاتا ہے البتہ یہ کہ کوئی شخص لڑائی کے موقعہ پر جھوٹ بولے کیونکہ لڑائی ایک چال ہوتی ہے یا دو آدمیوں کے درمیان کینہ ہو تو ان کے درمیان صلح کرائے یا اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے جھوٹ بولے۔ (۱)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمام جھوٹ گناہ ہیں مگر جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچے یا ان سے کسی ضرر کو دور کیا جائے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نقل کرتا ہوں تو مجھے اس میں جھوٹ بولنے کی نسبت آسمان سے گرنا اچھا معلوم ہوتا ہے اور جب آپس کے کسی نزاع کی بات کرتا ہوں تو لڑائی ایک چال کا نام ہے۔

تو ان تین باتوں کے بارے میں صریح اور واضح استثناء مذکور ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس میں داخل ہے جب کہ اس سے اپنا یا دوسرے کا صحیح مقصد نکلتا ہو۔

---

(۱) الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۹۰ تحت آیت یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔

اپنے مقصد کی مثال یوں ہے کہ اسے کوئی ظالم پکڑ کر اس کے بارے میں سوال کرتا تو اسے اس کا انکار کرنا چاہیے یا بادشاہ پکڑ کر کسی ایسے گناہ کے بارے میں پوچھے جسے یہ خفیہ رکھنا چاہتا ہے تو اس کا انکار کر دے اور یوں کہے کہ اس نے زنا نہیں کیا اور نہ ہی چوری کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنِ ارْتَكَبَ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الْقَاذُوْرَاتِ فَلْيَسْتَتِرْ۔ (۱)

جو شخص ان ناپاک امور میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کے پردے سے ڈھانپ دے۔

کیونکہ برائی کو ظاہر کرنا دوسری برائی ہے تو آدمی کو چاہیے کہ اپنی زبان کے ساتھ اپنی جان، مال جو ظلماً لیا جارہا ہے اور عزت کی حفاظت کرے اگرچہ وہ جھوٹ بول رہا ہو۔

جہاں تک دوسرے کی عزت کا تعلق ہے تو وہ یوں ہے کہ اس سے اس کے (مسلمان) بھائی کے راز کے بارے میں پوچھا جائے تو اسے (بتانے سے) انکار کر دینا چاہیئے اسے دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانی چاہیئے نیز اپنی بیویوں کے درمیان صلح کرائے اور ہر ایک کو راضی رکھے اور بتائے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اور اگر اس کی کوئی بیوی کسی ایسے وعدے کے بغیر اس کی بات نہ مانے جس پر وہ قادر نہیں تو اس کو خوش کرنے کے لیے فی الحال وعدہ کر دے یا کسی وہ شخص سے معذرت کرے اور یہ جانے کہ جب تک میں جھوٹ بول کر اس سے زیادہ محبت نہیں جتاؤں گا اس کا دل نہیں مانے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن اس میں حد یہ ہے کہ جھوٹ بولنا ممنوع ہے اور اگر ان مقامات پر سچ بولنے میں کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے تو دونوں کے درمیان مقابلہ کرے اور انصاف کے ترازو پر تولے جب معلوم ہو کہ سچ بولنے سے جو برائی واقع ہو رہی ہے وہ شرعی طور پر جھوٹ سے زیادہ سخت گناہ ہے تو جھوٹ بول سکتا ہے۔

اور اگر اس کا مقصود سچ کے مقصود سے ہلکا ہو تو سچ بولنا واجب ہوگا۔ اور بعض اوقات دونوں باتیں اس طرح مساوی ہوتی ہیں کہ ان میں تردد ہوتا ہے اس وقت سچ کی طرف میلان زیادہ بہتر ہے کیونکہ جھوٹ کی اجازت کسی ضرورت اور حاجت کے تحت دی گئی ہے اور اگر کسی اہم حاجت کے بارے میں محض شک ہو تو اصلاً جھوٹ بولنا حرام ہے ایسی جگہ اصل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

چونکہ مقاصد کے مراتب نہایت باریک ہیں اس لیے آدمی کو حتی الامکان جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے اسی طرح جب جھوٹ کی حاجت ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنی اغراض کو چھوڑ دے اور جھوٹ کے قریب نہ جائے لیکن جب اس سے

---

(۱) مستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۴۴ کتاب التوبہ

کسی دوسرے آدمی کی غرض متعلق ہو تو اس کے حق سے چشم پوشی کرنا اور اس کو نقصان پہنچایا جائز نہیں۔

لوگ عام طور پر اپنے ذاتی مفادات کی خاطر جھوٹ بولتے ہیں۔ پھر وہ مال اور مرتبے کے اضافے اور ان کاموں کے لیے جھوٹ بولتے ہیں جن کے فوت ہونے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی حتیٰ کہ عورت اپنے خاوند کی طرف سے ایسی باتیں کہتی ہے جن پر فخر کیا جائے اور وہ اپنی سوتن کو جلانے کے لیے ایسی باتیں کرتی ہے۔ اور یہ حرام ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے سنا کہ ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ایک سوتن ہے اور میں اپنے خاوند کی طرف سے ایسی بکثرت نوازشات کا ذکر کرتی ہوں جن کا کوئی وجود نہیں تو یا میں صرف اسے جلانے کی خاطر اس طرح کرتی ہوں کیا اس وجہ سے میں گناہ گار ہوں گی؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ (۱)

جس کو کچھ نہ ملے اور وہ بتائے کہ مجھے فلاں چیز ملی ہے تو وہ جھوٹ کا لباس پہننے والے کی طرح ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ تَطَعَّمَ بِمَا لَمْ يُطْعَمْ اَوْ قَالَ لِيْ وَلَيْسَ لَهُ اَوْ اُعْطِيْتُ وَلَمْ يُعْطَ فَهُوَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)

جو آدمی اپنی ایسی غذا بیان کرے جو وہ نہیں کھاتا یا کہے کہ میرے پاس کچھ ہے حالانکہ نہیں یا کہے کہ مجھے فلاں چیز دی گئی حالانکہ اسے نہیں دی گئی تو وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح ہو گا جس نے جھوٹ کا لباس پہنا ہو۔

اس میں عالم کا بلا تحقیق فتویٰ دینا بھی داخل ہے اسی طرح جو حدیث اس کے ہاں ثابت نہیں اسے روایت کرنا بھی —— کیونکہ اس کی غرض اپنی فضیلت ظاہر کرنا ہے اسی لیے وہ یہ بات کہنا کہ میں نہیں جانتا، اچھا نہیں سمجھتا۔ اور یہ حرام ہے عورتوں کی طرح بچوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر بچے کے ساتھ کوئی وعدہ نہ کیا جائے یا اسے ڈرایا نہ جائے تو وہ سکول نہیں جاتا تو اس صورت میں جھوٹ بولنا جائز ہو گا۔

ہاں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے معاملے میں بھی جھوٹ نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے لیکن جائز جھوٹ بھی لکھا جاتا ہے اس کا حساب و کتاب ہو گا اور اس کی باز پرس ہو گی کہ اس کا مقصد صحیح تھا یا نہیں پھر اسے معاف کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اصلاح کی خاطر یہ جائز قرار دیا گیا۔ لیکن دھوکہ بہت زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ بعض اوقات اس کا باعث

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۸۶، کتاب النکاح

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۷، کتاب الصدقات (کچھ تبدیلی کے ساتھ)

اور غرض ایسا کام ہوتا ہے جس کی ضرورت و حاجت نہیں ہوتی اور وہ اصلاح کے بہانے سے جھوٹ کا مرتکب ہوتا ہے اس لیے لکھا جاتا ہے۔

غرضیکہ جو شخص جھوٹ بولتا ہے اسے غور کرنا پڑتا ہے کہ جس مقصد کے لیے جھوٹ بولا ہے کیا وہ شریعت میں سچ کی نسبت زیادہ اہم تھا یا نہیں اور یہ بہت گہرا مسئلہ ہے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے ہاں واجب ہو جائے یعنی اسے چھوڑنا جائز نہ ہو تو جائز ہو گا جیسے سچ بولنے سے خون بہائے یا کسی گناہ کے ارتکاب کی نوبت آئے۔

بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ فضائل اعمال اور گناہوں کی سختی واضح کرنے کے سلسلے میں احادیث گھڑنا جائز ہے ان کا خیال یہ ہے کہ اس کا مقصد صحیح ہے حالانکہ یہ محض خطا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (۱)

جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

اس کا ارتکاب ضرورت کے تحت ہوتا ہے اور ضرورت نہیں ہے کیونکہ جھوٹ کے مقابلے میں سچ میں زیادہ وسعت ہے جس قدر آیات و احادیث وارد ہیں ان کی موجودگی میں مزید ضرورت نہیں ہے۔

جو آدمی یہ کہتا ہے کہ یہ احادیث بار بار سننے کی وجہ سے اپنی وقعت کھو بیٹھتی ہیں جب کہ جدید بات کی زیادہ وقعت ہوتی ہے تو یہ ہوس ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے اگر اس کا دروازہ کھول دیا جائے تو ایسے امور سامنے آئیں گے جو شریعت کے نظام کو درہم برہم کر دیں گے۔ لہذا جس کی بنیاد ہی شر ہے اس سے کونسی نیکی سامنے آئے گی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا گناہ ہے جس کا کوئی مقابل نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس سے بچائے آمین۔

کنایتاً جھوٹ بولنے سے اجتناب

بزرگوں سے منقول ہے کہ کنایتاً جھوٹ کی گنجائش ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کنایتاً جھوٹ بولنے سے آدمی جھوٹ سے بچ جاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرات سے بھی یہی بات مروی ہے لیکن ان لوگوں کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائے تو ایسا کرنا چاہیئے۔ لیکن جب حاجت اور ضرورت نہ ہو تو جھوٹ بولنا نہ صراحتاً جائز ہے اور نہ ہی کنایتاً ——— البتہ کنایہ کی صورت میں گناہ کم ہو گا۔

کنایتاً جھوٹ کی مثال یہ ہے کہ حضرت مطرف، زیاد کے پاس گئے چونکہ دیر سے گئے تھے لہذا۔ بیماری کا بہانہ کیا اور کہا کہ جب سے میں امیر (زیاد) سے جدا ہوا ہوں کروٹ نہیں لی مگر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۷۸، مرویات علی المرتضیٰ

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں جب تمہاری طرف سے کسی شخص تک کوئی بات پہنچے اور تم جھوٹ بولنا پسند نہ کرو تو یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں نے کچھ نہیں کہا، لفظ ما استعمال کرے سننے والا اسے نفی کے لیے سمجھے گا جب کہ کہنے والے کے لیے ابہام کے لیے ہوگا یعنی میں نے جو کچھ کہا وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے عامل مقرر تھے جب واپس لوٹے تو ان کی زوجہ نے پوچھا عاملین اپنے گھر والوں کے لیے جو کچھ لاتے ہیں آپ ان میں سے کیا چیز لائے ہیں؟ اور وہ کچھ بھی نہیں لائے تھے انہوں نے فرمایا میرے ساتھ ایک ناظر مقرر تھا، بیوی نے کہا آپ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں امین تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ نگران مقرر کردیا انہوں نے یہ بات تمام عورتوں میں پھیلادی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شکایت کی جب آپ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور فرمایا کیا میں نے آپ کے ساتھ کوئی نگران بھیجا تھا؟ فرماتے ہیں میرے پاس کوئی عذر نہ تھا میں نے اصل بات بتادی چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسکرا پڑے انہیں کچھ عطیہ دیا اور فرمایا اس کے ذریعے اسے (بیوی کو) راضی کرو تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جس نگران کا ذکر کیا اس سے آپ کی مراد اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اپنی صاحبزادی سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ میں تمہارے لیے شکر خریدوں گا بلکہ فرماتے کیا خیال ہے اگر میں تمہیں شکر دوں۔ کیونکہ بعض اوقات شکر حاصل نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کو جب کوئی بلانے آتا اور آپ اس سے ملنا نہ چاہتے تو آپ اپنی لونڈی سے فرماتے اس سے کہو مسجد میں تلاش کریں یہ نہ کہنا کہ یہاں نہیں ہیں تاکہ جھوٹ نہ بنے۔ حضرت شعبی رحمہ اللہ کو جب گھر میں تلاش کیا جاتا اور آپ اس آدمی سے ملنا نہ چاہتے تو ایک دائرہ کھینچتے اور لونڈی سے فرماتے اس میں انگلی رکھ کر کہو یہاں نہیں ہیں۔

لیکن یہ تمام صورتیں بھی حاجت کے وقت ہیں ضرورت کے بغیر نہیں کیونکہ یہ ایک حیلہ ہے اگرچہ لفظوں میں جھوٹ نہیں ہے۔ بہر حال یہ مکروہ ہے جس طرح حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں اپنے والد کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب میں نکلا تو مجھ پر ایک کپڑا تھا لوگ کہنے لگے تمہیں یہ کپڑا امیر المومنین نے پہنایا ہے اور میں کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو اچھی جزا عطا فرمائے۔ میرے والد نے کہا بیٹے! جھوٹ اور جو اس کے مشابہ ہے، اس سے بھی بچو، تو انہوں نے مجھے اس سے روک دیا کیونکہ یہ ایک جھوٹے خیال کو پکا کرنا ہے اور اس کی غرض محض شیخی مارنا ہے اور یہ باطل غرض ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں البتہ کچھ معمولی مطلب کے لیے کنایہ جائز ہے جیسے مزاح کے ذریعے دوسرے آدمی کا دل خوش کرنا جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی (۱)

---

(۱) جامع الترمذی ص ۵۸۶، ابواب الشمائل

ایک دوسری عورت سے فرمایا کہ تمہارے خاوند کی آنکھ میں سفیدی ہے اور ایک دوسری خاتون سے فرمایا ہم تجھے اونٹ کے بچے پر سوار کریں گے وغیرہ وغیرہ (تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

جہاں تک صریح جھوٹ کا تعلق ہے جیسے نعیمان انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک نابینا کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ یہ نعیمان ہیں، اور جیسے لوگ بیوقوفوں سے مذاق کرتے ہیں کہ فلاں عورت تم سے شادی کرنا چاہتی ہے اگر اس میں ایسا ضرر ہو جو اس کے دل کو تکلیف پہنچاتا ہو تو یہ حرام ہے لیکن محض دل لگی ہو تو ایسے شخص کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ لیکن اس سے ایمان میں کچھ نہ کچھ ضرور کمی ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَكْمُلُ لِلْمَرْءِ الْإِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ وَحَتّٰى يَجْتَنِبَ الْكَذِبَ فِيْ مِزَاحِهٖ۔ (۱)

انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جب تک مزاح میں بھی جھوٹ سے نہ بچے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ لِيُضْحِكَ بِهَا النَّاسَ يَهْوِيْ بِهَا فِي النَّارِ اَبْعَدَ مِنَ الثُّرَيَّا۔ (۲)

ایک شخص کوئی کلمہ بول کر اس کے ذریعے لوگوں کو ہنسانا چاہتا ہے لیکن وہ اس کے سبب جہنم میں ثریا ستارے سے بھی زیادہ فاصلے پر گرتا ہے۔

اس سے مراد وہ بات ہے جس میں کسی مسلمان کی غیبت ہو یا کسی کے دل کو اذیت پہنچائی جائے محض مزاح مراد نہیں ہے۔

جس جھوٹ سے آدمی فاسق نہیں ہوتا اس میں سے ایک مبالغہ ہے جو لوگوں کے درمیان جاری ہوتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے ہم نے تمہیں سینکڑوں مرتبہ بلایا یا سو بار فلاں بات کہی، اس سے تعداد بتانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مبالغہ مراد ہوتا ہے اب اگر ایک مرتبہ بھی نہیں بلایا تو یہ کلام جھوٹ ہوگا۔ اور اگر عادت سے زیادہ بار کا ذکر کیا تو گناہ گار نہ ہوگا اور اگر سو مرتبہ نہیں بلایا بلکہ کم مرتبہ بلایا تو بھی زبان کو روکنا چاہیے کیونکہ اس میں جھوٹ کا خطرہ ہے۔

اور جن باتوں میں جھوٹ بولا جاتا ہے اور اس میں سستی کی جاتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کھانا کھاؤ تو وہ جواب دیتا ہے

---

(۱) کنز العمال جلد اول ص ۳۳۴ حدیث ۱۰۶

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۰۲ مرویات ابو ہریرہ

مجھے بھوک نہیں ہے اس سے منع کیا گیا ہے اور یہ حرام ہے بشرطیکہ اس میں کوئی صحیح غرض نہ ہو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شب زفاف میں، میں ان کی سہیلی تھی میرے ساتھ کچھ اور عورتیں بھی تھیں جب ہم ام المومنین کو تیار کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں تو آپ کے پاس صرف دودھ کا ایک پیالہ تھا آپ نے نوش فرمایا اور باقی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا وہ کچھ شرمانے لگیں تو میں نے کہا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک مت ہٹائیں آپ سے لے لیں فرماتی ہیں میں نے شرماتے شرماتے پیالہ لے لیا اور اس سے پیا آپ نے فرمایا اپنی سہیلیوں کو دو انہوں نے کہا ہمیں طلب نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَجْمَعْنَ جُوْعًا وَّكَذِبًا۔ بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔

فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی ایک کو کسی چیز کی خواہش ہو اور وہ کہے مجھے طلب نہیں ہے تو کیا یہ جھوٹ شمار ہوگا؟ آپ نے فرمایا۔

اِنَّ الْكَذِبَ يُكْتَبُ كَذِبًا حَتّٰى تُكْتَبَ الْكُذَيْبَةُ كُذَيْبَةً۔ (۱) بے شک جھوٹ، جھوٹ لکھا جاتا ہے حتی کہ چھوٹا سا جھوٹا ہو تو وہ چھوٹا جھوٹ لکھا جاتا ہے۔

متقی لوگ اس قسم کے جھوٹ میں بھی چشم پوشی سے پرہیز کرتے تھے حضرت لیث بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں اس قدر مواد ہوتا تھا کہ وہ باہر بھی آجاتا ان سے کہا جاتا آپ اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں تو وہ فرماتے طبیب کے قول کو کیا کروں کہ اس نے کہا ہے آنکھوں کو نہ چھونا تو میں کہتا ہوں میں ایسا نہیں کروں گا۔

تو پرہیزگار لوگ اس طرح حفاظت کرتے تھے اور جو اس احتیاط کو چھوڑ دے گا اس کی زبان جھوٹ بولنے میں اختیار کی حد سے نکل جائے گی اور وہ غیر شعوری طور پر جھوٹ بولے گا۔

حضرت خوات تیمی فرماتے ہیں حضرت ربیع بن خثیم کی بیٹی میرے بیٹے کی عیادت کے لیے آئیں تو ان پر جھک کر پوچھنے لگیں بیٹا! کیا حال ہے؟ حضرت ربیع بیٹھے اور کہا تم نے اسے دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا اگر بھتیجا کہتیں تو کوئی حرج نہ تھا اور یہ سچ ہوتا (یعنی وہ تمہارا بیٹا نہیں ہے) عادت یہ ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ انسان جس بات کو نہ جانتا ہو اس کے بارے میں کہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے بعض اوقات جھوٹا خواب بیان کیا جاتا ہے اور اس کا گناہ بہت زیادہ ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۳۸ مرویات اسماء بنت عمیس

أَعْظَمُ الْفِرْيَةِ أَنْ يُدْعَى الرَّجُلُ إِلٰى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ يُرِيَ عَيْنَيْهِ فِي الْمَنَامِ مَا لَمْ يَرَ أَوْ يَقُولُ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ۔ (۱)

سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف منسوب ہو یا خواب میں ایسی چیز دیکھنے کا دعویٰ کرے جو نہیں دیکھی یا مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ كَذَبَ فِي حُلُمٍ كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَيْسَ بِعَاقِدٍ بَيْنَهُمَا أَبَداً۔ (۲)

جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے قیامت کے دن اسے جَو کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگانے کو کہا جائے گا اور وہ کبھی بھی ایسا نہیں کر سکے گا۔

پندرھویں آفت:

غیبت

اس میں کافی گفتگو ہے ہم پہلے غیبت کی مذمت بیان کریں گے اور اس پر شرعی شہادتوں کا ذکر کریں گے۔
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں واضح طور پر اس کی مذمت بیان فرمائی ہے اور غیبت کرنے والے کو مردار کا گوشت کھانے والے کی طرح قرار دیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ۔ (۳)

اور تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں سے کوئی ایک چاہتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تو اسے اس سے گھن آتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ۔ (۴)

ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۰۶ مرویات واثلہ بن اسقع
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ص ۷، مرویات علی المرتضیٰ۔
(۳) قرآن مجید، سورہ حجرات آیت ۱۲
(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۷ کتاب البر والصلۃ

اور غیبت عزت سے کھیلنا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے مال اور خون کے ساتھ جمع فرمایا، حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا۔ (۱)

ایک دوسرے سے حسد نہ کرو باہم دشمنی نہ کرو ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کرو اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

حضرت جابر اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِيَّاكُمْ وَالْغِيْبَةَ فَاِنَّ الْغِيْبَةَ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا فَاِنَّ الرَّجُلَ قَدْ يَزْنِيْ وَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلَيْهِ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى يَغْفِرَ لَهٗ صَاحِبُهٗ۔ (۲)

اپنے آپ کو غیبت سے بچاؤ بے شک غیبت زنا سے بھی بڑا جرم ہے کیونکہ ایک آدمی زنا کاری کے بعد توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور غیبت کرنے والے کی بخشش اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں شب معراج ایسی قوم کے پاس سے گزرا جو اپنے چہروں کو اپنے ناخنوں سے چھیل رہے تھے میں نے کہا اے جبریل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے تھے اور ان کی عزتوں کے پیچھے پڑتے تھے۔ (۳)

حضرت سلیم بن جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی اچھی بات بتائیں جس سے میں نفع حاصل کروں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

لَا تَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَصُبَّ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ الْمُسْتَقِيْ وَاَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِبِشْرٍ حَسَنٍ وَاِنْ اَدْبَرَ

نیکی میں سے کسی بات کو بھی حقیر نہ جاننا اگرچہ اپنے ڈول میں سے پیاسے کے برتن میں پانی ڈالو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ اور جب وہ چلا جائے تو ہرگز اس کی

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۶ کتاب البر والصلۃ

(۲) الدر المنثور جلد ۶ ص ۹۷ تحت آیت

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۲ کتاب الادب

فَلَا تَغْتَابَنَّهٗ - (۱) غیبت نہ کرو۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (بلند آواز سے) خطبہ دیا حتیٰ کہ گھروں میں کنواری لڑکیوں نے بھی سنا آپ نے فرمایا۔

يَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِقَلْبِهٖ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِيْ جَوْفِ بَيْتِهٖ - (۲)

اے ان لوگوں کے گروہ جو زبان سے ایمان لائے اور ان کے دل ایمان نہیں لائے مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی پردہ دری نہ کرو جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کا پردہ اٹھائے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دری فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ جس کا پردہ اٹھا دے اسے وہ گھر کے اندر بھی رسوا کرتا ہے۔

کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جو شخص غیبت سے توبہ کرتے ہوئے فوت ہو جائے وہ جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوگا اور جو آدمی غیبت پر اصرار کی حالت میں فوت ہو وہ جہنم میں سب سے پہلے داخل ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں اجازت نہ دوں کوئی بھی افطار نہ کرے، صحابہ کرام نے روزہ رکھا یہاں تک کہ جب شام ہوئی تو لوگ آنا شروع ہوئے ایک کہتا یا رسول اللہ میں روزہ دار رہوں اجازت فرمائیں کہ میں افطار کروں آپ اسے اجازت دیتے پھر دوسرا آتا پھر تیسرا اور اس کے بعد مزید لوگ آتے رہے حتیٰ کہ ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! دو عورتیں روزہ دار ہیں اور وہ آپ کے پاس آتی ہوئے جھجک محسوس کرتی ہیں انہیں افطار کی اجازت دیجئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخ انور پھیر دیا اس نے پھر عرض کیا تو آپ نے توجہ نہ فرمائی پھر عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ان دونوں نے روزہ نہیں رکھا اور وہ آدمی کیسے روزہ دار ہو سکتا ہے جس کا دن یوں گزرتا ہے کہ وہ لوگوں کا گوشت کھاتا ہے جاؤ اور ان دونوں سے کہو اگر انہوں نے روزہ رکھا ہوا ہے تو وہ قے کریں اس نے واپس آکر بتایا تو دونوں نے جمے ہوئے خون کی قے کی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا اور آپ کو بتایا آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر یہ (خون) ان کے پیٹوں میں باقی رہتا تو ان دونوں کو آگ جلا دیتی۔ (۳)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۶۳ مرویات جابر بن سلیم

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۲ کتاب الادب

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۰۷ کتاب الادب

ایک روایت میں ہے جب آپ نے اس سے منہ پھیرا تو اس کے بعد اس نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم وہ دونوں مرگئی ہیں یا مرنے کے قریب ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو میرے پاس لاؤ جب وہ آئیں تو آپ نے ایک پیالہ منگوایا اور ان میں سے ایک سے فرمایا قے کرو اس نے پیپ اور خون کی قے کی حتی کہ پیالہ بھر گیا اور دوسری سے فرمایا تم بھی قے کرو اس نے بھی اسی طرح قے کی آپ نے فرمایا ان دونوں نے اس چیز سے روزہ رکھا جو اللہ تعالے نے ان کے لیے حلال فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حرام کیا ہے اس کے ذریعے روزہ توڑ دیا۔ یہ دونوں بیٹھ کر لوگوں کا گوشت کھانے لگیں (غیبت کرنے لگیں) (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے سود کا ذکر فرمایا اور اس کے بہت بڑا گناہ ہونے کو واضح فرمایا آپ نے فرمایا آدمی تک سود کا جو ایک درہم پہنچتا ہے وہ اللہ کے نزدیک چھتیس بار زنا کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے اور سب سے بڑا سود مسلمان کی عزت پر ہاتھ ڈالنا ہے۔ (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ دو قبروں پر تشریف لائے ان قبروں والوں کو عذاب ہو رہا تھا آپ نے فرمایا۔

اِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيْرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَغْتَابُ النَّاسَ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنْ بَوْلِهِ۔

ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور انہیں کسی گناہ کبیرہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ان سے ایک لوگوں کی غیبت کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔

آپ نے ایک تو شاخ یا دو شاخیں منگوائیں پھر ان کو توڑ کر ہر قبر پر ایک شاخ گاڑنے کا حکم دیا اور فرمایا۔

أَمَا إِنَّهُ سَيُهَوَّنُ مِنْ عَذَابِهِمَا مَا كَانَا رَطْبَتَيْنِ أَوْ مَا لَمْ يَيْبَسَا۔ (۳)

سنو! ان کا عذاب ہلکا ہو گا جب تک یہ دونوں ٹہنیاں تر رہیں گی یا (فرمایا) جب تک خشک نہیں ہوں گی۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو زنا کی وجہ سے رجم کیا تو ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا یہ کتے کی طرح ہلاک کیا گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار کے پاس سے گزرے اور وہ دونوں بھی آپ کے ہمراہ تھے آپ نے فرمایا اس مردار سے نوچو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم مردار سے نوچیں؟ آپ نے فرمایا تم نے جو کچھ اپنے (مسلمان) بھائی کے بارے میں کہا ہے وہ اس سے بھی زیادہ بدبودار ہے (۴)

---

(۱) الدر المنثور جلد ۶ ص ۹۵ تحت آیت لا یغتب بعضکم بعضا۔

(۲) الکامل لابن عدی جلد ۴ ص ۱۵۰۸ ترجمہ عبد اللہ بن کیسان

(۳) الادب المفرد للبخاری ص ۱۹۰ حدیث ۷۳۵، (۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۵۵ کتاب الحدود

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے اور ایک دوسرے کی غیبت نہیں کرتے تھے اور اسے وہ سب سے بہتر عمل سمجھتے تھے اور اس کے خلاف عمل کو منافقین کی عادت خیال کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہے آخرت میں اس کا گوشت اس کے قریب کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا اس کو مردہ حالت میں کھاؤ جس طرح تم نے اس کو زندہ ہونے کی صورت میں کھایا تھا پس وہ کھائے گا اور چیختے چلاتے ہوئے منہ بنائے گا۔(۱)

ایک مرفوع حدیث بھی اسی طرح مروی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ دو آدمی مسجد کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے ایک شخص گزرا جو ہیجڑا تھا لیکن اس نے اپنا کام چھوڑ دیا تھا ان دونوں نے کہا اس میں ابھی کچھ اثر باقی ہے اتنے میں نماز کھڑی ہوئی تو وہ نماز میں شامل ہوگئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی انہیں اپنی گفتگو کا کھٹکا محسوس ہوا تو وہ دونوں حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے مسئلہ پوچھا انہوں نے ان دونوں کو حکم دیا کہ دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھیں اور اگر وہ روزہ دار ہیں تو اپنے روزے کی بھی قضا کریں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ارشاد خداوندی ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔ (۲) ہر طعن کرنے اور غیبت کرنے والے کے لیے خرابی ہے

کے بارے میں فرمایا کہ ہمزہ لوگوں پر زیادہ طعن کرنے والا کو کہتے ہیں اور لمزہ وہ شخص جو لوگوں کا گوشت کھاتا ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں بتایا گیا ہے کہ عذاب قبر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک تہائی غیبت ہے، ایک تہائی چغلی سے اور ایک تہائی پیشاب (سے نہ بچنے) سے ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! مومن آدمی کے دین میں غیبت اتنی جلدی سرایت کرتی ہے جتنی جلدی آکلہ بیماری اس کے جسم کو خراب نہیں کرتی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں ہم نے بزرگوں کو دیکھا وہ عبادت کو روزے اور نماز میں نہیں دیکھتے تھے بلکہ لوگوں کی عزتوں سے بچنے کو عبادت سمجھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تم کسی دوسرے کے عیب ذکر کرنا چاہو تو اپنے عیب یاد کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھ لیتا ہے لیکن اپنی آنکھ

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۹۲ کتاب الادب

(۲) قرآن مجید سورۃ الھمزۃ آیت ۱

کا شہتیر اسے نظر نہیں آتا۔
حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے تھے اے ابن آدم! تو اس وقت تک حقیقتِ ایمان کو نہیں پا سکتا جب تک تو اس برائی کی وجہ سے دوسروں کو برا کہنے سے نہ جو خود تیرے اندر پائی جاتی ہے اور جب تک تو اس عیب کو دور نہیں کر دیتا لہٰذا پہلے تو اپنے آپ کو ٹھیک کر اگر تو ایسا کرے تو اپنے آپ میں مشغول ہو گا اور جو شخص ایسا ہو وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔
حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مرے ہوئے کتے سے گزرے اور آپ کے ساتھ آپ کے حواری (ماننے والے ساتھی) بھی تھے حواریوں نے کہا یہ کتا کس قدر بد بودار ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے دانت کتنے سفید ہیں گویا انہوں نے ان کو کتے کی غیبت سے منع فرمایا اور ان کو خبر دار کیا کہ مخلوق خداوندی کی اچھی بات کا ہی ذکر کرنا چاہیے۔
حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دوسرے کی غیبت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا غیبت سے بچو یہ لوگوں میں سے جو کتے ہیں ان کا سالن ہے۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم پر اللہ تعالیٰ کا ذکر لازم ہے بے شک اس میں شفاء ہے لوگوں کے ذکر سے بچو یہ بیماری ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی عبادت کی اچھی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

غیبت کا مفہوم اور تعریف

غیبت یہ ہے کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کرو کہ اگر اس تک یہ بات پہنچے تو وہ اسے ناپسند کرے چاہے اس کے بدنی یا نسبی عیب کا ذکر کرو یا اخلاق اور عمل کے اعتبار سے کوتاہی بیان کرو اس کی دنیوی خرابی کا ذکر کرو یا اُخروی کا، حتیٰ کہ اس کے کپڑے، مکان اور جانور کے حوالے سے نقص بیان کرنا بھی غیبت ہے۔
بدن میں نقص کی صورت یہ ہے کہ مثلاً چندھی آنکھوں والا ہے، بھینگا ہے گنجا ہے اس کا قد چھوٹا یا لمبا ہے اس کا رنگ سیاہ یا زرد ہے وغیرہ وغیرہ یعنی ہر وہ بات جسے وہ ناپسند کرتا ہے وہ جس طرح بھی ہو۔
نسب کے حوالے سے غیبت یہ ہے کہ مثلاً وہ یوں کہے کہ اس کا باپ نبطی یا ہندی ہے فاسق ہے، خسیس ہے، موچی ہے، خاکروب ہے اخلاق کے حوالے سے غیبت اس طرح ہے کہ وہ بد اخلاق ہے، بخیل، متکبر، ریاکار، سخت غصے والا، بزدل، عاجز، کمزور دل اور لاپرواہ ہے افعال میں غیبت یہ ہے کہ ایسے کاموں کا ذکر کیا جائے جن کا دین سے تعلق ہے جیسے تم کہو کہ وہ چور ہے، جھوٹا ہے، شراب خور ہے، خیانت کرنے والا یا ظالم ہے نماز یا زکوٰۃ میں سستی کرنے والا ہے یا یہ کہ رکوع اور سجدہ اچھی طرح نہیں کرتا، نجاستوں سے نہیں بچتا، ماں باپ کے ساتھ حُسن سلوک نہیں کرتا زکوٰۃ صحیح مقام پر ادا نہیں کرتا یا

اس کی تقسیم صحیح طریقے پر نہیں کرتا یا یہ کہ اپنے روزے کو گناہوں، غیبت اور لوگوں کی عزتوں میں دخل اندازی سے نہیں بچاتا۔
اور دنیا سے متعلق افعال میں غیبت کی صورت یہ ہے کہ وہ زیادہ باادب نہیں ہے، لوگوں کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرتا ہے اپنے آپ پر کسی دوسرے کا حق نہیں جانتا یا یہ کہ وہ دوسروں پر اپنا حق ہی سمجھتا ہے یا یہ کہ وہ گفتگو بہت زیادہ کرتا ہے بہت کھاتا ہے بہت سوتا ہے بے وقت سوتا ہے ہر جگہ بیٹھ جاتا ہے۔
کپڑوں سے متعلق غیبت کی صورت شاید یہ ہے کہ اس کی آستین بہت کھلی ہے دامن لمبا ہے اور کپڑے میلے ہیں۔
بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ دین میں غیبت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اسی بات کی مذمت کر رہا ہے جس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے کی ہے گناہوں کے حوالے سے اس کا ذکر کرنا اور اس طرح مذمت کرنا جائز ہے۔ کیوں کہ ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت کا ذکر کیا گیا کہ وہ بہت زیادہ نمازیں پڑھتی ہے اور زیادہ روزے رکھتی ہے لیکن اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو اذیت پہنچاتی ہے آپ نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گی۔ (۱)
ایک دوسری عورت کا ذکر کیا گیا کہ وہ بخیل ہے آپ نے فرمایا اس کے بعد کوئی بھلائی نہیں ہے (۲)
(بعض لوگوں کا) یہ استدلال باطل ہے کہ وہ حضرات اس لئے ان باتوں کا ذکر کرتے تھے کہ سوال کے ذریعے احکام معلوم کرنے کی حاجت ہوتی تھی ان کی غرض دوسروں کی عیب جوئی نہیں تھی اور اس کی حاجت بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے علاوہ نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کی دلیل اجماع امت ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کے بارے میں ایسی بات ذکر کرتا ہے جسے وہ پسند نہیں کرتا تو یہ شخص غیبت کرنے والا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی جو تعریف کی ہے یہ اس میں داخل ہے اور ان تمام باتوں میں اگر وہ سچا بھی ہو تو بھی غیبت کرنے والا ہے وہ اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے اور اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھاتا ہے اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف ہے آپ نے فرمایا۔

هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ۔ — کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟

صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔
آپ نے فرمایا۔

ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُهُ۔ — تم اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرو جسے وہ ناپسند کرتا ہے

عرض کیا گیا اگر وہ بات جو میں کہتا ہوں اس میں موجود ہو تو (کیا حکم ہوگا)؟
آپ نے فرمایا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۴۰ مرویات ابو ہریرہ
(۲) کتاب الزہد والرقائق ص ۲۵۷ حدیث ۴۳

إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ ۔ (۱)

اگر وہ بات جو تم کہہ رہے ہو اس میں پائی جاتی ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں نہ ہو تو تم اس پر بہتان باندھا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا ذکر کیا گیا تو صحابہ کرام نے کہا وہ بہت عاجز ہے آپ نے فرمایا تم نے اپنے بھائی کی غیبت کی ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے وہی بات کہی ہے جو اس میں پائی جاتی ہے آپ نے فرمایا اگر تم ایسی بات کہتے جو اس میں نہیں ہے تو تم اس پر بہتان باندھتے۔ (۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اس کا قد چھوٹا ہے آپ نے فرمایا تم نے اس کی غیبت کی ہے۔ (۳)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں دوسرے آدمی کا ذکر تین طرح ہوتا ہے غیبت، بہتان اور جھوٹ — اور ان تینوں کا ذکر قرآن پاک میں ہوا ہے۔ غیبت یہ ہے کہ تم اس بات کا ذکر کرو جو اس میں پائی جاتی ہے، بہتان ایسی بات کا ذکر ہے جو اس میں نہیں پائی جاتی، اور جھوٹ (افک) وہ بات کہنا جو تم تک پہنچی ہو (اور تم نے اس کی تحقیق نہیں کی)

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے ایک شخص کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وہ آدمی سیاہ فام ہے پھر فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس کی غیبت کی ہے۔ حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنا ہاتھ آنکھ کے نیچے رکھا اور زبان سے لفظ بھینگا نہیں کہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے میں نے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک عورت کے بارے میں کہا کہ اس عورت کا دامن لمبا ہے تو آپ نے فرمایا "پھینکو پھینکو" تو میں نے گوشت کے ٹکڑے کی قے کی۔ (۴)

غیبت زبان کے ساتھ خاص نہیں ہے

جان لو! زبان سے (کسی کا غلط اندازہ میں) ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں دوسرے لوگوں کو اپنے بھائی کے نقص سے آگاہ کرنا اور اس طرح اس کی تعریف کرنا ہے جسے وہ پسند نہیں کرتا اس سلسلے میں اشارۃً گفتگو، صریح گفتگو کی طرح ہے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۸۴ مرویات ابوہریرہ

(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۹۴ کتاب الادب

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۰۶ مرویات عائشہ

(۴) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۰۶ کتاب الادب

اور نعل، قول جیسا ہے اشارہ کرنا، آنکھ مارنا لکھنا اور حرکت کرنا وغیرہ تمام ایسے طریقے جن سے مقصود سمجھ آتا ہو غیبت میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے آپ فرماتی ہیں ہمارے پاس ایک عورت آئی جب وہ واپس جانے لگی تو میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس کا قد چھوٹا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کی غیبت کی ہے۔ (۱)

نقل کرنا بھی اس میں داخل ہے مثلاً وہ لنگڑا کر چلتا ہے یا جس طرح وہ دوسرا شخص چلتا ہے تو یہ غیبت ہے بلکہ غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ اس کے ذریعے دوسرے کی تصویر کشی زیادہ ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک عورت کی نقل اتارتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

مَا يَسُرُّنِي أَنِّي حَاكَيْتُ إِنْسَانًا وَلِي كَذَا وَكَذَا۔ (۲)

مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں کسی شخص کی نقل اتاروں اور مجھے فلاں فلاں چیز حاصل ہو

اسی طرح کتابت کے ذریعے بھی غیبت ہوتی ہے کیونکہ قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے اور کسی آدمی کا اپنی تصنیف میں کسی معین شخص کا ذکر کرنا اور اس کے کلام کی برائی بیان کرنا غیبت ہے۔ البتہ اس کے ذکر کے لیے کوئی حاجت ہو تو جائز ہے اس کا بیان آئے گا اگر یوں کہے کہ کچھ لوگ اس طرح کہتے ہیں تو یہ غیبت نہیں ہے غیبت کسی معین شخص کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کا نام ہے وہ زندہ ہو یا مردہ ـــــ یہ بھی غیبت ہے کہ کہے وہ بعض لوگ جن کا آج میرے پاس گزر ہوا یا جن بعض لوگوں کو ہم نے دیکھا لیکن یہ اس صورت میں غیبت ہوگی جب مخاطب اس سے کسی معین شخص کے بارے میں سمجھ جائے کیوں کہ اسے یہ بات سمجھانا ہی منع ہے۔ جس کی وجہ سے سمجھایا جا رہا ہے وہ منع نہیں ہے۔

لیکن جب کسی معین شخص کا علم نہ ہو رہا ہو تو جائز ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے تو فرماتے۔

مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَفْعَلُوْنَ كَذَا وَكَذَا۔ (۳)

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ فلاں فلاں کام کرتے ہیں۔

آپ کسی کو نشانہ بنا کر نہیں فرماتے تھے اگر تم کہو کہ بعض وہ لوگ جو سفر سے واپس آئیں یا جو علم کا دعویٰ کرتے ہیں اگر ان کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے کسی معین شخص کا علم ہوتا ہو تو یہ بھی غیبت ہے غیبت کی سب سے بری قسم وہ ہے جو

---

(۱) الدر المنثور جلد ۶ ص ۹۴ تحت آیت لا یغتب بعضکم بعضاً

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۸۹ مرویات عائشہ

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۴ کتاب الادب

پڑھے لکھے ریاکار لوگ کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنا مقصود بھی ظاہر کریں اور غیبت سے بچے بھی رہیں حالانکہ وہ جہالت کی وجہ سے نہیں جانتے کہ وہ دو برائیوں کو جمع کرتے ہیں ایک غیبت اور دوسری ریاکاری۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب ان لوگوں کے سامنے کسی شخص کا ذکر کیا جائے تو وہ کہتے ہیں الحمدللہ ہمیں حاکموں سے کوئی غرض اور تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ہم دنیا کے لیے ان کے سامنے ذلیل ہوتے ہیں۔ یا وہ کہتے ہیں ہم قلتِ حیا سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری حفاظت فرمائے۔ حالانکہ ان کا مقصد دوسروں کے عیب ظاہر کرنا ہوتا ہے تو وہ اسے دعا کے صیغے سے ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات وہ اس شخص کی تعریف بھی کرتے ہیں جس کی غیبت کرنا چاہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ فلاں کے احوال کتنے اچھے ہیں وہ عبادات میں کوتاہی نہیں کرتا لیکن وہ ایسی بات میں مبتلا ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں اور وہ صبر کی کمی ہے تو اس طرح وہ اپنا ذکر کر کے اس کے ضمن میں دوسروں کی مذمت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو نیک لوگوں کے ساتھ تشبیہ دے کر اپنی مدح کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنے نفس کی مذمت کرتے ہیں تو یہ شخص غیبت بھی کرتا ہے ریاکاری بھی اور اپنی پاکیزگی بھی بیان کرتا ہے۔ یوں وہ تین خطائیں جمع کرتا ہے اور یہ سب کچھ جہالت کی وجہ سے کرتا ہے اپنے آپ کو نیک لوگوں میں شمار کرتا ہے اور بنتا ہے کہ وہ غیبت سے بچنے والا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان جاہلوں کے ساتھ کھیلتا ہے جب وہ علم کے بغیر عبادت میں مشغول ہوتے ہیں وہ ان کا پیچھا کرتا ہے اور اپنے مکروفریب سے شیطان ان کے اعمال کو ضائع کرتا ہے ان پر ہنستا ہے اور ان کا مذاق اڑاتا ہے۔

ان کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کسی مجلس میں ایک شخص کے عیب ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں سبحان اللہ کہتے تعجب کی بات ہے تاکہ لوگ اس کی طرف کان دھریں اور سمجھ جائیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کر کے اپنی خباثت کو ثابت کرنے کے لیے اسے آلہ بناتا ہے اور وہ جہالت اور دھوکے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر اس کے ذکر کا احسان جتانا چاہتا ہے اسی طرح وہ کہتا ہے کہ ہمارے دوست کی جو بے عزتی ہوتی ہے ہمیں اس کا بہت دکھ ہوا ہے ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے راحت عطا فرمائے حالانکہ وہ اظہار غم اور دعا کرنے میں جھوٹ بولتا ہے اگر وہ اس کے لیے دعا کرنا چاہتا تو علیحدگی میں نماز کے بعد اس کے لیے دعا کرتا اور اگر اسے اس کا غم ہوتا ہے تو ناپسندیدہ بات کے اظہار پر بھی غم ہوتا۔

اسی طرح وہ کہتا ہے کہ یہ بیچارہ بہت بڑی آفت میں پھنس گیا ہے اللہ تعالیٰ اس کی اور ہماری توبہ قبول فرمائے وہ ان تمام صورتوں میں بظاہر دعا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے دل میں پوشیدہ خباثت پر مطلع ہے اور وہ اس کے مخفی ارادے کو بھی جانتا ہے وہ اپنی جہالت کی وجہ سے نہیں جانتا کہ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ اگر ظاہر ہو تو جاہل لوگ بھی اس سے پرہیز کریں۔

غیبت سننے پر خوش ہونا اور اس کی طرف کان لگانا بھی غیبت ہے وہ اس لیے خوشی اور تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ

غیبت کرنے والا خوش ہوتا ہے اور زیادہ غیبت کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے گویا وہ اس طریقے سے اس سے غیبت کرواتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے تعجب ہے ہم تو اسے ایسا نہیں جانتے تھے میں تو اسے اب تک اچھا آدمی سمجھتا رہا ہوں تو اسے کچھ اور ہی سمجھتا رہا اللہ تعالیٰ ہمیں اس آزمائش سے بچائے۔ یہ سب کچھ غیبت کرنے والے کی تصدیق ہے اور غیبت کی تصدیق بھی غیبت ہوتی ہے بلکہ خاموش رہنے والا بھی غیبت میں شریک ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمُسْتَمِعُ اَحَدُ الْمُغْتَابِیْنَ۔ (۱) غیبت سننے والا بھی غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہوتا ہے

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے فرمایا کہ فلاں شخص بہت سوتا ہے پھر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سالن مانگا تاکہ روٹی کھائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو سالن کھا چکے ہو انہوں نے عرض کیا ہمیں تو اس کا علم نہیں آپ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں تم دونوں نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے ـــ (۲)

تو دیکھو کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو اس مسئلے میں جمع کیا حالانکہ ایک نے غیبت کی اور دوسرے نے اسے سنا۔

اسی طرح حضرت ماعز کے سلسلے میں آپ نے دونوں سے فرمایا کہ یہ مردار دانتوں سے نوچو (۳) حالانکہ ان میں سے ایک نے کہا تھا کہ یہ اس جگہ کتے کی طرح مارا گیا اور دوسرے نے سنا لیکن سننے والا بھی غیبت کے گناہ سے بچ نہیں سکتا ہاں زبان سے اس کو رد کرے یا ڈرنے کی صورت میں دل سے برا سمجھے تو اسے گناہ نہیں ہوگا۔

اور اگر وہ ایسی مجلس سے اٹھ سکتا ہے یا گفتگو کا رُخ بدل سکتا لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو اس پر بھی گناہ لازم ہوئے گا اور اگر زبان سے کہے کہ خاموش ہو جاؤ لیکن دل سے سننا چاہتا ہے تو یہ منافقت ہے اور جب تک دل سے برا نہ جائے گناہ سے باہر نہیں ہوگا اور صرف ہاتھ کے اشارے سے خاموش کرانا کافی نہ ہوگا یا یہ کہ اپنے ابروؤں اور پیشانی سے اشارہ کرے کیونکہ یہ سستی اور اس بات کو معمولی سمجھنے کی علامت ہے بلکہ اسے سختی کے ساتھ اور واضح الفاظ سے روکنا چاہیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اُذِلَّ عِنْدَهٗ مُؤْمِنٌ فَلَمْ یَنْصُرْهُ وَهُوَ جس شخص کے پاس کسی مومن کو ذلیل کیا جا رہا ہو اور وہ

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۲۶ ترجمہ ۲۲۴

(۲) الدر المنثور جلد ۶ ص ۹۵ تحت آیت لا یغتب بعضکم بعضاً

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۵۲ کتاب الحدود

يَقْدِرُ عَلَى نَصْرِهٖ اَذَلَّہُ اللّٰہُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ۔ (۱)

طاقت کے باوجود اس کی مدد نہ کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اسے رسوا کرے گا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ بِالْغَيْبِ كَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّرُدَّ عَنْ عِرْضِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)

جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت کا تحفظ کرے اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر واجب ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کی عزت کی حفاظت فرمائے۔

آپ نے یہ فرمایا۔

مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ بِالْغَيْبِ كَانَ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (۳)

جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی بیٹھ پیچھے اس کی عزت کا تحفظ کرے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ وہ اسے جہنم سے آزاد کر دے۔

غیبت کے وقت مسلمان کی مدد سے متعلق یہ احادیث ہیں اور اس عمل کی فضیلت میں بے شمار احادیث آئی ہیں جنہیں ہم نے آدابِ صحبت اور حقوقِ مسلمین کے ضمن میں ذکر کیا ہے دوبارہ ذکر کر کے بات کو طول دینا نہیں چاہتے۔

اسبابِ غیبت:

غیبت پر ابھارنے والی باتیں بہت زیادہ ہیں لیکن ان سب کا مجموعہ گیارہ اسباب ہیں ان میں سے آٹھ عام لوگوں میں پائے جاتے ہیں اور تین اسباب اہلِ دین اور خاص لوگوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

آٹھ اسباب میں سے پہلا سبب غصہ نکالنا ہے جب کسی بات سے دوسرے آدمی پر غصہ آئے تو وہ اس کی برائیوں کا ذکر کر کے اپنے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے لہٰذا فطری طور پر زبان اس طرف چلی جاتی ہے اگر وہاں دینی رکاوٹ نہ ہو اور بعض اوقات وہ غصہ نکال نہیں سکتا تو اسے اندر ہی اندر رکھتا ہے تو اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی برائی بیان کرنے کا سبب بنتا ہے، تو کینہ اور غصہ غیبت کے بڑے بڑے اسباب میں سے ہیں۔

دوسرا سبب دوستِ احباب کی موافقت ہوتی ہے کہ ان کی ہاں میں ہاں ملائی جائے جب وہ لوگوں کی عزتوں پر حملہ آور ہوں کام و دہن کی تواضع کرتے ہیں تو یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس نے ان پر اعتراض کیا یا مجلس سے اٹھ گیا تو وہ اس

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۸۷ مرویات ابوامامہ بن سہل

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۴۹ مرویات ابوالدرداء

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۶۱ مرویات اسماء بنت یزید

حرکت کو بہت محسوس کریں گے اور اس سے نفرت کا اظہار کریں گے لہٰذا وہ ان کی موافقت کرتا ہے اور اسے حُسنِ معاشرت خیال کرتا ہے اور اس کا خیال ہوتا ہے کہ اچھی صحبت کا تقاضا ہے بعض اوقات اس کے ساتھیوں کو غصہ آتا ہے اور یہ بھی ان کی وجہ سے غصے میں آجاتا ہے تاکہ خوشی اور تکلیف دونوں صورتوں میں ان کے ساتھ شریک ہو اس طرح وہ دوسروں کے عیب بیان کرنے اور برائی کرنے میں ان کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے غیبت کا تیسرا سبب یہ ہے کہ وہ سمجھتا کہ دوسرا شخص عنقریب اس کے پیچھے پڑے گا اور کسی بڑے عزت دار آدمی کے سامنے اس کی برائی بیان کر کے اسے ذلیل کرے گا یا اس کے خلاف گواہی دے گا تو یہ اس سے پہلے ہی اس کی برائی شروع کر دیتا ہے تاکہ اس کی گواہی بے اثر ہو جائے یا شروع میں اس کے بارے میں سچی بات کہتا ہے اور پھر جھوٹ بولنا شروع ہو جاتا ہے تو اس طرح ابتداءً سچ بول کر جھوٹ کے لیے راستہ ہموار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جھوٹ بولنا میری عادت نہیں ہے میں تو فلاں شخص کے حالات سے تم لوگوں کو آگاہ کر رہا ہوں وہ اسی طرح ہے جس طرح میں کہتا تھا۔

غیبت کا چوتھا سبب یہ ہے کہ جب کوئی عیب اس کی طرف منسوب ہوتا ہے تو وہ اپنی برأت ظاہر کرنے کے لیے کہتا ہے کہ فلاں نے بھی یہ کام کیا حالانکہ اسے تو صرف اپنی برأت بتانا چاہیئے تھی دوسرے کا عمل ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ اس کی طرف نسبت کرنی چاہیئے تھی یا وہ یوں کہتا کہ فلاں شخص بھی اس کام میں میرے ساتھ شریک تھا تاکہ اپنی طرف سے عذر پیش کر سکتا۔

پانچواں سبب تصنّع اور دوسروں پر فخر کرنا ہے وہ دوسروں کے عیب بیان کر کے اپنے آپ کو بلندی کی طرف لے جانا چاہتا ہے وہ کہتا ہے فلاں شخص جاہل ہے اس کی سمجھ ناقص ہے اور کلام کمزور ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کے ضمن میں اپنی بڑائی بیان کرے اور ان کو دکھائے کہ وہ سب سے زیادہ علم رکھتا ہے یا اس کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اس دوسرے شخص کی تنظیم بھی اسی طرح نہ کی جائے جس طرح اس کی تعظیم ہوتی ہے لہٰذا وہ اس پر نکتہ چینی کرتا ہے غیبت کا چھٹا سبب حسد ہے وہ بعض اوقات اس آدمی سے حسد کرتا ہے جس کی لوگ تعریف کرتے ہیں اس سے محبت کرتے اور اس کی عزت کرتے ہیں تو وہ اس سے اس نعمت کا زوال چاہتا ہے اور اس کی طرف صرف نکتہ چینی کا راستہ پاتا ہے وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کی عزت نہ رہے تاکہ وہ اس کی تعریف و توصیف اور عزت کرنے سے ہاتھ کھینچ لیں کیونکہ جب وہ سنتا ہے کہ لوگ اس (دوسرے) شخص کی تعریف کرتے ہیں تو یہ اپنے اوپر بوجھ محسوس کرتا ہے وہ اس کی تعریف اور عزت کو برداشت نہیں کر سکتا یہ عین حسد ہے اور یہ غصے اور کینے کے علاوہ ہے کیونکہ غصہ اس آدمی کے خلاف جرم کرواتا ہے جس پر غصہ ہو لیکن حسد بعض اوقات محسن دوست اور مہربان دوست سے بھی کیا جاتا ہے۔

ساتواں سبب، کھیل، مذاق، خوش مزاجی اور ہنسی مذاق میں وقت گزارنا ہوتا ہے پس یہ دوسرے کے عیب ذکر کرتا ہے

اور ان کی نقل اتارتا ہے تاکہ لوگ ہنسیں اور یہ تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے ہوتا ہے۔
غیبت کا آٹھواں سبب تمسخر اور مذاق کرنا اور اس کو حقیر جاننا ہے یہ بات بعض اوقات سامنے ہوتی ہے اور مذاق کرنا اور اس کو حقیر جاننا ہے یہ بات بعض اوقات سامنے ہوتی ہے اور بعض اوقات پیٹھ پیچھے۔ اس کا باعث بھی تکبر اور اس شخص کو حقیر جاننا ہے جس کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔

جہاں تک دوسرے تین اسباب کا تعلق ہے جو خاص ہیں تو وہ نہایت باریک اور گہرے ہیں کیونکہ یہ ایسا شر ہے جسے شیطان نیکی کے راستے سے لاتا ہے اس میں بھلائی بھی ہے لیکن شیطان اس میں شر کو ملا دیتا ہے۔
ان میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ دین کے باعث کسی کی برائی اور خطا پر اس کا رد کر کے خود پسندی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے میں نے فلاں آدمی میں بہت عجیب بات دیکھی ہے، بعض اوقات وہ اس بات میں سچ پر ہوتا ہے اور برائی پر اس کا تعجب کرنا صحیح ہے لیکن اسے چاہیے تھا کہ وہ تعجب کرتے ہوئے کسی کا نام نہ لیتا۔ تو شیطان اظہارِ تعجب میں اسی دوسرے شخص کا نام اس کی زبان پر لاتا ہے۔ اس طرح وہ غیبت کا مرتکب ہوتا ہے اور غیر شعوری طور پر گناہ گار ہوتا ہے یہ بات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ کوئی شخص کہے مجھے فلاں آدمی پر تعجب ہے وہ کس طرح اپنی لونڈی سے محبت کرتا ہے حالانکہ وہ بدصورت ہے اور وہ کیسے فلاں آدمی کے سامنے بیٹھتا ہے حالانکہ وہ جاہل ہے۔
دوسرا سبب رحمت ہے وہ یوں کہ کوئی شخص کسی بات میں مبتلا ہو تو یہ اس پر غمگین ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں بے چارے کے معاملے اور آزمائش نے مجھے غمگین کر دیا ہے وہ اس دعوی میں سچا ہوتا ہے لیکن وہ اس کا نام لینے سے پرہیز نہیں کر سکا اس لیے وہ غیبت کا مرتکب ہوا اس کا غم اور رحمت تو بہتر ہے اسی طرح تعجب کرنا بھی، لیکن شیطان اسے ایسے شر کی طرف لے جاتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا اس پر رحم کھانا اور غم کا اظہار کرنا نام لیے بغیر بھی ہو سکتا ہے لیکن شیطان اسے نام لینے پر ابھارتا ہے تاکہ وہ غمگین ہوتے اور رحم کھانے کے ثواب سے محروم ہو جائے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ آئے کیونکہ بعض اوقات جب آدمی کسی کو برائی کرتے ہوئے دیکھتا یا سنتا ہے تو اسے غصہ آتا ہے چنانچہ وہ غصہ ظاہر کرتے ہوئے اس کا نام لیتا ہے حالانکہ اس پر لازم تھا کہ وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے ذریعے اس پر اپنا غصہ ظاہر کرتا۔ دوسروں پر ظاہر نہ کرتا یا اس کا نام چھپاتا اور برائی کے ساتھ اس کا ذکر نہ کرتا۔
غیبت کی یہ تین صورتیں نہایت پوشیدہ ہیں عوام تو درکنار علماء بھی ان سے آگاہ نہیں ہو سکتے ان کا خیال یہ ہے کہ تعجب، رحمت اور غضب جب اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو نام ذکر کرنے کے لیے عذر کی گنجائش ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے بلکہ غیبت کے لئے مخصوص ضرورتوں کے تحت اجازت ہے اور ان میں بھی نام ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ اس کا ذکر آئے گا۔
حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ (ظاہری) میں ایک

شخص کسی قوم کے پاس سے گزرا اور اس نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا جب وہ وہاں سے گزر گیا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے لئے اس شخص سے نفرت کرتا ہوں اہل مجلس نے کہا تم نے بری بات کہی ہے اللہ کی قسم ہم اسے بتائیں گے پھر انہوں نے اپنے ایک آدمی سے کہا اے فلاں! جاؤ اور اس شخص کو بتادو ان کے نمائندے نے اسے پایا اور تمام بات بتادی وہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور جو کچھ کہا سب کچھ بتادیا اور مطالبہ کیا کہ آپ اسے بلاکر پوچھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلاکر پوچھا تو اس نے کہا میں نے یہ بات کہی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس سے کیوں نفرت کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا میں اس کا پڑوسی ہوں اور مجھے اس کے بارے میں زیادہ خبر ہے قسم بخدا! میں نے اسے کبھی فرض نماز کے علاوہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے کیا اس نے مجھے فرض نماز میں تاخیر کرتے ہوئے دیکھا ہے یا میں نے وضوء میں کوئی کوتاہی کی ہے یا رکوع و سجود میں کوئی کمی کی ہے آپ نے پوچھا تو اس نے کہا میں نے نہیں دیکھا پھر اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے رمضان المبارک کے علاوہ روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اس مہینے کا روزہ تو ہر نیک و بد رکھتا ہے۔

پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! اس سے پوچھیں کیا میں نے کبھی رمضان شریف میں روزہ چھوڑا ہے یا روزے کے حق میں کوئی کمی کی ہے آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے عرض کیا نہیں۔

پھر اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے اسے نہیں دیکھا کہ اس نے زکوٰۃ کے علاوہ کسی مسکین یا کسی سائل کو کچھ دیا ہو یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ خرچ کیا ہو۔ زکوٰۃ تو ہر نیک اور بد ادا کرتا ہے اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس سے پوچھیں کیا اس نے مجھے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ یا میں نے کبھی اس میں ٹال مٹول سے کام لیا ہے آپ نے پوچھا تو اس نے کہا نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غیبت کرنے والے شخص سے فرمایا اٹھ جاؤ شاید وہ تم سے بہتر ہو۔ (۱)

غیبت سے زبان کو بچانے کا علاج

جان لو! تمام بری عادات کا علاج علم و عمل کے معجون سے کیا جاتا ہے اور ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کی ضد سے ہوتا ہے لہٰذا ہمیں اس کا سبب تلاش کرنا چاہیے۔

زبان کو غیبت سے روکنے کے دو طریقے ہیں ایک اجمالی اور دوسری تفصیلی ہے۔ اجمالی یہ ہے کہ اسے معلوم ہو کہ کسی شخص کی عزت کے پیچھے پڑنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس سلسلے میں وہ روایات ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۵۵ مرویات ابو الطفیل۔

اور اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ غیبت کی وجہ سے قیامت کے دن اس کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ کیونکہ اس کی نیکیاں اس شخص کی طرف منتقل ہو جائیں گی جس کی اس نے غیبت کی ہے۔ اور یہ اس بات کا بدلہ ہے جو اس نے اس کی عزت پر حملہ کیا ہے، اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو دوسرے شخص کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ناراضگی برقرار رہے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مردار کا گوشت کھانے والے کی طرح ہوگا۔ بلکہ گناہ کا پلڑا، نیکی کے پلڑے سے بھاری ہو تو بندہ جہنم میں داخل ہوتا ہے اور جب اس شخص کا جس کی غیبت کی ہے، ایک گناہ اس کی طرف منتقل ہوگا تو اس کا گناہوں والا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور یہ جہنم میں داخل ہوگا کم از کم درجہ یہ ہے کہ اس کے اعمال کا ثواب کم ہو جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب دوسرا شخص مطالبہ کرے گا اور سوال و جواب اور حساب و کتاب مکمل ہو جائے گا۔

مَا النَّارُ فِي الْيَبْسِ بِاَسْرَعَ مِنَ الْغِيْبَةِ فِي حَسَنَاتِ الْعَبْدِ۔ (۱)

آگ خشک لکڑیوں کو اتنی جلدی نہیں جلاتی جتنی جلدی غیبت بندے کی نیکیوں کو ختم کر دیتی ہے۔

ایک روایت میں ہے ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے آپ میری غیبت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا میرے نزدیک تمہاری قدر اتنی زیادہ نہیں ہے کہ میں اس کے لیے اپنی نیکیاں تمہارے حوالے کر دوں۔

تو جب آدمی غیبت سے متعلق روایات پر یقین رکھے گا تو خوف کے مارے وہ اپنی زبان نہیں کھولے گا اسے اس بات سے بھی فائدہ پہنچتا ہے کہ اپنے بارے میں غور کرے اگر اپنے آپ میں کوئی عیب پائے تو اس (کے دور کرنے) میں مشغول ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو یاد رکھے۔

آپ نے فرمایا۔

طُوْبٰى لِمَنْ شَغَلَهٗ عَيْبُهٗ عَنْ عُيُوْبِ النَّاسِ۔ (۲)

اس آدمی کے لیے خوشخبری ہے جسے اس کے عیب لوگوں کے عیبوں سے مشغول رکھیں۔

جب اپنے اندر کوئی عیب پائے تو اس بات سے حیا کرنا چاہیے کہ اپنی مذمت چھوڑ کر دوسروں کی مذمت کرے بلکہ اسے جاننا چاہیے کہ دوسرے آدمی کا اس عیب سے نہ بچ سکنا اسی طرح ہے جس طرح وہ خود نہیں بچ سکتا۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب عیب اس کے فعل اور اختیار سے متعلق ہو۔

اور اگر اس عیب کا تعلق اس کی خلقت سے ہے تو اس کی برائی بیان کرنا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف برائی کو منسوب

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۳۰۶ حدیث ۸۰۹

(۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۸۶۵ حدیث ۴۴۴۴۴

کرتا ہے کیونکہ جو آدمی کسی صنعت میں عیب نکالتا ہے وہ صانع کی خرابی بیان کرتا ہے۔
کسی شخص نے ایک دانا سے کہا اے برے چہرے والے!
اس نے جواب دیا کہ چہرے کا بنانا میرے اختیار میں نہیں تھا کہ میں اسے اچھا بناتا۔
جب اپنے اندر کوئی عیب نہ پائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور سب سے بڑے گناہ کے ساتھ اپنے آپ کو آلودہ نہ کرے کیوں کہ لوگوں کے عیب بیان کرنا اور مردار کھانا سب سے بڑا عیب ہے بلکہ اگر وہ انصاف سے کام لے تو اسے معلوم ہو جائے کہ اس کا یہ گمان کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے اپنے آپ سے بے خبری ہے اور یہ بھی بہت بڑا عیب ہے۔
آدمی کو یہ بات بھی نفع دیتی ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ غیبت کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے وہ اسی طرح ہے جس طرح دوسرے کی غیبت کرنے سے اسے تکلیف پہنچتی ہے جب وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کی غیبت کرے تو اسے چاہیے کہ جو کچھ اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرے یہ اجمالی علاج ہیں۔
ان کی تفصیل یہ ہے کہ وہ اس سبب کو تلاش کرے جو غیبت کا باعث بنا ہے کیونکہ بیماری کے علاج کے لیے اس کے سبب کو ختم کرنا پڑتا ہے اور ہم نے اسباب کا ذکر پہلے کر دیا ہے۔
غصے کا علاج آفات غضب کے باب میں آئے گا اس کو اس طرح سوچنا چاہیے کہ اگر میں اس پر غصہ نکالوں گا تو اللہ تعالیٰ غیبت کی وجہ سے مجھ پر غضبناک ہوگا کیوں کہ اس نے مجھے اس سے روکا اور میں نے اس کے منع کیے ہوئے کام پر جرأت کی، اور اس کی جھڑک کو معمولی سمجھا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ لِجَهَنَّمَ بَابًا لَا يَدْخُلُ مِنْهُ إِلَّا مَنْ شَفَى غَيْظَهُ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ۔ (۱)

بے شک جہنم کا ایک دروازہ ہے اس سے وہ لوگ داخل ہوں گے جو اپنے غصے کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے ٹھنڈا کرتے ہیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَنِ اتَّقَىٰ رَبَّهُ كَلَّ لِسَانَهُ وَلَمْ يَشْفِ غَيْظَهُ (۲)

جو شخص اپنے رب سے ڈرتا ہے وہ اپنی زبان کو روکے رکھتا ہے اور غصہ نہیں کھاتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد ۶ ص ۴۰۲۰، تحت

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۹۳ حدیث ۵۶۰۴

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَىٰ أَنْ يُمْضِيَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ رُؤُسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔ (۱)

جو شخص غصے پر عمل کرنے کی طاقت کے باوجود اسے پی جاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سب لوگوں کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کرے۔

انبیاء کرام پر نازل کردہ بعض کتب میں اس طرح آتا ہے اے ابن آدم! تم غصے کی حالت میں مجھے یاد رکھو میں حالتِ غضب میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور جن لوگوں کو تباہ کروں گا ان کے ساتھ تمہیں تباہ نہیں کروں گا۔

دوست احباب کی موافقت کے باعث غیبت کی ہو تو تمہیں یہ بات سوچنی چاہیے کہ جب تم مخلوق کی رضا جوئی کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرو گے تو وہ تم پر غضب ناک ہوگا تو کس طرح اس بات پر راضی ہوگا کہ تو دوسروں کی عزت کرے اور اپنے مالک کے حکم کو معمولی سمجھے اور ان کی رضا جوئی کے لیے اللہ تعالیٰ کے رضا کو چھوڑ دے ہاں اگر تمہارا غصہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو تو الگ بات ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس پر تمہیں غصہ آئے اس کا برائی کے ساتھ ذکر کرو بلکہ تمہیں چاہیے کہ جب تمہارے دوست اس کی برائی بیان کریں تو تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان پر غصہ کھاؤ کیونکہ انہوں نے بہت بڑے گناہ یعنی غیبت کے ذریعے تمہارے رب کی نافرمانی کی ہے دوسروں کی طرف خیانت کی نسبت کر کے اپنے آپ کو پاک قرار دینا جب کہ دوسرے کا ذکر کرنے کی حاجت بھی نہ ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ تم اس بات کو جان لو کہ خالق کی ناراضگی مول لینا مخلوق کی ناراضگی سے زیادہ سخت ہے اور غیبت کے ذریعے تم یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی حاصل کرتے ہو حالانکہ تم اس بات کو نہیں جانتے کہ لوگوں کی ناراضگی سے بچ جاؤ گے یا نہ (گویا یہ ایک وہمی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی یقینی ہے) تو تم دنیا میں وہمی بات سے بچنا چاہتے ہو اور آخرت کی ہلاکت قبول کرتے ہو، اور یوں حقیقتاً اپنی نیکیوں کو نقصان پہنچاتے ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذمت نقد حاصل کرتے ہو اور مخلوق کی مذمت کو دور کرنے کا انتظار ادھار پر اٹھا رکھتے ہو اور یہ انتہائی درجہ کی جہالت اور ذلت ہے۔

اور یہ عذر پیش کرنا کہ اگر میں حرام کھاتا ہوں تو کیا ہوا فلاں بھی تو کھاتا ہے اور اگر میں بادشاہ کا مال قبول کرتا ہوں تو فلاں شخص بھی قبول کرتا ہے یہ عذر جہالت ہے کیونکہ تم اس شخص کی اقتدا کر کے عذر پیش کرتے ہو جس کی اقتدا جائز نہیں۔

کیوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کی اقتدا نہیں کی جاتی وہ کوئی بھی شخص ہو۔ اگر دوسرا آدمی آگ میں جائے اور تم اس سے بچ سکتے ہو تو اس کی موافقت نہ کرو اور اگر تم اس کی موافقت کرو گے تو بیوقوف کہلاؤ گے۔

تو اپنا عذر پیش کرتے ہوئے جب تم دوسرے آدمی کا نام لیتے ہو تو اس میں دو گناہ ہیں ایک غیبت ہے اور دوسرا

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۸ مرویات معاذ بن انس

گناہ کا اضافہ، اور یوں تم دو گناہوں کو جمع کرکے اپنی جہالت اور کم عقلی پہ مہر لگاتے ہو اس وقت تم اس بکری کی طرح ہو جو ایک بکرے کو پہاڑ کی چوٹی سے گرتے ہوئے دیکھتی ہے تو اپنے آپ کو بھی گرا دیتی ہے اب اگر وہ بول سکے اور یوں عذر پیش کرے کہ بکرا مجھ سے زیادہ سمجھ دار تھا اس نے اپنے آپ کو گرایا تو میں نے بھی گرا دیا تو تم اس کی جہالت پر ہنسو گے اور تمہاری حالت بھی اس کی حالت جیسی ہے لیکن اس کے باوجود تم اپنے آپ پر نہ ہنستے ہو اور نہ ہی تعجب کرتے ہو۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تم اپنی پاکیزگی بیان کرنے اور زیادہ فضیلت کا اظہار کرنے کی خاطر دوسرے کی غیبت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو تمہارا مرتبہ تھا وہ چلا گیا اور لوگوں کا اعتقاد بھی متزلزل ہو گیا ہو سکتا ہے تمہارے بارے میں ان کا عقیدہ ناقص ہو جائے جب ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص لوگوں کی برائی بیان کرتا ہے تو یقینی طور پر تم نے مخلوق کے ہاں اپنی قدر کے بدلے اس قدر و منزلت کا سودا کر دیا جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل تھی۔

اور اگر لوگوں کے ہاں تمہاری کچھ قدر و قیمت ہوگی تو وہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی۔

جہاں تک حسد کی وجہ سے غیبت کرنے کا تعلق ہے تو یہ دو عذابوں کو جمع کرنا ہے کیونکہ جب تم دنیوی نعمت پر حسد کرو گے تو دنیا میں حسد کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہو گے اب تم نے اس پر ہی صبر نہ کیا بلکہ اس کے ساتھ آخرت کا عذاب بھی ملا لیا دنیا میں تو تم نے نقصان اٹھایا ہی تھا آخرت کے نقصان کو گلے لگا لیا۔

کیوں کہ تم دو سزاؤں کو جمع کر رہے ہو تم دوسرے آدمی کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے لیکن اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور اپنی نیکیوں کا تحفہ اسے پیش کر دیا اس صورت میں تم اس کے دوست اور اپنے دشمن ہو کیوں کہ تمہارا غیبت کرنا اسے نقصان نہیں دیتا بلکہ تمہیں نقصان اور اسے فائدہ پہنچاتا ہے کیونکہ تمہاری نیکیاں اس کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور اس کے گناہ تمہارے کھاتے میں جاتے ہیں اور تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا تم نے حسد کی خباثت کے ساتھ حماقت کی جہالت کو جمع کر دیا بلکہ بعض اوقات تمہارا حسد کرنا اور اس کی برائی بیان کرنا اس شخص کی فضیلت عام ہونے کا باعث بن جاتا ہے جیسے کہا گیا ہے شعر

وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ نَشْرَ فَضِيْلَةٍ — جب اللہ تعالیٰ کسی ایسی فضیلت کو پھیلانا چاہتا ہے جو پوشیدہ

طُوِيَتْ اَتَاحَ لَهَا لِسَانَ حَسُوْدٍ — ہو گئی تھی تو اس کے لیے حاسدین کی زبان کو چلا دیتا ہے

جہاں تک مذاق اڑانے کا تعلق ہے تو اس سے تمہارا مقصد دوسرے آدمی کو لوگوں کے سامنے رسوا کرنا ہوتا ہے لیکن تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے ذلیل و رسوا کرتے ہو۔ اگر تم سوچتے کہ قیامت کے دن نہیں کس قدر حسرت ہوگی تمہارا جرم، شرمندگی اور ذلت کس قدر ہوگی کہ اس دن تم اس شخص کے گناہوں کو اٹھائے ہوئے جہنم کی طرف چلائے جاؤ گے تو تم اپنے مخالف کو ذلیل رسوا کرنے سے باز آجاؤ گے اور اگر تمہیں اپنی حالت کا علم ہو جائے تو تمہیں اپنے اوپر ہنسنا زیادہ مناسب معلوم ہوگا تم نے تھوڑے لوگوں کے سامنے تمہارا ہاتھ پکڑ کر لے جائے گا اور اس کے گناہ تم نے اٹھائے ہوں گے جس طرح گدھے کو ہانکا جاتا ہے اس وقت وہ شخص تمہارا مذاق

اڑانے ہوئے اور خوش ہوتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر قابو دیا اور تجھ سے انتقام پر قادر کیا، تمہیں جہنم کی طرف لے جائے گا۔

کسی شخص کے گناہ کی وجہ سے اس پر رحم کھانا اچھی بات ہے لیکن ابلیس نے تمہیں حسد میں مبتلا کر کے گمراہ کیا اور تم سے وہ باتیں کروائیں کہ تمہاری نیکیاں اس کی طرف منتقل ہو گئیں اور یہ اس رحمت سے زیادہ ہے جو تم اس پر کر رہے ہو۔ اس طرح اب وہ شخص قابلِ رحم نہیں رہا بلکہ اب تم قابلِ رحم بن گئے ہو کیوں کہ تمہارا اجر ضائع ہو گیا اور نیکیاں کم ہو گئیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے کسی پر غصہ آنا بھی غیبت کا موجب نہیں بنتا بلکہ شیطان غیبت کو تمہارا محبوب بناتا ہے تاکہ تمہارے اس غصے کا ثواب چلا جائے اور غیبت کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا شکار بن جاؤ۔

اور اگر تعجب کی وجہ سے تم غیبت کرتے ہو تو اپنے آپ پر تعجب کرو کہ کس طرح تم نے دوسرے کے دین یا دنیا کی وجہ سے اپنے آپ کو اور اپنے دین کو ہلاک کیا پھر مزید یہ کہ تم دنیا کے عذاب سے بھی محفوظ نہیں ہو کیوں کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارا پردہ کھول دے جس طرح تم نے تعجب کے طور پر اپنے بھائی کی پردہ دری کی ہے۔

تو ان تمام صورتوں کا علاج معرفت ہے اور اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ یہ سب ایمان کے باب میں ان پر جس کا ایمان مضبوط ہو گا اس کی زبان لامحالہ غیبت سے رکی رہے گی۔

دل سے غیبت بھی حرام ہے:

جان لو! بدگمانی اسی طرح حرام ہے جس طرح زبان سے برائی کرنا حرام ہے جس طرح تم پر یہ بات حرام ہے کہ تم اپنی زبان سے دوسروں کی برائیاں بیان کرو تمہیں اس بات کا حق بھی نہیں پہنچتا کہ تم دل میں کوئی بات کرو اور اپنے بھائی کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جاؤ اور اس سے میری مراد دل کا کینہ ہے اور دل سے اسے برا سمجھنا ہے جہاں تک خیالات کا تعلق ہے تو وہ معاف ہیں بلکہ شک بھی معاف ہے لیکن بدگمانی سے منع کیا گیا ہے اور گمان وہ ہوتا ہے جس کی طرف دل کا جھکاؤ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۔ (۱)

اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔

اس کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دل کے بھیدوں کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جب تک کسی شخص کی برائی تم اس طرح ظاہر نہ دیکھو کہ اس میں تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اس وقت تک اس کے بارے میں برائی کا عقیدہ نہ رکھو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۲

اس وقت تمہارے لیے اس معلوم بات اور جس کا مشاہدہ ہوا، کے اعتقاد کے بغیر کوئی راستہ نہیں ہے لیکن جس بات کو تم نے آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ ہی کانوں سے سنا پھر وہ بات تمہارے دل میں آگئی تو یہ شیطان نے ڈالی ہے لہٰذا اسے جھٹلانا چاہیے کیونکہ یہ سب سے بڑا فسق ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ۔ (۱)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تصدیق کرو کہیں تم جہالت میں کسی قوم کو نقصان نہ پہنچاؤ۔

لہٰذا ابلیس کی تصدیق جائز نہیں اور اگر وہاں کوئی ایسی بات بھی ہو جو فساد پر دلالت کرتی ہو اور اس کے خلاف احتمال رکھتی ہو تو اب اس کی تصدیق کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے فاسق اپنی خبر میں سچا ہو لیکن اس کی تصدیق کرنا جائز نہیں۔

اگر کسی شخص کے منہ سے شراب کی بُو آتی ہو تو اس کو حد لگانا جائز نہیں کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے اس نے شراب کے ساتھ کلی کی ہو اور پی نہ ہو یا اس کو زبردستی پلائی گئی ہو تو ان تمام باتوں میں احتمال پر مبنی دلالت ہے لہٰذا دل کے ساتھ ان کی تصدیق جائز نہیں ہے اور نہ ہی مسلمان کے بارے میں بدگمانی کی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنَ الْمُسْلِمِ دَمَهُ وَمَالَهُ وَأَنْ يُظَنَّ بِهِ ظَنَّ السَّوْءِ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون، مال اور اس کے بارے میں بدگمانی کو حرام قرار دیا ہے۔

لہٰذا بدگمانی جائز نہیں مگر ایسے طریقے پر جس کے ذریعے مال حاصل کرنا جائز ہوتا ہے اور وہ مشاہدہ ہے یا عادل گواہوں کی گواہی ——— اگر یہ بات نہ ہو بلکہ محض بدگمانی کے وسوسے پیدا ہوں تو تمہیں چاہیے کہ ان کو اپنے آپ سے دُور کر دو اور اس بات پر مضبوطی سے قائم رہو کہ اس شخص کا حال تم سے پوشیدہ ہے اور تم نے اس سے جو کچھ دیکھا ہے اس میں خیر و شر دونوں کا احتمال ہے۔

اگر تم کہو کہ بدگمانی کے بارے میں کیسے معلوم ہو گا حالانکہ شکوک انگڑائیاں لیتے ہیں اور نفس میں باتیں پیدا ہوتی ہیں؟ تو ہم کہتے ہیں سُوئے ظن کی علامت یہ ہے کہ اس کے بارے میں تمہاری قلبی حالت بدل جائے اور تمہیں اس سے کچھ نفرت ہو جائے اب تم اس کو ایک بوجھ سمجھو اس کی رعایت اور اکرام اور اس کے بارے میں غم وغیرہ سب میں سستی پیدا

---

(۱) قرآن مجید سورہ حجرات آیت ۶

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۰، ابواب الفتن

ہو جائے تو گمان پیدا ہونے کی یہ علامات ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ فِی الْمُؤْمِنِ وَلَہٗ مِنْھُنَّ مَخْرَجٌ فَمَخْرَجُہٗ مِنْ سُوْءِ الظَّنِّ اَنْ لَا یُحَقِّقَہٗ (۱)

مومن میں تین باتیں ایسی ہیں کہ ان سے نکلنے کا راستہ موجود ہے بدگمانی سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ اسے پکا نہ ہونے دے۔

یعنی اپنے دل میں اسے جگہ نہ دے نہ کسی عمل کے ذریعے اس کا اظہار کرے اور نہ اعضاء کو اس کے ساتھ پکا کرے۔ دل میں پکا ہونا یہ ہے کہ اس سے نفرت پیدا ہو جائے اعضاء میں اس کے جمنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے موجب کے مطابق عمل کیا جائے شیطان بعض اوقات معمولی حیلے سے لوگوں کی برائیاں دلوں میں ہلکی کر دیتا ہے اور اسے یہ باور کراتا ہے کہ یہ تمہاری سمجھ داری اور سرعت فہمی ہے اور مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ شیطان کے دھوکے اور اس کے اندھیرے کے ساتھ دیکھتا ہے۔

لیکن جب تمہیں کوئی عادل خبر دے اور تمہارا گمان اس کی تصدیق کی طرف مائل ہو جائے تو تم معذور قرار پاؤ گے کیونکہ اگر تم اسے جھٹلاتے ہو تو اس عادل پر ظلم کرنے والے قرار پاؤ گے کیونکہ تم نے اسے جھوٹ گمان کیا اور یہ بھی بدگمانی ہے لہذا ایک کے بارے میں اچھا گمان اور دوسرے کے بارے میں بدگمانی ہوگی البتہ تمہیں غور و فکر کرنا چاہیے کہ کیا ان دونوں کے درمیان کوئی عداوت حسد اور عناد تو نہیں ہے کہ تہمت وغیرہ کا دخل ہو شریعت نے تہمت کی وجہ سے ایک عادل باپ کی گواہی اولاد کے حق میں قبول نہیں کی اسی طرح دشمن کی گواہی بھی رد کر دی ایسی صورت میں تمہیں توقف کرنا چاہیے اگرچہ وہ عادل ہو نہ اسے سچا کہو اور نہ جھوٹا۔ (۲)

البتہ دل میں کہو کہ اس کا جو حال مجھے بتایا گیا ہے میرے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کے پردے میں ہے مجھے معلوم نہیں بلکہ وہ پہلے کی طرح ہے ابھی تک میرے سامنے منکشف نہیں ہوا۔

بعض اوقات ایک شخص ظاہری طور پر عادل ہوتا ہے اس کے اور مذکور شخص کے درمیان حسد بھی نہیں ہوتا لیکن اس کی عادت ہے کہ وہ لوگوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور ان کی برائیاں بیان کرتا ہے تو اسے عادل خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ عادل نہیں ہوتا کیونکہ غیبت کرنے والا فاسق ہوتا ہے اور اگر یہ اس کی عادت ہو تو اس کی گواہی رد کر دی جاتی ہے لیکن عام عادت کی وجہ سے لوگ غیبت کے معاملے میں سستی کرتے ہیں اور لوگوں کی برائی بیان کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۳ ص ۲۲۸ حدیث ۳۲۲۷

(۲) جامع الترمذی ص ۴۳۴ ابواب الشہادت

اور جب تمہارے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں برا خیال پیدا ہو تو اس کی رعایت میں اضافہ کرنا اور اس کے لیے دعا خیر کرنی چاہیے اس سے شیطان کو غصہ آتا ہے اور وہ تم سے دور ہو جائے گا، اور وہ اس ڈر سے کہ کہیں تم دعا اور اس شخص کی رعایت میں مشغول نہ ہو جاؤ شیطان تمہارے دل میں برا خیال نہیں ڈالے گا۔

اور جب تمہیں کسی مسلمان کی غلطی دلیل سے معلوم ہو تو پوشیدگی میں اس کو نصیحت کرو اور شیطان تمہیں دھوکہ دے کر اس کی غیبت میں مبتلا نہ کرے اور اسے نصیحت کرتے ہوئے بھی اس کی کوتاہی پر خوشی کا اظہار نہ کرو تاکہ وہ تمہیں تعظیم کی نگاہ سے دیکھے اور تم اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھو اور وعظ شروع کرتے وقت اپنی بلندی ظاہر کرو لیکن تمہارا مقصد اسے گناہ سے چھڑانا ہو اور تم اس طرح غمگین ہو جس طرح اپنے دینی نقصان پر غم کھاتے ہو۔

اور چاہیے کہ تمہیں اس کا نصیحت کے بغیر گناہ چھوڑنا نصیحت کے ساتھ چھوڑنے سے زیادہ پسند ہو۔ جب تم یہ بات اختیار کرو گے تو وعظ کا ثواب اور اس کے گناہ پر غمگین ہونے کا ثواب حاصل کرو گے اس کے علاوہ اس کے دین پر مدد کا ثواب بھی پاؤ گے بدگمانی کا نتیجہ تجسس ہوتا ہے کیونکہ دل محض گمان پر صبر نہیں کرتا بلکہ تحقیق طلب کرتا ہے اور تجسس میں مشغول ہوتا ہے اور یہ بھی منع ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجَسَّسُوْا۔ (۱) اور (دوسروں کے معاملات کی) ٹوہ نہ لگاؤ۔

تو غیبت، بدگمانی اور جاسوسی ایک ہی آیت میں منع کی گئی ہیں تجسس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے پردے کے نیچے نہ چھوڑا جائے اور پردہ ہٹانے اور مطلع ہونے کی کوشش کی جائے حتیٰ کہ وہ اس بات پر مطلع ہو جائے کہ جو چھپی رہتی تو اس کا دل اور ایمان زیادہ محفوظ رہتا ہم نے امر بالمعروف کے بیان میں تجسس اور اس کی حقیقت بیان کی ہے۔

غیبت کی اجازت کب؟

جان لو! اگر دوسروں کی برائی بیان کرنے میں شرعی طور پر کوئی صحیح غرض ہو کہ اس کے بغیر اس تک نہ پہنچ سکیں تو اس صورت میں غیبت کا گناہ نہیں ہو گا۔ اور یہ چھ باتیں ہیں۔

۱۔ مظلوم کی دادرسی۔ جو شخص قاضی کے سامنے کسی کے ظلم، خیانت اور رشوت لینے کا ذکر کرتا ہے تو اگر وہ خود مظلوم نہ ہو تو وہ غیبت کرنے والا گناہ گار ہو گا لیکن جس شخص پر قاضی کی طرف سے ظلم ہوا ہو وہ بادشاہ کے ہاں انصاف طلب کر سکتا ہے اور اسے ظلم کی طرف منسوب بھی کر سکتا ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنا حق حاصل نہیں کر سکتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحجرات آیت ۱۲

نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا۔ (۱)

بے شک حق دار کو بات کرنے کا حق ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ۔ (۲)

مال دار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لِیُّ الْوَاجِدِ یُحِلُّ عُقُوْبَتَهٗ وَعِرْضَهٗ۔ (۳)

مالدار آدمی کا تاخیر کرنا اس کی سزا اور عزت کو حلال کر دیتا ہے۔

۲۔ برائی کو بدلنے اور گناہ گار کو اصلاح کی طرف لوٹانے کے لیے مدد طلب کرنا ۔۔۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور کہا گیا ہے کہ حضرت طلحہ رض کے پاس سے گزرے تو انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے یہ بات عرض کی حضرت ابو بکر صدیق تشریف لے گئے اور ان کی اصلاح کر دی ۔۔۔

تو یہ ان لوگوں کے نزدیک غیبت نہیں تھی اسی طرح جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ ابو جندل نے ملک شام میں شراب پی ہے تو انہوں نے ان کو لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ۔ (۴)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے، یہ کتاب غالب جاننے والے کی طرف سے اتاری گئی ہے وہ گناہ کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے (اور) وہ سخت عذاب والا ہے۔

چنانچہ انہوں نے توبہ کرلی تو جو بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچی انہوں نے اسے غیبت قرار نہیں دیا کیونکہ خبر پہنچانے والے کا مقصد اس کی برائی کو ظاہر کرنا تھا تاکہ آپ اسے نصیحت کریں کیونکہ جس قدر آپ کی نصیحت کارگر ہو سکتی تھی کسی دوسرے کی نصیحت اتنا کام نہ دیتی۔ تو اس غیبت کا جواز نیک نیتی کی وجہ سے ہے اور اگر یہ مقصد نہ ہو تو

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۰۹، کتاب الوکالۃ

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۸ کتاب المساقات

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۵۵ کتاب القضاء

(۴) قرآن مجید، سورۂ غافر آیت ۱ تا ۳

غیبت حرام ہے

۳۔ فتویٰ حاصل کرنا۔ جس طرح کوئی شخص کسی مفتی سے کہتا ہے کہ مجھ پر میرے باپ یا بیوی یا بھائی نے ظلم کیا ہے تو میں اس سے کس طرح بچ سکتا ہوں لیکن یہاں بہتر بات یہ ہے کہ کنایتاً کہے مثلاً یہ کہ آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس پر اس کا باپ یا بھائی یا بیوی ظلم کرتی ہو لیکن تعیین کردے تب بھی جائز ہے حضرت ہند بن عتبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت لگائی کہ ابو سفیان بخیل ہیں مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو تو کیا میں اس کی لاعلمی میں کچھ لے سکتی ہوں آپ نے فرمایا مناسب طریقے سے اس قدر لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو (۱) تو انہوں نے ان کا بخل اور ظلم ذکر کیا لیکن ان کا مقصد مسئلہ پوچھنا تھا اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھڑکا نہیں۔

۴۔ مسلمان کو برائی سے ڈرانا مقصود ہے جب تم کسی فقیہ کو دیکھو کہ وہ کسی بدعتی یا فاسق کے پاس جاتا ہے اور تمہیں ڈر ہو کہ اس کی بدعت اور فسق اس میں سرایت کر جائے گا تو تمہیں چاہیے کہ اس کی بدعت اور فسق اس پر ظاہر کر دو جب مقصد اس بدعت اور فسق کے سرایت کرنے کا خوف ہو کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔ کیونکہ یہ دھوکے کی جگہ ہے بعض اوقات اس بات کا باعث حسد ہوتا ہے اور شیطان اسے مخلوق پر شفقت کے روپ میں پیش کرتا ہے اسی طرح جب کوئی شخص غلام خریدے اور تمہیں معلوم ہو کہ وہ غلام چوری کرتا ہے یا فاسق ہے یا اس میں کوئی دوسرا عیب ہے تو تم اس کے عیب بتا سکتے ہو کیونکہ تمہاری خاموشی سے خریدار کو نقصان ہوگا اور بتانے میں غلام کا نقصان ہے اور خریدار کی رعایت زیادہ ضروری ہے۔

اسی طرح جب تزکیہ کرنے والے سے گواہ کے بارے میں پوچھا جائے تو اگر اس میں کوئی خرابی ہے تو وہ بتا سکتا ہے۔

اسی طرح اگر شادی کے سلسلے میں کسی سے مشورہ لیا جائے یا کسی کے پاس امانت رکھنے کے بارے میں رائے طلب کی جائے تو اسے چاہیے کہ مشورہ مانگنے والے کی خیر خواہی کے طور پر جو کچھ معلوم ہے بتادے دوسرے کی برائی مقصود نہ ہو۔

اگر اسے معلوم ہو کہ صرف منع کرنے سے وہ اس کے ساتھ نکاح کرنے سے باز رہے گا تو بتانا واجب ہے اور اتنی بات ہی کافی ہے اور اگر اسے معلوم ہو کہ جب تک اس کا عیب نہ بتایا جائے یہ باز نہیں آئے گا تو واضح الفاظ میں بتادے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَتَرْعَوْنَ عَنْ ذِكْرِ الْفَاجِرِ اَهْتِكُوْهُ حَتّٰى	کیا تم فاجر کا ذکر کرنے سے رکتے ہیں اس کا پردہ فاش
يَعْرِفَهُ النَّاسُ اُذْكُرُوْهُ بِمَا فِيْهِ حَتّٰى	کرو تاکہ لوگ اسے جان لیں اس میں جو خرابی ہے اس کا

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۰۸ کتاب النفقات

يَحْذَرَهُ النَّاسُ - (۱) ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔

اکابر بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ تین آدمیوں کی غیبت نہیں ہوتی ایک ظالم بادشاہ دوسرا بدعتی اور تیسرا ظاہری طور پر فسق کرنے والا۔

۵۔ کوئی شخص اپنے کسی عیب کے ساتھ معروف ہو جیسے لنگڑا، اور اندھا وغیرہ تو اس صورت میں جو کچھ کہا جائے گناہ نہیں ہو گا مثلاً ابو الزناد نے اعرج سے روایت کیا، (اعرج لنگڑے کو کہتے ہیں) سلمان نے اعمش سے روایت کیا (اعمش اندھے کو کہتے ہیں) اور یہ راویوں کے لقب ہیں) اس طرح کے دوسرے الفاظ بھی ہے علماء نے ضرورت پہچان کے تحت اس طرح کہا نیز اس کی یہ حیثیت بن گئی ہے کہ اگر اس کا ذکر کیا جائے تو اس شخص کو ناپسند نہیں ہوتا کیونکہ اب یہ مشہور ہو گیا۔

لیکن جب اس لفظ کو چھوڑ کر کسی دوسرے لفظ سے ذکر کرنا ممکن ہو تو اس کے ساتھ ذکر کرنا زیادہ مناسب ہے اسی لیے اندھے کو بصیر کہا جاتا ہے تاکہ نقصان کا ذکر نہ آئے۔

۶۔ وہ شخص کھلم کھلا فسق کا مرتکب ہو جیسے ہیجڑا، شراب کی مجلس قائم کرنے والا، ظاہراً شراب پینے والا اور ظلماً لوگوں کا مال لینے والا، یہ لوگ کھلم کھلا یہ کام کرتے ہوں اور اگر کوئی ان کی یہ برائی بیان کرے تو محسوس نہ کرتے ہوں اور نہ ہی ناپسندیدگی کا اظہار کریں۔ اب اگر تم ان کے ان گناہوں کا ذکر کرو تو کوئی حرج نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَلْقٰی جِلْبَابَ الْحَیَاءِ عَنْ وَجْھِہٖ فَلَا غِیْبَۃَ لَہٗ (۲) جو آدمی اپنے چہرے سے حیاء کی چادر ہٹا دے اس کی غیبت نہیں ہوتی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا فاجر کی کوئی عزت نہیں اور اس سے ان کی مراد ظاہراً گناہ کرنے والا ہے چھپ کر نہیں کیوں کہ چھپ کر کرنے والے کی عزت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

حضرت صلت بن طریف رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ایسا فاسق جو علانیہ گناہ کرتا ہے اگر میں اس کے عیب بیان کروں تو یہ غیبت ہو گی؟ فرمایا نہیں کیوں کہ اس کی کوئی عزت نہیں ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین آدمیوں کی غیبت نہیں ہوتی نفسانی خواہشات پر چلنے والا، ایسا فاسق جس کا فسق واضح ہو اور ظالم حاکم۔ یہ تینوں اپنے افعال کو ظاہر کرتے ہیں اور بعض اوقات فخر بھی کرتے ہیں تو وہ اس بیان

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۲۱۰ کتاب الشہادات

(۲) ایضاً

کو کیسے ناپسند کریں گے جب کہ وہ ظاہر کرنے کا ارادہ کرتے ہیں البتہ وہ عمل جو ظاہر نہیں کرتے ان کا ذکر کرنا گناہ ہے۔

حضرت عوف فرماتے ہیں میں حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس گیا تو ان کے پاس میں نے حجاج بن یوسف کو برا بھلا کہا انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والا حاکم ہے وہ حجاج کا بدلہ اس سے لے گا جو اس کی غیبت کرتا ہے جس طرح حجاج سے ان لوگوں کا بدلہ لیتا ہے جن پر وہ ظلم کرتا ہے۔ جب تم کل (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو گے تو تمہارا چھوٹا سا گناہ اس بڑے گناہ سے زیادہ شدید ہو گا جس کا ارتکاب حجاج کرتا ہے۔

غیبت کا کفارہ :

غیبت کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ نادم ہو، توبہ کرے اور اپنے فعل پر افسوس کا اظہار کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حق سے باہر آجائے پھر اس سے معافی مانگے جس کی غیبت کی ہے تاکہ زیادتی سے بری الذمہ ہو جائے اور جب معافی مانگے تو غمگین اور افسوس کرنے والا ہو نیز اپنے فعل پر نادم ہو کیونکہ ریا کار بعض اوقات اپنا تقویٰ ظاہر کرنے کے لیے معافی مانگتا ہے حالانکہ اندرونی طور پر وہ نادم نہیں ہوتا تو اس طرح وہ دوسرے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سلسلے میں اس کے لیے استغفار کافی ہے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كَفَّارَةُ مَنِ اغْتَبْتَهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُ ۔ تم جس کی غیبت کرتے ہو اس کے لیے بخشش مانگنا غیبت کا کفارہ ہے۔ (۱)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تم اپنے بھائی کا گوشت کھاؤ (غیبت کرو) تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کی تعریف کرو اور اس کے لیے بھلائی کی دعا مانگو۔

حضرت عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ سے غیبت سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس شخص کے پاس جاؤ جس کی غیبت کی ہے اور اس سے کہو میں نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ ہے میں نے تجھ پر زیادتی کی اور گناہ کیا ہے اگر چاہو تو اپنا حق لے لو اور چاہو تو معاف کر دو یہ زیادہ صحیح بات ہے۔

اور کسی قائل کا یہ کہنا کہ عزت کا کوئی عوض نہیں ہو سکتا لہٰذا اس سے معافی مانگنا جائز نہیں اور مال کا مسئلہ الگ ہے، تو یہ ضعیف بات ہے کیوں کہ عزت کے معاملے میں بعض اوقات حدِ قذف واجب ہوتی ہے اور اس کا مطالبہ ثابت ہوتا ہے بلکہ صحیح حدیث میں مروی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۷، ص ۳۰۳ ترجمہ ۳۸۱۶

مَنْ كَانَتْ لِأَخِيهِ عِنْدَهُ مَظْلَمَةٌ فِي عِرْضٍ أَوْ مَالٍ فَلْيَسْتَحِلَّهَا مِنْهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَيْسَ هُنَاكَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنَّمَا يُؤْخَذُ مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَزِيدَتْ عَلَى سَيِّئَاتِهِ۔ (۱)

"جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی پر اس کی عزت یا مال کے اعتبار سے زیادتی کی ہو تو اسے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے معافی مانگ لینی چاہیے جس دن اس کے ہیں دینار ہوں گے نہ درھم، اس کی نیکیوں میں سے نیکیاں لی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہوں میں سے گناہ لے کر اس کے گناہوں میں شامل کیے جائیں گے۔"

ایک عورت نے دوسری عورت کے بارے میں فرمایا کہ اس کا دامن لمبا ہے تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم نے اس کی غیبت کی ہے لہٰذا اس سے معافی مانگو تو معافی مانگنا ضروری ہے جب کہ اس پر قادر ہو اور اگر وہ دوسرا شخص غائب ہو یا فوت ہو چکا ہو تو اس کے لیے زیادہ سے زیادہ بخشش اور دعا مانگنی چاہیے اور اس کو نیکیوں کا ثواب بخشے۔

اگر تم کہو کہ کیا اس کے ذمہ بخشنا واجب ہے؟ تو میں کہتا ہوں واجب نہیں کیوں کہ یہ ایک احسان ہے اور احسان کرنا اچھا ہوتا ہے واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اور معافی مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کی اچھی طرح تعریف کرے اور اس سے دوستی لگائے اگر اس کا دل پھر بھی صاف نہ ہو تو اس کو عذر پیش کرنے اور دوستی لگانے کا ثواب ملے گا اور یہ ایک نیکی ہوگی جو قیامت کے دن اس غیبت کے مقابل ہوگی اور بعض بزرگ معاف نہیں کرتے تھے،

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو مجھ پر ظلم کرتا ہے میں اسے معاف نہیں کرتا اور حضرت ابن سیرین فرماتے تھے غیبت کو میں نے حرام نہیں کہ میں اس کو حلال کردوں اسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور جس کام کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ اسے معافی مانگنا چاہیے اس کا کیا مطلب ہوگا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال کرنا ناممکن ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب زیادتی کو معاف کر دینا ہے حرام کو حلال میں بدلنا نہیں ہے حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ غیبت سے پہلے اس کو حلال قرار دینا کیوں کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے لیے غیبت کو حلال قرار دے اگر تم کہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا کیا

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۳۳۱، ابواب المظالم

مطلب ہے آپ نے فرمایا۔

کیا تم میں سے کوئی ایک عاجز ہے کہ وہ ابوضمضم کی طرح ہو جائے جب وہ گھر سے نکلتے تو کہتے یا اللہ! میں نے اپنی عزت لوگوں پر صدقہ کر دی ‘‘ (۱)

تو عزت کو کیسے صدقہ کیا جاتا ہے؟ اور جو اسے صدقہ کرے کیا اس کو برا بھلا کہہ سکتے ہیں اور اگر اس کا صدقہ نافذ نہیں ہوتا تو اس کی ترغیب کا کیا مطلب ہے؟

ہم کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں قیامت کے دن اس سے مطالبہ نہیں کروں گا اور نہ اس سے جھگڑا کروں گا یہ مطلب نہیں کہ اس وجہ سے غیبت جائز ہو جائے گی اور اس سے گناہ ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ پہلے سے معاف کرنے کا کیا مطلب ہے؟

البتہ یہ ایک وعدہ ہے اور وہ اسے پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے کہ اس سے جھگڑا نہیں کرے گا اور اگر وہ اس بات سے رجوع کر کے جھگڑا کرے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ باقی حقوق کی طرح اس کا بھی اسے حق ہے۔ بلکہ فقہاء کرام نے وضاحت کی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو گالی دینا لوگوں کے لیے جائز قرار دے حد قذف کے سلسلے میں اس کا حق ساقط نہیں ہوتا اور آخرت کے حقوق دنیوی حقوق کی طرح ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ معاف کرنا افضل ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب قیامت کے دن تمام امتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکی ہوں گی تو آواز دی جائے گی کہ وہ شخص کھڑا ہو جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے تو صرف وہی لوگ کھڑے ہوں گے جو دنیا میں لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (۲)

عفو و درگزر اختیار کریں نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے بچتے رہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبریل یہ معاف کرنا کیا ہے انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے اسے معاف کریں جو قطع تعلق ہو اس سے صلہ رحمی کریں اور جو آپ کو نہ دے اس کو عطا کریں۔ (۳)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے ایک شخص نے ان سے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو انہوں

---

(۱) الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۳ ص ۹۳ ترجمہ ۱۶۴۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۹۹

(۳) الدر المنثور جلد ۳ ص ۱۵۳ تحت آیت خذ العفو

نے اس کے پاس کھجوروں کا ایک تھال بھیجا اور فرمایا مجھے معلوم ہوا کہ تم نے مجھے نیکیوں کا تحفہ دیا ہے تو میں اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں مجھے معذور سمجھو میں پوری طرح بدلہ نہیں دے سکتا۔

سولھویں آفت :

چغل خوری

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ۔ (۱) بہت نکتہ چین چغلیاں کھانے والا۔

اس کے بعد فرمایا :

عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ۔ (۲) اکھڑ مزاج ہے (اور) اس کے علاوہ بد اصل (نکلی) ہے

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں زنیم سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے باپ کا نہ ہو اور بات کو نہ چھپائے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص بات کو نہیں چھپاتا اور چغلی کھاتا ہے تو یہ اس کے ولدالزنا ہونے کی دلیل ہے، انہوں نے مذکورہ بالا آیت سے استدلال کیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔ (۳) ہر اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو طعنے دینے والا اور پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرنے والا ہے۔

کہا گیا ہے کہ "ھمزۃ" سے بہت زیادہ چغلی کھانے والا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ (۴) ایندھن (بوجھ) اٹھانے والی۔

کہا گیا ہے کہ اس سے چغلی کھانے والی عورت مراد ہے یعنی وہ باتیں اٹھائے پھرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔ (۵) پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی تو وہ دونوں اللہ کے مقابلے میں ان کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ القلم آیت ۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ القلم آیت ۱۳

(۳) قرآن مجید، سورۃ الھمزہ آیت ۱

(۴) قرآن مجید، سورۃ تبت یدا آیت ۴

(۵) قرآن مجید سورۃ تحریم آیت ۱۰

کہا گیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مہمانوں کے بارے میں لوگوں کو بتا دیتی اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے کہتی کہ آپ (حضرت نوح علیہ السلام) مجنون ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ نَمَّامٌ۔ (۱)
چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ (۲)
چغل خور جنت میں نہیں جائے۔

قتات کا معنیٰ بھی چغل خور ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَحَبُّکُمْ اِلَی اللّٰہِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا الْمُوَطَّئُوْنَ اَکْنَافًا الَّذِیْنَ یَاْلَفُوْنَ وَیُؤْلَفُوْنَ وَاِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَی اللّٰہِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِیْمَۃِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الْاِخْوَانِ الْمُلْتَمِسُوْنَ لِلْبُرَآءِ الْعَثَرَاتِ۔ (۳)

تم میں سے زیادہ پسندیدہ وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں دوسروں کے لیے اپنے بازو بچھانے والے ہیں وہ دوسروں سے اور دوسرے ان سے محبت کرتے ہیں اور تم میں سے سب سے برے وہ لوگ ہیں جو چغل خوری کرتے ہیں مسلمان بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈالتے ہیں اور بے گناہ لوگوں کے لیے الزامات تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

کیا میں تمہیں، تم میں سے برے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بتائیے آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِیْمَۃِ الْمُفْسِدُوْنَ بَیْنَ الْاَحِبَّۃِ الْبَاغُوْنَ لِلْبُرَآءِ الْعَیْبَ (۴)
وہ لوگ جو چغلی کھاتے ہیں دوستوں میں فساد ڈالتے ہیں اور بے عیب لوگوں میں عیب تلاش کرتے ہیں۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَشَاعَ عَلٰی مُسْلِمٍ کَلِمَۃً یَشِیْنُہٗ
جو شخص کسی مسلمان کے بارے میں کوئی بات ناحق طور

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۹۱ مرویات حذیفہ بن یمان

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۸۲ مرویات حذیفہ بن یمان

(۳) کنز العمال جلد ۳ ص ۵ احدیث ۵۱۹۹

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۵۹ مرویات اسماء بنت یزید

بِهَا بِغَيْرِ حَقٍّ شَانَهُ اللّٰهُ بِهَا فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۱)

پر پھیلاتا ہے تاکہ اسے عیب لگائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں عیب ناک کرے گا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَيُّمَا رَجُلٍ اَشَاعَ عَلٰى رَجُلٍ كَلِمَةً وَهُوَ مِنْهَا بَرِيٌّ يَشِينُهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُذِيبَهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي النَّارِ۔ (۲)

جو شخص کسی شخص کے بارے میں ایسی بات مشہور کرتا ہے جو اس میں نہیں پائی جاتی اور اس کا مقصد اس پر عیب لگانا ہے تو اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا ہے کہ اسے قیامت کے دن آگ میں جلادے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ شَهِدَ عَلٰى مُسْلِمٍ شَهَادَةً لَيْسَ لَهَا بِاَهْلٍ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (۳)

جو شخص کسی مسلمان پر ایسی گواہی دیتا ہے جو بات اس میں نہیں ہے تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہیے۔

کہا جاتا ہے کہ قبر کا تہائی عذاب چغلی کی وجہ سے ہوتا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا خَلَقَ الْجَنَّةَ قَالَ لَهَا تَكَلَّمِي فَقَالَتْ سَعِدَ مَنْ دَخَلَنِي فَقَالَ الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُهُ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَا يَكُنْ فِيكِ ثَمَانِيَةُ نَفَرٍ مِنَ النَّاسِ لَا يَسْكُنُكِ مُدْمِنُ خَمْرٍ وَلَا مُصِرٌّ عَلَى الزِّنَا وَلَا قَتَّاتٌ وَهُوَ النَّمَّامُ وَلَا دَيُّوثٌ وَلَا شُرْطِيٌّ وَلَا مُخَنَّثٌ وَلَا قَاطِعُ رَحِمٍ وَلَا الَّذِي يَقُولُ عَلَيَّ عَهْدُ اللّٰهِ اِنْ لَمْ اَفْعَلْ كَذَا وَكَذَا ثُمَّ لَمْ يَفِ بِهِ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ نے جب جنت کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا "بول" اس نے کہا جو میرے پاس آئے گا وہ خوش بخت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ آٹھ قسم کے لوگ تیرے اندر نہیں آئیں گے۔ (۱) ہمیشہ شراب پینے والا (۲) بار بار زنا کرنے والا (۳) چغلی خور (۴) بے غیرت (۵) پولیس والا (ظالم) (۶) ہیجڑا (جو بے حیائی کا مرتکب ہوتا ہے) (۷) رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا اور (۸) وہ شخص جو کہتا ہے کہ میرا اللہ تعالیٰ سے وعدہ ہے کہ میں فلاں کام کروں گا لیکن اس عہد کو پورا نہیں کرتا۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷ص ۱۰۷ حدیث ۹۶۵۸

(۲) ایضاً

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۰۹ مرویات ابو ہریرہ

(۴) کنز العمال جلد اول ص ۹۶۹ حدیث ۱۴۴۳

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی بار بارش کے لیے دعا مانگی لیکن بارش نہ ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ میں آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی دعا قبول نہیں کروں گا جب تک ان میں ایک چغل خور موجود ہے جو بار بار چغلی کھاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! وہ کون ہے مجھے اس کے بارے میں بتا دے تاکہ میں اسے اپنی جماعت سے باہر نکال دوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں چغل خوری سے منع کرتا ہوں تو کیا خود چغلی کھانے لگ جاؤں چنانچہ ان سب نے توبہ کی اور ان پر بارش نازل ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص، ایک حکیم کے پیچھے سات سو کوس (طویل) سفر طے کر کے گیا تاکہ اس سے سات باتیں سیکھے۔ جب اس کے پاس پہنچا تو کہا میں تیرے پاس علم کے لیے آیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کیا ہے آسمان سے بھاری چیز کیا ہے، زمین سے زیادہ چوڑی پتھر سے زیادہ سخت، آگ سے زیادہ گرم، زمہریر سے زیادہ ٹھنڈی، سمندر سے زیادہ بے پرواہ، یتیم سے زیادہ رسوا کون ہے۔ حکیم نے کہا مخلوق پر بہتان باندھنا آسمانوں سے زیادہ بھاری ہے حق، زمین سے زیادہ وسیع ہے، دل سمندر سے زیادہ بے پرواہ ہے حرص اور حسد آگ سے زیادہ جلانے والے ہیں کسی قریبی کی حاجت کو پورا نہ کرنا زمہریر سے زیادہ ٹھنڈا ہے، کافر کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے اور چغل خور کا حال جب ظاہر ہو جائے تو وہ یتیم سے زیادہ ذلیل ہے۔

چغلی کی تعریف اور اس کو دُور کرنے کیلئے کیا ضروری ہے

عام طور پر چغلی کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ ایک شخص کسی آدمی سے جا کر کہتا ہے کہ فلاں آدمی تمہارے بارے میں یہ کہتا تھا لیکن چغلی اسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ جس بات کو ظاہر کرنا ناپسندیدہ ہوا سے ظاہر کرنا چغلی ہے چاہیے وہ جس سے منقول ہے یا جس کی طرف وہ بات نقل کی گئی ہو وہ اسے پسند نہ کرے۔ یا کوئی تیسرا آدمی ناپسند کرے پھر برابر ہے وہ اظہارِ گفتگو کے ذریعے ہو یا کتابت کے ذریعے یا اشارے کے طور پر ہو جو کچھ نقل کیا گیا وہ عمل ہو یا بات جس سے نقل کی گئی وہ اس میں پایا جانے والا عیب اور نقص ہو یا نہ ۔ بلکہ چغلی کی حقیقت پوشیدہ بات کو ظاہر کرنا اور اس بات سے پردہ ہٹانا ہے جس کو ظاہر کرنا ناپسندیدہ ہے بلکہ ہر وہ انسانی حالت جسے آدمی ناپسند کرتا ہے اس سے خاموش رہنا چاہیئے سوائے اس کے جس کے بیان کرنے میں مسلمان کا فائدہ ہو۔ یا کسی مصیبت کو دور کرنا ہو جیسے کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو دوسروں کا مال کھاتا ہے تو اسے اس کے خلاف گواہی دینی چاہیئے تاکہ حقدار کو اس کا حق مل جائے لیکن جب اسے

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب، جلد ۳ ص ۲۲۳ ، حدیث ۲۹۶۵

اپنا ذاتی مال چھپاتے ہوئے دیکھے اور ذکر کرے تو یہ چغلی اور راز فاش کرنا ہے اور اگر وہ بات اس شخص کا عیب ہو جس کے بارے میں بیان کر رہا ہے تو اس نے غیبت اور چغلی دونوں کو جمع کیا تو چغلی کا باعث یا اس شخص کے بارے میں برا ارادہ ہے جس کی بات نقل کر رہا ہے یا اس سے محبت کا اظہار ہوتا ہے یا یہ کہ فضول اور باطل باتوں میں مشغول ہو کر خوش ہوتا ہے جب کسی شخص کے سامنے ایسی چغلی پیش ہو اور کہا جائے کہ فلاں شخص نے تمہارے بارے میں یہ بات کہی ہے یا تیرے حق میں فلاں کام کیا ہے یا وہ تیرے معاملے کو خراب کرنا چاہتا ہے اور وہ تیرے دشمن سے ساز باز کرتا ہے یا تیرے حال کو خراب کر رہا ہے یا اس قسم کی کوئی اور بات کہے تو اس آدمی پر (جس کے سامنے یہ باتیں کی گئی ہوں) چھ باتیں لازم ہیں۔

۱۔ وہ اس کی تصدیق نہ کرے کیونکہ چغل خور فاسق ہوتا ہے اور اس کی گواہی رد کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ۔ (۱)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تصدیق کر لیا کرو کہیں جہالت کی وجہ سے تم کسی قوم کو نقصان نہ پہنچاؤ۔

۲۔ اسے اس بات سے منع کر دے اور نصیحت کرے اور اس کے سامنے اس کے عمل کی برائی بیان کرے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ (۲)

اور نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اس سے بغض رکھے اور اس آدمی سے بغض رکھنے کو پسند کرے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔

۴۔ اپنے غائب بھائی کے بارے میں بدگمانی نہ کرو ارشاد خداوندی ہے۔

اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (۳)

بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

۵۔ جو کچھ تمہارے سامنے بیان ہو اس کی تحقیق میں نہ پڑو اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر چلو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ لقمان آیت ۱۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۲

وَلَا تَجَسَّسُوْا۔ (۱) اور دوسروں کے حالات کی تلاش نہ کرو۔

۶۔ جس چغلی سے تمہیں روکا گیا ہے اسے اپنے لیے پسند نہ کرو اور اس کی چغلی کو آگے بیان نہ کرو مثلاً یوں نہ کہو کہ فلاں نے مجھ سے اس طرح اس طرح بیان کیا ہے اس صورت میں تم خود چغل خور اور غیبت کرنے والے بن جاؤ گے۔ اور جس چیز سے تمہیں روکا گیا ہے خود تم اس کے مرتکب ہو رہے ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک شخص ان کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی بات ذکر کی آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ہم تمہارے معاملے میں غور کریں اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس آیت کے مصداق ہو گے۔

اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا۔ (۲) اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تصدیق کرو۔

اور اگر تم سچے ہو گئے تو اس آیت کے مصداق ہو گے۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ۔ (۳) بہت نکتہ چین چغلیاں کھانے والا

اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں معاف کر دیں اس نے عرض کیا امیر المومنین! معاف کر دیجئے آئندہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ ذکر کیا گیا ہے کہ کسی دانا آدمی کے ایک دوست نے اس سے ملاقات کی اور اس کے بعض دوستوں کے بارے میں کچھ بتایا اس دانا نے اس سے کہا تم نے دیر سے ملاقات کی اور تین برائیاں لائے ہو تم نے میرے بھائی کا بغض میرے دل میں ڈالا، میرے فارغ دل کو مشغول کر دیا اور اپنے اپنے نفس کو تہمت لگائی۔

منقول ہے کہ سلیمان بن عبدالملک بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس حضرت امام زہری رحمہ اللہ بھی تھے کہ ایک شخص آیا سلیمان نے اس سے کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم نے میرے بارے میں فلاں فلاں بات کہی ہے اس نے کہا میں نے کچھ بھی نہیں کہا سلیمان نے کہا مجھے تو ایک سچ بولنے والے نے بتایا ہے حضرت امام زہری نے اس سے فرمایا چغل خور سچا نہیں ہو سکتا سلیمان نے کہا آپ نے سچ فرمایا پھر اس شخص سے کہا تم سلامتی کے ساتھ جاؤ۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص تیرے پاس چغلی لاتا ہے وہ تیرے خلاف بھی چغل خوری کرتا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چغل خور ناپسند کیا جائے اور اس کی بات کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اور نہ ہی سچا جانا جائے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ حجرات آیت ۱۲

(۲) قرآن مجید سورۂ حجرات آیت ۶

(۳) قرآن مجید سورۂ القلم آیت ۱۱

اور اس سے نفرت کیسے نہ کی جائے جب کہ وہ جھوٹ، غیبت، دھوکے، خیانت، کھوٹ، حسد، منافقت اور لوگوں کے درمیان فساد بپا کرنے اور دھوکہ دہی کو نہیں چھوڑتا اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف لوگوں کو ملانے کی بجائے ان میں افتراق پیدا کرنے اور زمین میں فساد بپا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (۱)

بے شک مواخذہ ان لوگوں کا ہو گا جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں۔

اور چغل خور بھی ان لوگوں میں سے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ مِنْ شَرَارِ النَّاسِ مَنِ اتَّقَاهُ النَّاسُ لِشَرِّهِ۔ (۲)

بے شک لوگوں میں سے وہ لوگ برے ہیں جن سے لوگ محض ان کے شر کی وجہ سے بچتے ہوں۔

اور آپ نے فرمایا۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔

لوگوں میں تفریق ڈالنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

پوچھا گیا قاطع کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا کرتا ہے اور وہ چغلی کھانے والا ہے (۳)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص رشتہ داروں سے تعلق توڑتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے آپ کے سامنے دوسرے آدمی کی چغلی کی آپ نے فرمایا اے فلاں! جو کچھ تم نے کہا ہے ہم اس کے بارے میں پوچھ گچھ کریں گے اگر تم سچے ہوئے تو ہم تم سے ناراض ہوں گے اور اگر تم جھوٹے ہوئے تو تمہیں سزا دیں گے اور اگر تم چاہو تو اپنی بات واپس لے لو ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ اس نے کہا امیر المومنین! معاف کر دیجئے۔

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ مومن کی کونسی عادت اس کی قدر کو کم کرتی ہے؟ فرمایا زیادہ گفتگو کرنا راز فاش کرنا اور ہر ایک کی بات مان لینا۔

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عامر سے ان کے دور حکومت میں کہا مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ فلاں شخص نے آپ کو بتایا کہ میں نے آپ کے بارے میں غلط بات کہی ہے انہوں نے کہا ہاں اس نے کہا ہے پوچھا مجھے بتایئے اس نے کیا کہا ہے؟

---

(۱) قرآن مجید، سورہ شوریٰ آیت ۴۲

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۸ مرویات عائشہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۸۳ مرویات جبیر بن مطعم

تاکہ میں آپ کے سامنے اس کے جھوٹ کو واضح کر دوں انہوں نے کہا میں اپنی زبان سے اپنے آپ کو گالی دینا نہیں چاہتا مجھے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اس کی بات کی تصدیق نہ کروں اور تجھ سے تعلقات کو نہ توڑوں۔

بعض صلحاء کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے سامنے چغلی کی گئی تو انہوں نے فرمایا ان لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ لوگوں سے سچی بات سننا پسند کرتے ہیں اور چغلی کھانے والوں سے جھوٹی بات سنتے ہیں۔

حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے خیال میں چغلی پر یقین رکھنا چغلی کھانے سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ چغلی کھانا صرف بتانا ہے اور قبول کرنے میں اس کی اجازت ہے اور جو شخص کوئی بات بتائے وہ اس کی طرح نہیں جو اس کو قبول کرے اور جائز قرار دے پس چغل خوروں سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے اگر وہ اپنی بات میں سچا ہو تو بھی کمینگی سے خالی نہیں کیونکہ وہ حرمت کی حفاظت نہیں کرتا اور پردہ پوشی پر کاربند نہیں ہوتا۔

"سعایۃ" چغلی کو کہتے ہیں لیکن جس جانب سے ڈر ہو وہاں چغلی کھانا سعایت کہلاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلسَّاعِيْ اِلَى النَّاسِ لِغَيْرِ رُشْدٍ۔ (۱) لوگوں کی چغلی کھانے والا حلال زادہ نہیں ہے۔

ایک شخص سلیمان بن عبد الملک کے پاس گیا اور گفتگو کرنے کی اجازت مانگی اور کہنے لگا اے امیر المومنین! میں آپ سے کلام کرتا ہوں اسے سنیں اگرچہ ناپسند کریں کیوں کہ اگر اسے آپ پسند کریں گے تو اس کے پس منظر میں آپ کی پسندیدہ بات ہے سلیمان نے کہا کہو اس نے کہا اے امیر المومنین تجھے کچھ ایسے لوگوں نے گھیر رکھا ہے جنہوں نے اپنے دین کے بدلے تمہاری دنیا کو اور اپنے رب کی ناراضگی کے بدلے تمہاری رضا کو بدلیا ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تجھ سے ڈرتے ہیں لیکن تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہارے پاس بطور امانت رکھا ہے اس پر ان کو امانت دار نہ بنانا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت میں دیا ہے وہ ان کی حفاظت میں نہ دینا وہ امت کے دھنسنے اور امانت کے ضائع ہونے کی پرواہ نہیں کرتے وہ عزتوں کی بے حرمتی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ان کا سب بڑا عمل سرکشی اور چغل خوری ہے اور ان کا سب سے بڑا وسیلہ غیبت اور لوگوں کی عزتوں کے پیچھے پڑنا ہے —— ان کے جرائم کے بارے میں تجھ سے پوچھا جائے گا اور تمہارے جرم کے بارے میں ان سے سوال نہیں ہو گا لہذا اپنی آخرت کو خراب کر کے ان کی دنیا کو نہ سنوار و سب سے زیادہ نقصان وہ شخص اٹھاتا ہے جو دوسرے کی دنیا کے لیے اپنی آخرت کا سودا کرتا ہے۔

ایک شخص نے سلیمان بن عبد الملک کے پاس زیاد اعجم کی چغلی کھائی اس نے ان دونوں کو صلح کے لیے اکٹھا کیا

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۰۳ کتاب الاحکام

نوز بار نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
میں نے تمہارے پاس امانت رکھی تو تم نے خیانت کی ہمارے درمیان جو معاملہ تھا تو اس میں خیانت اور گناہ ہے درمیان ہے۔

ایک شخص نے عمرو بن عبید سے کہا کہ اسواری (ایک شخص) ہمیشہ تمہارا ذکر برے الفاظ سے کرتا ہے عمرو نے کہا اے بھائی! تم نے اس شخص کی مجلس کا خیال نہ رکھا کہ اس کی بات ہم تک پہنچادی اور نہ ہی تو نے میرا حق ادا کیا کہ میرے بھائی کی طرف سے مجھ تک وہ بات پہنچا دی جسے میں ناپسند کرتا ہوں لیکن خیر! اسے بتا دینا کہ موت ہم سب کو آئے گی، قبر میں ہم سب نے جانا ہے اور قیامت کے دن ہم اکٹھے ہوں گے اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

کسی چغل خور نے صاحب بن عباد کو ایک رقعہ لکھا جس میں بتایا کہ فلاں یتیم جو آپ کی پرورش میں ہے اس کے پاس بہت مال ہے اسے لے لیں انہوں نے کاغذ کی پشت پر لکھا چغلی کھانا بری بات ہے اگرچہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو اگر تم نے خیر خواہی کی نیت سے ایسا کیا ہے تو تمہارا نقصان نفع سے زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم ایسی بات کو قبول کریں جس میں پردہ فاش کیا گیا اگر تم سے عہد نہ کیا ہوتا تو تمہیں تمہارے عمل کی سزا دیتے اے ملعون! عیب سے بچو اللہ تعالیٰ غیب جانتا ہے اللہ تعالیٰ میت پر رحم فرمائے یتیم کو اس کا عوض عطا فرمائے اس کے مال میں اضافہ فرمائے اور چغل خور پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹا! میں تمہیں چند باتوں کی نصیحت کرتا ہوں اگر تم ان پر کاربند رہے تو ہمیشہ سردار رہو گے مخلوق سے اچھا سلوک کرو وہ قریبی ہوں یا دور کا تعلق ہو۔ عزت دار اور کمینے دونوں سے جہالت کو دور رکھو اپنے بھائیوں کی حفاظت کرو اور قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو چغل خور کی بات رد کر کے ان کو محفوظ رکھو اور کسی فسادی کی بات نہ سنو فریب دینے والے کی بات نہ مانو اور تمہارے دوست ایسے لوگ ہونے چاہئیں کہ جب تم ایک دوسرے سے علیحدہ ہو تو نہ تم ان کے عیب بیان کرو اور نہ وہ تمہارے عیب بیان کریں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ چغلی جھوٹ، حسد اور منافقت پر مبنی ہوتی ہے اور یہ باتیں ذلت کی بنیاد ہیں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ چغل خور جو بات نقل کرتا ہے اگر وہ صحیح ہو تو وہ تمہیں گالی دینے کی جرأت کرتا ہے اور جس سے وہ بات نقل کی گئی ہے وہ تمہاری بردباری کا زیادہ مستحق ہے کیوں کہ اس نے تمہارے سامنے گالی نہیں دی۔

خلاصہ یہ ہے کہ چغل خور کا گناہ بہت بڑا ہے اس سے بچنا چاہئے۔

حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں ایک شخص نے غلام بیچا اور خریدار سے کہا اس میں چغل خوری کے علاوہ کوئی عیب نہیں اس نے کہا مجھے منظور ہے چنانچہ اس نے خرید لیا غلام چند دن تو خاموش رہا پھر اپنے مالک کی بیوی سے کہنے لگا کہ میرا

آقا تجھے پسند نہیں کرتا اور وہ دوسری عورت لانا چاہتا ہے جب تمہارا خاوند سو رہا ہو تو اُسترے کے ساتھ اس کی گُدّی کے چند بال مونڈ لینا تاکہ میں کوئی منتر کروں اس طرح وہ تم سے محبت کرنے لگے گا پھر اس مرد سے کہا کہ تمہاری بیوی نے کسی کو دوست بنا رکھا ہے اور وہ تجھے قتل کرنا چاہتی ہے تم جھوٹ موٹ کے سو جانا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے وہ بناوٹی طور پر سو گیا تو عورت استرا لے کر آئی اس نے سوچا کہ وہ اسے قتل کر رہی ہے وہ اٹھا اور اس نے بیوی کو قتل کر دیا عورت کے گھر والے آئے تو انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس طرح دو قبیلوں کے درمیان لڑائی جاری ہو گئی ــــ ہم اللہ تعالیٰ سے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

سترھویں آفت:

دُو رُخی

ایسا شخص جو ایسے دو آدمیوں کے پاس جاتا ہے جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور ان میں سے ہر ایک سے اس کے موافق بات کرتا ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص دو عداوت والوں سے ملے اور اس قسم کی گفتگو نہ کرے۔ یہ بعینہ منافقت ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ كَانَ لَهٗ وَجْهَانِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۱)

جو شخص دنیا میں دو چہروں والا ہوتا ہے قیامت کے دن اس کی دو زبانیں آگ سے ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَجِدُوْنَ مِنْ شَرِّ عِبَادِ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ يَاْتِيْ هٰؤُلَاءِ بِحَدِيْثٍ وَهٰؤُلَاءِ بِحَدِيْثٍ۔ (۲)

قیامت کے دن تم اس شخص کو سب سے بڑا آدمی پاؤ گے جس کے دو چہرے ہیں ان لوگوں سے وہ اور بات کرتا ہے اور ان لوگوں سے دوسری بات۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اَلَّذِيْ يَاْتِيْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ (۳)

جو ان کے پاس اور چہرے کے ساتھ آتا ہے اور ان کے پاس دوسرے چہرے کے ساتھ آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۲ کتاب الادب
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۶ کتاب المناقب
(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۲ کتاب الادب

دو چہروں والا اللہ تعالیٰ کے ہاں امانت دار نہیں ہو سکتا۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ امانت باطل ہو گئی اور آدمی اپنے دوستوں سے دو مختلف زبانوں سے بات کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے آدمی کو ہلاک کرے گا جو دو مختلف زبانیں رکھتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَبْغَضُ خَلِیْقَۃِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الْکَذَّابُوْنَ وَالْمُسْتَکْبِرُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُکْثِرُوْنَ الْبُغْضَاءَ لِاِخْوَانِھِمْ فِیْ صُدُوْرِھِمْ فَاِذَا لَقُوْھُمْ تَمَلَّقُوْا لَھُمْ وَالَّذِیْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کَانُوْا بِطَاءً وَاِذَا دُعُوْا اِلَی الشَّیْطَانِ وَاَمْرِہٖ کَانُوْا سِرَاعًا۔ (۱)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے وہ لوگ سب سے زیادہ ناپسند ہوں گے جو جھوٹ بولتے ہیں اور تکبر کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے مسلمان بھائیوں سے دل میں بغض رکھتے ہیں جب ان سے ملتے ہیں تو خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں اور وہ لوگ کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ تاخیر کرتے ہیں اور جب شیطان اور اس کے حکم کی طرف بلایا جائے تو وہ جلدی کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم میں سے کسی کو "امّعہ" نہیں ہونا چاہیے پوچھا "امّعہ" کیا ہوتا ہے فرمایا وہ جو ہوا کے رُخ چلتا ہے (جدھر گیا ادھر کی بات کر کے مال حاصل کیا) اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ دو آدمیوں سے دو چہروں کے ساتھ ملاقات کرنا منافقت ہے اور منافقت کی بہت سی نشانیاں ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کا انتقال ہو گیا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک صحابی کا انتقال ہوا اور آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی انہوں نے فرمایا اے امیر المومنین! یہ ان (منافقوں) میں سے ہے آپ نے فرمایا میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں لیکن آپ کے بعد میں کسی اور کے بارے میں بے خوف نہیں ہوں گا۔ اگر تم کہو کہ کوئی شخص دو زبانوں والا ہوتا ہے اور اس کی حد کیا ہے؟ تو میں کہتا ہوں اگر ایسے دو آدمیوں کے پاس جائے جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور دونوں سے اچھی طرح ملاقات کرے اور سچی گفتگو کرے تو نہ منافق ہو گا اور نہ ہی دو زبانوں والا۔ کیوں کہ دو عداوت والوں سے دوستی ہو سکتی ہے اگرچہ یہ کمزور دوستی ہوتی ہے اخوات (بھائی چارے) تک نہیں پہنچتی کیونکہ جب دوستی پکی ہو تو دوست کے دشمن سے بھی دشمنی ہوتی ہے جب

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۷۰، حدیث ۴۳۹۷۵

طرح ہم نے صحبت واخوت کے بیان میں لکھا ہے۔
ہاں اگر وہ ان میں سے ہر ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے تو وہ دو زبانوں والا ہوگا اور یہ چغلی سے بدتر ہے کیونکہ ایک طرف کی بات نقل کرنے سے آدمی چغل خور ہو جاتا ہے تو جب دونوں طرف کی بات نقل کرے تو چغل خور سے بھی بدتر ہوگا اور اگر ان کی گفتگو نقل نہ کرے لیکن ان کی ایک دوسرے سے دشمنی کو اچھا قرار دے تو یہ دو زبانوں والا کہلائے گا اسی طرح جب دونوں سے مدد کا وعدہ کرے یا اس دشمنی پر ان کی تعریف کرے یا ایک کے پاس اس کی تعریف کرے اور جب باہر نکلے تو برائی بیان کرے تو یہ بھی دو زبانوں والا ہے لہذا یا تو خاموش رہنا چاہیے یا ان دونوں میں سے جو حق پر ہے اس کی تعریف کرے اور یہ تعریف اس کے سامنے بھی ہو، پیٹھ پیچھے بھی اور اس کے دشمن کے سامنے بھی۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ہم اپنے امراء کے پاس جاتے ہیں تو ایک بات کہتے ہیں لیکن جب باہر جاتے ہیں تو دوسری بات کہتے ہیں (تو اس کا کیا حکم ہے؟) انہوں نے فرمایا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسے منافقت قرار دیتے تھے۔ (۱)
بعض اوقات امیر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی لہذا آدمی اس کی تعریف سے بچ سکتا ہے تو جانے کی ضرورت نہ ہو لیکن جب جائے تو تعریف کرنا پڑے ورنہ ڈر رہتا ہے تو اب یہ منافقت ہوگی۔ کیونکہ اس نے خود اپنے آپ کو اس عمل کا محتاج بنایا ہے اور اگر تھوڑے مال پر قناعت کرکے بادشاہ کے پاس جانے سے بچ سکتا ہے زیادہ مال اور جاہ و مرتبے کو چھوڑ دے اور اب محض مقام و مرتبہ کے حصول اور زیادہ مال کے لیے جائے اور اس کی تعریف کرے تو بھی منافق ہوگا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا۔

حُبُّ الْمَالِ وَالْجَاهِ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ۔ (۲)
مال اور مرتبے کی محبت دل میں منافقت اس طرح پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزی اُگاتا ہے۔

کیونکہ ایسا آدمی امراء اور ان کی مراعات اور دکھاوے کا محتاج ہوتا ہے لیکن جب ضرورت کے تحت اس میں مبتلا ہو گیا اور اسے تعریف نہ کرنے کی صورت میں ڈر ہو تو وہ معذور ہے کیونکہ شر سے بچنا جائز ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم بعض لوگوں کے سامنے ہنس دیتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔
ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۲ ص ۴۲۰ حدیث ۱۳۵۸۴

(۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۲۲۰ حدیث ۴۰۶۶۷

کے لیے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا اسے اجازت دو یہ اپنی قوم کا بہت برا آدمی ہے جب وہ داخل ہوا تو آپ نے نہایت نرم گفتگو فرمائی جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے اس کے بارے میں وہ الفاظ فرمائے پھر اس سے نرم و ملائم گفتگو کی آپ نے فرمایا اے عائشہ!

اِنَّ شَرَّ النَّاسِ الَّذِیْ یُکْرَمُ اِتِّقَاءَ شَرِّہٖ۔ (۱) بے شک لوگوں میں سے سب برا آدمی وہ ہے جس کے شر کی وجہ سے اس کی عزت کی جائے۔

لیکن یہ حدیث متوجہ ہونے اور تبسم اور خوش اخلاقی سے پیش آنے کے بارے میں ہے جہاں تک تعریف کرنے کا تعلق ہے تو وہ واضح جھوٹ ہے اور یہ ضرورت کے بغیر جائز نہیں یا اسے مجبور کیا جائے یہاں تک کہ اس کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہو جائے جیسا کہ ہم نے جھوٹ بولنے کی آفت کے سلسلے میں ذکر کیا ہے بلکہ کسی بھی باطل کلام پر تعریف کرنا، اس کی تصدیق کرنا اور اس کی تائید میں سر ہلانا جائز نہیں اگر ایسا کرے گا تو منافق ہوگا بلکہ اس پر اعتراض کرنا چاہیے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے خاموشی اختیار کرے اور دل سے برا جانے۔

اٹھارھویں آفت:

تعریف کرنا

بعض مقامات پر تعریف کرنا منع ہے اور مذمت کرنا تو غیبت ہے اور ہم اس کا حکم ذکر کر چکے ہیں تعریف کرنے میں چھ آفات ہیں چار آفات کا تعلق تعریف کرنے والے سے ہے اور دو کا ممدوح سے، جہاں تک تعریف کرنے والے کا تعلق ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ وہ حد سے بڑھ کر تعریف کرے یہاں تک کہ جھوٹ تک پہنچ جائے۔ حضرت خالد بن معدان فرماتے ہیں جو شخص اپنے حکمران یا کسی دوسرے شخص کی تعریف لوگوں کے سامنے کرتا ہے حالانکہ وہ بات اس میں نہیں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے یوں اٹھائے گا کہ اس کی زبان میں لکنت ہوگی۔

دوسری آفت یہ ہے کہ وہ اس میں ریاکاری کو داخل کرتا ہے وہ تعریف کرتے ہوئے محبت کا اظہار کرتا ہے اور بعض اوقات اسے چھپاتا بھی نہیں لیکن جو کچھ وہ کہتا ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ اس طرح وہ ریاکار منافق ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہ تحقیق کے بغیر گفتگو کرتا ہے اور اسے اس پر اطلاع نہیں ہوتی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی تو آپ نے اس سے فرمایا۔ تجھ پر ہلاکت ہو تم نے اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی اگر وہ سن لیتا تو کامیابی حاصل نہ کرتا اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۸ مرویات عائشہ

اِنْ کَانَ اَحَدُکُمْ لَا بُدَّ مَادِحًا اَخَاہُ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ وَلَا اُزَکِّیْ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا اِنْ کَانَ یَرٰی اَنَّہٗ کَذٰلِکَ۔ (۱)

اگر تم میں سے کسی نے کسی شخص کی تعریف ضرور کرنا ہو تو یوں کہے کہ میں فلاں کو اس طرح سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ پر کسی کی پاکیزگی بیان نہ کرے اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو گا اگر وہ اسے اسی دیکھے گا۔

یہ آفت ان اوصاف کے ساتھ تعریف پر مشتمل ہے جو دلائل سے معلوم ہوتے ہیں جیسے تم کہو کہ وہ متقی ہے، پرہیزگار ہے، زاہد ہے اور اچھا انسان ہے اور اس قسم کی دوسری صفات کا ذکر کرو۔

لیکن جب تم کہو کہ میں نے رات کے وقت اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے میں نے اسے صدقہ کرتے اور حج کرتے دیکھا ہے تو یہ یقینی امور ہیں۔ وہ اوصاف جو مخفی ہیں مثلاً وہ عادل ہے راضی رہنے والا ہے تو جب تک اس کے باطن کا علم نہ ہو قطعی طور پر کچھ نہ کہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے سنا وہ کسی دوسرے شخص کی تعریف کر رہا تھا آپ نے پوچھا کیا تم نے اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں فرمایا کیا خرید و فروخت اور دیگر معاملات میں اس کے ساتھ واسطہ پڑا ہے؟ عرض کیا نہیں فرمایا کیا تم صبح شام اس کے پڑوس میں گزارتے ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میرے خیال میں تم اسے نہیں جانتے۔

چوتھی آفت یہ ہے کہ وہ ممدوح کو خوش کرتا ہے حالانکہ وہ ظالم یا فاسق ہے اور یہ بات جائز نہیں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَغْضَبُ اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ (۲)

جب فاسق کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص ظالم کے لیے لمبی زندگی کی دعا مانگتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی نافرمانی کو پسند کرتا ہے ظالم اور فاسق کی مذمت کرنی چاہیے تاکہ اسے افسوس ہو تعریف نہ کی جائے کہ وہ خوش ہو۔

ممدوح کو دو طرح نقصان ہوتا ہے ایک یہ کہ اس میں تکبر اور خود پسندی آجاتی ہے اور یہ دونوں باتیں ہلاکت میں ڈالتی ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس آپ کا درہ بھی رکھا ہوا تھا صحابہ کرام آپ کے اردگرد تشریف فرما تھے اتنے میں جارود بن منذر آئے ایک شخص نے کہا یہ ربیعہ قوم

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۵ کتاب الادب

(۲) شعب الایمان جلد ۴ ص ۲۳۰ حدیث ۴۸۸۵

کا سردار ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور تمام اہل مجلس نے یہ بات سُنی جارود نے بھی سُن لیا جب وہ قریب آیا تو آپ نے اس کو آہستہ آہستہ دُرہ مارا اس نے کہا امیر المومنین! کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا تم نے وہ بات نہیں سنی اس نے کہا میں نے سنا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ اس سے تمہارے دل میں کوئی شیخی وغیرہ پیدا ہو تو میں نے تمہارے نفس کو پست کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ اس کی اچھی تعریف کرتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے نفس پر راضی ہوگا اور اس وجہ سے اس کی کوشش میں کمی آجائے گی زیادہ محنت وہ کرتا ہے جو اپنے اندر کمی دیکھتا ہے لیکن جب زبانوں پر تعریفی کلمات ہوں تو وہ سمجھتا ہے کہ میں کامل ہو چکا ہوں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ لَوْسَمِعَهَا مَا أَفْلَحَ۔ (۱)

تم نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی اگر وہ اسے سنتا تو کامیابی نہ پاتا۔

پھر فرمایا۔

إِذَا مَدَحْتَ أَخَاكَ فِي وَجْهِهٖ فَكَأَنَّمَا أَمْرَرْتَ عَلٰى حَلْقِهٖ مُوسٰى رَمِيضًا۔ (۲)

جب تم اپنے بھائی کے منہ پر اس کی تعریف کرو تو گویا تم نے اس کے حلق پر تیز اُسترا چلایا۔

اسی طرح آپ نے ایک شخص کو تعریف کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

عَقَرْتَ الرَّجُلَ عَقَرَكَ اللّٰهُ۔

تم نے اس شخص کے پاؤں کاٹ دیئے اللہ تعالیٰ تیرے پاؤں کاٹے (کونچ کاٹنے کو عقر کہتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

حضرت مطرف فرماتے ہیں میں نے جب بھی تعریف سنی اپنے آپ کو ہلکا اور چھوٹا سمجھا زیاد بن ابی مسلم فرماتے ہیں جو شخص اپنی تعریف سنتا ہے تو شیطان اسے شیخی اور تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے لیکن مومن اس سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں حضرات نے صحیح فرمایا زیاد نے جو کچھ ذکر کیا وہ عوام کا دل ہے اور جو کچھ حضرت مطرف نے بیان فرمایا وہ خواص کا دل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْمَشٰى رَجُلٌ إِلٰى رَجُلٍ بِسِكِّيْنٍ مُرْهَفٍ كَانَ خَيْرًا لَهٗ مِنْ أَنْ يُثْنِيَ عَلَيْهِ فِي وَجْهِهٖ۔

اگر کوئی شخص تیز چھری لے کر کسی آدمی کی طرف جائے؛ تو وہ اس بات سے بہتر ہے کہ اس کے سامنے اس کی تعریف کرے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۵۱ مرویات ابو بکرہ

(۲) کتاب الزھد والرقائق ص ۱۴ حدیث ۵۲

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی کی تعریف کرنا اسے ذبح کرنا ہے یہ اس لیے کہ جس آدمی کو ذبح کر دیا گیا اس کے اعمال ختم ہو گئے اور تعریف اعمال میں کمی پیدا کرتی ہے یا اس لیے کہ تعریف خود پسندی اور تکبر پیدا کرتی ہے اور یہ دونوں ذبح کی طرح ہیں اس لیے ذبح کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

اگر تعریف کرنے کی وجہ سے تعریف کرنے والے اور ممدوح دونوں میں یہ باتیں نہ پائی جائیں تو تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بعض اوقات تعریف کرنا بہتر ہوتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ بِاِیْمَانِ الْعَالَمِ لَرَجَحَ۔ (۱)

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کو تمام دنیا کے ایمان سے تولا جائے تو یہ بھاری ہوگا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا۔

لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ یَا عُمَرُ۔ (۲)

اگر مجھے نبوت نہ ملتی تو اے عمر! آپ نبی ہوتے۔

اس سے بڑھ کر کیا تعریف ہو سکتی ہے۔

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ سچ بھی ہے اور بصیرت پر مبنی بھی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اس بات سے بہت بلند تھا کہ ان میں تکبر، خود پسندی اور کوتاہی پیدا ہوتی۔

بلکہ آدمی کا خود اپنی تعریف کرنا قبیح ہے کیونکہ اس میں تکبر اور دوسروں پر فخر کرنا پایا جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ (۳)

میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا جس طرح لوگوں کا اپنی تعریف سے یہ مقصد ہوتا ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے قرب پر تھا اولاد آدم اور ان پر مقدم ہونے کی وجہ سے نہ تھا جس طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا مقبول ہو تو وہ اس قبولیت پر فخر کرتا ہے اور اسی پر خوش ہوتا ہے۔ اس بات پر فخر نہیں کرتا کہ وہ بعض رعایا پر مقدم ہے۔

ان آفات کی تفصیل سے ہم اس بات پر قادر ہیں کہ تعریف کی مذمت اور اس کی ترغیب دونوں کو جمع کریں۔

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد ۴ ص ۱۵۱۸ ترجمہ عبداللہ بن عبدالعزیز

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۳۷۲ حدیث ۵۱۲۷

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۳۵، ۴۳۶ مرویات ابوہریرہ

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعض فوت شدہ لوگوں کی تعریف کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی[1]
حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسانوں کے لیے فرشتوں میں سے کچھ ہمنشین ہوتے ہیں جب کوئی مسلمان، دوسرے مسلمان بھائی کا بھلائی کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تمہارے لیے بھی اس کی مثل ہے۔ اور جب اس کا ذکر برائی کے ساتھ کرتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں اے آدم کے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے تیرا پردہ رکھا اب اپنے اپنے نفس کو روکو اور اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کر جس نے تیری پردہ پوشی کر رکھی ہے — تو تعریف کی یہ آفات ہیں۔

ممدوح کے نقصانات

جان لو! ممدوح (جس کی تعریف کی جائے) کو تکبر اور خود پسندی کی آفت اور اعمال میں کوتاہی کی آفت سے بچنا چاہیے اور اس سے نجات صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے جب وہ اپنے آپ کو پہچانے اور خاتمے کی اہمیت میں غور کرے، ریاکاری کی باریکیوں اور اعمال کی آفات کو سمجھے کیوں کہ وہ اپنے بارے میں جو پہچان رکھتا ہے تعریف کرنے والے کو ان باتوں کا علم نہیں اور اگر اس کی تمام پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں یا اس کے قلبی خطرات سامنے آجائیں تو تعریف کرنے والا اس کی تعریف سے رک جائے۔

اسے چاہیے کہ تعریف کرنے والے کو رسوا کرتے ہوئے تعریف کی ناپسندیدگی کو ظاہر کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُحْثُوا التُّرَابَ فِیْ وُجُوْہِ الْمَادِحِیْنَ۔ (۲) تعریف کرنے والوں کے مونہوں میں مٹی ڈالو۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے اسے تعریف نقصان نہیں دیتی۔ ایک نیک آدمی کی تعریف کی گئی تو اس نے کہا یا اللہ! یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں تو مجھے جانتا ہے۔

ایک دوسرے بزرگ کی تعریف کی گئی تو انہوں نے یوں کہا اے اللہ! تیرے اس بندے نے تیری ناراضگی کے ساتھ میرا قرب حاصل کیا ہے اور میں تیری ناراضگی پر گواہ ہوں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جب تعریف کی گئی تو آپ نے یوں فرمایا: اے اللہ! جو کچھ یہ کہتے ہیں اس پر میرا مواخذہ نہ فرمانا اور مجھے ان لوگوں کے گمان سے بہتر بنا دے ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تعریف کی تو انہوں نے فرمایا کیا تو مجھے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کرنا چاہتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۸۳ کتاب الجنائز

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵ مرویات مقداد

ایک آدمی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعریف کی اور آپ کو یہ بات پہنچ چکی تھی کہ اس نے آپ کی غیبت کی تھی آپ نے فرمایا تم نے جو کچھ میرے بارے میں کہا میرا مقام اس سے کم ہے اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس سے بلند ہے۔

اکیسویں آفت:

کلام میں باریک خطاؤں سے غفلت

وہ خطائیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ہوں اور ان سے امور دین کا تعلق ہو ان سے خاص طور پر بچنا چاہیے کیوں کہ امور دین کے بارے میں درست الفاظ صرف فصیح اللسان علماء ہی استعمال کر سکتے ہیں جو شخص علم یا فصاحت میں کامل نہ ہو اس کا کلام لغزش سے خالی نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی جہالت کی وجہ سے اسے معاف فرما دیتا ہے اس کی مثال حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ وَلٰكِنْ يَقُلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ ۔ (۱)

تم میں سے کوئی ایک نہ کہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں بلکہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے پھر آپ چاہیں۔

کیونکہ عطف مطلق میں (جو واؤ کے ساتھ ہے) شریک کرنا اور برابر ٹھہرانا ہے اور یہ احترام کے خلاف ہے۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاجزی اور احتیاط کے طور پر یہ بات فرمائی ورنہ صحابہ کرام عرض کرتے ہیں اللہ ورسولہ اعلم اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا ۱۲ ہزاروی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بعض امور میں گفتگو کرنے لگا اس نے کہا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰهِ عَدِيْلًا بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ ۔ (۲)

کیا تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کے برابر کر دیا بلکہ وہ جو صرف اللہ تعالیٰ چاہے۔

ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خطبہ دیا تو کہا۔

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى۔

جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی۔ اور جس نے ان دونوں کی اس نے سرکشی کی۔

☆ ☆ ☆

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۵۴، ابواب الکفارات

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۱۴ مرویات ابن عباس

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے " ومن یعصہما " کے الفاظ کو پسند نہ فرمایا کیونکہ اس میں جمع کرنا اور برابری کرنا ہے (۱) (یہ سب باتیں احتیاط کے طور پر ہیں ناجائز نہیں)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص یوں کہے " اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَبِكَ " میں اللہ تعالیٰ اور تمہاری پناہ چاہتا ہوں اور یہ کہنا جائز ہے " اَعُوْذُ بِاللّٰہِ ثُمَّ بِكَ " میں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور پھر تمہاری پناہ چاہتا ہوں یہ کہنا بھی صحیح ہے " لَوْلَا اللّٰہُ ثُمَّ فُلَانٌ " اگر اللہ تعالیٰ اور پھر فلاں نہ ہوتا (تو ایسا ہو جاتا) لیکن یہ نہ کہے " لَوْلَا اللّٰہُ وَفُلَانٌ " اگر اللہ تعالیٰ اور فلاں نہ ہوتا (تو ایسا ہو جاتا) بعض بزرگوں نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ کوئی شخص یوں کہے " اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْنَا مِنَ النَّارِ " یا اللہ! ہمیں جہنم سے آزاد کر دے وہ فرماتے تھے آزادی اس میں داخل ہونے کے بعد ہوتی ہے وہ جہنم سے پناہ مانگتے تھے یعنی " اَجِرْنَا " اور " نَعُوْذُ " کے الفاظ استعمال کرتے تھے (یہ تقویٰ اور احتیاط کا مقام ہے ورنہ آزادی سے مراد وہاں داخل ہونے سے بچانا ہے ۱۲ ہزاروی)

ایک شخص نے کہا یا اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جن کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پہنچے گی اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مومنوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بے نیاز کر دے گا آپ کی شفاعت گناہ گار مسلمانوں کے لیے ہو گی۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کہے اے گدھے! اے خنزیر! تو اسے قیامت کے دن کہا جائے گا تمہارا کیا خیال ہے میں نے اسے گدھا پیدا کیا؟ تمہارا کیا خیال ہے میں نے اسے خنزیر پیدا کیا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تم لوگ شرک کرتے ہو حتیٰ کہ تم میں سے ایک اپنے کتے کے ذریعے بھی شرک میں مبتلا ہوتا ہے وہ کہتا ہے اگر یہ (کتا) نہ ہوتا تو آج رات ہماری چوری ہو جاتی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْھَاکُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِکُمْ مَنْ کَانَ حَالِفًا فَلْیَحْلِفْ بِاللّٰہِ اَوْ لِیَصْمُتْ ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے باپ دادا کے نام پر قسم کھانے سے منع فرماتا ہے جس شخص نے قسم کھانا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر قسم کھائے یا خاموش رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! جب سے میں نے یہ بات سنی ہے میں نے باپ دادا کی قسم نہیں کھائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۶ کتاب الجمعۃ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۸۳ کتاب الایمان والنذور

لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ كَرْمًا اِنَّمَا الْكَرْمُ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ۔ (۱)

انگور کو "کرم" نہ کہو بے شک کرم تو مسلمان مرد کو کہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَقُولَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَلَا اَمَتِيْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلْيَقُلْ غُلَامِيْ وَجَارِيَتِيْ وَفَتَايَ وَفَتَاتِيْ وَلَا يَقُوْلُ الْمَمْلُوْكُ رَبِّيْ وَلَا رَبَّتِيْ وَلْيَقُلْ سَيِّدِيْ وَسَيِّدَتِيْ فَكُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَالرَّبُّ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ۔ (۲)

تم میں سے کوئی شخص (کسی دوسرے کو) میرا عبد اور میری امتہ نہ کہے تم سب اللہ تعالیٰ کے (عبد) بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ہیں بلکہ اسے غلام اور جاریہ (لونڈی) نیز "فتای اور فتاتی" (غلام اور لونڈی) کا لفظ استعمال کرنا چاہیے اور غلام بھی اپنے آقا کو اپنا رب نہ کہے بلکہ سید یا سیدہ کا لفظ استعمال کرے تم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہو اور رب، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَقُوْلُوْا لِلْفَاسِقِ سَيِّدُنَا فَاِنَّهُ اِنْ يَكُنْ سَيِّدَكُمْ فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ۔ (۳)

کسی فاسق کو اپنا سردار نہ کہو اگر وہ تمہارا سردار ہے تو (گویا) تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ قَالَ اَنَا بَرِيْءٌ مِنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ كَانَ صَادِقًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ كَانَ كَاذِبًا فَلَنْ يَرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا۔ (۴)

جس شخص نے کہا کہ میں اسلام سے بری ہوں تو اگر وہ اس بات میں سچا ہے تو جیسا اس نے کہا اور اگر وہ جھوٹا ہے تو وہ ہرگز اسلام کی طرف صحیح سالم نہیں لوٹے گا۔

تو اس قسم کی باتیں گفتگو کے دوران آتی ہیں جن کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ جو شخص ان تمام باتوں میں غور کرے جو ہم نے زبان کی آفات کے سلسلے میں ذکر کی ہیں تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ جب وہ زبان کو کھلی چھٹی دے گا تو محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا راز سمجھ آتا ہے آپ نے فرمایا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۳ کتاب الادب

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۲۳ مرویات ابوہریرہ

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۴ کتاب الادب

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۵۳، ابواب الکفارات

مَنْ صَمَتَ نَجَا ۔ (۱) جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

کیوں کہ یہ تمام آفات ہلاک اور تباہ کرنے والی ہیں اور یہ سب بولنے کے راستے میں ہیں اگر خاموش رہے گا تو ان تمام سے سلامت رہے گا اور اگر گفتگو کرے گا تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے گا۔ البتہ جب زبان فصیح اور علم زیادہ ہو تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ زبان کی حفاظت کر سکتا ہو اور گفتگو کم کرے تو اس وقت محفوظ رہ سکتا ہے، ان سب باتوں کے باوجود وہ خطرات سے نہیں بچ سکتا۔

پس اگر تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو گفتگو کے ذریعے فائدہ حاصل کرتے ہیں تو ان میں ہو جاؤ جو خاموش رہ کر محفوظ رہتے ہیں کیونکہ سلامتی بھی دو فائدوں میں سے ایک ہے۔

بیسویں آفت:

صفات خداوندی کے بارے میں سوال کرنا

عام لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کے کلام اور حروف کے بارے میں سوال کرنا کہ وہ قدیم ہیں یا حادث؟ (یہ بھی ایک آفت ہے) حالانکہ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ قرآن پاک کے احکام پر عمل کریں لیکن یہ بات دل پر گراں گزرتی ہے اور فضول باتیں دل پر آسان معلوم ہوتی ہیں عام طور پر علمی مسائل پر بحث میں خوشی محسوس کرتا ہے کیوں کہ شیطان اس کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ تم بھی ایک عالم ہو اور فضیلت کے مالک ہو وہ ہمیشہ اس بات کو اس کے دل میں پختہ کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ علم کے سلسلے میں کفریہ بات کہہ ڈالتا ہے۔ حالانکہ اسے علم نہیں ہوتا۔

عام آدمی کے لیے علمی بحث کی نسبت کبیرہ گناہ زیادہ بہتر ہے خصوصاً جب وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں بحث کرے کیونکہ عوام کا کام عبادات میں مشغولیت اور ان باتوں پر ایمان لانا ہے جو قرآن پاک میں آئی ہیں نیز کسی بحث کے بغیر ان باتوں کو تسلیم کرنا ہے جو انبیاء کرام لاتے ہیں جو باتیں عبادات سے متعلق نہیں ہیں ان کے بارے میں پوچھنا بے ادبی ہے اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مستحق ہو جاتے ہیں اور کفر کا خطرہ رہتا ہے یہ اسی طرح ہے کہ گھوڑوں کی رکھوالی کرنے والے کا بادشاہی کے راز دریافت کریں اور یہ سزا کا باعث ہے جو آدمی علمی باریکیوں کے بارے میں سوال کرتا ہے حالانکہ اس کی سمجھ اس درجے تک نہیں پہنچتی تو وہ قابلِ مذمت ہے اور وہ اس اعتبار سے عام آدمی کی طرح ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں (کچھ بیان نہ کروں)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۹ امرویات ابن عمرو

كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔

تم بھی مجھے چھوڑے رکھو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوتے کہ وہ زیادہ سوال کرتے اور پھر اپنے انبیاء کرام کی مخالفت کرتے تھے میں تمہیں جس کام سے روکوں اس سے رک جاؤ اور جس بات کا تمہیں حکم دوں جس حد تک ممکن ہو اسے بجا لاؤ۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے سوالات کئے آپ کو غصہ آیا تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا۔

سَلُونِي وَلَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُكُمْ۔

مجھ سے پوچھو تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھو گے میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔

ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟

آپ نے فرمایا تمہارا باپ "حذافہ" ہے پھر دو نوجوان بھائی اٹھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارا باپ کون ہے؟

آپ نے فرمایا تمہارا باپ وہی ہے جس کی طرف تم منسوب ہو، پھر ایک اور شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں؟ فرمایا نہیں بلکہ تم جہنم میں جاؤ گے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے کو دیکھا تو رک گئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا ہم اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اسلام کے دین اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! بیٹھ جاؤ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں توفیق دی گئی ہے (۲)

ایک حدیث شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحث مباحثے، مال کے ضیاع اور زیادہ سوالات سے منع فرمایا۔ (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يُوشِكُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يَقُولُوا قَدْ خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ

عنقریب لوگ ایک دوسرے سے سوالات کریں گے یہاں تک کہ وہ کہیں گے مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۲ کتاب الفضائل

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۳ کتاب الفضائل

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۸۳ کتاب الاعتصام

فَاِذَا قَالُوْا ذٰلِکَ فَقُوْلُوْا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

کو کس نے پیدا کیا جب وہ یہ بات کہیں تو تم (سورۂ اخلاص پڑھو) فرمادیجئے اللہ ایک ہے وہ بے نیاز ہے اس کی کوئی اولاد نہیں نہ اس کو کسی نے جنا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

پھر اپنی بائیں طرف تین بار تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔ (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آیت متلاعنین (۲) زیادہ سوالات کی وجہ سے نازل ہوئی ہے (۳)

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ میں اس بات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے کہ سوال اسی وقت کرنا چاہیے جب اس کا وقت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا۔ (۴)

(حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا) پس اگر آپ میرے پیچھے آئیں تو مجھ سے کوئی سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں اس سے میں آپ کے سامنے ذکر کروں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی توڑنے سے متعلق سوال کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اعتراض کیا اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا۔ (۵)

اور مجھ پر میری بھول کی وجہ سے گرفت نہ کریں اور نہ میرے اس معاملے میں مجھ پر زیادہ سختی کریں۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا حتیٰ کہ آپ نے تیسری بار سوال کیا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے جدائی اختیار کرلی۔

هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِکَ (۶)

یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۳ کتاب السنۃ

(۲) سورۂ نور کے پہلے رکوع میں لعان سے متعلق آیات مراد ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد جلد اوّل ص ۱۵۸ کتاب العلم

(۴) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۷۰

(۵) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۷۳

(۶) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۷۸

تو عوام کا دین کے باریک مسائل کے بارے میں سوال کرنا بہت بڑی آفت ہے اور اس سے کئی فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کو منع کرنا ضروری ہے قرآن پاک کے حروف میں عوام کا غور و خوض کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ ایک آدمی کو خط لکھے اور وہ اس کے مندرجات پر عمل کرنے کی بجائے اس بات پر وقت ضائع کردے کہ اس خط کا کاغذ پرانا ہے یا نیا، ایسا آدمی یقیناً سزا کا مستحق ہوگا اسی طرح عام آدمی جب قرآنی حروف کے قدیم اور حادث ہونے یا اللہ تعالیٰ کی صفات میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔
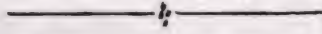
۵۔ غصے، کینے اور حسد کی مذمت کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کے درگزر اور رحمت پر وہی لوگ بھروسہ کرتے ہیں جو (اس کی رحمت کی) امید رکھتے ہیں اور اس کے غضب اور دبدبے سے وہی بچتے ہیں جو ڈرنے والے ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو اس جگہ لے گیا جس کا انہیں علم نہیں اور ان پر خواہشات کو غالب کر کے ان باتوں کو چھوڑنے کا حکم دیا جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں انہیں غصہ دے کر ان باتوں میں غصہ پی جانے کا حکم دیا جن پر ان کو غصہ آتا ہے پھر ان کو تکلیف وہ امور اور لذتوں میں مبتلا کر کے مہلت دی تاکہ وہ ان کے اعمال کو دیکھے ان کی محبت کا امتحان لیا تاکہ ان کے دعوے کی صداقت ظاہر فرمائے انہیں یہ بھی بتایا کہ جو کچھ وہ چھپاتے یا ظاہر کرتے ہیں اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے انہیں اس بات سے ڈرایا کہ وہ ان کو اچانک پکڑ سکتا ہے جب کہ ان کو خبر بھی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (۱)

وہ نہیں انتظار کرتے مگر ایک پکار کی جو ان کو پکڑے گی اس حال میں کہ وہ جھگڑ رہے ہوں گے پس وہ نہ توصیت کر سکیں گے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔

اور رحمت و سلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اس کے رسول ہیں آپ کے جھنڈے کے تمام انبیاء کرام ہوں گے اور آپ کی آل اور تمام صحابہ کرام پر رحمت ہو جو راہنما ہدایت یافتہ ہیں اور پسندیدہ قائدین ہیں۔ اس قدر رحمت ہو جو اب تک پیدا ہونے والی اور جو پیدا ہوگی اس تمام مخلوق کی تعداد کے برابر ہو اس کی برکت سے پہلے اور پچھلے بہرہ ور ہوں یا اللہ! ان پر بہت زیادہ سلامتی نازل فرما۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ــــــ بے شک غصہ آگ کا ایک شعلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جلانے والی آگ سے لیا گیا ہے جو دلوں پر چڑھتی ہے اور یہ دل کے اندر چھپا ہوتا ہے جس طرح راکھ کے نیچے چنگاری چھپی ہوئی ہوتی ہے وہ اس تکبر کو باہر نکالتا ہے جو ہر سرکش کے دل میں چھپا ہوتا ہے جس طرح پتھر لوہے سے آگ کو باہر نکالتا ہے ارباب نظر کے لیے نور یقین کے ساتھ ظاہر ہو گیا کہ انسان سے ایک لوگ شیطان لعین کی طرف نکلتی ہے پس جس شخص پر غصے کی آگ غالب ہو اس

(۱) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۴۹، ۵۰۔

میں شیطان کی قرابت مضبوط ہوتی ہے کیونکہ اس نے کہا تھا (جسے قرآن نے یوں بیان کیا)
خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ (یا اللہ!) تو نے مجھے آگ سے اور اس (انسان) کو مٹی سے پیدا کیا۔ (۱)

مٹی کی شان سکون اور وقار ہے جب کہ آگ کی خاصیت بھڑک اٹھنا اور حرکت و اضطراب ہے۔

غصہ کا نتیجہ کینے اور حسد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس سے وہ ہلاک ہوتا ہے جس نے ہلاک ہونا ہو اور خراب ہو جاتا ہے جس سے خراب ہونا ہو اور ان دونوں کا مرکز گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ جب وہ درست ہو تو اس کے ساتھ تمام جسم درست رہتا ہے جب کینہ، حسد اور غصہ ان کاموں میں سے ہیں جو بندے کو ہلاکت کے مقامات کی طرف لے جاتے ہیں تو مقاماتِ ہلاکت سے واقفیت بہت ضروری ہے تاکہ اس سے بچے اور اگر یہ باتیں دل میں موجود ہوں تو ان کو نکالے اور اگر مضبوط ہو چکی ہوں تو دل کا علاج کر دیئے کیونکہ جو آدمی برائی کو نہیں جانتا وہ اس میں جا پڑتا ہے اور جو جانتا ہے اس کے لیے صرف جاننا کافی نہیں جب تک اس طریقے سے واقف نہ ہو جس کے ذریعے برائی کو دور کیا جاتا ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل امور بیان ہوں گے۔

(۱) غصے کی مذمت نیز کینے اور حسد کی آفات۔
(۲) غصہ کی حقیقت
(۳) کیا ریاضت کے ذریعے غصے کا ازالہ ممکن ہے یا نہیں۔
(۴) غصہ دلانے والے امور
(۵) غصہ آنے پر اس کا علاج
(۶) غصہ پی جانے کی فضیلت
(۷) بردباری کی فضیلت
(۸) کس قدر کلام کفایت کرتا ہے۔
(۹) کینہ اور اس کے نتائج
(۱۰) عفو و درگزر اور نرمی برتنے کی فضیلت
(۱۱) حسد کی مذمت۔
(۱۲) حسد کی حقیقت، اسباب اور علاج نیز اس کا ازالہ کس قدر ضروری ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۲

(۱۳) دوست احباب، بھائیوں چچا زاد بھائیوں اور رشتہ داروں وغیرہ سے زیادہ حسد کی وجہ
(۱۴) دوسرے لوگوں سے حسد کے کم ہونے کا سبب
(۱۵) دل سے حسد کی بیماری کو دُور کرنے کی دوا۔
(۱۶) دل سے حسد کو دُور کرنا کس قدر ضروری ہے۔

غصے کی مذمت:

ارشاد خداوندی ہے:

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔ (۱)

جب کفار نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی غیرت کو جگہ دی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا سکون و اطمینان اپنے رسول اور مومنوں پر نازل فرمایا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کی کہ انہوں نے باطل کی وجہ سے آنے والے غصے کی بنیاد پر جاہلیت کی حمیت (غیرت) کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کی تعریف فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون اور وقار اتارا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے ایک مختصر عمل بتائیے آپ نے فرمایا "غصہ نہ کھاؤ" اس نے دوبارہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا "غصہ نہ کھاؤ"۔ (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے ایک مختصر سی بات بتائیے تاکہ میں اسے سمجھ سکوں۔ آپ نے فرمایا "غصہ نہ کھاؤ" میں نے دو بار یہی سوال کیا لیکن آپ نے ہر بار یہی فرمایا کہ غصہ نہ کھاؤ"۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے مجھے کیا چیز بچا سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا غصہ نہ کھاؤ۔ (۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم پہلوان کسے سمجھتے ہو؟ ہم نے عرض کیا جسے لوگ پچھاڑ نہ سکیں آپ نے فرمایا وہ پہلوان نہیں ہے بلکہ (پہلوان) وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ (۵)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فتح آیت ۲۶
(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۳ کتاب الادب
(۳) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۶۹ کتاب الادب
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۷۵ مرویات ابن عمرو
(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۶ کتاب البر والصلۃ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ وَإِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ - (۱)

پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو رکھ سکے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ - (۲)

جو شخص اپنے غصے کو روکے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے۔

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے فرمایا۔

اے بیٹے! زیادہ غصہ کھانے سے بچو کیونکہ زیادہ غصے کی وجہ سے بردبار آدمی کا دل ہلکا ہو جاتا ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ، آیت کریمہ۔

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا - (۳)

وہ سردار اور عورتوں سے دور رہنے والے تھے۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں "سید" سے مراد وہ ہے جس پر غصے کا غلبہ نہ ہو۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ نہ کھاؤ۔ (۴)

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا غصہ نہ کھائیں انہوں نے فرمایا مجھے اس کی طاقت نہیں میں ایک انسان ہوں فرمایا مال کی آزمائش میں نہ پڑیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ ممکن ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

اَلْغَضَبُ يُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ- (۵)

غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا (ایک کڑوا پھل) شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا غَضِبَ اَحَدٌ اِلَّا اَشْفٰى عَلٰى جَهَنَّمَ - (۶)

جو شخص غصہ کرتا ہے وہ جہنم کے کنارے جا لگتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۶ کتاب البر والصلۃ

(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۹۱ کتاب البر والصلۃ

(۳) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۳۹

(۴) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۷۰ کتاب الادب

(۵) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۰ حدیث ۵۸۶۳

(۶) الدر المنثور جلد ۴ ص ۹۹ تحت آیت لہا سبعۃ ابواب

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ کونسی چیز زیادہ سخت ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا غضب عرض کیا مجھے غضب خداوندی سے کیا چیز بچا سکتی ہے ؛ فرمایا غصہ نہ کھاؤ۔ (۱)

آثار :

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اے انسان ! جب تم غصے میں آتے ہو تو اچھلتے ہو اور اس بات کا ڈر ہے کہ تم چھلانگ لگا کر جہنم میں نہ چلے جاؤ۔

حضرت ذوالقرنین سے روایت ہے کہ ایک فرشتہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا مجھے کوئی ایسا علم بتائیں جس کے ساتھ میرا ایمان اور یقین بڑھ جائے۔ فرشتے نے کہا غصہ نہ کھائیں شیطان انسان پر اس وقت زیادہ قادر ہوتا جب وہ غصہ کھاتا ہے لہذا غصہ پی جایا کریں اور بردباری سے اس کو ٹھہرادیں جلدی کرنے سے بچیں کیونکہ جب جلدی کروگے تو اپنے مقام سے محروم ہو گے نیز قریب و بعید سے نرمی کا برتاؤ کرو جابر اور سرکش نہ ہو۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک راہب اپنی عبادت میں تھا کہ شیطان نے اسے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ ایسا نہ کرسکا حتیٰ کہ اس نے اسے آواز دی کہ دروازہ کھولو لیکن اس نے جواب نہ دیا اس نے کہا دروازہ کھولو ورنہ جب میں چلا گیا تو تم پشیمان ہو گے لیکن اس نے توجہ نہ کی اس نے کہا میں مسیح ہوں۔

راہب نے کہا اگر تم مسیح ہو تو میں کیا کروں ؛ کیا تم نے ہمیں عبادت اور ریاضت کا حکم نہیں دیا اور ہم سے قیامت کا وعدہ نہیں فرمایا اگر اس کے خلاف آج ہی ملاقات کے لیے آگئے تو ہم قبول نہیں کریں گے۔

اس نے کہا میں شیطان ہوں میں تجھے گمراہ کرنا چاہتا تھا لیکن ایسا نہ کر سکا میں اس لیے آیا ہوں کہ جو چاہو مجھ سے پوچھو میں نہیں بتاؤں گا اس نے کہا میں تجھ سے کچھ بھی پوچھنا نہیں چاہتا چنانچہ وہ پیٹھ پھیر گیا اتنے میں راہب نے کہا سنتا ہے یا نہیں ؛ اس نے کہا سنتا ہوں راہب نے پوچھا انسانوں کی کون سی عادت تیری زیادہ مدد کرتی ہے اس نے کہا تیزی (اور غصہ) انسان جب غصے میں ہوتا ہے تو ہم اس کو الٹا دیتے ہیں جس طرح بچہ گیند کو پلٹ دیتا ہے۔

حضرت خیثمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں شیطان کہتا ہے انسان مجھ پر کیسے غالب آسکتا ہے جب وہ حالت رضا میں ہوتا ہے تو میں اس کے دل میں آجاتا ہوں اور جب وہ غصے کی حالت میں ہوتا ہے تو میں اڑ کر اس کے سر میں چلا جاتا ہوں۔

حضرت جعفر بن محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں غصہ ہر برائی کی چابی ہے بعض انصار کا قول ہے کہ بیوقوفی کی اصل مزاج کی تیزی ہے اور وہ غصے تک پہنچاتی ہے جو شخص جہالت کو پسند کرتا ہے وہ بردباری سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیوں کہ بردباری زینت اور نفع بخش چیز ہے جب کہ جہالت عیب اور نقصان دہ چیز ہے۔ بیوقوف کو جواب نہ دینا ہی اس کا جواب ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ص ۱۷۵ مرویات ابن عمرو

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابلیس نے کہا انسان مجھے جس قدر عاجز کرلیں تین باتوں میں وہ مجھے عاجز نہیں کر سکتے ایک یہ کہ جب ان میں سے کوئی ایک نشہ کی حالت میں ہو تو اس کی نکیل ہمارے ہاتھ میں ہوتی ہے ہم جہاں چاہیں اسے لے جائیں اور جو کچھ ہم چاہیں وہی کام کرے گا۔

اور جب وہ غصے میں ہو تو ایسی باتیں کہتا ہے جن کا اسے علم بھی نہیں ہوتا اور ایسا کام کرتا ہے جس پر پشیمانی ہوتی ہے ہم اسے اس کے مال میں بخل کا درس دیتے ہیں اور ایسی چیز کی آرزو دلاتے ہیں جس پر وہ قادر نہیں ہوتا۔

کسی دانا سے کہا گیا کہ فلاں شخص اپنے آپ پر خوب قابو رکھتا ہے اس نے کہا اس صورت میں اسے شہوت رسوا نہیں کرے گی، خواہش اسے پچھاڑ نہیں سکتی اور غصہ اس پر قابو نہیں پا سکتا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ غصّے سے بچو کیونکہ وہ تمہیں معذرت کی ذلت تک لے جائے گا ___ کہا گیا ہے کہ غصّے سے بچو کیونکہ یہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا، شہد کو خراب کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آدمی کی بردباری کو غصے کے وقت اور امانت کو طمع کے وقت جانچنا چاہیئے۔ جب اسے غصہ نہ آتا ہو تو اس کی بردباری کا کیسے پتہ چلے گا اور جب اسے لالچ ہی نہ ہو تو اس کی امانت کا علم کیسے ہو گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ غصے کے وقت کسی کو سزا نہ دینا بلکہ مجرم کو قید کر دینا جب تمہارا غصہ تھم جائے تو اسے باہر نکال کر اس کے جرم کے مطابق سزا دو اور پندرہ کوڑوں سے زیادہ نہ مارنا۔

حضرت علی بن زید فرماتے ہیں ایک دفعہ ایک قریشی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سخت کلامی کی تو انہوں نے کافی دیر تک سر نیچے کئے رکھا پھر فرمایا تمہارا ارادہ یہ تھا کہ شیطان کے ہاتھوں خفیف ہو کر سلطانی غلبہ سے تمہارے ساتھ وہ بات کروں جو کل تم مجھ سے کرو گے۔ بعض بزرگوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹے! غصّے کے وقت عقل ٹھکانے نہیں رہتی جس طرح جلتے تنور میں زندہ آدمی کی روح قائم نہیں رہتی۔

پس جو آدمی لوگوں پر غصہ کم کھاتا ہے وہ ان میں سے سب سے زیادہ عقلمند ہے اگر غصہ دنیا کے لیے ہو تو یہ مکر و فریب ہے اور اگر آخرت کے لیے ہو تو یہ بردباری اور علم ہے۔

کہا گیا ہے کہ غصہ، عقل کا دشمن ہے اور اس کی ہلاکت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے تم میں سے جو شخص طمع خواہش اور غصّے سے محفوظ رہا اس نے فلاح پائی۔

بعض بزرگوں نے فرمایا جو شخص اپنی خواہش اور غصّے کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اسے جہنم میں لے جاتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا یہ باتیں مسلمانوں کی علامات میں سے ہیں۔

دین میں قوت، نرمی برتنے میں احتیاط، یقین کے ساتھ ایمان، علم بردباری کے ساتھ، رفاقت سمجھداری کے ساتھ،

حق کی ادائیگی، مالداری میں میانہ روی، فاقہ میں اچھی طرح صبر، باوجود طاقت کے احسان، رفاقت میں برداشت، سختی میں صبر، غصے سے مغلوب نہ ہونا، تنگ وحمیت سرکشی نہ کریں شہوت غالب نہ ہو، پیٹ رسوا نہ کرے حرص ذلیل نہ کرے، نیت میں کوتاہی نہ ہو، مظلوم کی مدد کرے اور کمزور پر رحم کھائے، نہ کنجوسی کرے اور نہ حد سے زیادہ خرچ کرے جب کوئی ظلم کرے تو اسے معاف کردے اور جاہل سے درگزر کرے خود مشقت اٹھائے لیکن دوسروں کو آسانی پہنچائے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے عرض کیا گیا کہ ایک جملے میں اچھے اخلاق بیان فرمادیں۔ آپ نے فرمایا غصے کو چھوڑ دینا۔

ایک نبی علیہ السلام نے اپنے متبعین سے پوچھا کہ کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ غصہ نہیں کھائے گا اس طرح وہ (قیامت کے دن) میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا اور میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا۔ (یہ سن کر) ایک نوجوان نے کہا "میں ضمانت دیتا ہوں" دوبارہ یہی بات فرمائی تو اس نوجوان نے کہا میں اس بات کو پورا کروں گا۔

جب ان کا انتقال ہوا تو وہ نوجوان ان کے مقام پر فائز ہوئے اور وہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام تھے ان کا یہ نام اس لیے مقرر ہوا کہ انہوں نے غصہ نہ کھانے کی ذمہ داری اٹھائی (کفالت کی) اور اسے پورا کیا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کفر کے چار ارکان ہیں غصہ، شہوت، بیوقوفی اور طمع۔

غصے کی حقیقت:

جان لو! اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی تخلیق اس انداز پر فرمائی ہے کہ وہ داخلی اور خارجی اسباب سے فنا اور ہلاک ہو جاتا ہے تو اس پر ان چیزوں کے ذریعے انعام فرمایا جو اسے ایک معلوم وقت تک فساد اور ہلاکت سے محفوظ رکھتی ہیں۔

ہلاکت کا داخلی سبب یہ ہے کہ وہ حرارت اور رطوبت سے مرکب ہے اور ان دونوں کے درمیان عداوت اور اس کی ضد پائی جاتی ہے حرارت ہمیشہ رطوبت کی تحلیل کرتی اور اسے خشک کرتی رہتی ہے کہ اس کے اجزاء بخارات بن کر اس سے اُڑ جاتے ہیں اگر رطوبت کو غذا کی مدد حاصل نہ ہو اور جس قدر تحلیل ہوئی اور اس کے اجزا بخارات بنتے ہیں اسی قدر باقی رہتا تو حیوان فنا ہو جاتا — تو اللہ تعالیٰ نے ایسی غذا پیدا کی ہے جو حیوانی بدن کے موافق ہے اور حیوان (انسان بھی اس میں شامل ہے) میں ایک خواہش رکھی ہے جو اسے غذا کے استعمال پر ابھارتی ہے تاکہ نقصان کا تدارک ہو اور اس سبب سے جو ہلاکت آتی ہے اس سے محفوظ رکھے۔

انسان کو جو خارجی اسباب درپیش ہیں وہ تلوار، تیر اور دوسرے مہلک ہتھیار وغیرہ ہیں تو انسان ایسی قوت اور غیرت کا محتاج ہے جو اس کے اندر سے اٹھتی ہے جس سے ہلاکت خیز امور دفع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے غصے کی طبیعت کو آگ سے پیدا فرمایا اور اسے انسان کے خمیر میں رکھ دیا ہے پس جب اسے کسی مقصد اور غرض سے روکا جاتا ہے تو غصے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ اس طرح جوش میں آتی ہے کہ اسی کے ذریعے دل کا خون کھولتا ہے اور رگوں میں پھیل جاتا ہے پھر وہ آگ

کی طرح بدن کے بالائی حصے کی طرف اٹھتا ہے اس کی مثال اس طرح ہے جیسے ہنڈیا کے اندر پانی کھولتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ چہرے کی طرف اٹھتا ہے اور چونکہ چہرہ صاف ہوتا ہے اس لیے اس میں خون کی جھلک نظر آتی ہے اور وہ آنکھوں سمیت سرخ ہو جاتا ہے اس سے خون کی سرخی کا پتہ چلتا ہے جو اس کے پیچھے ہے جس طرح شیشہ اس چیز کا رنگ بتاتا ہے جو اس میں منعکس ہوتی ہے۔

یہ خون اس وقت پھیلتا ہے جب اپنے سے کمزور آدمی پر غصہ آئے اور اسے معلوم ہو کہ میں اس پر قادر ہوں اگر اپنے سے بڑے پر غصہ آئے اور وہ بدلہ نہ لے سکتا ہو تو خون ظاہری جلد سے اکٹھا ہو کر دل کے اندر چلا جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی برابر والے پر غصہ آئے تو یہ دونوں صورتیں ظاہر ہوتی ہیں اور خون میں اضطراب کی وجہ سے سرخی اور زردی دونوں ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ غصے کی قوت کا محل دل ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انتقام کے جذبے کے تحت دل کا خون جوش مارتا ہے اور یہ قوت موذی چیزوں کو دور کرنے کے لیے پہلے ہی متوجہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد دل کی تشفی اور انتقام کے لیے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس قوت کی غذا اور شہوت انتقام ہے اور اسی میں اس کی لذت ہے اور اس کے بغیر اسے سکون بھی نہیں ملتا۔

پھر اس قوت کے اعتبار سے انسان تین درجات میں منقسم ہوتے ہیں اور یہ تقسیم فطرتی ہے۔ ایک درجہ تفریط کا شکار ہوتا ہے دوسرا افراط کا اور تیسرا اعتدال پر ہوتا ہے تفریط (کمی) اس وقت ہوتی ہے جب یہ قوت بالکل نہ پائی جائے یا اس میں کمزوری ہے اور یہ مذموم ہے اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی حمیت اور غیرت نہیں ہے اسی لیے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس کو غصہ دلایا جائے اور اسے غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے اور جس میں غصے اور غیرت کی قوت بالکل نہ ہو وہ بالکل ناقص ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شدت اور حمیت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۱) وہ (صحابہ کرام) کفار پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔

اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (۲) کفار اور منافقین سے جہاد فرمائیں اور ان پر سختی کریں۔

سختی، قوتِ حمیت کی علامات میں سے ہے اور وہ غصہ ہے افراط (زیادتی) یہ ہے کہ یہ صفت اس پر غالب آ جائے حتیٰ کہ وہ عقل و دین کی سیاست اور اطاعت سے باہر نکل جائے۔ اب اس کے پاس بصیرت، نظر اور فکر کچھ بھی نہ رہے اور نہ ہی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فتح آیت ۲۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت ۹

اسے اپنے اوپر قابو ہو۔ بلکہ وہ مجبور آدمی کی طرح ہو جائے اس قوت کے غلبہ کا سبب یا تو پیدائشی ہوتا ہے یا عادت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کئی آدمی پیدائشی طور تیز مزاج اور غصہ کھانے والے ہوتے ہیں گویا پیدائشی طور پر اس کی صورت غصے سے بھری ہوتی ہے اور اس پر دل کی طبعی حرارت مددگار ہوتی ہے کیوں کہ غصہ آگ سے ہوتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَاِنَّمَا بُرُوْدَۃُ الْمِزَاحِ تُطْفِئُہٗ وَتُکَسِّرُ سَوْرَتَہٗ۔ (۱) بے شک مزاج کی ٹھنڈک اسے بجھاتی اور اس کے جوش کو توڑتی ہے۔

عادی اسباب یہ ہیں کہ شاید وہ ایسے لوگوں کی مجلس اختیار کرتا جو غیظ و غضب کے ذریعے شفا حاصل کرتے اور اسی راہ پر چلتے ہیں اور اسے وہ شجاعت اور مردانگی کا نام دیتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے کہ ہم کسی کی بات برداشت نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی مکروفریب پر صبر کر سکتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میرے اندر نہ تو عقل ہے اور نہ بردباری۔

پھر وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے فخر یہ بیان کرتا ہے تو جو شخص اسے سنتا ہے اس کے دل میں غصے کی خوبی راسخ ہو جاتی ہے اور وہ ان لوگوں کی طرح ہونا پسند کرتا ہے اور اس طرح غصہ کی حالت مضبوط ہو جاتی ہے۔

اور جب غصے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو وہ شخص اندھا ہو جاتا ہے اور وہ ہر قسم کی نصیحت سے بہرہ بھی ہو جاتا ہے جب اسے نصیحت کی جائے تو نہیں سنتا بلکہ اس کا غصہ مزید بڑھ جاتا ہے اور جب نور عقل سے کچھ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ عقل کا نور تو مٹ چکا ہے اور اس وقت وہ غصے کے دھوئیں میں دھندلا جاتا ہے کیوں کہ سوچ کا مرکز دماغ ہے اور سخت غصے کی حالت میں قلبی خون کے جوش کی وجہ سے سخت تاریک دھواں دماغ کی طرف چڑھتا ہے جو فکر کے مراکز پر چھا جاتا ہے اور بعض احساسات کے مقامات کو بھی گھیر لیتا ہے اب اس کی آنکھوں پر اندھیرا چھا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور اس پر تمام دنیا تاریک ہو جاتی ہے اور اس کا دماغ اس اندھیرے غار کی طرح ہو جاتا ہے جس میں آگ جلائی جائے تو تمام غار دھوئیں سے بھر جائے بلکہ ادھر ادھر بھی دھواں ہی دھواں ہوتا ہے اب وہاں ایک کمزور سا چراغ ہو تو وہ بھی بجھ جاتا ہے تو نہ وہاں قدم ٹھہرتے ہیں نہ کوئی بات سنی جا سکتی ہے اور نہ ہی کوئی صورت دکھائی دیتی ہے وہ اس دھوئیں کو ختم نہیں کر سکتا نہ اندر سے اور نہ ہی باہر سے بلکہ اسے صبر کرنا چاہیے یہاں تک کہ ہر وہ چیز جل جائے جو جلنے کے قابل ہے دل اور دماغ کے ساتھ غصے کا معاملہ بھی یہی ہوتا ہے بعض اوقات غصے کی آگ مضبوط ہوتی ہے تو وہ رطوبت فنا ہو جاتی ہے جس کے ذریعے دل کی حیات قائم ہوتی ہے اور اس طرح وہ شخص غصے کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے جس طرح غار میں آگ کی شدت اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے اور اوپر کا حصہ نیچے آجاتا ہے کیوں کہ آگ اس کی اس قوت کو ختم کر دیتی ہے جس نے اس کے اجزاء کو روک رکھا ہے تو غصے کے وقت دل کی حالت بھی یہی ہوتی ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۶ مرویات عطیہ السعدی

حقیقت تو یہ ہے کہ موجوں کے وقت جب ہواؤں کے تھپیڑے اضطراب پیدا کرتے ہیں، کشتی کا سمندر میں ہونا حالت سے زیادہ بہتر ہے جب نفس میں غصے کی وجہ سے اضطراب پیدا ہوتا ہے اور اس میں سلامتی کی امید زیادہ ہے کیونکہ کشتی میں بیٹھا ہوا شخص اس کو ٹھہرانے کی تدبیر اور حیلہ کر سکتا ہے وہ اس دیکھ رہا ہے اور درست کرتا ہے لیکن دل تو کشتی چلانے والے کی طرح ہے، اور اس کا حیلہ ختم ہو گیا کیونکہ غصے نے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔

اس غصے کے ظاہری آثار یہ ہیں کہ رنگ بدل جاتا ہے اعضاء میں کپکپاہٹ کی شدت ہوتی ہے اور افعال کی ترتیب و انتظام ختم ہو جاتا ہے حرکت و گفتگو میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتی ہے اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں نتھنے پھر جاتے ہیں اور شکل بدل جاتی ہے۔

اگر غصے والا آدمی غصے کی حالت میں اپنی بدصورتی کو دیکھے تو اس بدصورتی سے حیا کرتے ہوئے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور اس کی باطنی بدصورتی، ظاہری بدصورتی سے بڑھ کر ہے کیوں کہ ظاہر، باطن کی خبر دیتا ہے پہلے باطنی صورت بگڑتی ہے اور اس کے بعد یہ خرابی ظاہر میں پھیلتی ہے لہٰذا ظاہری تبدیلی، باطنی تبدیلی کا نتیجہ ہوتا ہے اب پھل کو دیکھ کر پھل دینے والے (درخت) کا اندازہ کیجئے۔ غصے کا جسم پر یہ اثر ہوتا ہے۔

زبان پر اس کا اثر اس طرح ہوتا ہے کہ وہ گالیاں دیتا اور فحش کلام کرتا ہے جس سے ہر عقلمند کو حیا آتا ہے اور جب غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو اس شخص کو خود بھی حیا آتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ الفاظ کا نظم و ضبط بھی ٹوٹ جاتا ہے اور ان میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اعضاء پر اس (غصے) کا اثر اس طرح مرتب ہوتا ہے کہ وہ مارتا ہے حملہ آور ہوتا ہے، کپڑے پھاڑتا ہے قتل کرتا اور زخمی کرتا اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اور جس آدمی پر غصہ آیا تھا اگر وہ بھاگ جائے یا کسی وجہ سے اس کے قابو میں نہ آئے اور غصہ کسی طرح نہ ٹھہرتا ہو تو غصے کا اثر خود اس شخص پر مرتب ہوتا ہے وہ اپنے کپڑے پھاڑتا ہے اپنے آپ کو تھپڑ مارتا ہے بعض اوقات اپنے ہاتھ زمین پر مارتا ہے یا نشے والوں اور مدہوش و حیران لوگوں کی طرح ... ہے بعض اوقات غصے کی وجہ سے اس طرح گر پڑتا ہے کہ اٹھنے کی طاقت بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی دوڑ سکتا ہے اور اسے غش آ جاتا ہے بعض اوقات جمادات اور حیوانات کو مارتا ہے برتن اٹھا کر زمین پر مار دیتا ہے دستر خوان پھاڑ ڈالتا ہے اور پاگلوں جیسے کام کرتا ہے جانوروں اور جمادات کو گالیاں دیتا اور پکارتا ہے اور کہتا ہے تم کب تک اس طرح کرتے رہو گے وغیرہ وغیرہ گویا وہ کسی کام کرنے والے سے بات کر رہا ہو حتیٰ کہ جب جانور اسے لات مارے تو یہ بھی لات مارتا ہے اور اسی طرح اس کا مقابلہ کرتا ہے جس پر غصہ آتا ہے اس کے ساتھ اس کا قلبی اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے کینہ رکھتا ہے حسد کرتا ہے اس کی برائی چاہتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے اس کی خوشی پر غمگین ہوتا ہے اس کے راز ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کی پردہ دری کرتا ہے اس کا مذاق اڑاتا ہے اور اسی طرح کی دیگر حرکات کرتا ہے یہ اس غصے کا نتیجہ ہے جو حد سے بڑھ جائے۔

جہاں تک کمزور حمیت و غیرت کا تعلق ہے تو جس سے نفرت کرنی چاہیے اس سے نفرت نہیں کرتا اس کی بیوی اور لونڈی

وغیرہ سے متعلق جس بات پر غیرت آنی چاہیے اسے غیرت نہیں آتی جس لوگوں سے ذلت اٹھاتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرتا ہے یہ مذموم حالت ہے کیوں کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گھر والوں پر بھی غیرت نہیں آتی اور یہ ھجڑوں کا کام ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ سَعْدًا لَغَيُوْرٌ وَاَنَا اَغْيَرُ مِنْ سَعْدٍ وَاِنَّ اللهَ اَغْيَرُ مِنِّيْ۔ (۱)

بے شک حضرت سعد رضی اللہ عنہ غیرت فرمانے والے ہیں میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت فرماتا ہے۔

غیرت اسی لیے پیدا کی گئی کہ نسبت محفوظ رہیں اگر لوگ اس میں چشم پوشی سے کام لیں تو نسبت خلط ملط ہو جائیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس امت کے مردوں میں غیرت رکھی گئی ہے ان کی عورتیں محفوظ رہتی ہیں۔

بری بات دیکھ کر خاموش رہنا غضب کی کمزوری ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَيْرُ اُمَّتِيْ اَحِدَّاءُهَا۔ (۲)

میری امت کے وہ لوگ اچھے لوگ ہیں جو دین میں سخت ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ۔ (۳)

اور تمہیں دین کے معاملے میں ان پر ترس نہ آئے۔

ریاضت نفس نہ کرنا بھی غضب و غصے کے نہ ہونے کی علامت ہے کیوں کہ جب تک خواہشات پر غصہ نہ آئے ریاضت مکمل نہیں ہوتی یہاں تک کہ جب نفس خسیس خواہشات کی طرف مائل ہو تو اس پر غصہ کرنا چاہیے پس غصے کا نہ ہونا مذموم ہے قابل تعریف غصہ وہ ہے جو عقل اور دین کے اشارے کا منتظر رہتا ہے اس وقت غصہ آئے جب شرعی غیرت کا تقاضا ہو اور جب بردباری کا تقاضا ہو تو وہاں اعتدال سے کام لے اسی اعتدال کو استقامت کہا جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مکلف بنایا ہے اور اسے ہی وسط (اعتدال) کہتے ہیں جس کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی ہے آپ نے فرمایا۔

خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا۔ (۴)

بہترین امور وہ ہیں جن میں میانہ روی پائی جائے۔

جو شخص اپنے غصے میں کمی محسوس کرے حتیٰ کہ ذلت برداشت کرے اور اسے غیرت نہ آئے تو اسے اپنے نفس کا علاج کرنا چاہیے تاکہ اس کا غصہ قوت حاصل کرے اور جس آدمی کے غصے میں حد سے تجاوز ہو یہاں تک کہ وہ برے کاموں کے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۹۱ کتاب اللعان

(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۶ کتاب الادب

(۳) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۲

(۴) شعب الایمان جلد ۵ ص ۲۶۱ حدیث ۶۶۰۱

ارتکاب اور لاپرواہی تک پہنچا دے تو اسے بھی اپنا علاج کرنا چاہیے تاکہ غصے کی شدت ختم ہو اور وہ درمیانی راہ پر آجائے یہی صراط مستقیم ہے یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اگر اس سے عاجز ہو تو اس کا قرب تلاش کرے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔ (۱)

اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں (بیویوں) کے درمیان (مکمل طور) انصاف کر سکو اگرچہ (اس کی) حرص کرو پس ایک کی طرف (یوں) مائل نہ ہو جاؤ کہ (دوسری کو) لٹکی ہوتی کی طرح چھوڑ دو۔

جو شخص مکمل بھلائی نہیں لا سکتا اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ہمہ تن برائی میں مصروف ہو بلکہ بعض برائیاں دوسری بعض کے مقابلے میں ہلکی ہوتی ہیں اور بعض بھلائیاں، دوسری بعض کے مقابلے میں بلند مرتبہ ہوتی ہیں تو غصے کی حقیقت اور درجات یہ ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق اور اس کے پسندیدہ عمل کا سوال کرتے ہیں بے شک وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

کیا ریاضت کے ذریعے غصّے کا ازالہ ممکن ہے

جان لو! بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ریاضت سے غصے کو کلیتاً ختم کیا جا سکتا ہے ان کا خیال ہے کہ ریاضت کا مقصود بھی یہی ہے جب کہ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ غصے کا علاج بالکل نہیں ہو سکتا یہ ان لوگوں کی رائے ہے جن کے نزدیک عادات، ظاہری خلقت کی طرح ہیں اور ان دونوں میں تبدیلی نہیں آسکتی۔

لیکن یہ دونوں رائے کمزور ہیں بلکہ حق وہ ہے جس کا ہم ذکر کریں گے وہ یوں کہ انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے اور کسی سے نفرت، اس لیے وہ غیظ و غضب سے خالی نہیں ہو سکتا کوئی چیز اس کے موافق ہوتی ہے اور کوئی مخالف اور یہ دائمی طریقہ ہے۔

لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ موافق چیز کو پسند کرے اور مخالف کو ناپسند، اور اس پر اسے غصہ آئے کیونکہ جب اس سے پسندیدہ چیز لے لی جائے تو اسے یقیناً غصہ آئے گا اور جب کوئی اسے ضرر پہنچانا چاہیے گا تب بھی غصہ آئے گا لیکن انسان جو کچھ پسند کرتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ چیز ہے جو عام انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے غذا، لباس مکان اور بدنی صحت، پس جسے مارنے کا قصد کیا جائے اسے ضرور غصہ آتا ہے اسی طرح جب اس سے وہ کپڑا چھینا جائے جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپتا ہے، یا اس کی رہائش گاہ سے نکالا جائے یا اس کا وہ پانی گرایا جائے جسے پیاس بجھانے کے لیے رکھا ہے تو چونکہ یہ ضروریات ہیں لہٰذا ان کا زوال پسند نہیں ہوتا اور جو شخص اس سلسلے میں مزاحمت کرتا ہے اس پر غصہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء، آیت ۱۲۹

آتا ہے۔

دوسری چیز وہ ہے جو کسی کے لیے بھی ضروری نہیں ہے جیسے جاہ و مرتبہ مال کثیر، غلام و خدام اور جانور وغیرہ یہ چیزیں عادت کے تحت اور مقاصدِ امور سے جہالت کی وجہ سے محبوب ہیں حتی کہ سونا اور چاندی ذاتی طور پر پسند ہوتے ہیں اور ان کو جمع کیا جاتا ہے اور ان کی چوری پر غصہ آتا ہے اگرچہ رزق کے سلسلے میں ان کی ضرورت نہیں ہوتی اس قسم کی چیزوں سے غصے کا بالکل ختم ہو جانے کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

جب کسی آدمی کے پاس اس کی رہائش سے زائد مکان ہو اور اسے کوئی ظالم گرا دے تو جائز ہے کہ غصہ نہ آئے کیوں کہ ہو سکتا ہے اس کا مالک امورِ دنیا کی بصیرت رکھتا ہے اور حاجت سے زیادہ مال سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے لہذا اس کے چلے جانے پر اسے غصہ نہیں آتا کیونکہ وہ اس چیز کے وجود کو پسند نہیں کرتا اگر اسے اس سے محبت ہوتی ہے تو اس کے لینے پر ضرور غضب ناک ہوتا اور عام لوگوں کا غصہ غیر ضروری امور پر ہوتا ہے جیسے اقتدار، شہوت مجلس کی صدارت اور علم پہ فخر وغیرہ۔

تو جس پر ان چیزوں کی محبت غالب ہو گی اسے اس وقت ضرور غصہ آئے گا جب کوئی محفل کی صدر نشینی میں اس کا مزاحم ہو گا اور جسے ان امور سے محبت نہیں ہو گی وہ پرواہ نہیں کرے گا اگرچہ اسے جوتوں میں بیٹھنا پڑے اور دوسرا جب اس سے بلند مقام پر بیٹھے تو اسے غصہ نہیں آتا۔

غرضیکہ اکثر لوگوں کی عادات اسی قسم کی گھٹیا ہیں لہذا انہیں غصہ زیادہ آتا ہے اور جب آدمی کے ارادے اور خواہشات زیادہ ہوں تو اس کا مرتبہ کم ہو جاتا ہے کیوں کہ حاجت نقصانی صفت ہے اس لیے جب اس میں اضافہ ہو گا نقصان بھی زیادہ ہو گا اور جاہل آدمی ہمیشہ اپنی حاجات اور خواہشات کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ غم اور پریشانی کے اسباب میں اضافہ کر رہا ہے۔

یہاں تک کہ بعض جاہل ان گھٹیا عادات اور برے دوستوں کی وجہ سے اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ اگر انہیں کہا جائے کہ تم پرندوں کے ساتھ اچھی طرح کھیل سکتے ہو شطرنج بھی ٹھیک ٹھاک کھیل لیتے ہو لیکن شراب زیادہ نہیں پی سکتے نہ زیادہ کھانا کھا سکتے ہو اور اس طرح کی دوسری گھٹیا عادات کا ذکر کیا جائے تو اسے غصہ آتا ہے ــــ تو اس قسم کے امور پر غصہ آنا ضروری نہیں کیوں کہ ان امور کی چاہت ضروری نہیں۔

تیسری قسم ان امور کی ہے جو بعض لوگوں کے حق میں ضروری ہیں بعض کے حق میں نہیں۔ مثلاً عالم کے لیے کتاب ضروری ہے کیونکہ اسے اس کی ضرورت ہے لہذا وہ اسے چاہتا ہے بنا بریں اگر کوئی اس کی کتاب پھاڑ دے یا جلا دے تو اسے غصہ آتا ہے اسی طرح کاریگر کے اوزار اس کے لیے ضروری ہیں وہ ان کے بغیر غذا حاصل نہیں کر سکتا۔ تو جو چیز کسی ضروری چیز کا وسیلہ ہو وہ بھی لازمی ہوتی ہے اور اس سے بھی محبت ہوتی۔

اس میں شخصیات کے حوالے سے اختلاف ہوتا ہے ضروری محبت وہ ہے جس کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ أَصْبَحَ آمِنًا فِي سِرْبِهِ مُعَافًى فِي بَدَنِهِ وَلَهُ قُوتُ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيرِهَا۔ (۱)

جو شخص اپنے گھر میں امن کے ساتھ ہو اسے جسمانی صحت اور ایک دن کا رزق حاصل ہو گویا دنیا اپنے اطراف سے اس کے پاس اکٹھی ہو گئی ہے۔

اور جس شخص کو حقائقِ امور معلوم ہوں اور اسے یہ تینوں باتیں حاصل ہوں تو اس کے بارے میں یہی تصور ہو گا کہ وہ دوسری چیزوں کے لیے غصے میں نہیں آئے گا۔

تو یہ تین اقسام ہیں اب ہم ان میں سے ہر ایک میں ریاضت کی غایت بیان کرتے ہیں۔

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو اس میں ریاضت کا یہ فائدہ نہیں ہوتا کہ غصہ بالکل ختم ہو جائے بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اسے غصے کی اطاعت سے نکلنے کی طاقت حاصل ہو اور ظاہر میں غصے کا استعمال شریعت کے تابع اور عقل کے مطابق ہو۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب مجاہدے کی راہ اختیار کی جائے اور ایک عرصہ تک بردباری اور برداشت کو اپنایا جائے حتیٰ کہ بردباری اور برداشت اس کی مضبوط عادت بن جائے جہاں تک غصے کو دل سے بالکل باہر نکالنے کا تعلق ہے تو یہ طبیعت کا مقتضا نہیں ہے اور ایسا کرنا ممکن بھی نہیں ہاں اس کے ہیجان کو توڑ کر اس کو کمزور کرنا ممکن ہے حتیٰ کہ باطن میں اس کا ہیجان زیادہ نہ ہو اور وہ اس حد تک کمزور ہو جائے کہ اس کا اثر چہرے پر نظر نہ آئے لیکن یہ بہت مشکل ہے۔

تیسری قسم کا حکم بھی یہی ہے کیوں کہ جو بات کسی ایک آدمی کے حق میں ضروری ہو تو دوسرے کے حق میں اس کا ضروری نہ ہونا اسے غصہ سے نہیں روکتا تو اس میں ریاضت کا فائدہ عمل سے رکاوٹ ہے نیز اندرونی طور پر اس کا ہیجان ختم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس پر صبر کرنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

دوسری قسم میں ریاضت کے ذریعے غصے کو دل سے بالکل باہر نکالنا ممکن ہوتا ہے کیونکہ جب ان امور کی محبت دل سے نکل جائے تو غصہ ختم ہو جائے گا اس لیے کہ انسان جانتا ہے کہ اس کا وطن قبر ہے اور اس کا اصل ٹھکانہ آخرت ہے دنیا تو ایک گزرگاہ ہے اس میں وہ ضرورت کے مطابق زادِ راہ حاصل کرتا ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس کے وطن اور ٹھکانے کے حوالے سے وبال ہے لہٰذا وہ دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے اور اس کی محبت کو دل سے نکال دیتا ہے۔

اگر کسی آدمی کے پاس ایسا کتا ہو جس کو وہ پسند نہیں کرتا تو کسی کے اس کو مارنے پر اس کو غصہ نہیں آتا تو غصہ محبت کے تابع ہوتا ہے تو اس صورت میں ریاضت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اصل غصہ کو ہی ختم کر دے لیکن یہ بہت نادر ہے اور بعض

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۵۰۹ کتاب الصدقات

اوقات غصے کے استعمال اور اس کے مقتضا کے مطابق عمل سے رکاوٹ لگ جاتی ہے اور یہ آسان ہے۔
اگر تم کہو کہ پہلی قسم میں جو چیزیں ضروری ہیں ان کے فوت ہو جانے سے تکلیف ہوتی ہے غصہ نہیں آتا مثلاً ایک آدمی کی بکری ہے جو اس کے رزق کا ذریعہ ہے اگر وہ مر جائے کسی پر غصہ نہیں آتا اگرچہ اسے یہ بات ناپسند ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر ناپسند، غصے کا موجب ہو انسان کو خون نکالتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے لیکن اسے خون نکالنے والے پر غصہ نہیں آتا جس آدمی پر توحید کا غلبہ ہوحتیٰ کہ وہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت اور اسی کی طرف سے سمجھے تو وہ بھی اس کی مخلوق میں سے کسی پر غصہ نہیں کھاتا کیونکہ وہ سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت کے تحت سمجھتا ہے جیسا کہ قلم، کاتب کے ہاتھ میں ہوتی ہے مثلاً بادشاہ کسی کی گردن قلم کرنے کا حکم لکھ دے تو وہ قلم پر غصہ نہیں کھاتا اور وہ اس شخص پر غصہ نہیں کھاتا جو اس کی بکری کو ذبح کر دے حالانکہ وہ اس کا رزق ہے جس طرح اس کے مرنے پر اسے غصہ نہیں آتا کیونکہ وہ ذبح اور موت دونوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھتا ہے تو غلبۂ توحید کی وجہ سے غصہ ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان ہونے کی صورت میں بھی غصہ ختم ہو جاتا ہے اچھا گمان یہ ہے کہ وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے اس میں اس کی بھلائی ہے۔
بعض اوقات انسان کی بھلائی اس کی بھوک، بیماری، زخم اور قتل کی صورت میں ہوتی ہے لہٰذا اسے غصہ نہیں آتا جیسا کہ وہ نشتر لگانے والے پر غصہ نہیں کھاتا۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس میں اس کی بھلائی ہے۔
ہم کہتے ہیں اس طریقے پر یہ بات محال نہیں ہے لیکن اس حد تک غلبۂ توحید چمکنے والی بجلی کی طرح ہوتا ہے وہ ایسے احوال میں غالب ہوتا ہے جو اچکنے کے برابر ہیں اس میں دوام نہیں ہوتا۔ اور دل وسائل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ فطری توجہ ہے جو دور نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی انسان کے لیے اس کو دائمی تصور کیا جا سکتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تصور کیا جاتا لیکن آپ کو غصہ آتا تھا حتیٰ کہ آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو جاتے۔(۱)

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اَنَا بَشَرٌ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ فَاَيُّمَا مُسْلِمٍ سَبَبْتُهُ اَوْ لَعَنْتُهُ اَوْ ضَرَبْتُهُ فَاجْعَلْهَا مِنِّي صَلَاةً عَلَيْهِ وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)	یا اللہ! بے شک میں بھی ایک بشر ہوں میں جس شخص کو سب و شتم کروں یا اس پر لعنت بھیجوں یا اسے ماروں تو اسے اس کے لیے میری طرف سے رحمت بنا دینا اس کی پاکیزگی اور قیامت کے دن اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۴ کتاب الجمعۃ

(۲) مسند امام بن حنبل جلد ۲ ص ۹۲ مرویات ابو ہریرہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جو کچھ غصے اور رضا کی حالت میں فرماتے ہیں میں یہ سب کچھ لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا۔

اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ نَبِیًّا مَا یَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا حَقٌّ۔ (۱)

آپ لکھ لیا کریں پس اس ذات کی قسم جس نے مجھے سچا نبی بنا کر بھیجا ہے اس (زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے غصہ نہیں آتا بلکہ فرمایا کہ غصہ بھی اس سے ناحق بات نہیں نکالتا یعنی میں غصے کے موجب کے مطابق عمل نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غصے میں آگئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "کیا ہوا تمہارے پاس تمہارا شیطان آگیا؟ انہوں نے عرض کیا آپ کے ساتھ شیطان نہیں ہے آپ نے فرمایا۔

بَلٰی وَلٰکِنِّیْ دَعَوْتُ اللہَ فَاَعَانَنِیْ عَلَیْہِ فَاَسْلَمَ فَلَا یَامُرُنِیْ اِلَّا بِالْخَیْرِ۔ (۲)

ہاں کیوں نہیں لیکن میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اس نے میری مدد فرمائی پس وہ مسلمان ہو گیا اب وہ مجھے بھلائی کے علاوہ کسی بات کا نہیں کہتا۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے ساتھ شیطان نہیں ہے اور آپ کی مراد غصہ دلانے والا شیطان ہے بلکہ آپ نے فرمایا کہ وہ مجھے برائی کی ترغیب نہیں دیتا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے لیے غصہ نہیں فرماتے تھے (۳) جب آپ کو حق بات کے لیے غصہ آتا تو کسی کو پتہ نہ چلتا اور نہ کوئی چیز اس غصے کی تاب لا سکتی حتیٰ کہ آپ حق کا انتقام لے لیتے۔

تو آپ کا غصہ حق کے لیے ہوتا تھا اور اگر غصہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو تو اس کی توجہ وسیلوں کی طرف ہوتی ہے بلکہ جس آدمی کو اس شخص پر غصہ آتا ہے جو اس کی ضرورت کا سامان مثلاً روزی وغیرہ لے جاتا ہے جو اس کے دین کے اعتبار سے بھی ضروری ہے تو یہ غصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا اس سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہاں بعض اوقات ضروری امور میں بھی غصہ بالکل مفقود ہوتا ہے جب اس کا دل اس سے بھی اہم بات میں مشغول ہو اس

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۵۸ کتاب العلم

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۱۵ مرویات عائشہ

(۳) جامع الترمذی، ابواب الشمائل ص ۵۸۴

وقت دل میں غصے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ وہ دوسری طرف مصروف ہوتا ہے کیوں کہ بعض اہم باتوں میں دل کی مشغولیت اسے دوسری طرف کا احساس بھی نہیں ہونے دیتی جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو جب کسی نے گالی دی تو انہوں نے فرمایا اگر میزان میں میرا نامۂ اعمال کم ہوئے تو جو کچھ تو کہتا ہے میں اس سے بھی برا ہوں اور اگر میرے اعمال کا پلڑا بھاری ہوا تو تیری گالی سے مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔

تو ان کی تمام توجہ آخرت کی طرف تھی۔ لیکن ان کا دل گالی سے متاثر نہیں ہوا۔

اسی طرح حضرت ربیع بن خیثم رحمہ اللہ کو گالی دی گئی تو انہوں نے فرمایا اے فلاں شخص! اللہ تعالیٰ نے تیرا کلام سن لیا ہے اور جنت کے راستے میں ایک گھاٹی ہے اگر میں نے اسے طے کر لیا تو تمہاری یہ بات مجھے ضرر نہیں پہنچا سکتی اور اگر میں اسے طے نہ کر سکا تو تم جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے بھی برا ہوں۔

ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا تو آپ نے فرمایا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے چھپا رکھا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے گویا آپ اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی معرفت جس طرح چاہیے، کے سلسلے میں اپنی نفسانی کوتاہیوں کی طرف متوجہ تھے اس لیے دوسرے شخص نے جو کچھ آپ کی عیب جوئی کی اس کی طرف آپ کی توجہ نہ ہوئی۔ کیوں کہ آپ اپنے اندر کمی خیال فرماتے تھے اور یہ آپ کی عظمتِ شان تھی (ورنہ آپ تو ایک عظیم شخصیت تھے۔

ایک عورت نے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ سے کہا اے ریاکار! آپ نے فرمایا تیرے سوا کسی نے مجھے نہیں پہچانا گویا آپ اپنے آپ سے ریاکاری کی آفت کو دور کرنے میں مشغول تھے اور جو کچھ شیطان کہتا تھا اس کا انکار فرماتے تھے لہٰذا جب آپ کو ریاکار کہا گیا تو آپ کو غصہ نہ آیا۔

ایک شخص نے حضرت شعبی رحمہ اللہ کو گالی دی تو انہوں نے فرمایا اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور اگر تم جھوٹ بولتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے۔

یہ اقوال بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ لوگ غصہ نہیں کھاتے تھے کیوں کہ ان کے دل اہم دینی امور میں مشغول ہوتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ گالی گلوچ ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتی ہو لیکن اس طرف توجہ نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ اس بات میں مشغول ہوتے تھے جو ان کے دلوں پر زیادہ غالب ہوتی تھی۔

تو بعید نہیں کہ دل کا بعض اہم امور میں مشغول ہونا بعض پسندیدہ چیزوں کے چلے جانے پر غصہ آنے کو روک دے اس وقت غصے کا مفقود ہونا متصور ہوگا۔

اور جب دل کسی اہم بات میں مشغول ہو یا عقیدۂ توحید کا غلبہ ہو یا کوئی تیسرا سبب ہو اور وہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو غصہ نہ کھانا پسند ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی شدت اس کے غصے کو مٹا دے گی اور نادر واقعات میں اس بات کا پایا جانا محال نہیں ہے۔

اس تفصیل سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ غصے کی آگ سے چھٹکارا حاصل کرنا دنیا کی محبت کو دل سے نکال دینا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دنیا کی آفات اور اس کی خرابیوں کو پہچانتا ہو جیسے دنیا کی مذمت کے بیان میں آئے گا۔

اور جو شخص تکبر اور غرور کی چاہت کو اپنے دل سے نکال دیتا ہے وہ غضب کے اکثر اسباب سے چھٹکارا پا لیتا ہے اور جس چیز کو مٹانا ممکن نہ ہو اسے توڑنا اور کمزور کرنا تو ممکن ہے لہٰذا غصے کے سبب کو کمزور کر کے اس کے ذریعے غصے کو ٹھنڈا کیا جائے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے لطف و کرم کے سبب حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ وحدہ لاشریک کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔

غصہ دلانے والے اسباب

تم معلوم کر چکے ہو کہ ہر بیماری کا علاج اس کے مادہ کو ختم کرنے اور اس کے اسباب کو زائل کرنے کے ذریعے کیا جاتا ہے لہٰذا غصے کے اسباب کو پہچاننا ضروری ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کونسی چیز زیادہ سخت ہے انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا غضب، پوچھا کون سا کام اللہ تعالیٰ کے غضب کے قریب کرتا ہے فرمایا غصہ کھانا، پوچھا غصہ کس وجہ سے پیدا ہوتا ہے؟ فرمایا تکبر، فخر، خود ساختہ عزت اور جھوٹی حمیت سے۔ خود پسندی، مزاح، غیر سنجیدگی، مذاق، عار دلانا، بات کاٹنا، مخالفت کرنا، دھوکہ دینا، زائد مال اور جاہ و مرتبے کی شدید حرص غصے دلانے والے اسباب ہیں اور یہ سب گھٹیا عادات ہیں جو شرعی طور پر مذموم ہیں اور جب تک یہ اسباب موجود ہوں غصے سے بچنا نا ممکن ہے لہٰذا ان اسباب کے مخالف امور کے ذریعے ان کو زائل کرنا ضروری ہے۔

تواضع کے ذریعے تکبر اور اپنی پہچان کے ذریعے خود پسندی، کو دور کیا جائے جیسے تکبر اور خود پسندی کے بیان میں ذکر ہو گا فخر کو دُور کرنے کے لیے یہ سوچے کہ میں بھی اپنے غلاموں کی طرح بندہ ہوں کیونکہ تمام لوگوں کا نسب ایک ہے اور وہ ایک باپ کی اولاد ہیں البتہ فضیلت میں کچھ تفاوت ہوتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد ایک جنس سے تعلق رکھتی ہے فخر فضائل کے ساتھ ہوتا ہے۔ تکبر، خود پسندی اور فخر نہایت گھٹیا عادات ہیں بلکہ تمام خرابیوں کی جڑ ہیں جب تک تم ان سے خالی نہ ہو گے دوسروں پر تمہیں کوئی فضیلت حاصل نہ ہو گی تو جب تمہارا اور تمہارے غلام کا ایک ہی جنس سے تعلق ہے کہ تم ایک باپ کی اولاد ہو اور تمہارا نسب بھی ایک ہے، نیز تمہارے ظاہری اور باطنی اعضاء بھی ایک جیسے ہیں تو تم فخر کیوں کرتے ہو؟

مزاح سے اس طرح بچا جا سکتا ہے کہ آدمی ان اہم دینی امور میں مشغول ہو جائے جو تمام زندگی کو گھیر لیتے ہیں اور پھر بھی بچ جاتے ہیں یہ اسی وقت ہے جب تمہیں اس بات کی معرفت حاصل ہو جائے لغو باتوں کو فضائل اور اخلاق حسنہ کی طلب میں سنجیدگی اختیار کرنے کے ذریعے دور کر سکتے ہو علاوہ ازیں علوم دینیہ میں مشغول رہو جو تمہیں اُخروی سعادت تک پہنچاتے ہیں۔

دوسروں کا تمسخر اڑانے سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو لوگوں کی ایذا رسانی اور ان کے تمسخر اڑانے سے بچانے کی فکر کرو۔

دوسروں کو عار دلانے کا طریقہ یوں چھوڑا جا سکتا ہے کہ بری بات سے بچو کڑوا جواب دینے سے اپنے آپ کو بچاؤ مال و جاہ کی کثرت کی حرص کو یوں زائل کرو کہ ضرورت کے مطابق مال پر قناعت کرو بے نیازی کی عزت کو طلب کرو اور حاجت کی ذلت سے بچو۔

یہ تمام عادات اور وصف اپنے علاج کے سلسلے میں ریاضت اور مشقت برداشت کرنے کے محتاج ہیں ان میں ریاضت اختیار کرنے سے پہلے ان کی خرابیوں سے آگاہ ہونا ضروری ہے تاکہ نفس ان سے اعراض کرے اور ان کی خرابیوں سے نفرت کرے پھر ان بری عادات کی مخالف عادات کی عرصہ دراز تک پابندی کی جائے تاکہ نفس ان کا عادی ہو جائے جب ان عادات کے چھوٹ جانے سے نفس پاک ہوئے گا تو ان سے پیدا ہونے والے غصے سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔

اکثر جاہل لوگوں کو زیادہ غصہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے غصہ کو بہادری، مردانگی، عزت نفس، ہمت کی بڑائی قرار دیا ہے اور اپنی کند ذہنی اور جہالت کی وجہ سے اسے اچھے اچھے القابات دے رکھے ہیں حتی کہ نفس اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور اسے اچھا سمجھتا ہے اور اس کو مزید پکا اس وقت کیا جاتا ہے جب اکابر بزرگوں کے حوالے سے غصے کی شدت بیان کی جاتی ہے اور اسے ان کی شجاعت قرار دی جاتی ہے۔

چونکہ نفوس اکابر سے مشابہت اختیار کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں اس لیے دل میں غصے کا ہیجان ہوتا ہے اس غصے کو عزت نفس اور شجاعت قرار دینا جہالت ہے بلکہ یہ تو ایک قلبی بیماری اور عقل کی کمی ہے اور اس کی وجہ نفس کی کمزوری اور اس کا ناقص ہونا ہے اس بات کی دلیل کہ یہ نفس کی کمزوری کے باعث ہوتا ہے، یہ ہے کہ تندرست آدمی کی نسبت بیمار کو جلدی غصہ آتا ہے اسی طرح مرد کے مقابلے میں عورت کو بزرگ آدمی کے مقابلے میں بچے کو اور بوڑھے کی نسبت شیخ کبیر کو جلدی غصہ آتا ہے۔

نیز اصحاب فضیلت لوگوں کے مقابلے میں قبیح عادات کے حامل لوگ جلد غصے میں آجاتے ہیں۔ کمینہ آدمی ایک لقمہ نہ پائے تو اس کی خواہش اور ایک دانے کے بخل کی وجہ سے غصے میں آجاتا ہے حتی کہ وہ اپنے گھر والوں، اولاد اور دوستوں پر بھی غصہ نکالتا ہے بلکہ طاقت ور تو وہی شخص ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو پاتا ہے جیسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (۱)

پہلوان وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے اوپر کنٹرول کرتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۶ کتاب البر والصلۃ

بلکہ اس قسم کے جاہل کا علاج یوں کیا جائے کہ عفو و درگزر سے کام لینے والے اور بردباری کا ثبوت دینے والے لوگوں کے واقعات اسے سنائے جائیں۔ اسی طرح جو لوگ غصے کو پی جاتے ہیں ان کا ذکر کیا جائے اس قسم کے واقعات انبیاء کرام، اولیاء عظام حکماء، علماء، اور باعظمت بادشاہوں سے منقول ہیں جب کہ اس کے خلاف واقعات ترکوں، کردوں، جاہلوں اور غبی قسم کے لوگوں سے نقل کئے گئے ہیں جنہیں نہ تو سمجھ ہے اور نہ ہی ان کے پاس علم ہے۔

غصے میں جوش کے بعد اس کا علاج

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ غصے کے اسباب کو روکنے اور ان کو ختم کرنے سے متعلق تھا تاکہ غصے میں جوش پیدا نہ ہو۔ اور جب اس کے جوش کا سبب پیدا ہو تو اس وقت صبر و استقامت کی راہ اختیار کی جائے" تاکہ وہ شخص مذموم طریقے سے عمل پر مجبور نہ ہو جائے جب غصے میں جوش پیدا ہوتا ہے تو اس کا علاج علم و عمل کے معجون سے کیا جاتا ہے۔ علم سے متعلق چھ باتیں ہیں۔

۱۔ ان روایات میں غور کرے جو غصہ پی جانے معاف کرنے اور بردباری سے متعلق ہم عنقریب ذکر کریں گے اس طرح وہ اس کے ثواب میں رغبت رکھے گا اور اس (ثواب) کی حرص اسے انتقام لینے سے روکے گی اور غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک آدمی پر غصہ آیا تو آپ نے اسے مارنے کا حکم دیا میں نے عرض کیا اے امیر المومنین (ارشاد خداوندی ہے)

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ (۱)

معاف کرنا اختیار کریں اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی یہی آیت پڑھنے لگے وہ آیت میں غور کر رہے تھے آپ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی آیت پڑھی جاتی تو اس میں خوب غور و فکر کرتے چنانچہ آپ نے غور و فکر کے بعد اس شخص کو چھوڑ دیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مارنے کا حکم دیا پھر یہ آیت کریمہ پڑھی۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ۔ (۲)

اور غصے کو پی جانے والے۔

اور اپنے غلام سے فرمایا اسے چھوڑ دو۔

۲۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائے مثلاً یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہے جس

---

(۱) قرآن مجید سورۃ اعراف آیت ۱۹۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۳۴

قدر میں اس پر رکھتا ہوں اگر میں اس پر غصہ نکالوں گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ پر غضب ناک ہوگا اور اس وقت معافی کی زیادہ ضرورت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی بعض کتابوں میں فرمایا۔

اے انسان! جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر لیا کر جب مجھے غصہ آئے گا تو میں تجھے یاد رکھوں گا اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ تجھے ہلاک نہیں کروں گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خادم کو کسی کام کے لیے بھیجا تو اس نے دیر کردی جب وہ واپس آیا تو آپ نے فرمایا۔

لَوْلَا الْقِصَاصُ لَاَوْجَعْتُكَ۔ (۱) اگر قصاص نہ ہو تو میں تجھے سزا دیتا۔

مطلب یہ کہ قیامت میں اس کا بدلہ ہوگا۔

کہا گیا کہ بنی اسرائیل میں ہر بادشاہ کے ساتھ ایک حکیم (دانا) ہوتا تھا جب اس بادشاہ کو غصہ آتا تو وہ ایک کاغذ اسے دیتا جس میں لکھا ہوتا مسکین پر رحم کرو اور موت کو یاد رکھو۔ وہ اسے پڑھتا یہاں تک کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا۔

۳۔ اگر نفس آخرت کا خوف نہ رکھتا ہو تو اسے غصے کے دنیوی انجام سے ڈرائے کہ اس سے عداوت اور انتقام کا سامنا کرنا پڑے گا دشمن مقابل ہو جائے گا۔ مقاصد ختم کرنے کی کوشش کرے گا اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا اس صورت میں خواہش کو غصے پر مسلط کرنا ہے اس کا اُخروی اعمال سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس پر ثواب ملے گا کیونکہ وہ فوری فوائد کے حصول کے لیے ان امور کو باہم ٹکراتا ہے اور بعض کو بعض پر مقدم کرتا ہے۔ البتہ اس کا یہ خیال ہو کہ اس کی وجہ سے وہ دنیا میں علم و عمل کے لیے فراغت حاصل نہیں کر سکے گا اور آخرت کے لیے مدد نہیں ملے گی تو اس مقصد کے تحت غصے کو چھوڑنے پر ثواب حاصل ہوگا۔

۴۔ غصے کے وقت جو اس کی اپنی شکل بگڑتی ہے اس کے بارے میں غور کرے یعنی یاد کرے کہ حالتِ غضب میں فلاں کی شکل کیسی بن گئی تھی اور غصے کی ذاتی خرابی میں غور و فکر کرے اور سوچے کہ غصے میں آنے والا باؤلے کتے یا حملہ کرنے والے درندے کی طرح ہو جاتا ہے اور جو شخص بردبار، ہدایت یافتہ اور غصے کو چھوڑنے والا ہے وہ انبیاء کرام، اولیاء عظام اور علماء و حکماء کے مشابہ ہوتا ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ کتوں، درندوں اور گھٹیا قسم کے انسانوں سے مشابہت اختیار کرے یا علماء کرام اور انبیاء عظام کی عادات سے مشابہت اختیار کرے تاکہ اس کا نفس ان نفوس قدسیہ کی اقتداء چاہنے کی طرف مائل ہو اگر اس کے پاس کچھ بھی عقل ہو۔

۵۔ وہ اس سبب کے بارے میں سوچے جو اسے انتقام کی دعوت دیتا اور غصہ پی جانے سے روکتا ہے اور یقیناً اس کا

---

(۱) کنز العمال جلد ۵ اص ۶ حدیث ۲۰۲۹۸

کوئی سبب ہوگا مثلاً شیطان اسے کہتا ہے کہ اگر تم نے انتقام نہ لیا تو دوسرا آدمی اسے تمہارے عجز اور ذلتِ نفس پہ محمول کرے گا اور تو لوگوں کی نگاہوں میں حقیر و رسوا ہوگا۔ اگر یہ صورت حال ہو تو اپنے نفس سے کہے تعجب کی بات ہے، اس وقت تمہیں بردباری اچھی نہیں لگتی اور تم قیامت کے دن ذلیل و رسوا ہونے سے نفرت نہیں کرتے جب وہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر تم سے بدلہ لینا چاہے گا تو لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہونے سے ڈرتا ہے اور اس کا تجھے کوئی ڈر نہیں کہ تو اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انبیاء کرام کی نگاہوں میں ذلیل و رسوا ہوگا تو جب غصے پر قابو پائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے غصے کو پیئے اس طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے عظمت ملے گی لہٰذا اس کا لوگوں سے کیا مطلب؟

اور جو شخص اس پر زیادتی کرتا ہے قیامت کے دن وہ آج کے انتقام سے زیادہ ذلیل ہوگا کیا وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ جب قیامت کے دن آواز دی جائے گی کہ جس کا اجر اللہ کے ہاں ہے وہ کھڑا ہو تو وہی لوگ کھڑے ہوں گے جو معاف کرنے والے ہیں تو اس وقت وہ کھڑا ہو۔ اس قسم کی باتیں ایمان کے معارف ہیں لہٰذا اپنے دل میں ان کو خوب پکا کرنا چاہیے۔

۶۔ اسے یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ اس کا غصہ اس وجہ سے ہے کہ اس کا کام اس کے اپنے ارادے کے مطابق نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مراد کے مطابق ہوا ہے تو وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ میری مراد، اللہ تعالیٰ کی مراد سے زیادہ بہتر ہے اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب، اس کے اپنے غضب سے زیادہ ہو،

جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو اپنی زبان سے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح حکم دیا کہ غصے کے وقت "اعوذ باللہ پڑھنی چاہیے۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب غصہ آتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ناک پکڑ کر فرماتے۔ اے عویش (عائشہ سے اسم تصغیر) یوں کہو۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَاَذْھِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ۔ (۲)

اے اللہ! حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے رب! میرے گناہ بخش دے اور میرے دل سے غصے کو لے جا اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچا۔

لہٰذا یہ الفاظ کہنا مستحب ہے۔

اگر اس طریقے سے بھی غصہ نہ جائے تو کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، اور اگر بیٹھے ہوئے ہو تو لیٹ جاؤ اور اس زمین

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۶ کتاب البر والصلۃ

(۲) کنز العمال جلد ۷ ص ۴۸۱ حدیث ۸۰۹ ۱۸

کے قریب ہو جاؤ جس سے تمہیں پیدا کیا گیا تاکہ اس طرح تمہیں اپنے نفس کی ذلت کی پہچان ہو جائے اور بیٹھنے اور لیٹنے کے ذریعے سکون تلاش کر دیں کیوں کہ غصے کا سبب حرارت ہے، اور حرارت کا سبب حرکت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ تُوْقَدُ فِی الْقَلْبِ اَلَمْ تَرَوْا اِلَی انْتِفَاخِ اَوْدَاجِہٖ وَحُمْرَةِ عَیْنَیْہِ فَاِذَا وَجَدَ اَحَدُکُمْ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا فَاِنْ کَانَ قَائِمًا فَلْیَجْلِسْ وَاِنْ کَانَ جَالِسًا فَلْیَنَمْ۔ (۱)

بے شک غصہ ایک چنگاری ہے جو دل میں بھڑکتی ہے کیا تم اس کی رگوں کے پھولنے اور آنکھوں کی سرخی کو نہیں دیکھتے پس جب تم میں سے کوئی ایک اس میں کوئی بات پائے تو اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اور اگر بیٹھا ہوا ہے تو سو جائے۔

اگر اس طرح بھی زائل نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو یا غسل کرے کیونکہ آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّیْطَانِ وَاِنَّ الشَّیْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ۔ (۲)

بے شک غصہ شیطان سے ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے پس جب تم میں سے کسی ایک کو غصہ آئے تو اسے وضو کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا غَضِبْتَ فَاسْکُتْ۔ (۳)

جب تمہیں غصہ آئے تو خاموش ہو جاؤ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غصہ آتا اور آپ کھڑے ہوتے تو بیٹھ جاتے اور جب بیٹھنے کی حالت میں غصہ آتا تو لیٹ جاتے اس طرح آپ کا غصہ ختم ہو جاتا۔ (۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلَا اِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ فِی قَلْبِ ابْنِ آدَمَ اَلَا تَرَوْنَ اِلٰی حُمْرَةِ عَیْنَیْہِ وَانْتِفَاخِ اَوْدَاجِہٖ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا

سنو! بے شک غصہ انسان کے دل میں ایک چنگاری ہے کیا تم اس کی آنکھوں کی سرخی اور رگوں کا پھولنا نہیں دیکھتے پس تم میں سے جو اسے پائے وہ اپنے رخسار

---

(۱) شعب الایمان جلد ۶ ص ۳۱۰ حدیث ۸۲۹۰

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۴ کتاب الادب

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۳۴۳ حدیث ۱۰۹۵۱

(۴) کنز العمال جلد ۳ ص ۴۱۱ الحدیث ۱۸۴۰۲

فَلْيُلْصِقْ خَدَّهٗ بِالْاَرْضِ۔(۱) کو زمین سے ملا دے۔

یہ سجدہ کی طرف اشارہ ہے نیز سب سے زیادہ معزز عضو کو سب سے پست مقام یعنی مٹی ٹھہرایا ہے تاکہ اس کے ذریعے نفس کی ذلت کا پتہ چلے اور وہ عزت، وغرور جو غصے کا سبب ہے چلا جائے ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا تو آپ نے پانی منگوا کر کلی کی اور فرمایا غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ عمل غصے کو لے جاتا ہے۔

حضرت عروہ بن محمد فرماتے ہیں جب مجھے یمن کا عامل مقرر کیا گیا تو میرے والد نے مجھ سے پوچھا کیا تو والی مقرر ہوا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا جب تمہیں غصہ آئے تو اپنے اوپر آسمان کی طرف دیکھو اور اپنے نیچے زمین کی طرف دیکھو پھر ان دونوں کے خالق کی عظمت بیان کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا اے حمراء (لال عورت) کے بیٹے! اس وقت ان دونوں کے درمیان جھگڑا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔

يَا اَبَا ذَرٍّ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ الْيَوْمَ عَيَّرْتَ اَخَاكَ بِاُمِّهٖ۔ اے ابوذر! مجھے خبر ملی ہے کہ آج تم نے اپنے (مسلمان) بھائی کو اس کی ماں کے ذریعے عار دلائی ہے۔

انہوں نے عرض کیا جی ہاں، پھر وہ اس شخص کو راضی کرنے چلے گئے۔ اتنے میں اس شخص نے سبقت کی اور انہیں سلام کیا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا۔

اے ابوذر! اپنا سر اٹھاؤ اور دیکھو پھر جان لو کہ تم کسی سرخ یا سیاہ سے افضل نہیں ہو البتہ یہ کہ تمہیں عمل کے ذریعے فضیلت حاصل ہو۔

اس کے بعد فرمایا۔

جب تمہیں غصہ آئے اور تم کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہوئے ہو تو تکیہ لگا لو اور اگر تم نے تکیہ لگایا ہوا ہو تو لیٹ جاؤ۔[۲]

حضرت معتمر بن سلیمان فرماتے ہیں تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جسے بہت زیادہ غصہ آتا تھا اس نے تین کاغذ لکھ کر تین آدمیوں کو دے دیئے پہلے سے کہا جب مجھے غصہ آئے تو یہ کاغذ مجھے دے دینا، دوسرے سے کہا جب میرا غصہ کچھ تھم جائے تو یہ کاغذ مجھے دے دینا اور تیسرے سے کہا جب میرا غصہ بالکل چلا جائے تو یہ کاغذ مجھے دینا۔

ایک دن اسے بہت زیادہ غصہ آیا تو اسے پہلا کاغذ دیا گیا جس میں لکھا تھا اس غصے سے تیرا کیا تعلق ہے تم خدا تو

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۶۱ مرویات ابو سعید خدری

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۸۲۸ حدیث ۸۷۱۸

نہیں ہو تم تو ایک انسان ہو عنقریب تیرے جسم کا بعض حصہ، دوسرے بعض کو کھائے گا چنانچہ اس کا غصہ قدرے ٹھنڈا ہو گیا پھر اسے دوسرا کاغذ دیا گیا تو اس میں لکھا تھا تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا پھر تیسرا رقعہ دیا گیا تو اس میں لکھا تھا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ پکڑو ان کی اصلاح اسی بات سے ہو گی یعنی حدود کو معطل نہ کرو۔

ایک دن مہدی (بادشاہ) کو ایک شخص پر غصہ آیا تو حضرت شبیب نے کہا خدا کے لیے اتنا غصہ نہ کرو جتنا اس نے اپنے نفس کے لیے کیا ہے چنانچہ اس نے کہا اسے چھوڑ دو۔

غصہ پی جانے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔ (۱)

اور وہ لوگ جو غصے کو پی جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات تعریف کے مقام پر فرمائی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ کَفَّ غَضَبَہٗ کَفَّ اللّٰہُ عَنْہُ عَذَابَہٗ وَمَنِ اعْتَذَرَ اِلٰی رَبِّہٖ قَبِلَ اللّٰہُ عُذْرَہٗ وَمَنْ خَزَنَ لِسَانَہٗ سَتَرَ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ، (۲)

جو شخص اپنے غصے کو روکتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اپنے غضب کو روک دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرماتا ہے اور جو آدمی اپنی زبان کو روک کر رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَشَدُّکُمْ مَنْ غَلَبَ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ وَاَحْلَمُکُمْ مَنْ عَفَا عِنْدَ الْقُدْرَۃِ۔ (۳)

تم میں سے زیادہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے اور تم میں سے زیادہ بردبار وہ ہے جو طاقت کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۳۴

(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۹۱ کتاب البر والصلۃ

(۳) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۶۸ کتاب البر والصلۃ

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَلَوْ شَاءَ اَنْ يُّمْضِيَهٗ اَمْضَاهُ مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رِضاً۔ (۱)

جو شخص غصے کو پی جاتا ہے حالانکہ اگر وہ غصہ نکالنا چاہتا تو نکال لیتا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی رضا سے اس کے دل کو بھر دے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا۔(۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَاجَرَعَ عَبْدٌ جُرْعَةً اَعْظَمَ اَجْرًا مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ كَظَمَهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (۳)

کوئی بندہ اس گھونٹ سے زیادہ اجر والی گھونٹ نہیں بھرتا جو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصے کی گھونٹ بھرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ لِجَهَنَّمَ بَابًا لَا يَدْخُلُهٗ اِلَّا مَنْ شَفٰى غَيْظَهٗ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ۔ (۴)

بے شک جہنم کا ایک دروازہ ہے جس سے وہی شخص داخل ہوگا جو اپنے غصے کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ نکالتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ جُرْعَةٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ كَظَمَهَا عَبْدٌ وَمَا كَظَمَهَا عَبْدٌ اِلَّا مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ اِيْمَانًا۔ (۵)

اللہ تعالیٰ کو اس غصے کے گھونٹ سے زیادہ پسند کوئی گھونٹ نہیں جسے کوئی بندہ پی لیتا ہے اور بندہ جب غصے کو پی جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان سے بھر دیتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّنْفِذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ وَيُخَيِّرَهٗ

جو شخص غصہ نکالنے کی طاقت کے باوجود اسے پی جاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے لوگوں کے سامنے

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۹۱ کتاب البر والصلۃ
(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۴ حدیث ۸۲۲
(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۹، ابواب الزھد
(۴) الدر المنثور جلد ۴ ص ۹۹ تحت آیت لھا سبعۃ ابواب
(۵) کنز العمال جلد ۳ ص ۳، ۸ حدیث ۷۰۴۳

مِنْ اَیِّ الْحُوْرِ شَآءَ ۔ (۱) بلا کر اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے لے لے۔

آثار :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ غصہ نکالتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ڈرتا ہے وہ من پسند عمل نہیں کرتا اور اگر قیامت کا دن نہ ہوتا تو تم کچھ اور ہی دیکھتے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا مانگنے کے ذریعے اپنی عزت نہ گنوا دینا اور غصہ نکالتے نکالتے ذلیل و رسوا نہ ہو جانا اپنی قدر پہچانو گے تو زندگی سے نفع حاصل کرو گے۔

حضرت ایوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک ساعت کی بردباری بہت زیادہ خرابیوں کو دور کر دیتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری، ابو خزیمہ یربوعی اور فضیل بن عیاض رحمہم اللہ اکٹھے ہو کر زہد کے بارے میں گفتگو کرنے لگے تو انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سب سے افضل عمل غصے کے وقت بردباری اور تکلیف کے وقت صبر ہے ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا اللہ کی قسم! آپ نہ تو انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں اور نہ ہی اچھا بدلہ دیتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غصے میں آگئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے سے معلوم ہونے لگا تو ایک شخص نے عرض کیا اے امیر المومنین! کیا آپ نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۔ درگزر فرمائیں اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض فرمائیں۔

اور یہ شخص جاہلوں میں سے ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا ہے گویا وہ آگ تھی جسے بجھا دیا گیا۔

حضرت محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس آدمی میں تین باتیں ہوں اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان مکمل ہوتا ہے جب وہ حالت رضا میں ہو تو اس کی یہ حالت اسے باطل میں نہ لے جائے اور جب غصے کی حالت میں ہو تو اس کا غصہ اسے حق بات سے نہ نکالے جب طاقت حاصل ہو تو وہ چیز نہ لے جو اس کی نہیں ہے۔

ایک شخص حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے بندے! مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا غصہ نہ کھاؤ اس نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا فرمایا اچھا اگر تمہیں غصہ آئے تو اپنی زبان اور ہاتھ کو روک کر رکھو۔

بردباری کی فضیلت :

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۰ مرویات سہل بن معاذ

(۲) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۹۹

جان لو! بردباری، غصہ پی جانے سے بھی زیادہ عظمت کی حامل ہے کیوں کہ غصہ پی جانا برداشت کرنے کو کہتے ہیں یعنی بتکلف بردبار بننا اور غصہ پی جانے کی ضرورت اسے ہوتی ہے جس کا غصہ جوش میں ہو اور اس سلسلے میں اسے شدید مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب ایک مدت اس کی عادت بنالے تو اب یہ اس کی عادت ہو جائے گی اور اب غصے میں جوش نہیں ہوگا اور اگر ہو بھی تب بھی غصہ پی جانے میں مشکل پیش نہیں آئے گی اور یہ طبعی بردباری ہے اور یہ عقل کے کامل ہونے اور اس کے غلبہ کی دلیل ہے قوت غضب کا لوٹ جانا اور پست ہو جانا عقل کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن اس کی ابتدا بتکلف بردبار بننے اور غصہ پی جانے سے ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَالْحِلْمُ بِالتَّحَلُّمِ وَمَنْ يَتَخَيَّرِ الْخَيْرَ يُعْطَهُ وَمَنْ يَتَوَقَّ الشَّرَّ يُوقَهُ۔ (۱)

علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور بردباری، بتکلف برداشت سے پیدا ہوتی ہے اور جو شخص بھلائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اسے بھلائی دی جاتی ہے اور جو شر سے بچنا چاہتا ہے اسے بچایا جاتا ہے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بردباری کا حصول شروع میں تکلفاً بردباری اختیار کرنے سے ہوتا ہے جس طرح علم کے لیے سیکھنا ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَاطْلُبُوا مَعَ الْعِلْمِ السَّكِينَةَ وَالْحِلْمَ لِينُوا لِمَنْ تُعَلِّمُونَ وَلِمَنْ تَتَعَلَّمُونَ مِنْهُ وَلَا تَكُونُوا مِنْ جَبَابِرَةِ الْعُلَمَاءِ فَيَغْلِبَ جَهْلُكُمْ حِلْمَكُمْ۔ (۲)

علم حاصل کرو اور علم کے ساتھ سکون اور بردباری بھی طلب کرو جن کو سکھاتے ہو اور جن سے سیکھتے ہو، ان کے لیے نرمی اختیار کرو اور متکبر علماء میں سے نہ ہو جاؤ ورنہ تمہاری جہالت تمہاری بردباری پر غالب آجائے گی۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ تکبر اور غرور ہی غصے میں شدت پیدا کرتے اور بردباری اور نرم مزاجی سے روکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِيْ بِالْعِلْمِ وَزَيِّنِّيْ بِالْحِلْمِ وَاَكْرِمْنِيْ بِالتَّقْوٰى وَجَمِّلْنِيْ

یا اللہ! مجھے دولت علم کے ساتھ مالداری اور بردباری کے ساتھ زینت تقویٰ کے ساتھ عزت اور عافیت کے ساتھ جمال

---

(۱) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۲۸ کتاب العلم

(۲) الکامل لابن عدی جلد ۴ ص ۱۶۴۳ ترجمہ عباد بن کثیر

بِالْعَافِيَةِ۔ (۱) عطا فرما۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِبْتَغُوا الرِّفْعَةَ عِنْدَ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلندی تلاش کرو۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا۔

تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَتُعْطِي مَنْ حَرَمَكَ وَتَحْلُمُ عَنْ جَهِلَ عَلَيْكَ۔ جو تم سے تعلق توڑے اس سے صلہ رحمی کرو جو تمہیں نہ دے اسے دو اور جو شخص تم سے جہالت کا سلوک کرے اس سے بردباری اختیار کرو۔

(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَمْسٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلْحَيَاءُ وَالْحِلْمُ وَالْحِجَامَةُ وَالسِّوَاكُ وَالتَّعَطُّرُ۔ پانچ کام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت سے ہیں حیاء، بردباری، سینگی لگوانا (خون نکلوانا) مسواک کرنا اور خوشبو لگانا۔

(۳)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الرَّجُلَ الْمُسْلِمَ لَيُدْرِكُ بِالْحِلْمِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ وَاِنَّهُ لَيُكْتَبُ جَبَّارًا عَنِيْدًا وَلَا يَمْلِكُ اِلَّا اَهْلَ بَيْتِهِ۔ بے شک مسلمان بردباری کی وجہ سے روزہ دار رات کو قیام کرنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور وہی جبار عناد کرنے والا بھی لکھا جاتا ہے حالانکہ وہ اپنے گھر والوں کے علاوہ کسی کا مالک نہیں ہوتا۔

(۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے قرابت دار ہیں جن سے میں صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں لیکن وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں وہ مجھ سے جہالت کا سلوک کرتے ہیں حالانکہ میں ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا ہوں آپ نے فرمایا اگر بات اسی طرح ہے جس طرح تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان پر راکھ ڈال رہے ہو تم جب تک اس حالت پر رہو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ مددگار (فرشتہ)

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۱۸۵ حدیث ۳۶۶۳

(۲) الکامل لابن عدی جلد ۷ ص ۲۵۵ ترجمہ وادع بن نافع

(۳) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۹۹ کتاب الصلوٰۃ

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹۰ مرویات عائشہ

رہے گا۔ (۱)

ایک مسلمان شخص نے (بارگاہ خداوندی میں) عرض کیا یا اللہ! میرے پاس مال نہیں کہ میں صدقہ کروں تو جو شخص میری عزت کے درپے ہو تو یہ میری طرف سے اس پر صدقہ ہے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے اس شخص کو بخش دیا۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کیا تم میں سے کوئی ایک اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ابوضمضم کی طرح ہو؟ انہوں نے عرض کیا ابوضمضم کون ہے؟ فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا وہ صبح کے وقت یوں کہتا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ تَصَدَّقْتُ الْیَوْمَ بِعِرْضِیْ عَلٰی مَنْ ظَلَمَنِیْ۔ (۳)

یا اللہ! میں نے آج کے دن اپنی عزت کو اس آدمی پر صدقہ کر دیا جو مجھ پر ظلم کرے۔

اللہ تعالیٰ کے قول رَبَّانِیِّیْنَ (۴) (اللہ والے) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے بردبار علماء مراد ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (۵)

اور جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو وہ لفظ سلام کہتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ان سے مراد بردبار لوگ ہیں کہ جب ان سے جہالت کا سلوک کیا جائے تو وہ جہالت سے پیش نہیں آتے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا۔ (۶)

وہ زمین پر آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس سے ان کی بردباری مراد ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۱۴ مرویات ابوہریرہ

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۵۶۲ حدیث ۷۲۵۴۳

(۳) الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۳ ص ۹۲ ترجمہ ۱۶۴۷

(۴) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۷۹

(۵) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۶۳

(۶) ایضاً۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَكَهْلًا۔ (۱) اور بڑھاپے میں۔

حضرت ابن ابی حبیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہل سے مراد حلم (بردباری) کی انتہا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ (۲) اور جب وہ لغویات سے گزرتے ہیں تو عزت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

یعنی جب ان کو اذیت پہنچائی جائے تو وہ درگزر کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک لغویات سے اعراض کرتے ہوئے گزر گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَصْبَحَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاَمْسٰى كَرِيْمًا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صبح و شام کریم ہونے کی حیثیت میں گزاری۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم نے آیت کریمہ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا پڑھی (ترجمہ و حوالہ ابھی گزر چکا ہے) (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ لَا يُدْرِكُنِىْ وَلَا اُدْرِكُ زَمَانًا لَا يَتَّبِعُوْنَ فِيْهِ الْعَلِيْمَ وَلَا يَسْتَحْيُوْنَ فِيْهِ مِنَ الْحَلِيْمِ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الْعَجَمِ وَاَلْسِنَتُهُمْ اَلْسِنَةُ الْعَرَبِ۔ (۴) یا اللہ! مجھ پر کوئی ایسا وقت نہ آئے اور نہ میں کسی ایسے وقت کو پاؤں جس میں وہ کسی علم والے کی اتباع نہ کریں اور نہ اس میں کسی بردبار سے حیا کریں ان کے دل عجمیوں کے اور زبانیں عربوں کی ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِيَلِيَنِىْ مِنْكُمْ ذَوُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ تم میں سے عقل مند لوگوں کو میرے قریب ہونا چاہیے پھر وہ جو ان سے متصل ہیں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں

---

(۱) قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۴۶

(۲) قرآن مجید سورۃ فرقان آیت ۷۲

(۳) الدر المنثور جلد ۵ ص ۸۰، ۸۱ تحت آیت واذا مروا باللغو آخر تک

(۴) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۵۱۰ کتاب الفتن

وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ ۔ (۱)

اور آپس میں اختلاف نہ کرنا ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اپنے آپ کو بازاری جھگڑوں سے بچاؤ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت اشج رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور باندھ دیا پھر اپنے کپڑے اتار کر جامہ دان میں سے دو نہایت عمدہ کپڑے نکال کر پہنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے پھر وہ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اشج! تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ خصلتیں کیا ہیں آپ نے فرمایا ایک بردباری اور دوسرا اطمینان وسکون۔ انہوں نے پوچھا کیا مجھے ان دو عادات پر پیدا کیا گیا یا میری فطرت میں رکھی گئی ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ دو خصلتیں تمہاری جبلت و فطرت میں رکھی ہیں۔ اس پر حضرت اشج نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسی دو عادتیں عطا فرمائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے ہیں (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْحَلِيمَ الْحَيِيَّ الْغَنِيَّ الْمُتَعَفِّفَ أَبَا الْعِيَالِ التَّقِيَّ وَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ الْمُلْحِفَ الْغَبِيَّ ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ بردبار حیادار مالدار مانگنے سے بچنے والے عیالدار متقی کو پسند کرتا ہے اور بے حیا بدکلام مانگنے والے لیچڑ کو ناپسند فرماتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ مَنْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ فَلَا تَعْتَدُّوا بِشَيْءٍ مِنْ عَمَلِهِ تَقْوَى تَحْجُزُهُ عَنْ مَعَاصِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحِلْمٌ يَكُفُّ بِهِ السَّفِيهَ وَخُلُقٌ يَعِيشُ بِهِ فِي النَّاسِ (۴)

تین باتیں ہیں جس شخص میں ان میں سے ایک بھی نہ ہو اس کے عمل کو شمار نہ کرو تقویٰ جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے، بردباری جس کے ذریعے وہ بیوقوف کو روکے اور اچھے اخلاق جن کے ساتھ لوگوں میں زندگی گزارے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۵۷ مرویات عبداللہ بن مسعود

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۹، ابواب الزھد

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۱۴۲ حدیث ۱۰۴۴۳

(۴) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۵۱ من اسمہ عبدالوہاب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا جَمَعَ اللهُ الْخَلَائِقَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَادَى مُنَادٍ أَيْنَ أَهْلُ الْفَضْلِ؟ فَيَقُومُ نَاسٌ وَهُمْ يَسِيرٌ فَيَنْطَلِقُونَ سِرَاعًا إِلَى الْجَنَّةِ فَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ فَيَقُولُونَ لَهُمْ إِنَّا نَرَاكُمْ سِرَاعًا إِلَى الْجَنَّةِ فَيَقُولُونَ نَحْنُ أَهْلُ الْفَضْلِ فَيَقُولُونَ لَهُمْ مَا كَانَ فَضْلُكُمْ فَيَقُولُونَ كُنَّا إِذَا ظُلِمْنَا صَبَرْنَا وَإِذَا أُسِيءَ إِلَيْنَا عَفَوْنَا وَإِذَا جُهِلَ عَلَيْنَا حَلُمْنَا فَيُقَالُ لَهُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ۔

(۱)

جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی آواز دے گا فضیلت والے لوگ کہاں ہیں؟ تھوڑے سے لوگ اٹھیں گے اور جلدی جلدی جنت کی طرف چلے جائیں گے فرشتوں سے ان کی ملاقات ہوگی تو وہ پوچھیں گے ہم نہیں نہایت تیزی کے ساتھ جنت کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ کہیں گے ہم اہل فضل ہیں فرشتے پوچھیں گے تمہاری کیا فضیلت ہے؟ وہ جواب دیں گے جب ہم پر ظلم کیا جاتا تھا تو ہم صبر کرتے تھے جب ہم سے برا سلوک کیا جاتا تو ہم معاف کر دیتے اور جب ہم سے جہالت کا برتاؤ ہوتا تو ہم حوصلے اور بردباری سے کام لیتے اس وقت ان سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ عمل کرنے والوں کا کتنا اچھا اجر ہے۔

آثار:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"علم سیکھو اور علم کے لیے وقار اور بردباری سیکھو"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

بہتری اس چیز کا نام نہیں کہ تمہارا مال اور اولاد زیادہ ہو بلکہ خیر و برکت یہ ہے کہ تمہارا علم اور حلم زیادہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ لوگوں کے سامنے فخر نہ کرو جب نیکی کرو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور جب گناہ سرزد ہو تو اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں علم طلب کرو اور اسے وقار اور بردباری کے ساتھ زینت دو۔

حضرت اکثم بن صیفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عقل کا رکن بردباری ہے اور تمام باتوں کا جامع صبر ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے لوگوں کو اس طرح پایا کہ وہ مکمل طور پر پتے تھے ان میں کوئی کانٹا نہ تھا

(۱) شعب الایمان جلد ۲ ص ۲۶۳ حدیث ۸۰۸۶

اب تو کانٹے ہی کانٹے ہیں ان میں پتہ کوئی نہیں۔ اگر تم ان کو کچھ کہو تو تنقید کرتے ہیں اور کچھ نہ کہو تو بھی پیچھا نہیں چھوڑتے حاضرین نے پوچھا تو پھر ہم کیا طریقہ اختیار کریں؟ فرمایا اگر وہ تمہیں برا کہیں تو اس کا بدلہ محتاجی کے دن (قیامت) پر چھوڑ دو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بردبار آدمی کو پہلا عوض کو یہ ملتا ہے کہ تمام لوگ اس کے طرف دار ہو کر دوسرے شخص (جاہل) کی مذمت کرتے ہیں۔

حضرت معاویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں آدمی رائے دینے کے قابل اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اس کا حلم (بردباری) اس کی جہالت پر اور اس کا صبر اس کی خواہش پر غالب نہ آجائے۔ اور اس مقام تک علم کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت معاویہ رحمہ اللہ نے عمرو بن اہتم سے پوچھا کہ کون شخص زیادہ شجاع ہے؟ انہوں نے فرمایا جو شخص اپنی جہالت کو اپنے حلم کے ذریعے رد کر دے انہوں نے پوچھا کون شخص زیادہ سخی ہے؟ فرمایا وہ آدمی جو اپنے دین کے لیے اپنی دنیا کو خرچ کر دے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (۱)

پس جب کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست اور یہ نہیں ملتی مگر صبر کرنے والوں کو اور اسے بڑے نصیب والا پاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے وہ شخص مراد ہے جس کا بھائی اسے گالی دیتا ہے تو وہ کہتا ہے اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے اور تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے۔

بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ والوں میں سے ایک شخص کو گالی دی تو اس نے بردباری سے کام لیا گویا اس نے ایک عرصہ تک مجھے اپنا غلام بنا لیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عرابہ بن اوس رحمہ اللہ سے پوچھا اے عرابہ! تم اپنی قوم کے سردار کیسے بنے؟ انہوں نے عرض کیا اے امیر المومنین! میں ان کے جاہلوں سے درگزر کرتا، ان کے مانگنے والوں کو عطا کرتا اور ان کی حاجات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ تو جو شخص میری طرح یہ کام کرے گا وہ مجھ جیسا ہو جائے گا۔ اور جو اس سے بھی بڑھ کر کرے گا وہ مجھ سے افضل ہو گا اور جو میرے عمل سے کم کرے گا تو میں اس سے بہتر ہوں۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو گالی دی جب وہ فارغ ہوا تو آپ نے (حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے) فرمایا اے عکرمہ اس شخص کا کوئی کام ہو تو پورا کر دو اس شخص نے یہ بات سنی تو سر جھکا دیا اور شرمندہ ہو گیا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ حٰم السجدۃ آیت ۳۴، ۳۵

ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ فاسق ہیں آپ نے فرمایا تمہاری گواہی مقبول نہیں۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ کو گالی دی تو آپ نے اپنی چادر اتار کر اسے دے دی اور اسے ایک ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ تو ان میں سے بعض نے کہا آپ نے پانچ اچھی خصلتیں جمع کر لیں۔ (۱) بردباری (۲) تکلیف نہ دینا (۳) اس شخص کو ایسی بات سے رہائی دینا جو اسے اللہ تعالیٰ سے دور کر دے (۴) اسے توبہ اور ندامت کی طرف راغب کرنا اور (۵) برائی کے بعد تعریف کی طرف رجوع کرنا آپ نے معمولی دنیا کے ساتھ یہ تمام چیزیں خرید لیں۔

ایک شخص نے حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کچھ لوگوں کے ساتھ کسی بات میں میرا جھگڑا ہو گیا میں اس جھگڑے کو چھوڑنا چاہتا تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ لوگ کہیں گے اس میں تمہاری ذلت ہے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذلیل تو وہ ہوتا ہے جو زیادتی کرتا ہے۔

حضرت خلیل بن احمد فرماتے ہیں کہا جاتا تھا کہ اگر برائی کرنے والے سے حسن سلوک کیا جائے تو اس کے دل میں خود بخود ایک ایسی بات پیدا ہو جاتی ہے جو اسے اس قسم کی برائی سے روکتی ہے۔

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حلیم (بردبار) نہیں ہوں لیکن بردباری کی کوشش کرتا ہوں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے، جو خاموشی اختیار کرتا ہے محفوظ رہتا ہے جو جہالت کا ثبوت دیتا ہے وہ مغلوب ہوتا ہے جو جلدی کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے، جو برائی کی حرص کرتا ہے وہ محفوظ نہیں رہتا جو شخص دوسروں کی باتوں میں دخل دیتا ہے اسے گالیاں دی جاتی ہیں جو برائی سے نفرت نہیں کرتا وہ گناہ گار ہوتا ہے اور جو برائی کو برا سمجھتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ امن میں رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے اسے برائی سے بچایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا وہ محتاج رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہوتا ہے وہ ذلیل و رسوا ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ سے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ میرا ذکر نامناسب الفاظ میں کرتے ہیں انہوں نے فرمایا تب تو تم میری جان سے بھی زیادہ عزیز ٹھہرے جب میں ایسا کرتا ہوں تو گویا میں تمہیں اپنی نیکیاں دیتا ہوں۔

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ حلیم کا مقام عقل سے بھی بلند ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام حلیم رکھا ہے۔

ایک شخص نے کسی دانا سے کہا اللہ کی قسم میں تجھے ایسی گالی دوں گا جو تیرے ساتھ قبر تک جائے گی انہوں نے کہا وہ تمہارے ساتھ جائے گی میرے ساتھ نہیں جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ کو برا کہا آپ نے جواب میں

ان کو اچھا کہا آپ سے پوچھا گیا کہ وہ لوگ آپ کو برا کہتے ہیں اور آپ ان کو اچھا کہتے ہیں آپ نے فرمایا جس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اسے ہی خرچ کرتا ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے فرمایا تین باتوں کا علم تین مواقع پر ہوتا ہے حلیم آدمی کی پہچان غصے کے وقت ہوتی ہے بہادر آدمی کا علم لڑائی کے وقت ہوتا ہے اور بھائی کی پہچان اس وقت ہوتی ہے جب اس تک کوئی کام ہو۔

کسی دانا کے پاس اس کا ایک دوست گیا تو انہوں نے اس کے سامنے کھانا رکھا دانا شخص کی بیوی باہر آئی اور وہ بد اخلاق تھی اس نے دستر خوان اٹھا لیا اور اس دانا کو گالیاں دینے لگی اس کا دوست غصے کی حالت میں چلا گیا دانا آدمی اس کے پیچھے گیا اور کہا اس دن کو یاد کیجئے جب ہم تمہارے گھر میں کھانا کھا رہے تھے اور ایک مرغی دستر خوان پر آ کر گری جس نے سارا کھانا خراب کر دیا لیکن ہم میں سے کسی کو بھی غصہ نہ آیا اس نے کہا ہاں ٹھیک ہے حکیم (دانا) نے کہا اس عورت کو بھی اس مرغی کی طرح سمجھو چنانچہ اس شخص کا غصہ ختم ہو گیا اور وہ واپس لوٹ آیا کہنے لگا دانا نے سچ کہا ہے حلم ہر درد کا علاج اور شفا ہے۔

ایک شخص نے حکیم کے پاؤں پر چوٹ لگائی جس سے اس نے درد محسوس کیا لیکن اسے غصہ نہ آیا اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں نے یہ تصور کر لیا کہ کسی پتھر سے میرا پاؤں پھسل گیا۔

لہٰذا میں نے غصہ نہیں کیا۔ محمود وراق نے کہا اشعار

سَأُلْزِمُ نَفْسِي الصَّفْحَ عَنْ كُلِّ مُذْنِبٍ	میں ہر برا کہنے والے کو معاف کر دوں گا
وَإِنْ كَثُرَتْ مِنْهُ عَلَيَّ الْجَرَائِمُ	اگرچہ وہ مجھے کتنی زیادہ گالیاں دے۔
وَمَا النَّاسُ إِلَّا وَاحِدٌ مِنْ ثَلَاثَةٍ	کیونکہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔
شَرِيفٌ وَمَشْرُوفٌ وَمِثْلٌ مُقَاوِمٌ	مجھ سے معزز یا کم درجے کا اور برابر
فَأَمَّا الَّذِي فَوْقِي فَأَعْرِفُ قَدْرَهُ	جو مجھ سے اوپر درجے میں ہے میں اس کی قدر پہچانتا ہوں
وَأَتْبَعُ فِيهِ الْحَقَّ وَالْحَقُّ لَازِمٌ	اور اس کے سلسلے میں حق کو اختیار کرتا ہوں جو لازم ہے
وَأَمَّا الَّذِي دُونِي فَإِنْ قَالَ صُنْتُ عَنْ	جو مجھ سے نچلے درجے میں ہے اس کو جواب نہ دے کر
إِجَابَتِهِ عِرْضِي وَإِنْ لَامَ لَائِمٌ	اپنی عزت بچاتا ہوں اگرچہ ملامت کرنے والا ملامت کرے
وَأَمَّا الَّذِي مِثْلِي فَإِنْ زَلَّ أَوْ هَفَا	اور جو میرے برابر ہیں اگر وہ لغزش کھائے یا بھول جائے
تَفَضَّلْتُ إِنَّ الْفَضْلَ بِالْحِلْمِ حَاكِمٌ	میں بردباری کے ذریعے فضیلت حاصل کرتا ہوں۔

کس قدر کلام کے ذریعے بدلہ لیا جا سکتا ہے

کوئی شخص ظلم کرے تو اس جیسا ظلم کر کے بدلہ لینا جائز نہیں ہے غیبت کا مقابلہ غیبت سے، جاسوسی کا مقابلہ جاسوسی سے، گالی کا مقابلہ گالی سے اور اسی طرح ہر گناہ کا مقابلہ گناہ سے کرنا جائز نہیں۔

قصاص یا تاوان اسی طریقے پر جائز ہے جس کی شریعت میں اجازت ہے اور ہم نے فقہ کے بیان میں اس کا ذکر کیا ہے۔

گالی کا بدلہ گالی سے دینا بھی جائز نہیں ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنِ امْرُؤٌ عَيَّرَكَ بِمَا فِيكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا فِيهِ۔ (۱)

اگر کوئی شخص تجھے تیرے کسی عیب کے ساتھ عار دلائے تو تو اسے اس کے عیب کے ساتھ عار نہ دلا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَهُوَ عَلَى الْبَادِيْ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ۔ (۲)

ایک دوسرے کو گالی دینے والے دو آدمیوں میں سے پہل کرنے والے کو گناہ ہوتا جب تک دوسرا حد سے نہ بڑھے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاتَرَانِ۔ (۳)

گالی دینے والے دو آدمی شیطان ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی تو آپ خاموش رہے جب آپ نے جواب دینا شروع کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب اس شخص نے گالی دی تو آپ خاموش رہے اور جب میں نے بولنا شروع کیا تو آپ کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا۔

ایک فرشتہ آپ کی طرف سے جواب دے رہا تھا جب آپ نے بولنا شروع کیا تو فرشتہ چلا گیا اور شیطان آ گیا پس میں ایسی مجلس میں نہیں بیٹھتا جس میں شیطان ہو۔ (۴)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۶۳ مرویات جابر بن سلیم

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۳۵ مرویات ابوہریرہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۶۳ مرویات عیاض بن حمار

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۳۶ مرویات ابوہریرہ

ایک جماعت کہتی ہے کہ ایسا جواب دینا صحیح ہے جس میں جھوٹ نہ ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قسم کے الفاظ سے عار دلانا جو منع فرمایا ہے تو یہ نہی تنزیہی ہے اور چھوڑنا افضل ہے البتہ اس کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوگا جس قسم کے جواب کی اجازت ہے وہ مثلاً اس طرح ہے کہ تو کون ہے؟ کیا تیرا تعلق فلاں قبیلے سے نہیں ہے جس طرح حضرت سعد نے حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہما) سے کہا کیا آپ بنو ہذیل سے تعلق نہیں رکھتے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ بنو امیہ میں سے نہیں ہیں؟ یا جس طرح اے احمق! کہنا حضرت مطرف فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمام لوگ بیوقوف ہیں البتہ بعض لوگوں کی حماقت دوسروں کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔

ایک طویل حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق سب کو بیوقوف دیکھو اسی طرح کسی کو اسے جاہل! کہنا ہے کیونکہ ہر ایک میں جہالت ہوتی ہے تو اس نے اسے ایسی بات کے ذریعے اذیت پہنچائی ہے جس میں جھوٹ نہیں ہے۔

اسی طرح اسے بداخلاق! کہہ کر پکارنا یا اسے بے حیا اور عیب جو کہنا کیوں کہ یہ باتیں اس میں ہیں اسی طرح یہ کہنا کہ اگر تمہارے اندر حیا ہوتا تو تم یہ بات نہ کرتے، تم اپنے اس عمل کی وجہ سے میری نظروں میں نہایت حقیر ہو گئے ہو اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل کرے اور تجھ سے بدلہ لے۔

جہاں تک چغلی، غیبت، جھوٹ، اور ماں باپ کو گالی دینے کا تعلق ہے تو یہ بالاتفاق حرام ہے کیوں کہ ایک روایت میں ہے حضرت خالد بن ولید اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ بات ہو گئی تھی۔ ایک شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا رک جاؤ! ہمارے درمیان اختلاف دین تک نہیں پہنچا یعنی اس قدر نہیں ہے جو دین میں گناہ ہو تو انہوں نے برائی سننا تک گوارہ نہ کیا بیان کرنا تو دور کی بات ہے۔

اور جو بات نہ جھوٹ ہو اور نہ ہی حرام مثلاً زنا، فحش کلامی اور گالی گلوچ کی طرف نسبت کرنا نہ ہو تو اس کے جواز کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو آپ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی ازواج مطہرات نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ حضرت ابو قحافہ کی بیٹی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے بارے میں آپ سے انصاف طلب کرتی ہیں (یعنی ان کو ہم سے زیادہ مقام نہ دیں) آپ آرام فرما تھے۔ آپ نے فرمایا اے بیٹی! کیا تو اسے پسند کرتی ہے جسے میں پسند کرتا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا پھر ان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے محبت کیجئے۔ حضرت خاتون جنت نے واپس آ کر ان (امہات المومنین) کو بتایا تو انہوں نے فرمایا آپ نے تو ہمارا کوئی کام نہ کیا پھر انہوں نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں وہی محبت میں میری برابری کا دعویٰ کرتی تھیں انہوں نے آ کر کہنا شروع کر دیا ابو بکر کی بیٹی ایسی ہے ابو بکر کی بیٹی ایسی ہے وہ بولتی رہیں اور میں خاموشی سے حضور علیہ السلام کی اجازت کی منتظر رہی آپ نے

مجھے جواب دینے کی اجازت دی تو میں نے ان کو بہت کچھ کہا حتی کہ میری زبان خشک ہو گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا ابوبکر کی بیٹی کو دیکھا (۱)

یعنی تم گفتگو میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں ام المومنین نے جو جواب دیا تو وہ گالی گلوچ نہ تھی بلکہ حق کے مطابق جواب تھا اور انہوں نے سچی گفتگو کے ذریعے مقابلہ کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمُسْتَبَّانِ مَاقَالَا فَعَلَى الْبَادِیْ مِنْهُمَا حَتّٰی یَعْتَدِیَ الْمَظْلُوْمُ۔ (۲)

آپس میں ایک دوسرے کو گالی دینے والے دو آدمیوں میں سے جو پہل کرتا ہے وہ گناہ گار ہے جب تک مظلوم حد سے نہ بڑھے۔

تو آپ نے مظلوم کے لیے جواب کو ثابت فرمایا بشرطیکہ حد سے نہ بڑھے تو ان اکابر نے بھی اسی بات کو جائز قرار دیا ہے یعنی جس قدر اس نے اذیت پہنچائی ہے اسی قدر جواب دے اور اس قسم کی اجازت عقل سے بعید نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ بدلہ لینا چھوڑ دے کیوں کہ اس طرح حد سے تجاوز ہو جاتا ہے اور حق کے مطابق جواب وہی ممکن نہیں رہتی جب کہ جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیار کرنا زیادہ آسان ہے اسی طرح شرعی حد سے آگاہی بھی مشکل ہے لیکن بعض لوگ غصے کی شدت پر قابو پانے پر قادر نہیں ہوتے البتہ غصہ جلدی ختم ہو جاتا ہے جب کہ بعض لوگ شروع سے ہی اپنے آپ پر کنٹرول کرتے ہیں لیکن یوں وہ ہمیشہ کے لیے کینہ پرور رہتے ہیں غصّے کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ان میں سے بعض لوگ گھاس کی طرح ہیں جیسے آگ جلدی لگتی ہے اور جلد ہی بجھ جاتی ہے بعض لوگ جھاؤ کے درخت کی طرح ہیں اسے آگ دیر سے لگتی ہے اور دیر سے بجھتی ہے تیسری قسم کے لوگ اس لکڑی کی طرح ہیں جیسے آگ دیر سے پکڑتی ہے لیکن جلدی بجھ جاتی ہے ایسے لوگ زیادہ تعریف کے قابل ہیں۔ بشرطیکہ حمیت اور غیرت میں کمی نہ آئے بعض وہ ہیں جنہیں جلدی غصہ آتا ہے اور دیر سے ختم ہوتا ہے اور وہ سب سے برے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ سَرِیْعُ الْغَضَبِ سَرِیْعُ الرِّضَا۔ (۳)

مومن کو غصہ جلدی آتا ہے اور جلد ہی چلا جاتا ہے۔

تو اس طرح عادت کا تدارک ہو جاتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس شخص کو غصّہ دلایا جائے اور اسے غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے اور جس کو راضی

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۵ کتاب الفضائل

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۳۵ مرویات ابوہریرہ

(۳) الاسرار المرفوعہ ص ۲۷۴ حدیث ۹۷۹

کیا جائے اور وہ راضی نہ ہو تو وہ شیطان ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلَا اِنَّ بَنِیْ آدَمَ خُلِقُوْا عَلٰی طَبَقَاتٍ شَتّٰی فَمِنْهُمْ بَطِیْءُ الْغَضَبِ سَرِیْعُ الْفَیْءِ وَمِنْهُمْ سَرِیْعُ الْغَضَبِ سَرِیْعُ الْفَیْءِ، فَتِلْكَ بِتِلْكَ وَمِنْهُمْ سَرِیْعُ الْغَضَبِ بَطِیْءُ الْفَیْءِ اَلَا وَاِنَّ خَیْرَهُمُ الْبَطِیْءُ الْغَضَبِ السَّرِیْعُ الْفَیْءِ وَشَرَّهُمُ السَّرِیْعُ الْغَضَبِ الْبَطِیْءُ الْفَیْءِ۔ (۱)

سنو! انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے پیدا کیا گیا ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہے لیکن جلدی ختم ہو جاتا ہے بعض کو غصہ جلدی آتا ہے اور جلدی ہی ختم ہو جاتا ہے تو یہ برابر برابر ہو گیا بعض کو غصہ جلدی آتا ہے لیکن دیر سے ختم ہوتا ہے سنو! ان میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کو غصہ دیر سے آئے اور جلدی ختم ہو جائے اور ان میں سے برے لوگ وہ ہیں جن کو غصہ جلدی آتا ہے لیکن دیر سے ختم ہوتا ہے۔

جب انسان میں غصہ جوش مارتا ہے اور یہ ہر انسان پر اثر انداز ہوتا ہے تو آدمی کو چاہیے کہ غصے کی حالت میں کسی کو سزا نہ دے کیوں کہ بعض اوقات واجب میں زیادتی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات جب اسے غصہ آیا ہوتا ہے تو وہ غصہ نکال کر اپنے آپ کو غصے کی تکلیف سے راحت پہنچانا چاہتا ہے اس طرح وہ خود فائدہ حاصل کرتا ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ اس کا انتقام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اپنی ذات کے لیے نہ ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک نشے والے کو دیکھا تو آپ نے اسے پکڑ کر سزا دینے کا ارادہ کیا اس پر اس نے آپ کو برا کہا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا عرض کیا گیا اے امیر المومنین! جب اس نے آپ کو گالی دی تو آپ نے اسے چھوڑ دیا ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ اس نے مجھے غصہ دلایا، اب اگر میں اسے سزا دیتا تو یہ اپنی ذات کے لیے غصہ ہوتا اور میں نہیں چاہتا کہ کسی مسلمان کو اپنی ذاتی غیرت کی وجہ سے سزا دوں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے غصہ دلایا تو آپ نے فرمایا اگر تم مجھے غصہ نہ دلاتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔

کینہ کا مفہوم اور عفو و درگزر نیز نرمی اختیار کرنے کی فضیلت

جان لو جب آدمی عاجز ہونے کی وجہ سے فوری طور پر غصہ نہیں نکال سکتا تو وہ غصہ باطن کی طرف چلا جاتا ہے اور وہاں داخل ہو کر کینہ بن جاتا ہے کینہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو بھاری جاننا اس سے نفرت کرنا اور دشمنی رکھنا اور یہ بات ہمیشہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۹ مرویات ابوسعید خدری۔

کے لیے دل میں رکھنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلْمُؤْمِنُ لَیْسَ بِحَقُوْدٍ (۱) مومن کینہ پرور نہیں ہوتا۔

کینہ، غصے کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں آٹھ باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ حسد:۔ یعنی تمہارا کینہ تمہیں اس بات پر مجبور کرے کہ تم اس سے زوال نعمت کی تمنا کرو اور اگر اسے نعمت ملے تو تم اس پر غمگین ہو جاؤ اور اگر وہ کسی گناہ کا مرتکب ہو تو تمہیں خوشی حاصل ہو۔ یہ منافقین کا کام ہے ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کی مذمت کا بیان ہوگا۔

۲۔ دل میں حسد کو چھپانا کہ اس کو پہنچنے والی مصیبت پر خوشی ہو۔

۳۔ اگر وہ شخص تمہیں بلائے اور تمہاری طرف آئے تو تم اس سے تعلق توڑ دو۔

۴۔ اس کو تم ذلیل و رسوا سمجھو۔

۵۔ اس کے بارے میں ایسی گفتگو کرنا جو جائز نہیں مثلاً جھوٹ غیبت، راز فاش کرنا، اس کے پردہ دری کرنا وغیرہ۔

۶۔ اس کی بات تمسخر کے انداز میں نقل کرنا۔

۷۔ اسے مارنا یا کسی اور انداز میں جسمانی تکلیف پہنچانا۔

۸۔ اس کا حق ادا نہ کرنا قرض کی ادائیگی نہ کرنا صلہ رحمی سے پیش نہ آنا اور اس کا حق مارنا کینہ کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا آٹھ آفات سے بچو اور کینہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب نہ ہو جاؤ۔

اگر اس کو قلبی طور پر بھاری جانتا ہے اس سے بغض ختم نہ ہو پہلے کی طرح خوش مزاجی، مہربانی، حاجات کو پورا کرنا ذکر کی محفل میں اکٹھے بیٹھنا اس کے نفع میں مددگار ہونا دعا، تعریف اور نیکی میں ترغیب دینا اور خیر خواہی کرنا باقی نہ رہے تو ان تمام صورتوں میں آدمی کے دین میں کمی آجاتی ہے اور آدمی بہت بڑے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے اگرچہ اسے عذاب نہ ہو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب قسم کھائی کہ وہ مسطح پر مال خرچ نہیں کریں گے اور وہ ان کے قریبی تھے کیوں کہ انہوں نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلق واقعہ افک (جھوٹے واقعہ) کے بیان میں حصہ لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اتاری۔

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (۱)

اور تم میں سے جو فراخی اور کشادگی والے ہیں وہ قریبی رشتہ دار، مساکین اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھائیں چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۱) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۲۲

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں ہم چاہتے ہیں اور انہوں نے دوبارہ خرچ کرنا شروع کر دیا۔
بہتر یہی ہے کہ پہلے جیسے معاملات کو برقرار رکھے اور اگر نفس سے مجاہدہ اور شیطان کی مخالفت کرنے ہوئے زیادہ احسان کرے تو یہ صدیقین کا مقام ہے اور یہ مقربین کے اعمال کے فضائل ہیں۔
اگر طاقت ہو تو جس کے ساتھ کینہ رکھا گیا اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔
(۱) اس کا وہ حق پورا کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی زیادتی نہ کی جائے اسے عدل کہتے ہیں۔
(۲) عفو و درگزر اور صلہ رحمی کے ذریعے اس کے ساتھ نیکی کی جائے۔
(۳) اس کے ساتھ ایسی زیادتی کرنا جس کا وہ مستحق نہیں یہ ظلم ہے اور کمینے لوگوں کا طریقہ ہے دوسری صورت صدیقین کا طرز عمل ہے اور پہلا طریقہ صالحین کا انتہائی درجہ ہے اب ہم عفو و درگزر اور احسان کی فضیلت بیان کریں گے۔

عفو و احسان

عفو کا معنی یہ ہے کہ کسی کے ذمہ حق ہو مثلاً قصاص اور تاوان وغیرہ تو اسے چھوڑ دیا اور اس سے بری الذمہ ہو جائے یہ عمل بردباری اور غصہ پی جانے کے علاوہ ہے اسی لیے ہم نے اسے الگ بیان کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ (۱)

عفو و درگزر اختیار کریں نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ۔ (۲)

اور معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كُنْتُ حَلَّافًا لَحَلَفْتُ عَلَيْهِنَّ مَا نَقَصَ مَالٌ مِنْ صَدَقَةٍ فَتَصَدَّقُوا وَلَا عَفَا رَجُلٌ عَنْ مَظْلَمَةٍ يَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَتَحَ رَجُلٌ عَلَىٰ نَفْسِهِ

تین باتیں ایسی ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں قسم کھاتا تو ان پر کھاتا صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا لہٰذا صدقہ کیا کرو، اور کوئی شخص کسی دوسرے کی زیادتی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے معاف کر دے تو اس سے قیامت کے دن اس کی عزت میں اضافہ ہو گا

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۱۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۳۷

بَابَ مَسْئَلَتٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ۔ (۱)

اور جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھول دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کا دروازہ کھولتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلتَّوَاضُعُ لَا يَزِيْدُ الْعَبْدَ اِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوْا يَرْفَعْكُمُ اللّٰهُ وَالْعَفْوُ لَا يَزِيْدُ الْعَبْدَ اِلَّا عِزًّا فَاعْفُوْا يُعِزَّكُمُ اللّٰهُ وَالصَّدَقَةُ لَا تَزِيْدُ الْمَالَ اِلَّا كَثْرَةً فَتَصَدَّقُوْا يَرْحَمْكُمُ اللّٰهُ۔ (۲)

"تواضع بندے کی رفعت و بلندی میں اضافہ کرتی ہے لہٰذا تواضع کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں رفعت عطا فرمائے گا، درگزر کرنا بندے کی عزت کو بڑھاتا ہے پس درگزر کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہاری عزت کو بڑھائے گا اور صدقہ مال کو بڑھاتا ہے پس صدقہ کیا کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی ظلم کا بدلہ لیتے نہیں دیکھا جب تک اللہ تعالیٰ کے محارم کو نہ توڑا جاتا اور جب محارم خداوندی کو توڑا جاتا تو آپ کو سب سے زیادہ غصہ آتا۔ اور آپ کو جب بھی دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان بات کو اختیار کیا۔ جب تک اس میں گناہ نہ ہوتا۔ (۳)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو مجھے یاد نہیں میں نے جلدی کرتے ہوئے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑا یا آپ نے میرا ہاتھ پکڑا پھر آپ نے فرمایا۔

يَا عُقْبَةُ اَلَا اُخْبِرُكَ بِاَفْضَلِ اَخْلَاقِ اَهْلِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَتُعْطِيْ مَنْ حَرَمَكَ، وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ۔ (۴)

اے عقبہ! کیا میں تمہیں دنیا اور آخرت والوں کے افضل اخلاق نہ بتاؤں جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑو جو تمہیں نہ دے اسے دو، اور جو تم پر زیادتی کرے اسے معاف کر دو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اے میرے رب تیرا کونسا بندہ تیرے نزدیک زیادہ معزز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ جو (بدلہ لینے کی) طاقت کے باوجود معاف کر دے۔ (۵)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۹۳ مرویات عبدالرحمٰن بن عوف

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۱۲ حدیث ۵۷۱۹

(۳) التمہید لابن شہاب جلد ۸ ص ۱۴۸

(۴) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۲۲ حدیث ۷۹۵۹

(۵) الدر المنثور جلد ۶ ص ۱۱ تحت آیت فمن عفا واصلح

اسی طرح حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سب سے معزز آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا جو طاقت کے باوجود معاف کر دے لہٰذا تم معاف کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا فرمائے گا۔

ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اپنے حق کے سلسلے میں شکایت کرنے لگا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا اور آپ کا ارادہ تھا کہ اسے اس کا حق دلوایا جائے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔

اِنَّ الْمَظْلُوْمِیْنَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (۱) قیامت کے دن مظلوم ہی کامیاب ہوں گے۔

اس نے جب یہ حدیث سنی تو اپنا حق چھوڑ دیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ دَعَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَهٗ فَقَدِ انْتَصَرَ۔ (۲) جس نے ظالم کے خلاف بد دعا کی اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا بَعَثَ اللّٰهُ الْخَلَائِقَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ نَادٰی مُنَادٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ ثَلٰثَةَ اَصْوَاتٍ یَا مَعْشَرَ الْمُوَحِّدِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَفَا عَنْكُمْ فَلْیَعْفُ بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ۔ (۳)

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو اٹھائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک منادی تین آوازیں لگائے گا کہ اے توحید پر قائم رہنے والو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا لہٰذا تم بھی ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ فتح فرمایا تو بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور دو رکعتیں پڑھیں پھر کعبہ شریف کے پاس تشریف لائے اور دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر فرمایا تم کیا کہتے ہو اور تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہم کہتے ہیں آپ بھائی ہیں اور چچا کے بیٹے ہیں، حلیم اور رحیم ہیں۔ انہوں نے تین بار یہ بات کہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی وہی بات کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمائی تھی۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (۴) آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (یہ سن کر) وہ اس طرح نکلے جس طرح قبروں سے نکلتے ہیں اور اسلام میں داخل ہوئے۔

---

(۱)

(۲) الدر المنثور جلد ۶ ص ۱۱ تحت آیت فمن عفا واصلح

(۳) کنز العمال جلد اول ص ۸، حدیث ۲۹۲

(۴) الدر المنثور جلد ۴ ص ۴۳ تحت آیت لا تثریب علیکم الیوم

حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ نے اپنا دست مبارک کعبہ شریف کے دروازے پر رکھا لوگ آپ کے ارد گرد تھے آپ نے فرمایا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا، لشکروں کو بھگا دیا۔

پھر فرمایا اے قریش کے گروہ تم کیا کہتے ہو اور تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اچھی بات کرتے ہیں اور اچھا گمان کرتے ہیں آپ کریم بھائی ہیں اور رحم کرنے والے چچا زاد ہیں اور اس وقت آپ کو طاقت حاصل ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمائی تھی۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ۔ (۱)

آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرمائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا وَقَفَ الْعِبَادُ نَادٰی مُنَادٍ لِیَقُمْ مَنْ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ فَلْیَدْخُلِ الْجَنَّۃَ۔

جب لوگ میدان حشر میں ٹھہرے ہوں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے وہ اٹھے اور جنت میں داخل ہو جائے۔

پوچھا جائے گا کس کے لیے اجر ہے؟ وہ کہے گا ان لوگوں کے لیے جو معاف کرنے والے ہیں، تو ہزاروں آدمی کھڑے ہوں گے اور بلا حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَنْبَغِیْ لِوَالِی الْاَمْرِ اَنْ یُّؤْتٰی بِحَدٍّ اِلَّا اَقَامَہٗ وَاللّٰہُ عَفُوٌّ یُّحِبُّ الْعَفْوَ۔

کسی حاکم کے لیے جائز نہیں کہ اس کے پاس کوئی سزا کا مستحق لایا جائے تو وہ سزا نہ دے اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔

(مطلب یہ ہے کہ حکمران کو چاہیے کہ مجرم کو معاف نہ کرے بلکہ سزا دے) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ (۳)

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا۔ (۴)

چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں۔

---

(۱) الدر المنثور جلد ۴ ص ۳۴۲ تحت آیت لاتثریب علیکم الیوم

(۲) الضعفاء الکبیر جلد ۳ ص ۴۴۷ ترجمہ ۱۴۹۸

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۱۹ مرویات عبداللہ بن مسعود

(۴) قرآن مجید سورۂ نور آیت ۲۲

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص حالتِ ایمان میں ان پر عمل کرے وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل ہو گا اور جس حور سے چاہے گا اس سے اس کی شادی ہو گی ایک وہ جو پوشیدہ قرض ادا کرے دوسرا وہ جو ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سورۃ اخلاص (قل ہو اللہ احد مکمل) پڑھے اور تیسرا وہ جو اپنے قاتل کو معاف کر دے۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ان میں سے ایک کام کرنے والا بھی (جنت میں جائے گا)؟ فرمایا ایک پر عمل کرنے والا بھی۔ (۱)

آثار:

حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص مجھ پر زیادتی کرتا ہے تو میں اس پر رحم کرتا ہوں تو معاف کرنے کے بعد یہ احسان ہے کیونکہ وہ شخص ظلم کے ذریعے اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مشغول رکھتا ہے اور جب قیامت کے دن اس سے سوال ہو گا تو اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔
بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو تحفہ دینا چاہتا ہے تو اس پر کسی ظالم کو مسلط کر دیتا ہے۔ (یعنی وہ ظلم برداشت کر کے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے ایک شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک شخص کے ظلم کی شکایت کرتے ہوئے اس کے بارے میں برے الفاظ کہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو اور وہ زیادتی اسی حالت میں ہو تو تمہارے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ تم اس سے اس طرح ملاقات کرو کہ تم اس کا بدلہ لے چکے ہو۔
حضرت یزید بن میسرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تم اس آدمی کے خلاف بد دعا کرو جس نے تم پر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوسرا شخص تمہارے خلاف بد دعا کر رہا ہے کہ تم نے اس پر ظلم کیا ہے اگر تم چاہو تو ہم تمہاری دعا قبول کریں اور اس کے ساتھ ہی تمہارے خلاف بھی قبول کر لیں اور اگر تم چاہو تو دونوں کو مؤخر کر دیں اور قیامت کے دن ان کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دیں۔
ایک شخص اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے خلاف، بد دعا کر رہا تھا تو حضرت مسلم بن یسار رحمہ اللہ نے فرمایا ظالم خود اپنے ظلم کے حوالے ہو جاتا ہے وہ تیری دعا سے بھی پہلے پکڑا جائے گا ہاں کسی نیک عمل کے ذریعے ظلم کا تدارک نہیں کرے گا۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعلان کرنے والے کو حکم دے گا تو وہ اعلان کرے گا کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی حق ہو وہ

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۳۰۱ کتاب الایات

کھڑا ہو تو معاف کرنے والے کھڑے ہوں گے تو انہوں نے جو لوگوں کو معاف کیا ہو گا اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

حضرت ہشام بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو آدمی حضرت نعمان بن منذر کے پاس آئے ان میں سے ایک نے بہت بڑا گناہ کیا تھا اس کو معاف کر دیا اور دوسرے نے چھوٹا گناہ کیا تھا اسے سزا دی۔ اور فرمایا (اشعار)

تَعْفُو الْمُلُوكُ عَنِ الْعَظِيمِ
مِنَ الذُّنُوبِ بِفَضْلِهَا
وَلَقَدْ تُعَاقِبُ فِي الْيَسِيرِ
وَلَيْسَ ذَاكَ لِجَهْلِهَا
إِلَّا لِيُعْرَفَ حِلْمُهَا
وَيُخَافُ شِدَّةُ دَخْلِهَا

بادشاہ بڑے گناہوں کو معاف کرتے ہیں تو یہ ان کی فضیلت ہے اور وہ چھوٹے گناہ پر سزا دیتے ہیں تو جہالت کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے بلکہ اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ ان کی بردباری شہرت پذیر ہو اور ان کی سختی کا بھی ڈر ہو۔

☆ ☆ ☆

حضرت مبارک بن فضالہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ سوار بن عبداللہ نے اہل بصرہ کے ایک وفد کے ساتھ مجھے بھی ابوجعفر کے پاس بھیجا میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی لایا گیا اور انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیا میں نے کہا ایک مسلمان قتل کیا جا رہا ہے اور میں یہاں موجود ہوں میں نے کہا اے امیر المومنین! کیا میں آپ کو ایک حدیث نہ سناؤں جو میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے سنی ہے اس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا میں نے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو ایک جگہ پر جمع فرمائے گا کہ پکارنے والا ان کو سنا سکے اور دیکھنے والا دیکھ سکے پھر ایک اعلان کرنے والا کھڑا ہو گا اور اعلان کرے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کا حق ہو تو وہ کھڑا ہو تو صرف وہی کھڑا ہو گا جس نے معاف کیا ہو گا اس نے پوچھا قسم بخدا تم نے حضرت حسن بصری سے سنا ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے ان سے سنا ہے اس نے کہا ہم نے اسے چھوڑ دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تک بدلے کا موقع نہ ملے بردباری اور برداشت اختیار کرو اور جب موقع مل جائے تو درگزر اور احسان کرو۔ مروی ہے کہ ایک راہب، ہشام بن عبدالملک کے پاس گیا اس نے راہب سے پوچھا کیا تم نے ذوالقرنین کو دیکھا ہے؟ کیا وہ نبی تھے اس نے کہا نبی نہیں تھے لیکن انہیں چار خصلتیں عطا کی گئی تھیں وہ جب (بدلہ لینے پر) قادر ہوتے تو معاف کر دیتے وعدہ کرتے تو پورا کرتے، بات سچی کرتے اور آج کا کام کل پر نہ چھوڑتے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حلیم وہ نہیں کہ جب اس پر ظلم کیا جائے تو وہ برداشت کرے اور جب طاقت حاصل ہو تو بدلہ لے بلکہ حلیم وہ ہے کہ جب اس پر ظلم ہو تو بردباری سے کام لے اور جب بدلہ لینے پر قادر ہو تو معاف کر دے۔

زیاد کہتے ہیں قدرت کا پایا جانا کینہ اور غصے کو لے جاتا ہے۔ ہشام کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کی کوئی بات ان تک پہنچی تھی جب ان کے سامنے کھڑا کیا گیا تو اپنی دلیل دینے لگا ہشام نے کہا تم بولتے بھی ہو اس نے کہا امیر المومنین اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتا ہے۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا۔ جس دن ہر نفس اپنی طرف سے جھگڑا کرتے ہوئے آئے گا۔ (۱)

تو کیا ہم اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کر سکتے ہیں اور آپ کے سامنے بات نہیں کر سکتے، ہشام نے کہا اچھا کہو۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک چور صفین کے مقام پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے خیمے میں گھس آیا آپ سے کہا گیا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دیں یہ ہمارے دشمنوں میں سے ہے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں اس کی پردہ پوشی کروں گا اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری پردہ پوشی فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بازار میں بیٹھے غلہ خرید رہے تھے خریدنے کے بعد اپنے عمامہ شریف میں سے درھم نکالنے لگے تو معلوم ہوا کہ کسی نے کھول لیے ہیں فرمایا میں بیٹھا تو میرے پاس تھے چنانچہ وہ لوگ لینے والے کو بددعائیں دینے لگے وہ کہہ رہے تھے یا اللہ! جس چور نے یہ رقم لی ہے اس کے ہاتھ کاٹ دے اور اس کے ساتھ فلاں سلوک کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! اگر کسی نے یہ درھم ضرورت کے لیے ہیں تو اسے برکت عطا فرما اور گناہ پر جرأت کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو اسے اس کا آخری گناہ کر دے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے خراسان کے ایک شخص سے بڑھ کر کوئی زاہد نہیں دیکھا وہ مسجد حرام میں میرے پاس بیٹھا پھر وہ طواف کرنے کے لیے اٹھا تو اس کے دینار چوری ہو گئے وہ رونے لگا میں نے پوچھا دیناروں کے لیے رو رہے ہو اس نے کہا نہیں بلکہ میرے سامنے ایک نقشہ ہے کہ میں اور چور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا اس پر ترس کی وجہ سے میں رو رہا ہوں۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک رات ہم حضرت حکم بن ایوب کے گھر آئے وہ اس وقت بصرہ کے امیر تھے۔ حضرت حسن بھی خوف زدہ وہاں پہنچے ہم اکٹھے اندر گئے ہم حضرت حسن کے ساتھ بچے معلوم ہو رہے تھے حضرت حسن رحمہ اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ان کے بھائیوں کا ان سے سلوک اور ان کو بیچنا، کنویں میں ڈالنا وغیرہ ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ بھائیوں نے ان کو بیچا اور باپ کو غمگین کیا، عورتوں کا آپ کے ساتھ مکر اور آپ کا قید ہونا بھی بیان کیا پھر فرمایا اے امیر! دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا کیا بھائیوں پر ان کو برتری دی ان کا ذکر بلند کیا اور ان کو زمین کے خزانوں کا مالک بنایا جب حکومت مکمل ہو گئی اور ان کے گھر والوں کو جمع کر دیا تو انہوں نے فرمایا۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللهُ آج کے دن تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا اللہ تعالیٰ تمہیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۱۱۱

لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (۱) بخش دے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے

ان کا مقصد یہ تھا کہ حکم بن ایوب بھی ان کے ساتھیوں کو معاف کر دیں حکم نے کہا میں بھی یہی کہتا ہوں لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اگر میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ کچھ اور ہوتا تو میں اس کے نیچے تمہیں چھپا لیتا۔

ابن مقفع نے اپنے ایک دوست کو خط لکھ کر بعض بھائیوں کی معافی کے لیے درخواست کرتے ہوئے کہا فلاں شخص اپنے گناہ سے بھاگ کر آپ کے عفو و درگزر میں پناہ لینا چاہتا ہے اور تم سے تمہاری ہی پناہ کا طالب ہے جان لو! گناہ سے عظمت میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ معاف کرنے سے فضیلت زیادہ ہوتی ہے۔

عبدالملک بن مروان کے پاس جب ابن اشعث کے قیدی لائے گئے تو اس نے رجاء بن حیوہ سے کہا آپ کا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری پسندیدہ فتح عطا فرمائی ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی پسندیدہ معافی پیش کرو تو اس نے ان کو معاف کر دیا۔

مروی ہے کہ زیاد نے خارجیوں میں سے ایک آدمی کو پکڑا تو وہ چھوٹ گیا اس نے اس کے بھائی کو پکڑ لیا اور کہا کہ اپنے بھائی کو لاؤ ورنہ تمہاری گردن مار دوں گا، اس نے کہا اگر میں امیرالمومنین سے تحریر لاؤں تو تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ اس نے کہا ہاں۔

اس نے کہا میں غالب حکمت والے کی کتاب لاؤں گا۔ اور میں اس پر دو گواہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو پیش کروں گا۔ پھر یہ آیت پڑھی۔

اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ الْاُوْلٰی فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی وَاِبْرَاھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی اَنْ لَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ (۲)

کیا پہلے صحیفوں یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام جنہوں نے پورا کیا کے صحیفوں میں خبر نہیں دی گئی کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

زیاد نے کہا اس کو چھوڑ دو اس شخص کو اس کی دلیل سکھائی گئی۔ کہا گیا کہ انجیل میں لکھا ہے جو شخص اس شخص کے لیے بخشش مانگے جس پر اس نے ظلم کیا ہے اس نے شیطان کو بھگا دیا۔

نرمی کی فضیلت

جان لو! نرمی برتنا قابل تعریف ہے اور اس کے مقابل سخت مزاجی اور گرمی ہے سخت مزاجی غصے اور طبیعت کی سختی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یوسف آیت ۹۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ نجم آیت ۳۶، ۳۷، ۳۸

سے ہوتی ہے جب کہ نرمی اچھے اخلاق اور (طبیعت کی) سلامتی کا نتیجہ ہے اور بعض اوقات شدت حرص اور حصول غلبہ اس کا سبب ہوتا ہے کہ اس میں انسان کی سمجھ اور ثابت قدمی باقی نہیں رہتی نرمی کا نتیجہ، حسن اخلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اچھے اخلاق کا حصول قوت غضب اور قوت شہوت کو کنٹرول کر کے اسے اعتدال کی حد میں لانا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی کی تعریف کرتے ہوئے خوب مبالغہ فرمایا آپ نے فرمایا۔

يَا عَائِشَةُ إِنَّهُ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (۱)

اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) جس شخص کو نرمی سے حصہ ملا اسے دنیا اور آخرت میں سے حصہ ملا اور جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ دنیا اور آخرت کے حصہ سے محروم رہا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ أَهْلَ بَيْتٍ أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ جب کسی گھر والوں کو پسند فرماتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْخُرْقِ وَإِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا أَعْطَاهُ الرِّفْقَ وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يُحْرَمُونَ الرِّفْقَ إِلَّا حُرِمُوا مَحَبَّةَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (۳)

بے شک اللہ نرمی پر جس قدر اجر عطا فرماتا ہے اس قدر اجر سختی پر نہیں دیتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو پسند فرماتا ہے تو اسے نرمی عطا فرماتا ہے اور جس گھر والے نرمی سے محروم ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم ہوتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَيْهِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ۔ (۴)

بے شک اللہ تعالیٰ رفیق (مہربان ہے) اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور اس کا اجر اس قدر عطا فرماتا ہے جتنا سختی پر نہیں دیتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۲ ص ۳۲۵ ترجمہ ۹۱۵

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۷۱ مرویات عائشہ

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۳۰۶ حدیث ۲۲۷۴

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۲ کتاب البر والصلۃ

يَا عَائِشَةُ أُرْفُقِي فَإِنَّ اللهَ إِذَا أَرَادَ بِأَهْلِ بَيْتٍ كَرَامَةً دَلَّهُمْ عَلَى بَابِ الرِّفْقِ - (۱)

اے عائشہ رضی اللہ عنہا نرمی اختیار کرو بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی گھر والوں کو عزت دینا چاہتا ہے تو نرمی کے دروازے کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ كُلَّهُ - (۲)

جو آدمی نرمی سے محروم ہوتا ہے وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم رہتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَيُّمَا وَالٍ وُلِّيَ فَرَفَقَ وَلَانَ رَفَقَ اللهُ تَعَالٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (۳)

جو شخص حکمران بنایا گیا اور اس نے (لوگوں سے) نرمی کا برتاؤ کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے نرمی فرمائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کیا تم جانتے ہو قیامت کے دن کون شخص آگ سے دور رہے گا (پھر فرمایا) وہ آدمی جو نرم طبیعت رکھتا ہے اور آسانی کرنے والا قریب ہونے والا ہے۔ (۴)

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلرِّفْقُ يُمْنٌ وَالْخَرْقُ شُؤْمٌ - (۵)

نرمی میں برکت ہے اور سختی میں نحوست ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلتَّأَنِّيْ مِنَ اللهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ - (۶)

تاخیر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی کرنا شیطان کی جانب سے ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۰۴ مرویات عائشہ

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۶ کتاب الادب

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۲ کتاب الامارۃ

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۱۵ مرویات ابن مسعود

(۵) شعب الایمان جلد ۶ ص ۱۳۹ حدیث ۷۷۲۲

(۶) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۱۲۲ حدیث ۵۷۰۲

ذریعے تمام مسلمانوں کو برکت عطا فرماتی ہے تو آپ میرے بیٹے کو بھی کوئی بھلائی خاص کیجئے۔ آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا۔
"الحمد للہ"، اس کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم وصیت چاہتے ہو دو یا تین مرتبہ فرمایا اس نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا۔

إِذَا أَرَدْتَ أَمْرًا فَتَدَبَّرْ عَاقِبَتَهُ فَإِنْ كَانَ رُشْدًا فَامْضِهِ وَإِنْ كَانَ سِوَى ذٰلِكَ فَانْتَهِ۔ (۱)

جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے انجام کے بارے میں سوچ لو اگر ہدایت پر مبنی ہو تو اسے کر دو اور اگر اس کے علاوہ ہو تو رک جاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سخت مزاج اونٹ پر بیٹھی ہوئی تھی وہ اسے دائیں بائیں پھرانے لگیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ فَإِنَّهُ لَا يَدْخُلُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ۔ (۲)

اے عائشہ! نرمی اختیار کرو نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اسے زینت دیتی ہے اور جس سے نکال لی جاتی ہے وہ عیب ناک ہو جاتی ہے۔

آثار:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ ان کی رعایا کی ایک جماعت اپنے حاکموں کی شکایت کرتی ہے تو انہوں نے ان کو بلا لیا جب وہ آئے تو آپ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔
اے لوگو! اے رعایا! بے شک ہمارا تم پر حق ہے کہ تم پیٹھ پیچھے خیر خواہی کرو اور اچھے کاموں میں معاونت کرو۔
اے حاکمو! تم پر رعایا کا حق ہے اور جان لو کہ حکمران کی بردباری اور نرمی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز پسند نہیں اللہ تعالیٰ کو حاکم کی جہالت سے زیادہ کسی کی جہالت سے نفرت نہیں جان لو! جو شخص اپنے سامنے والوں کو عافیت سے رکھتا ہے اسے دوسرے لوگوں سے عافیت پہنچتی ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں نرمی، بردباری کی ہم پلہ ہے۔
ایک حدیث میں موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے (حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی بھی ہے اور صحابی کا قول بھی کہ)

اَلْعِلْمُ خَلِيْلُ الْمُؤْمِنِ وَالْحِلْمُ وَزِيْرُهٗ

علم مومن کا دوست ہے بردباری اس کی وزیر اور عقل راہنما

---

(۱) کتاب الزھد والرقائق ص ۴۲ حدیث ۴۱

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۳ کتاب البر والصلۃ

وَالْعَقْلُ دَلِيْلُهٗ وَالْعَمَلُ قَيِّمُهٗ وَالرِّفْقُ وَالِدُهٗ وَاللِّيْنُ اَخُوْهُ وَالصَّبْرُ اَمِيْرُ جُنُوْدِهٖ۔ (۱)

عمل اس کا سربراہ ہے نرمی اس کا والد اور بھائی ہیں جب کہ صبر اس کے لشکر کا امیر ہے۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ وہ ایمان کتنا اچھا ہے جس کو علم سے زینت حاصل ہے وہ علم کتنا اچھا ہے جو عمل سے مزین ہوتا ہے وہ عمل کہنا اچھا ہے جس کو نرمی سے زینت حاصل ہوتی ہے اور جس طرح بردباری کو علم سے نسبت حاصل ہے اسی طرح کسی دوسری چیز کو کسی چیز سے نسبت نہیں ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رفق (نرمی) کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اگر آدمی حکمران ہو تو اپنے ماتحت حاکموں سے نرمی برتے پوچھا خرق (جہالت و درشتی) کیا ہے؟ فرمایا تم اپنے امام اور ان لوگوں سے دشمنی رکھو جو تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ رفق کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اے ابو محمد! آپ ہی بتا دیں فرمایا ہر کام کو اس کے مقام پر رکھنا رفق (نرمی) ہے سختی کے موقعہ پر سختی، اور نرمی کے موقعہ پر نرمی کی جائے اور کوڑے کا استعمال اس کے مقام پر ہو۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مزاج میں سختی اور نرمی ملی جلی ہونی چاہیے جیسے کہا گیا ہے۔

وَوَضْعُ النَّدٰى فِيْ مَوْضِعِ السَّيْفِ بِالْعُلٰى

مُضِرٌّ كَوَضْعِ السَّيْفِ فِيْ مَوْضِعِ النَّدٰى

جہاں تلوار اٹھانا ہو وہاں سیم تیشی اختیار کرنا (یا سخاوت کرنا) اسی طرح نقصان دہ ہے جیسے سخاوت یا دوستی کی بجائے تلوار سے کام لیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دیگر اخلاق کی طرح یہاں بھی نرمی اور سختی کے درمیان والی حالت قابل تعریف ہے لیکن جب طبیعتیں سختی اور گرمی کی طرف زیادہ مائل ہوں تو نرمی کی طرف ترغیب دینے کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اسی طرح شریعت نے بھی سختی کی بجائے نرمی کی تعریف زیادہ کی ہے اگرچہ اپنے مقام پر سختی بھی اچھی ہے جس طرح نرمی اپنے مقام پر ہی اچھی ہے۔

لیکن جب سختی ہی ضروری ہوتی ہے تو حق اور خواہش کی آمیزش ہو جاتی ہے اور وہ گھی شکر سے بھی زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں ان کو سستی کرنے پر تنبیہ فرمائی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۵ ص ۹۰۳ حدیث ۴۳۵۵۷

حمد وصلوٰۃ کے بعد! بھلائی کے کاموں میں غور وفکر کرنا زیادہ ہدایت کا موجب ہوتا ہے اور ہدایت یافتہ وہ ہے جو جلد بازی سے بچتا ہے اور نامراد وہ ہے جو وقار سے محروم رہتا ہے مستقل مزاج آدمی ہی اچھے فیصلے تک پہنچتا ہے یا اس کے قریب ہو جاتا ہے جب کہ جلدی کرنے والا خطا کرتا ہے یا ممکن ہے اس سے خطا سرزد ہو اور جس شخص کو نرمی نفع نہ دے اسے سختی اور بیوقوفی سے نقصان ہوتا ہے اور جو آدمی تجربات سے نفع نہ اٹھائے وہ بلند مقامات حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوعون انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان آپس میں جو سخت باتیں کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی نرم گفتگو بھی ہوتی ہے جو اس کے قائم مقام ہوتی ہے۔

حضرت حمزہ کوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضرورت کے مطابق ملازم رکھو کیوں کہ ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور جان لو کہ تم سختی کے ذریعے ان سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے، جو کچھ دیں گے نرمی سے دیں گے اور وہ زیادہ بہتر ہوگا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن ٹھہر ٹھہر کر کام کرنے والا امین ہوتا ہے اور وہ رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہیں ہوتا (کہ جلدی میں جو ہاتھ آیا اٹھالیا)۔

تو اہل علم نے نرمی کی تعریف اس طرح فرمائی ہے اس لیے کہ یہ قابل تعریف عمل ہے اور عام طور پر اور بے شمار کاموں میں مفید ہے۔ جب کہ سختی برتنے کی نوبت کبھی کبھی آتی ہے اور وہ نادر الوجود ہے کامل شخص وہ ہے جو نرمی اور سختی کے مواقع کے درمیان تمیز کر سکے اور ہر بات کو اس کا حق دے اگر اس کی بصیرت کم ہو یا کسی واقعہ کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے تو اسی صورت میں نرمی کی طرف مائل ہونا چاہیے کیونکہ عام طور پر فلاح اسی میں ہوتی ہے۔

حسد کی مذمت، اسباب اور علاج وغیرہ

حسد کی مذمت:

جان لو! حسد بھی کینہ کے نتائج میں سے ہے کینہ، غصے کے نتائج میں سے ہے کیونکہ حسد، غصے کی فرع کا فرع ہے اور غضب (غصہ) اس کی اصل کی اصل ہے۔ پھر حسد کی کچھ مذموم فروعات ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا اور خاص حسد کی مذمت میں بہت سی روایات آئی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (۱) — حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد، اس کے اسباب اور نتائج سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۰، ابواب الزہد

لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ (۱)

ایک دوسرے سے حسد نہ کرو ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ ہو ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو اور ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو اور اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دن ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا۔

ابھی اس گھاٹی سے ایک جنتی شخص تمہارے سامنے نمودار ہوگا فرماتے ہیں پھر ایک انصاری نمودار ہوا اس کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور اس کی جوتیاں بائیں ہاتھ میں تھیں اور اس نے سلام کیا دوسرے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات فرمائی تو وہی شخص آیا۔ تیسرے دن آپ نے پھر وہی بات فرمائی اور وہ شخص حاضر ہوا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اس شخص کے پیچھے پیچھے چلے اور فرمایا میری اپنے والد سے کچھ بات چیت ہوئی ہے تو میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تین دن تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا اگر آپ مجھے اپنے پاس تین دن ٹھہرائیں تو مہربانی ہوگی اس شخص نے کہا ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کے پاس تین راتیں گزاریں تو آپ نے دیکھا کہ وہ رات کو نہیں اٹھتے لیکن ہر کروٹ پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور وہ صرف صبح کی نماز کے لیے اٹھے اور ان سے ذکر کی آواز ہی آتی رہی جب تین راتیں گزر گئیں تو قریب تھا کہ میں ان کے عمل کو معمولی سمجھتا تو میں نے ان سے کہا اے اللہ کے بندے میرے اور والد کے درمیان نہ کوئی جھگڑا ہے اور نہ ہی کوئی ناراضگی ہے لیکن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی بات سنی ہے تو میں آپ کا عمل معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے آپ کا کوئی زیادہ عمل نہیں دیکھا آپ اس مقام تک کس طرح پہنچے انہوں نے فرمایا وہی کچھ ہے جو آپ نے دیکھ لیا ہے جب میں واپس جانے لگا تو انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا وہی ہے جو آپ نے دیکھا لیکن کسی مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا میں اس سے حسد نہیں کرتا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ان سے کہا اسی عمل کی وجہ سے آپ اس مقام تک پہنچے ہیں اور ہمیں اس کی طاقت نہیں ہے۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ لَا يَنْجُوْ مِنْهُنَّ اَحَدٌ اَلظَّنُّ وَالطِّيَرَةُ وَالْحَسَدُ وَسَاحَدِّثُكُمْ بِالْمَخْرَجِ مِنْ

تین باتیں ایسی ہیں جن سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا ان میں سے ایک بدگمانی ہے دوسری بدفالی اور تیسری بات

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۶ کتاب الادب

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۶۶ مرویات انس بن مالک

ذٰلِكَ اِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُحَقِّقْ وَاِذَا تَطَيَّرْتَ فَامْضِ وَاِذَا حَسَدْتَ فَلَا تَبْغِ۔ (۱)

حسد ہے اور میں عنقریب تمہیں ان سے نکلنے کا راستہ بتاؤں گا جب تم کسی بات کا گمان کرو تو اسے حقیقت نہ سمجھو جب کوئی برا شگون سامنے آئے تو اپنا کام جاری رکھو اور جب حسد پیدا ہو تو خواہش نہ کرو۔

ایک روایت میں ہے "تین باتیں ایسی ہیں کہ ان سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا (یعنی) بہت کم لوگ ان سے بچتے ہیں" (۲) تو اس روایت میں نجات کے امکان کو ثابت فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ وَالْبِغْضَةُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ حَالِقَةُ الشَّعْرِ وَلٰكِنْ حَالِقَةُ الدِّيْنِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَنْ تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِمَا يُثَبِّتُ ذٰلِكَ لَكُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔ (۳)

تم میں پہلی امتوں کی بیماریاں سرایت کر گئی ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے تم ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ سنو! کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس سے یہ بات قائم و ثابت ہوتی ہے آپس میں سلام (کرنا) پھیلاؤ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا وَكَادَ الْحَسَدُ اَنْ يَّغْلِبَ الْقَدَرَ۔ (۴)

قریب ہے کہ فقر، کفر تک پہنچا دے اور قریب ہے کہ حسد تقدیر پر غالب آجائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عنقریب میری امت تک پہلی امتوں کی بیماری پہنچے گی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! پہلی امتوں کی بیماری کیا ہے؟

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۵۶ حدیث ۴۳۹۲۰

(۲) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۲۷ حدیث ۴۳۷۸۸

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۶۵ مرویات زبیر (کچھ تبدیلی کے ساتھ)

(۴) کنز العمال جلد ۶ ص ۴۹۲ حدیث ۱۶۶۸۲

آپ نے فرمایا۔

اکڑ، تکبر، کثرتِ مال کی خواہش، ایک دوسرے سے دُوری اور حسد حتیٰ کہ سرکشی ہو جائے اور پھر فتنہ پیدا ہوگا۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تُظْهِرُ الشَّمَاتَةَ فَيُعَافِيَهُ اللّٰهُ وَ يَبْتَلِيكَ۔ (۲)

اپنے (مسلمان) بھائی کی برائی نہ چاہو ورنہ اللہ تعالیٰ اسے اس سے بچالے گا اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے گا۔

ایک روایت میں ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے ملاقات کی جلدی کی تو عرش کے سائے میں ایک شخص کو دیکھا آپ نے اس کے مرتبہ پر رشک کیا اور فرمایا یہ شخص اپنے رب کے ہاں مکرم و معظم ہے پھر اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اس کا نام بتائے اللہ تعالیٰ نے نام نہ بتایا اور فرمایا میں عنقریب اس کے اعمال میں سے تین باتیں بتاؤں گا ایک بات یہ کہ وہ عطیاتِ خداوندی کے سلسلے میں لوگوں سے حسد نہیں کرتا تھا دوسری بات یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہیں کرتا تھا اور تیسری بات یہ کہ چغل خور نہیں تھا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے حاسد میری نعمت کا دشمن ہے، میرے فیصلے سے ناراض ہوتا ہے اور میں نے اپنے بندوں کے درمیان جو تقسیم رکھی ہے وہ اس تقسیم پر راضی نہیں ہوتا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ اَنْ يَّكْثُرَ فِيْهِمُ الْمَالُ فَيَتَحَاسَدُوْنَ وَيَقْتَتِلُوْنَ۔ (۳)

مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اس بات کا ڈر ہے کہ ان میں مال زیادہ ہو جائے گا اور پھر وہ ایک دوسرے سے حسد کریں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حاجتوں کو پورا کرنے میں چھپانے کے ذریعے مدد مانگو کیوں کہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بے شک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے کچھ دشمن ہیں عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ لوگوں کو ملنے والے عطیاتِ خداوندی پر

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۶۸ کتاب البر والصلۃ

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۳۱۰ کتاب الحدود

(۳) لسان المیزان جلد ۲ ص ۵، ترجمہ ۲۹۰

(۴) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۹۵ کتاب البر والصلۃ

ان سے حسد کرتے ہیں ۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

چھ قسم کے لوگ حساب وکتاب سے ایک سال پہلے جہنم میں داخل ہوں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں ؟

آپ نے فرمایا (۱) امراء ظلم کی وجہ سے (۲) عرب عصبیت کی وجہ سے (۳) دہقان بکر کی وجہ سے (۴) تاجر خیانت کی وجہ سے (۵) دیہاتی جہالت کی وجہ سے اور علماء حسد کی وجہ سے (۲)

آثار :

بعض بزرگوں نے فرمایا سب سے پہلا گناہ حسد ہے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقام ومرتبہ کی وجہ سے ان سے حسد کیا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو حسد نے اسے نافرمانی پر ابھارا۔

منقول ہے کہ حضرت عون بن عبداللہ، فضل بن مہلب کے پاس گئے اور وہ اس وقت واسط (مقام) کے حاکم تھے فرمایا میں تجھے کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں پوچھا وہ کیا ہے ؟ فرمایا تکبر سے بچتے رہنا یہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی ۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۔ (۳)

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا لیکن شیطان نے نہ کیا ۔

نیز حرص سے بچنا کیونکہ یہ بات حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے باہر آنے کا سبب بنی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی جنت جس کی چوڑائی میں تمام آسمان اور زمین آ جائیں آپ کے اختیار میں دے دی کہ اس سے کھائیں لیکن ایک درخت (کے قریب جانے) سے منع فرمایا آپ نے اس سے کھایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت سے باہر آنے کا حکم دیا پھر انہوں نے پڑھا۔

اِهْبِطُوْا مِنْهَا ۔ (۴)

یہاں سے چلے جائیں ۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۹۵ کتاب البر والصلۃ

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۳۲۹ حدیث ۳۴۹۱

(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۳۴

(۴) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۳۸

اور حسد سے بچنا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے اپنے بھائی کو حسد کی وجہ سے قتل کیا پھر یہ آیت پڑھی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ۔ (۱)

اور آپ ان کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ سنائیں جب ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی لیکن دوسرے کی قربانی قبول نہ ہوئی اس نے کہا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ دوسرے نے جواب دیا بے شک اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔

اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ہو تو خاموشی اختیار کرو (ان کے بارے میں کوئی بحث نہ کرو) اور جب تقدیر کا ذکر ہو تو خاموشی اختیار کرو اور جب ستاروں کا ذکر ہو تو بھی خاموشی اختیار کرو۔

حضرت بکر بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کسی بادشاہ کے پاس جا کر کھڑا ہوتا اور یہ جملہ کہتا تھا محسن کے احسان کا بدلہ دو کیوں کہ بدی کرنے والے کو تو خود اس کی بدی کافی ہے ایک دوسرے شخص نے اس کے اس مرتبے اور کلام پر حسد کیا اور بادشاہ کے پاس جا کر کہا کہ فلاں شخص جو آپ کے سامنے کھڑا ہو کر فلاں فلاں بات کرتا ہے اس کا خیال یہ ہے کہ بادشاہ کا منہ گندہ ہے بادشاہ نے کہا مجھے اس بات کی صحت کیسے معلوم ہو گی اس نے کہا اس کو اپنے پاس بلاؤ جب وہ تمہارے پاس آئے گا تو اپنے ناک پہ ہاتھ رکھے گا تاکہ اسے بدبو نہ آئے بادشاہ نے کہا تم جاؤ میں اس کا جائزہ لوں گا وہ شخص بادشاہ کے پاس سے چلا گیا اور اس دوسرے آدمی کو اپنے گھر بلا کر کھانا کھلایا جس میں لہسن ملایا جب وہ شخص وہاں سے نکلا اور بادشاہ کے پاس جا کر حسب عادت اس کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا محسن کے ساتھ حسن سلوک کرو برائی کرنے والے کو اس کی برائی کافی ہے بادشاہ نے کہا میرے قریب آؤ وہ قریب ہوا تو اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا تاکہ بادشاہ تک لہسن کی بُو نہ پہنچے بادشاہ نے دل میں کہا فلاں آدمی نے سچ کہا تھا اور بادشاہ اس کے لیے انعام یا صلہ کی تحریر لکھا کرتا تھا چنانچہ اس نے اپنے عامل کو ایک تحریر لکھی کہ جب یہ شخص جس کے پاس یہ خط ہے تمہارے پاس آئے تو اسے ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ لو اور اس میں بھوسہ بھر دو کر ہمارے پاس بھیجو وہ شخص خط لے کر نکلا تو دوسرا شخص اسے راستے میں ملا اس نے پوچھا یہ کیسا خط ہے؟ اس نے کہا بادشاہ نے انعام کے سلسلے میں لکھا ہے اس نے کہا مجھے دے دو اس نے کہا تم لے لو وہ لے کر عامل کے پاس گیا عامل نے کہا اس میں لکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر کے کھال اتار دوں اس نے کہا یہ خط میرے بارے میں نہیں خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو کہ میں بادشاہ کے پاس جاؤں اس نے کہا بادشاہ کا خط واپس نہیں ہو سکتا چنانچہ اس نے اسے ذبح کر کے کھال اتاری اور اس میں بھوسہ بھر کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا وہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ المائدہ آیت ۲۷

پہلا شخص اپنی عادت کے مطابق بادشاہ کے پاس آیا اور پہلے والا کلمہ کہا بادشاہ کو تعجب ہوا اس نے پوچھا اس خط کا کیا بنا اس نے کہا مجھے فلاں شخص ملا تھا اس نے بطور ہبہ مجھ سے مانگا تو میں نے اسے ہبہ دے دیا بادشاہ نے کہا اس نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے خیال میں میرے منہ سے بُو آتی ہے اس نے کہا میں نے یہ بات نہیں کہی بادشاہ نے پوچھا پھر تم نے اپنے منہ پر ہاتھ کیوں رکھا تھا اس نے کہا کہ مجھے اس شخص نے کھانا کھلایا جس میں لہسن تھا تو میں نے پسند نہ کیا کہ آپ کو اس کی بُو آئے بادشاہ نے کہا تم نے سچ کہا تھا برائی والے کو خود اس کی اپنی برائی کافی ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے کسی شخص سے دنیا کے کاموں میں حسد نہیں کیا کیونکہ اگر وہ جنتی ہے تو میں کیسے دنیاوی بات میں اس سے حسد کروں کیونکہ یہ جنت کے مقابلے میں حقیر ہے اور اگر وہ جہنمی ہے تو میں کس طرح اس سے دنیاوی بات میں حسد کروں حالانکہ وہ جہنم کی طرف جانے والا ہے۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کیا مومن حسد کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ بھول گئے ہو؟ ہاں مومن حسد کرتا ہے لیکن یہ بات اس کے سینے میں ہی ہوتی ہے وہ جب تک ہاتھ اور زبان کے ذریعے زیادتی نہ کرے تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آدمی جس قدر زیادہ موت کو یاد کرتا ہے اسی قدر اس کی خوشی اور حسد کم ہوتا ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ہر آدمی کو راضی کرنے پر قادر ہوں مگر نعمت کا حاسد زوال نعمت پر ہی راضی ہوتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے۔

كُلُّ الْعَدَاوَاتِ قَدْ تُرْجٰى اِمَاتَتُهَا اِلَّا عَدَاوَةُ مَنْ عَادَاكَ مِنْ حَسَدٍ۔

تمام دشمنیوں کو ختم کرنے کی امید کی جا سکتی ہے لیکن جو شخص حسد کی وجہ سے تم سے دشمنی کرتا ہے اس کی دشمنی ختم نہیں ہوتی۔

⁂ ⁂ ⁂

بعض دانا فرماتے ہیں حسد ایسا زخم ہے جو ٹھیک نہیں ہوتا اور حسد کرنے والے کو یہی سزا کافی ہے۔ ایک اعرابی نے کہا میں نے حاسد سے بڑھ کر کسی کو مظلوم کے مشابہ نہیں دیکھا وہ تمہارے پاس نعمت دیکھتا ہے تو گویا اسے سزا مل رہی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اے ابن آدم! تم اپنے بھائی سے حسد کیوں کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ عطا فرمایا اگر یہ اس کا اعزاز ہے تو جسے اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے اس پر حسد کیوں کرتے ہو اور اگر کسی دوسری وجہ سے عطا کیا ہے تو جس نے جہنم میں جانا ہے اس سے حسد کیوں کرتے ہو۔؟

بعض بزرگوں نے فرمایا حاسد کو مجلسوں میں ذلت اور ندامت ملتی ہے فرشتوں کی طرف سے لعنت اور بغض اور قیامت کے دن عذاب اور رسوائی حاصل ہوگی۔

حسد کی حقیقت، حکم، اقسام اور مراتب

جان لو! حسد ہمیشہ نعمت پر ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ تمہارے کسی (مسلمان) بھائی کو نعمت عطا فرماتا ہے تو اس صورت میں تمہاری دو حالتیں ہوتی ہیں ایک حالت یہ ہے کہ تم اس نعمت کو ناپسند اور اس کے زوال کو پسند کرو اس حالت کو حسد کہتے ہیں تو گویا حسد نعمت کو ناپسند کرنا اور انعام یافتہ سے نعمت کا زوال چاہنا ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ تم اس کا زوال پسند نہ کرو اور اس کے وجود اور دوام کو بکروہ نہ جانو لیکن تمہارا دل چاہتا ہو کہ تمہیں بھی اس قسم کی نعمت ملے اس کو رشک کہتے ہیں اور اسے منافست بھی کہتے ہیں بعض اوقات منافست کو حسد اور حسد کو منافست کہا جاتا ہے یعنی ان دونوں لفظوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے اور مفہوم کی وضاحت کے بعد الفاظ میں کوئی مضائقہ نہیں،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغْبِطُ وَالْمُنَافِقَ یَحْسُدُ۔ (۱) بے شک مومن رشک کرتا اور منافق حسد کرتا ہے۔

پہلی حالت (حسد) ہر حال میں حرام ہے البتہ کسی کافر یا بدکار کو کوئی نعمت ملے تو چونکہ وہ اسے فتنہ انگیزی کے لیے استعمال کرتا ہے اور لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے لہٰذا اسے ناپسند کرنے اور اس کے زوال کی تمنا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ تم اس کا زوال اس کے نعمت ہونے کی وجہ سے نہیں چاہتے بلکہ اس لیے زوال کی تمنا کرتے ہو کہ وہ فساد کا آلہ ہے اگر وہ اس سے فتنہ و فساد نہ کرے تو برا معلوم نہ ہو۔

حسد کے حرام ہونے پر وہ روایات دلالت کرتی ہیں جو ہم نے نقل کی ہیں نیز یہ اس لیے بھی ناپسندیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کے سلسلے میں جو فیصلہ فرمایا ہے اس پر ناراضگی کا اظہار ہے اس میں نہ کوئی عذر ہے اور نہ ہی رخصت کیوں کہ مسلمان کے آرام کو ناپسند کرنے سے بڑھ کر کونسا گناہ ہو سکتا ہے حالانکہ اس میں تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا قرآن پاک میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا۔ (۲) اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوتے ہیں۔

یہ خوشی، شماتت (کسی کی مصیبت پر خوشی) ہے اور حسد اور شماتت ایک دوسرے کو لازم ہیں۔

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۴۹ حدیث ۹۹۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۲۰

ارشاد خداوندی ہے :

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ۔ (۱)

بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ وہ کسی طرح تمہیں ایمان سے کفر کی طرف پھیر دیں اور وہ حسد کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان کا نعمتِ ایمان کا زوال چاہنا حسد کی وجہ سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً۔ (۲)

وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کفر اختیار کرو پس تم سب برابر ہو جاؤ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حسد اور ان کے دلوں کی بات کو ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ۔ (۳)

جب انہوں نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے (سگے) بھائی ہمارے باپ کو زیادہ محبوب ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں اور بے شک ہمارے والد ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں یوسف علیہ السلام کو قتل کر دو یا کسی جگہ پھینک دو تاکہ تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف خالص ہو جائے۔

جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے باپ کی محبت کو ناپسند کیا اور اس محبت کا زوال چاہا تو ان کو باپ کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا۔ (۴)

اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کے بارے میں کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان کو دی گئی۔

یعنی اس پر ان کے سینے تنگ نہیں ہوتے اور نہ غمگین ہوتے ہیں تو حسد نہ کرنے پر ان کی تعریف فرمائی۔

مقام انکار میں ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرہ آیت ۱۰۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ نساء آیت ۸۹

(۳) قرآن مجید، سورۃ یوسف آیت ۸

(۴) قرآن مجید، سورۃ حشر آیت ۹

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (۱)

کیا وہ لوگوں سے اس فضل و نعمت پر حسد کرتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ (۲)

لوگ ایک جماعت تھے پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا جو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے ہیں اور ان کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں کے باہمی اختلاف کے بارے میں فیصلہ کریں اور اس میں انہی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو یہ دی گئی اور انہوں نے روشن نشانیاں آنے کے بعد آپس میں حسد کی وجہ سے اختلاف کیا۔

اس کی تفسیر حسد سے کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ (۳)

اور انہوں نے علم آنے کے بعد محض حسد کی وجہ سے جدا جدا راستہ اختیار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے علم اس لیے نازل کیا کہ وہ ان کو جمع کرے اور اطاعت خداوندی پر ان کے دل باہم مل جائیں اور ان کو حکم دیا کہ علم کے ذریعے باہم الفت و محبت اختیار کرو لیکن انہوں نے ایک دوسرے سے حسد کرتے ہوئے باہم اختلاف کیا کیوں کہ ان میں سے ہر ایک اقتدار کا خواہش مند تھا وہ چاہتا تھا کہ اس کی بات قبول ہو اس طرح انہوں نے ایک دوسرے کی بات کو رد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہودی جب کسی قوم سے لڑتے تو کہتے یا اللہ! اس نبی کے وسیلے سے جس کے بھیجنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا اور اس کتاب کے طفیل جو ہم پر اتارے گا ہماری مدد فرما ــــ تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تشریف لائے تو آپ کو پہچاننے کے باوجود انہوں نے آپ کا انکار کیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى

اور وہ (اہل کتاب) اس سے پہلے کافروں کے خلاف فتح

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۵۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۱۳

(۳) قرآن مجید، سورۂ شوریٰ آیت ۱۴

الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ ۔ (۱)

مانگتے تھے پس جب ان کے پاس وہ تشریف لائے جن کو پہچانتے تھے تو ان کا انکار کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا۔

اَنْ يَّكْفُرُوا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا ۔ (۲)

کہ وہ حسد کرتے ہوئے اس چیز کا انکار کریں جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے۔

یعنی حسد کرتے ہوئے انہوں نے حضور علیہ السلام اور قرآن پاک کا انکار کیا۔

ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک دن میرے باپ اور چچا آپ کے پاس سے گھر گئے تو میرے باپ نے میرے چچا سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا میں کہتا ہوں یہ وہی نبی ہیں جن کی خوشخبری حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی پوچھا تمہارا کیا خیال ہے۔ اس نے کہا میں تو ہمیشہ ان کا دشمن رہوں گا۔

تو یہ حسد کا حکم ہے کہ وہ حرام ہے۔

جہاں تک منافست کا تعلق ہے تو وہ حرام نہیں بلکہ واجب یا مستحب یا مباح ہے بعض اوقات منافست کی جگہ لفظ حسد اور حسد کی جگہ لفظ منافست بولا جاتا ہے حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب انہوں نے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے ارادہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں کہ آپ ہمیں صدقہ کی وصولی پر مقرر فرمائیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضور علیہ السلام کے پاس نہ جاؤ کیونکہ آپ تمہیں مقرر نہیں فرمائیں گے تو انہوں نے کہا آپ تو حسد کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں (لفظ نفاست استعمال کیا) اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی آپ کے نکاح میں دی تو ہم نے آپ سے حسد نہیں کیا — (۳)

منافست لغوی طور پر نفاست سے مشتق ہے اور منافست کے جواز کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۔ (۴)

اور اسی میں سبقت کرنے والوں کو سبقت کرنی چاہیے۔

اور ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۸۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۹۰

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴۴ کتاب الزکوٰۃ

(۴) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۲۶

سَابِقُوا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِنْ رَبِّکُمْ ۔ (۱) اپنے رب کی مغفرت کی طرف سبقت کرو۔

اور مسابقت کسی چیز کے جانے کے ڈر سے ہوتی ہے جس طرح دو غلام اپنے آقا کی خدمت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ دوسرا ساتھی پہلے جاکر آقا سے کوئی چیز نہ لے لے اور حدیث شریف میں اس چیز کی تصریح موجود ہے

آپ نے فرمایا۔

لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللہُ مَالاً فَسَلَّطَ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللہُ عِلْمًا فَھُوَ یَعْمَلُ بِہٖ وَیُعَلِّمُہُ النَّاسَ ۔ (۲)

صرف دو قسم کے لوگ قابل رشک ہیں ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دے کر راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا اور وہ اس پر عمل بھی کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا بھی ہے۔

پھر حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی وضاحت فرمائی آپ نے فرمایا۔

"اس امت کی مثال چار قسم کے لوگوں جیسی ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دیا پس وہ اپنے مال میں علم پر عمل کرتا ہے دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا لیکن مال نہیں دیا وہ کہتا ہے اے میرے رب! اگر میرے پاس فلاں شخص کی طرح مال ہوتا تو میں اس کے عمل کی طرح عمل کرتا تو ان دونوں کا اجر برابر ہے۔

تو وہ یہ بات نہیں چاہتا کہ اس شخص کے پاس مال نہ رہے بلکہ اس کی تمنا یہ ہے کہ اس کی طرح اس کے پاس بھی مال ہو جائے پھر فرمایا۔

اور تیسرا شخص وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا لیکن علم نہیں دیا اور وہ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرتا اور چوتھا وہ شخص جس کو علم دیا اور مال نہیں دیا اور وہ کہتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی فلاں شخص کی طرح مال ہوتا تو میں گناہ کے کاموں پر خرچ کرتا تو ان دونوں کا بوجھ (گناہ) برابر ہے (۳)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کی تمنا کے اعتبار سے اس کی مذمت فرمائی اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کی طرح مالدار ہونا چاہتا ہے تو نعمت کے سلسلے میں دوسرے پر رشک کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ آدمی اس کی مثل ہونا چاہتا ہے اور اس سے اس کا زوال نہیں چاہتا اور نہ اس کے لیے اس نعمت کے دوام کو ناپسند کرتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ الحدید آیت ۲۱

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۸۵ مرویات ابن مسعود

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۲ ، ابواب الزہد

ہاں اگر یہ نعمت، دینی نعمت ہو اور واجب ہو جیسے ایمان، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ تو اس صورت میں رشک کرنا واجب ہوگا۔ یعنی وہ اس کی مثل ہونا چاہے کیونکہ اگر وہ ایسا ہونا نہ چاہے تو گناہ پر راضی ہوگا اور یہ حرام ہے اور اگر نعمت محض فضائل میں سے ہو جیسے اچھے کاموں میں مال خرچ کرنا اور صدقہ کرنا تو اس صورت میں رشک مستحب ہے اور اگر وہ نعمت ایسی ہے کہ اسے محض جواز کی حد تک حاصل کیا جاتا ہے تو اس میں رشک محض جائز ہوگا اور ان تمام صورتوں میں اس کا ارادہ اس شخص کے برابر ہونا اور نعمت میں اس کے ساتھ مل جانا ہے اس میں اس کی نعمت کو ناپسند کرنا نہیں ہے۔

اور اس نعمت کے تحت دو باتیں ہیں ایک یہ کہ جس کے پاس نعمت ہے اس کا آرام اور دوسری یہ کہ اس کے علاوہ ان تمام لوگوں کا نقصان ظاہر ہونا جن کو یہ نعمت حاصل نہیں ہے۔

اور یہ شخص ان دو باتوں میں سے ایک کو ناپسند کرتا ہے اور وہ اس کا پیچھے رہ جانا ہے جب کہ اس کے ساتھ مساوات چاہتا ہے اور اگر کوئی شخص مباح چیزوں میں اپنے پیچھے رہ جانے اور نقصان کو ناپسند کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں اس صورت میں فضائل میں کمی آتی ہے زہد، توکل اور رضا میں کمی نہیں آتی ہاں بلند مقامات سے حجاب میں رہتا ہے لیکن اس سے گناہ لازم نہیں آتا۔

یہ نہایت باریک نکتہ ہے کیوں کہ جب وہ اس قسم کی نعمت حاصل کرنا پسند کرے اور اس سے پیچھے رہنا نیز نقصان اٹھانا ناپسند کرے تو لازماً وہ اس کے نقصان کی خواہش رکھے گا اس کا نقصان تو اس طرح دور ہو سکتا ہے کہ اس کی مثل پائے یا اس محسود (جس سے حسد کیا گیا) سے نعمت کا زوال ہو جب ان دونوں باتوں میں سے ایک کا راستہ بند ہو جائے تو دل دوسرے راستے کی خواہش سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ جب محسود سے نعمت زائل ہو جائے تو اس کے دوام کی نسبت اس صورت میں اس کے دل کو زیادہ تشفی ہوگی کیوں کہ اس صورت میں اس کا پیچھے رہنا ختم ہو جائے گا اور یہ اس سے آگے بڑھ جائے گا۔ تو دل سے یہ بات نہیں نکل سکتی اور اگر اسے اختیار دیا جائے تو یہ اس سے نعمت کے زوال کی کوشش کرے گا تو یہ نہایت قابل مذمت حسد ہے۔

اور اگر تقویٰ کی وجہ سے اس کا زوال چاہتا ہے تو یہ رشک ہے تو اب اس کے دل کی یہ خواہش کہ محسود کے پاس یہ نعمت نہ رہے قابل معافی ہے جب کہ وہ اپنے لیے بھی عقل و دین کے حوالے سے اسے ناپسند کرے۔

شاید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے یہی مراد ہے آپ نے فرمایا:

ثَلَاثٌ لَا يَنْفَكُّ الْمُؤْمِنُ عَنْهُنَّ الْحَسَدُ وَالظَّنُّ وَالطِّيَرَةُ۔

تین باتیں ایسی ہیں کہ کوئی مومن ان سے الگ نہیں ہو سکتا حسد، بدگمانی اور بدفالی۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۵۶ حدیث ۴۳۹۲۰

پھر فرمایا۔

وَلَہٗ مِنْھُنَّ مَخْرَجٌ اِذَا حَسَدْتَ فَلَا تَبْغِ۔ (۱)

اور اس کے لیے ان سے نکلنے کا راستہ ہے جب تم حسد کرو سرکشی نہ کرو۔

یعنی جب اپنے دل میں کوئی بات پاؤ تو اس پر عمل نہ کرو اور یہ بات بعید ہے کہ انسان نعمت کے حوالے سے دوسرے (مسلمان) بھائی سے مل جائے لہذا وہ عاجز ہوتا ہے لہذا وہ اس سے نعمت کے زوال کا خیال چھوڑ دیتا ہے کیونکہ وہ لازماً اس کے لیے ترجیح پاتا ہے تو اس انداز میں رشک، حرام حسد کے خلاف ہے لہذا احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ یہ خطرے کا مقام ہے۔

ہر انسان اپنے سے اوپر ایک جماعت کو پاتا ہے جن سے اسے شناسائی ہوتی ہے اور وہ اس کے ہم عصر ہوتے ہیں وہ ان کے برابر ہونا چاہتا ہے اور ممکن ہے کہ یہ خیال اسے ممنوع حسد تک لے جائے اگر اس کا ایمان اور تقویٰ مضبوط نہ ہو۔ اور جب اس کا محرک عدم مساوات کا خوف اور دوسرے کے مقابلے میں اپنی کمی کا احساس ہو تو یہ بات قابل مذمت حسد کی طرف لے جاتی ہے نیز دوسرے بھائی سے نعمت کے زوال کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے کیوں کہ وہ نعمت کے حصول کے ذریعے اس کے برابر نہیں ہو سکتا اور اس بات کی اسے بالکل اجازت نہیں بلکہ یہ حرام ہے چاہے دینی مقاصد کے لیے ہو یا دنیوی مقاصد کی خاطر لیکن جب تک عمل نہ کرے ان شاء اللہ تعالیٰ اسے معافی ملے گی۔

اور اسے ذاتی طور پر ناپسند کرنا ہی اس کا کفارہ ہے۔ تو یہ حسد کی حقیقت اور اس کے احکام ہیں۔

مراتب حسد:

حسد کے چار مراتب ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ دوسرے آدمی سے نعمت کا زوال چاہے اگرچہ وہ نعمت اس کی طرف منتقل نہیں ہوتی یہ انتہائی درجے کی خباثت ہے

(۲) اس دوسرے آدمی سے نعمت کا زوال چاہے کیوں کہ یہ خود اس میں رغبت رکھتا ہے جیسے کسی خوبصورت مکان یا خوبصورت عورت یا حکومت یا مالی وسعت جو دوسرے آدمی کو حاصل ہے اور یہ چاہتا ہے کہ خود اسے حاصل ہو اس کا مقصود صرف اس نعمت کا حصول ہے دوسرے آدمی سے زوال مطلوب نہیں وہ اس بات کو مکروہ جانتا ہے کہ وہ اس نعمت سے محروم ہے دوسرے کا انعام یافتہ ہونا ناپسند نہیں کرتا۔

۳۔ اپنے لیے بعینہٖ اس نعمت کی خواہش رکھے بلکہ اس کی مثل کی تمنا کرے اور اگر اس کی مثل حاصل کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس شخص سے اس کا زوال چاہے تاکہ ان کے درمیان تفاوت ظاہر نہ ہو۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۵۶ حدیث ۴۳۹۲۰

۴۔ اپنے لیے اس کی مثل کی خواہش کرے اور اگر اس کو حاصل نہ کر سکے تو اس (دوسرے) سے اس کا زوال نہ چاہے یہ آخری قسم کا حسد معاف کیا جاتا ہے اگر دنیا سے متعلق ہو اور اگر دین سے متعلق ہو تو مستحب ہے، تیسرے درجے کا حسد مذموم بھی ہے اور غیر مذموم بھی جب کہ دوسرے درجے کا حسد تیسرے درجے کے حسد سے ہلکا ہے اور پہلے درجے کا حسد محض مذموم ہے دوسرے درجے کو مجازاً حسد کہا جاتا ہے لیکن یہ قابلِ مذمت ہے۔

کیوں کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۱)

اور اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

حسد اور رشک کے اسباب

رشک کا سبب اس چیز سے محبت ہے جس میں رشک کیا جاتا ہے اگر یہ دینی امر ہو تو اس کا سبب اللہ تعالیٰ اور اس کی اطاعت کی محبت ہے اور اگر وہ دنیوی بات ہو تو اس کا باعث دنیا کی مباح اشیاء کی محبت اور ان سے لطف اندوز ہونا ہے اب ہم مذموم حسد میں غور کرتے ہیں اور اس کے راستے بہت زیادہ ہیں لیکن یہ تمام سات باتوں میں منحصر ہیں۔

عداوت، حصولِ عزت، تکبر، خود پسندی مقاصدِ محبوبہ کے فوت ہونے کا خوف، حکومت کی خواہش اور نفس کی خباثت اور اس کا بخل ــــ

آدمی دوسرے آدمی کے پاس نعمت کو ناپسند کرتا ہے تو اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کا دشمن ہے اور یہ اس لیے بھلائی نہیں چاہتا اور اس (حسد) کا تعلق اپنے ہم مثل لوگوں سے ہی نہیں ہوتا بلکہ خسیس آدمی بادشاہ سے بھی حسد کرتا ہے یعنی اس سے نعمت کا زوال چاہتا ہے کیونکہ وہ اس سے بغض رکھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس سے یا اس کے محبوب سے نعمت کے باعث تکبر کرتا ہے اور یہ اس کے تکبر اور فخر کو برداشت نہیں کر سکتا جس کی وجہ اس کی عزتِ نفس ہے حصولِ عزت سے مراد یہی ہے۔

یا اس کی طبیعت میں اس آدمی سے بڑائی حاصل کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے جس سے وہ حسد کرتا ہے لیکن اس کا نعمتوں سے مالا مال ہونا اس راستے میں رکاوٹ ہے تکبر سے یہی مراد ہے۔

یا یہ کہ وہ نعمت اور منصب بہت بڑا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس قسم کی نعمت حاصل کر کے خود پسندی کا مظاہرہ کرے تعجب (خود پسندی) سے یہی مراد ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ نساء آیت ۳۲

یا اس نعمت کی وجہ سے یہ شخص اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتا کہ اس کے سبب اپنی اغراض کے حصول میں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا وہ کسی منصب کی خواہش رکھتا ہے جو ایسی نعمت کے ساتھ خاص ہے جو اس کے مساوی نہیں ہے یا اس کا کوئی سبب نہیں ہوتا بلکہ نفس کی خباثت اور بندگان خدا سے اچھی باتوں میں بخل کے باعث ایسا کرتا ہے ان اسباب کی تشریح ضروری ہے اور وہ اس طرح ہے۔

پہلا سبب۔ عداوت اور بغض ہے اور یہ حسد کا سب سے زیادہ سخت سبب ہے کیوں کہ جب کوئی شخص اسے کسی طریقے سے اذیت پہنچاتا ہے اور کسی نہ کسی صورت میں اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اسے دل سے ناپسند کرتا ہے اور اس کو اس پر غصہ آتا ہے نیز اس کے دل میں کینہ پکا ہو جاتا ہے اور کینہ انتقام کا تقاضا کرتا ہے اب اگر وہ عداوت رکھنے والا اس سے انتقام نہ لے سکتا ہو تو وہ چاہتا ہے کہ زمانہ اس سے بدلہ لے اور بعض اوقات اسے اپنی کرامت سمجھتا ہے اور جب اس کے دشمن کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اس پر خوش ہوتا ہے اور یوں خیال کرتا ہے کہ اس کے بغض و عداوت کی وجہ سے مکافات عمل کے طور پر ایسا ہوا ہے اور اسی وجہ سے اسے مصیبت پہنچی ہے اور جب اسے کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو اسے بری لگتی ہے کیوں کہ یہ اس کی مراد کے خلاف ہے اور بعض اوقات یوں سوچتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقام حاصل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن سے بدلہ نہیں لیا حالانکہ اس نے اسے اذیت پہنچائی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے نعمت عطا کر دی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حسد، بغض و عداوت کو لازم ہے اور ان سے جدا نہیں ہوتا تو تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ حد سے نہ بڑھے۔ اور ذاتی طور پر اسے ناپسند کرے اور اگر کسی آدمی سے عداوت بھی رکھتا ہو اور پھر اس کے نزدیک اس کی خوشی اور تکلیف برابر بھی ہوں تو یہ ناممکن ہے اور کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ عداوت کی وجہ سے حسد کرتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ۔ (۱)

اور جب وہ تم سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب علیحدہ ہوتے ہیں تو غصے سے تم پر انگلیوں کے پورے کاٹتے ہیں آپ فرما دیجئے تم اپنے غصے میں مر جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے اور اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو ان کو بری لگتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۲۰/۱۱۹

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنَ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ۔ (۱)

وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں جو تمہیں مشقت میں ڈالے تحقیق ان کی زبانوں سے دشمنی ظاہر ہو گئی اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں وہ اس سے بھی بڑا ہے

بغض و عداوت کی وجہ سے حسد بعض اوقات جھگڑے اور باہمی قتال تک لے جاتا ہے اور ساری زندگی (مخالف سے) نعمت کے ازالے کے لیے تدابیر اور اس کے لیے کوشش نیز مخالف کی پردہ دری اور اس قسم کے کاموں میں گزر جاتی ہے۔

دوسرا سبب۔ خود ساختہ عزت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو اپنے سے بلند دیکھ کر بوجھ محسوس کرتا ہے جب اس کے کسی ہم پلہ آدمی کو حکومت یا علم یا مال وغیرہ ملتا ہے تو اسے ڈر ہوتا ہے کہ وہ اس وجہ سے بڑائی کا اظہار کرے گا اور وہ اس کے تکبر کو برداشت نہیں کر سکتا اس کی غرض اپنی بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ اس کے تکبر کو دور کرنا ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات وہ اس کے ساتھ برابری پر راضی ہو جاتا ہے لیکن اس کی ترقی پر خوش نہیں ہوتا۔

تیسرا سبب تکبر ہے یعنی وہ فطری طور پر دوسرے سے برتری چاہتا ہے اسے حقیر و ذلیل سمجھتا ہے اور توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کے سامنے جھکے اور اس کی اغراض کو پورا کرے لہذا جب اس دوسرے شخص کو نعمت ملتی ہے تو اسے ڈر ہوتا ہے کہ اب وہ اس کی بات نہیں سنے گا یا اس کی برابری کا دعویٰ کرے گا یا اس سے بلند مرتبہ ہو جائے گا تو وہ تکبر کرے گا حالانکہ پہلے میں اس پر تکبر کرتا تھا کفار کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرنا ان دو باتوں کی وجہ سے تھا کیوں کہ وہ کہتے تھے کہ ایک یتیم بچہ کس طرح ہم سے آگے بڑھ جائے اور کس طرح ہم اس کے سامنے سر جھکائیں چنانچہ انہوں نے کہا۔

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ (۲)

یہ قرآن پاک دو شہروں (مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ) کے کسی عظیم آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عظیم شخصیت ہوتی تو اس کے لیے جھکنا اور اس کی پیروی کرنا ہمارے لیے مشکل نہ ہوتا (۳) اللہ تعالیٰ قریش کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا۔ (۴)

کیا یہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ان پر احسان فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۱۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ زخرف آیت ۳۱

(۳) احکام القرآن جلد ۶ اص ۳۸۳ تحت آیت لولا نزل ہذا القرآن

(۴) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۵۳

گویا انہوں نے مسلمانوں کو حقیر جانتے ہوئے اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بات کہی۔
چوتھا سبب خود پسندی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے کہا۔

مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ (۱) تم تو ہماری طرح کے انسان ہو۔

نیز انہوں نے کہا۔

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا۔ (۲) کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخَاسِرُوْنَ۔ (۳) اگر تم اپنے جیسے انسان کی بات مانو گے تو اس وقت نقصان اٹھاؤ گے۔

تو انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان جیسا ایک انسان رسالت، وحی اور قرب خداوندی کا درجہ حاصل کرے چنانچہ انہوں نے حسد کیا اور ان (انبیاء کرام) سے نبوت کا زوال چاہا انہیں اس بات کا خوف ہوا کہ وہ شخص جو تخلیق میں ان کی مثل ہے ان پر فضیلت حاصل نہ کرنے تکبر کے ارادے حکومت کی طلب اور سابقہ عداوت یا کسی دوسرے سبب کے باعث انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

انہوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا۔

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (۴) کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا۔

نیز وہ کہنے لگے۔

لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ۔ (۵) ہم پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ۔ (۶) کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے رب کی طرف سے ذکر تم ہی سے ایک مرد کے ذریعے تم تک پہنچا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۱۵
(۲) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۴۷
(۳) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۳۴
(۴) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۹۴
(۵) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۲۱
(۶) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۶۳

پانچواں سبب : مقاصد کا فوت ہونا ہے اور یہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو ایک ، مقصود پر جھگڑتے ہوں ان میں سے ہر شخص دوسرے آدمی سے اس نعمت پر حسد کرتا ہے جس کے ذریعے اسے انفرادی طور پر مقصود حاصل ہوتا ہے سوتنوں کا مقاصد زوجیت پر باہم اختلاف بھی اسی قسم کے حسد میں شامل ہے ماں باپ کے دل میں جگہ حاصل کرنے کے لیے بھائیوں کا ایک دوسرے سے حسد کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے کیوں کہ اس کے ذریعے وہ عزت اور مال حاصل کرتے ہیں ۔

شاگردوں کا استاد کے ہاں مقام حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے حسد کرنا ، بادشاہ کے درباریوں کا بادشاہ کے دل میں جگہ پانے کے لیے ایک دوسرے سے حسد بھی اسی قسم کا ہوتا ہے تاکہ وہ مال اور مرتبہ حاصل کریں ایک شہر کے واعظین بھی ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں کیوں کہ ان میں سے ہر ایک شہر والوں کے ہاں مقبول بن کر مال حاصل کرنا چاہتا ہے ۔

اسی طرح علماء جو بعض خود ساختہ فقہاء کے ہاں مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں ، ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں تاکہ وہ ان تک پہنچ کر اپنے مقاصد حاصل کریں ۔

چھٹا سبب : حکومت کی خواہش اور ذاتی مرتبہ کی طلب ہے کسی دوسرے مقصد تک پہنچنا مطلوب نہیں ہوتا جیسے ایک شخص چاہتا ہے کہ وہ کسی فن میں بے مثل ہو جائے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی تعریف سننا پسند کرتا ہے کہ وہ یکتائے زمانہ ہے اور اپنے فن میں ثانی نہیں رکھتا اگر اسے معلوم ہو جائے کہ دنیا کے دور دراز علاقے میں بھی کوئی اس کا ہم پلہ ہے تو یہ بات اسے بری لگتی ہے وہ اس شخص کی موت یا کم از کم اس سے نعمت کا زوال چاہتا ہے جو اس کے ساتھ شریک ہے مثلاً شجاعت ، علم عبادت ، کاریگری ، حسن اور مالداری وغیرہ میں جس میں یہ تنہا تھا اور اسی بات پر خوش بھی تھا ،

اس صورت میں حسد کا سبب عداوت نہیں نہ اپنے آپ کو زیادہ عزت والا سمجھنا اور نہ ہی دوسرے سے بڑائی مقصود ہوتی ہے اسے مقصود کے نہ حاصل ہونے کا خوف بھی نہیں ہوتا وہ تو صرف انفرادیت کا دعویٰ کر کے جاہ و مرتبے کی طلب رکھتا ہے علماء کرام جو لوگوں کے دلوں میں اپنے مقام پیدا کر کے اس کے ذریعے کام نکالتے ہیں وہ اس سے الگ ہے ۔

یہودیوں کے علماء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان سے انکار کرتے تھے اور آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے کیوں کہ انہیں ڈر تھا کہ اس طرح ان کا علم منسوخ ہو جائے گا اور وہ اپنی سرداری سے محروم ہو جائیں گے ۔

حسد کا ساتواں سبب نفس کی خباثت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ملنے والی بھلائی پر بخل کرنا ہے تم دیکھو گے کہ جب ایک شخص ریاست ، تکبر اور طلب مال میں مشغول نہیں ہوتا لیکن جب اس کے سامنے کسی بندۂ خدا کا اچھا حال بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام فرمایا ہے تو اس کو یہ بات بوجھ محسوس ہوتی ہے لیکن جب لوگوں کی مختلف امور میں پریشانی ، تنزل اور مقاصد کا حاصل نہ ہونا وغیرہ بیان کیا جائے تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور ایسا شخص ہمیشہ دوسروں کے نقصان کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان پر بخل کرتا ہے گویا انہوں نے اس کے خزانے اور ملک سے اسے

حاصل کیا ہے کہا جاتا ہے کہ بخیل وہ ہے جو اپنے ذاتی مال میں بخل کرتا ہے اور شحیح وہ ہے جو دوسروں کے مال میں بخل کرتا ہے اور یہ شخص تو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں بخل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں حالانکہ اس کے اور ان کے درمیان نہ کوئی عداوت ہوتی ہے اور نہ ہی رابطہ اس حسد کا کوئی ظاہری سبب نہیں صرف اس کی نفسانی خباثت اور طبعی کمینگی ہے جس پر وہ پیدا ہوا اور اس کا علاج بہت مشکل ہے۔

کیوں حسد کے باقی اسباب عارضی ہوتے ہیں اور ان کو زائل کیا جا سکتا ہے لہٰذا ان کے ازالے کی طمع ہو سکتی ہے یہ نہایت درجہ کی فطری خباثت ہے کیونکہ اس کا کوئی سبب نہیں ہے لہٰذا اسے دور کرنا بہت مشکل ہے کیوں کہ عادتاً اس کا ازالہ محال ہوتا ہے۔

تو یہ حسد کے اسباب ہیں بعض اوقات ان میں سے بعض یا تمام کے تمام ایک آدمی جمع ہو جاتے ہیں اس اعتبار سے اس میں حسد بھی زیادہ ہوتا ہے اور اسے قوت حاصل ہوتی ہے جس کی بنیاد پر وہ شخص حسد کو چھپا نہیں سکتا اور اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے دشمنی ظاہر ہوتی ہے عام طور پر حاسدین میں یہ تمام اسباب جمع ہوتے ہیں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ صرف ایک سبب پایا جائے۔

دوسروں کے مقابلے میں برابر کے لوگوں چچازاد بھائیوں نیز رشتہ داروں سے حسد کے زیادہ ہونے کی وجہ

جان لو! ان لوگوں کے درمیان حسد زیادہ ہوتا ہے جن کے درمیان وہ اسباب بکثرت پائے جائیں جن کا ذکر ہم نے کیا ہے اور جن لوگوں میں یہ تمام اسباب جمع ہوں ان کے درمیان حسد زیادہ قوی ہوتا ہے۔ ایک شخص اس لیے حسد کرتا ہے کہ وہ بڑا نہیں لیکن بڑا بننا چاہتا ہے یا اس لیے کہ وہ (دوسرا شخص) اس کا دشمن ہے یا اس کے علاوہ کوئی سبب ہوتا ہے۔

اور یہ اسباب ان لوگوں کے درمیان زیادہ ہوتے ہیں جن کے درمیان باہمی رابطہ ہوتا ہے اور وہ اس رابطے کے باعث مجالس میں اکٹھے ہوتے ہیں یا ایک دوسرے سے ان کو غرض ہوتی ہے جب ان میں سے کوئی کسی غرض کے حوالے سے دوسرے کی مخالفت کرتا ہے تو اس سے طبعی طور پر نفرت ہو جاتی ہے اور وہ اس سے بغض رکھتا ہے نیز اس کے دل میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے اس وقت وہ اسے ذلیل سمجھتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے اور چونکہ اس نے اس کی کسی غرض کی مخالفت کی ہے لہٰذا وہ اس سے انتقام لینا چاہتا ہے اور اس کو پہنچنے والی اس نعمت کو ناپسند کرتا ہے جس کے ذریعے وہ اس غرض تک پہنچا ہے اور اس طرح یہ اسباب ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

کیوں کہ دو آدمی جو دو مختلف شہروں میں رہتے ہیں ان کے درمیان حسد نہیں ہوتا اسی طرح وہ دو آدمی جو دو محلوں میں رہتے ہوں۔

ہاں جب وہ کسی مکان یا بازار یا مدرسہ یا مسجد میں ایک دوسرے کے پڑوسی بنتے ہیں اور ایسے مقاصد کے مدعی ہوں جو دونوں میں مشترک ہیں لیکن ان کی اغراض مختلف ہیں تو اس سے ایک دوسرے سے نفرت اور بغض پیدا ہوتا ہے اور اس سے حسد کے دوسرے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔

اسی طرح تم دیکھو گے کہ ایک عالم دوسرے عالم سے حسد کرتا ہے عابد سے نہیں کرتا اور عابد دوسرے عابد سے حسد کرتا ہے عالم سے نہیں کرتا نیز تاجر، تاجر سے حسد کرتا ہے موچی، موچی سے حسد کرتا ہے کپڑا بیچنے والے سے نہیں کرتا ہاں پیشے کی شرکت کے علاوہ حسد کا کوئی دوسرا سبب ہو تو اس وجہ سے بھی حسد کرتا ہے۔

انسان دوسروں کی نسبت اپنے بھائی اور چچا زاد سے زیادہ حسد کرتا ہے اور عورت اپنی سوتن اور خاوند کی لونڈی سے جتنا حسد کرتی ہے اس قدر حسد خاوند کی ماں اور اس کی بیٹی سے نہیں کرتی۔

کیونکہ کپڑا بیچنے والے کا مقصد، موچی کے مقصد سے جدا ہے لہٰذا ان کے مقاصد باہم ٹکراتے نہیں کیوں کہ بزاز (کپڑا بیچنے والے) کا مقصد مال حاصل کرنا ہے اور اس کے لیے زیادہ خریداروں کی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں دوسرا کپڑا فروش اس سے مزاحم ہوتا ہے موچی اس کا حریف نہیں ہوتا پھر کپڑے کا جو تاجر اس کا پڑوسی ہے اس کی مزاحمت اس سے زیادہ ہوتی ہے جو بازار کے دوسرے کنارے پر ہے لہٰذا پڑوسی دوکاندار سے حسد زیادہ ہوگا۔

اسی طرح بہادر شخص کسی دوسرے شجاع سے حسد کرتا ہے کسی عالم سے حسد نہیں کرتا کیونکہ وہ تو اپنی شجاعت کا تذکرہ اور شہرت چاہتا ہے نیز وہ چاہتا ہے کہ وہ اس وصف میں اکیلا ہو اور عالم کا اس سلسلے میں اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہوتا اسی طرح عالم، عالم سے حسد کرتا ہے کسی پہلوان سے حسد نہیں کرتا پھر واعظ جس قدر دوسرے واعظ سے حسد کرتا ہے اس قدر کسی فقیہ یا حکیم سے حسد نہیں کرتا کیوں کہ ان دونوں کے درمیان ایک مقصد پر جھگڑا ہوتا ہے تو ان حسدوں کی اصل وجہ دشمنی کی بنیاد کسی ایک غرض پر اکٹھا ہونا ہے اور ایک غرض پر وہ دو آدمی جمع نہیں ہوتے جو ایک دوسرے سے دور ہوں بلکہ ان کے درمیان کسی قسم کی مناسبت ضروری ہے اسی لیے ان دو آدمیوں کے درمیان حسد زیادہ ہوتا ہے۔

ہاں جو شخص جاہ و مرتبے کی حرص زیادہ رکھتا ہو اور اطرافِ عالم میں شہرت کا طالب ہو تو وہ دنیا کے ہر آدمی سے حسد کرے گا اگرچہ وہ دُور ہو لیکن اس میں وہ خصلت پائی جاتی ہو جس کے ذریعے یہ فخر کرتا ہے۔

غرضیکہ ان تمام باتوں کی بنیاد محبتِ دنیا ہے کیوں کہ دنیا کے بارے میں ہی باہم جھگڑے ہوتے ہیں اور اس میں تنگی ہوتی ہے جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی تنگی نہیں آخرت کی مثال نعمتِ علم جیسی ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت چاہتا ہے نیز اس کی صفات، فرشتوں، انبیاء کرام اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کی پہچان کا خواہشمند ہے وہ کسی سے حسد نہیں کرتا۔ کیوں کہ عارفین کے درمیان معرفت میں کوئی تنگی نہیں ہوتی بلکہ ایک بات جس کا علم حاصل ہوتا ہے اسے لاکھوں عالم جانتے ہیں وہ اس کی معرفت سے خوش ہوتے اور اس سے لذت حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کی وجہ سے ایک آدمی کی لذت میں کمی

واقع نہیں ہوتی بلکہ جس قدر عارفین زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر اُنس و محبت میں اضافہ ہوتا ہے، اور افادہ و استفادہ بڑھتا ہے یہی وجہ ہے کہ علمائے دین ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے کیوں کہ ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور وہ نہایت وسیع سمندر ہے جس میں تنگی نہیں اور ان کی غرض اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام حاصل کرنا ہے اور اس میں بھی کوئی تنگی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ خوبصورت نعمت ہے وہ اس کی ملاقات سے لطف اندوز ہونا ہے اور اس میں کوئی ممانعت اور مزاحمت نہیں ہے اور ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ ان کی کثرت سے اُنس و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہاں جب علماء، علم سے مال اور مرتبہ حاصل کرنا چاہیں تو ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں کیوں کہ مال ایک جسم رکھنے والی چیز ہے جب وہ ایک ہاتھ میں جاتی ہے تو دوسرا ہاتھ اس سے خالی ہو جاتا ہے اور مرتبے سے مراد دلوں کا مالک بننا ہے اور جب ایک شخص کا دل کسی ایک عالم کی تعظیم سے بھر جاتا ہے تو وہ دوسرے کی تعظیم سے پھر جاتا ہے یا اس میں کچھ نہ کچھ کمی آجاتی ہے۔ اور یہی بات باہمی حسد کا باعث بنتی ہے۔

اور جب دل اللہ تعالیٰ کی معرفت کی خوشی سے بھر جاتا ہے تو اس سے دوسرے آدمی کے دل کے بھرنے میں رکاوٹ نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ اس کی خوشی میں سدِ راہ بنتا ہے۔

علم اور مال میں فرق یہ ہے کہ مال اس وقت تک کسی کے ہاتھ میں نہیں آتا جب تک وہ دوسرے ہاتھ سے کُوچ نہ کر جائے جب کہ علم، عالم کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے اور اس کے سکھانے سے دوسرے کے دل میں جاتا ہے لیکن اس کے دل سے نہیں نکلتا جب کہ مال جسم اور مادی چیز ہے اور اس کی ایک انتہا ہے۔

اگر کوئی شخص زمین کی تمام اشیاء کا مالک بن جائے تو اس کے بعد اس کے بعد مال نہیں بچے گا جس کا کوئی دوسرا آدمی مالک بنے جب کہ علم کی کوئی انتہا نہیں اور نہ اس کو گھیرنے کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

جو شخص اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے جلال، اس کی عظمت اور زمینی اور آسمانی بادشاہی میں غور و فکر کا عادی بناتا ہے اس کو ہر نعمت سے بڑھ کر لذت حاصل ہوتی ہے نہ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے اور نہ کوئی مزاحمت کر سکتا ہے اور اس کے دل میں مخلوق میں سے کسی شخص کے لیے حسد بھی نہیں ہوتا کیوں کہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی اس کی طرح معرفتِ خداوندی حاصل ہو جائے تو اس کی لذت میں کمی نہیں آتی بلکہ اس کو اُنس و محبت کی وجہ سے زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا ان لوگوں کو ملکوت کے مطالعہ کی وجہ سے جو دائمی لذت حاصل ہوتی ہے وہ اس لذت سے بھی زیادہ عظیم ہے جو جنت کے درختوں اور باغات کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے ذریعے حاصل ہوتی ہے کیوں کہ عارف کی نعمت اور جنت معرفت ہی ہے جو اس کی ذات کی صفت ہے اور وہ زوال سے محفوظ ہے وہ شخص ہمیشہ اس کا پھل چنتا ہے

نیز وہ اپنی رُوح اور دل کے ذریعے اپنے علم کے پھل سے لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ وہ پھل ہے جو نہ کبھی ختم ہوگا اور نہ اس کے راستے میں رکاوٹ ہے بلکہ اس کے میوے قریب ہیں اگر اس شخص کی ظاہری آنکھ بند بھی ہو پھر بھی اس کی روح بلند جنت میں نفع حاصل کرتی ہے اگر عارفین کی کثرت بھی ہو جائے تو پھر بھی وہ ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہوتے ہیں۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُتَقَابِلِيْنَ۔ (۱)

اور ہم نے ان کے دلوں سے کینہ نکال دیا وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور وہ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے۔

ان کا یہ حال ہے حالانکہ ابھی وہ دنیا میں ہی ہیں تو جب آخرت میں ان سے پردہ اٹھا لیا جائے گا اور وہ محبوب کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے تو جنّت میں ایک دوسرے سے حسد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ جنتی لوگ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے کیونکہ جنّت میں نہ کوئی تنگی ہے اور نہ ہی مزاحمت۔

جنت کا حصول، اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر نہیں ہو سکتا اور دنیا میں اس معرفت میں بھی کوئی مزاحمت نہیں ہے تو اہل جنت لازماً دنیا اور آخرت میں حسد سے پاک ہیں بلکہ حسد ان لوگوں کا وصف ہے جو جنت کی وسعتوں سے دور ہو کر جہنم کی تنگی میں جاتے ہیں اسی لیے شیطان لعین اس نام سے موسوم ہوا۔

اس کی صفات میں ذکر کیا گیا کہ اس نے حضرت آدم سے حسد کیا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا منتخب بندہ کیوں بنایا اور جب اسے سجدے کی طرف بلایا گیا تو اس نے تکبر کیا، انکار کیا اور سرکشی کرتے ہوئے نافرمانی کی۔

تم نے جان لیا کہ حسد اسی وقت ہوتا ہے جب ایک مقصود پر مختلف نگاہیں لگی ہوئی ہوں اور وہ سب کو پورا نہ ہو سکتا ہو یہی وجہ ہے کہ تم لوگوں کو آسمانی زینت کی طرف دیکھنے میں حسد کرتا ہوا نہیں دیکھو گے جب کہ وہ باغوں کو دیکھنے میں ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں کیونکہ یہ زمین کے ایک چھوٹے سے حصے میں ہوتے ہیں اور آسمان کے مقابلے میں تمام زمین کچھ بھی نہیں لیکن آسمان اس قدر وسیع ہے کہ اسے تمام نگاہیں دیکھ سکتی ہیں اس لیے اس میں نہ مزاحمت ہے اور نہ ہی باہمی حسد۔

لہٰذا اگر تم بصیرت رکھتے ہو اور اپنے نفس پر شفقت کرتے ہو تو ایسی نعمت طلب کرو جس میں کوئی مزاحمت نہ ہو اور وہ ایسی لذت ہو جس میں کوئی گدلا پن نہیں اور دنیا میں یہ بات صرف اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات و افعال نیز زمین و آسمان کی بادشاہیوں کی معرفت حاصل ہو اور آخرت میں بھی اس کا حصول اسی معرفت کے ذریعے ہوگا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ حجر آیت ۴۷

اگر تم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا شوق نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کی لذت پاتے ہو تمہاری رائے بھی کمزور ہو اور رغبت بھی ضعیف ہو تو تم اس سلسلے میں معذور ہو کیوں کہ نامرد آدمی کو جماع کی لذت کا شوق نہیں ہوتا اور بچہ بادشاہی کی لذت کا شوق نہیں رکھتا ان لذتوں کا ادراک بالغ مردوں کو ہوتا ہے بچوں اور ہجڑوں کو نہیں اسی طرح لذتِ معرفت بھی مردوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (۱)

کچھ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روکتی۔

ان کے علاوہ لوگوں کو اس لذت کا شوق نہیں ہوتا کیوں کہ شوق ذوق کے بعد ہوتا ہے اور جس نے چکھا نہیں اسے معرفت نہیں اور جسے معرفت نہیں اسے شوق نہیں اور جس کو شوق نہیں ہوتا وہ تلاش نہیں کرتا اور جو تلاش نہیں کرتا وہ پاتا نہیں اور جس کو حاصل نہیں ہوتا وہ محروم لوگوں کے ساتھ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوگا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔ (۲)

اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے منہ پھیرے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں پس وہ اس کا ساتھی ہوتا ہے

وہ دوا جو حسد کی بیماری کو دل سے دور کر دیتی ہے

جان لو! حسد دل کی بڑی بیماریوں میں سے ایک ہے اور دل کی بیماریوں کا علاج علم اور عمل کے بغیر نہیں ہو سکتا اور حسد کی بیماری کے لیے علمِ نافع یہ ہے کہ تم تحقیق کے ساتھ جان لو کہ حسد دنیا اور آخرت میں نقصان دیتا ہے اور جس سے حسد کیا جائے اس کا کوئی دینی یا دنیوی نقصان نہیں ہوتا بلکہ اسے دونوں اعتبار سے فائدہ ہی ہوتا ہے جب تم بصیرت کے ساتھ یہ بات جان لو گے اور تم اپنے نفس کے دشمن اور اپنے دشمن کے دوست نہیں بنو گے تو لازماً حسد سے دور ہو گے جہاں تک دین میں حسد کے نقصان کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ تم نے حسد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناراضگی کا اظہار کیا اور اس کی اس نعمت کو ناپسند کیا جو اس نے اپنے بندوں کی درمیان تقسیم کی ہے نیز اس عدل کو بھی ناپسند کیا جسے اس نے اپنی پوشیدہ حکمت کے تحت اپنے ملک میں قائم کیا ہے۔ تو تم نے اس کو برا جانا اور بے مزہ سمجھا اور یہ توحید کی آنکھ کی سیاہی اور ایمان کی آنکھ کا کوڑا ہے تمہارے لیے دین میں اتنا جرم ہی کافی ہے حالانکہ تم نے اس کے ساتھ مسلمان سے کینہ بھی رکھا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۳۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ زخرف آیت ۳۶

اور اس کی خیر خواہی کو چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء کرام سے علیحدہ راہ اختیار کی کہ وہ اس کے بندوں سے محبت کرتے ہیں اور تم نے شیطان اور تمام کفار کا راستہ اختیار کیا کہ وہ مومنوں کے لیے مصائب اور زوال نعمت کے خواہاں رہتے ہیں یہ قلبی خباثتیں ہیں جو قلبی نیکیوں کو اس طرح کھاتی ہیں جس طرح لکڑی آگ کو جلا دیتی ہے اور اس طرح مٹا دیتی ہیں جس طرح رات، دن کو مٹا دیتی ہے دنیا میں اس کا نقصان یہ ہے کہ حسد کی وجہ سے حاسد کو تکلیف محسوس ہوتی ہے یا وہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور ہمیشہ غم والم کا شکار رہتا ہے کیونکہ اس کے دشمن کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے وہ اس سے واپس نہیں لیتا اور حاسد جب بھی اس کو نعمتوں سے مالا مال دیکھتا ہے اس پر جلتا ہے اور جب اس سے کوئی مصیبت زائل ہوتی ہے تو یہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور یوں مغموم و محروم ہوتا ہے دل پریشان اور سینہ تنگ ہو جاتا ہے کیوں کہ جو کچھ یہ دشمن کے لیے اور دشمن اس کے لیے چاہتا تھا وہ اس پر نازل ہوا حاسد کی تمنا تھی کہ دشمن مشقت میں مبتلا ہو لیکن اسے فوری طور پر بطور نقد مشقت اور رنج میں پھنسنا پڑا۔ علاوہ ازیں اس کے حسد کی وجہ سے اس دوسرے آدمی سے نعمت زائل نہیں ہوتی اگر قیامت کے دن اٹھنے اور حساب و کتاب پر ایمان نہ بھی ہو پھر بھی عقل کا تقاضا ہے کہ آدمی حسد سے بچے کیوں کہ اس میں دل کی پریشانی اور اپنے آپ کو رنج میں ڈالنا ہے اور فائدہ کچھ بھی نہیں۔

اور جب تم جانتے ہو کہ حسد کی وجہ سے آخرت میں سخت عذاب ہو گا تو اس کے باوجود کیسے حسد کرو گے۔

اس شخص پر کتنا تعجب ہے کہ وہ کسی نفع کے حصول کے بغیر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے لیے پیش کرتا ہے بلکہ نقصان اٹھاتا ہے اور تکلیف برداشت کرتا ہے یوں کسی فائدے کے حصول کی بجائے دینی اور دنیوی طور پر ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا ہے محسود (جس سے حسد کیا گیا) کو دینی اور دنیوی طور پر کوئی نقصان نہیں ہوتا اور یہ بات واضح ہے کیوں کہ کسی کے حسد کرنے سے اس سے نعمت دور نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو عزت اور نعمت اس کے لیے مقدر فرمائی ہے وہ اپنے مقرر وقت تک رہے گی اسے دور کرنے کا کوئی حیلہ نہیں بلکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقرر وقت تک ہے اور ہر کام کا ایک وقت لکھا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے ایک ظالم عورت کی شکایت کی جو مخلوق پر حکمران مقرر تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اس کے سامنے سے ہٹ جائیں حتیٰ کہ اس کے مقررہ دن پورے ہو جائیں یعنی ہم نے ازل ہی جو لکھ دیا ہے اسے بدلنے کا کوئی راستہ نہیں لہٰذا جب تک اس کا اقتدار ہے اس وقت تک صبر کریں۔

تو جب حسد سے نعمت زائل نہیں ہوتی تو محسود (جس سے حسد کیا گیا) کو دنیا میں نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور نہ ہی آخرت میں اس پر کوئی گناہ ہو گا۔

اور اگر تم کہو کہ شاید میرے حسد کی وجہ سے محسود سے نعمت زائل ہو جائے تو یہ انتہائی درجے کی جہالت ہے کیوں کہ یہ ایک ایسی مصیبت ہے جسے حاسد پہلے اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے کیونکہ اس کا بھی کوئی دشمن ہو گا جو اس سے حسد کرتا ہو گا۔ اگر حسد کی وجہ سے نعمت چلی جاتی تو حاسد کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت باقی نہ رہتی بلکہ مخلوق میں سے کسی کے پاس

بھی نہ رہتی بلکہ ایمان کی نعمت بھی باقی نہ رہتی کیوں کہ کفار، مومنوں سے ان کے ایمان پر حسد کرتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم (۱)	بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے کفر کی طرف لوٹا دیں اور وہ حسد کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

کیوں کہ حسد کرنے والا جو کچھ چاہتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا ہاں وہ دوسروں کے بارے میں برے ارادے کی وجہ سے خود گمراہ ہوتا ہے کیونکہ کفر کا ارادہ بھی کفر ہے پس جو شخص چاہتا ہے کہ حسد کی وجہ سے محسود سے نعمت زائل ہو جائے گویا وہ کفار کے حسد کی وجہ سے اس سے نعمتِ ایمان کو سلب کرنا چاہتا ہے اور اسی طرح دوسری نعمتوں کا بھی معاملہ ہے۔

اور اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کے حسد کی وجہ سے مخلوق سے نعمت چلی جائے اور دوسروں کے حسد کی وجہ سے یہ خود نعمت سے محروم نہ ہو تو یہ بہت بڑی جہالت اور کم عقلی ہے کیونکہ ہر بیوقوف حاسد یہی چاہتا ہے اور وہ دوسروں سے زیادہ درجہ نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ جو احسان فرمایا کہ کسی کے حسد کی وجہ سے نعمت زائل نہیں ہوتی اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے حالانکہ حاسد اپنی جہالت کی وجہ سے اسے ناپسند کرتا ہے۔

لیکن جس سے حسد کیا گیا وہ اس حسد کی وجہ سے دین اور دنیا دونوں کے حوالے سے نفع حاصل کرتا ہے اور یہ بات واضح ہے دینی نفع اس اعتبار سے کہ وہ حاسد کی طرف سے مظلوم ہے خصوصاً جب حسد کرنے والا قول و فعل کے ذریعے حسد کا اظہار کرے مثلاً اس کی غیبت کرے اس میں عیب نکالے اس کی پردہ دری کرے اور اس کی برائیوں کا ذکر کرے تو گویا حاسد اس طرح اپنی نیکیوں کا تحفہ اس شخص کو پیش کر رہا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن جب اس سے ملے گا تو مفلس ہوگا اور نعمتوں سے اس طرح محروم ہوگا جس طرح دنیا میں محروم تھا گویا اس نے اس سے نعمت کا زوال چاہا لیکن نعمت کا زوال تو درکنار اسے مزید نعمت ملی کہ حاسد کی نیکیاں بھی اس کو مل گئیں گویا حاسد نے اس کی نعمت میں اور اپنی بدبختی میں اضافہ کیا۔

جہاں تک دنیوی نفع کا تعلق ہے تو وہ اس طرح ہے کہ ہر شخص، اپنے دشمن کی برائی چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کا دشمن سختی، غم اور تکلیف میں مبتلا ہو اور عذاب جیسے بدبختی اس کا مقدر ہو تو حسد سے بڑھ کر کیا تکلیف ہوگی اور دشمن کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ سکون اور چین سے رہے اور ان کے حاسد غم اور حسرت کی زندگی گزاریں اور حسد کرنے والے نے مخالف کی اس تمنا کو پورا کر دیا یہی وجہ ہے کہ تمہارا دشمن تمہاری موت کی تمنا نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم لمبی زندگی گزارو لیکن ہمیشہ حسد کے عذاب میں مبتلا رہو اور اس کو ملنے والی نعمت کو دیکھتے رہو اور یوں حسد کی وجہ سے دل

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرۃ آیت ۱۰۹

ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اسی لیے کیا گیا ہے کہ۔

تمہارے دشمن کو موت نہ آئے بلکہ وہ ہمیشہ زندہ رہے تاکہ وہ تمہارے پاس وہ چیز دیکھے جو دل کو بیمار کرتی ہے تم ہمیشہ نعمت کی وجہ سے محسود رہو کیوں کہ کامل وہی ہے جس سے حسد کیا جائے۔

حاسد کا مخالف اپنی نعمت پر اتنا خوش نہیں ہوتا جس قدر وہ حاسد کے غم اور حسد پر خوش ہوتا ہے اور اگر اسے معلوم ہو جائے کہ حاسد حسد کی تکلیف اور عذاب سے چھوٹ گیا ہے تو یہ اس کے لیے بہت بڑی مصیبت اور آزمائش ہوتی ہے تو گویا حاسد کو جو غم لاحق ہے وہ اس کے مخالف کی خواہش کے مطابق ہے۔

اگر حاسد ان باتوں پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے نفس کا دشمن اور اپنے دشمن کا دوست ہے کیوں کہ جب وہ ایسا کام کرتا ہے جس سے اسے دنیا اور آخرت میں نقصان ہوتا ہے اور اس کے دشمن کو دنیوی اور اُخروی فائدہ حاصل ہوتا ہے، خالق اور مخلوق کے نزدیک یہ قابل مذمت ٹھہرتا ہے اور حال و استقبال میں بدبختی کا شکار ہوتا ہے جب کہ محسود کو ملنے والی نعمت جُوں کی تُوں رہتی ہے یہ چاہے یا نہ چاہے۔

پھر یہی بات نہیں کہ حاسد کے دشمن کی مراد پوری ہوتی ہے بلکہ اس سے شیطان کو بھی زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو بہت بڑا دشمن ہے کیوں کہ جب وہ حاسد کو علم، تقویٰ، جاہ و مرتبہ اور اس مال سے محروم دیکھتا ہے جو اس کے دشمن کے ساتھ خاص ہے تو اسے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں وہ دوسرا شخص اس پہلے شخص کے لیے یہ سب کچھ نہ چاہے اور اس چاہت کی وجہ سے یہ دونوں ثواب میں شریک ہو جائیں کیوں کہ جو آدمی مسلمانوں کے لیے بھلائی چاہتا ہے وہ اس بھلائی میں شریک ہوتا ہے اور جو شخص دینی اعتبار سے اکابر کا درجہ نہیں پا سکتا وہ ان سے محبت کی وجہ سے ثواب سے محروم نہیں ہوتا جب اس بات کو پسند کرتا ہو۔

تو شیطان کو ڈر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر جو انعام و اکرام کیا کہ اس کی دنیا اور دین کو بہتر بنایا تو تم اس سے محبت کی وجہ سے ثواب ہے تاکہ محبت کے ثواب سے بھی محروم رہے جس طرح وہ عمل کے ثواب سے محروم رہا۔

ایک اعرابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ایک آدمی کسی قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ابھی تک وہ ان سے نہیں ملا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (۱) انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے اٹھ کر سوال کیا یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۱ کتاب الادب

آپ نے فرمایا تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے کچھ زیادہ نمازیں اور روزے تیار نہیں کئے مگر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام لانے کے بعد جس قدر آج خوشی ہوگی اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی خواہش اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے اگرچہ ہمارے اعمال ان کے اعمال کے برابر نہ تھے لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ (قیامت کے دن) ان کے ساتھ ہوں گے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ایک شخص نمازیوں سے محبت کرتا ہے لیکن خود نماز نہیں پڑھتا روزہ داروں سے محبت کرتا ہے لیکن خود روزہ نہیں رکھتا حتیٰ کہ انہوں نے اور کئی اعمال کا ذکر کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن سے محبت کرتا ہے۔ (۲)

ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ کہا جاتا تھا اگر تم سے ہو سکے تو عالم بنو اور یوں نہ ہو سکے تو متعلم (سیکھنے والے) بنو اور اگر متعلم بھی نہ بن سکو تو ان لوگوں سے محبت کرو ان سے دشمنی نہ رکھو آپ نے فرمایا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے راستہ بنا دیا۔

تو دیکھو ابلیس نے کس طرح تم سے حسد کر کے اس محبت کا ثواب بھی ضائع کر دیا پھر اسی پر قناعت نہیں کی تمہارے (مسلمان) بھائی کو تمہارے نزدیک قابل نفرت بنا دیا تمہیں اس سے نفرت پر مجبور کر کے گناہ میں ڈال دیا اور یہ کیسے نہیں ہو گا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ حاسد کسی عالم سے حسد کرتے ہوئے دین خداوندی کے سلسلے میں اس کی خطا کو پسند کرے وہ چاہتا ہو کہ اس کی غلطی ظاہر ہو اور وہ ذلیل و رسوا ہو جائے اس کی زبان بند ہو جائے اور وہ بول نہ سکے وہ بیمار ہو جائے تاکہ تعلیم و تعلم سے محروم رہے اس سے بڑھ کر کیا گناہ ہو گا ہاں اگر وہ عالم کے درجے کو نہ پہنچے اور اس وجہ سے غمگین ہو جائے تو گناہ اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۱ کتاب الادب

(۲) ایضاً

اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ اَلْمُحْسِنُ وَالْمُحِبُّ لَهُ وَالْكَافُّ عَنْهُ۔ (۱)

جنتی تین قسم کے ہیں نیکی کرنے والا، اس سے محبت کرتے والا اور اس سے اذیت کو دور کرنے والا۔

یعنی جو اس سے اذیت، بغض، حسد اور کراہت کرنا پسندیدگی) کو دور کرتا ہے۔

تو دیکھو کس طرح شیطان نے حاسد کو ان تین راستوں سے دور کر دیا حتیٰ کہ وہ ان تین میں سے کسی راستے والا بھی نہ ہوا۔

تو اس طرح شیطان کا حسد، حاسد میں داخل ہو گیا لیکن اس کا حسد اس کے دشمن میں داخل نہیں ہوا۔

اے حاسد! اگر تم بیداری یا خواب میں اپنی حالت کو دیکھو تو اپنے آپ کو اس آدمی کی طرح دیکھو گے جو اپنے دشمن کی طرف تیر پھینکتا ہے تاکہ اسے قتل کر دے لیکن وہ اس کی دائیں آنکھ کی طرف واپس آتا ہے اور اسے نکال دیتا ہے اس طرح اس کا غصہ بڑھتا ہے اور وہ دوبارہ تیر اندازی کرتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ سختی سے مارتا ہے تو وہ اس کی دوسری آنکھ کی طرف لوٹتا ہے اور اسے بالکل اندھا کر دیتا ہے اب اس کا غصہ اور بڑھ جاتا ہے وہ تیسری مرتبہ تیر پھینکتا ہے تو وہ اس کے سر کی طرف واپس آتا ہے اور اسے زخمی کر دیتا ہے جب کہ اس کا دشمن ہر حال میں محفوظ رہتا ہے وہ اسے بار بار مارتا ہے لیکن ہر بار اسی کی طرف لوٹتا ہے اب اس کے دشمن اس کے گرد ہنستے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں — تو حسد کرنے والے کا یہ حال ہے اور شیطان بھی اس کا مذاق اڑاتا ہے۔

بلکہ حاسد کا حال اس شخص سے زیادہ برا ہے کیوں کہ جو تیر پھینکا گیا وہ آنکھوں کی طرف لوٹتا ہے اگر یہ آنکھیں بچ بھی جائیں تو موت کے ساتھ لازماً ختم ہو جاتی ہیں جب کہ حاسد تو گناہ کے ساتھ لوٹتا ہے اور گناہ موت سے ختم نہیں ہوتا ہو سکتا ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی طرف لے جائے تو دنیا میں اس کی آنکھوں کا چلا جانا آخرت میں آنکھوں کے ساتھ جہنم میں جانے سے بہتر ہے کیونکہ جہنم کی لپیٹ ان کو نکال دے گی۔

تو دیکھو اللہ تعالیٰ کس طرح حاسد سے بدلہ لیتا ہے جب وہ محسود سے زوال نعمت کا ارادہ کرتا ہے لیکن وہ اس سے زائل نہیں ہوتی البتہ حاسد سے زائل ہو جاتی ہے کیونکہ گناہ سے سلامتی نعمت ہے اسی طرح غم اور الم سے محفوظ رہنا بھی نعمت ہے اور یہ دونوں نعمتیں اس سے چلی گئیں۔

یہ ارشاد خداوندی کی تصدیق ہے:

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (۲)

اور برا داؤ خود اسی آدمی کو ہلاک کرتا ہے۔

اور بعض اوقات وہ خود اسی بات میں مبتلا ہوتا ہے جو دشمن کے لیے چاہتا ہے اور کوئی گالی دینے والا بعض اوقات

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۱۰۰ حدیث ۴۱۸۰۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۴۳

خود اس میں مبتلا ہوتا ہے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے جس چیز کی تمنا کی وہ مجھ پر ہی پڑی اور اگر میں ان کے قتل کی تمنا کرتی تو خود قتل ہو جاتی۔

تو یہ حسد کا ذاتی طور پر گناہ ہے تو حسد جن گناہوں کی طرف لے جاتا ہے جیسے حق کا انکار اور دشمنی سے بدلہ لینے کے لیے زبان اور ہاتھ کو برائی کی کھلی چھٹی دے دینا وغیرہ کا کیا حال ہوگا تو یہ وہ بیماری ہے جس نے سابقہ امتوں کو ہلاک کر دیا۔

تو یہ علمی دوائیں ہیں جب انسان صاف ذہن اور حاضر دل کے ساتھ اس سلسلے میں غور و فکر کرتا ہے تو اس کے دل سے حسد کی آگ بجھ جاتی ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس طرح وہ خود اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے، اپنے دشمن کو خوش کرتا، اپنے رب کو ناراض کرتا اور اپنی زندگی کو خراب کرتا ہے اس سلسلے میں نفع بخش بات یہ ہے کہ حسد کا مقابلہ کرے، وہ یوں کہ حسد جس قول و فعل کا تقاضا کرتا ہے آدمی اپنے نفس کو اس کے خلاف عمل کا مکلف بنائے اگر حسد کا تقاضا ہو کہ وہ محسود میں کوئی عیب نکالے تو اسے چاہیے کہ اپنی زبان کو اس کی تعریف کا مکلف بنائے اور اگر حسد اسے تکبر کی راہ دکھائے تو اپنے اوپر تواضع کو لازم کرے اور اس سے معذرت کرے اگر حسد کا تقاضا ہو کہ اس کو کچھ نہ دے تو پہلے سے زیادہ دے۔

جب وہ تکلف کے ساتھ یہ کام کرے گا اور محسود کو بھی اس کا علم ہوگا تو اس کا دل خوش ہوگا اور وہ اس سے محبت کرے گا اور جب وہ محبت کرنے لگے تو حاسد کو بھی چاہیے کہ اس سے محبت کرے اس سے ایسی موافقت پیدا ہوگی جو حسد کے مادہ کو ہی ختم کر دے گی کیونکہ عاجزی تعریف کرنا اسے نعمت کے ملنے پر خوش ہونا اس شخص کے دل کو ادھر متوجہ کرتا ہے اس کے لیے اس کا دل نرم ہوتا ہے وہ مہربانی کا اظہار کرتا ہے اور اس احسان کے بدلہ پر ابھارتا ہے پھر یہ احسان پہلے کی طرف لوٹتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اب وہ بات جو پہلے تکلف کے طور پر کرتا تھا اس کی عادت بن جاتی ہے، اور اب اسے شیطان کا یہ قول گمراہ نہیں کرتا کہ اگر تم اس کے سامنے عاجزی یا منافقت یا خوف قرار دے گا اور یہ نہایت ذلت و رسوائی ہے۔ تو یہ شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے بلکہ دونوں طرف سے اچھا معاملہ تکلف کے طور پر ہو یا طبعی طریقے پر، دونوں طرف سے دشمنی کی دیوار کو توڑ دیتا ہے حسد کا مرغوب کم ہو جاتا ہے اور دل باہمی محبت اور الفت کی طرف لوٹ آتے ہیں اور یوں دل حسد کے درد اور بغض کے غم سے آرام پاتے ہیں۔

تو یہ حسد کی دوائیں ہیں جو بہت نفع بخش ہیں اگرچہ یہ دلوں کو بہت کڑوی معلوم ہوتی ہیں لیکن نفع کڑوی دوائی سے ہی حاصل ہوتا ہے جو آدمی کڑوی دوائی پر صبر نہیں کر سکتا وہ شفاء کی مٹھاس نہیں پا سکتا۔ اس دوائی کی کڑواہٹ اس وقت ہلکی معلوم ہوتی ہے جب آدمی دشمن کے لیے تواضع اختیار کرے اور ان کی تعریف کے ذریعے ان کا قرب حاصل کرے اور یہ اس وقت ہوگا جب ان معانی کو جاننے کی قوت حاصل ہو جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنے کے ثواب میں رغبت کی قوت حاصل ہو اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اسے پسند کرے۔

اپنے آپ کو معزز سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ دنیا میں کوئی بھی بات میری مرضی کے خلاف نہ ہو، جہالت ہے۔ اس وقت وہ ایسا کام چاہتا ہے جو نہیں ہو سکتا کیوں کہ آدمی جو کچھ چاہتا ہے اس کے ہونے کی طمع نہیں کی جاسکتی ہے اور مراد کا فوت ہونا ذلت و رسوائی ہے اور اس ذلت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے یا تو آدمی کی خواہش پوری ہو جائے یا جو کچھ ہوتا ہے آدمی اس کی چاہت کرے پہلی بات تو آدمی کے اختیار میں نہیں اور اس سلسلے میں تکلف اور مجاہدہ بھی کام نہیں دیتا جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو مجاہدہ کرنے سے ایسا ہو سکتا ہے اور ریاضت کے ذریعے اس کا حصول ممکن ہے لہٰذا ہر عقل مند پر اس کا حاصل کرنا لازم ہے اور یہ کلی علاج ہے۔

جہاں تک تفصیلی دوائی کا تعلق ہے تو وہ اسبابِ حسد یعنی تکبر عزت نفس اور بے مقصد امور کو ڈھونڈنا ہے ان اسباب کے علاج کا ذکر ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا کیوں کہ اس مرض کا مادہ یہی چیزیں ہیں اور جب تک بیماری کی بنیاد کو ختم نہ کیا جائے بیماری دور نہیں ہوتی اور اگر اس کا مادہ ختم نہ ہو تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے صرف وقتی تسکین ہوگی اور یہ مرض ہمیشہ لوٹتی رہے گی اور مادہ کے باقی رہنے کی صورت میں اس کو دبانے کے لیے طویل جدوجہد کرنا ہوگی کیونکہ جب تک وہ جاہ و مرتبہ کا خواہشمند رہے گا تو ضرور اس آدمی سے حسد کرے گا جو جاہ و مرتبہ کے ذریعے دوسروں کے دلوں میں جگہ بنانا چاہتا ہے اور اس سے وہ غم میں مبتلا رہے گا غایت یہ کہ اگرچہ اپنی زبان اور ہاتھ سے غم کا اظہار نہ کرے دل میں ضرور رہے گا اور اس سے مکمل طور پر بچنا ممکن نہیں — اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

دل سے کس قدر حسد کو دور کرنا واجب ہے

جان لو! جو چیز ایذا رساں ہو وہ طبعی طور پر بری معلوم ہوتی ہے اور جس شخص سے تمہیں اذیت پہنچے ناممکن ہے کہ تم اسے ناپسند نہ کرو اور جب اسے کوئی نعمت ملے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اسے ناپسند نہ کرو حتیٰ کہ تمہارے نزدیک دشمن کا اچھا اور برا حال برابر ہو جائے بلکہ تم ہمیشہ ان دونوں حالتوں کے درمیان فرق محسوس کرو گے اور شیطان ہمیشہ تمہیں اس سے حسد پر مجبور کرے گا لیکن اگر وہ تم پر غالب آجائے اور قول یا فعل کے ذریعے حسد کے اظہار پر ابھارے کہ تمہارے اختیاری افعال سے حسد ظاہر ہونے لگے تو تم حاسد قرار پاؤ گے اور اس حسد کی وجہ سے گناہ گار ہو گے اور اگر اپنے ظاہر کو مکمل طور پر اس سے روک لو لیکن باطنی طور پر اس سے نعمت کا زوال چاہو اور اس حالت کو ناپسند بھی نہ کرو تو بھی تم حاسد قرار پاؤ گے اور گناہ گار ہو گے کیوں کہ حسد دل کی صفت ہے فعل کی نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا۔ (۱)	اور وہ اس چیز سے جو ان کو دی گئی اپنے سینوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے۔

(۱) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۹

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً۔ (۱)

وہ چاہتے ہیں کہ ان کی طرح تم بھی کفر کرو اور توں تم سب برابر ہو جاؤ۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَإِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ۔ (۲)

اور اگر تمہیں بھلائی پہنچے توان کو بری لگتی ہے۔

جہاں تک فعل کا تعلق ہے تو وہ غیبت اور جھوٹ ہے اور یہ عمل حسد کی وجہ سے صادر ہوتا ہے یہ بذات خود حسد نہیں ہے بلکہ حسد کا محل تو دل ہے اعضا نہیں ہیں ہاں یہ حسد ایسا گناہ نہیں ہے جو بندے سے معاف کرایا جائے بلکہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جو بندے اور خدا کے درمیان ہے ہاں جب ظاہری اعضاء سے ارتکاب ہو تو بندے سے معاف کروانا ضروری ہے۔

لیکن جب تم اپنے ظاہر کو بھی (حسد سے) روک دو اور جو کچھ دل میں پیدا ہوتا ہے اسے بھی ناپسند کرو یعنی دوسروں سے نعمت کے زوال کی چاہت تمہیں ناپسند ہو حتیٰ کہ اس وجہ سے تم اپنے نفس پر غصہ کرو تو یہ ناپسندیدگی عقل کی جانب سے ہوگی اور یہ طبعی میلان کے مقابلے میں ہوگی۔ تو اس صورت میں تم نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا اور عام طور پر تمہارے اختیار میں اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہے۔

جہاں تک طبیعت کو بدلنے کا تعلق ہے کہ اس کے نزدیک ایذا رساں اور احسان پہنچانے والی چیز برابر ہو جائے اور نعمت یا تکلیف کچھ بھی حاصل ہو دونوں صورتوں میں خوشی اور غم برابر ہوں تو طبیعت جب تک دنیوی مفادات کی طرف متوجہ ہے اس بات کو نہیں مانتی البتہ یہ کہ محبت خداوندی میں ڈوب جائے جیسے وہ شخص جو محبت خداوندی میں ڈوبا ہوا ہو بندوں کے حالات کی تفصیل کی طرف اس کا دل متوجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہے اور وہ رحمت کی آنکھ سے سب کو خدا کا بندہ سمجھتا ہے اور ان کے افعال کو اللہ تعالیٰ کے افعال سے خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مسخر ہیں۔

تو یہ حالت اگر میسر بھی ہوتی تو بجلی کی چمک کی طرح ہوتی دائمی نہ ہوتی اس کے بعد دل اپنی طبعی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اور دشمن پھر دشمنی پر اُتر آتا ہے یعنی شیطان وسوسوں کے ذریعے جھگڑتا ہے تو جب اس (شیطان) کو ناپسند کرتے ہوئے اس کا مقابلہ کرے اور اپنے دل کو اس حالت پر قائم رکھے تو اس نے اس بات کا حق ادا کر دیا جس کا اسے مکلف بنایا گیا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۲۰

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر حسد اعضاء سے ظاہر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے حسد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اسے پوشیدہ رکھو جب تک ظاہر نہیں کرو گے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ان سے ایک حدیث موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثَةٌ لَا يَخْلُو مِنْهُنَّ الْمُؤْمِنُ وَلَهُ مِنْهُنَّ مَخْرَجٌ فَمَخْرَجُهُ مِنَ الْحَسَدِ اَنْ لَا يَبْغِيَ (۱)

تین باتوں سے مومن خالی نہیں ہوتا اور ان سے نکلنے کا راستہ ہے تو حسد سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ حد سے نہ بڑھے۔

اس حدیث کو اس بات پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ جب طبعی طور پر دشمن سے نعمت کا زوال چاہتا ہو تو اس کے مقابلے میں دین اور عقل کے اعتبار سے اس بات کو ناپسند بھی کرے یہ ناپسندیدگی اسے تجاوز اور ایذا رسانی سے روکے گی۔ کیوں کہ حسد کی مذمت میں جتنی روایات آئی ہیں ان سب کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر حاسد گناہ گار ہے۔

پھر یہ کہ حسد تو دل کا وصف ہے افعال کا نہیں ہے تو جو شخص بھی کسی مسلمان کی برائی چاہتا ہے وہ حاسد ہے۔

تو اب محض دل کے حسد سے جب کہ عمل نہ ہو اس کا گناہ گار ہونا اختلافی بات ہو گئی لیکن جو کچھ آیات و احادیث کے ظاہر کے حوالے سے ہم نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ ظاہر بات ہے اور معنوی اعتبار سے بھی اسی طرح ہے کیوں کہ ایک آدمی دوسرے مسلمان کی برائی چاہے اور وہ اس بات کو ناپسند بھی نہ کرے پھر اسے معاف کر دیا جائے تو یہ بات بعید ہے۔ تو اس سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ دشمن کے سلسلے میں تمہاری تین حالتیں ہیں۔

۱۔ تم طبعی طور پر اس کی برائی کو پسند کرتے ہو لیکن یہ بات عقلاً تمہیں پسند نہیں کہ تمہارے دل کا میلان اس طرف ہو پھر تم اس بات پر اپنے نفس کی گوشمالی بھی کرتے ہو اور چاہتے کہ کسی حیلے سے یہ بات ختم ہو جائے تو یہ بات قطعی طور پر معاف ہے کیونکہ تمہارے اختیار میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

۲۔ تم اس (برائی) کو پسند کرتے ہو اور اس پر خوش بھی ہوتے ہو حتیٰ کہ زبان سے اس کا اظہار کرو یا اعضاء سے، تو یہ حسد قطعاً ممنوع ہے۔

۳۔ ان دو صورتوں کے درمیان ہو یعنی دل میں حسد ہو لیکن تم اس پر اپنے نفس کو برا بھلا نہیں کہتے البتہ اپنے اعضاء کو حسد کے تقاضوں سے بچاتے ہو یہ محل اختلاف ہے ظاہر بات یہ ہے کہ یہ بھی گناہ سے خالی نہیں جس قدر حسد پسند ہو اس کی قوت و ضعف کے اعتبار سے گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر بات کو جانتا ہے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۵۶ حدیث ۴۳۹۳۰

۶- دنیا کی مذمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم !

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے دوستوں کو دنیا کی مصیبتوں اور آفات کی پہچان کرائی تھی کہ انہوں نے اس کے شواہد اور علامات کو دیکھا اور نیکیوں کا گناہوں سے موازنہ کیا اور انہیں معلوم ہوا کہ اس کی برائیاں، اس کی بھلائیوں سے زیادہ ہیں اس کی امیدیں اس کے ڈر کے برابر نہیں اور اس کا طلوع گرہن سے محفوظ نہیں رہ سکتا یہ ایک خوبصورت عورت کی طرح ہے جو لوگوں کو اپنے حسن و جمال کی طرف مائل کرتی ہے اور اس میں کئی برائیاں پوشیدہ ہیں جو اس کے وصال میں رغبت رکھنے والوں کو ہلاک کرتی ہیں پھر یہ اپنے طلب کرنے والوں سے بھاگ جاتی ہے اور اپنی طرف توجہ کی لالچ دیتی ہے اور جب کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس کے شر اور وبال سے بچ نہیں سکتا اگر ایک ساعت بھلائی کرتی ہے تو سال بھر برائی سے پیش آتی ہے اور ایک بار برائی سے پیش آئے تو اسے سال بھر جاری رکھتی ہے۔

تو اس کی توجہ کے دائرے اس قدر قریب ہیں کہ وہ ایک دائرہ معلوم ہوتے ہیں اور اس سے محبت کرنے والوں کی تجارت نقصان پر مبنی ہوتی ہے اس کی آفات مسلسل ہوتی ہیں کیونکہ اسے طلب کرنے والے ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور طالبان دنیا کی ذلت پر اس کے راستے بھی بولتے ہیں تو جو شخص اس کے دھوکے میں آتا ہے اس کا ٹھکانہ ذلت ہے اور جو آدمی اس کے ذریعے تکبر کرتا ہے اس کی منزل کف افسوس ملنا ہے اس کا کام طلب کرنے والوں سے بھاگنا اور بھاگنے والوں کو تلاش کرنا ہے جو اس کی خدمت کرتا ہے اس سے چلی جاتی ہے اور جو اس سے منہ پھیرتا ہے اس کے پاس آتی ہے یہ صاف بھی ہو تو کدورتوں کے شائبے سے خالی نہیں ہوتی اور اگر سرور بھی پہنچائے تو وہ پریشانیوں سے خالی نہیں ہوتا اس کی سلامتی اپنے پیچھے بیماری لاتی ہے اور اس کی جوانی بڑھاپے کی طرف لے جاتی ہے اس کی نعمتیں حسرت اور ندامت کے سوا کچھ نہیں دیتیں تو یہ (دنیا) دھوکے باز، مکار، اڑنے والی اور بھاگنے والی ہے اپنے چاہنے والوں کے لیے ہمیشہ بن سنور کر رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کے دوست بن جاتے ہیں تو وہ ان پر دانت نکالتی ہے (ان کی بے بسی پر ہنستی ہے) اور اپنے اسباب کے مقامات بکھیر دیتی ہے اور اپنے تعجب کے خزانے ان کے لیے کھول دیتی ہے پھر انہیں اپنے زہر سے ہلاکت کا مزہ چکھاتی ہے اور اپنے تیروں سے زخمی کرتی ہے جب دنیا دار خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں تو اچانک ان سے منہ پھیر لیتی ہے گویا وہ پریشان خواب تھے پھر ان پر حملہ آور ہو کر انہیں اور ان کو کفن میں چھپا کر مٹی کے نیچے رکھ دیتی ہے اگر ان میں سے کوئی ایک پوری دنیا کا مالک بھی بن جائے تو اسے یوں کاٹ کر رکھ دیتی ہے کہ گویا کل اس کا وجود ہی نہ تھا اسے چاہنے والے خوشی کی تمنا کرتے ہیں اور یہ ان کو دھوکے کا وعدہ دیتی ہے حتیٰ کہ وہ بہت زیادہ امید رکھتے ہیں اور

محلات بناتے ہیں اور پھر ان کے محلات قبروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

ان کی جماعت ہلاک ہو جاتی ہے ان کی کوشش بکھری ہوئی (اڑنے والی) غبار ہو جاتی ہے اور ان کی دعا تباہ و برباد ہو جاتی ہے یہ اس کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو کر رہتا ہے رحمت کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جو اس کے بندے اور رسول ہیں آپ کو تمام جہانوں کے لیے خوشخبری دینے والا انجام سے آگاہ کرنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا گیا اور ان لوگوں پر رحمت ہو جو آپ کے آل و اصحاب میں سے دین کے مددگار اور ظالموں کے خلاف مدد دینے والے ہیں اور آپ پر بہت زیادہ سلام ہو حمد و صلوٰۃ کے بعد ——

دنیا اللہ تعالیٰ کی نیز اس کے دوستوں اور دشمنوں سب کی دشمن ہے اللہ تعالیٰ کی دشمن اس طرح ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کے راستوں پر چلنے نہیں دیتی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے اسے پیدا کیا اس کی طرف نہیں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی اس طرح دشمن ہے کہ وہ ان کے سامنے مزین ہو کر آتی ہے اور اپنی تروتازگی اور آرائش دکھاتی ہے حتیٰ کہ انہیں اس کو چھوڑنے میں صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی اس طرح دشمن ہے کہ مکر و فریب کے ذریعے آہستہ آہستہ ان کو اپنے جال میں پھنسا دیتی ہے حتیٰ کہ وہ اس میں بند ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں اس طرح دنیا ان کو ذلیل و رسوا کر کے پہلے سے زیادہ محتاج کر دیتی ہے اب وہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں لیکن حسرت و ندامت کے سوا ان کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ان کے جگر ٹکڑے ہو جاتے ہیں پھر وہ ہمیشہ کے لیے سعادتوں سے محروم ہو جاتے ہیں وہ اس کی جدائی پر کف افسوس ملتے ہیں اور اس کی مکاریوں سے بچنے کے لیے مدد طلب کرتے ہیں لیکن ان کی مدد نہیں کی جاتی بلکہ ان سے کہا جاتا ہے اس میں ذلیل و رسوا ہو کر رہو اور گفتگو نہ کرو۔

ارشاد خداوندی ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ۔ (۱)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو خرید لیا پس ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

جب دنیا کی آفات اور شر بہت بڑے ہیں تو سب سے پہلے حقیقت دنیا کی پہچان حاصل کرنا ضروری ہے کہ یہ کیا ہے؟ اور اس کی دشمنی کے باوجود اسے پیدا کرنے کی حکمت کیا ہے؟ اس کے دھوکے اور شر کا راستہ کونسا ہے؟ کیونکہ جو شخص برائی کو نہیں جانتا وہ اس سے بچ نہیں سکتا اور قریب ہے کہ اس میں داخل ہو ہم دنیا کی مذمت اس کی مثالیں اس کی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۸۶

حقیقت اس کے معانی کی تفصیل اس سے متعلق امور کی اقسام اور اس کے اصول کی طرف حاجت کا ذکر کریں گے اور یہ بھی بیان کریں گے کہ مخلوق دنیا کے فضول امور میں کھو جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے پھر گئی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی پسندیدہ باتوں پر مدد فرماتا ہے۔

دنیا کی مذمت:

دنیا کی مذمت کے سلسلے میں قرآن پاک کی بہت سی آیات آئی ہیں اور قرآن پاک کا زیادہ حصہ مذمت دنیا ہے مخلوق کے اس سے پھر جانے اور آخرت کی طرف دعوت پر مشتمل ہے بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصود یہی تھا اور انہیں اسی مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا چونکہ اس سلسلے میں آیات قرآنیہ ظاہر ہیں لہٰذا ان سے استدلال کی حاجت نہیں ہے ہم اس سلسلے میں مروی بعض احادیث ذکر کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ بکری اپنے گھر والوں کے نزدیک کس قدر حقیر ہے؟ انہوں نے عرض کیا اس حقارت کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو پھینکا ہے آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جس قدر یہ بکری اپنے گھر والوں کے نزدیک حقیر ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے بھی حقیر اور ہلکی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ۔ (۲)

دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا مَا کَانَ لِلّٰهِ مِنْهَا۔ (۳)

دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی لعنت کے قابل ہے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کیلئے ہو۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاهُ فَاٰثِرُوْا

جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آدمی اپنی آخرت سے محبت کرتا

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۰۶ کتاب الرقاق

(۲) صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۴۰۷ کتاب الزهد

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۲، ابواب الزهد

مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى۔ ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے، پس فنا ہونے والی پر باقی رہنے والی کو ترجیح دو۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ (۲) دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ آپ نے پانی منگوایا آپ کی خدمت میں پانی اور شہد پیش کیا گیا ہے جب آپ نے اسے دہن مبارک کے قریب کیا تو آپ رو پڑے حتیٰ کہ آپ کی وجہ سے باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رونے لگے پھر باقی خاموش ہو گئے لیکن آپ کا رونا بند نہ ہوا آپ مسلسل روتے رہے حتیٰ کہ صحابہ کرام نے خیال کیا کہ ہم آپ سے کچھ بھی پوچھ نہیں سکیں گے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اے خلیفۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رونے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا میں نے دیکھا کہ آپ کسی چیز کو اپنے آپ سے دُور کر رہے ہیں لیکن مجھے آپ کے ساتھ کوئی چیز نظر نہیں آرہی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اپنے آپ سے کسی چیز کو دُور کر رہے ہیں آپ نے فرمایا یہ دنیا ہے جو تمثالی شکل میں میرے سامنے آتی اور میں نے اس سے کہا مجھ سے دُور ہو جا وہ پھر آئی اور کہنے لگی، اگرچہ آپ مجھ سے دُور ہو جائیں گے لیکن آپ سے بعد والے مجھ سے الگ نہیں ہو سکیں گے۔ (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

يَا عَجَبًا كُلَّ الْعَجَبِ لِلْمُصَدِّقِ بِدَارِ الْخُلُوْدِ وَهُوَ يَسْعٰى لِدَارِ الْغُرُوْرِ۔ (۴) اس شخص پر بہت تعجب ہے جو آخرت کے گھر کی تصدیق کرتا ہے لیکن دھوکے والے گھر (دنیا) کے لیے کوشش کرتا ہے۔

ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے کرکٹ کے ایک ڈھیر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا آؤ دنیا کی طرف، پھر آپ نے اس ڈھیر سے کپڑے کا ایک گلا سڑا ٹکڑا اور گلی سڑی ہڈی اٹھائی اور فرمایا یہ دنیا ہے۔ (۵)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۲ مرویات ابوموسیٰ

(۲) شعب الایمان جلد ۷ ص ۳۳۸ حدیث ۱۰۵۰۱

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۰۹ کتاب الرقاق

(۴) الدر المنثور جلد ۵ ص ۹۰۴ تحت آیت وان الدار الآخرہ

(۵) شعب الایمان جلد ۷ ص ۳۲۷ حدیث ۱۰۴۷۱

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی زینت عنقریب کپڑے کے اس ٹکڑے کی طرح گل سڑ جائے گی اور جو جسم اس دنیا میں پرورش پاتے ہیں عنقریب گلی سڑی ہڈیاں بن جائیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ لَمَّا بُسِطَتْ لَھُمُ الدُّنْیَا وَمُھِّدَتْ تَاھُوْ فِی الْحِلْیَۃِ وَالنِّسَاءِ وَالطِّیْبِ وَالثِّیَابِ۔ (۱)

بے شک دنیا میٹھی سرسبز ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں باقی رکھا تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو بے شک بنی اسرائیل کے لیے جب دنیا پھیلائی اور تیار کی گئی تو انہوں نے زیورات، عورتوں، خوشبو اور کپڑوں میں کھو گئے (بھٹک گئے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دنیا کو رب نہ بناؤ ورنہ وہ تمہیں اپنے بندے (غلام) بنائے گی اپنا مال اس کے پاس جمع کرو جو اسے ضائع نہیں کرتا کیونکہ جس کے پاس دنیا کا خزانہ ہو اسے آفت کا ڈر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے والے کو اس پر آفت کا خوف نہیں ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے حواریو! (اے ساتھیو!) بے شک میں نے تمہارے لیے دنیا کو اوندھے منہ کر دیا ہے تو میرے بعد اس کو کھڑا نہ کرنا دنیا کی ایک خرابی اور خباثت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے اور یہ بھی اس کی خباثت ہے کہ اس کو اختیار کرنے کی صورت میں آخرت کو پایا نہیں جا سکتا سنو! دنیا کو گذرگاہ بناؤ ٹھکانہ نہ بناؤ اور جان لو کہ ہر گناہ کی جڑ اور اصل دنیا کی محبت ہے اور بعض اوقات ایک پل کی خواہش آدمی کو طویل پریشانی میں مبتلا کر دیتی ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تمہارے لیے دنیا کو اوندھے منہ کر دیا گیا اور تم اس پر سوار ہو گئے پس اس سلسلے میں تم سے بادشاہ اور عورتیں جھگڑا نہ کریں یعنی بادشاہ دنیا کے بارے میں تم سے جھگڑا نہ کریں کیونکہ جب تم ان کی دنیا ان کے لیے چھوڑ دو گے تو وہ تمہارے درپے نہیں ہوں گے۔

اور جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو روزے اور نماز کے ذریعے ان سے بچو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا طالب بھی ہے اور مطلوب بھی، پس جو شخص آخرت کا طالب ہو دنیا اسے تلاش کرتی ہے حتیٰ کہ وہ اس میں اپنا رزق مکمل طور پر حاصل کر لیتا ہے اور جو آدمی دنیا کو طلب کرتا ہے آخرت اس کے پیچھے لگتی ہے حتیٰ کہ موت آکر اسے گردن سے پکڑ لیتی ہے۔

حضرت موسیٰ بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۲ مرویات ابو سعید خدری (کچھ حصہ نہیں ہے)

إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يَخْلُقْ خَلْقًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَإِنَّهُ مُنْذُ خَلَقَهَا لَمْ يَنْظُرْ إِلَيْهَا۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا سے بڑھ کر کوئی مخلوق قابلِ نفرت نہیں اور اس نے جب سے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف نہیں دیکھا۔

ایک روایت میں ہے حضرت سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) اپنے ہمراہیوں کے درمیان یوں جارہے تھے کہ پرندوں نے آپ کو سایہ کر رکھا تھا اور جن اور انسان آپ کی دائیں بائیں جانب تھے راوی فرماتے ہیں آپ بنی اسرائیل کے ایک عابد کے پاس سے گزرے تو اس نے کہا اللہ کی قسم! اے داؤد علیہ السلام کے بیٹے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بادشاہی عطا فرمائی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سن کر فرمایا مومن کے نامہ اعمال میں ایک تسبیح اس سے بہتر ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے کو دیا گیا ہے کیونکہ جو کچھ ابن داؤد کو دیا گیا وہ چلا جائے گا اور تسبیح باقی رہے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ يَقُولُ ابْنُ آدَمَ مَالِي مَالِي وَهَلْ لَكَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَبْقَيْتَ۔ (۲)

کثرتِ مال کی خواہش نے تمہیں غافل کر دیا انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال اور تیرا مال تو وہی ہے جو کچھ تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا صدقہ کر کے باقی رکھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهُ وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهُ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ وَعَلَيْهَا يُعَادِي مَنْ لَا عِلْمَ لَهُ وَعَلَيْهَا يَحْسُدُ مَنْ لَا فِقْهَ لَهُ وَلَهَا يَسْعٰى مَنْ لَا يَقِيْنَ لَهُ۔ (۳)

دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کے نہیں کوئی دوسرا مال نہیں دنیا کے لیے وہ آدمی جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہیں اس پر وہ دشمنی کرتا ہے جو جاہل ہے اور اس کے لیے وہ حسد کرتا ہے جس کے پاس سمجھ نہیں اور اس کے لیے وہی کوشش کرتا ہے جس کے پاس یقین نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷ ص ۳۳۸ حدیث ۱۰۵۰۰

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۴ مرویات مطرف

(۳) شعب الایمان جلد ۷ ص ۳۷۵ حدیث ۲۷ - ۱۰۶۳۶ (کچھ حصہ نہیں ہے)

مَنْ اَصْبَحَ وَالدُّنْیَا اَکْبَرُ ھَمِّہٖ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ وَاَلْزَمَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ اَرْبَعَ خِصَالٍ ھَمًّا لَا یَنْقَطِعُ عَنْہُ اَبَدًا وَشُغْلًا لَا یَتَفَرَّغُ مِنْہُ اَبَدًا وَفَقْرًا لَا یَبْلُغُ غِنَاہُ اَبَدًا وَاَمَلًا لَا یَبْلُغُ مُنْتَھَاہُ اَبَدًا۔ (۱)

جس آدمی نے یوں صبح کی کہ اس کا سب سے بڑا مقصد حصول دنیا ہو اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے دل میں چار باتیں لازم کر دیتا ہے ایسا غم جو کبھی ختم نہ ہو گا ایسی مشغولیت جس سے کبھی فارغ نہیں ہو گا ایسی محتاجی جو کبھی مالداری تک نہیں پہنچے گی اور ایسی امید جو کبھی پوری نہ ہو گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے ابوہریرہ! کیا میں تجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ نہ دکھاؤں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! دکھایئے۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مدینہ طیبہ کی ایک وادی میں لے آئے وہاں ایک کوڑے کرکٹ کا ڈھیر تھا جس میں انسانی کھوپڑیاں گندگی، پرانے کپڑے اور ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں پھر فرمایا اے ابوہریرہ! یہ وہ سر ہیں جو تمہاری طرح حرص کیا کرتے تھے اور تمہاری طرح امیدیں باندھتے تھے پھر آج یہ ہڈیاں ہیں ان پر گوشت نہیں اس کے بعد یہ راکھ ہو جائیں گی اور یہ گندگیاں ہیں جو کبھی طرح طرح کے کھانے تھے انہوں نے ان کو وہاں سے حاصل کیا جہاں سے حاصل کیا پھر اپنے پیٹوں میں ڈالا اور اب لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں اور یہ پرانے چیتھڑے ان کے لباس تھے اور اب ہوا انہیں ادھر اُدھر اڑاتی پھرتی ہے اور یہ ان کے جانوروں کی ہڈیاں ہیں جن پر سوار ہو کر وہ شہر بہ شہر پھرتے تھے تو جس نے دنیا پر رونا ہو وہ ان پر روئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تک ہم خوب نہ روئے وہاں سے نہ ہٹے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو ان سے فرمایا عمارت بناؤ ویران ہونے کے لیے اور بچے جنو فنا ہونے کے لیے۔

حضرت داؤد بن ہلال فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں لکھا تھا اے دنیا! تو نیک لوگوں کے نزدیک کس قدر ذلیل ہے حالانکہ تو ان کے لیے بن سنور کر آئی، میں نے ان کے دلوں میں تمہاری نفرت ڈال دی اور ان کو تجھ سے روکا میرے نزدیک کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ ذلیل نہیں ہے تیری ہر حالت ذلت پر مبنی ہے اور تو فنا کی طرف جا رہی ہے میں نے جس دن تجھے پیدا کیا اسی دن فیصلہ کیا تو کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہے گی اور نہ تیرے لیے کوئی ہمیشہ رہے گا۔ اگرچہ وہ بخل اور کنجوسی سے کام لے۔ نیک لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جن کے دلوں میں میری رضا اور ان کے ضمیر میں سچائی اور استقامت ہے۔ ان کے لیے خوشخبری ہے۔

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۷ حدیث ۲ ۶۲۷

جب وہ قبروں سے نکل کر میری طرف آئیں گے تو ان کی جزا صرف اور صرف نور ہو گا جو ان کے آگے دوڑے گا اور فرشتوں نے اسے گھیر رکھا ہو گا حتی کہ وہ جس قدر رحمت کی مجھ سے امید رکھیں گے ہیں ان کو عطا کروں گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلدُّنْیَا مَوْقُوْفَۃٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مُنْذُ خَلَقَھَا اللّٰہُ تَعَالٰی لَمْ یَنْظُرْ اِلَیْھَا وَتَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَارَبِّ اجْعَلْنِیْ لِاَدْنٰی اَوْلِیَائِكَ الْیَوْمَ نَصِیْبًا فَیَقُوْلُ اُسْكُتِیْ یَالَاشَیْءُ اِنِّیْ لَمْ اَرْضَكِ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا اَاَرْضَاكِ لَھُمُ الْیَوْمَ۔

(۱)

دنیا اس دن سے زمین و آسمان کے درمیان ٹھہری ہوئی ہے جس دن اللہ تعالی نے اسے پیدا فرمایا اس دن سے اس نے اس کی طرف نظر نہیں فرمائی وہ قیامت کے دن کہے گی اے میرے رب! آج کے دن کسی ادنی ولی کے لیے مجھ سے حصہ بنا دے تو اللہ تعالی فرمائے گا اے ناچیز خاموش رہ ہیں نے دنیا میں تجھے ان لوگوں کے لیے پسند نہیں کیا آج تجھے ان کے لیے پسند کروں گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعات میں مروی ہے کہ جب آپ نے درخت کے پھل سے تناول فرمایا تو آپ کے معدے نے حرکت کی تاکہ وہ نیچے کی طرف جائے اور جنت میں صرف اسی درخت میں یہ بات رکھی گئی تھی اسی لیے اس سے روکا گیا راوی فرماتے ہیں آپ نے جنت میں گھومنا شروع کر دیا تو اللہ تعالی نے ایک فرشتے کو مخاطب کر کے فرمایا ان سے پوچھیں کیا چاہتے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا میں اپنے پیٹ سے اس اذیت کو دور کرنا چاہتا ہوں فرشتے سے کہا گیا ان سے پوچھو کہ کہاں ڈالنا چاہتے ہیں، فرش پر یا تختوں پر، نہروں میں یا درختوں کے سائے میں؟ کیا یہاں کوئی جگہ آپ کو اس کے مناسب دکھائی دیتی ہے؟ آپ دنیا میں چلے جائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قیامت کے دن کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کے اعمال تہامہ کے پہاڑوں جیسے ہوں گے اور ان کو جہنم کی طرف لے جانے کا حکم ہو گا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ نمازی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں نمازی ہوں گے وہ نماز بھی پڑھتے ہوں گے اور روزے بھی رکھتے ہوں گے۔ اور شب بیداری بھی کرتے ہوں گے لیکن جب دنیا کی کوئی چیز ان کے سامنے آتی تھی تو وہ اس پر کود پڑتے تھے (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

---

(۱)

(۲) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۱۶۸ ترجمہ ۲۹

مومن دو خوفوں کے درمیان ہوتا ہے ایک وہ مدت جو گزر گئی وہ نہیں جانتا کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اس سے کیا سلوک فرمائے گا اور دوسری وہ مدت جو باقی ہے وہ نہیں جانتا کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کیا ہوگا تو آدمی کو اپنے لیے اپنے نفس سے زاد راہ اختیار کرنا چاہیے، زندگی سے موت کے لیے اور جوانی سے بڑھاپے کے لیے حصہ حاصل کرے کیوں کہ دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی اور تمہیں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے موت کے بعد طلب رضا کا موقعہ نہیں اور دنیا کے بعد جنت یا دوزخ کے علاوہ کوئی گھر نہیں۔ (۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مومن کے دل میں دنیا اور آخرت کی محبت جمع نہیں ہو سکتی جس طرح ایک برتن میں پانی اور آگ جمع نہیں ہو سکتے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا اے تمام انبیاء کرام میں سے زیادہ عمر والے! آپ نے دنیا کو کیسا پایا انہوں نے فرمایا جیسے ایک گھر ہو اور اس کے دو دروازے ہوں میں ایک دروازے سے اندر گیا اور دوسرے سے باہر نکل آیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ آپ ایک گھر بنائیں جس میں رہائش اختیار کریں آپ نے فرمایا ہمیں پہلے لوگوں کے کھنڈرات ہی کافی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِحْذَرُوا الدُّنْيَا فَاِنَّهَا اَسْحَرُ مِنْ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۔ (۲)

دنیا (کے فتنوں) سے بچو کیوں کہ یہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔

کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے اندھے پن کو دور کر کے اسے بینائی عطا کرے، سنو! جو شخص دنیا میں رغبت رکھتا ہے اور اس میں اس کی لمبی امید ہے اللہ تعالیٰ اسی مقدار کے مطابق اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے اور جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو جاتا ہے اور اس میں اس کی امید بھی کم ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سیکھے بغیر علم اور کسی کی راہنمائی کے بغیر ہدایت عطا فرمائے گا سنو! تمہارے بعد ایک قوم آئے گی کہ ان کے پاس حکومت قتل اور ظلم کے بغیر نہیں رہے گی مالداری تکبر اور بخل کے بغیر نہیں ہوگی محبت خواہشات کی پیروی کے بغیر نہیں ہوگی سنو! تم میں سے جو آدمی یہ زمانہ پائے

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷، ص ۳۶۰ حدیث ۱۰۵۸۱

(۲) شعب الایمان جلد ۷، ص ۳۲۹ حدیث ۱۰۵۰۴

اور فقر پر صبر کرے حالانکہ وہ مالداری پر قادر ہو دشمنی پر صبر کرے حالانکہ وہ محبت پر قادر ہو (۱) اور حصول عزت کی طاقت کے باوجود ذلت برداشت کرے اور ان تمام باتوں سے اس کا مقصد رضائے خداوندی کا حصول ہو تو اللہ تعالیٰ اسے پچاس صدیقین کا ثواب عطا کرے گا (۲)

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سخت بارش، گرج اور بجلی میں گھر گئے تو آپ نے کسی پناہ گاہ کی تلاش شروع کر دی آپ کی نظر دور ایک خیمے پر پڑی آپ وہاں تشریف لے گئے تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک خاتون ہے آپ وہاں سے پلٹ آئے پھر پہاڑ کے ایک غار میں تشریف لائے تو وہاں شیر تھا آپ نے اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ یا اللہ! تو نے ہر چیز کو پناہ گاہ عطا فرمائی اور مجھے کوئی جگہ نہیں دی اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا آپ کی پناہ گاہ میری رحمت کے ٹھکانے میں ہے میں قیامت کے دن ایک سو حوریں جن کو میں نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، آپ کے نکاح میں دوں گا اور چار ہزار سال تک آپ کے ولیمہ کا کھانا کھلاؤں گا ان میں سے ایک دن، دنیا کی عمر کے برابر ہو گا اور میں ایک ندا دینے والے کو حکم دوں گا جو اعلان کرے گا کہ دنیا میں زہد اختیار کرنے والے کہاں ہیں دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے والو! حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی شادی دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دنیادار کے لیے خرابی ہے کس طرح وہ مر جاتا ہے اور دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سب کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ اسے دھوکہ دیتی ہے اور یہ اس سے بے خوف رہتا ہے یہ اس پر بھروسہ کرتا ہے اور وہ اس کو ذلیل و رسوا کرتی ہے دھوکہ کھانے والوں کے لیے ہلاکت ہے یہ دنیا ان کو وہ چیز دکھاتی ہے جسے وہ ناپسند کرتے ہیں اور ان کی پسندیدہ چیز ان سے جدا ہو جاتی ہے اور ان کا وعدہ آپہنچتا ہے اس شخص کے لیے خرابی ہے جو دنیا کو اپنا مقصد اور گناہوں کو اپنا عمل بناتا ہے وہ کس طرح کل (قیامت کے دن) ذلیل و رسوا ہو گا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا اے موسیٰ! تیرا ظالموں کے گھر کے ساتھ کیا تعلق ہے وہ تیرا گھر نہیں ہے اپنی ہمت کو اس سے نکال دے اور اپنی عقل کو اس سے جدا کر دے یہ کتنا ہی برا گھر ہے البتہ وہ شخص جو اس میں اچھا عمل کرے تو اس کے لیے یہ اچھا گھر ہے اے موسیٰ علیہ السلام! میں، ظالم کی تاک میں ہوتا ہوں یہاں تک کہ اس سے مظلوم کا بدلہ لے لوں۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا وہ وہاں سے مال لے کر واپس لوٹے انصار کو ان کی آمد کا علم ہوا تو اس وقت وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور جانے لگے تو صحابہ کرام نے آپ کو روک دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) یعنی وہ لوگوں کی محبت حاصل کر سکتا ہو لیکن ان کی طرف سے دشمنی پر صبر کرے ۱۲ ہزاروی

(۲) شعب الایمان جلد ۷ ص ۳۶۰ حدیث ۱۰۵۸۲

ان کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرا خیال ہے تم نے سنا ہوگا کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کچھ مال لائے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اور تم اس چیز کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے گی پس اللہ کی قسم! مجھے تم پر محتاجی کا خوف نہیں بلکہ میں اس بات کا خوف محسوس کرتا ہوں کہ پہلے لوگوں کی طرح تمہارے سامنے بھی دنیا کو پھیلا دیا جائے اور تم اس میں اسی طرح رغبت کرنے لگو جس طرح پہلے لوگوں نے کی اور یوں وہ تمہیں ہلاک کر دے جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ (۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَکْثَرَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ مَا یُخْرِجُ اللّٰہُ لَکُمْ مِنْ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ۔

مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف زمین کی ان برکات کا ہے جو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے نکالے گا۔

عرض کیا گیا زمین کی برکات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا "دنیا کی تر و تازگی"۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تُشْغِلُوْا قُلُوْبَکُمْ بِذِکْرِ الدُّنْیَا۔ (۳)

اپنے دلوں کو دنیا کے ذکر میں مشغول نہ رکھو۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (دنیا) کے ذکر سے روک دیا اس تک پہنچنا تو دور کی بات ہے۔

حضرت عمار بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بستی سے گزرے تو دیکھا کہ اس کے رہائشی صحنوں اور راستوں میں مرے پڑے تھے آپ نے فرمایا اے میرے حواریو! یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ہلاک ہوئے، اگر کسی اور وجہ سے مرتے تو ایک دوسرے کو دفن کرتے انہوں نے عرض کیا اے روح اللہ! ہم ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ رات کے وقت ان لوگوں کو بلانا یہ حاضر ہو جائیں گے جب رات ہوئی تو آپ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر پکارا اے بستی والو! ایک جواب دینے والے نے جواب دیا کہ اے روح اللہ! میں حاضر ہوں۔

آپ نے فرمایا تمہارا حال اور تمہارا واقعہ کیا ہے؟ اس نے کہا ہم نے خیر و عافیت سے رات گزاری اور صبح دوزخ میں جا پڑے آپ نے فرمایا کیسے؟ اس نے کہا ہم نے دنیا سے محبت کی اور نافرمان لوگوں کی بات مانی آپ نے پوچھا دنیا سے تمہاری محبت کی کیا کیفیت تھی؟ اس نے عرض کیا جس طرح ماں بچے سے پیار کرتی ہے جب وہ (دنیا) آتی تو ہم خوش ہو جاتے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۱ کتاب الرقاق

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۱ کتاب الرقاق۔

(۳) شعب الایمان جلد ۷ ص ۳۶۱ حدیث ۱۰۵۸۴

اور جب وہ چلی جاتی تو ہم غمگین ہوتے اور رو پڑتے ۔ آپ نے پوچھا تمہارے دوسرے ساتھیوں کو کیا ہوا کہ وہ جواب نہیں دیتے ؟ اس نے عرض کیا کہ ان کو جہنم کی آگ سے لگام ڈالی گئی ہے اور سخت فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں آپ نے فرمایا تم نے کیسے جواب دیا حالانکہ تو بھی ان میں سے اس نے کہا میں ان میں ضرور تھا لیکن ان میں سے نہ تھا۔

جب ان پر عذاب نازل ہوا تو میں بھی اس میں مبتلا ہوا اور میں جہنم کے کنارے پر لٹک رہا ہوں مجھے معلوم نہیں کہ اس سے نجات حاصل کروں گا یا اس میں دھکیل دیا جاؤں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا ، جو کی روٹی پسے ہوئے نمک کے ساتھ کھانا ٹاٹ پہننا اور کوڑے کرکٹ پر سونا بہت ہے اگر دنیا اور آخرت میں سلامتی ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جس کا نام عضباء تھا، سے کوئی اونٹنی آگے نہ بڑھ سکتی ۔ ایک اعرابی اونٹنی لے کر آیا اور وہ آگے بڑھ گئی مسلمانوں کو یہ بات نہایت ناگوار گزری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّهُ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَا يَرْفَعَ مِنَ الدُّنْيَا شَيْئًا إِلَّا وَضَعَهُ (۱)

اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ جس چیز کو بلند کرتا ہے اسے پست کر دے ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کون شخص ہے جو سمندر کی موج پر مکان بنائے؟ تو دنیا کی یہی مثال ہے لہذا اس کو مستقل ٹھکانہ نہ سمجھو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ہمیں ایک ایسا علم سکھا دیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم سے محبت فرمائے۔ آپ نے فرمایا دنیا سے نفرت کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَلَهَانَتْ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا وَلَآثَرْتُمُ الْآخِرَةَ ۔ (۲)

اگر تم وہ بات جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے اور تمہارے سامنے دنیا حقیر و ذلیل ہوتی اور تم آخرت کو ترجیح دیتے۔

اس کے بعد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے فرمایا اگر تم لوگ وہ بات جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم تو دوں کی طرف نکل جاتے اور اپنے اوپر روتے اور اپنے مالوں کو کسی محافظ کے بغیر چھوڑ دیتے صرف اتنا مال لیتے جس کی ضرورت ہوتی لیکن تمہارے دلوں سے ذکر خداوندی غائب ہو چکا ہے اور وہ امید سے پُر ہو گئے دنیا تم پر چھا گئی اور تم جاہلوں کی طرح ہو گئے ہو۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۲ کتاب الرقاق

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۹ ، ابواب الزہد

اور تم میں سے بعض ان جانوروں سے بھی بدتر ہیں جو انجام کے خوف سے اپنی خواہش کو نہیں چھوڑتے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے اور نہ ہی ایک دوسرے کی بھلائی چاہتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے کے دینی بھائی ہو تمہاری خواہشات کو تمہاری باطنی خباثت نے جدا جدا کر دیا اگر تم نیکی پر اتفاق کر لیتے تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے تمہیں کیا ہو گیا کہ تم دنیا کے بارے میں تو ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے ہو لیکن آخرت کے معاملے میں ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے تم میں سے کوئی بھی اپنے دوست کی خیر خواہی نہیں کرتا اور نہ ہی آخرت کے معاملے میں اس کی مدد کرتا ہے یہ صرف اس لیے ہے کہ تمہیں دلوں میں ایمان کی کمی ہے اگر تم آخرت کے خیر و شر کو یقینی جانتے جس طرح دنیا پر یقین رکھتے ہو تو تم آخرت کی طلب کو ترجیح دیتے کیوں کہ تمہارا کام تو اسی سے بنے گا۔

اگر تم کہو کو فوری فائدے کی محبت غالب ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ تم دنیا کے وعدوں کے لیے فوری ملنے والے نفع کو چھوڑ دیتے ہو اور ایسے معاملے کے لیے اپنے نفس کو تکلیف اور مشقت میں ڈالتے ہو جس کا ملنا یقینی نہیں ہے تم کتنے برے لوگ ہو جس چیز سے تمہارے ایمان کا ٹھکانہ معلوم ہوا اسی پر تمہارا اعتقاد درست نہیں۔

اگر تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر شک ہے تو ہمارے پاس آؤ ہم تمہارے لیے بیان کریں اور تمہیں ایسا نور دکھائیں جس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اللہ کی قسم! تمہاری عقل ناقص نہیں ہے کہ ہم تمہیں معذور سمجھیں دنیا کے معاملے میں تمہاری رائے بہت واضح ہوتی ہے اور تم ان دنیوی معاملات میں احتیاط کی راہ اختیار کرتے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کے تھوڑے سے حصے پر خوش ہو جاتے ہو جو تمہیں ملتا ہے اور اگر تھوڑا سا فوت ہو جائے تو غمگین ہو جاتے ہو حتیٰ کہ یہ غم تمہارے چہرے اور زبان سے ظاہر ہو جاتا ہے اسے تم مصیبت کا نام دیتے ہو اور اس کا سوگ مناتے ہو لیکن تم میں سے اکثر لوگوں نے دین کا بہت سا حصہ چھوڑ رکھا ہے لیکن یہ بات تمہارے چہرے سے ظاہر نہیں ہوتی اور نہ ہی تمہاری حالت میں تبدیلی آتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو گیا ہے ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت خوشی کا اظہار کرتے ہو اور تم میں سے کوئی بھی دوسرے کے سامنے ایسی بات نہیں کرتا جو اسے ناپسند ہو کیوں کہ یہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں وہ بھی اس قسم کی بات نہ کر دے تو تمہارے دلوں میں کینہ ہے تمہاری چراہ گاہیں کوڑے کرکٹ پر اگنے والی سبزی ہے اور موت کو چھوڑنے پر تم متفق ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے نجات دے اور ان لوگوں کے ساتھ ملا دے جن کو میں دیکھنا چاہتا ہوں اگر وہ زندہ ہوتے تو تمہاری بات پر کبھی صبر نہ کرتے پس اگر تمہارے اندر بھلائی ہے تو میں تمہیں سنا چکا ہوں اگر اس چیز کے طالب ہو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو اسے آسان پاؤ گے میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے حواریو! دین کی سلامتی کے ساتھ تھوڑی دنیا پر راضی رہو جس طرح دنیا دار لوگ دنیا کو سلامت رکھتے ہوئے تھوڑے سے دین پر راضی ہوتے ہیں۔ اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

أَرَى رِجَالًا بِأَدْنَى الدِّينِ قَنِعُوا وَمَا أَرَاهُمْ ‏ — میں کچھ لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ دین میں سے تھوڑے

رَضُوْا فِی الْعَیْشِ بِالدُّوْنِ فَاسْتَغْنِ بِالدِّیْنِ عَنْ دُنْیَا الْمُلُوْکَ کَمَا اسْتَغْنَی الْمُلُوْکُ بِدُنْیَاھُمْ عَنِ الدِّیْنِ۔

سے حصے پر قناعت کرتے ہیں اور میں نہیں دیکھتا کہ وہ دنیا میں سے تھوڑے پر راضی ہوں پس تو دین کے ذریعے بادشاہوں کی دنیا سے بے نیاز ہو جا جس طرح بادشاہ اپنی دنیا کی وجہ سے دین سے بے نیاز ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے وہ شخص جو دنیا کو اس لیے طلب کرتا ہے کہ تو نیکی کرے تو تیرا دنیا کو چھوڑنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَتَاتِیَنَّکُمْ بَعْدِیْ دُنْیَا تَاکُلُ اِیْمَانَکُمْ کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (۱)

میرے بعد ضرور بضرور تمہارے پاس دنیا آئے گی جو تمہارے ایمان کو اس طرح کھائے گی جس طرح آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرماتے ہوئے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! دنیا کی محبت کی طرف ہرگز نہ جھکنا اور میرے نزدیک اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک آدمی کے پاس سے گزرے اور وہ رو رہا تھا جب آپ واپس تشریف لائے تو بھی رو رہا تھا جب آپ واپس تشریف لائے تو بھی رو رہا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! تیرا بندہ تیرے خوف کی وجہ سے رو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عمران کے بیٹے! اگر اس کے آنسوؤں کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ بھی بہنا شروع ہو جائے اور وہ ہاتھوں کو اٹھائے حتیٰ کہ وہ گر جائیں تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا کیوں کہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے۔

آثار:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

جس آدمی میں چھ باتیں جمع ہو جائیں اس نے جنت کی طلب اور جہنم سے بھاگنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کو پہچان کر اس کی عبادت کرے۔

(۲) شیطان کو پہچانے اور پھر اس کی بات نہ مانے۔

(۳) حق کو پہچان کر اس کے پیچھے چلے۔

(۴) باطل کو پہچان کر اس سے بچے۔

(۵) دنیا کی پہچان حاصل کر کے اس کو چھوڑ دے۔

(۶) اور آخرت کی معرفت حاصل کر کے اس کی طلب میں رہے۔

---

(۱)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔
ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جن کے پاس دنیا امانت تھی تو انہوں نے امانت ، امانت والوں کے حوالے کر دی پھر ہلکے پھلکے چل پڑے ۔
آپ نے ہی فرمایا جو شخص تیرے دین میں تیرا مقابلہ کرے تو بھی اس کا مقابلہ کر اور جو شخص تیری دنیا میں تجھ سے مقابلہ کرے تو اسے اس کے سینے پر ڈال دے ۔
حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔
اے بیٹے ! دنیا ایک گہرا سمندر ہے اور اس میں بے شمار لوگ ڈوب چکے ہیں لہذا اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف (تقویٰ) تیری کشتی ہونی چاہیئے اور اس میں ایمان کو رکھو تیز اللہ تعالیٰ پر توکل کو بادبان بناؤ تاکہ تم نجات حاصل کرو اور مجھے معلوم نہیں کہ تم نجات پاؤ گے ۔"
حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے اس آیت میں بہت غور و فکر کیا۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۔ (۱)

اور جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے زمین کی زینت بنایا تاکہ ہم ان لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھا عمل کرتا ہے اور ہم اس کو جو زمین پر ہے ، چٹیل میدان بنانے والے ہیں ۔

بعض دانا فرماتے ہیں تمہیں دنیا سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کا پہلے بھی کوئی اہل تھا اور تمہارے بعد بھی کوئی اس کے لائق ہوگا اور تمہارے لیے دنیا تو صرف رات اور صبح کا کھانا ہے پس تو اس کے کھانے میں ہلاک نہ ہو دنیا سے روزہ رکھو اور آخرت کے ساتھ افطار کر شک دنیوی مال کی بنیاد خواہش اور اس کا نفع آگ ہے ۔
کسی عبادت گزار سے پوچھا گیا کہ آپ دنیا کو کس طرح دیکھتے ہیں ؟
انہوں نے فرمایا بدن پرانے ہو جاتے ہیں ، آرزوئیں تازہ ہو جاتی ہیں ، موت قریب آجاتی ہے اور خواہشات دور ہو جاتی ہیں ، پوچھا گیا کہ لوگوں کا کیا حال ہے ؟ فرمایا جو اس میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ تھک جاتا ہے اور جسے دنیا نہیں ملتی وہ پریشان ہو جاتا ہے اسی سلسلے میں کہا گیا ہے ۔

وَمَنْ يَحْمَدِ الدُّنْيَا لِعَيْشٍ يَسُرُّهُ فَسَوْفَ لَعَمْرِي عَنْ قَلِيلٍ يَلُومُهَا إِذَا أَدْبَرَتْ

اور جو شخص دنیا کی تعریف اس عیش کی وجہ سے کرتا ہے جو اسے خوش کرتا ہے تو عنقریب اس کی قلت کی وجہ سے

(۱) قرآن مجید ، سورۂ کہف ، آیت ۷ ، ۸

كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً وَإِنْ أَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيْرًا هُمُوْمُهَا۔

اسے ملامت کرے گا جب دنیا پیٹھ پھیرتی ہے تو آدمی افسوس کا اظہار کرتا ہے اور جب سامنے آتی ہے تو اس کے غم زیادہ ہو جاتے ہیں۔

کسی دانا کا قول ہے کہ دنیا اس وقت بھی تھی جب میں نہیں تھا اور وہ اس وقت جائے گی جب میں موجود نہیں ہوں گا۔ لہٰذا میں اس کے ذریعے سکون حاصل نہیں کرتا کیوں کہ اس کا عیش (حقیقت میں) تلخ ہے اور اس کی صفائی (درحقیقت) گدلا پن ہے اور دنیا والوں کو اس کی طرف سے ایک نہ ایک خوف رہتا ہے نعمت کے زائل ہونے کا ہو یا کسی مصیبت کے آنے کا یا موت کے فیصلے کا۔

بعض دانا لوگوں کا قول ہے کہ دنیا کے عیب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کسی کو اس کے استحقاق کے مطابق نہیں دیتی بلکہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کیا تم نعمتوں کو نہیں دیکھتے گویا ان پر غضب کیا گیا ہے وہ غیر مستحقین کو دی جاتی ہیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جو شخص دنیا سے محبت کرتے ہوئے اسے طلب کرتا ہے اسے اس کی طلب سے کم ملتی ہے اور جو آخرت سے محبت کرتے ہوئے اسے چاہتا ہے اسے بھی طلب سے کم ملتی ہے اور اس کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

ایک شخص نے حضرت ابو حازم رحمہ اللہ سے کہا کہ میں آپ سے محبت دنیا کی شکایت کرتا ہوں حالانکہ یہ میرا (مستقل) گھر نہیں ہے آپ نے فرمایا دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس سے صرف حلال مال لو اور جو خرچ کرو وہ اس کے حق میں خرچ کرو اس طرح دنیا کی محبت تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔

آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اگر صرف محبت پر ہی نفس کو موقوف کیا جائے تو بہت زیادہ مشقت ہو گی حتیٰ کہ دنیا سے لاتعلق ہو کر موت کی طلب کرنے لگے گا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا شیطان کی دوکان ہے پس اس کی دوکان سے کوئی چیز چوری نہ کرو اس طرح وہ اس کی طلب میں آئے گا اور تمہیں پکڑے گا۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر دنیا سونے کی بھی ہوتی تو فنا ہو جاتی اور اگر آخرت ٹھیکری کی بھی ہوتی تو باقی رہتی تو ہمیں اس ٹھیکری کو اختیار کرنا چاہیے جو باقی رہنے والی ہے اس سونے کو نہیں جو فنا ہونے والا ہے۔ تو تمہاری کیا حالت ہو گی کہ تم نے فنا ہونے والی ٹھیکری کو باقی رہنے والے سونے پر ترجیح دی۔

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا سے بچو کیوں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص دنیا کو عظیم سمجھتا ہے قیامت کے دن اسے کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اس چیز کو عظیم سمجھا جسے اللہ تعالیٰ نے حقیر

قرار دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر شخص صبح اس حالت میں کرتا ہے کہ وہ مہمان ہے اور اس کا مال ادھار ہے تو مہمان جانے والا ہوتا ہے اور ادھار کا سامان لوٹایا جاتا ہے اسی سلسلے میں کہا گیا ہے۔

وَمَا الْمَالُ وَالْاَهْلُوْنَ اِلَّا وَدَائِعُ وَلَا بُدَّ يَوْمًا اَنْ تُرَدَّ الْوَدَائِعُ۔

اور مال اور اہل و عیال امانتیں ہیں اور ایک دن امانتوں کا واپس لوٹانا ضروری ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کے مریدان کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو دنیا کا ذکر کر کے اس کی مذمت کرنے لگے، حضرت رابعہ نے فرمایا اس کے ذکر سے خاموشی اختیار کرو اگر تمہارے دلوں میں اس کی جگہ نہ ہوتی تو تم کثرت سے اس کا ذکر نہ کرتے سنو جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بھی زیادہ کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کا کیا حال ہے۔

تو انہوں نے فرمایا۔

نُرَقِّعُ دُنْيَانَا بِتَمْزِيْقِ دِيْنِنَا فَلَا دِيْنُنَا يَبْقٰى وَلَا مَا نُرَقِّعُ فَطُوْبٰى لِعَبْدٍ اٰثَرَ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَجَادَ بِدُنْيَاهُ لِمَا يَتَوَقَّعُ۔

ہم دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی دنیا کو بلند کرتے ہیں تو نہ ہمارا دین بچتا ہے اور نہ وہ چیز جسے ہم بلند کرتے ہیں اس بندے کے لیے خوشخبری ہے جو اللہ تعالیٰ کو ترجیح دیتا ہے جو اس کا رب ہے اور دنیا اس کے حوالے کرتا ہے جو اس کی توقع رکھتا ہے۔

اسی سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے۔

اَرٰى طَالِبَ الدُّنْيَا وَاِنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَنَالَ مِنَ الدُّنْيَا سُرُوْرًا وَاَنْعُمَا كَبَانٍ بَنٰى بُنْيَانَهٗ فَاَقَامَهٗ فَلَمَّا اسْتَوٰى مَا قَدْ بَنَاهُ تَهَدَّمَا۔

طالب دنیا کی عمر اگرچہ طویل ہو اور وہ دنیا سے سرور اور نعمتیں حاصل کرے لیکن میں اسے اس شخص کی طرح دیکھتا ہوں جس نے ایک مکان بنا کر درست کیا جب اس کی تعمیر مکمل ہوئی تو وہ گر گیا۔

اور اسی سلسلے میں یہ اشعار بھی ہیں۔

هَبِ الدُّنْيَا تُسَاقُ اِلَيْكَ عَفْوًا اَلَيْسَ مَصِيْرُ ذَاكَ اِلَى انْتِقَالِ وَمَا دُنْيَاكَ اِلَّا مِثْلُ فَيْءٍ اَظَلَّكَ ثُمَّ اٰذَنَ بِالزَّوَالِ

تو دنیا کو چھوڑ دے زیادہ ہو کر تیری طرف آئے گی کہاں اس کا ٹھکانہ انتقال مکانی نہیں ہے اور تمہاری دنیا تو ایک سائے کی طرح ہے تمہیں سایا مہیا کرتا ہے پھر جانے کا اعلان کر دیتا ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے میرے بیٹے اپنی دنیا کو اپنی آخرت کے بدلے بیچ دے دونوں میں نفع ہوگا اور اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے نہ بیچ دونوں میں نقصان ہوگا۔

حضرت مطرف بن شخیر فرماتے ہیں بادشاہوں کے عیش اور نرم و گداز بستروں کو نہ دیکھ بلکہ ان کے جلد چلے جانے اور برے انجام کو دیکھ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ایک حصہ مومن کے لیے ہے، دوسرا منافق کے لیے اور تیسرا حصہ کافر کے لیے ہے مومن اسے توشۂ آخرت بناتا ہے مومن ظاہری زینت اختیار کرتا ہے اور کافر نفع اٹھاتا ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دنیا مردار ہے پس جو شخص اس میں سے کچھ لینا چاہتا ہے وہ کتوں کے ساتھ رہنے پر صبر کرے۔

اسی سلسلے میں کہا گیا ہے۔

یَا خَاطِبَ الدُّنْیَا اِلٰی نَفْسِهَا تَنَحَّ عَنْ خِطْبَتِهَا تَسْلَمُ اِنَّ الَّتِیْ تَخْطُبُ غَدَّارَةٌ قَرِیْبَةُ الْعُرْسِ مِنَ الْمَاْتَمِ۔

اے دنیا کو نکاح کا پیغام دینے والے اس بات سے باز آجا محفوظ رہے گا کیوں کہ جس سے تو نکاح کرنا چاہتا ہے وہ غدار ہے اس سے شادی گناہ کے قریب کرتی ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی ذلت و رسوائی میں سے یہ بات بھی ہے کہ اسی میں نافرمانی ہوتی ہے اور اس میں جو کچھ ملتا ہے وہ اس کے چھوڑنے سے ہی ملتا ہے۔

اور اسی ضمن میں کہا گیا ہے۔

وَاِذَا امْتَحَنَ الدُّنْیَا لَبِیْبٌ تَكَشَّفَتْ لَهٗ عَنْ عَدُوٍّ فِیْ ثِیَابِ صَدِیْقٍ۔

جب کوئی عقلمند شخص دنیا کو غور سے دیکھتا ہے تو اسے دوست کے لباس میں دشمن نظر آتا ہے۔

نیز یہ بھی کہا گیا ہے:

یَا رَاقِدَ اللَّیْلِ مَسْرُوْرًا بِاَوَّلِهٖ اِنَّ الْحَوَادِثَ قَدْ یَطْرُقْنَ اَسْحَارًا اَفْنَى الْقُرُوْنَ الَّتِیْ كَانَتْ مُنَعَّمَةً كَرُّ الْجَدِیْدَیْنِ اِقْبَالًا وَاِدْبَارًا كَمْ قَدْ اَبَادَتْ صُرُوْفُ الدَّهْرِ مِنْ مَلِكٍ قَدْ كَانَ الدَّهْرُ نَفَّاعًا وَضَرَّارًا یَا مَنْ یُعَانِقُ دُنْیَا لَا بَقَاءَ لَهَا یُمْسِیْ وَیُصْبِحُ فِیْ دُنْیَاهُ

اے رات کو سونے والے تو اس کے پہلے حصے پر خوش ہوتا ہے بے شک حادثات کبھی سحری کے وقت بھی پہنچتے ہیں وہ بستیاں جو نعمتوں سے بھرپور تھیں زمانے کے انقلابات نے انہیں فنا کر دیا زمانے کے بدلنے سے کتنی ہی بادشاہیاں ختم ہوگئیں زمانے سے نفع بھی ملتا ہے اور نقصان بھی پہنچتا ہے اے وہ شخص جو فانی دنیا کو گلے سے لگاتا ہے اپنی دنیا میں صبح و شام سفر میں رہتا ہے تو نے اس سے

سَفَارًا هَلاَّ تَرَكْتَ مِنَ الدُّنْيَا مُعَانَقَةً حَتّٰى تُعَانِقَ فِي الْفِرْدَوْسِ اَبْكَارًا اِنْ كُنْتَ تَبْغِيْ جِنَانَ الْخُلْدِ تَسْكُنُهَا فَيَنْبَغِيْ لَكَ اَنْ لَّا تَأْمَنَ النَّارَ۔

گلے ملنا کیوں نہ چھوڑا کہ جنت میں کنواریوں سے معانقہ کرتا اگر تو ہمیشہ کی جنت میں رہنا چاہتا ہے تو تجھے چاہیے کہ جہنم سے بے خوف نہ ہو۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو شیطان کا لشکر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک نبی مبعوث ہوئے اور ایک امت پیدا کی گئی ہے اس نے پوچھا وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں کرتے ہیں اس نے کہا اگر وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں تو مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ بت پرستی نہیں کرتے میں تین باتوں کے ساتھ صبح و شام ان کے پاس جاؤں گا۔

(۱) ناحق مال لینا (۲) ناحق جگہ پر خرچ کرنا اور (۳) جہاں اس کا حق ہے وہاں سے روک دینا ——— اور تمام برائی کا سرچشمہ یہی ہے ایک شخص نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اے امیر المومنین! ہمارے لیے دنیا کی وضاحت فرمائیں انہوں نے فرمایا کیا میں ایسے مقام کی تعریف کروں جہاں صحیح بھی بیمار ہے اور جو اس میں امن میں ہے وہ بھی پشیمان ہے جو اس میں محتاج ہے وہ غمگین ہے اور جو مالدار ہے وہ فتنے میں مبتلا ہوتا ہے اس کے حلال کا حساب اور حرام پر عذاب ہوتا ہے اور جس میں شبہ ہو اس پر بھی جھڑک ہے ——— جب آپ سے دوبارہ یہی بات کہی گئی تو آپ نے فرمایا مختصر بیان کروں یا طویل؟ عرض کیا گیا مختصر بیان فرمائیں آپ نے فرمایا اس کے حلال کا حساب اور حرام پر عذاب ہوگا۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا اس جادوگرنی (دنیا) سے بچو کیوں کہ یہ تو علماء کے دلوں پر بھی جادو کرتی ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا جب دل میں آخرت ہوتی ہے تو دنیا آ کر مزاحمت کرتی ہے اور جب دنیا دل میں ہوتی ہے تو آخرت اس کا مقابلہ نہیں کرتی کیوں کہ آخرت معزز ہے اور دنیا ذلیل ——— اس قول میں بڑی شرارت ہے۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں حضرت سیار بن حکم کا قول زیادہ صحیح ہے انہوں نے فرمایا دنیا اور آخرت ایک دل میں جمع ہوتے ہیں اور ان میں سے جو غالب آ جائے دوسری اس کے تابع ہو جاتی ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں تو جس قدر دنیا کے لیے غمگین ہوگا اسی مقدار میں آخرت کی فکر تیرے دل سے نکل جائے گی اور جس قدر آخرت کے لیے غم کھائے گا اسی مقدار میں دنیا تیرے دل سے نکل جائے گی۔

یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول سے اخذ کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا دنیا اور آخرت ایک دوسری کی سوتنیں ہیں پس جس قدر ایک راضی ہوگی اسی قدر دوسری ناراض ہوگی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

میں نے کچھ ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کے نزدیک دنیا اس پاؤں کی خاک سے بھی زیادہ ذلیل تھی وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ دنیا کا سورج طلوع ہوا یا غروب؟ یا یہ کہ وہ کس کے پاس چلی گئی۔

ایک شخص نے حضرت حسن رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ اس آدمی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جسے اللہ تعالی نے مال دیا اور وہ اس سے صدقہ کرتا اور صلہ رحمی کرتا ہے تو کیا وہ خود بھی اس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے انہوں نے فرمایا نہیں کیوں کہ اس کے پاس تمام دنیا بھی ہو تو بھی اسے حسب ضرورت خرچ کرنا چاہیے، اور باقی کو محتاجی کے دن (یعنی قیامت) کے لیے آگے بھیجنا چاہیے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر دنیا بصورت حلال مکمل طور پر مجھے دی جائے اور آخرت میں مجھ سے اس کا حساب بھی نہ لیا جائے تو بھی مجھے اس سے گھن آئے گی جس طرح تم میں سے کسی ایک کو مردار سے گھن آتی ہے اور وہ اپنے کپڑوں کو اس سے بچاتا ہے کہا گیا ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملک شام میں تشریف لائے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ان کا یوں استقبال کیا کہ وہ جس اونٹنی پر سوار تھے اس کی مہار اسی کی تھی انہوں نے سلام کیا اور خیریت دریافت کی پھر جب ان کی رہائش گاہ پر تشریف لائے تو وہاں تلوار، ڈھال اور کجاوے کے سوا کچھ نہ دیکھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اگر آپ گھر میں ساز و سامان رکھ لیں تو کیا حرج ہے؟ انہوں نے عرض کیا اے امیر المومنین! یہ سامان ہمیں خوابگاہ تک پہنچاتا ہے (یعنی اس کی وجہ سے تن آسانی پیدا ہوتی ہے۔)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا سے اپنے بدن کے لیے اور آخرت سے دل کے لیے حاصل کرو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالی کی قسم بنی اسرائیل نے رحمن کی عبادت کے بعد بتوں کی پوجا کی کیوں کہ وہ دنیا سے محبت کرتے تھے۔

حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے کہ دنیا سمجھدار لوگوں کے لیے غنیمت اور جاہلوں کے لیے غفلت ہے۔ وہ مرتے دم تک اس کی پہچان حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر وہ واپس جانے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن واپسی کہاں ہوتی ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے میرے بیٹے! جب سے تو دنیا میں آیا وہ پیٹھ پھیرے جا رہی ہے اور آخرت سامنے آتی ہے تو تو اس گھر کے زیادہ قریب ہے ہو جو تیرے قریب آ رہا ہے اس کے نہیں جس سے تو دور ہو رہا ہے۔

حضرت سعید بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اس کی دنیا میں اضافہ اور آخرت میں کمی واقع ہو رہی ہے اور وہ اس حالت پر راضی ہے تو وہ شخص نقصان میں ہے کہ اس کے چہرے سے کھیلا جا رہا ہے اور اسے پتہ ہی نہیں چلتا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا۔

اللہ کی قسم! میں نے تم لوگوں سے زیادہ کسی کو اس چیز میں رغبت کرتے نہیں دیکھا جس سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دور رہتے تھے۔ اللہ کی قسم! آپ پر تین دن بھی نہ گزرتے کہ آپ کی آمدنی سے قرض زیادہ ہوتا۔ (۱)

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۵۳ کتاب الرقاق

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا۔ (۱) پس تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے۔

اس کے بعد فرمایا یہ کس نے کہا ہے؟ اس نے فرمایا جس نے اسے پیدا کیا اور وہ اس کے بارے میں زیادہ جانتا ہے دنیا کی مشغولیت سے بچو کیوں کہ دنیا کی مصروفیات بہت زیادہ ہیں آدمی اپنے اوپر ایک مصروفیت کا دروازہ نہیں کھولتا مگر قریب ہے کہ اس پر دس دروازے کھول دیئے جائیں۔

آپ ہی نے فرمایا آدمی بہت مسکین ہے وہ اس گھر پر راضی ہو گیا جس کے حلال کا حساب اور حرام پہ عذاب ہو گا اگر اس کے حلال مال سے لیتا ہے تو اس سے حساب لیا جائے گا اور اگر اس کے حرام سے لیتا ہے تو اسے عذاب ہو گا اپنے مال کو کم سمجھتا ہے لیکن عمل کو کم نہیں سمجھتا دینی مصیبت پر خوش ہوتا ہے اور دنیوی مصیبت پہ روتا پیٹتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو ایک خط لکھا جس میں سلام کے بعد فرمایا اپنے آپ کو یوں سمجھیں کہ آپ ان لوگوں میں سے آخری ہیں جن پہ موت لکھ دی گئی اور وہ مر گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جواب میں سلام کے بعد لکھا اپنے آپ کو یوں سمجھیں کہ آپ دنیا میں کبھی تھے ہی نہیں اور گویا آپ ہمیشہ سے آخرت میں ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا میں داخلہ آسان ہے لیکن اس سے نکلنا مشکل ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا اس آدمی پہ تعجب ہے جو جانتا ہے کہ موت حق ہے پھر وہ کیسے خوش ہوتا ہے، اور اس پہ بھی تعجب ہے جو جہنم کو حق سمجھتا ہے پھر وہ کیسے ہنستا ہے؟ وہ شخص بھی تعجب کے لائق ہے جو دنیا کو دنیا داروں کے ساتھ بدلتا دیکھتا ہے تو وہ کس طرح اس پر مطمئن ہے۔

اس آدمی پر بھی تعجب ہے جو تقدیر کو حق سمجھنے کے باوجود مشقت اٹھاتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نجران سے ایک شخص حاضر ہوا اس کی عمر دو سو سال تھی آپ نے اس سے پوچھا کہ تُو نے دنیا کو کیسا پایا؟ اس نے کہا کچھ سال مصیبت میں گزرے اور کچھ سال آرام میں گزر گئے۔ دن رات گزرتے چلے گئے پیدا ہونے والے پیدا ہوتے ہیں اور مرنے والے مر جاتے ہیں اگر بچے پیدا نہ ہوتے تو مخلوق ختم ہو جاتی اور اگر کوئی شخص نہ مرتا تو دنیا تنگ ہو جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا جو چاہتے ہو مانگو اس نے کہا میری گذشتہ زندگی واپس لا دیں اور موت آچکی ہے اس کو روک دیں آپ نے فرمایا یہ میرے بس میں نہیں ہے اس نے کہا پھر مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ لقمان آیت ۳۳

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ نے فرمایا اے ابن آدم! تو اپنی آرزو کے پورا ہونے پر خوش ہوتا ہے تو نہیں جانتا کہ عمر خرچ کر کے تو نے یہ آرزو پائی ہے پھر تو عمل میں ٹال مٹول کرتا ہے گویا اس کا نفع کسی اور کے لیے ہے۔

حضرت بشر رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے دنیا مانگتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے زیادہ دیر ٹھہرنے کا سوال کرتا ہے۔

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا کی کوئی چیز تجھے خوش نہیں کرتی مگر اس کے ساتھ تکلیف ضرور ہوتی ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسی انسان کا نفس دنیا سے تین باتوں پر افسوس کے بغیر رخصت نہیں ہوتا ایک یہ کہ جو کچھ اس نے جمع کیا اس سے وہ سیر نہیں ہوتا اس کی امید پوری نہیں ہوتی، اور آخرت کا سامان اچھی طرح نہیں بھیج سکا۔

کسی عبادت گزار سے کہا گیا کہ آپ نے مالداری حاصل کی؟ اس نے کہا مالداری وہ شخص حاصل کرتا ہے جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔

حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا سے وہی شخص صبر کرتا ہے جس کے دل میں شغل آخرت ہو۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے دنیا کی محبت پر اتفاق کر لیا اس لیے ہم ایک دوسرے کو نیکی کا حکم نہیں دیتے۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کو برائی سے روکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس پر ہمیں معاف نہیں کرے گا نہ معلوم وہ ہم پر کونسا عذاب نازل کرے۔

حضرت ابو حازم فرماتے ہیں تھوڑی سی دنیا بہت سی آخرت سے روکتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا کو ذلیل جانو اللہ کی قسم اس سے زیادہ ذلت کے قابل کوئی چیز نہیں۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا سے عطیہ دینے کے بعد روک دیتا ہے جب وہ ختم ہو جاتا ہے تو اسے دوبارہ دیتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل و رسوا ہو تو اس کے لیے دنیا کشادہ کر دیتا ہے۔

بعض بزرگ اپنی دعا میں فرماتے تھے اے وہ ذات! جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکتی ہے البتہ یہ کہ تیری اجازت ہو، دنیا کو مجھ سے روک دے۔"

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو زندگی بھر روزہ رکھتا ہے افطار نہیں کرتا رات بھر قیام کرتا ہے سوتا نہیں اپنا مال صدقہ کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے اجتناب کرتا ہے لیکن جب قیامت کے دن اسے لایا جائے گا تو کہا جائے گا یہ وہ شخص ہے جس کی نگاہوں میں وہ چیز عظیم تھی جسے اللہ تعالیٰ نے چھوٹا قرار دیا اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے عظمت عطا فرمائی یہ اسے معمولی سمجھتا تھا، تو ہم میں سے کون ہے جو ایسا نہ ہو؟ اس کے نزدیک دنیا عظیم ہے اور اس کے علاوہ ہم نے گناہ اور خطاؤں کا ارتکاب بھی کیا حضرت ابو حازم فرماتے ہیں دنیا اور آخرت کی مشقت سخت ہو گئی آخرت کی مشقت یہ ہے کہ اس پر تمہیں مددگار حاصل نہیں

ہوتے اور دنیا کی شفقت یہ ہے کہ تم اس میں سے جس چیز پر ہاتھ مارتے ہو تو تم سے پہلے کوئی نہ کوئی بدکار اس تک پہنچ چکا ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

دنیا آسمان و زمین کے درمیان پرانے مشکیزے کی طرح لٹکی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے جس دن اسے پیدا کیا اس دن سے فنا ہونے کے دن تک یوں پکارتی ہے اے میرے رب! اے میرے رب! تو مجھے کیوں برا جانتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ناچیز! خاموش ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں دل میں دنیا کی محبت ہو یا گناہ، دونوں اسے پریشان کرتے ہیں، تو اس تک بھلائی کب پہنچے گی؟۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس آدمی کا دل دنیا کی کسی چیز کے ساتھ خوش ہو اس سے حکمت دور ہو گئی۔ اور جو شخص اپنی خواہش کو قدموں کے نیچے رکھتا ہے شیطان اس کے سائے سے بھی بھاگتا ہے اور جس شخص کا علم اس کی خواہش پر غالب ہو وہی غالب ہے۔

حضرت بشر رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص مر گیا ہے انہوں نے فرمایا اس نے دنیا کو جمع کیا اور آخرت کی طرف چلا گیا اس نے اپنے نفس کو ضائع کیا۔ عرض کیا گیا کہ وہ تو فلاں فلاں عمل کرتا تھا اس نے نیکی کے کئی دروازوں کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا جب وہ دنیا جمع کرتا تھا تو یہ اعمال اسے کیسے فائدہ پہنچائیں گے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ہم دنیا کو دشمن سمجھنے کے باوجود اس سے محبت کرتے ہیں اگر اس کو دوست سمجھتے تو کیا حال ہوتا۔

ایک دانا شخص سے پوچھا گیا کہ دنیا کس کے لیے ہے؟ انہوں نے فرمایا جو شخص اسے چھوڑ دے پوچھا گیا آخرت کس کے لیے ہے؟ فرمایا جو اسے طلب کرے۔

ایک دانا نے فرمایا دنیا ویران اور خراب گھر ہے اور اس سے زیادہ خراب وہ دل ہے جو اس کی تعمیر کرتا ہے اور جنت ایک آباد مکان ہے اور اس سے بھی زیادہ آباد وہ دل ہے جو اسے طلب کرتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ ان مریدین میں سے تھے جو دنیا میں سچی بات کہنے والے تھے انہوں نے اپنے ایک دینی اسلامی بھائی کو وعظ فرمایا اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ڈراتے ہوئے فرمایا اے میرے بھائی! بے شک دنیا پھسلنے کی جگہ ہے اور قابلِ مذمت گھر ہے اس کی عمارتیں ویران ہونے کی طرف اور اس میں رہنے والے قبروں کی طرف جا رہے ہیں اس کی جمعیت بکھرنے والی اور مالداری فقر کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس میں مال کی فراوانی، محتاجی ہے اور اس میں تنگدستی آسانی ہے پس تم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے دیئے ہوئے رزق پر راضی رہو نیز اس فنا ہونے والے مقام کو باقی رہنے والے گھر پر ترجیح نہ دو کیوں کہ تیری زندگی ڈھلتا ہوا سایہ اور گرنے والی دیوار ہے، عمل زیادہ کرو اور امیدیں

کم رکھو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا خواب میں ملنے والا ایک درہم تجھے زیادہ پسند ہے یا بیداری کی حالت میں ملنے والا دینار؟ اس نے کہا بیداری کی حالت میں ملنے والا دینار زیادہ پسند ہے آپ نے فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے کیونکہ تو دنیا میں جو کچھ پسند کرتا ہے گویا اسے خواب میں پسند کر رہا ہے اور جس چیز کو آخرت کے حوالے سے اچھا نہیں سمجھتا گویا تو بیداری کی حالت میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔

حضرت اسماعیل بن عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے دوستوں نے دنیا کو خنزیرہ کا نام دے رکھا تھا اور فرماتے مجھے اے خنزیرہ ہم سے دور رہ اور اگر وہ اس سے بھی کوئی برا نام پاتے تو اسے اس کے ساتھ موسوم کرتے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا تمہارے لیے اس قدر محبوب کر دی جائے گی کہ تم اس کی اور اس سے تعلق رکھنے والوں کی پوجا شروع کر دو گے۔

حضرت یحییٰ بن معین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

عقل مند تین قسم کے ہیں ایک وہ جو دنیا کو چھوڑ دے اس سے پہلے کہ دنیا اسے چھوڑ دے وہ جو قبر میں جانے سے پہلے قبر تیار کرتا ہے اور تیسرا وہ جو اپنے خالق سے ملاقات کرنے سے پہلے اسے راضی کرتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا اس قدر منحوس ہے کہ وہ تمہارے دل میں اس چیز کی تمنا ڈالتی ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔ تو جب تم میں اس پڑ جاؤ تو تمہاری حالت کیا ہوگی۔

حضرت بکر بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص دنیا سے بچنے کے لیے دنیا اختیار کرتا ہے وہ اس آدمی کی طرح ہے جو تنکوں کے ذریعے آگ کو بجھاتا ہے۔

حضرت بندار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تم دنیا کے بیٹوں کو زہد و تقویٰ کے بارے میں گفتگو کرتے دیکھو تو جان لو کہ اس نے ان کو مسخرہ بنا دیا ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسے اس کی آگ یعنی حرص جلا دیتی ہے یہاں تک کہ وہ راکھ ہو جاتا ہے اور جو آدمی آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسے آخرت کی حرارت صاف کر دیتی ہے اور وہ پگھلے ہوئے سونے کی طرح ہوتا ہے جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسے توحید کی آگ جلا کر نہایت قیمتی جوہر بنا دیتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں دنیا چھ چیزیں ہیں کھانا، مشروب، لباس، سواری، بیوی اور خوشبو۔ سب سے بہترین کھانا شہد ہے اور وہ مکھی کا لعاب ہے، سب سے بہترین مشروب پانی ہے اور اس میں نیک و بد برابر ہیں، بہترین لباس ریشم ہے اور وہ کیڑوں کے لعاب سے بنتا ہے، سب سے اچھی سواری گھوڑا ہے اور اس پر سوار ہو کر آدمیوں کو قتل کیا جاتا ہے سب سے زیادہ صحبت بیوی کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ پیشاب گاہ کا پیشاب میں جاتا ہے عورت اپنے بدن کے

سب سے اچھے حصے کو سنوارتی ہے لیکن اس کے سب سے بڑے مقام کی طلب ہوتی ہے اور سب سے اچھی خوشبو کستوری ہے اور وہ خون ہے۔

دنیا کی مذمت اور صفت کے بارے میں وعظ و نصیحت

بعض بزرگوں کا قول ہے اے لوگو! اس فرصت کے وقت عمل کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو امیدوں پر مت بھولو اور موت کو نہ بھولو۔ دنیا کی طرف مائل نہ ہو بے شک یہ دھوکہ باز ہے وہ دھوکے کے ساتھ بن ٹھن کر تمہارے سامنے آتی ہے اور اپنی خواہشات کے ذریعے تمہیں فتنے میں ڈالتی ہے طالبین کے لیے وہ اس طرح مزین ہوتی ہے جیسے جلوہ کے وقت دلہن ہوتی ہے کہ تمام نگاہیں اس کی طرف اٹھتی ہیں دل اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نفس انسانی اس کا عاشق بن جاتا ہے، اس نے کتنے ہی عاشقوں کو ہلاک کیا اور جنہوں نے اس سے اطمینان حاصل کرنا چاہا ان کو ذلیل و رسوا کیا لہذا اسے حقیقت کی نگاہ سے دیکھو کیوں کہ یہ مصیبتوں سے بھرپور مقام ہے اس کے خالق نے اس کی مذمت کی اس کا نیا پرانا ہوتا ہے اسے چاہنے والا مر جاتا ہے اور اس کا اچھا بھی فوت ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے غفلت سے بیدار ہو جاؤ، نیند سے آنکھیں کھولو ایسا نہ ہو کہ اعلان کیا جائے فلاں شخص بیمار ہے اور اس کی بیماری نے شدت اختیار کر لی کوئی دوا ہے؟ یا ڈاکٹر تک جانے کی کوئی صورت ہے؟ اب تمہارے لیے حکیموں کو بلایا جاتا ہے لیکن شفا کی امید نہیں ہوتی پھر کہا جاتا ہے فلاں نے وصیت کی اور اپنے مال کا حساب کیا پھر کہا جاتا ہے اب اس کی زبان بھاری ہو گئی اب وہ اپنے بھائیوں سے بات نہیں کرتا اور پڑوسیوں کو پہچانتا نہیں اب تمہاری پیشانی پر پسینہ آگیا رونے کی آوازیں آنے لگیں اور موت کا یقین ہو گیا تمہاری پلکیں بند ہونے سے موت کا گمان یقین میں بدل گیا زبان تھر تھرا رہی ہے تیرے بہن بھائی رو رہے ہیں تمہیں کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا فلاں بیٹا ہے، یہ فلاں بھائی ہے لیکن تو کلام کرنے سے روک دیا گیا پس تو بول نہیں سکتا تمہاری زبان پر مہر لگ گئی لہذا آواز نہیں نکلتی پھر تمہیں موت آگئی اور تیری روح اعضاء سے نکل گئی پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا گیا اس وقت تمہارے بھائی جمع ہوتے ہیں پھر تمہارے کفن لاتے ہیں اور تمہیں غسل دے کر کفن پہناتے ہیں۔

اب تمہاری عیادت کرنے والے خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور تیرے حاسد بھی آرام پاتے ہیں گھر والے تمہارے مال کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور تمہارے اعمال گروی ہو جاتے ہیں۔

ایک بزرگ نے کسی بادشاہ سے فرمایا دنیا کی مذمت اور اس سے دشمنی اسی شخص کو زیب دیتی ہے جس کے لیے دنیا کو پھیلایا گیا اور اس کی کوئی حاجت پوری ہونے سے نہ رہی ہو کیونکہ اسے کسی آفت کا ڈر ہوتا ہے جو اس کے مال پر حملہ آور ہو کر اسے محتاج کر دے یا اس کی جماعت کو منتشر کر دے یا اس کے اقتدار کو ختم کر دے یا اس کے جسم

پر قبضہ کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے یا اسے ایسی چیز کا جانا پریشان کرے جسے وہ بخل کی وجہ سے دوستوں سے بھی چھپائے رکھتا تھا اس وقت دنیا قابلِ مذمت ہے کیونکہ یہی وہ بلا ہے جو دے کر لے لیتی ہے. ہبہ کر کے واپس لیتی ہے اسی دوران کہ ایک دنیا دار ہنس رہا ہوتا ہے یہ دوسروں کو اس پر ہنساتی ہے ایک شخص اس کے لیے روتا ہے تو تھوڑی دیر میں کوئی دوسرا اس پر روتا ہے ابھی یہ کسی کو کچھ دینے کے لیے ہاتھ کھولتی ہے تو فوراً واپس لینے کے لیے ہاتھ کھول دیتی ہے ایک دن اس کے سر پر تاج رکھتی ہے اور دوسرے دن اس کے سر کے نیچے مٹی ہوتی ہے کوئی جائے یا باقی رہے اس کے نزدیک برابر ہے اسے باقی رہنے والوں میں جانے والوں کے نائب مل جاتے ہیں اور ہر ایک سے اس کے بدل پر راضی ہوتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کو لکھا حمد و صلوٰۃ کے بعد! دنیا سفر کی جگہ ہے ٹھہرنے کی نہیں آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر بطور عقوبت اتارے گئے لہٰذا اے امیر المومنین! اس سے بچیں کیوں کہ اس کو چھوڑنا ہی آخرت کا زادِ راہ ہے اور یہاں کی مالداری آخرت کی محتاجی ہے ہر وقت کسی نہ کسی کو ہلاک کرتی ہے اور جو اسے جمع کرتا ہے اسے محتاج کر دیتی ہے یہ زہر کی طرح ہے جو اسے نہیں جانتا وہ اسے کھاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے لہٰذا آپ اس دنیا میں اس طرح رہیں جس طرح کوئی شخص اپنے زخموں کا علاج کرتا ہے اور وہ زیادہ مدت تکلیف اٹھانے سے بچنے کے لیے تھوڑی مدت پرہیز کرتا ہے دوائی کی شدت پر صبر کرتا ہے کہ کہیں بیماری لمبی نہ ہو جائے تو اس دھوکے باز، مکار اور فریبی دنیا سے بچتے رہیں۔ جو اپنے دھوکے کے ساتھ مزین ہوتی ہے اور دھوکے سے فتنے میں مبتلا کرتی ہے امیدوں کے ذریعے وہ دل میں اتارتی اور ہلاک کرتی ہے دلہن کی طرح بنتی سنورتی ہے کہ آنکھیں اس کی طرف اٹھتی ہیں، دل اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نفس اس کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں اس نے اپنے تمام شوہروں کو مار ڈالا لیکن بعد والے ماضی سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی بعد والے پہلے والوں سے نصیحت حاصل کرتے ہیں کسی عارف باللہ کو اس کی خبر دی جائے تو وہ بھی نصیحت حاصل نہیں کرتا بہت سے ایسے عاشق ہیں کہ جب دنیا سے ان کی حاجت پوری ہو جاتی ہے تو وہ مغرور اور سرکش ہو جاتے ہیں اور آخرت کو بھول جاتے ہیں اپنی عقل کو اسی میں لگا دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے قدم پھسل جاتے ہیں اور بہت بڑی ندامت اٹھانا پڑتی ہے اور بہت زیادہ حسرت ہوتی ہے حتیٰ کہ اس پر سکرات الموت اور اس کی تکلیف جمع ہو جاتی ہے نیز مقصد کے فوت ہونے پر غصہ آتا ہے جو شخص دنیا میں رغبت کرتا ہے وہ اس سے اپنا مطلب حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی مشقت سے اس کا نفس آرام پاتا ہے وہ زادِ راہ کے بغیر چل دیتا ہے اور اس کے پاس کوئی بچھونا نہیں ہوتا اسے امیر المومنین! اس دنیا سے بچئے جو کچھ اس میں ہے اس پر جب زیادہ خوشی ہو تو اس کے انجام سے ڈریں کیوں کہ دنیا دار جب اس سے مطمئن ہو کر خوش ہوتا ہے تو وہ اسے رنج میں ڈال دیتی ہے دنیا پر جو آدمی خوش ہوتا ہے وہ دھوکے میں ہے اور جو اس میں آج نفع حاصل کرتا ہے وہ کل نقصان اٹھائے گا۔ اس میں وسعتِ عیش مصیبت کے ذریعے پہنچتی ہے

اور اس کی بقا فنا تک لے جاتی ہے اس کی خوشی میں دکھوں اور غموں کی ملاوٹ ہے اس میں سے جو کچھ گذر جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا اور معلوم نہیں کیا چیز آئے گی۔ پس وہ انتظار کرتا ہے اس کی آرزوئیں جھوٹی اور امیدیں باطل ہیں اس کا صاف گدلا اور عیش، حسرت ہے انسان کو اس میں خطرہ ہی خطرہ ہوتا ہے اور اگر غور و فکر کرے تو معلوم ہوگا کہ اس کی نعمتوں کے جدا ہوتے کا خوف الگ ہے۔ اور پریشانیوں کا ڈر بھی رہتا ہے اگر خالق کائنات نے اس کے بارے میں خبر نہ دی ہوتی اور اس کے لیے مثال بیان نہ کی ہوتی تب بھی یہ سونے والے کو جگا دیتی اور غافل کو خبردار کرتی تو اب کیسے بیداری نہ ہوگی جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھڑکنے والا آگیا اور اس میں واعظ بھی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور اس نے جب سے اسے پیدا کیا اس کی طرف نہیں دیکھا اور آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی چابیاں اور خزانے پیش کیے گئے۔ اگر آپ قبول فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہ آتی لیکن آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار فرمایا (۱)

کیونکہ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کریں یا اس چیز کو پسند کریں یا اس چیز کو پسند کریں جسے آپ کا خالق ناپسند فرمایا ہے یا ایسی چیز کی قدر افزائی فرمائیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بے قدر ہے اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کی آزمائش کے لیے اسے ان سے دُور رکھا اور اپنے دشمنوں کو مغالطہ دینے کے لیے ان کے لیے پھیلا دیا تو جسے اس سے دھوکہ ہوجاتا ہے اور وہ اس پر قدرت حاصل کرلیتا ہے تو اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے ذریعے عزت دی ہے اور اسے وہ معاملہ یاد نہیں رہتا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا کہ آپ نے اپنے بطنِ مبارک پر پتھر باندھے (۲)

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا جب کسی مالدار کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھیں تو کہیں کہ کسی لغزش کی سزا جلدی آئی ہے اور جب فقر کو آتا دیکھیں تو یوں کہیں نیک لوگوں کی نشانی کا آنا مبارک ہو۔

اور اگر چاہو تو حضرت روح اللہ اور کلمۃ اللہ عیسیٰ علیہ السلام کی اقتدا کرو آپ فرمایا کرتے تھے میرا سالن بھوک ہے میرا شعار خوف اور میرا لباس اُون ہے سردیوں میں میری انگیٹھی سورج کی دھوپ ہے میرا چراغ چاند ہے میری سواری میرے پاؤں ہیں میرا کھانا اور پھل وہ ہے جسے زمین اگاتی ہے رات کو سوتا ہوں تو میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور جب صبح اٹھتا ہوں تو بھی کچھ نہیں ہوتا اور زمین پر مجھ سے زیادہ مالدار کوئی نہیں۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸، ص ۲۰۷، حدیث ۷۶

(۲) جامع الترمذی ص ۳۴۲، ابواب الزھد

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ اس کے دنیوی لباس سے نہ ڈرنا کیونکہ اس کی پیشانی میرے قبضے میں ہے اس کا سانس لینا، گفتگو کرنا اور آنکھیں بند کرنا سب کچھ میرے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اور تمہیں اس کے ظاہری ٹھاٹھ باٹھ پر بھی حیرانگی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ ظاہری زندگی کی چمک دمک ہے اور دولتمند لوگوں کی زینت ہے اگر میں چاہوں تو تم لوگوں کو بھی دنیا سے زینت عطا کروں جس سے فرعون کو معلوم ہو جائے کہ اس کی طاقت اس سے کم ہے جو میں نے آپ دونوں کو عطا کیا۔ میں ایسا کر سکتا ہوں لیکن میں اس چیز کو آپ دونوں سے دُور رکھنا چاہتا ہوں میں اپنے دوستوں کے ساتھ اسی طرح کرتا ہوں۔

میں اپنے دوستوں کو دنیا کی نعمتوں سے اس طرح دُور رکھتا ہوں جیسے کوئی شفیق چرواہا اپنی بکریوں کو ہلاکت میں ڈالنے والی چراگاہوں سے دُور رکھتا ہے میں ان کو ان سے اس طرح بچاتا ہوں جیسے کوئی شفیق چرواہا اپنے اونٹوں کو دھوکے مقامات سے بچاتا ہے۔

یہ اس لیے نہیں کہ ان لوگوں کی میرے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں لیکن اس لیے کہ وہ میری طرف سے عزت کا پورا پورا حصہ حاصل کریں۔ میرے دوست میرے لیے عاجزی، خوف، اور جھکاؤ کے ذریعے زینت حاصل کرتے ہیں نیز وہ تقویٰ سے مزین ہوتے ہیں جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کے جسموں پر ظاہر ہوتا ہے یہ ان کا لباس ہے جسے وہ پہنتے ہیں اور یہی ان کا شعار ہے جسے وہ ظاہر کرتے ہیں یہی ان کی قلبی دولت ہے جس کا وہ شعور رکھتے ہیں اور وہ نجات ہے جس کے ذریعے کامیابی حاصل کرتے ہیں یہی ان کی امید ہے جس کی وہ توقع رکھتے ہیں اور بزرگی ہے جس پر وہ فخر کرتے ہیں اسی نشانی سے وہ پہچانے جاتے ہیں جب تم ان سے ملاقات کرو تو ان کے لیے جھک جاؤ اور اپنے دلوں اور زبانوں سے انکساری ظاہر کرو اور جان لو کہ جو شخص میرے کسی دوست کو ڈراتا ہے وہ مجھے لڑائی کی دعوت دیتا ہے پھر میں قیامت کے دن اسے اس کا بدلہ دوں گا۔ ایک دن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جان لو اتم مرنے والے ہو اور موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں اپنے اعمال سے آگاہی ہوگی اور ان کا بدلہ دیا جائے گا پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے کیوں کہ وہ مصائب سے ڈھانپی گئی ہے اس کا فنا ہونا معروف ہے اور دھوکہ دہی اس کی صفت ہے اس میں جو کچھ ہے زوال پذیر ہے اور یہ اپنے چاہنے والوں کے پاس گردش میں رہتی ہے ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتی اس میں رہنے والے اس کے شر سے محفوظ نہیں رہتے ابھی وہ فراخی اور خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں تو اچانک مصیبت میں پھنس جاتے ہیں اس کے حالات مختلف اور مراتب تغیر پذیر ہیں اس کی زندگی مذموم اور فراخی عارضی ہے اس کے باشندے نشانے پر رہتے ہیں یہ ان کی طرف تیر اندازی کرتی ہے اور موت کے ذریعے سب کو ختم کر دیتی ہے موت کو سب نے چکھنا ہے۔

اے اللہ کے بندو! جان لو کہ تم اور یہ دنیا جس میں تم رہتے ہو پہلے لوگوں کی حالت کی طرح ہے ان کی عمریں تم سے زیادہ تھیں ان کے پاس قوت بھی زیادہ تھی انہوں نے مکانات بنائے لیکن طول انقلاب کی وجہ سے اب ان کی آواز بھی مٹ گئی ان کے جسم پرانے ہوگئے شہر الٹ گئے نشانات مٹ گئے عالیشان محلات عمدہ فرش اور گاؤ تکیے ختم ہوگئے اور اب وہ قبروں میں پتھروں اور اینٹ گارے سے بدل گئے قبریں ایک دوسرے کے قریب ہیں لیکن قبروں والے ایک دوسرے سے اجنبی ہیں وہ ایسے لوگوں میں جا پڑے جو وحشت زدہ عمارتوں والے اور مشغول محلے والے ہیں ان مکانات کے ساتھ ان کا اُنس نہیں اور نہ ہی پڑوسیوں اور بھائیوں کے ساتھ قرب اور تعلق ہے حالانکہ ان کے مکان ایک دوسرے کے قریب ہیں لیکن ان کا ملاپ ممکن نہیں کیونکہ پرانا ہو جانے نے ان کو پیس ڈالا اور مٹی اور پتھروں نے ان کو ختم کر دیا اور زندگی کے بعد وہ موت کا شکار ہوگئے۔ زندگی کی تر و تازگی کے بعد ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ان کی وجہ سے احباب پریشانی میں مبتلا ہوئے اور وہ مٹی کے نیچے جا بسے اور یوں گئے کہ اب واپسی کبھی نہ ہوگی۔

ارشاد خداوندی ہے۔

كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔ (۱)

ہرگز نہیں، یہ ایک کلمہ ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے پیچھے برزخ ہے اس دن تک جب اٹھائے جائیں گے

گویا تم بھی ادھر چلے گئے جدھر وہ گئے ہیں اور وہ قبریں تنہائی اور گلنا سڑنا ہے اس خواب گاہ میں تم گروی ہو گئے اور اس ٹھکانے سے مل جاؤ گے اگر تم یہ تمام امور دیکھو تو کیا صورت حال ہو؟ قبور سے تمہیں نکالا جائے گا اور دل کی باتیں اگلوائی جائیں گی اور اس کے لئے تمہیں اس عظیم بادشاہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گذشتہ گناہوں کے سبب خوف سے دل اڑتے ہوں گے پردے اٹھ جائیں گے اور تمہاری پوشیدہ باتیں سب ظاہر ہو جائیں گی اس وقت ہر نفس کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى (۲)

تاکہ وہ برائی کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے

نیز ارشاد فرمایا:

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ

اور جب نامۂ اعمال رکھا جائے گا تو مجرم ڈرتے ہوئے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۱۰۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۳۱

اس میں لکھے ہوئے کو دیکھیں گے۔ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم سب کو اپنی کتاب پر عمل اور اپنے دوستوں کے راستوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے یہاں تک کہ ہم سب کو ہمیشہ رہنے کی جگہ میں پہنچادے بے شک وہ تعریف اور بزرگی والا ہے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ دن تیر ہیں لوگ نشانہ ہیں اور زمانہ ہر دن تمہاری طرف اپنا تیر پھینکتا ہے اور اپنے دنوں اور راتوں کے ذریعے تمہیں ہلاک کرتا ہے حتیٰ کہ تمام عمر پوری ہو جاتی ہے تو اس گردش ایام دلیل کے باوجود تو کیسے سلامت رہ سکتا ہے ان دنوں نے تمہارے اندر جو نقصان کیا ہے اگر اسے ظاہر کیا جائے تو ہر آنے والے دن سے تو گھبرا جائے اور ان ساعتوں کا گزرنا تجھ پر گراں گزرے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اس سوچ پر غالب ہے ان آفات کے باوجود انسان دنیوی لذات سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ اندر اُن سے بھی زیادہ کڑوا ہے جب کوئی حکیم اس سے خمیر بناتا ہے، اس کے ظاہر کو دیکھ کر کوئی بھی اس کے عیب بیان نہیں کر سکتا اور اس دنیا کے عجائب کا احاطہ کوئی واعظ بھی نہیں کر سکتا یا اللہ! سیدھے راستے کی طرف ہماری راہنمائی فرما کسی دانا سے جب دنیا کے وصف اور اس کے باقی رہنے کی مقدار کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا دنیا اس وقت کا نام ہے جس میں آدمی پلک جھپکتا ہے کیونکہ جو گزر گیا وہ فوت ہو گیا واپس نہیں آئے گا اور آنے والے کے بارے میں معلوم نہیں اور زمانہ وہ دن ہے جس پر رات ماتم کرتی ہے اور اس کی ساعتوں کو لپیٹ دیتی ہے اس کے حوادث انسان پر برابر آتے رہتے ہیں اور اس میں تغیر و تبدل پیدا کرتے ہیں اور زمانہ جماعتوں کو متفرق کرتا ہے، اور دولت کو ادھر اُدھر منتقل کرتا ہے، امید لمبی اور عمر چھوٹی ہے اور سب کاموں کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! تمہیں ایک کام کے لیے پیدا کیا گیا اگر تم اس کی تصدیق کرتے ہو تو بیوقوف ٹھہرتے ہو اور اگر اسے جھوٹ سمجھتے ہو تو ہلاک ہونے ہو تمہیں ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا کیا گیا لیکن تم ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو گے۔

اے بندگانِ خدا! تم ایسے گھر میں ہو کہ کھانا کھاتے ہو تو گلے میں اٹک جاتا ہے پانی پیتے ہو تو اُچھو لگتا ہے کسی نعمت سے تمہیں خوشی حاصل ہوتی ہے تو ساتھ ہی دوسری نعمت کے جانے کا افسوس بھی ہوتا ہے تو اب تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے کدھر جانا ہے اور کہاں ہمیشہ رہنا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ یہ بات فرمانے کے بعد بہت روئے اور منبر سے اتر آئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس دنیا کو

---

(۱) قرآن مجید سورہ کہف آیت ۴۹

چھوڑنے کی نصیحت کرتا ہوں جو تمہیں چھوڑنے والی ہے، اگرچہ تم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے تمہارے جسموں کو پرانا کر رہی ہے حالانکہ تم ان کو نیا کرنا چاہتے ہو تمہاری اور دنیا کی مثال اس قوم کی طرح ہے جو سفر میں تھے وہ ایک راستے پر چلے اور گویا انہوں نے اسے طے کر لیا اور پہاڑ کی طرف چلے اور گویا وہاں تک پہنچ گئے راستہ تو چلتے چلتے ختم ہو جاتا ہے، اور جس کے پاس یہ دنیا ہے اس کے لیے ایک دن بھی باقی نہیں رہے گا اور اس کے پیچھے ایک متلاشی ہے جو اسے اس سے جدا کر دے گا۔

پس تمہیں دنیا کی تکلیف اور نقصان پر پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ بالآخر ختم ہونے والی ہے اور اس کی نعمتوں اور ساز و سامان پر خوش بھی نہیں ہونا چاہیے کہ یہ زوال پذیر ہے طالب دنیا پر تعجب ہے کہ موت اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے اور وہ دنیا کی تلاش میں ہے وہ موت سے غافل ہے جب کہ موت اس سے غافل نہیں ہے۔

حضرت محمد بن حسین رحمہ اللہ نے فرمایا جب فضیلت، علم، معرفت اور ادب والے لوگوں کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی کوئی حیثیت نہیں اور اس نے اسے اپنے دوستوں کے لیے پسند نہیں فرمایا نیز وہ اس کے نزدیک حقیر اور قلیل ہے نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بے رغبتی اختیار کی اور اپنے صحابہ کرام کو اس کے فتنہ سے ڈرایا تو انہوں نے اس سے اعتدال کے طریقے پر کھایا اور جو کچھ بچا اسے آگے بھیجا دنیا سے بقدر کفایت لیا۔ اور جو کچھ لہو و لعب میں مبتلا کرنے والا تھا اسے چھوڑ دیا انہوں نے اس قدر لباس پہنا جس نے ستر کو ڈھانپا اور کھانا صرف اس قدر کھایا جس نے بھوک کو ختم کیا اور دنیا کو اس طرح دیکھا کہ وہ فنا ہونے والی ہے اور آخرت کو باقی رہنے والی دیکھا پس انہوں نے دنیا سے صرف اس قدر لیا جس قدر ایک سوار لیتا ہے انہوں نے دنیا کو برباد کر کے آخرت کو آباد کیا انہوں نے آخرت کو دل سے دیکھا اور اس بات پر یقین کیا کہ عنقریب وہ اسے ظاہری آنکھ سے دیکھیں گے لہٰذا وہ دل کے ذریعے آخرت کی طرف کوچ کر گئے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ وہ عنقریب اپنے جسموں کے ذریعے اس کی طرف جائیں گے انہوں نے دنیا میں تھوڑی سے مشقت برداشت کر کے طویل نعمت حاصل کی یہ سب کچھ ان کے کریم مولا کی توفیق سے ہوا انہوں نے اس چیز کو پسند کیا جسے ان کے رب نے ان کے لیے پسند کیا اور اسے ناپسند کیا جسے ان کے رب نے ان کے لیے محبوب قرار نہیں دیا۔

مثالوں کی ذریعے دنیا کی کیفیت کا بیان

جان لو کہ دنیا جلد فنا ہونے والی اور ختم ہونے والی ہے ہر ایک سے باقی رہنے کا وعدہ کرتی ہے اور پھر وعدہ پورا نہیں کرتی تم اسے دیکھو تو ٹھہری ہوئی نظر آتی ہے حالانکہ بہت تیز رفتاری سے جا رہی ہے اسے دیکھنے والا بعض اوقات اس کی حرکت کو محسوس نہیں کرتا لہٰذا وہ اس پر مطمئن ہوتا ہے لیکن جب وہ چلی جاتی ہے تو پھر احساس پیدا ہوتا ہے۔

اس کی مثال سائے جیسی ہے وہ بھی ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ حرکت کر رہا ہے صرف ظاہری طور پر ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے ظاہری آنکھ سے اس کی حرکت کا پتہ نہیں چلتا بلکہ باطنی آنکھ سے معلوم ہوتا ہے۔

جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس دنیا کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے یوں فرمایا۔

اَحْلَامُ نَوْمٍ اَوْ كَظِلٍّ زَائِلٍ اِنَّ اللَّبِيْبَ بِمِثْلِهَا لَا يُخْدَعُ۔

یہ نیند کی حالت میں خواب ہے یا زائل ہونے والا سایہ بے شک عقل مند آدمی کو اس قسم کی چیز سے دھوکہ نہیں ہوتا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اکثر اس کی مثال اس طرح دیا کرتے تھے۔

يَا اَهْلَ لَذَّاتِ دُنْيَا لَا بَقَاءَ لَهَا اِنَّ اغْتِرَارًا بِظِلٍّ زَائِلٍ حُمْقٌ۔

اے فانی دنیا کی لذات سے تعلق رکھنے والے بے شک زائل ہونے والے سائے سے دھوکہ کھانا بیوقوفی ہے۔

کہا گیا ہے کہ آپ کا اپنا قول ہے۔

کہا گیا ہے کہ ایک دیہاتی ایک قوم کے پاس بطور مہمان اترا انہوں نے اس کے سامنے کھانا رکھا تو اس نے کھایا پھر وہ خیمے کے سائے میں چلا گیا اور وہاں سو گیا جب انہوں نے خیمہ اکھاڑا تو اسے دھوپ محسوس ہوئی وہ جاگا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

اَلَا اِنَّمَا الدُّنْيَا كَظِلِّ ثَنِيَّةٍ وَلَا بُدَّ يَوْمًا اَنَّ ظِلَّكَ زَائِلُ۔

سنو! بے شک دنیا ٹیلے کے سائے کی طرح ہے اور ضرور ایک دن تمہارا سایہ زائل ہونے والا ہے۔

اسی طرح کہا گیا ہے۔

وَاِنَّ امْرَاءً دُنْيَاهُ اَكْبَرُ هَمِّهِ لَمُسْتَمْسِكٌ مِنْهَا بِحَبْلِ غُرُوْرٍ۔

اگر کسی شخص کا سب سے بڑا غم دنیا ہو تو وہ اس سے دھوکے کی رسی کو پکڑے ہوئے ہے۔

یہ دنیا کی دوسری مثال ہے کہ دنیا اپنے خیالات سے دھوکہ دیتی ہے پھر اس کے جانے کے بعد وہ مفلس ہو جاتا ہے۔

اس اعتبار سے یہ خواب کے خیالات کی طرح ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلدُّنْيَا حُلُمٌ وَاَهْلُهَا عَلَيْهَا مُجَازُوْنَ وَمُعَاقَبُوْنَ۔ (۱)

دنیا خواب کی طرح ہے لیکن دنیا والوں کو جزا و سزا ہو گی۔

حضرت یونس بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے دنیا کو اپنے دل میں سوتے والے آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے وہ خواب میں ناپسندیدہ اور اچھی دونوں طرح کی باتیں دیکھتا ہے ابھی وہ اسی حالت میں ہوتا ہے کہ جاگ جاتا ہے

---

(۱)

اسی طرح لوگ غفلت میں ہیں جب موت آئے گی تو جاگ جائیں گے ۔لیکن اس وقت ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہو گا جس کا سہارا لیں اور اس سے خوشی حاصل کریں کسی دانا سے پوچھا گیا کہ دنیا کس چیز سے زیادہ مشابہ ہے انہوں نے فرمایا سونے والے کے خوابوں کی طرح ہے۔

ایک اور مثال جس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا اپنے لوگوں سے دشمنی کرتی ہے اور اپنی ہی اولاد کو ہلاک کرتی ہے۔

جان لو! دنیا کی فطرت یہ ہے کہ وہ شروع شروع میں نرمی کا برتاؤ کرتی ہے اور بالآخر ہلاکت تک پہنچاتی ہے اور یہ عورت کی طرح ہے جو نکاح کے لیے بناؤ سنگار کرتی ہے لیکن جب نکاح کر لیتی ہے تو ہلاک کر دیتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے دنیا سے پردہ اٹھایا گیا تو انہوں نے اسے ایک بوڑھی عورت کی صورت میں دیکھا جس نے ہر طرح کا بناؤ سنگھار کر رکھا تھا اور وہ کمزور تھی آپ نے پوچھا تم نے کتنی شادیاں کی ہیں؟ اس نے کہا بے شمار۔

پوچھا کیا وہ سب کے سب مر گئے یا انہوں نے تمہیں طلاق دے دی، اس نے کہا نہیں بلکہ میں نے ان سب کو قتل کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے باقی شوہروں کے لیے خرابی ہے وہ تمہارے پہلے خاوندوں سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے کہ تم نے کس طرح ان کو ایک ایک کر کے ہلاک کر دیا لیکن یہ تجھ سے نہیں ڈرتے دنیا کی ایک اور مثال کہ اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہے جاننا چاہیے کہ دنیا ظاہری طور پر مزین ہے لیکن اس کا باطن بہت قبیح ہے یہ اس بوڑھی عورت کی طرح ہے جس نے زیب و زینت اختیار کر رکھی ہے اور اپنے ظاہر سے لوگوں کو دھوکہ دیتی ہے لیکن جب وہ اس کے باطن سے واقف ہو جاتے ہیں اور اس کے چہرے سے پردہ ہٹاتے ہیں اور اس کی خرابیاں سامنے آتی ہیں تو وہ اس کے پیچھے جانے پر نادم ہوتے ہیں۔ اور اس بات پر شرمندہ ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنی عقل کی کمزوری کے باعث اس کے ظاہر سے دھوکہ کھایا۔

حضرت علاء بن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

میں نے خواب میں ایک بہت بوڑھی عورت کو دیکھا جس کی جلد سکڑی ہوئی تھی لیکن وہ زیورات سے لدی ہوئی تھی ، لوگ اس پر جھکے ہوئے اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے میں آیا اور مجھے ان لوگوں کے وہاں کھڑا ہونے اور اس کی طرف دیکھنے پر تعجب ہوا میں نے کہا تجھے ہلاکت ہو تو کون ہے؟ اس نے کہا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ تو کون ہے اس نے کہا میں دنیا ہوں میں نے کہا میں تیرے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس نے کہا اگر تو میرے شر سے بچنا چاہتا ہے تو درہم (روپے پیسے) سے نفرت کر۔

حضرت ابو بکر بن عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں دنیا کو دیکھا کہ وہ ایک نہایت بوڑھی بدصورت عورت ہے

اپنے ہاتھوں سے تالیاں بجا رہی ہے اور لوگ اس کے پیچھے تالیاں بجاتے اور رقص کرتے ہیں جب وہ میرے سامنے آئی تو میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی اگر میں تجھے قابو کر سکتی تو تمہارا بھی وہی حشر کرتی جو ان لوگوں کا کیا ہے اس کے بعد حضرت ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ رونے لگے۔ اور فرمایا میں نے بغداد شریف میں آنے سے پہلے اسے دیکھا تھا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قیامت کے دن دنیا کو ایک بدصورت نیلی آنکھوں والی بڑھیا کی صورت میں لایا جائے گا اس کے دانت آگے کو نکلے ہوں گے اور وہ نہایت بدصورت ہوگی وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوگی تو ان سے پوچھا جائے گا کیا اسے جانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہم اس کی پہچان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں تو کہا جائے گا یہ دنیا ہے جس پر تم فخر کرتے تھے اس کی وجہ سے رشتہ داری کے تعلقات ختم کرتے تھے اسی کے سبب ایک دوسرے سے حسد کرتے، دشمنی کرتے اور غرور کرتے تھے۔

پھر اس (دنیا) کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو وہ آواز دے گی اے میرے رب! میری اتباع کرنے والے اور میری جماعت کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان کو بھی اس کے ساتھ کر دو۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص کی روح کو اوپر لے جایا گیا تو راستے میں ایک عورت تھی اس نے عمدہ لباس اور زیورات پہن رکھے تھے اس کے پاس سے جو بھی گزرتا اسے زخمی کر دیتی جب پیٹھ پھیرتی تو بہت خوبصورت نظر آتی لیکن جب سامنے آتی تو نہایت قبیح ہوتی بوڑھی، بدصورت آنکھوں والی، اس نے کہا میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس بوڑھی عورت نے کہا اللہ کی قسم! نہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ تجھے مجھ سے نہیں بچائے گا جب تک تو دولت سے نفرت نہ کرے اس نے کہا تو کون ہے؟ بوڑھی نے جواب دیا میں دنیا ہوں۔

دنیا کی ایک اور مثال اور انسان کا اس کے پاس سے گزر جانا جان لو! تین حالتیں ہیں ایک وہ حالت ہے جب تم کچھ بھی نہ تھے، اور یہ ازل سے تمہاری پیدائش تک ہے، دوسری حالت وہ ہے جس میں تم دنیا کو نہیں دیکھو گے اور یہ مرنے سے ابد تک ہے۔ اور ایک ازل و ابد کے درمیان والی حالت ہے۔ اور یہ تیری دنیوی زندگی ہے تو اس کو ازل و ابد کی نسبت سے دیکھو کہ یہ کس قدر طویل ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ ایک طویل سفر کی چھوٹی سی منزل ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا وَاِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ الدُّنْیَا کَمَثَلِ رَاکِبٍ سَارَ فِیْ یَوْمٍ صَائِفٍ فَرُفِعَتْ لَہٗ شَجَرَۃٌ فَقَالَ تَحْتَ ظِلِّہَا سَاعَۃً ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَہَا۔ (۱)

میرا دنیا سے کیا تعلق ہے میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی طرح ہے جو گرمی کے دنوں میں چلتا ہے پھر ایک درخت سامنے آتا ہے تو وہ ایک ساعت اس کے سائے میں آرام کرتا ہے پھر اسے وہاں ہی چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۰۱ مرویات ابن عباس

جو شخص دنیا کو اس طرح کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ اس کی طرف رغبت نہیں کرتا اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے ایام زندگی کس طرح گزرے تنگی اور تکلیف میں یا خوشی اور کشادگی کی حالت میں، اور وہ اینٹ پہ اینٹ بھی نہیں رکھتا (ضرورت سے زیادہ تعمیر نہیں کرتا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تادم وصال اینٹ پہ اینٹ اور بانس پہ بانس نہیں رکھا(۱) (مکان نہیں بنایا) آپ نے ایک صحابی کا مکان دیکھا جو چونے سے بنایا گیا تھا تو فرمایا معاملہ اس سے جلدی کا ہے اور آپ نے اس تعمیر کو ناپسند فرمایا (۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "دنیا ایک پل ہے اسے عبور کرو آباد نہ کرو" یہ ایک واضح مثال ہے کیوں کہ دنیا آخرت تک پہنچانے والا ایک راستہ ہے پنگھوڑا وہ پہلا نشان ہے جو پل کے شروع میں ہوتا ہے اور قبر اس کا آخری نشان ہے اور ان دونوں کے درمیان محدود مسافت ہے بعض لوگ نصف پل طے کرتے ہیں کچھ لوگ اس کا تہائی حصہ طے کرتے ہیں اور بعض لوگ اس کا دو تہائی طے کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگوں کے لیے ایک قدم کی مسافت باقی رہ گئی لیکن وہ اس بات سے غافل نہیں اور کیا حالت ہوگی حالانکہ عبور کرنا ضروری ہے اور جب تم نے پل کو عبور کرنا ہے تو پھر اس پر مکان بنانا اور اسے زینت دینا انتہائی درجہ کی جہالت اور رسوائی ہے دنیا کی ایک اور مثال کہ اس میں داخل ہونا آسان اور اس سے نکلنا مشکل ہے جان لو! ابتداءً دنیا آسان اور نرم ظاہر ہوتی ہے اور اس میں مشغول ہونے والا خیال کرتا ہے کہ اس سے سلامتی کے ساتھ نکل جانا بھی آسان ہے حالانکہ یہ بات نہیں کیونکہ اس میں مشغول ہونا آسان ہے لیکن سلامتی کے ساتھ باہر آنا بہت مشکل ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دنیا کی مثال یوں لکھ بھیجی کہ یہ سانپ کی طرح ہے اس کا جسم نرم و ملائم ہے (آسانی سے چھوا جاسکتا ہے) لیکن اس کا زہر ہلاک کر دیتا ہے لہٰذا اس میں سے جو چیز تمہیں اچھی لگے اس سے دور ہو کیوں کہ وہ تمہارا ساتھ بہت کم دے گی اس کی جدائی پہ یقین رکھتے ہوئے اس کے خیالات کو دور کر دو اس کی سب سے زیادہ خوشی کی حالت سے زیادہ پرہیز کرو کیوں کہ جب دنیا دار اس سے خوش ہو کر مطمئن ہو جاتا ہے تو اسے اس سے ناپسندیدہ بات پہنچتی ہے۔

دنیا کی ایک اور مثال کہ جو شخص اس سے تعلق پیدا کرنے کے بعد اس کے پیچھے چلتا ہے اس کے لیے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۸۵ کتاب الزھد

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۵۴ کتاب الادب

اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الدُّنْيَا كَالْمَاشِيْ فِي الْمَاءِ هَلْ تَسْتَطِيْعُ الَّذِيْ يَمْشِيْ فِي الْمَاءِ اَنْ لَا تَبْتَلَّ قَدَمَاهُ (۱)

صاحبِ دنیا کی مثال پانی میں چلنے والے شخص جیسی ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ پانی میں چلے لیکن اس کے پاؤں تر نہ ہوں۔

اس سے تمہیں ان لوگوں کی جہالت معلوم ہو جائے گی جن کا خیال یہ ہے کہ ان کے جسم دنیوی نعمتوں سے لذت حاصل کرتے ہیں اور ان کے دل اس سے پاک ہیں اور دنیا کی خرابیاں ان کے باطن سے دور ہیں یہ شیطانی دھوکہ ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اگر ان سے دنیا کی نعمتیں لے لی جائیں تو وہ اس کی جدائی پر بہت زیادہ پریشان ہوتے ہیں تو جیسے پانی پر چلنے سے لامحالہ پاؤں تر ہو جاتے ہیں اسی طرح دنیا سے تعلق قائم کرنے والے کے دل میں بھی اس کا ڈیرہ ہوتا ہے بلکہ دنیا کا تعلق جب دل سے ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے عبادت کی چاشنی حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تم سے سچی بات کہتا ہوں جس طرح بیمار آدمی کھانے کی طرف دیکھتا ہے لیکن درد کی شدت کی وجہ سے اس سے لذت حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح دنیا سے تعلق رکھنے والا عبادت میں لذت نہیں پاتا اور چونکہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے اس لیے اسے عبادت کی چاشنی محسوس نہیں ہوتی۔ اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب جانور پر سواری نہ کی جائے اور اس سے نفع نہ اٹھایا جائے تو اس کی عادات بدل جاتی ہیں اسی طرح جب موت کی یاد اور عبادت کے ذریعے دلوں کو نرم نہ کیا جائے تو وہ سخت ہو جاتے ہیں اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ مشکیزہ جب تک پھٹ نہ جائے یا خشک نہ ہو جائے وہ شہد کا برتن بن سکتا ہے اسی طرح جب تک دلوں کو خواہشات کے ذریعے پھاڑا نہ جائے یا طمع کے ذریعے میلا نہ کیا جائے یا نعمتوں کے ذریعے سخت نہیں ہو جاتے تو عنقریب وہ حکمت کا ظرف گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّمَا بَقِيَ مِنَ الدُّنْيَا بَلَاءٌ وَّفِتْنَةٌ وَاِنَّمَا مَثَلُ عَمَلِ اَحَدِكُمْ كَمَثَلِ الْوِعَاءِ اِذَا طَابَ اَعْلَاهُ طَابَ اَسْفَلُهُ وَاِذَا خَبُثَ اَعْلَاهُ خَبُثَ اَسْفَلُهُ۔ (۲)

بے شک دنیا سے آزمائش اور فتنہ باقی ہے اور تم میں سے کسی ایک کا عمل برتن کی طرح ہے جب اس کا اوپر والا حصہ پاک ہوتا ہے تو نچلا حصہ بھی پاک ہوتا ہے اور جب اس کا اوپر والا حصہ ناپاک ہو تو نچلا حصہ بھی ناپاک ہوتا ہے۔

دنیا کی ایک اور مثال کہ گذشتہ کے مقابلہ باقی دنیا کم ہے۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷ ص ۲۶۰ حدیث نمبر ۱۰۲۴۴

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۹ ص ۳۶۸ حدیث ۸۶۶

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ هٰذِهِ الدُّنْيَا مَثَلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ فَبَقِيَ مُتَعَلِّقًا بِخَيْطٍ فِي آخِرِهِ فَيُوشِكُ ذٰلِكَ الْخَيْطُ أَنْ يَنْقَطِعَ۔[1]

اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی طرح ہے جو شروع سے آخر تک پھٹ گیا اب وہ آخری دھاگے کے ساتھ بچا ہوا ہے پس قریب ہے کہ یہ دھاگہ بھی ٹوٹ جائے۔

دنیا کی ایک اور مثال کہ اس کے ساتھ بعض تعلقات دوسرے بعض کی طرف پہنچاتے ہیں حتیٰ کہ ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا طالب دنیا کی مثال سمندر کا پانی پینے والے کی طرح ہے وہ جب بھی پانی پیتا ہے اس کی پیاس بڑھ جاتی ہے حتیٰ کہ وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

دنیا کی ایک اور مثال کہ اس کا آخر، اول کے خلاف ہے اس کے شروع میں تروتازگی اور آخر میں خباثت ہوتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ دنیا کی خواہشات دل میں لذیذ ہوتی ہیں جس طرح معدے میں کھانوں کی خواہشات ہوتی ہیں لیکن بندہ جلد ہی موت کے وقت دنیوی خواہشات سے متعلق اپنے دل میں کراہت، بدبو اور خرابی پاتا ہے جس طرح لذیذ کھانے معدے میں پہنچتے ہیں تو تکلیف محسوس ہوتی ہے اور جس طرح زیادہ لذیذ زیادہ مرغن اور بہت میٹھے کھانے کی گندگی زیادہ بدبودار ہوتی ہے اسی طرح جو خواس زیادہ ہو اور اس کی لذت اور قوت بھی زیادہ ہو اس کا فتنہ کراہت اور موت کے وقت اس سے اذیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

بلکہ اس کا مشاہدہ تو دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ جب آدمی کا مکان چھین لیا جائے اور اس کے اہل و عیال اور مال بھی لے لیا جائے تو اس کی مصیبت، تکلیف اور دُکھ بھی اسی قدر ہوتا ہے جس قدر اس کو ان سے لذت حاصل ہوئی اور اسے ان چیزوں کے ساتھ جتنی محبت اور ان کی حرص ہوتی ہے۔

تو جس چیز کے حصول کی خواہش زیادہ ہو اور اس سے زیادہ لذت حاصل ہو جب وہ چلی جائے تو اسے اسی قدر تکلیف اور کڑواہٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے موت کا مفہوم یہی ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ انسان سے گم ہو جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

آپ نے حضرت ضحاک بن سفیان کلبی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تمہیں نمک اور مصالحوں کے ساتھ کھانا نہیں ملتا اور پھر تم اس کے بعد دودھ اور پانی نہیں پیتے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہوتا ہے آپ نے پوچھا پھر وہ کدھر

۱۔ شعب الایمان جلد ۷ ص ۲۶ حدیث ۱۰۲۴۰

جاتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا بن جاتا ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثل اس چیز کے ساتھ دی ہے جس سے انسان کا کھانا بدل جاتا ہے (یعنی پاخانہ) (۱)
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الدُّنْیَا ضُرِبَتْ مَثَلاً لِابْنِ آدَمَ فَانْظُرُ اِلٰی مَا یَخْرُجُ مِنِ ابْنِ آدَمَ وَاِنْ قَزَّحَہٗ وَمَلَّحَہٗ اِلٰی مَ یَصِیْرُ۔ (۲)

دنیا کی مثال ابن آدم سے بیان کی گئی پس دیکھو کہ آدمی سے کیا نکلتا ہے اگرچہ وہ اس میں مصالحہ اور نمک ڈالے لیکن وہ کہاں جاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

اِنَّ اللّٰہَ ضَرَبَ الدُّنْیَا لِمَطْعَمِ ابْنِ آدَمَ مَثَلاً وَضَرَبَ مَطْعَمَ ابْنِ آدَمَ لِلدُّنْیَا مَثَلاً وَاِنْ قَزَّحَہٗ وَمَلَّحَہٗ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال انسان کے کھانے اور انسانی کھانے کی مثال دنیا سے دی ہے اگرچہ وہ کھانے میں مصالحہ اور نمک ڈالے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے لوگوں کو دیکھا کہ پہلے وہ کھانے میں مصالحے اور خوشبو ڈالتے ہیں پھر وہ اسے جہاں پھینکتے ہیں وہ تمہارے علم میں ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖ۔ (۴)

پس انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پاخانے کی طرف دیکھے ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن مجھے حیا آتا ہے آپ نے فرمایا حیا نہ کرو اور پوچھو۔ اس نے کہا جب انسان قضائے حاجت سے فارغ ہوتا ہے تو کھڑا ہونے کے بعد اسے دیکھتا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں دیکھتا ہے فرشتہ اس سے کہتا ہے جس چیز کے ساتھ تو نے بخل کیا اسے دیکھ اور دیکھ کہ وہ کیا بن گیا۔
حضرت بشر بن کعب رحمہ اللہ فرماتے تھے چلو کہ میں تمہیں دنیا دکھاؤں پھر وہ ان کو گندگی کے ڈھیر کے پاس لے جاکر

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۵۲ مرویات
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۳۶ مرویات ضحاک بن سفیان
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۵۲ مرویات ضحاک بن سفیان
(۴) قرآن مجید سورہ عبس آیت ۲۴

فرمانے ان کے پھلوں، ان کی مرغیوں ان کے شہد اور ان کے گھی کو دیکھو۔
دنیا کی ایک اور مثال کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کیا حیثیت ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا كَمِثْلِ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ بِمَ يَرْجِعُ إِلَيْهِ۔ (۱)

آخرت کے مقابلے میں دنیا اس چیز کی مثل ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی انگلی کو سمندر میں ڈالتا ہے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا لے کر آتی ہے۔

دنیا کی ایک اور مثال کہ دنیا والے اس کی نعمتوں میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہو چکے ہیں اور اسی سبب سے وہ بہت بڑا نقصان اٹھاتے ہیں۔

دنیا والوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور وہ ان کو ایک جزیرہ میں پہنچا دیتی ہے ملاح انہیں قضائے حاجت کے لیے اترنے کا حکم دیتا ہے اور اس بات سے بھی ڈراتا ہے کہ وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہریں ورنہ کشتی نکل جائے گی وہ جزیرے کے کناروں میں پھیل جاتے ہیں ان میں سے بعض جلد از جلد قضائے حاجت سے فارغ ہو کر کشتی کی طرف چل پڑتے ہیں اور وہاں خالی جگہ دیکھ کر کھلی جگہ اور نرم مقامات اختیار کرتے ہیں نیز وہ مقام جو ان کی مراد کے زیادہ موافق ہیں لیکن کچھ دوسرے لوگ جزیرے میں ٹھہر جاتے ہیں اس کے انوار اور عجیب وغریب قسم کے پھولوں، غنچوں، شگوفوں وہاں کے پرندوں کے اچھے نغمات اور ان کے عمدہ موزوں کلام کو سنتے ہیں خشکی میں اس کے پتھروں اور جواہر کو دیکھتے ہیں اور مختلف شکلوں کی معدنیات کو دیکھتے ہیں جو بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں ان کے نقوش عمدہ اور عجیب کے حسن کی وجہ سے دیکھنے والوں کی نگاہوں کو لے جاتے ہیں پھر وہ خواب غفلت سے بیدار ہوتے ہیں اور کشتی کے نکل جانے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں وہ جب کشتی کی طرف آتے ہیں تو انہیں تنگ جگہ ملتی ہے اور وہیں ٹھہر جاتے ہیں۔

جب کہ ان میں سے کچھ لوگ ان موتیوں اور پتھروں میں کھو جاتے ہیں ان کے حسن کو پسند کرتے ہیں اور انہیں وہاں چھوڑ نہیں سکتے بلکہ ان میں سے کچھ پتھر اپنے ساتھ لے لیتے ہیں اب ان کو گوشے میں تنگ جگہ ملتی ہے حالانکہ ان کے پاس ان پتھروں کا بوجھ بھی ہے اب وہ ان کو ساتھ لے جانے پر نادم ہوتے ہیں لیکن پھینک بھی نہیں سکتے اور نہ ہی رکھنے کے لیے کشتی میں جگہ ملتی ہے تو کشتی کے اندر ان کو اپنی گردن پر اٹھاتے ہیں اب انہیں افسوس ہوتا ہے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

بلکہ کچھ لوگ تو جنگلوں میں داخل ہو کر سواری کو بھول جاتے ہیں اور وہ اس میں اس قدر دور چلے جاتے ہیں کہ ملاح

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۴ کتاب الجنۃ

کی آواز ان تک نہیں پہنچتی کیونکہ وہ پھلوں کو کھانے اور پھولوں کی خوشبو سونگھنے اور ان درختوں کے درمیان تفریح میں مصروف ہوتے ہیں لیکن ان کو درندوں کا خوف بھی ہوتا ہے خطرات اور گرنے سے نیز کانٹوں سے بھی بے خوف نہیں ہوسکتے ممکن ہے کوئی کانٹا پاؤں میں چبھ جائے پریشان کن آواز سے بھی ڈرتے ہیں کانٹے دار درخت کا ڈر ہوتا ہے کہ وہ کہیں کپڑے نہ پھاڑ دے اور ستر ننگا نہ ہو جائے واپسی آنا چاہیں تو آ نہیں سکتے اب جب کشتی والوں کی آواز پہنچتی ہے تو ساز و سامان کے ساتھ واپس آتے ہیں لیکن کشتی میں جگہ باقی نہیں رہتی۔

اب وہ کنارے پر ہی بھوک سے مر جاتے ہیں۔

جب کہ بعض وہ ہیں جن تک آواز بالکل نہیں پہنچتی اور کشتی چل پڑتی ہے اب بعض کو درندے چیر پھاڑ دیتے ہیں کوئی بھٹک بھٹک کر مر جاتا ہے کوئی دلدل میں گر کر مر جاتا ہے بعض کو سانپ کھا جاتے ہیں اور وہ بدبو دار مردار کی طرح ادھر اُدھر بکھر جاتے ہیں۔

اور ان میں جو شخص پھولوں اور پتھروں کے بوجھ سمیت کشتی تک پہنچ جاتا ہے اسے ان کو سنبھالنے کی فکر رہتی ہے اور ضائع ہونے کا ڈر ہوتا ہے اس کے لیے جگہ تنگ ہو گئی اور اس طرح پھول مرجھا جاتے ہیں اور پتھروں کے رنگ بدل جاتے ہیں اب بدبو پھیلتی ہے تو جگہ کی تنگی کے ساتھ ساتھ یہ نئی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے اب کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آتا تو وہ ان کو سمندر میں پھینک دیتا ہے اور جو کچھ کھایا تھا اس کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے اور گھر پہنچنے سے پہلے پہلے وہ بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور یوں وہ بیماری کی حالت میں گھر پہنچتا ہے اور جو شخص جلدی واپس آجاتا ہے اسے صرف جگہ کی تنگی سے پریشانی ہوتی ہے لیکن جب گھر پہنچتا ہے تو اسے سکون ہو جاتا ہے اور جو شخص پہلے واپس آتا ہے وہ کشادہ جگہ پاتا ہے اور صحیح سالم وطن پہنچتا ہے یہ ان دنیا داروں کی مثال ہے جو فوری منافع میں مشغول ہوتے ہیں اور وطن اصلی کو بھول جاتے ہیں۔ نیز انجام کار سے غافل ہوتے ہیں یہ خیال کتنا برا ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو عقلمند اور صاحب بصیرت سمجھتا ہے لیکن اسے زمین کے پتھر دھوکہ دیتے ہیں اور یہ سونا چاندی اور خشک گھاس ہے یہ دنیا کی زینت ہے اور ان میں سے کوئی چیز موت کے وقت اس کے ساتھ نہیں جاتی بلکہ وہ اس پر بوجھ بن جاتی ہے اور وہ اس وقت اس کے لیے غمگین ہے اور اسے اس کا خوف ہے تمام مخلوق کا یہی حال ہے ہاں جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے دنیا کی ایک اور مثال کہ اس سے لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور ان کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا۔

بے شک میری اور تمہاری مثال اور دنیا کی مثال اس قوم کی طرح ہے جو کسی جنگل میں غبار پر چلتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کو معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے جو راستہ طے کیا ہے وہ زیادہ ہے یا باقی راستہ؟ اب ان کا زادِ راہ ختم ہو جائے اور وہ کمریں کھول کر بے سرو سامان اس جنگل میں پڑے رہیں اور انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو جائے وہ اسی حالت میں

ہوں کہ قیمتی لباس میں کوئی شخص آئے اور اس کے سر سے قطرے جاری ہوں تو وہ کہنے لگیں کہ یہ شخص کسی سرسبز و شاداب جگہ سے آیا ہے اور پانی قریب ہے جب وہ ان کے قریب پہنچا تو اس نے ان کو پکارا انہوں نے جواب دیا تو اس نے پوچھا کیا بات ہے انہوں نے کہا جو کچھ تم دیکھ رہے ہو۔ اس نے کہا اگر میں پانی اور سرسبز باغ بتادوں تو کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم تیری نافرمانی نہیں کریں گے اس نے کہا قسم کھا کر اس وعدے کو پکا کرو چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر پکا وعدہ کیا کہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ وہ ان کو پانی اور سرسبز و شاداب جگہ کے پاس لایا اور جس وقت تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ان کے پاس ٹھہرا پھر کہا اے لوگو! انہوں نے جواب دیا تو اس نے کہا آگے چلو انہوں نے کہا کہاں جانا ہے؟ اس نے کہا ایسے پانی کی طرف جو تمہارے اس پانی کی طرح نہیں اور ایسے باغ کی طرف جو اس باغ جیسا نہیں ان میں سے اکثر نے کہا کہ ہم نے اسے اس وقت پایا جب ہمیں گمان ہو چلا تھا کہ ہم اسے نہیں پا سکیں گے ہم اس سے بہتر کو لے کر کیا کریں گے ایک دوسری جماعت جو کم لوگوں پر مشتمل تھی کہنے لگی کیا تم نے اس شخص سے پختہ وعدہ نہیں کیا کہ اس کی نافرمانی نہیں کرو گے؟ اس نے پہلے جس طرح کہا تھا اسی طرح ہوا اب بھی وہ سچ کہتا ہے اب وہ ان لوگوں کو لے کر چلا اور باقی وہاں ہی رہ گئے صبح دشمن نے حملہ کر کے ان میں سے بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو قیدی بنا لیا۔ (۱)

دنیا کی ایک اور مثال کہ پہلے مزے اڑاتے ہیں اور پھر اس کی جدائی پر پریشان ہوتے ہیں۔

جان لو! لوگوں کو دنیا میں جو کچھ دیا گیا ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص نے مکان تیار کر کے اسے سنوارا اور وہ لوگوں کو ایک ایک جماعت کر کے علی الترتیب دعوت دیتا ہے ایک قوم اس کے گھر میں داخل ہوتی تو اس نے اس کے سامنے سونے کا تھال رکھا اس میں خوشبوئیں تھیں تاکہ وہ سونگھ کر دوسروں کے لیے چھوڑ دیں اس لیے نہیں کہ وہ اس کے مالک بن کر اسے رکھ لیں چنانچہ ایک شخص نے اس رسم سے جہالت کی وجہ سے یہ سوچا کہ یہ اسے ہبہ کیا گیا ہے اس کا دل اس پر جم گیا کیونکہ اس نے اسے اپنے لیا سمجھ لیا تھا۔ جب وہاں سے واپس آیا تو اسے بہت رنج پہنچا لیکن جو شخص اس رسم سے واقف تھا اس نے اس سے نفع اٹھا کر شکریہ ادا کیا اور خوشی دلی سے واپس کر دیا۔

اسی طرح جو شخص دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے طریقہ مبارکہ کو جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ یہ مہمان خانہ ہے یہ گزرنے والوں کے لیے وقف ہے ٹھہرنے والوں کے لیے نہیں مقصد یہ ہے کہ وہ اس سے آخرت کے لیے سامان حاصل کریں اور جس طرح مسافر ادھار لی ہوئی چیزوں سے نفع اٹھاتے ہیں یہ بھی دنیا سے نفع اٹھائیں اور اس سے دل نہ لگائیں کہ پھر جدائی کے وقت ان کو بہت بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔

یہ دنیا کی مثالیں اور اس کی آفات اور پریشانیوں کی تشبیہات ہیں ہم لطیف و خبیر ذات سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۶۷ مرویات حسن

کرم اور علم سے ہماری اچھی طرح مدد فرمائے۔

بندے کے حق میں دنیا کی حقیقت اور ماہیت

جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ مذموم دنیا کیا ہے، صرف دنیا کی مذمت کافی نہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کس چیز سے بچنا چاہیئے اور کس چیز سے بچنے کی ضرورت نہیں ہے پس ضروری ہے کہ ہم مذموم دنیا کی وضاحت کریں جس سے بچنے کا حکم ہے کیوں کہ یہ ایسی دشمن ہے جو راہ خداوندی میں ڈاکہ ڈالتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت تیرے دل کی دو حالتوں کا نام ہے جو اس کے قریب ہے وہ دنیا ہے اور یہ سب کچھ موت سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ دنیا کا معنیٰ قریب ہے اور جو حالت موت کے بعد ہے اسے آخرت کہتے ہیں تو وہ کام جن سے فوری (یعنی مدت سے پہلے) لذت حاصل ہوتی ہے اس کی غرض، خواہش اور حصہ وغیرہ ہوتا ہے وہ تمہارے حق میں دنیا ہے لیکن جس چیز کی طرف تمہارے دل کا میلان ہو اور اس میں تمہارا حصہ ہو تو وہ مذموم نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:

وہ اشیاء جو آخرت میں تمہارا ساتھ دیں گی اور ان کا نفع موت کے بعد بھی تمہارے ساتھ رہے گا تو وہ صرف دو چیزیں ہیں علم اور عمل۔ اور علم سے اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات، اس کے افعال، فرشتوں اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، زمین و آسمان میں اس کی بادشاہی اور اس کے نبی کی شریعت کا علم مراد ہے۔

اور عمل سے مراد خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کرنا ہے اور بعض اوقات عالم، علم سے اس قدر مانوس ہوتا ہے کہ یہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ لذیذ چیز بن جاتا ہے وہ اس کی لذت میں نیند، کھانا اور نکاح تک کو چھوڑ دیتا ہے۔ کیوں کہ اس کے نزدیک علم ان تمام چیزوں سے زیادہ لذت رکھتا ہے۔ یہ دنیا میں فوری ملنے والا حصہ ہے لیکن جب ہم مذموم دنیا کا ذکر کرتے ہیں تو ہم اس (علم) کو دنیا سے شمار نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ آخرت سے ہے۔

اسی طرح عبادت کرنے والا بعض اوقات عبادت سے مانوس ہو کر اس سے لذت حاصل کرتا ہے اس طرح کہ اگر اسے اس سے روکا جائے تو وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ مجھے موت سے صرف اس لیے ڈر لگتا ہے کہ وہ میری نماز تہجد میں حائل ہو گی۔ اور ایک دوسرے بزرگ فرماتے تھے۔

یا اللہ! مجھے قبر میں نماز، رکوع اور سجدے کی قوت عطا فرما۔ یہ اس لیے کہ اس بزرگ کے نزدیک یہ نماز فوری ملنے والا حصہ تھا۔ تو دنیا میں جو کچھ ملتا ہے اس کے قریب ہونے کی وجہ سے اسے دنیا کہا جاتا ہے لیکن اس سے ہماری مراد مذموم دنیا نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ اَلنِّسَآءُ وَالطِّیْبُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔(۱)

مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزوں کی محبت دی گئی ہے عورتیں خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

تو آپ نے نماز کو بھی دنیوی لذتوں میں شمار فرمایا اسی طرح جو چیز محسوسات اور مشاہدے میں داخل ہے وہ عالم شہادت سے ہے اور وہ دنیا سے ہے رکوع اور سجدے میں اعضاء کی حرکت سے لذت کا حاصل ہونا دنیوی لذت سے ہے اسی لیے دنیا کی طرف اس کی اضافت فرمائی لیکن اس کتاب میں ہمارا مقصود مذموم دنیا کا بیان ہے پس ہم کہتے ہیں کہ یہ دنیا سے نہیں ہے۔

دوسری قسم:

یہ اس کے بالکل دوسرے کنارے پر ہے یہ وہ لذات ہیں جن کا فائدہ دنیا ہی میں حاصل ہے آخرت میں اس کا کوئی پھل نہیں ملتا جیسے ہر قسم کے گناہوں سے لطف اندوز ہونا مباح چیزوں سے ضرورت سے زائد استفادہ کرنا یہ سب رفاہیت عیش و عشرت اور رعونت میں داخل ہیں جیسے سونے اور چاندی کے ڈھیر، عمدہ گھوڑے، چار پائے، کھیتی، غلام، لونڈیاں، لشکر، جانور، محلات، عمدہ کپڑے اور طرح طرح کے لذیذ کھانے، ان تمام چیزوں سے بندے کا نفع اٹھانا مذموم دنیا میں شامل ہے ان میں سے کسے زائد از حاجت قرار دیں اور کس کو حاجت میں داخل سمجھیں یہ ایک طویل کلام ہے کیوں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو حمص کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے دو درھم خرچ کر کے پیشاب گاہ بنوائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف خط لکھا کہ یہ خط حضرت عمر فاروق کی طرف سے حضرت عویمر (حضرت ابو درداء) رضی اللہ عنہما کی طرف ہے، پھر فرمایا آپ کے لیے ایران اور روم کی بنی ہوئی عمارتیں کافی تھیں مزید بنانے کی کیا ضرورت تھی جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کرنے کا حکم دیا ہے جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو تو اہل و عیال سمیت دمشق چلے جائیں چنانچہ وہ وصال تک دمشق میں رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا میں سے اس قدر چیز کو زائد قرار دیا تو غور کیجیے۔

تیسری قسم:

یہ دونوں طرفوں کے درمیان ہے ہر وہ چیز جو آخرت کے اعمال پر مددگار ہو جیسے ضروری غذا اور موٹے کپڑے کا ایک جوڑا اور ہر وہ چیز جس کا انسان کے باقی رہنے اور اس کی صحت کے لیے ہونا ضروری ہے اور اس کے ذریعے وہ علم و عمل تک پہنچتا ہے تو یہ دنیا سے نہیں ہے۔ جیسے پہلی قسم ہے کیونکہ یہ پہلی قسم کے لیے مددگار ہے اور اس کے لیے وسیلہ ہے تو انسان جب اسے علم و عمل پر مدد حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے تو دنیا کے لیے نہیں لیتا اور نہ ہی

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۲۸ مرویات قتادہ

وہ اس کی وجہ سے دنیا دار کہلاتا ہے اور اگر محض دنیا کا فوری فائدہ اور لذت مطلوب ہو تقویٰ پر مدد کا حصول مقصد نہ ہو تو یہ دوسری قسم سے مل جائے گا اور دنیا میں شمار ہو گا۔

موت کے وقت بندے کے ساتھ تین صفات باقی رہتی ہیں۔

ایک دل کی صفائی یعنی میل کچیل سے اس کا پاک ہونا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور محبت سے اس کا مانوس ہونا ہے اور دل کی صفائی اور طہارت کا حصول اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ دنیوی خواہشات سے اجتناب نہ کرے اور اُنس اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور محبت کا حصول، معرفت کے حاصل ہونے پر موقوف ہے اور معرفت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب ہمیشہ فکر میں رہے اور یہی تین صفات موت کے بعد نجات دینے والی اور خوش بختی کا باعث ہیں۔

جہاں تک دنیا کی خواہشات سے دل کے پاک ہونے کا تعلق ہے تو یہ نجات دینے والی باتوں میں سے ہے کیوں کہ یہ بندے اور عذاب خداوندی کے درمیان ڈھال ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اِنَّ اَعْمَالَ الْعَبْدِ تُنَاضِلُ عَنْهُ فَاِذَا جَاءَ الْعَذَابُ مِنْ قِبَلِ اِجْلَيْهِ جَاءَ قِيَامُ اللَّيْلِ يَدْفَعُ عَنْهُ وَاِذَا جَاءَ مِنْ جِهَةِ يَدَيْهِ جَاءَتِ الصَّدَقَةُ تَدْفَعُ عَنْهُ۔ (۱)

بندے کے اعمال اس کی طرف سے دفاع کرتے ہیں جب عذاب پاؤں کی طرف سے آتا ہے تو رات کا قیام اسے دور کرتا ہے اور جب ہاتھوں کی طرف سے آتا ہے تو صدقہ اسے دور کرتا ہے۔

جہاں تک انس اور محبت کا تعلق ہے تو وہ خوش بختی کا باعث ہیں اور یہ بندے کو ملاقات اور مشاہدے کی لذت تک پہنچاتی ہیں۔ اور یہ سعادت موت کے فوراً بعد حاصل ہو جاتی ہے اور جنت میں دیدار تک یہی حالت رہتی ہے اب قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہوتی ہے اور اس کی قبر کس طرح جنت کا باغ نہیں ہوگی جب کہ اس کا صرف ایک محبوب تھا اور اس کے دنیوی معاملات اسے اس محبوب کے دائمی اُنس اور ذکر کی راہ میں رکاوٹ تھے اور جمال خداوندی کی زیارت سے روکے ہوئے تھے۔

اب یہ رکاوٹیں ختم ہو گئیں اور وہ قید سے چھوٹ گیا اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان تخلیہ ہو گیا اور وہ اس کی بارگاہ خوشی خوشی اور رکاوٹوں سے محفوظ ہو کر حاضر ہوا اور دنیا سے محبت کرنے والے کو موت کے وقت کیسے عذاب نہ ہوگا جب کہ اس کا محبوب تو صرف دنیا تھی اور وہ اس سے لے لی گئی اس کے اور اس کے درمیان رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اور اب اس کی طرف واپسی کے تمام راستے بند ہو گئے اسی لیے کہا گیا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۵۲ مرویات اسماء

مَاحَالُ مَنْ كَانَ لَهٗ وَاحِدٌ غِيْبَ عَنْهُ ذٰلِكَ الْوَاحِدُ۔ اس کا کیا حال ہوگا جس کا ایک ہی محبوب ہو اور وہ اس سے پوشیدہ ہو جائے۔

موت خاتمے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ دنیا کی محبوب چیزوں سے چھوٹ کر بارگاہ خداوندی میں حاضری کا نام ہے۔

تو وہ شخص ان تین صفات یعنی ذکر، فکر اور ایسا عمل جو دنیا کی خواہشات سے اسے دور رکھتا ہے، کو ہمیشہ اختیار کئے رکھتا ہے جو آخرت کے راستے پر چلتا ہے دنیا کی لذات سے اسے نفرت ہوتی ہے اور وہ ان سے دُور رہتا ہے اور یہ تمام باتیں اسی صورت میں ممکن ہیں جب جسمانی صحت حاصل ہو اور جسمانی صحت کا حصول رزق، لباس اور رہائش کے بغیر نہیں ہوتا اور ان میں سے ہر ایک کے لیے اسباب کی ضرورت ہے تو ان تینوں میں سے جتنی مقدار بندے کے لیے ضروری ہے جب بندہ آخرت کی غرض سے دنیا میں سے لے گا تو وہ دنیا دار نہیں ہوگا اور اس کے حق میں دنیا، آخرت کی کھیتی ہوگی اور اگر ذاتی خواہش اور حصول لذت کے طور پر یہ چیزیں حاصل کرتا ہے تو وہ دنیا دار لوگوں میں سے ہے اور دنیا میں رغبت رکھنے والا ہے۔

لیکن دنیا کی رغبت دو قسم پر ہے ایک وہ جو دنیا دار کو آخرت کے عذاب کا مستحق بناتی ہے اور اسے حرام کہتے ہیں اور دوسری وہ ہے جو اعلیٰ درجات تک پہنچنے میں مانع ہے اور اسے طویل حساب میں پھنسانے والی ہے اسے حلال کہتے ہیں اور سمجھدار آدمی جانتا ہے کہ قیامت کے میدان میں حساب و کتاب کے لیے زیادہ دیر تک اس کا کھڑا رہنا بھی ایک عذاب ہے تو جس کو حساب میں ڈالا گیا اسے عذاب دیا گیا ہے (۱)

کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حَلَالُهَا حِسَابٌ وَحَرَامُهَا عَذَابٌ۔ اس (دنیا) کے حلال کا حساب ہوگا اور حرام پر عذاب ہوگا۔ (۲)

اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے حلال پر عذاب ہے لیکن اس کا عذاب حرام کے عذاب سے ہلکا ہے اور اگر حساب نہ بھی ہو تو جنت میں حاصل ہونے والے بلند درجہ کا چھوٹ جانا اور حقیر اور خسیس دنیا جو فانی ہے، کے لیے افسوس کرنا بھی تو عذاب ہے تو اس بات کو دنیا میں ہی دیکھ لو۔ کہ جب تم اپنے ہم عصر لوگوں کو دنیوی سعادتوں میں آگے دیکھتے ہو تو تمہارے دل میں کس قدر افسوس پیدا ہوتا ہے حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ عارضی اور فانی سعادتیں ہیں اور گدلی ہیں ان میں کوئی صفائی نہیں۔ تو وہ سعادت جس کی عظمت بیان سے باہر ہے اس کے فوت ہونے پر کس قدر افسوس ہونا چاہیے زمانے گزر گئے لیکن وہ باقی ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۷ کتاب الرقاق۔ (۲) شعب الایمان جلد ۷، ص ۱۷۳ حدیث ۱۰۶۲۲

توجو شخص دنیا میں لطف اندوز ہوتا ہے اگرچہ پرندے کی آواز سے ہو سبزی اور شادابی کو دیکھنے کے ذریعے ہو، ٹھنڈا پانی پینے کے ذریعے ہو تو اس سے اخروی حصہ کم ہو جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جو کچھ فرمایا اس کا یہی مطلب ہے۔

آپ نے فرمایا:

هَذَا مِنَ النَّعِيمِ الَّذِي تُسْأَلُ عَنْهُ (۱) یہ ان نعمتوں میں سے ہے جس کے بارے میں سوال ہوگا

آپ نے ٹھنڈے پانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات فرمائی۔

غرضیکہ سوال کا جواب دینے میں ذلت خوف، خطرہ، مشقت اور انتظار ہے اور یہ سب کچھ اخروی نقصان کا باعث ہے اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب پیاس محسوس ہوئی اور آپ کی خدمت میں شہد ملا ہوا ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا تو آپ نے اسے ہاتھ میں پھراتے ہوئے فرمایا اس کے حساب کو مجھ سے دور کر دو اور آپ نے پینے سے انکار کر دیا۔

تو دنیا تھوڑی ہو یا زیادہ حرام ہو یا حلال جب تک تقویٰ پر مددگار نہ ہو ملعون ہے۔ تقویٰ پر مدد کی مقدار دنیا نہیں ہے جو شخص زیادہ معرفت رکھتا ہے وہ دنیا کی نعمتوں سے زیادہ بچتا ہے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا سر مبارک ایک پتھر پر رکھا اور آرام کرنے لگے پھر اسے پھینک دیا کیونکہ ابلیس مثالی صورت میں آپ کے سامنے آیا اور کہنے لگا آپ نے دنیا میں رغبت کی ہے۔

اور یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی سلطنت میں لوگوں کو لذیذ قسم کے کھانے کھلاتے اور خود جَو کی روٹی کھاتے تو انہوں نے بادشاہی کو اس طریقے پر اپنے لیے ذلیل اور سخت کر لیا تھا کیونکہ لذیذ کھانوں پر قدرت کے باوجود ان سے صبر کرنا بہت مشکل ہے۔

اسی لیے ایک روایت میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نعمتوں کو کئی دن علیحدہ کر رکھا جاتا (۲) اور آپ کھانے کے بغیر رہنے اور بھوک کے باعث اپنے پیٹ مبارک پر پتھر باندھتے (۳)

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام، اولیاء عظام اور پھر ان کے بعد دوسرے مقربین کو درجہ بدرجہ آزمائشوں میں ڈالتا ہے یہ سب کچھ ان پر شفقت اور احسان کے طور پر ہوتا ہے تاکہ ان کو آخرت میں زیادہ حصہ ملے جس طرح

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۳۸ مرویات جابر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۵۵ مرویات ابن عباس

(۳) جامع ترمذی ص ۳۴۲، ابواب الزہد

شفیق باپ اپنے بیٹے کو لذیذ پھل سے بچاتا ہے اور خون نکالنے کے ذریعے اسے تکلیف پہنچاتا ہے تو یہ اس پر شفقت اور محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اس کا باعث بخل نہیں ہے اس تمام گفتگو سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو وہ دنیا میں سے ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ دنیا میں سے نہیں ہے۔

اللہ کے لیے کیا ہے؟

اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہے؟

تو میں جواباً کہتا ہوں کہ اشیاء کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ بعض وہ اشیاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے تصور نہیں کی جاسکتیں اور یہ وہ ہیں جن کو گناہ اور ممنوع امور سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح مباح چیزوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ محض مذموم دنیا ہے یہ صورتاً اور معنیً دونوں طرح دنیا ہے۔

۲۔ بعض وہ ہیں جو صورتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہو سکتے ہیں اور ان کو غیر اللہ کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے اور وہ تین باتیں ہیں فکر اور ذکر اختیار کرنا اور خواہشات سے رکنا۔

یہ تینوں باتیں جب پوشیدہ ہوں اور حکم خداوندی کے علاوہ ان کا سبب کوئی دوسری بات نہ ہو یا ان کا باعث آخرت ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں دنیا سے نہیں ہیں۔ اور اگر فکر سے غرض ایسا علم حاصل کرنا ہو جس سے بزرگی مطلوب ہو نیز یہ کہ لوگوں کے درمیان مقبولیت ہو یا خواہشات کو اس لیے چھوڑتا ہے کہ مال محفوظ رہے یا بدن کی صحت برقرار رہے یا کہ وہ زہد و تقویٰ میں مشہور ہو تو یہ معنوی طور پر دنیا میں سے ہے اگرچہ صورتاً اسے اللہ تعالیٰ کے لیے گمان کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ تیسری قسم وہ ہے جو ظاہری طور پر نفس کے فائدے کے لیے ہو اگرچہ معنوی طور پر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو سکتی ہے جیسے کھانا کھانا، نکاح کرنا اور ہر وہ کام جس کے ساتھ اس کا اپنا یا اس کی اولاد کا باقی رہنا مربوط ہے اگر ذاتی فائدہ مقصود ہو تو یہ دنیا سے ہے اور اگر اس کے ذریعے تقویٰ پر مدد حاصل کرنا مطلوب ہو تو وہ معنوی طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اگرچہ وہ صورتاً دنیا میں شمار ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُكَاثِرًا مُفَاخِرًا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ وَمَنْ طَلَبَهَا اسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَصِيَانَةً لِنَفْسِهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو شخص حلال دنیا (مال) اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اسے بڑھائے اور (دوسروں پر) فخر کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہو گا اور جو شخص مانگنے سے بچنے اور اپنی عزت نفس کو

وَوَجْهُهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ (۱)

محفوظ رکھنے کے لیے طلب کرتا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو گا۔

تو دیکھیے کہ ارادہ کی تبدیلی سے کس طرح حکم بھی تبدیل ہو گیا تو معلوم ہوا کہ دنیا فوری حاصل ہونے والے اس فائدے کا نام ہے جو آخرت میں حاصل نہ ہو اسے ہوی (خواہش) کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى - (۲)

اور جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور پانچ باتیں اس خواہش میں شامل ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (۳)

بے شک دنیا کی زندگی کھیل کود، زینت ایک دوسرے پر فخر کا اظہار اور مال و اولاد میں کثرت کی خواہش ہے۔

اور ان پانچ سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ سات ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا - (۴)

لوگوں کے لیے عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے خزانوں نشان زدہ گھوڑوں جانوروں اور کھیتی کی خواہش کی محبت مزین کی گئی یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔

اور یہ بات تمہیں معلوم ہو گئی کہ کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ دنیا سے نہیں ہے حسب ضرورت رزق، اور ضروری رہائش اور لباس سے اگر رضائے خداوندی مقصود ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس سے زیادہ حاصل کرنا عیاشی ہے اب یہ غیر خدا کے لیے ہے۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷، ص ۲۹۸ حدیث ۱۰۳۷۵

(۲) قرآن مجید، سورۃ النازعات آیت ۴۱

(۳) قرآن مجید، سورہ الحدید آیت ۲۰

(۴) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۴

عیاشی اور ضرورت کے درمیان ایک درجہ ہے جسے حاجت کہتے ہیں اس کے دو کنارے اور ایک درمیان ہے ایک کنارہ ضرورت کے قریب ہے پس وہ نقصان نہیں دیتا کیونکہ ضرورت کی حد پر اکتفا کرنا ممکن نہیں ہے اور دوسری طرف، عیاشی کے قریب ہے اور اس سے مزاحم ہوتی ہے اس سے بچنا چاہیے اور ان دونوں کے درمیان کچھ متشابہ درجات ہیں اور جو شخص شاہی چراگاہ کے گرد جانوروں کو گھماتا ہے تو اس بات کا ڈر ہے کہ وہ اندر چلے جائیں۔

اور تقویٰ اختیار کرنے میں احتیاط ہے اور حتی الامکان ضرورت کے قریب قریب رہنا چاہیئے یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ کی اقتداء ہے کیوں کہ یہ نفوس قدسیہ اپنے آپ کو ضرورت کی خدمت رکھتے تھے حتی کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ اپنے اوپر اتنی تنگی کرتے کہ ان کے گھر والے ان کو مجنوں سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر ان کے لیے الگ کوٹھڑی بنائی تھی اور وہ کبھی ایک سال بعد کبھی دو اور کبھی تین سال بعد گھر آتے تھے اتنے عرصہ میں کوئی بھی ان کی زیارت نہ کرتا وہ صبح اذان کے وقت نکلتے اور عشاء کے بعد واپس تشریف لائے ان کا کھانا یہ تھا کہ گٹھلیاں چنتے اور جب کوئی سوکھی کھجور مل جاتی تو اسے افطار کے لیے رکھ لیتے اور اگر کھانے کے لیے ایسی کھجور نہ ملتی تو گٹھلیاں بیچ کر کھانے کے لیے کوئی چیز خرید لیتے۔ اور ان کا لباس یہ تھا کہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں سے کپڑوں کے ٹکڑے اٹھاتے اور دریائے فرات میں ان کو دھو کر جوڑ لیتے اور پھر پہنتے۔ ان کا لباس یہی تھا۔

بعض اوقات آپ گزرتے تو بچے مجنوں سمجھ کر پتھر مارتے تو آپ ان سے فرماتے اے میرے بھائیو! اگر تم نے مجھے ضرور مارنا ہی ہے تو چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے مار لیا کرو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں خون نکل آئے اور نماز کا وقت بھی قریب آ جائے اور مجھے پانی نہ ملے۔ تو ان کی پاکیزہ زندگی کا یہ حال تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ۔ (۱) — بے شک میں یمن کی طرف رحمن کی خوشبو پاتا ہوں۔

پھر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگو! تم میں جو لوگ عراقی افروز ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگو! تم میں جو لوگ عراقی ہیں وہ کھڑے ہو جائیں وہ کھڑے ہوئے تو فرمایا تم میں سے جو کوفہ کے رہنے والے ہیں وہ کھڑے رہیں باقی بیٹھ جائیں وہ بیٹھ گئے پھر فرمایا جو قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے ہیں وہ کھڑے رہیں باقی بیٹھ جائیں چنانچہ وہ بیٹھ گئے پھر فرمایا جن کا قرن سے تعلق ہے وہ کھڑے رہیں باقی بیٹھ جائیں چنانچہ سب بیٹھ گئے صرف ایک شخص کھڑا رہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کیا تو قرنی ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا کیا اویس بن عامر قرنی کو جانتے ہو؟ آپ نے ان کی کیفیت بیان فرمائی تو اس نے عرض کیا جی ہاں جانتا ہوں اے

---

(۱)

امیر المومنین! آپ اس شخص کے بارے میں کیوں پوچھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم میں سب سے زیادہ احمق وہی ہے اس سے بڑھ کر مجنون، وحشی اور ادنی کوئی دوسرا نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے پھر فرمایا میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اس لیے کہا ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا حضرت ادیس کی شفاعت سے قبیلہ ربیعہ اور مضر جتنے لوگ جنت میں داخل ہوں گے (۱)

حضرت حرم بن حبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی تو میں کوفہ آگیا اب میرا ایک ہی کام تھا اور وہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی تلاش تھی میں ان کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا رہا حتی کہ میں ان کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ دوپہر کے وقت فرات کے کنارے وضو کر رہے تھے اور کپڑے دھو رہے تھے۔ فرماتے ہیں میں نے ان کی جو کیفیت سنی تھی اس کے مطابق ان کو پہچان لیا میں نے دیکھا کہ وہ قوی الجثہ گندم گوں شخص ہیں سر منڈایا ہوا ہے اور داڑھی گھنی ہے ان کو دیکھ کر ڈر لگتا تھا، فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے میری طرف دیکھا میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو عمر دراز عطا کرے اور پھر میں نے مصافحہ کے لیے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا انہوں نے مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا میں نے کہا اے اویس اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور آپ کو بخش دے آپ کا کیا حال ہے؟ پھر ان سے محبت کے باعث میرے آنسو بہنے لگے نیز ان کی حالت کو دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہو گئی حتیٰ کہ میں بھی رونے لگا اور وہ بھی رو پڑے انہوں نے فرمایا اے ہرم بن حبان اللہ تعالیٰ تجھے زندہ رکھے اے میرے بھائی تو کیسا ہے تجھے میرا پتہ کس نے بتایا؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ فرمانے لگے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ اللّٰہِ اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

مجھے تعجب ہوا کہ انہوں نے مجھے پہچان لیا اللہ تعالیٰ کی قسم اس سے پہلے نہ انہوں نے مجھے دیکھا اور نہ میں نے ان کو دیکھا میں نے پوچھا کہ آپ کو میرا اور میرے والد کا نام کہاں سے معلوم ہوا حالانکہ اس سے پہلے میں نے آپ کو نہیں دیکھا انہوں نے فرمایا مجھے جاننے والے خبر رکھنے والے (اللہ تعالیٰ) نے بتایا ہے میری روح نے آپ کی روح کو پہچان لیا جب میرے نفس نے آپ کے نفس سے بات کی۔ جسموں کے نفسوں کی طرح روحوں کے بھی نفس ہوتے ہیں اور بے شک مومن ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اگرچہ ان کی باہم ملاقات نہ ہوئی ہو اور ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں اگرچہ ان کے گھر ایک دوسرے سے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۳۴۲ حدیث ۸۰۵۹

دُور ہوں اور منازل جدا جدا ہوں میں نے عرض کیا مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنائیں میں آپ سے سننا چاہتا ہوں انہوں نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا اور نہ ہی مجھے شرف صحبت حاصل ہے میرے ماں باپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں لیکن میں نے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے اور مجھے بھی آپ کی حدیث پہنچی ہے جس طرح آپ تک پہنچی ہے اور میں اپنے اوپر یہ دروازہ کھولنا نہیں چاہتا کہ میں محدث یا مفتی قاضی بنوں میں اپنے نفس میں اس طرح مشغول ہوں کہ لوگوں کے ساتھ مشغول نہیں ہو سکتا۔

میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے قرآن پاک کی کوئی آیت سننا چاہتا ہوں نیز آپ میرے لیے دعا فرمائیں اور کچھ نصیحت کریں جسے میں یاد رکھوں بے شک میں اللہ تعالیٰ کے لیے آپ سے بہت زیادہ محبت رکھتا ہوں فرماتے ہیں حضرت اویس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرات کے کنارے آ گئے۔ پھر پڑھا۔

أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ۔

میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ سننے جاننے والے کی پناہ چاہتا ہوں۔

پھر رونے لگے پھر فرمایا میرے رب نے فرمایا اور میرے رب کا قول حق ہے اس کی بات سب سے سچی بات ہے اور اس کا کلام سب سے زیادہ سچا ہے پھر یہ آیت پڑھی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ٥ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ (۱)

اور ہم نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کو کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہم نے انہیں حق کے ساتھ بنایا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے بے شک فیصلے کا دن ان سب کے لیے مقرر ہو چکا ہے جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

پھر ایسا نعرہ مارا کہ میں سمجھا آپ بیہوش ہو گئے ہیں اس کے بعد فرمایا اے حبان کے بیٹے تیرا باپ حبان فوت ہو گیا اور تو بھی عنقریب فوت ہو جائے گا پھر جنت میں جائے گا یا جہنم تیرا باپ حضرت آدم علیہ السلام اور تیری ماں حضرت حوا علیہما السلام دونوں انتقال فرما گئے حضرت نوح علیہ السلام انتقال فرما گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام جو رب کے خلیل تھے فوت ہو گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام جو نجات پانے والے (نجی الرحمان) تھے انتقال کر گئے خلیفۃ الرحمان حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا،

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ دخان آیت ۳۸ تا ۴۲

خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی انتقال فرما گئے میرے بھائی اور میرے مخلص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی وصال فرما گئے پھر انہوں نے پکارا اے عمر! اے عمر! حضرت ہرم فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتقال نہیں ہوا فرمایا میرے رب نے مجھے ان کے وصال کی خبر دی ہے اور میرے مرنے کی خبر بھی دی ہے پھر فرمایا میں اور آپ فوت شدہ لوگوں میں شامل ہیں گویا فوت ہو گئے پھر آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۂ درود عرض کیا اور کچھ دعائیں دل میں پڑھیں پھر فرمایا اے ہرم بن حبان! تمہارے لیے میری نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور صالحین مومنین کے طریقے کو اپنائے رکھنا مجھے تمہارے اور اپنے فوت ہونے کی خبر مل چکی ہے آپ موت کا ذکر بکثرت کریں جب تک آپ زندہ ہیں موت سے دل کو ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ رکھنا جب اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلائیں اور تمام امت کے لیے خیر خواہی کریں (مسلمانوں کی) جماعت سے ایک بالشت بھی الگ نہ رہیں ورنہ دین سے الگ ہو جائیں گے اور پتہ بھی نہیں چلے گا اور قیامت کے دن جہنم میں جانا پڑے گا میرے لیے اور اپنے لئے دعا کریں پھر انہوں نے یوں دعا مانگی ،

یا اللہ! یہ شخص اپنے خیال میں مجھ سے تیری رضا کے لیے محبت کرتا اسی وجہ سے اس نے مجھ سے ملاقات کی مجھے جنت میں بھی اس کی صورت دکھانا اور اسے دار السلام میں میرے اس بھیجنا جب تک یہ شخص دنیا میں ہے جہاں بھی ہو اس کی حفاظت کرنا اس کا سامان اسے عطا فرمانا اور اسے تھوڑی سی دنیا پہ راضی رکھنا جو کچھ تو نے اسے عطا کیا ہے اسے اس کے لیے آسانی کا باعث بنانا تو نے اسے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان پہ اسے شکر کی توفیق عطا فرمانا میری طرف سے اسے بہترین جزا عطا فرمانا۔

پھر فرمایا اے ہرم بن حبان! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی، رحمت اور برکتیں ہوں آج کے بعد مجھے تلاش نہ کرنا اور نہ میرے پاس آنا کیونکہ مجھے شہرت اچھی نہیں لگتی مجھے تنہائی پسند ہے اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے ان لوگوں کے ساتھ بہت غم اور پریشانی رہے گی میرے بارے میں کسی سے نہ پوچھنا اور نہ ہی مجھے تلاش کرنا۔

جان لو میں دل سے تمہارے قریب ہوں اگرچہ میں تمہیں اور تم مجھے نہیں دیکھو گے مجھے یاد رکھنا اور میرے لیے دعا کرنا میں بھی انشاء اللہ تمہیں یاد رکھوں گا اور تمہارے لیے دعا کروں گا اب یہاں سے جاؤ تاکہ میں بھی یہاں سے چلا جاؤں۔

حضرت ہرم بن حبان فرماتے ہیں میرا دل چاہتا تھا کہ میں ایک گھڑی ان کے ساتھ چلوں لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور مجھے الگ کر دیا چنانچہ وہ خود بھی روئے اور مجھے بھی رلایا میں ان کو دیکھتا رہا حتیٰ کہ وہ کسی گلی میں داخل ہو گئے اس کے بعد میں نے ان کے بارے میں پوچھا لیکن کسی نے بھی مجھے ان کی خبر نہ دی اللہ تعالیٰ ان پہ رحم فرمائے

اور ان کی بخشش فرمائے۔

تو آخرت والوں کی سیرت اس طرح تھی وہ دنیا سے بچتے تھے اس سے پہلے دنیا کا جو بیان ہوا اس سے تمہیں معلوم ہو گیا نیز انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے حالات سے بھی واضح ہو گیا کہ جو کچھ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ہے وہ دنیا ہے البتہ اس میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو وہ دنیا نہیں ہے، دنیا کے مقابل آخرت ہے اور اس سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو اور وہ دنیا سے ضرورت کے مطابق حاصل ہونے والی چیز ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر طاقت حاصل ہو اور یہ دنیا میں سے نہیں ہے یہ بات ایک مثال سے واضح ہو گی۔

مثلاً ایک حاجی، حج کے راستے میں ہے اور قسم کھاتا ہے کہ وہ حج کے علاوہ کسی کام میں مشغول نہیں ہو گا وہ صرف حج کرے گا پھر وہ زادِ راہ کی حفاظت کرنے، سواری کے چارے اور توشہ دان کے سینے یا کسی ایسے کام میں مشغول ہو جاتا ہے جو حج کے سلسلے میں اس کے لیے ضروری ہے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور یہ شخص حج کے علاوہ کسی کام میں مشغول نہیں ہوا۔

اسی طرح بدن نفس کی سواری ہے اس کے ذریعے زندگی کا سفر طے کیا جاتا ہے پس اس کی اس قدر کفالت کہ وہ علم و عمل کے راستے پر چلنے کی قوت حاصل کر سکے آخرت سے ہے دنیا سے نہیں ہے ہاں جب اس سے بدن کو لذت پہنچانا اور ان اسباب سے عیاشی حاصل کرنا مقصود ہو تو وہ آخرت کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور اس کے دل کے سخت ہونے کا خوف ہو گا، حضرت طنافسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مسجد حرام میں باب بنو شیبہ پر سات دن تک بھوکا رہا آٹھویں رات ایک منادی سے سنا اور اس وقت میں اونگھ رہا تھا کہ جو شخص دنیا سے ضرورت سے زیادہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ کو اندھا کر دیتا ہے انسان کے لیے دنیا کی حقیقت یہی ہے اس کو خوب سمجھو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے گا۔

دنیا کی حقیقت جس میں مخلوق اس قدر مشغول ہے کہ اپنے آپ کو اپنے خالق کو اور دنیا میں آنے جانے کو بھول چکی ہے

دنیا ان خارجی اشیاء کا نام ہے جن میں انسان کے لیے حصہ ہے اور وہ ان کی درستگی میں مصروف رہتا ہے یہ تین امور ہیں اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک کو دنیا کہتے ہیں حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔

جہاں تک موجودات کا تعلق ہے جن کو دنیا کہا جاتا ہے تو یہ زمین ہے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۔ (۱)

بے شک ہم ان چیزوں کو جو زمین کے اوپر ہیں اس (زمین) کی زینت بنایا تاکہ ہم ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے۔

تو زمین انسانوں کے لیے بچھونا، مسکن اور ٹھکانہ ہے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے وہ ان کے لیے لباس، کھانا، مشروب اور محبت ہے زمین کے اوپر جو کچھ ہے وہ تین قسم کی چیزیں ہیں۔ (۱) معدنیات (۲) حیوانات اور (۳) نباتات جہاں تک نباتات (سبزیوں) کا تعلق ہے تو آدمی ان سے غذا اور دوا حاصل کرتا ہے ــــ معدنیات سے سامان، برتن وغیرہ بناتا ہے جیسے تانبا اور لوہا وغیرہ یا نقدی حاصل کرتا ہے جیسے سونا اور چاندی، نیز اس کے علاوہ بھی مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں۔

حیوان کی دو قسمیں ہیں (۱) انسان (۲) جانور۔

جانوروں سے انسان کو گوشت حاصل ہوتا ہے جسے وہ کھاتے ہیں نیز ان کی پیٹھوں پر سواری کرتے ہیں اور زینت بھی حاصل ہوتی ہے اور انسانوں کی غرض یا تو یہ ہوتی ہے کہ ان سے خدمت لی جائے جیسے غلام یا ان سے محبت کے ذریعے نفع اٹھایا جائے جیسے لونڈیاں اور بیویاں، یا لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تاکہ ان پر حکومت کرے اور وہ اس کی تعظیم کریں اس کو جاہ و مرتبہ کہا جاتا ہے کہ جاہ کا معنیٰ لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا ہے۔

تو یہ وہ موجودات ہیں جو دنیا میں پائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس آیت میں ذکر فرمایا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ (۲)

لوگوں کے لیے عورتوں اور اولاد کی محبت مزین کی گئی ہے۔

یہ تو انسانوں سے محبت ہے۔

وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ۔ (۳) اور سونے چاندی کے ڈھیر،

اس میں جواہر اور معدنیات کا ذکر ہے اور اسی میں یاقوت اور موتی وغیرہ بھی داخل ہیں۔

وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ (۴) اور نشان زدہ گھوڑے اور جانور

تو یہ جانور ہیں۔ اور فرمایا وَالْحَرْثِ (۵) اور کھیتیاں تو اس میں سبزی اور کھیتی سب شامل ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۷

(۲) (۳) (۴) (۵) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۴

تو یہ دنیا کی موجودات ہیں البتہ ان کا بندے کے ساتھ دو قسم کا تعلق ہوتا ہے ایک تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ ان چیزوں کے ساتھ محبت کرنا اور ان سے نفع اٹھانا ہے اور اپنے آپ کو مکمل اس طرف متوجہ کر دینا حتیٰ کہ اس کا دل اس کے غلام کی طرح ہو جاتا ہے یا وہ دنیا پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس تعلق میں دل کی وہ تمام صفات داخل ہیں جو دنیا سے تعلق رکھتی ہیں جیسے تکبر، کینہ، حسد، ریا، شہرت بدگمانی، مداہنت، تعریف کی محبت زیادہ مال حاصل کرنے اور فخر کرنے کی چاہت یہی باطنی دنیا ہے اور ظاہری دنیا وہ چیزیں ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

دوسرا تعلق بدن کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ ان مذکورہ چیزوں کی درستگی میں مشغولیت ہے تاکہ وہ اس کے اور دوسروں کے نفع اٹھانے کے قابل ہوں اور اس میں تمام صنعتیں اور پیشے شامل ہیں جن میں لوگ مشغول ہیں اس قلبی اور بدنی تعلق کی وجہ سے لوگوں دنیا سے محبت کرنے اور اس میں مشغول ہونے کے باعث اپنے آپ کو بھی اور اپنے انجام کو بھی بلکہ انقلابِ دنیا کو بھی بھول گئے۔

اگر آدمی اپنے آپ کو پہچان لے، اپنے رب کی معرفت حاصل کر لے اور دنیا اور اس کے راز کی حکمت کو بھی جان لے تو اسے معلوم ہو جائے کہ یہ موجودات جن کو ہم دنیا کہتے ہیں ان کو صرف اس جانور کی خوراک کے طور پیدا کیا گیا ہے جس کے ذریعے آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف جاتا ہے جانور سے مراد بدن ہے وہ کھانے، پینے، لباس اور مکان کے بغیر نہیں رہ سکتا جس طرح حج کی طرف جاتے ہوئے اونٹ کے لیے گھاس، پانی اور جھول ضروری ہے۔

انسان نے دنیا میں جو اپنے نفس اور مقصد کو بھلا دیا تو اس کی مثال اس حاجی کی طرح ہے جو راستے کی منازل پر ٹھہرتا ہے اور برابر اپنی سواری کو چارہ دے رہا ہے اس کے لیے طرح طرح کے گھاس لاتا ہے اور برف کے ذریعے اس کے پانی کو ٹھنڈا کرتا ہے حتیٰ کہ قافلہ چلا جاتا ہے اور یہ حج سے اور قافلے کے جانے سے غافل ہوتا ہے اور اسے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس طرح جنگل میں رہنے کی وجہ سے وہ اور اس کی سواری درندوں کا لقمہ بن جائیں گے جب کہ سمجھدار حاجی اونٹنی کے معاملے میں صرف اتنی بات پر اکتفا کرتا ہے کہ وہ چلنے کی طاقت رکھتی ہو اور وہ خود اور اس کا دل کعبۃ اللہ اور حج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اسی طرح جس شخص کو سفر آخرت کی بصیرت حاصل ہے وہ بھی بدن کے بنانے سنوارنے میں ضرورت کی حد تک محدود رہتا ہے جیسے غسل خانے میں آدمی ضرورت کے لیے ہی جاتا ہے کھانا پیٹ میں داخل کرنے اور اسے پیٹ سے نکالنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ دونوں باتیں بدن کی ضرورت ہیں۔ تو جو شخص صرف اسی چیز کا ارادہ کرتا ہے جسے پیٹ میں داخل کرے تو اس کی قیمت وہی ہے جو اس سے نکلتی ہے انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے کا سب سے بڑا سبب پیٹ ہے کیوں کہ غذا زیادہ ضروری ہے جب کہ رہائش اور لباس کا معاملہ آسان ہے۔

اور اگر لوگ ان امور کی حاجت کے معاملے کو سمجھ جاتے اور اسی پر اکتفا کرتے تو دنیا کے مشاغل میں نہ پھنستے

وہ دنیا اور اس کی حکمت سے جہالت کی وجہ سے اس میں مشغول ہوئے ہیں انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس دنیا سے ان کا حصہ کس قدر ہے؟ بس وہ جہالت کی وجہ سے غافل رہے اور دنیا کے مشاغل میں مسلسل مصروف رہے یہ مشاغل ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں حتیٰ کہ بے انتہا کام نکل آتے ہیں. وہ کثرت مشاغل میں حیران پریشان ہیں اور اپنے مقاصد کو بھول چکے ہیں۔

اب ہم دنیا کے مشاغل کی تفصیل اور ان کی طرف حاجت کی کیفیت بیان کرتے ہیں نیز یہ کہ کس طرح لوگ اپنے مقاصد سے بھٹک گئے۔ تاکہ دنیا کے مشاغل واضح ہو جائیں کہ انہوں نے کس طرح مخلوق کو اللہ تعالیٰ سے پھیر دیا اور کس طرح وہ انجام کار کو بھول گئے تو اس سلسلے میں ہم کہتے ہیں۔

دنیوی مشاغل صنعتیں اور پیشے ہیں نیز وہ اعمال ہیں جن میں تم مخلوق کو ہمیشہ مشغول دیکھتے ہو اور مشاغل کی کثرت کا سبب یہ ہے کہ انسان تین چیزوں کے لیے مجبور ہے رزق، رہائش اور لباس، رزق کا مقصد غذا حاصل کرنا اور اپنے آپ کو باقی رکھنا ہے لباس گرمی اور سردی کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے اور مکان بھی گرمی اور سردی کو دور کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے نیز اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ اہل و مال کو ہلاکت کے اسباب سے بچایا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے رزق، مکان اور لباس کو اس انداز میں درست کر کے نہیں بنایا کہ اس میں انسان کی صنعت کا کوئی دخل نہ ہو البتہ جانوروں کے لیے اسے اسی طرح بنایا ہے کیوں کہ حیوان سبزیوں کو پکائے بغیر کھاتے ہیں۔ اسی طرح گرمی اور سردی بھی ان کے جسم پر اثر انداز نہیں ہوتی لہٰذا وہ عمارت سے بے نیاز ہو کر صحرا پر قناعت کرتے ہیں اور ان کا لباس ان کے بال اور ان کی کھالیں ہیں لہٰذا وہ لباس سے بھی بے نیاز ہیں جب کہ انسان کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

لہٰذا انسان کو پانچ قسم کی صنعتوں کی ضرورت ہے۔ اور یہ تمام صنعتوں کی اصل اور دنیوی مشاغل کا آغاز ہیں یہ پانچ صنعتیں زراعت، جانور پالنا، شکار کرنا کپڑا وغیرہ بُننا اور عمارت تعمیر کرنا ہے۔

عمارت کی تعمیر رہائش کے لیے ہوتی ہے اور بُننا نیز اس کے متعلقات جیسے کاتنا اور سینا وغیرہ لباس کے لیے ہے، کاشتکاری خوراک کے لیے ہے اور جانوروں کو چرانا بھی کھانے اور سواری کے لیے ہے اور شکار کرنا یا معدنیات وغیرہ نکالنا اسی طرح گھاس کاٹنا اور لکڑیاں وغیرہ چننے کے ذریعے بھی عمل کیا جاتا ہے کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

کاشتکار سبزیاں حاصل کرتا ہے چرواہا حیوانات کی حفاظت کرتا اور ان سے بچے حاصل کرتا ہے اور چُننے والا ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے جو انسانی عمل کے بغیر خود بخود اُگتی اور بچے دیتی ہیں اسی طرح وہ زمین کی کانوں سے وہ چیز حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور ان میں انسانی عمل کا کوئی دخل نہیں۔ اقتناص (چُننا) سے

ہماری مراد یہی ہے اور اس کے تحت کئی صنعتیں اور مشاغل داخل ہیں۔

پھر ان صنعتوں کے لیے آلات کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بُننے، زراعت کرنے، عمارت بنانے اور شکار کرنے یا کوئی چیز زمین سے نکالنے کے لیے اوزار درکار ہوتے ہیں اور یہ آلات یا تو نباتات یعنی لکڑیوں سے حاصل ہوتے ہیں یا معدنیات سے جیسے لوہا اور سیسہ وغیرہ یا حیوانات کی کھالوں سے حاصل کئے جاتے ہیں۔

لہٰذا مزید تین قسم کی صنعتوں کی ضرورت پیدا ہوتی اور وہ بڑھئی لوہار اور چمڑا سینے والے کا عمل ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو آلات بناتے ہیں بڑھئی سے ہماری مراد ہر وہ شخص ہے جو لکڑی کا کام کرتا ہے وہ جیسا بھی ہو۔

اور لوہار سے مراد ہر وہ شخص ہے جو لوہے کا کام کرتا ہے اسی طرح معدنیات کے جواہر حتیٰ کہ پیتل کا کام کرنے والا بھی اس میں شامل ہے ہمارا مقصود پیشوں اور صنعتوں کی اجناس کا ذکر کرنا ہے ورنہ پیشے تو بے شمار ہیں۔

چمڑا سینے والے سے ہماری مراد ہر وہ شخص ہے جو حیوانات کے چمڑوں اور ان کے اجزاء کا کام کرتا ہے تو یہ تمام صنعتوں کی اصل ہیں پھر انسان کی تخلیق اس انداز پر ہوئی ہے کہ وہ تنہا زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ وہ اپنی جنس کے کسی دوسرے شخص کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور اس کے دو سبب ہیں۔

ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ وہ جنسِ انسانی کو باقی رکھنے کے لیے نسل بڑھانے کی حاجت رکھتا ہے اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک نر اور مادہ کا اجتماع نہ ہو۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ کھانے، لباس اور تربیتِ اولاد کے لیے اسباب کی تیاری پر ایک دوسرے کی مدد درکار ہوتی ہے کیوں کہ باہم اجتماع کا نتیجہ لازماً اولاد کی صورت میں نکلتا ہے اور ایک آدمی بچے کی حفاظت اور اسبابِ رزق کے حصول کے لیے کفایت نہیں کرتا پھر اہل و اولاد کے ساتھ ہر وقت گھر ہی بیٹھے رہنے سے بھی کام نہیں چلتا بلکہ جب تک وہ مختلف لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہ رہے زندگی نہیں گزار سکتا تاکہ ہر ایک کسی ایک کام کی ذمہ داری اٹھالے ایک شخص کس طرح تنہا کاشتکاری کر سکتا ہے جب کہ اسے آلات کی ضرورت ہے اور آلات کے لیے لوہار اور بڑھئی کی حاجت ہوتی ہے نیز کھانے کے لیے آٹا پیسنے والے اور روٹی پکانے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور وہ کس طرح تن تنہا لباس حاصل کر سکتا ہے حالانکہ اسے کپاس کی حفاظت کرنا پڑتی ہے پھر بُننے اور سینے کے آلات اور اس کے علاوہ دیگر آلات کی حاجت ہوتی ہے اسی لیے انسان اکیلا زندگی نہیں گزار سکتا اور اسے مل جل کر رہنے کی ضرورت ہوتی ہے پھر اگر وہ کسی کھلے صحرا میں جمع ہو جائیں تو گرمی، سردی، اولوں بارش اور چوروں سے اذیت پائیں گے لہٰذا انہیں مضبوط عمارتوں کی ضرورت ہے اور ایسے مکان ہوں جن میں ہر گھر والے الگ الگ رہیں اسی طرح ان کے آلات اور گھر کا ساز و سامان بھی وہیں ہو اور یہ مکانات ایسے ہوں جو گرمی، سردی اور بارش سے محفوظ رکھیں اسی طرح پڑوسی چوروں وغیرہ سے بھی بچے رہیں اور چونکہ یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ باہر سے آکر کوئی چور سب کو لوٹ لے

لہذا ایک دوسرے کے تعاون اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک ایسی فصیل کا ہونا بھی ضروری ہے جو ان تمام گھروں کا احاطہ کرے اس وجہ سے شہر بنائے گئے۔

پھر جب لوگ گھروں اور شہروں میں اکٹھے رہتے ہوئے ایک دوسرے سے معاملات کرتے ہیں تو ان کے درمیان جھگڑے بھی پیدا ہوتے ہیں کیوں کہ خاوند کو بیوی پر حکومت اور ولایت حاصل ہوتی ہے اسی طرح ماں باپ کو اولاد پر ولایت ہوتی ہے کیونکہ بچے کمزور ہونے کی وجہ وہ اس کے ذریعے قائم رہنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور جب کسی عقلمند پر ولایت ہو تو خواہ مخواہ جھگڑا پیدا ہوتا ہے ہاں جانوروں پر ولایت کا مسئلہ الگ ہے کیونکہ جانوروں پر ظلم بھی کیا جائے تو وہ جھگڑ نہیں سکتے۔

جب کہ بیوی خاوند سے اور اولاد ماں باپ سے جھگڑا کرتی ہے یہ تو گھر کے اندر ہے شہر والے بھی ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں کیونکہ جب وہ ایک دوسرے سے معاملہ کرتے ہیں تو ان معاملات میں جھگڑا ہو جاتا ہے اور اگر ان لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک دوسرے سے لڑتے لڑتے مر جائیں۔ اسی طرح چرواہے اور کاشتکار بھی جب چراگاہوں، زمینوں اور پانی کے چشموں وغیرہ پر جاتے ہیں اور وہاں ان کی غرض پوری نہیں ہوتی تو وہ لازماً ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ کاشتکاری اور صنعت سے اندھے پن بیماری بڑھاپے یا دوسرے عوارض کی وجہ سے عاجز ہوتے ہیں اب اگر ان لوگوں کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائیں اور اگر ان کی خبر گیری مشترک ہو تو بھی وہ ایک دوسرے کو رسوا کریں گے۔

اور اگر کسی خاص نسبت یا تعلق کے بغیر کسی کو اس مقصد کے لیے خاص کیا جائے تو وہ اس ذمہ داری کو نہیں اٹھائے گا تو ان عوارض کی وجہ سے کچھ دیگر صنعتیں پیدا ہو گئیں ان میں سے ایک زمین کی پیمائش کا فن ہے جس سے زمین کی مقدار کا علم ہوتا ہے تاکہ ان کے درمیان عدل کے ساتھ تقسیم ہو اسی طرح فن سپہ گری ہے تاکہ تلوار کے ذریعے شہروں کی حفاظت ہو سکے اور لوگوں سے چوروں کو دور کیا جا سکے اسی طرح فیصلے کرنے اور پنچایت کا عمل ہے تاکہ جھگڑوں کا فیصلہ ہو سکے۔

پھر فقہ کی ضرورت ہے یعنی ایسے قانون کو جاننا جس کے ذریعے مخلوق کو صحیح طریقے پر ضبط و کنٹرول میں رکھا جائے اور وہ اپنی حدود پر قائم رہیں تاکہ جھگڑے زیادہ نہ ہوں اور وہ معاملات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی حدود اور ان کی شرائط کی معرفت ہے یہ سیاسی امور ہیں جو نہایت ضروری ہیں۔

لیکن ان کاموں میں وہی لوگ مشغول ہوتے ہیں جو مخصوص صفات مثلاً علم، تمیز اور ہدایت سے موصوف ہوں اور جب وہ ان امور میں مشغول ہوں گے تو پھر کسی دوسرے کام کے لیے فارغ نہیں ہوں گے اور گزران زندگی کی ضرورت بھی ہو گی

نیز شہر والے بھی ان کے محتاج ہوں گے کیوں کہ اگر تمام شہر والے دشمن سے لڑائی میں مشغول ہو جائیں تو تمام صنعتیں ٹھپ ہو کر رہ جائیں اور اگر فوج طلبِ رزق کے لیے کسی عمل میں مصروف ہو جائیں تو ملک کی حفاظت کون کرے گا اور یوں لوگوں کو نقصان پہنچے گا۔

لہٰذا اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ مال جن کا کوئی مالک نہ ہو وہ ان لوگوں کے حوالے کر دیئے جائیں یا مالِ غنیمت ان پر خرچ کیا جائے جب دشمنی کفار کے ساتھ ہو یوں ان کے لیے رزق کا انتظام ہو جائے گا۔

اگر وہ دیانت و تقویٰ کے حامل ہوں گے تو وہ اس مال پر قناعت کریں گے اور اگر وہ زیادہ مال چاہیں تو اس بات کی ضرورت ہوگی کہ شہر والے اپنے مال سے ان کی مدد کریں تاکہ وہ ان کی حفاظت کر سکیں لہٰذا اب خراج (ٹیکس) کی ضرورت پڑی پھر خراج کی ضرورت کے تحت کئی دوسرے محکموں کی ضرورت محسوس ہوئی کیوں کہ ایک ایسا آدمی چاہیے جو کاشتکاروں اور دیگر مالدار لوگوں پہ انصاف کے ساتھ خراج مقرر کرے اور ایسے لوگوں کو عامل کہا جاتا ہے پھر کچھ ایسے لوگ ہوں جو نرمی کے ساتھ ان سے خراج وصول کریں ایسے لوگوں کو محصّلین کہا جاتا ہے پھر تقسیم تک کسی کے پاس حفاظت کے ساتھ رہنا بھی ضروری ہے اور یہ خزانچی ہیں اس کے بعد ایسے لوگوں کی ضرورت ہوگی جو عدل و انصاف کے ساتھ ان کے درمیان تقسیم کریں۔

یہ سب ایسے کام ہیں کہ اگر ان کی ذمہ داری متعدد لوگوں کے ہیں تو ہو لیکن ان کے درمیان یہ نظام مربوط نہ ہو تو تمام انتظام ٹوٹ جائے لہٰذا ایک ایسے بادشاہ کی ضرورت محسوس ہوئی جو ان سب کی تدبیر کا ذمہ دار ہو اور ایک ایسا امیر ہو جس کی بات مانی جائے اور وہ ہر کام پر کسی ایک شخص کو مقرر کرے اور جس کے لائق جو کام ہو وہ اسی کے سپرد کرے خراج کے لین دین اور لڑائی کے لیے لشکر کے تقرر میں انصاف سے کام لے اسی طرح اسلحہ کی تقسیم، لڑائی کی جہالت کا تعین اور ان میں سے ہر گروہ پہ ایک امیر اور قائد کی تقرری اس کے ذمہ ہو۔ اس کے علاوہ سلطنت کے کئی دوسرے معاملات بھی ہیں پس اسلحہ بردار فوج اور ان کے نگران امیر کی تقرری کے بعد منشی، خزانچی، حساب دان وغیرہ کی بھی ضرورت ہوگی پھر ان لوگوں کو بھی اپنی معیشت کی ضرورت ہوگی اور یہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہیں ہو سکیں گے لہٰذا اصل مال کے ساتھ دوسرے مال کی ضرورت ہوگی جسے خراج (ٹیکس) کی فرع کہا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ صنعتوں کے سلسلے میں لوگوں کی تین قسمیں ہوئیں۔

پہلی قسم:

زراعت پیشہ جانوروں کو چرانے والے اور صنعت کار لوگوں پر مشتمل ہے۔ دوسری قسم میں فوجی وغیرہ شامل ہیں جو تلوار کے ذریعے لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو لین دین میں ان پہلے دو قسم کے لوگوں کے درمیان ہیں اور وہ عمّال وغیرہ (یعنی منشی خزانچی، سیکرٹری قسم کے لوگ) ہیں۔

تو دیکھو کس طرح روزی، لباس اور رہائش کی حاجت سے معاملہ شروع ہوا اور کہاں تک جا پہنچا تو دنیاوی امور کی یہی صورت ہے اس کا ایک دروازہ کھلتا ہے تو اس کے لیے بے شمار دروازے کھلتے ہیں اور یوں ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہوتا ہے گویا ایک گڑھا ہے جس کی گہرائی کی کوئی انتہاء نہیں اور جو شخص اس کے ایک حصے میں گرتا ہے وہ وہاں سے دوسرے میں گرتا ہے اور یوں مسلسل گرتا جاتا ہے۔

تو یہ صنعتیں اور پیشے ہیں لیکن ان کی تکمیل کے لیے مال اور ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے اور مال ان چیزوں کا نام ہے جو زمین پر پائی جاتی ہیں اور وہ جن سے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ ان میں سے سب سے اعلیٰ غذائیں ہیں پھر وہ مکانات ہیں جن میں انسان پناہ لیتا ہے اس کے بعد وہ مکانات ہیں جن میں گذران زندگی کے لیے کوشش کرتا ہے جیسے دوکانیں، بازار اور کھیتیاں۔ اس کے بعد لباس اور پھر گھر کا سامان اور اوزار وغیرہ ہیں پھر ان آلات کے آلات ہیں۔ اور بعض اوقات آلات میں حیوانات شامل ہوتے ہیں جس طرح کتا شکار کا آلہ ہے اور گائے، بیل کھیتی باڑی کا آلہ ہے، گھوڑا لڑائی میں سواری کا آلہ ہے۔

اس کے بعد خرید و فروخت کی ضرورت پڑتی ہے کیوں کہ کاشتکار بعض اوقات ایک ایسی بستی میں رہائش پذیر ہوتا ہے جہاں کاشتکاری کے آلات نہیں ہوتے اسی طرح لوہار اور بڑھئی ایسی بستی میں رہائش رکھتے ہیں جس میں زراعت ممکن نہیں تو کاشتکار کو ان کی ضرورت اور حاجت ہوتی ہے اور وہ کاشتکار کے محتاج ہوتے ہیں تو ایک شخص اس بات کا محتاج ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ دوسرے کو دے کر اپنی غرض پوری کرے اور یہ معاوضے کے طریقے پر ہوتا ہے مگر بڑھئی اپنے آلہ کے بدلے میں کاشتکار سے غذا طلب کرتا ہے اور بعض اوقات کاشتکار کو آلہ کی ضرورت نہیں ہوتی پس وہ اس (کاشتکار) پر نہیں بیچتا اور کاشتکار جب غلے کے ذریعے بڑھئی سے آلہ طلب کرتا ہے اور بعض اوقات اس کے پاس غلہ موجود ہوتا ہے لہٰذا اسے اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس طرح دونوں طرف سے مقاصد پورے نہیں ہوتے تو اب دوکانوں کی ضرورت پڑی جن میں ہر صنعت کے آلات موجود ہوں تاکہ دوکاندار ان آلات کے حاجتمندوں کا منتظر ہو اور منڈیوں کی ضرورت پڑی تاکہ کاشتکار اپنا غلہ وہاں جمع کریں اور وہاں سے بازار والے خرید کر ضرورت مندوں کے لیے رکھیں اس طرح بازار وغیرہ بن گئے اب کاشتکار اپنا غلہ اٹھاتا ہے اور جب اسے کوئی حاجت مند نہیں ملتا تو وہ خریداروں پر سستے داموں بیچ دیتا ہے اور وہ نفع کی لالچ میں ضرورت مند لوگوں کا انتظار کرتے ہیں دیگر سامان اور مال کا بھی یہی حال ہے۔

پھر شہروں اور بستیوں کے درمیان آمد و رفت جاری ہوتی ہے لوگ دیہاتوں سے غلہ اور شہروں سے آلات خریدتے ہیں یوں وہ ادھر اُدھر منتقل کرتے اور زندگی گذارتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے لوگوں کے امور منظم ہوں کیوں کہ بعض اوقات ہر شہر میں تمام آلات نہیں پائے جاتے اور نہ ہی ہر بستی سے غلہ حاصل ہوتا ہے لہٰذا وہ ایک دوسرے کے محتاج

ہوتے ہیں اور یوں سامان دوسری طرف منتقل کرنا پڑتا ہے اب اس بنیاد پر ایسے تاجر وجود میں آتے جو سامان اِدھر اُدھر لے جاتے ہیں اور یقیناً اس کے پیش نظر مال کی حرص ہوتی ہے اس طرح وہ دوسروں کی اغراض کے لیے دن رات سفر میں رہتے ہیں اور ان کا اپنا مطلب مال اکٹھا کرنا ہے جسے یقیناً دوسرے کھاتے ہیں یا تو ڈاکو لوٹ لیتے ہیں اور یا ظالم بادشاہ کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی غفلت اور جہالت میں شہروں کا نظام اور بندوں کی بھلائی رکھی ہے بلکہ دنیا کے تمام کام غفلت اور کم ہمتی سے ہوتے ہیں۔

اگر لوگ سمجھ جائیں اور ان کی ہمت بلند ہو جائے تو دنیا میں زہد اختیار کر لیں اور اگر وہ اس طرح کرنا شروع کریں تو زندگی کا نظام معطل ہو جائے اور اس کے معطل اور باطل ہونے سے خود زاہد لوگ بھی ہلاک ہو جائیں۔

پھر وہ مال جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے انسان اسے اٹھانے پر قادر نہیں ہوتا لہٰذا اسے جانوروں کی ضرورت پڑتی ہے جو اسے اٹھائیں اور بعض اوقات مال والے کے پاس سواری نہیں ہوتی اب اسے سواری والے سے معاملہ کرنا پڑتا ہے اسے اجارہ کہتے ہیں۔ اور اس طرح کرایہ داری بھی ایک قسم کا کسب بن گیا۔ پھر سودے کی وجہ سے سونے چاندی کی ضرورت پڑی کیونکہ جو شخص کپڑے کے بدلے غلہ خریدنا چاہتا ہے تو اسے کیسے معلوم ہوگا کہ کس قدر کپڑے کے بدلے میں کتنا غلہ ہے اور معاملہ مختلف اجناس کے درمیان جاری ہوتا ہے جیسے کھانے کے بدلے کپڑا بیچا جاتا ہے اور کپڑے کے بدلے جانور کا سودا ہوتا ہے چونکہ ان چیزوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہوتی لہٰذا ان کے درمیان برابری پیدا کرنے والی کوئی چیز ہونی چاہیے اور یہ عدل ایسی چیزوں سے طلب کیا جاتا ہے جو وجودی اور مالی ہوں پھر اسے مال کی ضرورت پڑی جو ہمیشہ باقی رہے کیوں کہ اس کی حاجت بھی دائمی ہوتی ہے اور سب سے زیادہ بقا معدنیات کو حاصل ہوتی ہے لہٰذا سونے چاندی اور پیتل سے سکے حاصل کئے گئے ان کو ٹھپہ لگانے اور مقدار مقرر کرنے کے لیے ٹکسال اور صراف کی ضرورت پڑی۔

تو اس طرح یہ کام ایک دوسرے کو دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ معاملہ وہاں تک پہنچ گیا جو تم دیکھ رہے ہو۔

تو یہ مخلوق کی مشغولیت ہے جو ان کی معیشت سے تعلق رکھتی ہے اور یہ پیشے اسی وقت اختیار کیا جا سکتے ہیں جب شروع میں ان کو سیکھا جائے اور مشقت برداشت کی جائے۔ بعض لوگ بچپن میں ان سے غافل ہونے کی وجہ سے ان میں مشغول نہیں ہوتے یا کوئی دوسری رکاوٹ ہوتی ہے لہٰذا وہ کسی پیشے سے عاجز ہونے کی وجہ سے کمانے سے بھی عاجز ہوتے ہیں اب وہ دوسروں کی کمائی کھاتے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں لہٰذا دو نہایت گھٹیا قسم کے پیشے پیدا ہو گئے ایک چوری اور دوسرا گداگری، اس لحاظ سے یہ دونوں پیشے ایک جیسے ہیں کہ یہ دونوں دوسروں کی محنت کھاتے ہیں۔

پھر لوگ اپنے آپ کو اور اپنے مال کو چوروں اور گداگروں سے بچاتے ہیں لہٰذا ان دونوں گروہوں نے لوگوں

کا مال ہڑپ کرنے کے لیے مختلف حیلے اور تدابیر اختیار کرنے کی خاطر اپنی عقل کو استعمال کیا چوروں میں سے بعض نے اپنے معاون تلاش کر لئے لہٰذا وہ قوت حاصل کرنے کے بعد ل کر ڈاکہ زنی اور راہزنی کرتے ہیں جس طرح عرب کے دیہاتی اور کرد قبیلے کے لوگ ہیں۔

لیکن ان میں سے جو کمزور ہیں وہ نقب لگا کر یا کمند ڈال کر لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور چوری کرتے ہیں اب یا تو وہ جیب کاٹتے ہیں یا مال چھین کر فرار ہو جاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی چوری کی کئی اقسام ہیں۔

جہاں تک مانگنے والے کا تعلق ہے تو جب وہ دوسروں کی کمائی سے مانگتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے تجھے کیا تکلیف ہے دوسروں کی طرح تو بھی محنت کر تو کیوں بیکار پھرتا ہے یوں اسے کچھ نہیں دیا جاتا لہٰذا اب گداگر بھی لوگوں کا مال نکالنے کے لیے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو عاجز قرار دیتے ہیں بعض تو حقیقتاً عاجز بن جاتے ہیں مثلاً وہ اپنے بچوں کو اور خود اپنے آپ کو اندھا بنا لیتے ہیں تاکہ اندھے پن کی وجہ سے انہیں کچھ دیا جائے اور بعض محض بہانہ کر کے اپنے آپ کو اندھا، فالج زدہ، مجنون یا کسی دوسری بیماری میں مبتلا ظاہر کرتے ہیں اس طرح وہ مختلف بہانوں کے ذریعے مال حاصل کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قدرتی طور پر ہم اس حادثے کا شکار ہو گئے تاکہ لوگ ترس کھا کر کچھ دیں۔

اور بعض لوگ ایسی باتیں اور ایسے کام تلاش کرتے ہیں جو لوگوں کو پسند آئیں اور وہ اس کام کو دیکھ کر ہنسی خوشی انہیں کچھ دے دیں لیکن جب وہ مسرت ختم ہوتی ہے تو وہ اپنے کئے پر نادم ہوتے ہیں لیکن اب اس ندامت کا کیا فائدہ؟

یہ بات بعض اوقات اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ وہ مسخرہ پن کا مظاہرہ کرتا ہے قصے کہانیاں بیان کرتا ہے، شعبدہ بازی کرتا ہے اور ایسے کام کرتا ہے جن کے ذریعے لوگوں کو ہنساتا ہے اور بعض اوقات خوش الحانی کے ساتھ عجیب و غریب اشعار پڑھے جاتے ہیں یا قافیے ملا کر نثر میں گفتگو کی جاتی ہے اور اشعار نفس میں اچھی خاصی تاثیر پیدا کرتے ہیں خصوصاً جب ان میں مذہبی تعصب پایا جائے مثلاً صحابہ کرام یا اہل بیت کے مناقب بیان کئے جائیں یا اس قسم کا کلام ہوتا ہے جو باطل محبت اور عشق کی تحریک پیدا کرتا ہے جیسے بازاروں میں ڈھولکی بجانے والے کرتے ہیں۔

نیز ایسے کام جو عوض کے مشابہ ہوتے ہیں حالانکہ ان میں عوض نہیں ہوتا مثلاً تعویذ اور بوٹیاں وغیرہ بیچتے ہیں اور ان کو دوائی قرار دیتے ہیں یوں وہ بچوں اور جاہل لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں نیز وہ لوگ جو نجومی بن کر فال نکالتے ہیں۔ اسی جنس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو منبر پر بیٹھ کر وعظ صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ان کو دولت حاصل ہو اگر ان کا مقصد علمی فائدہ پہنچانا نہ ہو بلکہ ان کی غرض لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہو تو یہ سب لوگ حصول رزق کے لیے اپنے ذہن کو استعمال کرتے ہیں۔

تو یہ مخلوق کے مشاغل اور اعمال ہیں جن پر وہ جھکے ہوئے ہیں اور ان تمام مشاغل کی طرف ان کے جانے کا باعث رزق اور لباس حاصل کرنا ہے لیکن اس دوران وہ اپنے نفس کو بھول جاتے ہیں اسی طرح اپنے مقصد اور واپسی سے بھی غافل ہو جاتے ہیں بنا بریں وہ بھٹک جاتے ہیں۔

چونکہ ان کی ضعیف عقل ان تمام دنیاوی مشاغل کی بھیڑ سے گندی ہو چکی ہے لہذا اس میں فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں اب ان کے مذاہب بھی تقسیم ہو گئے اور ان کی آراء میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جس پر جہالت اور غفلت کا غلبہ ہے اس لیے انجام کار کو دیکھنے کی خاطر ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مقصود تو دنیا کے چند دن زندہ رہنا اور اس میں عیش کرنا ہے لہذا ہم روزی کمانے میں لگے رہتے ہیں پھر ہم کھانا کھاتے ہیں تاکہ کمانے پر قوت حاصل ہو پھر کھانے کے لیے کماتے ہیں۔

پس وہ کمانے کے لیے کھاتے اور کھانے کے لئے کماتے ہیں۔

یہ مذہب کاشتکار اور مختلف پیشوں سے متعلق لوگوں کا ہے اور جسے دنیا میں نعمت حاصل نہیں اور نہ ہی دین کے ساتھ کوئی تعلق ہے وہ دن بھر تھکتا ہے "تاکہ رات کو کھائے اور رات کو کھاتا ہے" تاکہ دن کو تھکے یہ لوگ کولھو کے بیل کی طرح ہیں جس کا سفر موت کے بغیر ختم نہیں ہوتا۔

ایک اور گروہ ہے جس کا خیال ہے کہ شریعت کا مقصود یہ نہیں کہ انسان کام تو کرتا رہے اور دنیا میں عیش نہ کرے یہ تو بدبختی ہے، سعادت تو یہ ہے کہ وہ اپنی دنیوی خواہشات کو بھی پورا کرے اور وہ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت ہے۔ ان لوگوں نے بھی اپنے آپ کو بھلا دیا اور اپنی تمام ہمت کو عورت کے پیچھے جانے اور لذیذ کھانے جمع کرنے پر خرچ کرتے ہیں جانوروں کی طرح کھاتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جب انہیں یہ پسندیدہ بات حاصل ہو جائے تو انہوں نے انتہائی درجے کی سعادت حاصل کرلی۔ چنانچہ اس سوچ اور عمل نے انہیں اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل کر دیا ہے۔

ایک اور جماعت کا خیال ہے کہ مال کی فراوانی اور خزانے جمع کرنے سے سعادت مندی اور خوش بختی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ وہ رات دن اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے ہیں وہ طویل دنوں اور راتوں میں سفر کے دوران اپنے آپ کو تھکاتے ہیں اور مشکل کاموں میں پھنسے رہتے ہیں مال کماتے ہیں اور جمع کرتے ہیں اور بخل کی وجہ سے کہ کہیں مال کم نہ ہو جائے محض ضرورت کے مطابق کھاتے ہیں ان کی لذت یہی ہے وہ مرتے دم تک اسی طریقے پر چلتے ہیں اور ان کے مرنے کے بعد ان کی کمائی کو یا جوز مین کھا لیتی ہے یا وہ لوگ اسے لے لیتے ہیں جو خواہشات کے تحت اسے کھاتے اور لذت حاصل کرتے ہیں اور جمع کرنے والے کے لیے تھکاوٹ اور وبال ہی ہوتا ہے جب کہ کھانے والا لذت حاصل کرتا ہے پھر وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں وہ اس قسم کی مثالیں دیکھنے کے بعد بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ اچھے نام میں سعادت ہوتی ہے نیز یہ کہ لوگ ان کی زیب و زینت اور مروت کی تعریف کریں یہ لوگ رزق کمانے میں اپنے آپ کو تھکا دیتے ہیں لیکن کھانے پینے کے اعتبار سے اپنے نفس کو تنگی میں ڈالتے ہیں وہ اپنا تمام مال اچھے لباس اور عمدہ جانوروں پر خرچ کرتے ہیں اپنے مکانات کے دروازوں اور جو چیز لوگوں کی نگاہ میں آتی ہے اسے سجاتے ہیں تاکہ کہا جائے کہ یہ شخص مالدار ہے ان کا خیال ہے کہ یہی نیک بختی ہے وہ دن رات اسی جگہ کو تیار کرتے اور سجاتے ہیں جس پر لوگوں کی نظر پڑتی ہے ایک دوسرے گروہ کا تصور یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان جاہ و مرتبہ کا حصول ہی سعادت ہے نیز یہ کہ لوگ ان کے سامنے جھکیں عاجزی کریں اور ان کی تعظیم کریں اس طرح وہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے سرکاری عہدے طلب کرتے ہیں اور حکومتی مناصب اختیار کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے کسی نہ کسی طبقے پر ان کا حکم نافذ ہو وہ سمجھتے ہیں کہ جب ان کی حکومت وسیع ہوگی اور ان کی رعایا ان کے لیے جھکے گی تو انہیں بہت بڑی سعادت حاصل ہوگی اور یہی مطلوب کی انتہا ہے جو لوگ غافل ہیں ان پر سب سے زیادہ غالب یہی خواہش ہے تو ان لوگوں کا شغل یہ ہے کہ وہ چاہتے لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے اس کی عبادت کرتے اور اپنی آخرت اور لوٹنے کے بارے میں سوچنے کی بجائے ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کریں۔

ان لوگوں کے علاوہ بھی کچھ گروہ ہیں جن کا شمار ناممکن ہے وہ ستر فرقوں سے بھی کچھ زیادہ ہیں وہ سب کے سب گمراہ ہیں اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کھانے، لباس اور رہائش کی حاجت میں ان تینوں کاموں کے مقاصد کو بھلا دیا اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ ان میں سے بھی کس قدر کافی ہے تو اسباب کا آغاز ان کے آخر کی طرف کھینچ کر لے گیا اور بالآخر ان کو ایسے گڑھوں میں گرا دیا جن سے باہر نکلنا ناممکن ہے۔

تو جو شخص ان اسباب اور مشاغل کی حاجت کا سبب جان لے ان کے غایتِ مقصود کی پہچان حاصل کر لے وہ کسی عمل، پیشے اور شغل میں مصروف ہونے سے پہلے اس کے مقصود کا علم حاصل کرتا ہے اور یہ بھی معلوم کرتا ہے کہ اس میں اس کا کتنا حصہ ہے نیز یہ کہ رزق اور لباس سے بدن کو فائدہ پہنچانا اور اس کی حفاظت کرنا ہے تاکہ وہ ہلاک نہ ہو اور اگر وہ اس میں بھی کمی کرے تو اس کی مصروفیت ختم ہو جائے گی اس کا دل فارغ ہو جائے گا اور اس پر آخرت کا ذکر غالب ہوگا۔ اور اس کی ہمت اس کی تیاری کی طرف پھر جائے گی۔

اور اگر وہ ضرورت کی حد سے بڑھ جاتے تو کام زیادہ ہو جائیں گے اور ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا کام نکلے گا حتیٰ کہ ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا اب بہت سے تردد ہوں گے اور جب دنیا کی وادیوں میں تردد کا ہجوم ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ اسے ان میں سے کس وادی میں ہلاک کرے ــــ تو جو لوگ دنیا کے کاموں میں پوری طرح مستغرق ہو جاتے ہیں ان کا یہی حال ہے۔

اب کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا کی حالت سے خبردار ہونے کے بعد اس سے اعراض کرنے میں تو شیطان ان سے

حسد کرتا ہے اور ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور اس سلسلے میں بھی ان کو گمراہ کر دیتا ہے حتی کہ وہ کئی گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔
ان میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ دنیا آزمائش اور مصیبت کی جگہ ہے اور آخرت ہر شخص کے لیے سعادت کا مقام ہے جو اس میں پہنچتا ہے چاہے وہ دنیا میں عبادت کرے یا نہ کرے لہذا وہ اسی بات میں بہتری سمجھتے ہیں کہ دنیا کی محنت سے چھوٹنے کے لیے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں ہندوستان کے بعض ہندو عبادت گزاروں کا یہی طریقہ ہے وہ اپنے آپ کو آگ سے جلا دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی محنت و مشقت سے چھوٹ گئے۔

ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ خودکشی سے نجات حاصل نہیں ہوتی بلکہ ضروری ہے کہ پہلے بشری صفات کو بالکل ختم کر دیا جائے اور سعادت کا حصول شہوت اور غصے کو ختم کرنے میں ہے پھر وہ مجاہدے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنے آپ پر سختی کرتے ہیں حتی کہ ان میں سے بعض نے ریاضت کی شدت سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اور بعض کی عقل خراب ہو گئی اور وہ پاگل ہو گئے جب کہ کچھ بیمار پڑ گئے اور ان پر عبادت کا راستہ بند ہو گیا۔ اور بعض بشری صفات کی بیخ کنی سے عاجز ہو کر کہنے لگے کہ شریعت نے جن کاموں کا مکلف بنایا ہے وہ محال ہے اور (معاذ اللہ) شریعت ایک دھوکہ ہے اس کی کوئی اصل نہیں پس وہ بے دین (ملحد) ہو گئے۔

بعض کے سامنے یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ سب محنت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندوں کی عبادت کی ضرورت نہیں ہے کسی نافرمان کی نافرمانی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کسی عبادت گزار کی عبادت سے اس کی خدائی میں اضافہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ وہ یہ سوچ کر خواہشات کی طرف پلٹ گئے اور اباحت کا راستہ اختیار کر لیا (کہ سب کچھ جائز ہے) شریعت اور اس کے احکام کی بساط لپیٹ دی اور یہ خیال کیا کہ یہ ان کے عقیدہ توحید کے خالص ہونے کی دلیل ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے عبادت کرنے سے بے نیاز ہے۔

ایک اور گروہ کا خیال ہوا کہ عبادتوں سے مقصود مجاہدہ ہے تاکہ بندہ معرفت خداوندی تک پہنچ جائے تو جب معرفت حاصل ہو گئی تو وہ پہنچ گیا اب اس تک پہنچنے کے بعد وسیلے اور حیلے کی کیا ضرورت ہے چنانچہ انہوں نے محنت اور عبادت چھوڑ دی اور یہ خیال کیا کہ معرفت خداوندی میں ان کو وہ مقام حاصل ہو گیا ہے کہ اب وہ تکالیف شرعیہ سے اوپر جا چکے ہیں عام لوگوں کو عبادت کا مکلف بنایا گیا ہے اس کے علاوہ بھی باطل مذاہب اور ہلاکت خیز گمراہی ہے ان کا شمار کرنا ممکن نہیں ستر سے زیادہ فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ نجات پانے والا ہے۔

نجات پانے والی جماعت وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلتی ہے یعنی وہ لوگ نہ تو دنیا کو بالکل چھوڑتے ہیں اور نہ خواہشات کو بالکل ختم کرتے ہیں دنیا سے زادِ راہ کی مقدار لیتے ہیں اور خواہشات سے اس قدر چھوڑتے ہیں جو شریعت اور عقل کی اطاعت سے خارج ہو۔ نہ تو وہ مکمل طور پر خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں اور

نہ خواہشات کو بالکل چھوڑتے ہیں بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں دنیا کی ہر چیز کو چھوڑتے بھی نہیں اور ہر دنیوی چیز کی طلب بھی نہیں رکھتے بلکہ دنیا میں جو کچھ پیدا کیا گیا وہ اس کے مقصد کو جانتے ہیں۔

اور اس کے مقصود کی حد تک اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ اسی قدر رزق حاصل کرتے ہیں جس سے عبادت کے لیے بدن کو طاقت حاصل ہو مکان کا حصول اسی قدر ہوتا ہے کہ گرمی، سردی اور چوروں سے محفوظ رہیں اور اسی طرح لباس بھی ضرورت کے مطابق حاصل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب دل، بدن کی مشغولیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو وہ پوری ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور زندگی بھر ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے اور وہ ہمیشہ شہوات کی سیاست اور اس سے حفاظت میں رہتا ہے حتیٰ کہ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور اس بات کی تفصیل اسی وقت معلوم ہو سکتی ہے جب وہ نجات پانے والی جماعت کی اقتدا کرے اور وہ صحابہ کرام ہیں کیوں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان (تہتر فرقوں) میں سے صرف ایک گروہ نجات پانے والا ہے تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اہل سنت وجماعت ہیں عرض کیا گیا اہل سنت وجماعت کون ہیں؟ فرمایا جو میرے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلتے ہیں۔ (۱)

اور صحابہ کرام کا راستہ اعتدال کا راستہ تھا اور وہ اس واضح راستہ پر تھے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں وہ دنیا کو دنیا کے لیے نہیں بلکہ دین کے لیے اختیار کرتے تھے اور وہ رہبانیت بھی اختیار نہیں کرتے تھے کہ دنیا کو بالکل چھوڑ دیں وہ افراط و تفریط کا شکار بھی نہیں تھے بلکہ وہ میانہ روی اختیار کرتے تھے یہی اعتدال اور وسط ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی تمام امور میں سے یہی زیادہ پسند ہے جیسا کہ اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مذمتِ دنیا کا بیان مکمل ہوا اول و آخر لائق حمد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہمارے آقا و حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب پر سلام ہو۔

---

(۱) ہر فرقہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے راستے پر چلتا ہے یقین دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ اہلِ سنت وجماعت (بریلوی مکتب فکر) ہی حقیقتاً سنتِ رسول اور صحابہ کرام کے راستے کو اپنا یا ہوا ہے اور اہم بات یہ ہے کہ دوسرے فرقے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا اہل بیت عظام کے بارے میں گستاخانہ طریق کار اپنائے ہوئے ہیں۔

(۱۲ ہزاروی)

۷۔ بخل اور مال کی محبّت کی مذمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو اپنے کشادہ رزق کی وجہ سے لائقِ حمد ہے وہ مایوسی کے بعد تکلیف کو دور کرنے والا ہے اس نے مخلوق کو پیدا کر کے انہیں وسیع رزق عطا فرمایا اور دنیا والوں کو طرح طرح کے مال عطا فرمائے ان کو انقلابِ احوال کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کیا اور تنگی اور آسانی، مالداری اور محتاجی، امید اور مایوسی، دولت اور افلاس، عاجز اور استطاعت، حرص اور صبر، بخل اور سخاوت، موجود پر خوشی اور مفقود پر افسوس، ایثار اور خرچ، وسعت اور تنگی فضول خرچی اور کنجوسی، تھوڑے پر راضی رہنے اور زیادہ کو کم سمجھنے کے درمیان رکھا۔

یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ ان کو آزمائے کہ ان میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے اور کون دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا اور آخرت سے پھرتے ہوئے دنیا کو ذخیرہ اور خزانہ بناتا ہے۔

اور رحمت کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو جن کے دین کو تمام ادیان کے لیے ناسخ بنایا اور آپ کی شریعت کے ذریعے تمام ادیان کو لپیٹ دیا (منسوخ کر دیا)

اور آپ کے آل و اصحاب پر رحمت ہو جو عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے راستے پر چلتے ہیں اور ان پر بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ـــــ دنیا کے فتنے بے شمار ہیں اس کی کئی شاخیں اور کنارے ہیں اور وہ نہایت وسیع اور فراخ ہیں لیکن سب سے بڑا فتنہ مال کا فتنہ ہے اور اسی میں رنج اور محنت بھی زیادہ ہے اور اموال میں زیادہ خرابی کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص مال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا پھر جب اسے پا لیتا ہے تو اس سے محفوظ نہیں ہوتا اگر مال نہ ملے تو محتاجی ہوتی ہے جو کفر کے قریب لے جا سکتی ہے اور اگر مل جائے تو سرکشی کا خطرہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ نقصان کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مال فوائد اور آفات دونوں سے خالی نہیں ہوتا اس کے فوائد نجات دینے والے اور آفات ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔ اس کے بہتر کو برے سے ممتاز کرنا بہت مشکل ہے وہی لوگ اس کی طاقت رکھتے ہیں جن کو دین کی بصیرت حاصل ہوتی ہے اور وہ راسخ و مضبوط علم والے علماء ہیں محض رسمی اور دھوکے کا شکار لوگ نہیں اس کا الگ ذکر بہت اہم ہے کیونکہ دنیا کی مذمت کے سلسلے میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ خاص مال کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ دنیا کے بارے میں عمومی بیان ہے کیوں کہ دنیا تو انسان کو فوری حاصل ہونے والے فائدے کا نام ہے جب کہ مال اس کا

بعض حصہ ہے اسی طرح جاہ و مرتبہ بھی اس کی جزو ہے، پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کے پیچھے جانا بھی اس دنیا کا حصہ ہے اس دنیا میں غصہ اور حسد بھی شامل ہے، تکبر اور بلند مقام کی طلب بھی اس کا ایک حصہ ہے گویا اس کے بہت سے حصے ہیں جن سب کا مجموعہ انسان کو فوری ملنے والا نفع ہے۔

اس باب میں ہم صرف مال کا ذکر کرتے ہیں کیوں کہ اس کی آفات اور نقصانات زیادہ ہیں اگر آدمی اس کو چھوڑ دے تو اس پر فقر آجاتا ہے اگر دولت مل جائے تو مالداری آجاتی ہے اور ان دو باتوں کے حاصل ہونے پر امتحان اور آزمائش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے پھر جس کو مال نہیں ملتا اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک صبر اور دوسری حرص، ان میں سے ایک قابل تعریف اور دوسری قابل مذمت ہے حرص کرنے والے کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی طمع اور لوگوں سے مایوسی کے بعد صنعت و حرفت میں متعد ہو جانا ان دونوں میں سے طمع زیادہ بری حالت جسے مال حاصل ہوتا ہے اس کی بھی دو حالتیں ہیں وہ بخل اور کنجوسی کی وجہ سے مال روک کر رکھتا ہے یا خرچ کرتا ہے۔ ان میں سے بھی ایک مذموم اور دوسری محمود ہے، خرچ کرنے والے کی بھی دو حالتیں ہیں یا وہ ضرورت سے زائد خرچ کرتا ہے یا اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے اور اعتدال قابل تعریف ہے۔

یہ امور چونکہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں لہٰذا ان سے پردہ اٹھانا اور ان کو واضح کرنا ضروری ہے۔

ہم ان تمام باتوں کو چودہ فصلوں میں واضح کریں گے ان شاء اللہ

(۱) مال کی مذمت

(۲) مال کی تعریف

(۳) مال کے فوائد اور آفات کی تفصیل

(۴) حرص اور طمع کی مذمت

(۵) حرص اور طمع کا علاج

(۶) سخاوت کی فضیلت

(۷) سخی لوگوں کے واقعات

(۸) بخل کی مذمت

(۹) بخیل لوگوں کے واقعات

(۱۰) ایثار اور اس کی فضیلت

(۱۱) سخاوت اور بخل کی تعریف

(۱۲) بخل کا علاج

(۱۳) مال میں لازم ذمہ داریاں
(۱۴) مالداری کی مذمت اور فقر کی تعریف

مال کی مذمت اور اس کی محبت کی برائی

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔ (۱)

اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (۲)

بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔

تو جو شخص اپنے مال اور اپنی اولاد کو اس چیز پر ترجیح دے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو وہ بہت بڑے نقصان میں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا۔ (۳)

جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہے (تو ہم اس میں اس کا پورا پھل دیں گے اور اس میں کمی نہیں کریں گے)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَىٰ۔ (۴)

یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے جب دیکھے تو پرواہ نہیں کرتا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ منافقون آیت ۹
(۲) قرآن مجید، سورۂ تغابن آیت ۱۵
(۳) قرآن مجید سورۂ ہود آیت ۱۵
(۴) قرآن مجید سورۂ علق آیت ۶، ۷

پس نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔ (۱)

(مال کی) کثرت کی خواہش نے تمہیں غافل کر دیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حُبُّ الْمَالِ وَالشَّرَفِ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ۔ (۲)

مال اور بڑائی کی محبت دل میں منافقت پیدا کرتے ہیں جیسے پانی سبزی اگاتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَا ذِئْبَانِ ضَارِيَانِ اُرْسِلَا فِي زَرِيْبَةِ غَنَمٍ بِاَكْثَرَ اِفْسَادًا فِيْهَا مِنْ حُبِّ الشَّرَفِ وَالْمَالِ وَالْجَاهِ فِي دِيْنِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ۔ (۳)

دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ اس قدر نقصان نہیں کرتے جتنا نقصان مسلمان آدمی کے دین میں جاہ و مرتبہ اور مال کی محبت سے ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هَلَكَ الْمُكْثِرُوْنَ اِلَّا مَنْ قَالَ بِهٖ فِي عِبَادِ اللّٰهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ۔ (۴)

زیادہ مال والے ہلاک ہوئے مگر جس نے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس طرح اور اس طرح کر دیا اور ایسے لوگ بہت کم ہیں (یعنی صدقہ و خیرات کیا)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! آپ کی امت میں برے لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا "مال دار لوگ"۔ (۵)

(یعنی جو اپنا مال راہ خداوندی میں خرچ نہیں کرتے جس طرح گذشتہ حدیث میں گزرا ہے ۱۲ ہزاروی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سَيَاْتِي بَعْدَكُمْ قَوْمٌ يَّاْكُلُوْنَ اَطَايِبَ الدُّنْيَا

تمہارے بعد ایک قوم آئے گی وہ دنیا کے مزے مزے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ التکاثر آیت ۱

(۲) کنز العمال جلد ۵ اص ۲۲۰ حدیث ۴۰۶۶۸

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۹ ص ۹۶ حدیث ۱۸۹

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۲۵ مرویات ابو ہریرہ (۵) شعب الایمان جلد ۵ ص ۲۳ حدیث ۵۶۶۹

وَاَلْوَانُهَا وَيَرْكَبُوْنَ فُرْهَ الْخَيْلِ وَاَلْوَانُهَا
وَيَنْكِحُوْنَ اَجْمَلَ النِّسَاءِ وَاَلْوَانُهَا وَيَلْبَسُوْنَ
اَجْمَلَ الثِّيَابِ وَاَلْوَانُهَا لَهُمْ بُطُوْنٌ مِنَ
الْقَلِيْلِ لَا تَشْبَعُ وَاَنْفُسٌ بِالْكَثِيْرِ لَا تَقْنَعُ
عَاكِفُوْنَ عَلَى الدُّنْيَا يَغْدُوْنَ وَيَرُوْحُوْنَ
اِلَيْهَا اتَّخَذُوْهَا اٰلِهَةً مِنْ دُوْنِ اِلٰهِهِمْ
وَرَبًّا دُوْنَ رَبِّهِمْ اِلَى اَمْرِهَا يَنْتَهُوْنَ
وَلِهَوَاهُمْ يَتَّبِعُوْنَ فَعَزِيْمَةٌ مِنْ مُحَمَّدِ
بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ لِمَنْ اَدْرَكَهُ ذٰلِكَ الزَّمَانُ
مِنْ عَقِبِ عَقِبِكُمْ وَخَلْفِ خَلْفِكُمْ اَنْ
لَا يُسَلِّمَ عَلَيْهِمْ وَلَا يَعُوْدَ مَرْضَاهُمْ
وَلَا يَتَّبِعَ جَنَائِزَهُمْ وَلَا يُوَقِّرَ كَبِيْرَهُمْ
فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ
الْاِسْلَامِ ۔ (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دَعُوا الدُّنْيَا لِاَهْلِهَا مَنْ اَخَذَ مِنَ
الدُّنْيَا فَوْقَ مَا يَكْفِيْهِ اَخَذَ حَتْفَهُ وَهُوَ لَا
يَشْعُرُ ۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِيْ مَالِيْ وَهَلْ لَكَ مِنْ
مَالِكَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَيْتَ اَوْ لَبِسْتَ
فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ ۔ (۳)

کے اور رنگ برنگے کھانے کھائیں گے، عمدہ اور تیز رفتار
گھوڑوں پر سوار ہوں گے خوبصورت عورتوں سے نکاح
کریں گے اور رنگ برنگ عمدہ کپڑے پہن گے ان
کے پیٹ تھوڑی چیز سے سیر نہیں ہوں گے اور ان کے
نفس زیادہ پر بھی صبر نہیں کریں گے وہ دنیا پر اس طرح
جھک جائیں گے کہ صبح شام وہی مدنظر ہوگی وہ اسی کو اپنا
معبود اور رب سمجھیں گے اسی کی بات مانیں گے اور خواہشات
کی پیروی کریں گے جو آدمی ایسے زمانے کو پاتے وہ
تمہاری اولاد سے ہو یا تمہاری اولاد کی اولاد سے ہو اسے
حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قسم
ہے کہ ایسے لوگوں کو سلام نہ کرے نہ ان کے مریضوں
کی عیادت کرے نہ ان کے جنازوں کے پیچھے جائے
اور نہ ان کے بڑوں کی عزت کرے جس نے ایسا کیا
اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی

دنیا، دنیا داروں کے لیے چھوڑ دو جو شخص دنیا سے
ضرورت سے زیادہ لے گا وہ اپنی موت حاصل کرے گا
اور اسے پتہ بھی نہیں چلے گا۔

انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال اور تمہارے مال سے
تمہارے لیے وہی ہے جو تم نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن
کر پرانا کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۱۲۷ حدیث ۷۵۱۳ (نامکمل)

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۹۷ حدیث ۶۱۱۷

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۴ مرویات مطرف بن عبداللہ

ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے کیا ہو گیا ہے کہ مجھے موت پسند نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا مال آخرت کے لیے دے دے کیونکہ مومن کا دل اس کے مال کے ساتھ ہوتا ہے اگر اس نے آگے بھیج دیا تو اس سے ملنا چاہتا ہے اور اگر پیچھے چھوڑ دیا تو اس کے ساتھ پیچھے رہنا چاہتا ہے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَخِلاَّءُ ابْنِ اٰدَمَ ثَلاَثَةٌ وَاحِدٌ یَتْبَعُهُ اِلٰی قَبْضِ رُوْحِهِ وَالثَّانِیْ اِلٰی قَبْرِهِ وَالثَّالِثُ اِلٰی مَحْشَرِهِ فَالَّذِیْ یَتْبَعُهُ اِلٰی قَبْضِ رُوْحِهِ فَهُوَ مَالُهُ وَالَّذِیْ یَتْبَعُهُ اِلٰی قَبْرِهِ فَهُوَ اَهْلُهُ وَالَّذِیْ یَتْبَعُهُ اِلٰی مَحْشَرِهِ فَهُوَ عَمَلُهُ، (۲)

انسان کے دوست تین قسم کے ہیں ایک وہ جو اس کی روح نکلنے تک اس کے پیچھے چلتا ہے دوسرا اس کی قبر تک ساتھ جاتا ہے اور تیسرا میدان محشر تک ساتھ دیتا ہے وہ (دوست) جو اس کے مرنے تک ساتھ دیتا ہے وہ اس کا مال ہے اور جو قبر تک جاتا ہے وہ اس کے گھر والے ہیں اور میدان محشر تک ساتھ دینے والا دوست اس کا عمل ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ پانی پر چلتے ہیں اور ہم نہیں چل سکتے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے نزدیک درہم اور دینار کا کیا مقام ہے؟ انہوں نے عرض کیا اچھا مقام ہے آپ نے فرمایا لیکن میرے نزدیک یہ دونوں چیزیں اور مٹی کے ڈھیلے برابر ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو لکھا اے میرے بھائی! دنیا سے اتنا مال جمع نہ کرنا کہ اس کا شکر ادا نہ کر سکو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا (قیامت کے دن) ایک دنیا دار کو لایا جائے گا جس نے دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم مانا ہو گا اور اس کا مال اس کے سامنے ہو گا جب وہ پل صراط پر ڈولنے لگے گا تو اس کا مال کہے گا چلو چلو تم نے مجھ سے متعلق اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر دیا ہے پھر ایک اور دنیا دار کو لایا جائے گا جس نے دنیا سے متعلق اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کیا ہو گا اس کا مال اس کے کاندھوں کے درمیان ہو گا جب پل صراط سے ادھر ادھر جھکائے گا تو اس کا مال کہے گا تجھے خرابی ہو تو نے مجھ سے اللہ تعالیٰ کا حق کیوں ادا نہیں کیا وہ اسی حالت پر رہے گا حتیٰ کہ آوازیں دے گا کہ وہ ہلاک ہو گیا (۳)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۲۶۹ حدیث ۲۰۵۱۲

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۱۰ از روایت انس

(۳) مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۹۷ حدیث ۲۰۰۲۹

جو کچھ ہم نے زہد اور فقر کے باب میں مال دار کی مذمت اور فقر کی تعریف میں لکھا ہے وہ سب مال کی مذمت سے متعلق ہے لہٰذا ہم اسے دوبارہ ذکر کر کے بیان کو بڑھانا نہیں چاہتے۔

اسی طرح جو کچھ ہم نے دنیا کی مذمت کے سلسلے میں لکھا ہے وہ عام ہونے کی وجہ سے مال کی مذمت کو بھی شامل ہے کیونکہ مال دنیا کا سب سے بڑا رکن ہے۔ یہاں ہم صرف وہی روایات ذکر کریں گے جو صرف مال سے تعلق رکھتی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا مَاتَ الْعَبْدُ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ النَّاسُ مَا خَلَّفَ۔ (۱)

جب کوئی بندہ فوت ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اس نے آگے کیا بھیجا اور لوگ کہتے ہیں اس نے پیچھے کیا چھوڑا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتُحِبُّوا الدُّنْيَا۔ (۲)

زمین اختیار نہ لو ورنہ دنیا سے محبت کرنے لگو گے۔

آثار:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو ایک شخص سے کچھ تکلیف پہنچی تو آپ نے یوں دعا مانگی اے اللہ! جس نے میرے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے اس کو جسمانی صحت عطا فرما، اس کی عمر دراز فرما اور مال بڑھا دے۔

تو دیکھو کس طرح آپ نے مال کی کثرت اور اس کے ساتھ جسمانی صحت اور عمر کی زیادتی کو بڑی آزمائش کی انتہا قرار دیا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ لازماً سرکشی کی طرف جاتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلی میں ایک درہم رکھا پھر فرمایا تو جب تک مجھ سے الگ نہیں ہو گا مجھے نفع نہیں دے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی طرف ان کے عطیات بھیجے انہوں نے فرمایا یہ کیا ہے؟ لانے والوں نے عرض کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے پھر ایک پردہ کھینچا اور اسے پھاڑ کر تھیلیاں بنائیں اور وہ تمام مال اپنے رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی۔

اے اللہ! اس سال کے بعد مجھ تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عطیہ نہ پہنچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷ ص ۳۲۸ حدیث ۱۰۴۷۵

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۲۶ مرویات عبد اللہ

وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم جو شخص درھم (روپے پیسے) کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرتا ہے۔

کہا گیا کہ سب سے پہلے درھم و دینار تیار ہوئے تو شیطان نے ان کو اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھا پھر ان کو بوسہ دیا اور کہا جس نے ان کو اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھا پھر ان کو بوسہ دیا اور کہا جس نے تم دونوں سے محبت کی حقیقت میں وہی میرا غلام ہے۔

حضرت سبط بن عجلان نے فرمایا درھم اور دینار منافقوں کی لگامیں ہیں وہ ان کے ذریعے دوزخ کی طرف کھینچے جائیں گے حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ درھم بچھو ہیں اگر تو اس کا دم اچھی طرح نہیں جانتا تو اسے نہ پکڑ کیوں کہ اگر اس نے تجھے ڈس لیا تو اس کا زہر تجھے ہلاک کر دے گا۔

کہا گیا کہ اس کا دم کیا ہے؟ فرمایا حلال طریقے سے لو اور اس کا حق ادا کرو حضرت علاء بن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا میرے سامنے مثالی صورت میں آئی تو وہ ہر قسم کی زینت سے مزین تھی۔ میں نے کہا میں تیرے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس نے کہا اگر تجھے یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے مجھ سے بچائے تو درھم اور دینار سے نفرت کر اسی لیے کہ درھم اور دینار تو سب کے سب دنیا ہیں کیونکہ ان کے ذریعے آدمی ہر قسم کی دنیا کو حاصل کرتا ہے لہذا جو ان دونوں سے صبر کرے گا وہ دنیا سے بھی صبر کرلے گا اسی سلسلے میں کہا گیا ہے۔

اِنِّیْ وَجَدْتُ فَلَا تَظُنُّوْا غَیْرَہٗ اِنَّ التَّوَرُّعَ عِنْدَ ھٰذَا الدِّرْھَمِ فَاِذَا قَدَرْتَ عَلَیْہِ ثُمَّ تَرَکْتَہٗ فَاعْلَمْ بِاَنَّ تُقَاکَ تَقْوَی الْمُسْلِمِ۔	میں نے (یہ راز) پایا ہے پس تم اس کے علاوہ خیال نہ کرو کہ تقویٰ اس درھم کے پاس ہے (یعنی) جب تم اس پر قادر ہونے کے باوجود اسے چھوڑ دو تو جان لو کہ تمہارا تقویٰ ایک مسلمان کا تقویٰ ہے۔

اسی سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے۔

لَا یَغُرَّنَّکَ مِنَ الْمَرْءِ قَمِیْصٌ رُقْعَہٗ اَوْ اِزَارٌ فَوْقَ عَظْمِ السَّاقِ مِنْہُ رَفْعُہٗ اَوْ جَبِیْنٌ لَاحَ فِیْہِ اَثَرٌ قَدْ خُلِعَہٗ اَرِہِ الدِّرْھَمَ تَعْرِفُ حُبَّہٗ اَوْ وَرَعَہٗ	کسی آدمی کی قمیص پر لگے ہوئے پیوند یا پنڈلی سے اوپر کی ہوتی ازار یا اس کی چمکتی ہوئی پیشانی جس میں سجدے کے نشانات ہوں کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا یہ دیکھو کہ وہ درھم (روپے پیسے) سے محبت کرتا ہے یا اس سے دور رہتا ہے۔

حضرت مسلمہ بن عبد الملک سے مروی ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے وصال کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اے امیر المومنین آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا آپ نے اولاد چھوڑی ہے لیکن ان کے لیے درھم اور دینار نہیں چھوڑے اور آپ کے تیرہ بچے تھے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے بٹھاؤ

چنانچہ انہوں نے آپ کو بٹھایا آپ نے فرمایا تمہارا یہ کہنا کہ میں نے ان کے لیے درھم اور دینار نہیں چھوڑے تو میں نے ان کا حق نہیں روکا لیکن دوسروں کا حق ان کو نہیں دیا اور میری اولاد کی دو حالتیں ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کو کفایت کرے گا اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو کفایت کرتا ہے اور اگر وہ نافرمان ہوں گے تو مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعب قرظی رحمہ اللہ کو بہت سا مال ملا تو ان سے کہا گیا کیا اچھا ہوتا اگر آپ اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے جمع رکھتے انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ میں اسے اپنے لیے اپنے رب کے پاس جمع کروں گا اور اپنے رب کو اپنی اولاد کے لیے چھوڑوں گا۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے ابو عبدِرب سے کہا اے میرے بھائی ایسا نہ ہو کہ تم دنیا سے برائی کے ساتھ جاؤ اور مال اپنی اولاد کے لیے چھوڑ جاؤ یہ سن کر ابو عبدِرب نے اپنے مال سے ایک لاکھ درھم خیرات کر دیئے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو مصیبتیں ایسی ہیں جن کی مثل پہلے اور پچھلے لوگوں نے نہیں سنا اور وہ بندے کے لیے اس کے مال میں موت کے وقت ہوتی ہیں پوچھا گیا وہ کیا مصیبتیں ہیں؟ فرمایا ایک یہ کہ اس سے تمام مال چھین لیا جاتا ہے اور دوسری یہ کہ تمام مال کا حساب دینا پڑتا ہے۔

مال کی تعریف اور مذمت میں تطبیق

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقام پر مال کو لفظ خیر کے ساتھ ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنْ تَرَكَ خَيْرًا۔ (۱) اگر وہ مال چھوڑے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (۲) کیا ہی اچھا مال نیک مرد کے لیے ہے۔

نیز صدقہ اور حج کے ثواب کے سلسلے میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ مال کی تعریف ہے کیوں کہ مال کے بغیر اس تک پہنچنا ممکن نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ اور وہ دونوں (بچے) اپنا خزانہ نکالیں آپ کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۱۸۰

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۷ مرویات عبدالرحمٰن بن حسنہ

رَّبِّكَ - (۱) رب کی رحمت سے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو احسان جتاتے ہوئے فرمایا۔

وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۔ (۲)

اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرماتا ہے اور تمہارے لیے باغات بناتا اور تمہارے لیے نہریں بناتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔ (۳)

قریب ہے کہ فقر، کفر تک پہنچا دے۔

اور مال کی تعریف اور مذمت کے جمع ہونے کی وجہ سے آگاہ نہیں ہو سکتے جب تک مال کی حکمت، اس کا مقصود، اس کی آفات اور اس کی خرابیوں کی پہچان حاصل نہ کر لو۔ یہاں تک کہ تمہارے سامنے واضح ہو جائے کہ اس کا اچھا ہونا اور وجہ سے ہے اور برائی کسی دوسری وجہ سے ہے اور یہ اس لیے قابل تعریف ہے کہ یہ اچھا ہے اور مذموم اس لیے ہے کہ اس میں خرابی ہے نہ تو یہ محض اچھا ہے اور نہ محض برا بلکہ یہ دونوں باتوں کا سبب ہے اور جس چیز کا وصف اس طرح ہو وہ کبھی قابل تعریف ہوتی ہے اور کبھی لائق مذمت لیکن جو شخص بصیرت اور تمیز کی صلاحیت رکھتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جس صورت میں قابل تعریف ہے اس صورت میں مذموم نہیں ہے۔

جو کچھ ہم نے شکر کے بیان میں خیرات، نعمتوں کے درجات وغیرہ کا ذکر کیا وہ تفصیل وہاں ملاحظہ کی جا سکتی ہے یہاں اس قدر کافی ہے کہ عقلمند اور ارباب بصیرت لوگوں کا مقصد اُخروی سعادت کا حصول ہے جو دائمی نعمت اور باقی رہنے والی بادشاہی ہے اور اس کا قصد عقل مند اور سمجھدار لوگوں کا طریقہ ہے کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون شخص زیادہ سمجھدار ہے تو آپ نے فرمایا۔

اَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَّاَشَدُّهُمْ لَهٗ اِسْتِعْدَادًا۔ (۴)

جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا اور اس کے لیے بہت زیادہ تیاری کرتا ہے۔

اور یہ سعادت دنیا میں اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک اس کے تین وسائل کو اختیار نہ کیا جائے اور وہ

---

(۱) قرآن مجید، سورہ کہف آیت ۸۲

(۲) قرآن مجید سورۂ نوح آیت ۱۲

(۳) شعب الایمان جلد ۵ ص ۲۶۷ حدیث ۶۶۱۲

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۴، ابواب الزہد

نفیس فضائل ہیں جیسے علم، حسن خُلق اور بدنی فضائل مثلاً صحت اور سلامتی تیز بدن سے باہر کے فضائل جیسے مال اور باقی اسباب ہیں۔ ان میں سے سب سے اعلیٰ نفس کی فضیلت ہے پھر بدنی اور اس کے بعد خارجی، نیز خارجی فضیلت سب سے نچلے درجے میں ہے اور مال بھی خارجی اسباب میں سے ہے اور مال میں سے سب سے ادنیٰ درھم اور دینار ہیں اور یہ دونوں خادم ہیں ان دونوں کا کوئی خادم نہیں یہ دونوں اپنے غیر کے لیے مقصود ہوتے ہیں ذاتی طور پر مراد نہیں ہوتے۔

نفس ہی وہ جوہر نفیس ہے جس کی سعادت مطلوب ہے وہ علم و معرفت اور مکارمِ اخلاق کی خدمت کرتا ہے تاکہ یہ صفات نفس کی ذات میں داخل ہوں اور بدن حواس اور اعضاء کے ذریعے نفس کی خدمت کرتا ہے جب کہ کھانے اور لباس بدن کی خدمت کرتے ہیں اور یہ بات گزر چکی ہے کہ کھانے کا مقصد بدن کو باقی رکھنا ہوتا ہے اور نکاح کا مقصد نسل کو باقی رکھنا ہے بدن کے ذریعے نفس کی تکمیل اور تزکیہ ہوتا ہے جب کہ علم اور اخلاق کے ذریعے اسے زینت حاصل ہوتی ہے۔

جو شخص اس ترتیب کو جان گیا اس نے مال کی قدر کو پہچان لیا اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس (مال) کی وجہِ شرافت کیا ہے اور مال بذاتِ خود کھانے اور لباس کی ضرورت ہے جو بدن کے باقی رہنے کے لیے ضروری ہیں اور بدن کا باقی رہنا کمالِ نفس کی ضرورت ہے جو سب سے بہتر ہے۔

جو شخص کسی چیز کے فائدے، اس کی غایت اور اس کے مقصود کو جان لیتا ہے اور اسے اسی مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسے بھولتا نہیں تو یہ اس کے حق میں اچھا اور نفع بخش ہے اور جو چیز کسی غرض کا ذریعہ ہو وہ اس کے حق میں قابلِ تعریف ہوتا ہے۔ لہٰذا مال صحیح مقصود کے لیے آلہ اور وسیلہ ہے لیکن اس کو فاسد مقاصد کے لیے آلہ اور وسیلہ بنایا جا سکتا ہے اور یہ وہ مقاصد ہیں جو آخرت کی سعادت سے روکتے ہیں اور علم و عمل کا دروازہ بند کر دیتے ہیں لہٰذا یہ محمود بھی ہے اور مذموم بھی ــــ مقاصد محمودہ کی طرف نسبت کی صورت میں محمود ہے اور مذموم مقاصد کی طرف منسوب ہو تو قابلِ مذمت ہے۔ حدیث شریف کے مطابق جو شخص دنیا سے ضرورت سے زیادہ لیتا ہے وہ گویا نادانستہ طور پر اپنی موت حاصل کرتا ہے (۱)

اور جب طبیعتیں ان خواہشات کی طرف مائل ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے والی ہیں اور مال ان خواہشات کا آلہ اور ان کو آسان کرنے والا ہے تو جو مال ضرورت سے زیادہ ہو اس میں بہت بڑا خطرہ ہے اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام نے اس کے شر سے پناہ مانگی ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۹۵ حدیث ۶۱۱۷

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ آلِ مُحَمَّدٍ كَفَافًا۔ (۱)

یا اللہ! حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو حسب ضرورت رزق عطا فرما۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اسی قدر مانگا جس میں بھلائی ہو۔

اور آپ نے یہ دعا بھی مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔ (۲)

اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین ہونے کی حالت میں دنیا سے لے جانا اور مساکین کی جماعت میں اٹھانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس سے پناہ مانگتے ہوئے یوں دعا کی

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (۳)

اور مجھے اور میرے اولاد کو بتوں کی پوجا سے بچانا۔

اور اس سے آپ نے یہ دو پتھر یعنی سونا اور چاندی مراد لیے کیوں کہ نبوت کا رتبہ اس بات سے بلند ہے کہ ان سے ان پتھروں کو معبود ماننے کا ڈر ہو کیونکہ آپ تو نبوت سے پہلے بچپن کی حالت میں بھی اس پوجا سے محفوظ تھے یہاں عبادت سے مراد ان سے محبت کرنا ان کے ذریعے دھوکہ کھانا اور ان کی طرف جھکنا رغبت کرنا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَتَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ تَعِسَ وَلَا انْتَعَشَ وَاِذَا شِیْكَ فَلَا انْتَقَشَ۔ (۴)

دینار کا بندہ ہلاک ہوا اور درہم کا بندہ ہلاک ہوا وہ ایسا ہلاک ہوا کہ اٹھ نہیں سکتا اور جب اسے کانٹا چبھے تو نکالا نہ جاسکے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ ان سے محبت کرنے والا ان کی پوجا کرتا ہے اور جو کسی پتھر کی پوجا کرتا ہے وہ بتوں کا پجاری ہے بلکہ جو شخص بھی غیر خدا کی پوجا کرتا ہے وہ بت پرست ہے یعنی جس شخص کو دولت اللہ تعالیٰ اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے روک دے وہ بت پرست کی طرح ہے اور یہ شرک ہے لیکن شرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرک خفی ہے جس کی وجہ سے آدمی ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا اور اس سے مومن بہت کم محفوظ رہتے ہیں کیونکہ یہ تو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے اور دوسرا شرک جلی ہے جس کی وجہ سے مشرک ہمیشہ جہنم میں رہے گا ہم ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۷ کتاب الرقاق

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۴ ابواب الزھد

مال کی آفات اور فوائد کی تفصیل

مال سانپ کی طرح ہے جس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی، اس کے فوائد تریاق ہیں اور اس کی آفات زہر ہیں تو جو شخص اس کے فوائد اور آفات کی پہچان حاصل کر لے اس کے لیے اس کے شر سے بچنا اور اس کی بھلائی حاصل کرنا ممکن ہے۔

مال کے فوائد:

مال کے فوائد دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) دنیوی فوائد (۲) دینی فوائد دنیوی فوائد ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی معرفت مشہور ہے اور مخلوق کی تمام اقسام میں مشترک ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اس کی طلب میں ہلاک نہ ہوتے۔ لیکن اس کے دینی فائدے تین قسموں میں بند ہیں۔

پہلی قسم:

اپنے آپ پر خرچ کرے عبادت پر خرچ کرے یا عبادت پہ مدد حاصل کرنے کے لیے خرچ کرے عبادت پر خرچ کرنے کی مثال حج اور جہاد پر مال خرچ کرنا ہے کیونکہ یہ دونوں کام مال کے بغیر نہیں ہوتے اور یہ دونوں کام تمام عبادات کی اصل ہیں۔

اور فقیر آدمی ان دونوں کی فضیلت سے محروم ہوتا ہے اور جو کام عبادت پر قوت دیتا ہے وہ کھانا، لباس، رہائش، نکاح اور دیگر ضروریات زندگی ہیں کیونکہ جب کہ حاجات حاصل نہ ہوں تو دل ان کی تدبیر میں مصروف ہوتا ہے اور دین کے لیے فارغ نہیں ہوتا ——— اور جس چیز کے بغیر آدمی عبادت تک نہ پہنچ سکے وہ بھی عبادت ہوتی ہے۔

لہٰذا دین پر مدد حاصل کرنے کے لیے دنیا سے حسب ضرورت لینا دینی فوائد میں سے ہے لیکن ضرورت سے زیادہ لینا اور عیاشی اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ وہ محض دنیوی حصہ ہے۔

دوسری قسم:

وہ مال جو لوگوں پر صرف کیا جائے اس کی چار قسمیں ہیں (۱) صدقہ کرنا (۲) مروت کے طور پر دینا (۳) عزت کی حفاظت کے لیے دینا اور (۴) اور خدمت لینے کی اجرت دینا صدقہ کا ثواب پوشیدہ نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کے غصے کی آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے اس سے پہلے ہم صدقہ کی فضیلت ذکر کر چکے ہیں مروت سے ہماری مراد یہ ہے کہ مالدار اور معزز لوگوں کی مہمان نوازی پر مال خرچ کیا جائے یا تحفہ دیا جائے یا مدد کی جائے اس کو صدقہ نہیں کہتے بلکہ صدقہ وہ ہوتا ہے جو ضرورت مند لوگوں کو دیا جائے لیکن یہ دینی فوائد میں سے ہے کیوں کہ اس طرح انسان کو دوست اور بھائی مل جاتے ہیں نیز

اس طرح سخاوت کی صفت حاصل ہوتی ہے اور وہ سخی لوگوں کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔

کیونکہ وہی شخص سخاوت کی صفت سے موصوف ہوتا ہے جو لوگوں کے ساتھ احسان اور مروت کا سلوک کرتا ہے اس عمل کا بھی بہت بڑا ثواب ہے تحائف، مہمان نوازی اور محتاجی اور فقر کے بغیر کھانا کھلانا کے سلسلے میں بے شمار احادیث آئی ہیں۔

عزت بچانے سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی اس لیے مال خرچ کرے تاکہ شعراء اور بے وقوف لوگ اس کے خلاف برا کلام استعمال نہ کریں اس طرح وہ ان کی زبانیں بند کرتا اور ان کے شر کو دور کرتا ہے اس کا فائدہ اگرچہ دنیا میں فوری حاصل ہوتا ہے لیکن اس کا دینی فائدہ بھی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا وَقَى بِهِ الْمَرْءُ عِرْضَهُ كُتِبَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ۔ (۱)

جس مال کے ذریعے آدمی اپنے عزت کی حفاظت کرتا ہے وہ صدقہ لکھا جاتا ہے۔

یہ خرچ دینی کیوں نہیں ہوگا جب کہ اس کے ذریعے غیبت کرنے والے کو غیبت کے گناہ سے روکا جاتا ہے اور وہ حسد اور عداوت کی وجہ سے جو باتیں منہ سے نکالتا ہے اور اس طرح وہ انتقام اور بدلہ لینے کی خاطر شرعی حدود سے تجاوز کرنے سے بھی بچ جائے گا۔

جہاں تک خدمت لینے کی خاطر پیسہ خرچ کرنے کا معاملہ ہے تو آدمی اپنے اسباب کی تیاری میں جن کاموں کا محتاج ہوتا ہے وہ بہت زیادہ ہیں اگر وہ خود ہی تمام کرنے لگے تو وقت ہو جائے اور آخرت کے راستے پر چلنا مشکل ہو جائے اور ذکر و فکر جو سالکین کے بلند مقامات ہیں ان کی بجا آوری نہ ہو سکے۔

اور جس آدمی کے پاس مال نہیں ہوتا وہ اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کا محتاج ہوتا ہے وہ غلّہ خریدتا اور پیتا ہے، گھر کی صفائی خود کرتا ہے حتیٰ کہ جو کتاب ضرورت ہو اسے بھی خود لکھنا پڑتا ہے تو جو کام دوسروں کے ذریعے ہو سکتا ہے اور اس سے تمہاری غرض پوری ہو جاتی ہے جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو تو تمہیں نقصان اٹھانا پڑتا ہے کیوں کہ علم حاصل کرنا، عمل کرنا اور ذکر و فکر میں مشغول رہنا چاہیے کیونکہ یہ کام دوسروں کے ذریعے نہیں ہو سکتے لہٰذا ان کو چھوڑ کر دوسرے کاموں میں مشغول ہونا نقصان کا باعث ہے۔

تیسری قسم:

کسی خاص آدمی پر مال خرچ کرے لیکن اس سے عام لوگوں کو فائدہ حاصل ہو۔ جیسے مساجد، پل سرائے اور بیماروں کیلئے

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۲۴۲ کتاب الشہادات

ہسپتال وغیرہ بنانا، راستے میں پانی کی سبیلیں لگانا اور اس کے علاوہ اچھے مقاصد کے لیے زمین وقف کرنا یہ دائمی خیرات ہے جس کا فائدہ مرنے کے بعد بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور نیک لوگ مدتوں اس فوت شدہ کے لیے دعا کرتے ہیں اور ان دعاؤں کی برکات اسے حاصل ہوتی ہیں اس سے بڑھ کر کیا بہتری ہو سکتی ہے۔

تو یہ دین کے اعتبار سے مالی فائدے ہیں اس کے علاوہ دنیوی فوائد بھی ہیں مثلاً وہ مانگنے کی ذلت اور فقر کی حقارت سے محفوظ رہتا ہے اور مخلوق کے درمیان اسے عزت اور بزرگی حاصل ہوتی ہے دوست اور احباب زیادہ ہوتے ہیں اور دلوں میں اس کی عزت اور وقار بڑھتا ہے یہ سب مال کے دنیوی فوائد ہیں۔

مال کی آفات:

مال کی آفات دینی بھی ہیں اور دنیوی بھی، مال کے دینی نقصانات تین قسم کے ہیں۔

۱۔ مال گناہ کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ خواہشات کا تقاضا ہمیشہ جاری رہتا ہے اور مال سے عجز بعض اوقات آدمی اور گناہ کے درمیان حائل ہوتا ہے اور قادر نہ ہونا بھی بچنے کا ایک ذریعہ ہے اور جب تک انسان کسی گناہ سے مایوس رہتا ہے اس وقت تک اس کا شوق حرکت میں نہیں آتا اور جوں ہی اس پر قدرت پاتا ہے تو شوق ابھرتا ہے اور مال بھی ایک قسم کی (گناہ پر) طاقت ہے جو گناہوں کے شوق کو حرکت دیتا ہے اور فسق و فجور میں مبتلا کرتا ہے اگر وہ اپنی خواہش پر عمل پیرا ہوتا ہے تو ہلاک ہوتا ہے اور اگر صبر کرتا ہے تو شدت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ قدرت اور طاقت کے باوجود صبر کرنا مشکل ہوتا ہے اور فراخی کی حالت میں جو آزمائش ہوتی ہے وہ تنگی کی حالت کی آزمائش سے زیادہ بڑی ہوتی ہے۔

۲۔ مال مباح کاموں میں عیش و عشرت تک پہنچاتا ہے اور یہ سب سے پہلا درجہ ہے تو مالدار آدمی سے ایسا کب ہو سکتا ہے کہ وہ جَو کی روٹی کھائے، سخت کھردرے کپڑے پہنے اور لذیذ کھانے چھوڑ دے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی سلطنت میں ایسا کیا تھا۔ ایسا آدمی تو دنیا کی نعمتوں سے نفع اٹھاتا ہے اور اس کا نفس اس بات کا عادی ہو جاتا ہے یوں اس کو عیاشی سے الفت ہوتی ہے اور وہ اس کا ایسا محبوب بن جاتی ہے جس سے وہ صبر نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح ایک سے دوسری عیاشی تک جاتا ہے اور جب اس سے اُنس پکا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ حلال کمائی سے اس تک نہیں پہنچ سکتا تو شبہات میں پڑتا ہے اور وہ ریاکاری، منافقت، جھوٹ اور تمام بری عادات میں غور و خوض کرتا ہے تاکہ اس کا دنیوی معاملہ منظم ہو اور عیاشی کے لیے آسانی ہو کیونکہ جس کا مال زیادہ ہوگا لوگوں کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

اگر آدمی پہلی آفت سے بچ بھی جائے تو بھی اس سے (لوگوں کی طرف حاجت سے) نہیں بچ جا سکتا اور جب مخلوق کی طرف حاجت ہو تو دوستی اور دشمنی بھی پیدا ہوتی ہے اور اس سے حسد، کینہ، ریا، تکبر، جھوٹ، چغلی، غیبت اور ایسے تمام گناہ پیدا ہوتے ہیں جو دل اور زبان کے ساتھ خاص ہیں اور پھر یہ تمام اعضاء کی طرف متعدی ہوتے ہیں اور

یہ سب کچھ مال کی نحوست اور اس کی حفاظت اور اصلاح کی حاجت کے باعث ہوتا ہے۔

۳۔ یہ وہ آفت ہے جس سے کوئی بھی نہیں بچتا وہ یہ کہ مال کی اصلاح اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے اور جو کام بندے کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہ نقصان کا باعث ہے۔

اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

"مال میں تین آفات ہیں ایک یہ کہ حرام طریقے سے حاصل کرے، عرض کیا گیا اگر حلال طریقے سے حاصل کرے تو؟ فرمایا اسے ناحق استعمال کرتا ہے پوچھا گیا اگر صحیح مقام پر خرچ کرے تو؟ فرمایا اس کی اصلاح اسے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہے"

اور یہ لاعلاج مرض ہے کیونکہ عبادت کا اصل، اس کا مغز اور راز اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کے جلال میں تفکر ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دل فارغ ہو جب کہ مال اور ساز و سامان والا صبح و شام کسانوں سے الجھاؤ میں رہتا ہے یا اس سے حساب و کتاب ہو گا اسی طرح شرکاء کے ساتھ پانی اور زمین کی حدود کا جھگڑا ہوتا ہے خراج کے سلسلے میں حکومتی کارندوں سے اور تعمیر میں کوتاہی کے سلسلے میں مزدوروں سے اختلاف نیز کاشتکاروں سے خیانت اور چوری کے حوالے سے جھگڑا رہتا ہے۔

تاجر کو اپنے شریک کی طرف سے خیانت کی فکر رہتی ہے نیز یہ کہ وہ نفع زیادہ لیتا ہے اور کام میں کوتاہی کرتا ہے علاوہ ازیں مال کو ضائع کرتا ہے اسی طرح جانوروں کا مالک بھی اس قسم کے مسائل سے دوچار ہوتا ہے بلکہ مال کی کوئی بھی صورت ہو یہی پریشانی رہتی ہے لیکن جو خزانہ زمین میں دفن کیا گیا ہو اس میں مشغولیت کم ہوتی ہے اگرچہ یہاں بھی دل کا تردد باقی ہوتا ہے کہ کہاں خرچ کرے اس کی حفاظت کیسے کرے اس پر لوگ مطلع نہ ہو جائیں۔

غرضیکہ دنیوی افکار کی وادیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے اور جس آدمی کے پاس ایک دن کا کھانا ہو وہ ان تمام باتوں سے محفوظ ہے۔

تو یہ دنیوی آفات ہیں اس کے علاوہ بھی دنیا داروں کو پریشانی، غم خوف، حاسدوں کے حسد کو دور کرنے کی مشقت مال کی حفاظت اور کمائی کے سلسلے میں سخت خطرات ہیں لہٰذا مال کا تریاق (علاج) یہ ہے کہ اس سے گزر اوقات کے لیے لینے کے بعد باقی اچھے کاموں پر خرچ کر دے کیوں کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زہر اور آفات ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی اور اچھی مدد کا سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے نواز دے بے شک وہ اس پر قادر ہے۔

حرص وطمع کی مذمت اور قناعت کی تعریف

جاننا چاہیے کہ فقر قابلِ تعریف ہے جیسا کہ ہم نے فقر کے بیان میں ذکر کیا ہے لیکن فقیر کو صابر اور مخلوق سے طمع نہ کرنے والا ہونا چاہیے جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی طرف توجہ نہ کرے اور نہ لوگوں کی کمائی کی حرص کرے وہ کمائی جس طرح کی ہو۔

اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ ضروری کھانے، لباس اور رہائش پر قناعت کرے اس کی مقدار کم ہو اور ادنیٰ قسم کا ہو اور اپنی امید کو ایک دن یا ایک مہینے کی طرف پھیر دے اور مہینے کے بعد جو کچھ ہے اس میں دل نہ لگائے اگر زیادہ کا شوق کرے گا یا لمبی امید رکھے گا تو قناعت کی عزت سے محروم ہو جائے گا اور لازماً طمع کی میل بڑھے گی اور حرص کی ذلت برداشت کرنا ہوگی۔ پھر حرص اور طمع اسے بری عادات اور برائیوں کے ارتکاب کی طرف لے جائے گی جس سے مروت ختم ہو جائے گی اور حرص وطمع انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے اور وہ فطرتاً قناعت بہت کم کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى لَهُمَا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔ (۱)

اگر انسان کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی تلاش کرتا ہے اور انسان کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی آتی تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ہمیں اس وحی کی تعلیم دیتے ایک دن میں میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ إِنَّا أَنْزَلْنَا الْمَالَ لِإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ وَلَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادٍ مِنْ ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ ثَانٍ وَلَوْ كَانَ لَهُ الثَّانِي لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ لَهُمَا ثَالِثٌ وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ

"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے بے شک ہم نے مال نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اتارا ہے اور اگر انسان کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس دوسری وادی بھی ہو اور اگر دوسری بھی ہو تو وہ چاہتا ہے کہ تیسری بھی ہو اور انسان کے پیٹ کو تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۳۵ کتاب الزکوٰۃ

اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ ۔ رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف آتی ہے۔ (۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سورۃ براءۃ جیسی ایک سورت نازل ہوئی پھر اسے اٹھا لیا گیا لیکن اس میں سے یہ آیت لوگوں کو یاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِاَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَھُمْ وَلَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَیْنِ مِنْ مَّالٍ لَتَمَنّٰی وَادِیًا ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی ایسے لوگوں کے ذریعے مدد فرماتا ہے جن کے کوئی اخلاق نہیں ہیں اور اگر انسان کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی تمنا کرے گا اور انسان کے پیٹ کو تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْھُوْمَانِ لَا یَشْبَعَانِ مَنْھُوْمُ الْعِلْمِ وَمَنْھُوْمُ الْمَالِ ۔ (۳)

دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حریص اور دوسرا مال کی حرص رکھنے والا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَھْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَیَشِبُّ مَعَہُ اثْنَتَانِ الْاَمَلُ وَحُبُّ الْمَالِ ۔ (۴)

آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن اس کے دو چیزیں جوان رہتی ہیں ایک امید اور دوسری مال کی محبت۔

اور عیب یہ انسان کی فطرت ہے اور یہ ہلاکت اور گمراہی کا سبب ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت کی تعریف فرمائی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طُوْبٰی لِمَنْ ھُدِیَ لِلْاِسْلَامِ وَکَانَ عَیْشُہٗ کَفَافًا وَقَنَعَ بِہٖ ۔ (۵)

اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جسے اسلام کی طرف راہنمائی حاصل ہوئی اس کا رزق اسے کفایت کرتا ہے اور وہ اس پر قناعت کرتا ہے۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷ ص ۲۷۱ حدیث ۱۰۲۷۷

(۲) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۳۰۲ کتاب الجہاد

(۳) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۷۹ حدیث ۲۸۹۳۴

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۳۵ کتاب الزکوٰۃ

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۹ مرویات فضالہ بن عبید

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَا مِنْ اَحَدٍ فَقِیْرٍ وَّلَا غَنِیٍّ اِلَّا وَدَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَنَّہٗ کَانَ اُوْتِیَ قُوْتًا فِی الدُّنْیَا۔ (۱)

قیامت کے دن ہر فقیر اور مالدار اس بات کو پسند کرے گا کہ دنیا میں سے ضرورت کے مطابق رزق ملتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ اِنَّمَا الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔ (۲)

مالداری زیادہ مال و متاع کا نام نہیں بلکہ مالداری تو نفس کی ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ حرص اور طلب میں مبالغہ سے منع فرمایا۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا اَیُّھَا النَّاسُ اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ لِعَبْدٍ اِلَّا مَا کُتِبَ لَہٗ وَلَنْ یَّذْھَبَ عَبْدٌ مِّنَ الدُّنْیَا حَتّٰی یَاْتِیَہٗ مَا کُتِبَ لَہٗ مِنَ الدُّنْیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ۔ (۳)

اے لوگو! طلب میں اچھا طریقہ اختیار کرو بے شک ہر بندے کو وہی ملے گا جو اس کے لیے لکھ دیا گیا ہے اور بندہ دنیا سے اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک اس کے پاس کے لیے لکھا ہوا نہ آجائے اور وہ دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آئے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا اے میرے رب! تیرا کونسا بندہ زیادہ مالدار ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ شخص جو ان میں سے اس چیز پر سب سے زیادہ قناعت کرنے والا ہے جو میں نے اسے عطا کی ہے۔ عرض کیا سب سے زیادہ عدل کرنے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اپنے آپ سے انصاف کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ۔ (۴)

بے شک روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام نے) میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی نفس اپنا رزق مکمل طور پر حاصل کرنے سے پہلے ہرگز نہیں مرتا پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے مانگو۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۱۷ مرویات انس بن مالک

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۴ کتاب الرقاق

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴ کتاب البیوع

(۴) شرح السنۃ للبغوی جلد ۱۴ ص ۳۰۴ حدیث ۴۱۱۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا۔

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اِذَا اشْتَدَّ بِكَ الْجُوْعُ فَعَلَيْكَ بِرَغِيْفٍ وَكُوْزٍ مِنْ مَاءٍ وَعَلَى الدُّنْيَا الدَّمَارُ۔ (۱)

اے ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) جب تمہیں سخت بھوک لگے تو ایک روٹی اور پانی کے ایک پیالے پر گزارہ کرو اور دنیا کو چھوڑ دو (ہلاک کردو)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ اَشْكَرَ النَّاسِ وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا۔ (۲)

پرہیزگار ہو جا سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار ہوگا، قناعت کرنے والا ہو تمام لوگوں سے زیادہ شکر کرنے والا ہوگا اور لوگوں کے لیے وہ چیز پسند کر جو اپنے لیے پسند کرتا ہے (کامل) مومن ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طمع سے منع فرمایا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایک مختصر وصیت فرمائیں آپ نے فرمایا۔

اِذَا صَلَّيْتَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تُحَدِّثَنَّ بِحَدِيْثٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا وَاجْمَعِ الْيَاْسَ مِمَّا فِيْ اَيْدِي النَّاسِ۔ (۳)

جب نماز پڑھو تو زندگی کی آخری نماز (سمجھ کر) پڑھو اور ہرگز ایسی بات نہ کرو جس سے تمہیں کل معذرت کرنا پڑے اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہو جاؤ۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور ہم نو یا آٹھ یا سات افراد تھے آپ نے فرمایا تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت نہیں کرتے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی؟ آپ نے دوبارہ فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کے رسول کے ہاتھ بیعت نہیں کرتے؟ چنانچہ ہم نے ہاتھ بڑھا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہم میں سے ایک نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اب کس بات پر بیعت کریں؟

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد ۶ ص ۲۲۲۵

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۱۳، ابواب الزھد

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۷، ابواب الزھد

آپ نے فرمایا:

أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَتُصَلُّوا الْخَمْسَ وَأَنْ تَسْمَعُوا وَتُطِيعُوا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ پانچ نمازیں پڑھو اور (اپنے امیر کی بات) سنو اور مانو۔

اور آپ نے ایک بات آہستہ فرمائی اور وہ یہ تھی کہ لوگوں نے کسی چیز کا سوال نہ کرو (۱)

راوی فرماتے ہیں چنانچہ صحابہ کرام میں سے بعض کی لاٹھی گر جاتی تو وہ تو کسی سے سوال نہ کرتے کہ وہ ان کو پکڑا دے۔

آثار:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک طمع فقر ہے اور نا امیدی، مالداری ہے جو شخص اس چیز سے نا امید ہو جاتا ہے جو لوگوں کے پاس ہے تو وہ ان سے بے نیاز ہو جاتا ہے کسی دانا سے پوچھا گیا کہ مالداری کیا ہے؟ اس نے کہا تمنا کم کرو اور جو کچھ تمہیں کافی ہو اس پر راضی رہو۔

اسی سلسلے میں کہا گیا ہے۔

اَلْعَيْشُ سَاعَاتٌ تَمُرُّ وَخُطُوبُ أَيَّامٍ تَكُرُّ اِقْنَعْ بِعَيْشِكَ تَرْضَهٗ وَاتْرُكْ هَوَاكَ تَعِيشُ حُرًّا فَلَرُبَّ حَتْفٍ سَاقَهٗ ذَهَبٌ وَيَاقُوتٌ وَدُرٌّ۔

عیش چند گھڑیوں کا ہے جو گزر جاتا ہے اور چند دنوں کی حالت بدل جائے گی اپنی زندگی پر قناعت کر راضی رہے گا اور اپنی خواہش چھوڑ دے آزادی کے ساتھ زندگی گزارے گا اور کئی مرتبہ موت سونے، یاقوت اور موتیوں کے ذریعے آتی ہے۔

حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ خشک روٹی کو پانی کے ساتھ تر کر کے کھاتے تھے اور فرماتے جو شخص اس پر قناعت کرتا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہاری بہترین دنیا وہ ہے جس میں تم مبتلا نہ ہو جاؤ اور بہترین چیز جس میں تمہاری آزمائش ہوتی ہے وہ ہے جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر دن ایک فرشتہ آواز دیتا ہے اے ابن آدم! تھوڑا جو تمہیں کفایت کرے اس زیادہ سے بہتر ہے جو تمہیں سرکش بنا دے۔

حضرت سمیط بن عجلان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اے انسان! تمہارا پیٹ ایک بالشت مکعب ہے پھر وہ تجھے دوزخ میں

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰، کتاب الحدود

کیوں لے جاتا ہے کسی دانا سے پوچھا گیا کہ آپ کا مال کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ظاہر میں اچھی حالت میں رہنا، باطن میں میانہ روی اختیار کرنا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوس ہونا۔

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے انسان! اگر تمام دنیا تیرے لیے ہوتی پھر بھی تجھے غذا ہی ملتی تو اگر میں تجھے غذا دے دوں اور اس کا حساب دوسروں پر رکھوں تو یہ میرا تجھ پر احسان ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی شخص اپنی ضرورت طلب کرے تو آسانی کے ساتھ طلب کرے اور کسی آدمی کے پاس جا کر یہ نہ کہے کہ تم ایسے ہو تم ایسے ہو (تعریفوں کے پل نہ باندھ دے) کیونکہ رزق تو وہی ملے گا جو اس کے مقدر میں ہے بنو امیہ میں سے کسی نے حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ کو خط لکھا اور قسم دے کر کہا کہ جو حاجات ہوں مجھے بتائیں حضرت ابو حازم نے جواباً لکھا میں نے اپنی حاجات اپنے مولا کے ہاں پیش کر دی ہیں پس وہ جو کچھ دے گا قبول کروں گا اور جو کچھ مجھ سے روک رکھے گا اس پر صبر کروں گا۔

کسی دانا سے پوچھا گیا کہ عقلمند کے لیے زیادہ خوشی کا باعث کیا چیز ہے اور غم غلط کرنے میں کون سی چیز زیادہ مددگار ہو سکتی ہے؟ اس نے جواب دیا اس کے لیے زیادہ خوشی کا باعث وہ اعمال ہیں جو اس نے آگے بھیجے ہوں اور اس کا غم اس وقت دور ہو سکتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو۔

کسی اور دانا نے فرمایا کہ میں نے سب سے زیادہ غمگین حسد کرنے والے کو پایا اور سب سے اچھی زندگی گزارنے والا اس شخص کو جو زیادہ قناعت کرتا ہے زیادہ تکلیف وہ اٹھاتا ہے اور اس پر صبر کرتا ہے جو حرص کرنے والا طمع رکھنے والا ہو۔ جو شخص تارک الدنیا ہو اس کی زندگی آسانی سے گزرتی ہے اور جو عالم کوتاہی کرنے والا ہو اسے ندامت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی سلسلے میں کہا گیا ہے۔

أَرْفَهُ بِبَالٍ فَتًى أَمْسَى عَلَى ثِقَةٍ أَنَّ الَّذِي
قَسَمَ الْأَرْزَاقَ يَرْزُقُهُ فَالْعِرْضُ مِنْهُ
مَصُونٌ لَا يُدَنِّسُهُ وَالْوَجْهُ مِنْهُ جَدِيدٌ
لَيْسَ يَخْلُقُ إِنَّ الْقَنَاعَةَ مَنْ يَحْلُلْ
بِسَاحَتِهَا لَمْ يَلْقَ فِي دَهْرِهِ شَيْئًا يُؤَرِّقُهُ

وہ نوجوان زیادہ خوش حال ہوتا ہے جو اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ جو ذات رزق تقسیم کرتی ہے وہ اسے بھی رزق دے گی پس اس کی ذات محفوظ ہوتی ہے میلی نہیں ہوتی اور چہرہ تازہ رہتا ہے پرانا نہیں ہوتا اور جس آدمی کے صحن میں قناعت اترے زمانہ اسے کسی چیز سے محروم نہیں کرتا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے۔

حَتَّى مَتَى أَنَا فِي حِلٍّ وَتَرْحَالٍ وَطُولِ سَعْيٍ
وَإِدْبَارٍ وَإِقْبَالٍ وَنَازِحِ الدَّارِ لَا أَنْفَكُّ

یہاں تک کہ جب میں آنے جانے میں ہوتا ہوں طویل سعی کرتا ہوں کبھی آگے آتا ہوں اور کبھی پیٹھ پھیرتا ہوں گھر سے

مُغْتَرِبًا عَنِ الْاَحِبَّةِ لَا يَدْرُوْنَ مَا حَالِیْ
بِمَشْرِقِ الْاَرْضِ طَوْرًا ثُمَّ مَغْرِبِهَا لَا يَخْطُرُ
الْمَوْتُ مِنْ حِرْصِیْ عَلٰی مَالٍ وَلَوْ قَنِعْتُ
اَتَانِی الرِّزْقُ فِیْ دِعَةٍ اِنَّ الْقُنُوْعَ الْغِنٰی
لَا كَثْرَةُ الْمَالِ ۔

دور رہتا ہوں دوستوں سے الگ ہو کر اجنبی ہو جاتا ہوں اور ان کو میرے حال کا علم نہیں ہوتا کبھی زمین کے مشرق میں اور کبھی مغرب میں مال کی حرص کی وجہ سے مجھے موت کا خیال نہیں آتا اگر میں قناعت اختیار کروں تو مجھے سکون سے رزق ملے کیوں کہ مال داری قناعت کا نام ہے مال کی کثرت کا نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ میں اللہ تعالیٰ کے مال میں سے کس قدر اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں سردیوں اور گرمیوں کے لیے ۲ دو جوڑے صبح اور عمرہ کے لیے سواری اور اس کے بعد اس قدر رزق جو کسی بھی قریشی کے لیے ضروری ہے میں ان سے بلند مرتبہ بھی نہیں ہوں اور ادنیٰ بھی نہیں ـــــــ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ یہ بھی میرے لیے حلال ہے یا نہیں؛ گویا آپ کو یہ شک تھا کہ یہ مقدار کفایت کے اندازے سے زیادہ ہے جس پر قناعت واجب ہے۔

ایک اعرابی نے اپنے بھائی کو حرص کرنے پر جھڑکتے ہوئے کہا اے بھائی! تو طالب بھی ہے اور مطلوب بھی تیرا طالب وہ ہے جس سے تو بچ نہیں سکتا (موت مراد ہے) اور تو وہ چیز ڈھونڈھ رہا ہے جو تجھے ضرور ملے گی (رزق مراد ہے) گویا جو تجھ سے غائب ہے وہ سامنے ہے اور تیری حالت بدل دی جائے گی اے بھائی! معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خیال میں حریص کبھی محروم نہیں ہوتا اور زاہد کو کبھی رزق نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں کہا گیا ہے۔

اَرَاكَ يَزِيْدُكَ الْاِثْرَاءُ حِرْصًا عَلَی
الدُّنْيَا كَاَنَّكَ لَا تَمُوْتُ فَهَلْ لَكَ غَايَةٌ
اِنْ صِرْتَ يَوْمًا اِلَيْهَا قُلْتَ حَسْبِیْ قَدْ
رَضِيْتُ ۔

میں دیکھتا ہوں کہ مالداری تمہاری دنیوی حرص کو بڑھا رہی ہے گویا کہ تمہیں موت نہیں آئے گی کیا تمہاری کوئی انتہا بھی ہے کہ اگر کسی دن تم اس تک پہنچوں تو کہو بس بس میں راضی ہو گیا۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے چنڈول (پرندہ) شکار کیا اس نے کہا تم مجھ سے کیا کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا تجھے ذبح کر کے کھاؤں گا پرندے نے کہا اللہ کی قسم میں تیری بھوک کی خواہش کو پورا نہیں کر سکتا اور نہ ہی مجھے کھا کر تو سیر ہو گا البتہ میں تجھے تین باتیں سکھاتا ہوں مجھے کھانے سے وہ بہتر ہیں ایک بات تو ابھی سکھاؤں گا جب تیرے قبضے میں ہوں دوسری بات اس وقت سکھاؤں گا جب درخت پر چلا جاؤں گا اور تیسری بات اس وقت بتاؤں گا جب پہاڑ پر چلا جاؤں گا۔

اس آدمی نے کہا پہلی بات بتاؤ، پرندے نے کہا گزری ہوئی بات پر افسوس نہ کرنا اس نے اسے چھوڑ دیا جب پرندہ درخت پر چلا گیا تو اس نے کہا دوسری بات بتاؤ اس نے کہا جو کام نہیں ہو سکتا اس کے ہونے کا یقین نہ کرنا

پھر وہ اڑ کر درخت پر جا بیٹھا اور کہا اے بدبخت! اگر تو مجھے ذبح کرتا تو میرے پوٹے میں سے دو موتی نکالتا ہر موتی کا وزن بیس مثقال ہے حضرت شعبی فرماتے ہیں یہ سن کر اس شخص کو افسوس ہوا اور کہا تیسری بات بتا اس نے کہا تو تو پہلی دو باتیں بھول چکا ہے تیسری بات کیسے بتاؤں کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ جو کچھ ہاتھوں سے نکل جائے اس پر افسوس نہ کرنا اور جو کچھ نہیں ہو سکتا اس پر یقین نہ کرنا؟ میں تو ایک گوشت، خون اور پروں کا مجموعہ ہوں اور یہ سب کچھ ملا کر بیس مثقال وزن نہیں ہو سکتا تو میرے پوٹے میں بیس بیس مثقال کے دو موتی کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر وہ پرندہ اڑ کر چلا گیا یہ مثال انسان کے زیادہ طمع کرنے سے متعلق ہے کہ اس (طمع) کی وجہ سے آدمی حق بات کو پانے سے اندھا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ جو کام نہ سکتا ہو وہ اس کے بارے میں خیال کرتا ہے کہ ہو جائے گا۔

حضرت ابن سماک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امید تیرے دل کی ایک رسی ہے جو پاؤں کی بیڑی بنی ہوئی ہے جب تو دل سے امید کو نکال دے گا تو تیرے پاؤں سے بیڑی خود بخود نکل جائے گی۔

حضرت ابو محمد یزیدی فرماتے ہیں میں ہارون الرشید کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ ایک کاغذ کو دیکھ رہا ہے جس کی تحریر سونے کی ہے جب مجھے دیکھا تو ہنس پڑا میں نے کہا امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے کوئی فائدہ مند چیز ہے؟ اس نے کہا ہاں میں نے بنوامیہ کے ایک خزانے کو ان دو شعروں کو پایا تو ان کو اچھا سمجھا اور ان کے ساتھ تیسرا شعر بھی ملا دیا پھر اس نے مجھے وہ شعر سنائے۔

اِذَا سُدَّ بَابٌ عَنْكَ مِنْ دُوْنِ حَاجَةٍ	جب تمہاری حاجت سے ایک دروازہ بند ہو جائے
فَدَعْهُ لِاُخْرٰى يَنْفَتِحْ لَكَ بَابُهَا	تو اس کو چھوڑ دو تیرے لیے دوسرا دروازہ کھل جائے
فَاِنَّ قِرَابَكَ الْبَطْنَ يَكْفِيْكَ مِلْؤُهٗ	گا تیرے شکم یعنی پیٹ کا بھر جانا تیرے لیے
وَيَكْفِيْكَ سَوْاٰتِ الْاُمُوْرِ اِجْتِنَابُهَا	کافی ہے اور برائی کے کاموں سے پرہیز بھی کافی ہے
وَلَا تَكُ مِبْذَالًا لِعِرْضِكَ وَاجْتَنِبْ	اپنی عزت کو داؤ پر نہ لگا اور گناہوں پر سوار ہونے سے
رُكُوْبَ الْمَعَاصِيْ يَجْتَنِبْكَ عِقَابُهَا۔	بچ سزا سے بچ جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ علماء کے دلوں سے علم کو کون سی چیز لے جاتی ہے جب وہ اسے سمجھ بھی لیتے ہیں اور یاد بھی کر لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا نفس کی حرص اور حاجات کی طلب۔

ایک شخص نے حضرت فضیل رحمہ اللہ سے حضرت کعب کے اس قول کی وضاحت پوچھی تو انہوں نے فرمایا جب آدمی کسی چیز کی طمع کرتا ہے تو اسے طلب کرتا ہے تو یوں وہ اپنا دین کھو بیٹھتا ہے جہاں تک حرص کا تعلق ہے تو نفس کی حرص کبھی اس چیز کی طرف جاتی ہے اور کبھی اس چیز کی طرف، حتیٰ کہ وہ کسی بھی چیز کے ہاتھوں سے نکل جانے کو پسند کرتا اور کبھی کسی شخص سے غرض ہوتی ہے اور کبھی اس سے کام ہوتا ہے اور جب وہ اس کا کام پورا کر دیتا ہے تو نکیل اس

کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے وہ جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے وہ تجھ پر قادر ہوتا ہے اور تو اس کے سامنے جھکتا ہے اور دنیا کی محبت کے باعث جب تو اس کے پاس سے گزرتا ہے تو اسے سلام کرتا ہے جب وہ بیمار ہوتا ہے تو تو اس کی عیادت کرتا ہے تو اسے رضائے خداوندی کی خاطر سلام نہیں کرتا اور نہ ہی عیادت سے رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے پس اگر تجھے اس سے کوئی کام نہ ہوتا تو تیرے لیے اچھا تھا پھر حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات فلاں فلاں کی سو باتوں سے بہتر ہے۔

کسی دانا کا قول ہے کہ انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے اگر اسے کہا جائے کہ تو دنیا میں ہمیشہ رہے گا تو اسے جمع کرنے کی اس قدر حرص نہ ہوتی جتنی اب ہے حالانکہ نفع حاصل کرنے کی مدت کم ہے اور زندگی چند دنوں کی ہے۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک راہب کے پاس سے گزرا تو میں نے پوچھا آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟ اس نے کہا مہربان خبر رکھنے والے (اللہ تعالیٰ) کی گندم کے ڈھیر سے کھاتا ہوں جس نے چکی یعنی میرے دانت بنائے ہیں وہی پسا ہوا دے دیتا ہے۔ وہ قادر خبر رکھنے والا پاک ہے۔

حرص اور طمع کا علاج اور وہ دوا جس سے قناعت کی صفت حاصل ہوتی ہے

یہ دوا تین چیزوں کا مرکب ہے یعنی صبر، علم اور عمل اور پانچ باتوں میں یہ تینوں چیزیں آجاتی ہیں۔

۱- پہلی چیز عمل ہے یعنی معیشت میں اعتدال اور خرچ میں کفایت۔ جو شخص قناعت میں بزرگی چاہتا ہو اسے چاہیے کہ ضرورت کے مطابق خرچ کرے۔

اور جس قدر ممکن ہو اپنے اوپر عیاشی کا دروازہ بند کرے ایک موٹے کھردرے کپڑے پر قناعت کرے اور جو کھانا میسر ہو اسی پر صابر شاکر ہو جس قدر ممکن ہو سالن کم استعمال کرے اور اپنے نفس کو اس بات کی عادت ڈالے۔ اگر وہ صاحب اولاد ہو تو ان کو بھی اسی مقدار پر رکھے کیوں کہ یہ مقدار ادنیٰ محنت سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور طلب بھی اچھی رہتی ہے قناعت کے سلسلے میں اصل چیز معیشت میں میانہ روی اختیار کرنا ہے اور اس سے ہماری مراد خرچ کرنے میں نرمی اختیار کرنا اور برے طریقے سے بچنا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ کُلِّہٖ (۱) بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۰ کتاب الادب

مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ - (۱)

جو شخص میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ تنگدست نہیں ہوتا۔

اور آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے۔

ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ خَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَصْدُ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ وَالْعَدْلُ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ۔ (۲)

تین باتیں نجات دینے والی ہیں پوشیدہ اور ظاہری حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا مالداری اور فقر دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا اور حالتِ رضا اور غضب (دونوں صورتوں) میں انصاف سے کام لینا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ زمین سے ایک دانا چن رہے تھے اور فرمانے تھے کہ زندگی سہولت کے ساتھ گزارنا سمجھداری کی دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاِقْتِصَادُ وَحُسْنُ السَّمْتِ وَالْهَدْيُ الصَّالِحُ جُزْءٌ مِنْ بِضْعٍ وَعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ (۳)

میانہ روی اچھا طریقہ اور اچھی سیرت نبوت کا چوبیسواں (یا پچیسواں) حصہ ہے۔

(مطلب یہ ہے کہ یہ خصائل انبیاء کرام کے خصائل ہیں اور ان کو اپنانا ان کی اقتدا کرنا ہے ورنہ نبوت کے اجزاء نہیں ہوتے)

ایک حدیث شریف میں ہے:

اَلتَّدْبِيْرُ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ - (۴)

تدبیر سے کام لینا نصف معیشت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اقْتَصَدَ اَغْنَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ بَذَّرَ اَفْقَرَهُ اللّٰهُ وَمَنْ ذَكَرَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَحَبَّهُ اللّٰهُ۔ (۵)

جو شخص (اخراجات میں) اعتدال اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مالدار بناتا ہے اور جو آدمی ضرورت سے زائد خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے محتاج کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۴۷ مرویات عبداللہ

(۲) شعب الایمان جلد اول ص ۱، حدیث ۷۴۵

(۳) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۰۰ حدیث ۵۶۷۲

(۴) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۵ حدیث ۵۴۳۵

(۵) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۲۵ کتاب الزہد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اَرَدْتَ اَمْرًا فَعَلَيْكَ بِالتُّؤَدَةِ حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَكَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا۔ (۱)

جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو تم پر تاخیر (جلد بازی نہ کرنا) لازم ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی اور راستہ کھول دے۔

خرچ کرنے میں تاخیر کرنا (یعنی جلد بازی میں سب کچھ خرچ نہ کرنا) نہایت اہم بات ہے۔

۲۔ جب فی الحال مال کفایت کرتا ہو تو مستقبل کے لیے زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں ہے اور اس بات پر امید کم رکھنا تمہارا مددگار ہوگا حقیقت یہ ہے کہ جس قدر رزق تمہارے لیے مقدر ہے وہ تمہارے پاس ضرور آئے گا اگرچہ شدید حرص نہ کرے۔ کیونکہ زیادہ حرص رزق کے پہنچنے کا سبب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر پختہ یقین ہونا چاہیے کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (۲)

اور زمین پر چلنے والی ہر چیز کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ شیطان اسے محتاجی سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم مال جمع کرنے اور اسے ذخیرہ بنانے کی حرص نہیں کرو گے تو کبھی ایسا ہوگا کہ بیمار پڑ جاؤ گے اور کبھی عاجز ہو جاؤ گے اور مانگنے کی ذلت برداشت کرنا ہوگی تو وہ زندگی بھر طلب مال میں اس کو تھکاتا ہے کیونکہ اسے اس (موہوم) تھکاوٹ کا ڈر ہوتا ہے اور شیطان اس پر ہنستا ہے کہ وہ تکلیف برداشت کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ سے غافل بھی ہے جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دوسرے موقعہ کی مشقت اور تکلیف کا وہم رکھتا ہے حالانکہ ہو سکتا ہے اسے مستقبل میں یہ پریشانی اٹھانا نہ پڑے اسی قسم کے معاملے میں کہا گیا ہے۔

وَمَنْ يُنْفِقُ السَّاعَاتِ فِي جَمْعِ مَالِهِ مَخَافَةَ فَقْرٍ فَالَّذِي فَعَلَ الْفَقْرُ۔

جو شخص فقر کے خوف سے اپنا تمام وقت مال جمع کرنے میں صرف کرتا ہے اس کا تمام عمل خود فقر اور محتاجی ہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان دونوں سے فرمایا:

وَلَا تَيْأَسَا مِنَ الرِّزْقِ مَا تَهَزْهَزَتْ

جب تک تمہارے سروں میں حرکت ہے تم رزق سے

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۰۱ حدیث ۵۶۷۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۶

لَا تَيْأَسَا مِنَ الرِّزْقِ مَا تَهَزْهَزَتْ رُؤُوسُكُمَا فَإِنَّ الْإِنْسَانَ تَلِدُهُ أُمُّهُ أَحْمَرَ لَيْسَ عَلَيْهِ قِشْرٌ ثُمَّ يَرْزُقُهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ۔ (۱)

مایوس نہ ہو انسان کو اس کی ماں جنتی ہے تو وہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے اس پر چمڑا بھی نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اسے رزق دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ غمگین تھے آپ نے فرمایا۔

لَا تُكْثِرْ هَمَّكَ مَا يُقَدَّرْ يَكُنْ وَمَا تُرْزَقْ يَأْتِكَ۔ (۲)

زیادہ غمگین نہ ہو جو مقدر میں ہے وہ ہو گا اور جو رزق لکھا گیا ہے وہ آئے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ أَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ فَإِنَّهُ لَيْسَ لِعَبْدٍ إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ وَلَنْ يَذْهَبَ عَبْدٌ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ يَأْتِيَهُ مَا كُتِبَ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ۔ (۳)

اے لوگو! سنو! اچھی طرح طلب کیا کرو کیوں کہ بندے کے لیے جو کچھ لکھا گیا ہے وہی اسے ملے گا اور کوئی شخص دنیا سے اس وقت تک نہیں جاتا جب تک اس کے لیے مقدر دنیا اس کے سامنے ذلیل ہو کر نہ آجائے۔

بندہ حرص کے چنگل سے اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا جب تک وہ بندوں کے رزق سے متعلق اللہ تعالےٰ کی تدبیر پر اچھا اعتقاد نہ رکھے اور یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اچھی طلب ہو تو ضرور ملے گا۔ بلکہ اسے اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے کو جو زیادہ رزق ملتا ہے وہ ان مقامات سے آتا ہے جن کے بارے میں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (۴)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے (مشکلات سے نکلنے کا) راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

تو جس دروازے سے اسے رزق کا انتظار تھا اگر وہ بند ہو جائے تو اس سے اس کے دل میں اضطراب اور

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۷، ابواب الزھد

(۲) کنز العمال جلد اول ص ۱۰۹ حدیث ۵۰۵

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۰۳ حدیث ۵۶۱۵

(۴) قرآن مجید، سورۂ طلاق آیت ۲، ۳

پریشانی نہیں آنی چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَبَی اللّٰہُ اَنْ یَّرْزُقَ عَبْدَہُ الْمُؤْمِنَ اِلَّا مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو وہاں سے ہی رزق دیتا ہے جس کے بارے میں اس کا گمان نہیں ہوتا۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے ڈرو تم کسی متقی کو محتاج نہیں دیکھو گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی متقی کو یوں نہیں چھوڑتا کہ اس کی ضرورتیں پوری نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ وہ اس تک اس کا اس کا رزق پہنچائیں۔

حضرت مفضل ضبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک دیہاتی سے کہا تم کہاں سے کھاتے پیتے ہو؟ اس نے کہا حاجیوں کی نذر سے، میں نے کہا جب وہ چلے جاتے ہیں تو پھر کہاں سے کھاتے ہو؟ اس پر وہ رو پڑا اور کہنے لگا اگر ہم یوں زندگی گزارتے کہ ہمیں معلوم ہوتا تو ہم زندہ نہ رہتے حضرت ابوحازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے دنیا کو دو چیزوں کی صورت میں پایا ایک وہ جو میرے لیے ہے تو میں اس کے وقت سے پہلے اس کے لیے جلدی نہیں کرتا اگرچہ میں اسے آسمانوں اور زمین کی قوت سے طلب کروں اور دوسری چیز وہ ہے جو میرے غیر کے لیے ہے وہ مجھے پہلے بھی نہیں ملی اور آئندہ بھی نہیں ملے گی دوسروں کی چیز کو مجھ سے اسی ذات نے روکا ہے جس نے میری چیز کو ان سے روکا ہے تو میں ان دو باتوں میں اپنی زندگی کیوں تباہ کروں۔

تو معرفت کی جہت سے طمع اور لالچ کا علاج یہ مذکورہ بالا ہے اور اسے حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ شیطان کا ڈرانا اور محتاجی کا خوف دلانا ختم ہو جائے۔

۳۔ اس بات کی پہچان حاصل ہونی چاہیئے کہ قناعت میں دوسروں سے بے نیازی کی عزت حاصل ہوتی ہے اور طمع اور حرص کی صورت میں ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب آدمی کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے تو وہ قناعت کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ حرص کی صورت میں مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے اور طمع، ذلت سے خالی نہیں ہوتی جب کہ قناعت میں خواہش اور زوائد سے صبر کی تکلیف برداشت کرنا ہوتی ہے اور یہ وہ تکلیف ہے جس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی مطلع ہوتا ہے اور اس میں آخرت کا ثواب بھی ہے۔ جب کہ طمع اور حرص لوگوں کے سامنے ہوتی ہے اور اس کا وبال اور گناہ الگ ہے۔ عزت نفس چلی جاتی ہے اور حق کی اتباع کی طاقت بھی نہیں رہتی کیونکہ جو شخص زیادہ حرص اور لالچ کرتا ہے وہ لوگوں کا زیادہ محتاج ہوتا ہے لہٰذا وہ لوگوں کو حق کی طرف بلا نہیں سکتا۔ اور وہ منافقت سے کام لیتا ہے ایسے آدمی کا دین ہلاک ہو جاتا ہے اور جو آدمی اپنے نفس کی عزت کو پیٹ کی خواہش پر ترجیح نہیں دیتا اس کی عقل بہت کمزور ہے

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۰۳ حدیث ۵۶۸۵

اور ایمان ناقص ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عِزُّ الْمُؤْمِنِ اِسْتِغْنَاءُہٗ عَنِ النَّاسِ (۱) مومن کی عزت لوگوں سے بے نیاز رہنا ہے۔

قناعت میں آزادی بھی ہے اور عزت بھی، اسی لیے کہا گیا ہے جس سے کچھ لینا چاہتا ہے، اس سے بے نیاز رہ اس کی مثل ہو جائے گا جس سے کوئی حاجت طلب کرتا ہے اس کا اسیر ہو جائے گا اور جس پر چاہے احسان کر اس کا امیر ہو جائے گا۔

۴۔ یہود و نصاریٰ کی عیش پرستی، ذلیل و رسوا قسم کے لوگوں بیوقوف کُرد وں، (کُرد ایک قبیلہ ہے) اُجڈ دیہاتیوں اور ایسے لوگوں کی حالت کو دیکھ جن کا نہ کوئی دین ہے اور نہ عقل، پھر انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے احوال ملاحظہ کر خلفاء راشدین اور باقی صحابہ کرام کے حالات زندگی دیکھ تابعین کو دیکھ اور پھر ان کی باتیں غور سے سن ان کے حالات کا مطالعہ کر اور اس کے بعد اپنی عقل کو اختیار دے کہ وہ ذلیل و رسوا قسم کے لوگوں کی پیروی کو پسند کرتی ہے یا ان لوگوں کی اقتدا چاہتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ معزز ہیں تاکہ معیشت کی تنگی اور تھوڑے رزق پر قناعت آسان ہو جائے اگر پیٹ کو ہی زیادہ بھرنا ہے تو گدھا زیادہ کھاتا ہے اگر جماع کی فراوانی چاہتا ہے تو اس سے خنزیر کا رتبہ زیادہ ہوگا اگر لباس اور سواریوں کی زینت مطلوب ہے تو کئی یہودیوں کو زیادہ زینت حاصل ہے اور اگر تھوڑے پر قناعت کرے اور راضی رہے تو اس صورت میں صرف انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے ساتھ شریک ہوگا۔

۵۔ مال جمع کرنے کا جو خطرہ ہے اسے سمجھنا چاہیے جیسا کہ ہم نے آفات کے ذکر میں بیان کیا ہے۔ اس میں چوری لوٹ، کھسوٹ اور ضائع ہونے کا خطرہ رہتا ہے اور جب ہاتھ خالی ہوتا ہے تو امن اور فراغت ہوتی ہے ہم نے مال کی آفات کے سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا ہے ان سب پر غور کرنا چاہیے اس کے علاوہ کہ پانچ سو سال تک جنت سے دور رہے گا اور جب وہ بقدر کفایت پر قناعت نہیں کرتا تو اغنیاء کے گروہ میں شامل ہوتا ہے اور فقراء کی فہرست سے نکل جاتا ہے اور یہ غور و فکر اس طرح پورا ہوگا کہ دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے کے لوگوں کی طرف دیکھے اوپر والوں کی طرف نہ دیکھے کیوں کہ شیطان ہمیشہ اس کی نظر کو اوپر والوں کی طرف پھیرتا ہے اور کہتا ہے کہ طلب مال میں کوتاہی کیوں کرتے ہو حالاں کہ مال دار لوگوں کو اچھے اچھے کھانے اور عمدہ لباس حاصل ہیں اور دین کے معاملے میں شیطان اس کی نگاہ کو اپنے سے نیچے والوں کی طرف پھیرتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے نفس کو کیوں مشقت اور تنگی میں ڈالتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہو حالانکہ فلاں شخص تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تمام لوگ عیش و عشرت میں مشغول ہیں تم ان سے کیوں ممتاز ہونا چاہتے ہو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے میرے خلیل (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت فرمائی ہے کہ

ہیں (دنیا کے معاملے میں) اپنے سے نچلے درجے والے کو دیکھوں اوپر والے کو نہیں (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا نَظَرَ اَحَدُکُمْ اِلٰی مَنْ فَضَّلَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلُ مِنْہُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَیْہِ۔ (۲)

جب تم میں سے کوئی شخص اس آدمی کو دیکھے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر مال اور جسم کے لحاظ سے فضیلت دی ہے تو اسے اس کی طرف بھی دیکھنا چاہیئے جو اس سے کمتر ہے اور اسے اس پر فضیلت حاصل ہے۔

ان امور کے ساتھ قناعت کی صفت حاصل کرنے پر قادر ہو جائے گا تو اصل بات یہ ہے کہ صبر کرے اور امید کم رکھے اور یہ بات جان لے کہ دنیا میں اس کے صبر کی انتہا چند دن ہے لیکن اس کا نفع ایک طویل زمانے تک ہوگا پس وہ اس مریض کی طرح ہے جو دوائی کی کڑواہٹ پر صبر کرتا ہے کیوں کہ اسے شفاء کے انتظار کا شدید طمع ہوتا ہے۔

سخاوت کی فضیلت :

جان لو! جب مال نہ ہو تو بندے کو قناعت اختیار کرنا اور حرص کم کرنا چاہیئے اور جب مال موجود ہو تو ایثار اور سخاوت اختیار کرے اچھے کام کرے اور کنجوسی اور بخل سے دور رہے کیونکہ سخاوت انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق سے ہے اور نجات کی اصل بھی یہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا۔

اَلسَّخَاءُ شَجَرَۃٌ مِنْ شَجَرِ الْجَنَّۃِ اَغْصَانُھَا مُتَدَلِّیَۃٌ اِلَی الْاَرْضِ فَمَنْ اَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْھَا قَادَہٗ ذٰلِکَ الْغُصْنُ اِلَی الْجَنَّۃِ۔ (۳)

سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں زمین کی طرف جھکی ہوئی ہیں تو جو شخص ان میں سے ایک ٹہنی لیتا ہے وہ اس کو جنت کی طرف جاتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَالَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ ھٰذَا دِیْنٌ ارْتَضَیْتُہُ لِنَفْسِیْ وَلَنْ

حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہ دین ہے جسے میں نے اپنے لیے پسند کیا اور اس کی

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲۱۷ کتاب الوصایا

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۰ کتاب الرقاق

(۳) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۳ حدیث ۱۵۹۲۷

يُصْلِحُهُ اِلَّا السَّخَاءِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ فَاكْرِمُوْهُ بِهِمَا مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (۱)

اصلاح سخاوت اور اچھے اخلاق پر منحصر ہے پس جس قدر ہو سکے ان دونوں چیزوں کی عزت کرو۔

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا جب تک تم اس دین پر رہو ان دونوں باتوں کا احترام کرو (۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا جَبَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلِیًّا لَهٗ اِلَّا عَلٰی حُسْنِ الْخُلُقِ وَالسَّخَاوَةِ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ولی کو اچھے اخلاق اور سخاوت کی فطرت عطا فرمائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا "صبر اور سخاوت" (۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"خُلُقَانِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَخُلُقَانِ يُبْغِضُهُمَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَاَمَّا اللَّذَانِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی فَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءُ"، وَاَمَّا اللَّذَانِ يُبْغِضُهُمَا اللّٰهُ فَسُوْءُ الْخُلُقِ وَالْبُخْلُ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اَسْتَعْمَلَهُ فِي تَضَاءِ۔ (۵)

دو عادتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور دو عادتوں کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے جن دو باتوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ اچھے اخلاق اور سخاوت ہے اور جن دو کو ناپسند کرتا ہے وہ برے اخلاق اور بخل ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں لگا دیتا ہے۔

حضرت مقدام بن شریح اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیک وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے ذریعے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۰ کتاب الادب

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۴۰۶ کتاب الادب

(۳) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۱ حدیث ۱۶۲۰۴

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۸۵ مرویات عمرو بن عبسہ

(۵) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۱ حدیث ۱۶۱۰۴

اِنَّ مِنْ مُوْجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ بَذْلَ الطَّعَامِ وَاِفْشَاءَ السَّلَامِ وَحُسْنَ الْكَلَامِ۔ (۱)

بے شک مغفرت کو واجب کرنے والے امور میں سے کھانا کھلانا، سلام پھیلانا اور اچھی گفتگو ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلسَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ ذٰلِكَ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيْحًا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ اَغْصَانِهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ ذٰلِكَ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ۔ (۲)

سخاوت جنت کا ایک درخت ہے پس جو شخص سخی ہوتا ہے وہ اس کی ایک ٹہنی کو پکڑتا ہے اور جنت میں داخل ہونے تک وہ ٹہنی اس کو نہیں چھوڑتی اور بخل جہنم کا ایک درخت ہے تو جو شخص بخیل ہوتا ہے وہ اس کی ایک ٹہنی کو پکڑتا ہے اور وہ ٹہنی اسے نہیں چھوڑتی حتیٰ کہ اسے جہنم میں لے جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے میرے رحمدل بندوں سے عطیہ کی درخواست کرو اور ان کی پناہ میں رہو کیونکہ میں نے ان میں اپنی رحمت رکھ دی ہے سخت دل لوگوں سے نہ مانگو کیوں کہ میں نے ان پر اپنا غضب نازل کیا ہے (۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تَجَافَوْا عَنْ ذَنْبِ السَّخِيِّ فَاِنَّ اللّٰهَ اٰخِذٌ بِيَدِهٖ كُلَّمَا عَثَرَ۔ (۴)

سخی کے گناہ سے درگزر کرو کیونکہ جب وہ سخاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ تھامتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَلرِّزْقُ اِلٰى مُطْعِمِ الطَّعَامِ اَسْرَعُ مِنَ السِّكِّيْنِ اِلٰى ذِرْوَةِ الْبَعِيْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُبَاهِيْ بِمُطْعِمِ الطَّعَامِ الْمَلَائِكَةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔ (۵)

اونٹ کی کوہان تک چھری اتنی جلدی نہیں پہنچتی جتنی جلدی کھانا کھلانے والے تک رزق پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں ان لوگوں پر فخر کا اظہار فرماتا ہے جو کھانا کھلاتے ہیں۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۴۲۶ کتاب الادب

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۱ حدیث ۱۶۲۰۸

(۳) الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۳ ص ۳ ترجمہ ۹۵۷

(۴) مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۲۸۲ کتاب الحدود

(۵) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۸، ابواب الاطعمۃ (کچھ تبدیلی کے ساتھ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ جَوَادٌ یُحِبُّ الْجُوْدَ وَیُحِبُّ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَیَكْرَهُ سِفْسَافَهَا۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ سخاوت فرمانے والا ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے وہ اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہے اور بداخلاقی کو ناپسند فرماتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے نام پر جو کچھ مانگا گیا آپ نے عطا فرمایا ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے کچھ مانگا آپ نے اسے بہت سی بکریاں دینے کا حکم دیا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھیں اور صدقہ کے مال سے تھیں وہ اپنی قوم کی طرف لوٹا تو کہنے لگا اے میری قوم! اسلام قبول کرو بے شک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر دیتے ہیں کہ فاقہ کا خوف باقی نہیں رہتا (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا یَخْتَصُّهُمْ بِالنِّعَمِ لِمَنَافِعِ الْعِبَادِ فَمَنْ بَخِلَ بِتِلْكَ الْمَنَافِعِ عَلَى الْعِبَادِ نَقَلَهَا اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَحَوَّلَهَا اِلٰى غَیْرِهٖ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نعمتوں سے نوازا ہے تاکہ وہ بندوں کو نفع پہنچائیں پس جو شخص بندوں کے ان منافع کے سلسلے میں بخل سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ نعمتیں اس سے دوسرے شخص کی طرف پھیر دیتا ہے۔

حضرت ہلالی فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو عنبر قبیلے کے کچھ قیدی آئے تو آپ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا البتہ ایک شخص کو الگ کر دیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! رب ایک ہے، دین ایک ہے اور (ان کا) جرم بھی ایک ہے تو آپ نے اس کو ان میں سے الگ کیوں فرمایا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انھوں نے فرمایا ان سب کو قتل کر دو لیکن اس ایک کو چھوڑ دو کیوں اللہ تعالیٰ نے اسے سخاوت کا بدلہ یوں دیا ہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۶ ص ۵۰۸ حدیث ۴۳۰۷
(۲) البدایۃ والنہایۃ جلد ۶ ص ۴۳ فصل کرم صلی اللہ علیہ وسلم
(۳) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۱۱۵ ترجمہ ۳۴۸

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ ثَمْرَۃً وَّثَمْرَۃُ الْمَعْرُوْفِ تَعْجِیْلُ السَّرَاحِ۔ (۱)

بے شک ہر چیز کا ایک پھل ہوتا ہے اور نیکی کا پھل جلدی چھٹکارا پانا ہے۔

حضرت نافع، حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں۔

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

طَعَامُ الْجَوَادِ دَوَاءٌ وَطَعَامُ الْبَخِیْلِ دَاءٌ (۲)

سخی کا کھانا دوا اور بخیل کا کھانا بیماری ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَظُمَتْ نِعْمَۃُ اللہِ عِنْدَہٗ عَظُمَتْ مُؤْنَۃُ النَّاسِ عَلَیْہِ۔ (۳)

جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں اس پر لوگوں کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔

تو جو آدمی اس مشقت کو برداشت نہیں کرتا اس سے یہ نعمت زائل ہو جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، ایسی چیز بکثرت حاصل کرو جسے آگ نہ کھائے عرض کیا گیا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ نیکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْجَنَّۃُ دَارُ الْاَسْخِیَاءِ (۴)

جنت سخی لوگوں کا گھر ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ السَّخِیَّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللہِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَاِنَّ الْبَخِیْلَ بَعِیْدٌ مِّنَ اللہِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللہِ مِنْ عَالِمٍ بَخِیْلٍ وَاَدْوَاُ الدَّاءِ الْبُخْلُ۔ (۵)

بے شک سخی اللہ تعالیٰ کے قریب، لوگوں کے قریب اور جنت کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور، لوگوں سے دور، جنت سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بخیل عالم سے بہتر ہے اور سب سے بڑی بیماری بخل ہے۔

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۹۵۴

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۳۹۱ کتاب الحدود

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۳۸۴ کتاب الحدود

(۴) الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۲ ص ۱۱۷ ترجمہ ۵۹۱

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَصْنَعِ الْمَعْرُوْفَ اِلَى مَنْ هُوَ اَهْلُهُ وَاِلَى مَنْ لَيْسَ بِاَهْلِهِ فَاِنْ اَصَبْتَ اَهْلَهُ فَقَدْ اَصَبْتَ اَهْلَهُ وَاِنْ لَمْ تُصِبْ اَهْلَهُ فَاَنْتَ مِنْ اَهْلِهِ۔ (۱)

اس آدمی سے بھی نیکی کرو جو اس کا اہل ہے اور اس سے بھی جو اس کا اہل نہیں ہے اگر تم نے اہل سے نیکی کی ہوگی تو ٹھیک ہے اور وہ اس کا اہل نہیں تھا تو تم تو اس کے (ثواب کے) اہل ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ بُدَلَاءَ اُمَّتِیْ لَمْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِصَلَاةٍ وَلَا صِيَامٍ وَلٰكِنْ دَخَلُوْهَا بِسَخَاءِ الْاَنْفُسِ وَسَلَامَةِ الصُّدُوْرِ وَالنُّصْحِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (۲)

میری امت کے ابدال (اولیاء کرام) (محض) نماز اور روزے کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ اپنے نفسوں کی سخاوت، سینوں کی سلامتی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ لِلْمَعْرُوْفِ وُجُوْهًا مِنْ خَلْقِهِ حَبَّبَ اِلَيْهِمُ الْمَعْرُوْفَ وَحَبَّبَ اِلَيْهِمْ فِعَالَهُ وَوَجَّهَ طُلَّابَ الْمَعْرُوْفِ اِلَيْهِمْ وَيَسَّرَ عَلَيْهِمْ اِعْطَاءَهُ كَمَا يَسَّرَ الْغَيْثَ اِلَى الْبَلْدَةِ الْجَدْبَةِ نُحْيِيْهَا وَيُحْيِيْ بِهِ اَهْلَهَا۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نیکی کی کئی صورتیں بنائی ہیں ایک یہ کہ خود نیکی کرنا انہیں اچھا لگتا ہے دوسرا یہ کہ نیکی اور احسان کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں تیسرا یہ کہ احسان طلب کرنے والوں کا رخ ان کی طرف پھیر دیا اور ان کے لیے عطا کرنا آسان کر دیا جیسے خشک علاقے پہ بارش کا برسنا آسان کر دیا کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس علاقہ کو سرسبز کر کے وہاں کے لوگوں کو زندہ رکھتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ مَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ

تمام نیکی صدقہ ہے اور آدمی جو کچھ اپنے آپ پہ اور

---

(۱) میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۵۵۰ ترجمہ ۴۸۲۳

(۲) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۱۸۸ حدیث ۳۴۶۰۴

(۳) کنز العمال جلد ۶ ص ۵۱۹ حدیث ۱۶۸۰۸

عَلٰی نَفْسِہٖ وَاَھْلِہٖ کُتِبَ لَہٗ صَدَقَۃٌ وَمَا وَقٰی بِہِ الرَّجُلُ عِرْضَہٗ فَھُوَلَہٗ صَدَقَۃٌ وَمَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ مِنْ نَفَقَۃٍ فَعَلَی اللّٰہِ خَلَفُھَا۔ (۱)

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے لیے بطور صدقہ لکھا جاتا ہے آدمی جس مال کے ذریعے اپنی عزت بچاتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا عوض اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پہ ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَۃٌ وَالدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ وَاللّٰہُ یُحِبُّ اِغَاثَۃَ اللَّھْفَانِ۔ (۲)

ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ فریاد کو پہنچنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کُلُّ مَعْرُوْفٍ فَعَلْتَہٗ اِلٰی غَنِیٍّ اَوْ فَقِیْرٍ صَدَقَۃٌ۔ (۳)

تم کسی مالدار سے نیکی کرو یا محتاج سے وہ (نیکی) صدقہ ہے۔

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ سامری کو قتل نہ کرنا وہ سخی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن سعد عبادہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک لشکر بھیجا انہوں نے جہاد کیا حضرت قیس نے ان کے لیے نو اونٹ ذبح کئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ سخاوت اس گھرانے کی خصلت ہے (۴)

آثار:

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں اگر تمہارے پاس دنیا آجائے تو اس سے خرچ کرو کیوں کہ اسے فنا نہیں اور اگر دنیا جارہی ہو تب بھی خرچ کرو کیوں کہ یہ باقی رہنے والی نہیں ہے اسی لیے کہا گیا ہے۔

لَاتَبْخَلَنَّ بِدُنْیَا وَھِیَ مُقْبِلَۃٌ
فَلَیْسَ یَنْقُصُھَا التَّبْذِیْرُ وَالسَّرَفُ

جب دنیا آرہی ہو تو بخل نہ کرو کیونکہ خرچ کرنے سے وہ کم نہیں ہوگی اور اگر وہ پیٹھ پھیر دے تو بھی سخاوت کرنا

---

(۱) شعب الایمان جلد ۳ ص ۲۶۴ حدیث ۳۴۹۵

(۲) الکامل لابن عدی جلد ۳ ص ۴۲۵ ترجمہ سفیان بن وکیع۔

(۳) المطالب العالیۃ جلد اول ص ۲۶۲ حدیث ۸۹۵

(۴) کنزالعمال جلد ۳ ص ۵۷۶ حدیث ۳۷۴۷۷

وَاِنْ تَوَلَّتْ فَاَحْرٰی اَنْ تَجُوْدَ بِھَا ۔۔۔ زیادہ مناسب ہے کیوں کہ شکر و حمد تو باقی ہے۔
فَالْحَمْدُ مِنْھَا اِذَا مَا اَدْبَرَتْ خَلَفٌ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروّت دلیری اور کرم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا مروّت یہ ہے کہ آدمی اپنے دین کی حفاظت کرے نفس کو بچا بچا کر رکھے مہمان کی مہمان نوازی اچھی طرح کرے اور اگر جھگڑے اور مکروہ کام میں داخل ہونا پڑے تو اچھے طریقے سے اختیار کرے دلیری اور بڑائی یہ ہے کہ ہمسایہ کی مصیبت دور کرے اور صبر کی جگہوں میں صبر کرے، اور کرم یہ ہے کہ کسی کے مانگنے سے پہلے خود اپنی طرف سے نیکی کا سلوک کرے، ضرورت مند کو کھانا کھلائے اور سائل کو کچھ دینے کے ساتھ ساتھ اس سے مہربانی اور رحمت کا سلوک کرے۔

ایک شخص نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی آپ نے فرمایا تمہاری حاجت پوری کر دی گئی عرض کیا گیا اے نواسۂ رسول! آپ اس کا رقعہ پڑھتے اور پھر اس کے مطابق جواب دیتے آپ نے فرمایا وہ میرے سامنے ذلت کے ساتھ کھڑا رہتا تو پھر اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھتا۔

حضرت ابن سماک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو مال خرچ کرے غلام خریدتا ہے لیکن نیکی کے ذریعے آزاد لوگوں (کے دلوں) کو نہیں خریدتا۔

کسی دیہاتی سے پوچھا گیا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ اس نے کہا وہ شخص جو ہماری گالیوں کو برداشت کرے ہمارے مانگنے والوں کو عطا کرے اور ہمارے جاہلوں سے درگزر کرے۔

حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص مانگنے والوں کو دیتا ہے وہ سخی نہیں ہے بلکہ سخی وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو خود بخود پورا کرتا ہے۔ اور شکریہ کی لالچ نہیں رکھتا کیونکہ وہ مکمل ثواب کے حصول کا یقین رکھتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ سخاوت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا سخاوت یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرے پھر پوچھا گیا کہ حزم (احتیاط) کیا ہے؟ فرمایا تو اس کے راستے میں مال کو روک دے پوچھا گیا اسراف کیا ہے؟ فرمایا ریاست (حکومت و اقتدار) کی محبت میں مال خرچ کرنا۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عقل سے زیادہ مددگار کوئی مال نہیں جہالت سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں مشورہ سے بڑھ کر کوئی پشت پناہ نہیں سنو! اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں سخاوت کرنے والا کریم ہوں کوئی بخیل مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا اور بخل کفر سے ہے (ناشکری ہے) اور کفار جہنم میں جائیں گے جب کہ جود و کرم ایمان کا حصہ ہے اور اہل ایمان جنت میں جائیں گے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بہت سے دین میں نافرمانی کرنے والے جو اپنی معیشت میں تنگی کا شکار ہوتے ہیں

لیکن وہ سخاوت کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں درہم تھا انہوں نے پوچھا یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا ہے انہوں نے فرمایا تیرا اس وقت ہو گا جب تیرے ہاتھ سے نکل جائے گا اسی مفہوم میں کہا گیا ہے۔

اَنْتَ لِلْمَالِ اِذَا اَمْسَکْتَہٗ فَاِذَا اَنْفَقْتَہٗ فَالْمَالُ لَکَ۔

جب تک تو مال کو روک کر رکھے تو تو مال کے لیے ہے اور جب تو اسے خرچ کر دے تو مال تیرا ہے۔

حضرت واصل بن عطاء کو غزال اس لیے کہتے تھے کہ وہ سوت کاتنے والوں کے پاس بیٹھا کرتے تھے جب وہ کمزور عورت کو دیکھتے تو اسے کچھ دے دیتے۔

حضرت اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ شاعروں کو کیوں دیتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بہترین مال وہ ہے جس کے ذریعے عزت کی حفاظت کی جائے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ سخاوت کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا (مسلمان) بھائیوں سے نیکی کا سلوک کرنا اور مال عطا کرنا سخاوت ہے فرمایا میرے والد ماجد کو وراثت میں ایک ہزار درہم ملے تو انہوں نے تھیلیاں بھر بھر کر اپنے بھائیوں میں تقسیم کر دیں اور فرمایا کہ میں نماز میں اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائیوں کے لیے جنت کا سوال کیا کرتا تھا تو مال میں ان سے بخل کروں؟

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں موجود چیز کو پوری محنت اور محبت کے ساتھ خرچ کرنا جُود و سخاوت کی انتہا ہے۔

کسی دانا سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون شخص آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے؟ انہوں نے فرمایا جس نے مجھے زیادہ دیا ہو۔ پوچھا گیا اگر ایسا نہ ہو تو؟ فرمایا جس کو میں نے زیادہ دیا ہو۔

حضرت عبد العزیز بن مروان کہتے ہیں جب کوئی شخص مجھے یہ موقع دے کہ میں اس کے ساتھ حُسن سلوک کروں تو اس کا مجھ پر احسان اسی طرح ہے جیسے میں نے اسے دیا ہو۔

خلیفہ مہدی نے شبیب بن شبہ سے پوچھا کہ آپ نے میرے گھر میں لوگوں کو کیسا پایا؟ انہوں نے جواب دیا امیر المومنین! لوگ وہاں امید لے کر جاتے ہیں اور راضی ہو کر واپس آتے ہیں ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن جعفر رحمہ اللہ کے سامنے یہ دو شعر پڑھے۔

اِنَّ الصَّنِیْعَۃَ لَا تَکُوْنُ صَنِیْعَۃً
حَتّٰی یُصَابَ بِھَا طَرِیْقُ الْمَصْنَعِ
فَاِذَا اصْطَنَعْتَ صَنِیْعَۃً فَاعْمِدْ بِھَا
لِلّٰہِ اَوْ لِذِی الْقَرَابَۃِ اَوْ دَعٖ۔

احسان اس وقت احسان ہوتا ہے جب وہ موقع محل کے مطابق ہو تو جب تم کوئی احسان کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو یا قرابتداروں کو دو یا چھوڑ دو۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ دو شعر تو لوگوں کو بخیل بنا دیں گے لیکن میں تو موسلا دھار بارش کی طرح نیکی کروں گا اگر وہ اچھے لوگوں تک پہنچ گئی تو وہ اس کے مستحق ہیں اور اگر برے لوگوں تک پہنچی تو میں اس کا اہل ہوں۔

سخی لوگوں کے واقعات:

حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ حضرت اُم درہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کیا کرتی تھیں وہ فرماتی ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ اسّی ہزار درہم دو تھیلوں میں حضرت ام المومنین کے پاس بھیجے آپ نے ایک تھال منگوایا اور ان دراہم کو لوگوں میں تقسیم کروا دیا۔ جب شام کا وقت ہوا تو فرمایا اے لڑکی! ہماری افطاری لاؤ وہ روٹی اور زیتون لائیں ام درہ نے عرض کیا کہ آپ نے اتنا مال تقسیم فرمایا اگر ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو ہم اس سے افطاری کرتے۔ انہوں نے فرمایا اگر تم مجھے یاد کراتیں تو میں ایسا کر لیتی۔

حضرت ابان بن عثمان فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور قریش کے سرداروں کے پاس جا کر کہا کہ حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کل صبح کا ناشتہ میرے پاس کرنا وہ سب آ گئے حتیٰ کہ گھر بھر گیا انہوں نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ ان لوگوں نے واقعہ بتایا تو حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پھل خریدنے کا حکم دیا اور کچھ لوگوں سے فرمایا کہ کھانا تیار کرو اب پھل ان کے سامنے رکھ دیا وہ پھل کھا کر فارغ نہیں ہوئے تھے کہ دستر خوان بچھا دیئے گئے اور انہوں نے کھانا کھایا اور واپس چلے گئے۔

حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عملہ سے پوچھا کہ کیا ہم ان لوگوں کو روزانہ ناشتہ کرا سکتے ہیں؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا یہ لوگ روزانہ ہمارے پاس ناشتہ کیا کریں۔

حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حج کیا جب واپس مدینہ طیبہ تشریف لاتے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نہ ان سے ملاقات کرنا اور نہ ہی انہیں سلام کہنا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب باہر آئے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم پر قرض ہے ہم ان سے ضرور ملیں گے چنانچہ آپ سوار ہوئے اور ان سے جا کر ملاقات کی ان کو سلام کیا اور پھر اپنے قرض کے بارے میں بتایا چنانچہ ان کے پاس سے کچھ لوگ گزرے جن کے پاس اسی ہزار دینار اونٹنی پر لادے ہوئے تھے وہ زیادہ بوجھ کی وجہ سے تھک کر دوسرے اونٹوں سے پیچھے رہ گئی تھی اور کچھ لوگ اسے ہانک کر لے جا رہے تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ کو صورت حال بتائی گئی تو آپ نے فرمایا اسے مع دیناروں کے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچا دو۔

حضرت واقد بن محمد واقدی فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ انہوں نے خلیفہ مامون کو ایک رقعہ لکھا جس میں لکھا کہ مجھ پر بہت زیادہ قرض ہے اور اب مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا مامون نے رقعہ کی پشت پر لکھا کہ تم ایسے آدمی ہو جس میں دو خصلتیں یعنی سخاوت اور حیا جمع ہیں۔ سخاوت نے تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں چھوڑا اور حیا کی وجہ سے تم نے اپنی حالت ہم سے بیان نہیں کی ہیں تمہارے لیے ایک لاکھ درہم کا حکم دیتا ہوں اگر میری یہ کاروائی ٹھیک اور مناسب ہے تو خوب ہاتھ پھیلاؤ (سخاوت کرو) اور اگر ٹھیک نہ ہو تو تمہارا اپنا قصور ہے تم ہارون الرشید کے زمانے میں قاضی تھے تو تم نے مجھے ایک حدیث سنائی تھی کہ حضرت محمد بن اسحٰق نے حضرت زہری سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

يَا زُبَيْرُ اِعْلَمْ اَنَّ مَفَاتِيْحَ اَرْزَاقِ الْعِبَادِ بِاِزَاءِ الْعَرْشِ يَبْعَثُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى كُلِّ عَبْدٍ بِقَدْرِ نَفَقَتِهٖ فَمَنْ كَثَّرَ كَثَّرَ لَهٗ وَمَنْ قَلَّلَ قَلَّلَ لَهٗ۔ (۱)

اے زبیر! جان لو بے شک بندوں کے رزق کی چابیاں عرش کے بالمقابل ہیں اللہ تعالیٰ ہر بندے کے خرچ کے مطابق اس کی طرف بھیجتا ہے جو زیادہ خرچ کرتا ہے اسے زیادہ دیتا ہے اور جو کم خرچ کرتا ہے اس کی طرف کم بھیجتا ہے

اور آپ خوب جانتے ہیں، واقدی نے فرمایا اللہ کی قسم مامون کا مجھ سے حدیث کے بارے میں ذکر کرنا اس انعام سے جو ایک لاکھ درہم پر مشتمل ہے، زیادہ پسندیدہ ہے۔

ایک شخص نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کسی حاجت کا سوال کیا تو انہوں نے فرمایا اے شخص! تیرے سوال کا مجھ پر بہت بڑا حق ہے اور میرے لیے یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ میں تجھے کیا دوں؟ تم جس چیز کے اہل ہو میں اس سے عاجز ہوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ دینا بھی تھوڑا ہے، میں مکمل طور پر تمہارا شکریہ ادا نہیں کر سکتا (حاجت کو پورا نہیں کر سکتا) جو کچھ ہے اگر اسے قبول کر لو اور مجھے زیادہ کی مشقت میں نہ ڈالو کہ میں تمہارا حق ادا کرنے کے لیے تکلیف میں پڑوں تو ایسا کرو اس نے عرض کیا اے نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں یہ عطیہ قبول بھی کروں گا اور شکریہ بھی ادا کروں گا اور نہ دینے پر عذر بھی مانوں گا آپ نے اپنے وکیل کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ اخراجات کا حساب کتاب کرے اس کے بعد فرمایا تین لاکھ درہموں سے جو کچھ زائد ہے وہ لے آؤ اس نے پچاس ہزار درہم حاضر کئے تو آپ نے فرمایا پانچ سو دینار بھی تھے ان کا کیا بنا؟ اس نے عرض کیا وہ میرے پاس ہیں آپ نے فرمایا وہ بھی لاؤ چنانچہ وہ لے آیا تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے وہ تمام درہم اور دینار اس شخص کو دے دیئے اور فرمایا کوئی مزدور لاؤ وہ دو بوجھ اٹھانے

---

(۱) کنز العمال جلد ۶ ص ۵۰۲ حدیث ۱۶۰۰۹۔

والے سے کرایا تو آپ نے اپنی چادر ان کو کرائے میں دے دی آپ کے غلاموں نے عرض کیا اللہ کی قسم! ہمارے پاس تو ایک درھم بھی باقی نہیں ہے آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے لیے بہت بڑا اجر ہو گا۔

بصرہ کے قراء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے ان دنوں آپ بصرہ کے حاکم تھے انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا ہے جو روزہ دار اور رات کو نماز پڑھنے والا ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس کی مثل ہونا چاہتا ہے اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ اپنے بھتیجے کو دیا ہے اور وہ ایک فقیر آدمی ہے اس کے پاس بیٹی کو جہیز دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں گھر کے اندر لے گئے ایک صندوق کھولا اور اس سے چھ تھیلیاں نکالیں اور فرمایا ان کو اٹھا لو، انہوں نے وہ تھیلیاں اٹھائیں تو آپ نے فرمایا ہم نے انصاف نہیں کیا ہم نے اسے جو کچھ دیا ہے وہ اسے رات کے قیام اور روزے سے دور کر دے گا ہمارے ساتھ چلو ہم اس لڑکی کے جہیز کے سلسلے میں اس شخص کے مددگار بنیں دنیا کی اتنی حیثیت نہیں کہ وہ کسی مومن کو عبادت خداوندی سے روک دے اور ہم میں بھی اتنا تکبر نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی مدد نہ کریں چنانچہ آپ نے ان سب کے ساتھ مل کر جہیز تیار کر کے دیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب مصر میں لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوئے اور اس وقت عبدالحمید بن سعد ان کے امیر تھے تو انہوں نے کہا کہ میں شیطان کو ضرور خبردار کروں گا کہ میں اس کا دشمن ہوں تو وہ ارزانی تک ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کرتے رہے پھر ان کو چھوڑ دیا جب انہوں نے وہاں سے کوچ کیا تو ان پر تاجروں کے دس لاکھ درھم (قرض) تھے انہوں نے اپنی بیویوں کے زیورات ان کے پاس گروی رکھ دیئے جن کی قیمت پچاس کروڑ تھی جب ان زیورات کی واپسی مشکل ہو گئی تو آپ نے تاجروں کو لکھا کہ ان کو بیچ کر جو رقم ان کے حقوق سے بچ جائے وہ ان لوگوں تک پہنچا دیں جن کو میرے ہاتھ سے کچھ نہیں ملا۔

ابوطاہر بن کثیر شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا ایک شخص نے اس سے کہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا صدقہ فلاں فلاں باغ مجھے بطور عطیہ دے دو اس نے کہا میں نے تمہارا مطالبہ پورا کر دیا اور اس کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ متصل باغ بھی میں نے تجھے دے دیا اور یہ اس شخص کے مطالبہ سے دوگنا تھا۔

ابومرثد ایک شخص تھا کسی شاعر نے اس کی تعریف کی تو اس نے شاعر سے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میرے پاس تجھے دینے کے لیے کچھ نہیں تم ایسا کرو کہ قاضی کے ہاں مجھ پر دس ہزار درھم کا دعویٰ کر دو یہاں تک کہ میں تمہارے لیے اقرار کر دوں پھر مجھے قید کروا دینا میرے رشتہ دار مجھے قید کی حالت میں نہیں چھوڑیں گے (اور تمہیں رقم دے دیں گے) اس نے اسی طرح کیا شام ہونے سے پہلے پہلے انہوں نے دس ہزار درھم دے دیئے اور ابومرثد کو قید سے چھڑوا لیا۔

معن بن زائدہ جن دنوں عراق پر حاکم ہونے کی وجہ سے بصرہ میں تھے تو ان کے دروازے پر ایک شاعر آیا وہ حضرت معن کے پاس جانے کے لیے ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہا لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی ایک دن اس نے حضرت معن کے خادم سے کہا جب امیر باغ میں داخل ہو تو مجھے بتانا جب امیر باغ میں داخل ہوا تو خادم نے اطلاع کر دی شاعر نے ایک لکڑی پر شعر لکھ کر اس پانی میں ڈال دیا جو باغ میں داخل ہو رہا تھا اس نے دیکھا تو لکھا تھا۔

"اے معن کی سخاوت تو ہی اس سے میری حاجت بیان کر دے معن کے پاس تیرے سوا میرا کوئی سفارشی نہیں ہے۔"

حضرت معن نے پوچھا یہ کس نے لکھا ہے؛ چنانچہ اس شخص کو بلایا گیا اور پوچھا کہ تم نے یہ شعر کس طرح کہا ہے؟ اس نے وہ شعر پڑھا تو بادشاہ نے اسے دس تھیلیاں دینے کا حکم دیا اس نے لے لیے اور بادشاہ نے لکڑی اپنے بچھونے کے نیچے رکھ لی۔ جب دوسرا دن ہوا تو اس نے اسے بچھونے کے نیچے سے نکال کر پڑھا اور اس شاعر کو بلا کر ایک لاکھ درہم دیئے اس نے لے تو لیے لیکن سوچنے لگا کہ کہیں وہ واپس نہ لے لے وہ وہاں سے چلا گیا جب تیسرا دن ہوا تو بادشاہ نے پھر وہ شعر پڑھا اور اس شاعر کو بلایا اسے ڈھونڈا گیا لیکن وہ نہ ملا حضرت معن نے کہا مجھ پر لازم ہے کہ میں اسے اس قدر دوں کہ میرے گھر میں ایک درہم اور ایک دینار بھی باقی نہ رہے۔

حضرت ابو الحسن مدائنی فرماتے ہیں حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم حج کے لیے تشریف لے گئے راستے میں اپنے سامان سے بچھڑ گئے تو بھوک اور پیاس محسوس ہوئی اس دوران ایک بوڑھی عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے خیمہ میں تھی فرمایا کیا پینے کے لیے کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، وہ سواریوں سے اترے تو اس کے پاس خیمے کے ایک کنارے میں صرف ایک چھوٹی سی بکری تھی۔ اس خاتون نے کہا اس کو دودھ کر اس کا دودھ نوش فرمائیں۔ چنانچہ ان تینوں حضرات نے اسی طرح کیا پھر اس عورت سے فرمایا کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا اس بکری کے سوا کچھ نہیں آپ میں سے کوئی ایک اسے ذبح کر دے۔ تاکہ میں آپ کے کھانے کے لیے اسے تیار کروں تینوں حضرات میں سے ایک کھڑے ہوئے اور اسے ذبح کر کے اس کی کھال اتاری پھر اس نے ان کے لیے کھانا تیار کیا تینوں حضرات نے کھایا اور دھوپ کی شدت کم ہونے تک ٹھہرے رہے جب جانے لگے تو فرمایا ہم قریش کے لوگ ہیں حج کے لیے جا رہے ہیں اگر صحیح سلامت واپس آ گئے تو ہمارے پاس آنا ہم تم سے اچھا سلوک کریں گے۔ پھر چلے گئے اس عورت کا خاوند آیا تو اس نے ان حضرات اور بکری کا معاملہ ذکر کیا اس شخص کو غصہ آیا اس نے کہا تیرے لیے ہلاکت ہو تو نے ان لوگوں کے لیے بکری ذبح کر ڈالی جن کے بارے میں تجھے کوئی علم نہیں کہ کون ہیں پھر تو کہتی ہے کہ وہ قریش کے کچھ لوگ تھے۔

راوی کہتے ہیں پھر کچھ مدت کے بعد ان دونوں میاں بیوی کو مدینہ طیبہ جانے کی ضرورت پڑی وہ وہاں پہنچے اور اونٹوں کی مینگنیاں بیچ کر گزارہ کرنے لگے۔ وہ خاتون مدینہ طیبہ کی ایک گلی سے گزر رہی تھی تو دیکھا کہ حضرت امام حسن رضی

اپنے گھر کے دروازے میں بیٹھے ہوئے ہیں آپ نے اس عورت کو پہچان لیا لیکن وہ آپ کو پہچان نہ سکی آپ نے غلام کو بھیج کر خاتون کو بلایا اور فرمایا اے اللہ کی بندی! مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا میں فلاں فلاں دن تمہارے پاس مہمان تھا بوڑھی عورت نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ وہی ہیں؟ فرمایا ہاں، پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو صدقہ کی بکریوں میں سے ایک ہزار بکریاں خرید کر اور ان کے ساتھ ایک ہزار دینار اسے دیئے اور اپنے غلام کے ہمراہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا انہوں نے پوچھا میرے بھائی نے تمہیں کیا دیا؟ اس نے عرض کیا ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قدر مال دینے کا حکم دیا پھر اسے اپنے غلام کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اسے دو سو بکریاں اور دو ہزار دینار دیئے اور فرمایا اگر تم پہلے میرے پاس آئیں تو میں نے تمہیں اتنا دیتا کہ ان دونوں کے لیے مشکل ہو جاتا۔ وہ خاتون چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کر اپنے خاوند کی طرف واپس آئیں۔

حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز مسجد سے اکیلے گھر جانے کے لیے نکلے تو قبیلہ ثقیف سے ایک لڑکا آپ کے پیچھے ہو گیا اور آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا حضرت عبداللہ نے فرمایا اے لڑکے تمہیں کوئی حاجت ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالے آپ کو فلاح و درستگی عطا فرمائے مجھے کوئی کام نہیں میں نے آپ کو اکیلے چلتا دیکھا تو میں نے سوچا آپ کی حفاظت کروں اور میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ آپ کو کوئی مکروہ بات پہنچے۔

حضرت عبداللہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ پھر ایک ہزار دینار منگوا کر اس لڑکے کو دیئے اور فرمایا یہ خرچ کرو تمہارے گھر والوں نے تمہاری بہت اچھی ترتیب کی ہے۔

منقول ہے کہ اہل عرب میں سے ایک جماعت اپنے ایک سخی کی زیارت کے لیے اس کی قبر کے پاس گئی وہ لوگ بہت دور سے وہاں پہنچے تھے انہوں نے وہاں ہی رات گزاری تو ان میں سے ایک شخص نے خواب میں صاحب قبر کو دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہا تھا اپنا گھوڑا میرے گھوڑے سے تبدیل کر لو اور اس سخی کا ایک نہایت عمدہ گھوڑا تھا۔ جو مشہور تھا، اور اس آدمی کے پاس ایک موٹا تازہ گھوڑا تھا اس نے خواب میں ہاں کر دی اور اس کے گھوڑے سے اپنے گھوڑے کا تبادلہ کر لیا جب ان کے درمیان سودا ہو گیا تو اس شخص نے نیند کی حالت میں ہی گھوڑے کو ذبح کر دیا جب یہ آدمی نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس اونٹ کی گردن سے خون جاری ہے چنانچہ وہ شخص اٹھا اور اس نے اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا قافلے والوں نے گوشت پکایا اور اپنی ضرورت کو پورا کیا۔ پھر وہ وہاں سے چل پڑے جب دوسرے دن یہ لوگ راستے میں تھے تو ان کو چند سوار ملے ان میں سے ایک نے کہا تم میں فلاں بن فلاں کون ہے؟ اس آدمی کا نام لے کر کہا اس نے کہا میں ہوں۔

اس نے اس قبر والے کا نام لے کر پوچھا کیا تم نے اس پر کوئی چیز بیچی ہے؟ اس نے کہا ہاں میں نے خواب کی

حالت میں اس کے اونٹ کے بدلے اپنا اونٹ دیا ہے۔ اس نے کہا یہ اس کا گھوڑا ہے لے لو۔

پھر اس سوار نے کہا کہ وہ (صاحب قبر) میرے والد ہیں میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں اگر تم میرے بیٹے ہو تو یہ گھوڑا فلاں آدمی کو دے دو (اور انہوں نے تمہارا نام لیا ہے)

قریش میں سے ایک شخص سفر سے واپس آیا تو راستے میں ایک دیہاتی کو دیکھا جو مفلس اور بیمار تھا اس نے کہا ہمارے ان حالات کے پیشِ نظر ہماری مدد کرو اس آدمی نے اپنے غلام سے کہا جو کچھ ہمارے خرچ سے بچا ہو وہ اس شخص کو دے دو تو غلام نے اس آدمی کی گود میں چار ہزار درہم انڈیل دیئے۔ وہ اٹھنے لگا تو کمزوری کی وجہ سے اٹھ نہ سکا اور رو پڑا اس شخص نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ شاید ہمارے عطیہ کو تم نے کم سمجھا ہے اس نے کہا یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ بات یاد کر کے رو رہا ہوں کہ شاید زمین تیرے کرم کو بھی کھا جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عامر نے حضرت خالد بن عقبہ بن ابی معیط سے ان کا بازار والا مکان نوے ہزار درھموں میں خریدا جب رات کا وقت ہوا تو انہوں نے حضرت خالد کے گھر والوں کا رونا سنا انہوں نے اپنے گھر والوں سے پوچھا ان کو کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ یہ اپنے مکان کے لیے رو رہے ہیں انہوں نے اپنے غلام سے فرمایا ان کے پاس جا کر کہو کہ مال اور مکان دونوں ان کے ہوگئے۔

ہارون الرشید نے حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پانچ سو دینار بھیجے حضرت لیث بن سعد رحمہ اللہ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار دینار بھیج دیئے۔ ہارون الرشید کو غصہ آیا تو اس نے اس نے کہا میں نے پانچ سو دینار دیئے اور آپ نے ایک ہزار دینار دے دیئے حالانکہ آپ میری رعایا میں شامل ہیں انہوں نے فرمایا اے امیر المومنین! مجھے ہر روز ایک ہزار دینار کی آمدنی ہوتی ہے تو میں نے شرم محسوس کیا کہ ایک دن کی آمدنی سے کم دوں۔

منقول ہے کہ حضرت لیث بن سعد پر زکوٰۃ کبھی واجب نہیں ہوئی حالانکہ ان کی یومیہ آمدنی ایک ہزار دینار تھی (کیوں کہ وہ خرچ کر دیتے تھے اور صاحبِ نصاب نہیں ہوتے تھے)

منقول ہے کہ ایک عورت نے حضرت لیث بن سعد رحمہ اللہ سے کچھ شہد مانگا تو انہوں نے ایک مشک شہد دینے کا حکم دیا کہا گیا کہ اُس کا کام اس سے کم کے ساتھ بھی چل سکتا تھا آپ نے فرمایا اس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا ہے اور ہم پر جس قدر نعمت خداوندی ہے ہم نے اس حساب سے دیا ہے۔

حضرت لیث بن سعد رحمہ اللہ روزانہ جب تک تین سو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ نہ دے دیتے اس وقت تک کلام نہ کرتے۔

حضرت اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں میری ایک بکری بیمار ہوگئی تو حضرت خیثمہ بن عبدالرحمٰن صبح وشام اس کی عیادت کے لیے آتے اور مجھ سے پوچھتے کیا وہ گھاس اچھی طرح کھاتی ہے اور بچے اس کے دودھ کے بغیر کس طرح گزارہ کرتے ہوں گے؟

اور میں ایک غدے پر بیٹھا کرتا تھا جب وہ جاتے تو فرماتے غدے کے نیچے جو کچھ ہے لے لو (یعنی وہ اس کے نیچے کچھ رقم رکھ دیتے تھے) حتیٰ کہ بکری کی بیماری کے دوران مجھے تین سو سے زیادہ دینار نیچے گئے۔ اور میں نے تمنا کی کہ کاش بکری تندرست نہ ہوتی۔

عبدالملک بن مروان نے حضرت اسماء بن خارجہ رحمہ اللہ سے کہا کہ مجھے آپ کی چند اچھی عادات کی خبر پہنچی ہے مجھ سے بیان کیجئے انہوں نے فرمایا کہ میری بجائے کسی دوسرے آدمی سے سنتے تو زیادہ بہتر ہوتا عبدالملک نے کہا میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ہی مجھے سنائیں۔

انہوں نے فرمایا اے امیرالمومنین! میں نے اپنے ہمنشین کے سامنے کبھی پاؤں نہیں پھیلائے اور جب بھی لوگوں کے لیے کھانا پکایا اور ان کو دعوت دی تو میں نے اپنے احسان کی بجائے اپنے اوپر ان کا احسان سمجھا اور جب کبھی کسی شخص نے مجھ سے سوال کیا تو میں نے جو کچھ اسے دیا اسے زیادہ خیال نہیں کیا۔

حضرت سعید بن خالد، سلیمان بن عبدالملک کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت سعید بہت سخی آدمی تھے جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اسے ایک تحریر دے دیتے کہ جب کچھ آئے گا تو تجھے دے دوں گا سلیمان بن عبدالملک نے آپ کو دیکھا تو اس شعر کے ساتھ مثال دی۔

اِنِّي سَمِعْتُ مَعَ الصَّبَاحِ مُنَادِيًا يَا مَنْ	میں نے صبح کے وقت ایک ندا دینے والے سے سنا
يُعِيْنُ عَلَى الْفَتَى الْمِعْوَانِ۔	کون بہت زیادہ مددگار نوجوان کی مدد کرتا ہے۔

پھر پوچھا آپ کو کوئی حاجت ہو تو بتائیے انہوں نے فرمایا مجھ پر قرض ہے سلیمان نے پوچھا کتنا قرض ہے؟ فرمایا تیس ہزار درھم ہیں۔ اس نے کہا آپ کو قرض کی رقم بھی مل جائے گی اور اس کے ساتھ اتنا مال مزید بھی ملے گا۔

کہا گیا ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ بیمار ہو گئے تو ان کے دوست احباب نے عیادت میں تاخیر کر دی آپ سے عرض کیا گیا کہ چونکہ انہوں نے آپ کا قرض دینا ہے اس لیے وہ شرم محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس مال کو ذلیل و رسوا کرے اس نے دوستوں کو ملاقات سے روک دیا ہے پھر ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے کہ جس آدمی پر حضرت قیس کا قرض ہو وہ اس سے بری الذمہ ہے راوی کہتے ہیں شام کے وقت اس قدر قلاقائی ہے کہ ان کی سیڑھی ٹوٹ گئی۔

حضرت ابو سحاق سے منقول ہے فرماتے ہیں میں نے کوفہ کی مسجد اشعث میں فجر کی نماز پڑھی میں اپنے ایک قرض دار کو تلاش کر رہا تھا جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کپڑوں کا ایک جوڑا اور جوتے میرے سامنے رکھ دیئے میں نے کہا میں تو اس مسجد والوں میں سے نہیں ہوں انہوں نے کہا حضرت اشعث بن قیس کندی گذشتہ شام مکہ مکرمہ سے آئے ہیں اور انہوں نے حکم دیا ہے کہ جو شخص بھی اس مسجد میں نماز پڑھے اسے کپڑوں اور جوتوں کا ایک جوڑا دیا جائے۔

حضرت شیخ ابو سعد حرکوشی نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے محمد بن محمد حافظ رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں

میں نے شافعی مجاورِ مکہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ مصر میں ایک شخص تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ فقراء کے لیے کوئی چیز جمع کرتا ہے ایک شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوا وہ کہتا ہے میں اس شخص کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو وہ میرے ساتھ چل پڑا ایک جماعت کے پاس گیا لیکن کچھ نہ ملا پھر ایک شخص کی قبر کے پاس آیا اور وہاں بیٹھ گیا کہنے لگا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تم زندگی میں بہت کچھ دیتے تھے میں آج ایک جماعت کے پاس گیا اور انہیں اس نومولود کے لیے کچھ دینے کو کہا لیکن کسی نے مجھے کچھ نہ دیا۔

راوی کہتا ہے پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک دینار نکالا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک حصہ سائل کو دیا اور کہا کہ یہ تم پر قرض ہے جب تمہیں کوئی چیز مل جائے تو مجھے لوٹا دینا، وہ کہتا ہے میں نصف دینار لے کر واپس آگیا اور اپنی ضرورت پر خرچ کیا وہ کہتا ہے اس مصری چندہ کرنے والے نے رات کے وقت اس قبر والے کو دیکھا اس نے کہا تم نے جو کچھ کہا ہے میں نے سن لیا تھا لیکن اس وقت مجھے جواب کی اجازت نہ تھی میرے گھر جاؤ اور میری اولاد سے کہو کہ انگیٹھی کے نیچے جگہ کو کھودیں اور وہاں سے ایک مشکیزہ نکالیں جس میں پانچ سو دینار ہیں وہ مشکیزہ اس شخص کو پہنچا دیں۔

دوسرے دن وہ شخص میت کے گھر والوں کے پاس گیا اور ان کو تمام واقعہ سنایا انہوں نے کہا بیٹھ جاؤ پھر انہوں نے وہ جگہ کھودی اور دینار نکال کر لے آئے اور اس کے سامنے رکھ دیئے۔

اس نے کہا یہ تمہارا مال ہے میرے خواب کا کیا اعتبار ہے؟ انہوں نے کہا مال والا مرنے کے بعد بھی سخاوت کرتا ہے ہم زندہ ہو کر بھی سخاوت نہ کریں جب انہوں نے اسے مجبور کیا تو وہ دینار اٹھا کر بچے والے کے گھر چلا گیا اور اس سے تمام واقعہ بیان کیا اس آدمی نے ایک دینار لے کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور نصف دینار جو قرض لیا تھا اس شخص کو دے دیا اور دوسرا نصف خود اٹھا لیا اور کہا کہ مجھے یہی کافی ہے باقی فقراء پر تقسیم کر دیں۔ حضرت ابو سعید فرماتے ہیں مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ان میں سے کون زیادہ سخی ہے؟

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ جب مصر میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو فرمایا فلاں آدمی سے کہنا کہ وہ مجھے غسل دے جب آپ کا انتقال ہوا اور اس شخص کو آپ کی وفات کا علم ہوا تو وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا ان کے اخراجات کا رجسٹر لاؤ جب رجسٹر لایا گیا تو اس نے اس میں دیکھا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ پر ستر ہزار درہم قرض ہیں اس نے وہ اپنے نام پر کر کے ادا کر دیئے اور فرمایا کہ میرا ان کو غسل دینا یہی تھا اور ان کی مراد بھی یہی تھی (کہ میں قرض کی میل کچیل سے ان کو پاک کر دوں۔)

حضرت ابو سعید واعظ حرکوشی فرماتے ہیں جب میں مصر میں آیا تو میں نے اس شخص کا مکان تلاش کیا لوگوں نے میری راہنمائی کی میں نے اس کی اولاد اور پوتوں میں سے بعض کو دیکھا تو ان میں بھلائی اور فضیلت کے آثار نظر آئے میں نے کہا اس شخص کی نیکی کے اثرات اور برکت ان میں ظاہر ہوئی ہے قرآن پاک میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ (۱) اور ان دونوں (بچوں) کا باپ نیک آدمی تھا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ہمیشہ حضرت حماد بن ابی سلیمان سے محبت کرتا ہوں کیوں کہ ان کی طرف سے مجھے ایک بات پہنچی ہے وہی اس محبت کا باعث ہے وہ یہ کہ وہ ایک دن اپنے دراز گوش پر سوار تھے انہوں نے اسے حرکت دی تو اس کا تسمہ ٹوٹ گیا وہ ایک درزی کے پاس سے گزرے تو ارادہ کیا کہ اتر کر اس تسمے کو ٹھیک کروائیں درزی نے قسم دے کر کہا کہ آپ نہ اتریں چنانچہ اس نے خود ہی کھڑے ہو کر تسمہ درست کر دیا انہوں نے ایک تھیلی نکالی جس میں دس دینار تھے اور وہ درزی کے حوالے کر دی اور معذرت کی کہ یہ رقم کم ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ شعر پڑھے۔

يَا لَهْفَ قَلْبِيْ عَلٰى مَالٍ اَجُوْدُ بِهٖ عَلٰى الْمُقِلِّيْنَ مِنْ اَهْلِ الْمُرُوْءَاتِ اِنَّ اعْتِذَارِيْ اِلٰى مَنْ جَاءَ يَسْأَلُنِيْ مَا لَيْسَ عِنْدِيْ لِمِنْ اِحْدَى الْمُصِيْبَاتِ۔

ہائے میرے دل کے افسوس اس مال پر جس کے ذریعے میں مروت والوں میں سے کم مال والوں پر سخاوت کرتا ہوں جو شخص میرے پاس آکر مانگتا ہے میں اس سے معذرت کرتا ہوں کہ کسی ضرورت مند کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔

حضرت ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ (کی سواری) کی رکاب پکڑی تو آپ نے فرمایا اے ربیع اسے چار درہم دے دو اور میری طرف سے معذرت بھی کرو۔

حضرت ربیع فرماتے ہیں میں نے حضرت حمیدی کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ صنعا سے مکہ مکرمہ آئے تو آپ کے پاس دس ہزار درہم تھے آپ نے مکہ مکرمہ سے باہر ایک خیمہ نصب کر دیا اور وہ درہم ایک کپڑے پر بچھا دیئے پھر جو بھی آتا ایک مٹھی بھر کر اسے دے دیتے حتیٰ کہ جب ظہر کی نماز پڑھی تو کپڑا جھاڑ دیا اس پر کچھ بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابو ثور فرماتے ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا تو آپ کے پاس کچھ مال تھا اور آپ اپنی سخاوت کی وجہ سے بہت کم روکتے تھے میں نے عرض کیا مناسب یہ ہے کہ اس مال سے اپنی اولاد کے لیے کوئی سامان خرید لیں، راوی فرماتے ہیں جب وہ تشریف لے گئے اور پھر ہمارے پاس واپس تشریف لائے تو میں نے ان سے اس مال کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا میں نے مکہ مکرمہ میں کوئی ایسا سامان نہیں پایا جسے میں خرید سکتا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ ان میں اکثر جائداد وقف ہے لیکن میں نے منیٰ میں ایک رہائش گاہ بنائی ہے کہ جب ہمارے احباب حج کے لیے جائیں تو وہاں ٹھہریں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے بارے میں یہ شعر پڑھے۔

اَرٰى نَفْسِيْ تَتُوْقُ اِلٰى اُمُوْرٍ يُقَصِّرُ دُوْنَ میں اپنے نفس کو دیکھتا ہوں کہ وہ کچھ باتوں کا شوق

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۸۲

مَیْلِفِهِنَّ مَالِیْ فَنَفْسِیْ لَا تُطَاوِعُنِیْ بِبُخْلٍ
وَمَالِیْ لَا یُبَلِّغُنِیْ فِعَالِیْ۔

رکھتا ہے لیکن میرے مال کی کمی وہاں تک پہنچنے نہیں دیتی میرا نفس مجھے بخل کرنے نہیں دیتا اور سخاوت کے لیے میرے پاس مال نہیں۔

محمد بن عباد مہلبی فرماتے ہیں میرے والد مامون (بادشاہ) کے پاس گئے تو اس نے انہیں ایک لاکھ درھم دیئے جب وہ وہاں سے اٹھے تو تمام درھم صدقہ کر دیئے مامون کو اس بات کی خبر دی گئی جب وہ دوبارہ اس کے پاس گئے تو اس نے ان کو اس بات پر جھڑکا انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین! موجود چیز کو روکنا معبود کے بارے میں بدگمانی کرنا ہے اس نے ان کو ایک لاکھ درھم مزید دے دیئے۔

ایک شخص نے حضرت سعید بن عاص سے کچھ مانگا تو انہوں نے ایک لاکھ درھم دینے کا حکم دیا وہ شخص رو پڑا سعید بن عاص نے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ زمین تیرے جیسے لوگوں کو بھی کھائے گی اس نے اسے مزید ایک لاکھ درھم دینے کا حکم دیا۔

ابو تمام شاعر کچھ اشعار کے ساتھ ابراہیم بن شکلہ کے پاس حاضر ہوا ان اشعار میں اس نے ان کی مدح کی تھی وہ بیمار تھے انہوں نے قصیدہ رکھ لیا اور دربان سے کہا کہ اس کے مناسب عطیہ دے دو اور فرمایا شاید میں ٹھیک ہو جاؤں تو اس کا پورا پورا بدلہ دوں گا وہ دو مہینے ٹھہرا رہا زیادہ دیر ٹھہرنے سے اکتا گیا تو اس نے ابراہیم بن شکلہ کو لکھا۔

اِنَّ حَرَامًا قُبُوْلُ مَدْحِنَا وَتَرْكُ مَا
نَرْتَجِیْ مِنَ الصِّفْلَةِ كَمَا الدَّرَاهِمُ
وَالدَّنَانِيْرُ فِي الْبَيْعِ حَرَامٌ اِلَّا يَدًا بِيَدٍ۔

ہمارے مدحیہ قصیدے کو قبول کرنا اور جس عطیے کی ہم امید رکھتے ہیں اسے چھوڑ دینا حرام ہے جس طرح درھموں اور دیناروں کی بیع نقد ہی جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

جب یہ دو شعر ابراہیم کو پہنچے تو انہوں نے اپنے دربان سے پوچھا یہ شخص دروازے پر کتنا عرصہ کھڑا رہا ہے اس نے بتایا کہ دو مہینے، فرمایا اسے تیس ہزار درھم دے دو اور میرے پاس دوات لاؤ چنانچہ اس شاعر کی طرف لکھا۔

اَعْجَلْتَنَا فَاَتَاكَ عَاجِلُ بِرِّنَا قَلًّا وَلَوْ
اَمْهَلْتَنَا لَمْ نُقْلِلْ فَخُذِ الْقَلِيْلَ وَكُنْ كَاَنَّكَ
لَمْ تَقُلْ وَنَقُوْلُ نَحْنُ كَاَنَّنَا لَمْ نَفْعَلْ۔

تم نے جلدی کی تو ہم سے جو ہو سکا ہم نے کیا اگر تم ہمیں کچھ مہلت دیتے تو اس قدر تھوڑا نہ ہوتا یہ تھوڑا لے لو اور یوں سمجھو کہ تم نے کچھ نہیں کہا اور ہم یہ سمجھیں گے کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔

مروی ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پچاس ہزار درھم تھے ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت طلحہ نے فرمایا آپ کا مال تیار ہے قبضہ کیجئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے آپ کو دے دیئے تاکہ آپ کو مروت (سخاوت) پر مدد حاصل ہو۔

حضرت سعدیٰ بنت عوف رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئی تو ان کی طبیعت کو بوجھل دیکھ کر پوچھا آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے فرمایا میرے پاس مال جمع ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میں غمگین ہوں میں نے پوچھا آپ کو کیا غم ہے اپنی قوم کو بلا کر تقسیم کر دیں چنانچہ انہوں نے اپنے غلام کو بھیج کر اپنی قوم کو بلایا اور وہ مال ان میں تقسیم کر دیا میں نے خادم سے پوچھا کہ کتنا مال تھا؟ اس نے کہا چار لاکھ۔

ایک اعرابی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی قرابت کے ذریعے قرب حاصل کیا اور کچھ مانگا آپ نے فرمایا مجھ سے قرابت کے نام پر آج تک کسی نے سوال نہیں کیا میری ایک زمین ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مجھے اس کے تین لاکھ درہم دیتے ہیں اگر تو چاہے تو اس پر قبضہ کر لے اور اگر چاہے تو میں اسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فروخت کر دوں اور وہ رقم تمہیں دے دوں اس نے کہا مجھے رقم دے دیں چنانچہ آپ نے وہ زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بیچ دی اور اس شخص کو نقد پیسے دے دیئے۔

کہا گیا ہے کہ ایک دن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رو پڑے پوچھا گیا آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا سات دن سے میرے پاس کوئی مہمان نہیں آیا مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے ذلیل تو نہیں کر دیا۔

ایک شخص اپنے دوست کے دروازے پر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا اس نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا مجھ پر چار سو درہم قرض ہیں اس نے چار سو درہم تول کر اس کے حوالے کر دیئے اور روتا ہوا واپس آیا بیوی نے کہا اگر تجھے ان درہموں کا دینا شاق تھا تو نہ دیتے اس نے کہا میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ مجھے اس کا حال اس کے بتائے بغیر معلوم نہ ہو سکا حتیٰ کہ وہ میرا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہوا۔

جو لوگ ان صفات کے مالک ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان سب کو بخش دے۔

بخل کی مذمت:

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱)

اور جن لوگوں کو نفس کے لالچ سے بچایا گیا وہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فضل (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ التغابن آیت ۱۶

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۱)

کا بخل کرنا ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لیے برا ہے عنقریب قیامت کے دن انہیں اس چیز کا طوق پہنایا جائے گا جس میں وہ بخل کرتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (۲)

وہ لوگ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو فضل عطا کیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّهٗ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ۔ (۳)

لالچ (بخل) سے بچو اسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ان کو ایک دوسرے کا خون بہانے اور حرام چیزوں کو حلال کرنے پر ابھارا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّهٗ دَعَا مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَسَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ فَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ وَدَعَاهُمْ فَقَطَعُوْا اَرْحَامَهُمْ (۴)

اپنے آپ کو لالچ (بخل) سے بچاؤ اسی نے پہلے لوگوں کو ایک دوسرے کا خون بہانے کی دعوت دی تو انہوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا حرام کو حلال سمجھا اور رشتہ داری کا تعلق توڑا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بَخِيْلٌ وَلَا خَبٌّ وَلَا خَائِنٌ وَلَا سَيِّئُ الْمَلَكَةِ۔ (۵)

بخیل، مکار، خیانت کرنے والا اور بد اخلاق جنت میں نہیں جائیں گے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۸۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ النساء آیت ۳۷

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۹۱ مرویات ابن عمرو

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۳۱ مرویات ابوہریرہ

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۴ مرویات ابوبکر

ایک روایت میں ہے اور کوئی "جبارٌ" (متکبر) اور ایک روایت میں ہے بہت زیادہ احسان جتانے والا بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گے (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ۔

تین باتیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں لالچ (اور بخل) کی اطاعت خواہش کی پیروی اور آدمی کا خود پسندی میں مبتلا ہو جانا۔

(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَبْغَضُ ثَلَاثَةً اَلشَّيْخَ الزَّانِيْ وَالْبَخِيْلَ الْمَنَّانَ وَالْمُعِيْلَ الْمُخْتَالَ۔

اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے بغض رکھتا ہے (ان کو ناپسند کرتا ہے) بوڑھا زانی، احسان جتانے والا بخیل اور فقیر تکبر کرنے والا۔

(۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَثَلُ الْمُنْفِقِ وَالْبَخِيْلِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ مِنْ لَدُنْ ثُدِيِّهِمَا اِلٰى تَرَاقِيْهِمَا فَاَمَّا الْمُنْفِقُ فَلَا يُنْفِقُ شَيْئًا اِلَّا سَبَغَتْ اَوْ وَفَرَتْ عَلٰى جِلْدِهٖ حَتّٰى تُخْفِيَ بَنَانَهٗ وَاَمَّا الْبَخِيْلُ فَلَا يُرِيْدُ اَنْ يُنْفِقَ شَيْئًا اِلَّا قَلَصَتْ وَلَزِمَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَكَانَهَا حَتّٰى اَخَذَتْ بِتَرَاقِيْهِ فَهُوَ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَّسِعُ۔

مال خرچ کرنے والے اور بخیل کی مثال اس طرح ہے جیسے دو آدمی ہوں اور ان پر لوہے کے دو جُبّے ہوں جو چھاتی سے لے کر گردن تک ہوں خرچ کرنے والا جس قدر خرچ کرتا ہے اسی قدر وہ جبہ پھیلتا چلا جاتا ہے اور اس کی کڑیاں ڈھیلی ہوتی جاتی ہیں لیکن بخیل جو کچھ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتا اس کرتے کی کڑیاں سکڑتی چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ وہ اس کا گلا دباتی ہیں وہ اسے پھیلانا چاہتا ہے لیکن پھیلا نہیں سکتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۱۴ مرویات ابو ہریرہ
(۲) شعب الایمان جلد اول ص ۴۷۱ حدیث ۷۴۵
(۳) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۱۳۱ کتاب البیوع
(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۲۸ کتاب الزکوٰۃ

خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ۔ (۱)

مومن میں دو باتیں جمع نہیں ہوتیں ایک بخل اور دوسری بد اخلاقی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ (۲)

یا اللہ! میں بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں، بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور حقیر ترین عمر کی طرف پھیرے جانے سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ظلم سے بچو بے شک ظلم روز قیامت کی اندھیریوں میں سے ایک ہے۔

وَاِيَّاكُمْ وَالْفُحْشَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ وَلَا الْمُتَفَحِّشَ وَاِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ قَبْلَكُمُ الشُّحُّ اَمَرَهُمْ بِالْكَذِبِ فَكَذَبُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالظُّلْمِ فَظَلَمُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا۔ (۳)

اور اپنے آپ کو فحش کلامی سے بچاؤ بے شک اللہ تعالیٰ فحش کلام کرنے والے اور بتکلف فحش کلامی کرنے والے کو پسند نہیں فرمایا اور اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ تم سے پہلے لوگ بخل کی وجہ سے ہلاک ہوئے اس بخل نے ان کو جھوٹ پر آمادہ کیا تو انہوں نے جھوٹ بولا اس نے ان سے ظلم کروایا تو انہوں نے ظلم کیا اس نے ان کو رشتہ داری کے تعلقات ختم کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے رشتہ داروں سے تعلقات توڑے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ (۴)

بہت زیادہ بخل اور سخت بزدلی انسانی برائی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص شہید ہو گیا تو اس پر ایک خاتون رونے لگیں اس نے

---

(۱) جامع الترمذی ص ۲۹۰ کتاب البر والصلۃ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۴۲ کتاب الدعوات

(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۱۱ کتاب الایمان

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰۲ مرویات ابوہریرہ

کہا ہائے او شہید! ——— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہیں کیا معلوم کہ وہ شہید ہے ہو سکتا ہے اس نے بے مقصد گفتگو کی ہو یا ایسی چیز کے ساتھ بخل کیا ہے جس (کے دینے) سے اس کو کوئی نقصان نہیں ہوتا"۔ (۱)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ کچھ لوگ تھے جو خیبر سے لوٹ کر آئے تھے کہ چند دیہاتی آپ کے گرد جمع ہو کر کچھ مانگنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو ببول کے درخت کی طرف مجبور کر دیا اور اس کے ساتھ آپ کی چادر مبارک لٹک گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور فرمایا۔

"میری چادر مجھے دو اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میرے پاس ان کانٹوں کے برابر جانور ہوتے تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا پھر تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے"۔ (۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم فرمایا میں نے عرض کیا کہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ زیادہ حق دار تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان لوگوں کو میرے بارے میں دو باتوں کا اختیار ہے یا تو فحش کلامی کے ذریعے کچھ مانگیں یا مجھے بخیل قرار دیں لیکن میں بخیل نہیں ہوں (۳) (لہٰذا میں ان کی بری بھلی باتوں پر صبر کرتا ہوں)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے ایک اونٹ کی قیمت مانگنے لگے آپ نے ان کو دو دینار عطا فرمائے جب وہ آپ کے پاس سے چلے گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہو گئی انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن سلوک کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں کی بات آپ کو بتائی آپ نے فرمایا میں نے فلاں کو دس اور سو کے درمیان دیئے لیکن اس نے ایسی بات نہیں کہی تم میں سے بعض لوگ مجھ سے مانگتے ہیں اور پھر وہ منہ مانگی مراد بغل کے نیچے دبا کر چلے جاتے ہیں حالانکہ وہ دوزخ کی آگ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ ان کو دوزخ کی آگ کیوں دیتے ہیں آپ نے فرمایا وہ مجھ سے مانگتے

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۴۱ کتاب الادب

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۴۶ کتاب الجہاد

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۳۷ کتاب الزکوٰۃ

بغیر نہیں رہتے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بخل سے دُور رکھا ہے (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخاوت اللہ تعالیٰ کے جُود و سخا سے ہے تم سخاوت کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر جُود فرمائے سنو! اللہ تعالیٰ نے سخاوت کو پیدا فرما کر ایک مرد کی صورت دی اور اس کے سر کو طُوبیٰ درخت کی جڑیں مضبوط کر دیا اور اس کی ٹہنیوں کو سدرۃ المنتہیٰ کی ٹہنیوں سے باندھ دیا اور اس کی بعض شاخوں کو دنیا کی طرف لٹکا دیا تو جو آدمی اس کی کسی ٹہنی سے لٹک جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرتا ہے سنو! بیشک سخاوت ایمان سے ہے اور ایمان والے جنت میں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے بخل کو اپنے غضب سے پیدا کیا اور اس کا سر زقوم (تھوہر) کے درخت کی جڑیں مستحکم کر دیا اس کی بعض شاخوں کو زمین کی طرف لٹکایا تو جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرتا ہے سنو! بخل کفر (ناشکری) ہے اور ناشکری کرنے والا جہنم میں جائے گا۔ (۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلسَّخَاءُ شَجَرَةٌ تَنْبُتُ فِي الْجَنَّةِ فَلَا يَلِجُ الْجَنَّةَ اِلَّا سَخِيٌّ وَالْبُخْلُ شَجَرَةٌ تَنْبُتُ فِي النَّارِ فَلَا يَلِجُ النَّارَ اِلَّا بَخِيلٌ۔ (۳)

سخاوت ایک ایسا درخت ہے جو جنت میں اُگتا ہے پس جنت میں سخی ہی داخل ہوگا اور بخل ایک ایسا درخت ہے جو جہنم میں اُگتا ہے پس بخیل جہنم میں جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لحیان کے وفد سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جد بن قیس ہمارے سردار ہیں لیکن وہ بخیل آدمی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بخل سے بڑی بیماری کونسی ہے لیکن تمہارا سردار حضرت عمرو بن جموح ہیں۔ ایک روایت میں ہے انہوں نے عرض کیا کہ جد بن قیس ہمارے سردار ہیں آپ نے فرمایا تم نے ان کو سردار کیوں بنایا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہیں لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں بخل پایا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخل سے بڑھ کر کونسی بیماری ہے وہ تمہارے سردار نہیں ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا سردار کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا سردار بشر بن براد ہیں۔ (۴)

---

(۱) الدر المنثور جلد اول ص ۲۰۰ تحت آیت للفقراء المہاجرین

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۳ حدیث ۱۶۲۱۷

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۳۴۱ حدیث ۳۵۴۳

(۴) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۲۱۹ کتاب معرفۃ الصحابہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْبَخِيْلَ فِيْ حَيَاتِهِ اَلسَّخِيَّ عِنْدَ مَوْتِهٖ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو زندگی میں بخیل ہو اور مرتے وقت سخی ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلسَّخِيُّ الْجَهُوْلُ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْعَابِدِ الْبَخِيْلِ۔ (۲)

جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گزار بخیل سے زیادہ پسند ہے۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا۔

اَلشُّحُّ وَالْإِيْمَانُ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ۔ (۳)

کسی بندے کے دل میں بخل اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ۔ (۴)

دو عادتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں (یعنی) بخل اور بد اخلاقی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَنْبَغِيْ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَكُوْنَ بَخِيْلًا وَلَا جَبَانًا۔ (۵)

کسی مومن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ بخیل اور بزدل ہو۔

اور آپ نے فرمایا۔

تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ ظالم کے مقابلے میں بخیل کا عذر زیادہ مقبول ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں بخل سے بڑھ کر کونسا ظلم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت، عظمت اور جلال کی قسم کھائی ہے کہ کوئی لالچی اور بخیل (پہلے مرحلے میں) جنت میں داخل نہیں ہو گا (۶)

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۱۹۸ حدیث ۶۲۷

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۲ حدیث ۱۶۲۱۰

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ ص ۱۶۱ کتاب السیر

(۴) جامع الترمذی ص ۲۹۰، ابواب البر والصلۃ

(۵)

(۶) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۳۸۰ کتاب البر والصلۃ

ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا کہہ رہا تھا اس گھر کی حرمت کے صدقے میرے گناہ بخش دے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بتاؤ تمہارا کیا گناہ ہے؟ اس نے عرض کیا وہ بہت بڑا گناہ ہے میں آپ کو بتا نہیں سکتا آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے تمہارا گناہ زیادہ بڑا ہے یا زمینیں؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا گناہ زیادہ بڑا ہے آپ نے فرمایا تمہارا گناہ زیادہ بڑا ہے یا پہاڑ؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا گناہ زیادہ بڑا ہے آپ نے فرمایا تمہارا گناہ زیادہ بڑا ہے یا سمندر؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے پوچھا تیرا گناہ زیادہ بڑا ہے یا آسمان؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا گناہ زیادہ بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا گناہ زیادہ بڑا ہے یا اللہ تعالیٰ؟ اس نے عرض کیا اللہ تعالیٰ بہت بڑا اور بہت بلند ہے آپ نے فرمایا اچھا اپنا گناہ بیان کرو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک صاحب ثروت اور مالدار آدمی ہوں اور مانگنے والا آ کر مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آگ کا کوئی شعلہ میرے سامنے ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مجھ سے دور ہو جا مجھے اپنی آگ سے نہ جلانا اس ذات کی قسم جس نے مجھے ہدایت اور کرامت کے ساتھ بھیجا ہے اگر تم حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر بیس لاکھ سال نماز پڑھو پھر روؤ حتیٰ کہ تمہاری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور ان سے درختوں کو سیراب کیا جائے پھر تم مر جاؤ اور اسی بخل کی حالت میں تمہیں موت آ جائے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم میں اوندھا کر کے ڈالے گا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بخل کفر ہے اور کافر جہنم میں جائے گا (کفران نعمت مراد ہے حقیقی کفر مراد نہیں) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهٖ (۱) — اور جو شخص بخل کرتا ہے اس کا نقصان اسے ہی پہنچتا ہے

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (۲) — اور جو لوگ اپنے نفس کی لالچ سے بچائے گئے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

آثار:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا فرمایا تو اس سے فرمایا زینت اختیار کر اس نے اپنے آپ کو مزین کیا پھر فرمایا اپنی نہروں کو ظاہر کر اس نے سلسبیل کا فور اور تسنیم کے چشمے ظاہر کئے تو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ محمد آیت ۳۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ التغابن آیت ۱۶

ان سے جنتوں میں شراب، شہد اور دودھ کی نہریں جاری ہو گئیں پھر فرمایا اپنا تخت، چھپر کھٹ، کرسی، زیور، لباس اور حورعین ظاہر کر اس نے ظاہر کیا اللہ تعالیٰ نے اسے دیکھا تو فرمایا کچھ کہو، اس نے عرض کیا اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو مجھ میں داخل ہوگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم ہے میں کسی بخیل کو تیرے اندر نہیں ٹھہراؤں گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ہمشیرہ حضرت ام النبیین رحمہما اللہ نے فرمایا بخیل پر افسوس ہے اگر بخل قمیص ہوتی تو میں اسے نہ پہنتی اور اگر بخل راستہ ہوتا تو میں اس پر نہ چلتی۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم اپنے مالوں کے ساتھ وہ چیز پاتے ہیں جو بخیل بھی پاتے ہیں لیکن ہم صبر کرتے ہیں۔ (یعنی ہم خرچ کر کے صبر کرتے ہیں)

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات مشہور تھی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو برائی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو ان میں سے برے لوگوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے اور ان کا رزق ان میں سے بخیل لوگوں کے ہاتھ میں رکھ دیتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں مال دار لوگ اپنا مال اپنے دانتوں سے (یعنی مضبوط) پکڑیں گے حالانکہ ان کو اس بات کا حکم نہیں دیا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔ (۱) اور باہمی فضیلت کو بھول نہ جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شح (لالچ) بخل سے زیادہ برا ہے کیوں کہ بخل کرنے والا (شحیح) اس چیز میں بخل کرتا ہے جو دوسرے کے پاس ہوتی ہے حتیٰ کہ اسے لے لیتا ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس میں بھی بخل کرتا ہے جب کہ بخیل صرف اس چیز میں بخل کرتا ہے جو اس کے قبضے میں ہوتی ہے۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں بخل اور جھوٹ میں سے کونسا عمل جہنم کی زیادہ گہرائی میں لے جائے گا۔

کہا گیا ہے کہ نوشیروان کے پاس دو حکیم آئے ایک ہندوستانی تھا اور دوسرا رومی۔ اس نے ہندوستانی حکیم (دانا) سے کہا کچھ کہو، اس نے کہا بہترین آدمی وہ ہے جو سخاوت کے ساتھ ملاقات کرے اور غصے کی حالت میں باوقار رہے، گفتگو میں ٹھہراؤ ہو اور رفعت کی حالت میں بھی تواضع کرنے والا ہو۔ نیز تمام رشتہ داروں پر شفقت کرنے والا ہو۔

رومی حکیم کھڑا ہوا تو اس نے کہا بخیل آدمی کا دشمن اس کے مال کا وارث ہوتا ہے جو آدمی شکر کم ادا کرتا ہے

---

(۱) قرآن مجید۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۳۷

وہ کامیابی نہیں پا سکتا جھوٹے لوگ قابلِ مذمت ہیں اور چغل خور حالتِ فقر میں مرتے ہیں اور جو آدمی رحم نہیں کرتا اس پر بے رحم شخص مسلط ہوتا ہے۔

حضرت ضحاک نے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِہِمْ اَغْلٰلًا ۔ (۱) بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے۔

کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے بخل مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ہاتھوں کو اپنے راستے میں خرچ کرنے سے روک دیا پس ان کو ہدایت کی راہ نہیں ملتی۔

حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر صبح دو فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو یوں پکارتے ہیں۔

یا اللہ! مال روکنے والے کے مال کو جلدی ضائع کردے اور خرچ کرنے والے کو اجر جلدی عطا فرما۔

حضرت اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک اعرابی سے سنا اس نے ایک شخص کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ میری نگاہ میں چھوٹا ہے کیوں کہ اس کی نگاہ میں دنیا بہت بڑی ہے گویا وہ مانگنے والے کو موت کا فرشتہ سمجھتا ہے جب وہ اس کے پاس آتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک کسی بخیل کو عادل کہنا صحیح نہیں کیونکہ بخل کی وجہ سے وہ اپنے حق سے زیادہ لیتا ہے اسے ڈر ہوتا ہے کہ اس کو نقصان نہ پہنچے ــــ لہٰذا جو شخص اس قسم کا ہو اس کے پاس امانت محفوظ نہیں ہو سکتی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! کریم آدمی کبھی اپنا کامل حق نہیں لیتا ارشاد خداوندی ہے۔

عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی زوجہ کو) کچھ بتایا اور بعض سے اعراض کیا (نہ بتایا) (۲)

جاحظ بصری نے کہا کہ لذتوں میں سے صرف تین چیزیں باقی رہ گئی ہیں بخیل لوگوں کی مذمت، بُھنا ہوا گوشت کھانا اور خارش کھجلانا۔

حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں بخیل کی غیبت کرنا، غیبت شمار نہیں ہوتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا۔

اِنَّکَ اِذًا لَبَخِیْلٌ ۔ تو تم بخیل ہو۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ یٰسین آیت ۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت ۳

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت کی تعریف کی گئی صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ بہت روزے رکھنے والی اور رات کو قیام کرنے والی ہے لیکن اس میں بخل ہے آپ نے فرمایا "تو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے" (۱)

حضرت بشر رحمہ اللہ فرماتے ہیں بخیل کو دیکھنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور بخیل لوگوں سے ملاقات مومنوں کے دلوں کو پریشان کرتی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سخیوں کے بارے میں دل میں محبت ہی ہوتی ہے جب کہ بخیل لوگوں سے نفرت اور عداوت ہی ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ نیک ہوں،

حضرت ابن معتز فرماتے ہیں جو شخص مال میں زیادہ بخل کرتا ہے وہ اپنی عزت کی زیادہ سخاوت کرتا ہے (یعنی اپنی عزت کی پرواہ نہیں کرتا)

حضرت یحییٰ بن زکریا (علیہما السلام) کی شیطان سے اس کی اصل صورت میں ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا اے شیطان! مجھے بتا تجھے سب سے زیادہ کس سے محبت ہے اور لوگوں میں سے کون آدمی تجھے زیادہ ناپسند ہے؟ شیطان نے جواب دیا کہ مجھے بخیل مومن سے زیادہ محبت ہے اور فاسق سخی مجھے سب سے زیادہ برا لگتا ہے کیوں بخیل کا بخل مجھے کافی ہے جب کہ فاسق سخی کے بارے میں مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کو قبول کرلے، پھر شیطان نے واپس جاتے ہوئے کہا اگر آپ حضرت یحییٰ علیہ السلام نہ ہوتے تو میں یہ بات نہ بتاتا۔

بخیل لوگوں کے واقعات:

کہتے ہیں کہ بصرہ میں ایک بخیل مالدار شخص تھا اس کے ایک پڑوسی نے اس کی دعوت کی اور اس کے سامنے ہانڈی میں بھنا ہوا گوشت رکھا اس نے اس میں سے بہت زیادہ کھالیا اور پھر پانی پینے لگا چنانچہ اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ سخت تکلیف اور موت کی حالت میں مبتلا ہو گیا اور پیچ و تاب کھانے لگا جب معاملہ بگڑ گیا تو ڈاکٹر کو اس کی حالت بتائی گئی اس نے کہا کوئی حرج نہیں جو کچھ کھایا ہے اسے قے کردو اس نے کہا نہ ایسے عمدہ بھنے ہوئے گوشت کو کیسے قے کردوں موت قبول کر لوں گا ایسا نہیں کروں گا۔

کہا گیا ہے کہ ایک اعرابی کسی شخص کو تلاش کر رہا تھا اور اس کے سامنے انجیر رکھا ہوا تھا اس نے انجیر کو چادر سے چھپا دیا اعرابی بیٹھ گیا اس آدمی نے اس (اعرابی) سے کہا کہ قرآن پاک سے کچھ پڑھ سکتے ہو؟ اس نے کہا ہاں پڑھ لیتا ہوں چنانچہ اس نے پڑھا۔

---

(۱) کتاب الزهد والرقائق ص ۲۵۷ حدیث ۲۴۳

وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ۔ (۱) اور زیتون اور طور سینا کی قسم۔

اس شخص نے پوچھا تین کہاں ہے (کیوں کہ یہ "والتین والزیتون" ہے) اس کہا وہ تمہاری چادر کے نیچے ہے (انجیر کو تین کہتے ہیں)

ایک آدمی نے کسی دوست کی دعوت کی لیکن اسے کچھ بھی نہ کھلایا عصر تک روکے رکھا یہاں تک کہ جب بھوک سخت ہو گئی اور جنونی کیفیت ہونے لگی تو گھر والے نے ستار (گانے بجانے کا آلہ) لیا اور کہا تمہیں کون سی آواز پسند ہے اس نے کہا گوشت بھننے کی آواز پسند ہے۔

منقول ہے کہ محمد بن یحییٰ بن خالد بن برمک بہت زیادہ بخیل تھا اس کے کسی رشتہ دار سے جو اس کو اچھی طرح جانتا تھا پوچھا گیا کہ اس کے دستر خوان کا کچھ حال بیان کرو، اس نے کہا وہ انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان والی جگہ ہے یعنی تنگ ہے اور گویا اس کے پیالے خشخاش کے دانوں کو کھرچ کر بنائے گئے ہوں پوچھا گیا اس کے پاس کون آتا ہے؟ اس نے جواب دیا کراماً کاتبین (فرشتے) اس نے کہا اس کے ساتھ کوئی بھی کھاتا نہیں ہوگا؟ اس نے جواب دیا کیوں نہیں مکھیاں کھاتی ہیں۔

اس نے کہا تم اس کے خاص آدمی ہو اگر تمہارا استر ننگا ہو جائے اور کپڑے پھٹ جائیں تو پھر کیا ہوگا؟ اس نے کہا اللہ کی قسم میرے پاس تو سوئی بھی نہیں جس کے ساتھ میں اس کی سلائی کروں۔

اور اگر محمد بن یحییٰ بغداد سے نوبہ مقام تک (اتنے بڑے) گھر کا مالک ہو اور وہ سوئیوں سے بھرا ہوا ہو اور پھر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تشریف لائیں اور ان کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ہوں اور وہ اس سے ایک سوئی مانگیں تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی سلائی کریں جو پیچھے سے پھٹ گئی تھی تو وہ سوئی نہیں دے گا۔

کہا جاتا ہے کہ مروان بن ابی حفصہ بخل کی وجہ سے گوشت نہیں کھاتا تھا اور جب اس کا جی چاہتا تو وہ غلام کو بھیج کر بازار سے سری منگوا لیتا اور اسے کھاتا اس سے کہا گیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ گرمیوں سردیوں میں سریاں ہی کھاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اس کے نرخ کا علم ہے لہذا میں غلام کی خیانت سے محفوظ رہتا ہوں اور وہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا اور یہ ایسا گوشت ہے کہ غلام اسے پکاتے وقت اس میں سے کھا نہیں سکتا اگر وہ اس کی آنکھ، کان یا چہرے سے کھاتا ہے تو مجھے پتہ چل جاتا ہے پھر یہ کہ اس میں سے مجھے مختلف ذائقے حاصل ہوتے ہیں آنکھ کا ذائقہ الگ ہے، کان کا ذائقہ جدا ہے، زبان کا ذائقہ مختلف ہے اس کی گدی اور دماغ کے ذائقے بھی جدا جدا ہیں اور میں اس کے پکانے کی مشقت سے بھی محفوظ رہتا ہوں تو اس میں میرے لیے کئی آسانیاں جمع ہوتی ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ والتین آیت ۱

یہی شخص خلیفہ مہدی کے پاس جانے لگا تو اس کے گھر والوں میں سے ایک عورت نے کہا اگر خلیفہ نے تجھے انعام دیا تو اس میں سے میرا حصہ کتنا ہو گا؟ اس نے کہا اگر مجھے ایک لاکھ ملے تو تجھے ایک درہم دوں گا چنانچہ اسے ساٹھ ہزار درہم ملے تو اس نے اسے چار دانق دے دیئے (ایک دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے اس طرح چار دانق درہم کا ۲/۳ حصہ ہوا۔)

ایک مرتبہ اس نے ایک درہم کا گوشت خریدا ادھر اس کے دوست نے اسے دعوت دی تو اس نے گوشت قصاب کو واپس کر دیا اور ایک دانق کا نقصان اٹھایا اور کہنے لگا مجھے فضول خرچی پسند نہیں ہے۔

حضرت اعمش کا ایک پڑوسی تھا جو ان کو مسلسل اپنے گھر آنے کی دعوت دیتا اور کہتا اگر آپ آئیں تو میں آپ کو روٹی کا ایک ٹکڑا اور نمک پیش کروں گا اعمش انکار کرتے اس نے ایک دن آپ کو پھر پیشکش کی اتفاق سے اس وقت آپ کو بھوک بھی لگی ہوئی تھی فرمایا اچھا ہمیں لے چلئے آپ اس کے گھر میں داخل ہوئے تو اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا اور نمک پیش کیا اتنے میں ایک سائل آیا تو گھر کے مالک نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، اس نے پھر سوال کیا تو اس نے وہی جواب دیا جب تیسری مرتبہ سوال کیا تو اس نے کہا جاتے ہو یا ڈنڈا لے کر آؤں، حضرت اعمش نے سائل کو آواز دی بھائی چلے جاؤ میں نے اس شخص سے زیادہ سچا کسی کو نہیں دیکھا یہ وعدے کا پابند ہے یہ ایک مدت سے مجھے روٹی کے ٹکڑے اور نمک کی دعوت دیتا رہا قسم بخدا! اس نے اس میں کچھ بھی اضافہ نہیں کیا۔

ایثار اور اس کی فضیلت:

سخاوت اور بخل دونوں کے کئی درجات ہیں سخاوت کا سب سے اعلیٰ درجہ ایثار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی حاجت کے باوجود، دکی سخاوت کرنا اور سخاوت کا مطلب یہی ہے کہ آدمی کو جس چیز کی خود ضرورت ہو وہ کسی محتاج یا غیر محتاج کو دے دے۔ حاجت کے باوجود خرچ کرنا بہت بڑی بات ہے۔

تو جس طرح سخاوت کی انتہا یہ ہے کہ آدمی حاجت کے باوجود دوسروں پر سخاوت کرے تو بخل کی انتہا یہ ہے کہ ضرورت کے باوجود انسان اپنے اوپر خرچ نہ کرے۔ کتنے ہی بخیل ایسے ہیں کہ وہ مال روک کر رکھتے ہیں بیمار ہوتے ہیں تو دوائی نہیں لیتے۔ اور کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے تو صرف اس لیے اسے پورا نہیں کرتے کہ پیسہ خرچ کرتے ہیں بخل سے کام لیتے ہیں اگر وقت میں مل جائے تو ضرور کھاتے ہیں تو یہ شخص حاجت کے باوجود اپنے نفس کے ساتھ بخل کرتا ہے تو دیکھئے دونوں میں کتنا فرق ہے پس اچھے اخلاق اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جہاں چاہتا ہے رکھتا ہے۔

سخاوت میں ایثار سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَةٌ ۔ (۱)

اور وہ (دوسروں کو) اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۹

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
أَيُّمَا امْرِئٍ اشْتَهَى شَهْوَةً فَرَدَّ شَهْوَتَهُ فَآثَرَ عَلَى نَفْسِهِ غُفِرَ لَهُ۔ (۱)
جو شخص کسی چیز کی خواہش رکھتا ہو پھر اس خواہش کو رد کرے (دوسروں کو) اپنے اوپر ترجیح دے تو اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن متواتر سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (۲) اور اگر ہم چاہتے تو سیر ہو کر کھاتے لیکن ہم دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کے ہاں ایک مہمان آیا تو آپ نے گھر میں کچھ نہ پایا چنانچہ ایک انصاری آئے اور مہمان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ پھر اس کے سامنے کھانا رکھا اور بیوی کو چراغ بجھانے کا حکم دیا خود کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے گویا کہ کھا رہے ہیں حالانکہ کھاتے نہیں تھے۔ یہاں تک کہ مہمان نے کھانا کھا لیا جب صبح ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا رات کو تم نے مہمان سے جو سلوک کیا وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا اور یہ آیت نازل ہوئی (۳)
وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (۴)
اور وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود بھوکے ہوں۔

تو سخاوت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور ایثار، سخاوت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آدابِ زندگی میں سے ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم کا لقب عطا فرمایا ارشاد خداوندی ہے۔
وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ (۵)
اور بے شک آپ بہت بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔
حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے بعض درجات دکھا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! آپ اس کی طاقت نہیں رکھتے ہیں آپ کو ان کی منازل میں سے ایک جلیل و عظیم منزل دکھاتا ہوں جس کے باعث میں نے ان کو آپ پر اور اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے حضرت سہل فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے عالم ملکوت

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۷۸۷، حدیث ۴۳۱۱۲
(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۸، ابواب الاطعمۃ
(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۵، کتاب التفسیر
(۴) قرآن مجید، سورۃ الحشر آیت ۹
(۵) قرآن مجید سورۃ القلم آیت ۴

کا پردہ اٹھایا گیا انہوں نے وہاں آپ کا ایک مرتبہ دیکھا تو قریب تھا کہ اس کے انوار اور قرب خداوندی کی وجہ سے آپ کی جان نکل جاتے انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! تو نے ان کو (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو) یہ مرتبہ کس وجہ سے دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک ایسے وصف کی وجہ سے جو ان کے ساتھ خاص ہے اور وہ ایثار ہے اے موسیٰ! جو شخص بھی ایثار کے عمل کے ساتھ میرے پاس آتا ہے جو اس نے زندگی میں کبھی کیا ہو تو مجھے اس کے محاسبے سے حیا آتی ہے اور میں اسے اپنی جنت میں ٹھکانہ دیتا ہوں وہ جہاں بھی چاہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اپنی کسی زمین کو دیکھنے نکلے راستے میں ایک باغ میں اترے تو آپ نے دیکھا وہاں ایک غلام کام کر رہا ہے جب اس کے پاس اس کا کھانا آیا تو اسی وقت ایک کتا بھی باغ میں داخل ہو گیا اور وہ غلام کے قریب چلا گیا غلام نے ایک روٹی اس کے سامنے ڈال دی اس نے اسے کھایا پھر دوسری اور پھر تیسری روٹی بھی ڈال دی اس نے دونوں روٹیاں کھالیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے آپ نے فرمایا اے غلام! تمہیں دن میں کتنا کھانا ملتا ہے؟ اس نے عرض کیا وہی جو آپ نے دیکھا پوچھا تم نے اس کتے کو ترجیح کیوں دی؟ اس نے کہا اس علاقے میں کتے نہیں ہوتے یہ کہیں دور سے آیا ہے اور بھوکا تھا تو مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں سیر ہو کر کھاؤں اور یہ بھوکا رہے آپ نے فرمایا تم آج کیا کرو گے؟ اس نے کہا فاقہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے سوچا میں اسے سخاوت پر ملامت کر رہا ہوں لیکن یہ غلام مجھ سے زیادہ سخی ہے چنانچہ آپ نے باغ، غلام اور باقی سامان خرید لیا اور غلام کو آزاد کر کے وہ سب کچھ اسے دے دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کو بکری کا سر بطور تحفہ ملا انہوں نے سوچا کہ میرا بھائی مجھ سے زیادہ حاجت مند ہے چنانچہ وہ سر اس کی طرف بھیج دیا اسی طرح وہ سب آگے دوسرے کو بھیجتے رہے حتیٰ کہ سات گھروں سے ہو کر وہ پہلے صحابی کی طرف واپس آ گیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر آرام فرما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ قائم کر دیا اور دونوں میں سے ایک کی عمر دوسرے کی عمر سے زیادہ کر دی تو تم میں سے کون اپنی زندگی پر دوسرے کی زندگی کو ترجیح دے گا؟ تو ان دونوں نے اپنی اپنی زندگی کو ترجیح دی اور پسند کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف وحی بھیجی کہ کیا تم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے بھی نہ ہو سکے میں نے ان کے اور اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو وہ، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر سو گئے اور اپنی زندگی پر حضور علیہ السلام کی زندگی کو ترجیح دی تم دونوں زمین پر جاؤ اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرو چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے سرہانے اور حضرت میکائیل علیہ السلام آپ کے پاؤں کی طرف موجود تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے تھے واہ واہ اے ابن ابی طالب! آپ کی مثل کون

ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے آپ پر فخر کا اظہار فرماتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۔

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بیچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (اپنے) بندوں پر مہربان ہے۔ (۲)

حضرت ابو الحسن انطاکی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ رَے (علاقہ) سے متصل ایک بستی میں تیس سے کچھ زائد لوگ جمع ہوئے ان لوگوں کے پاس روٹیاں کم تھیں جو سب کو پوری نہیں ہو سکتی تھیں چنانچہ انہوں نے روٹیوں کے ٹکڑے کر دیئے چراغ بجھا دیا اور کھانا کھانے کے لیے بیٹھ گئے جب دستر خوان اٹھانے لگے تو سب کا سب کھانا موجود تھا گویا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے ساتھی کو ترجیح دیتے ہوئے خود کھانا نہیں کھایا۔

منقول ہے کہ حضرت شعبہ رحمہ اللہ کے پاس ایک سائل آیا اور ان کے پاس کچھ نہ تھا انہوں نے گھر کی چھت سے ایک لکڑی نکالی اور اسے دے کر معذرت کر لی حضرت حذیفہ عدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یرموک کی لڑائی کے موقع پر میں اپنے چچا زاد بھائی کو تلاش کر رہا تھا اور میرے پاس کچھ پانی تھا میں نے سوچا اگر اس میں کچھ جان باقی ہوگی تو میں اسے پلاؤں گا اور اس کا چہرہ بھی دھوؤں گا میں نے انہیں زندہ پایا تو میں نے پوچھا آپ کو پانی پلاؤں؟ انہوں نے اشارہ کیا کہ ہاں پلاؤ۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک شخص فریاد کر رہا تھا میرے چچا زاد بھائی نے اشارہ کیا کہ میں یہ پانی اس کے پاس لے جاؤں جب میں گیا تو دیکھا وہ ہشام بن عاص تھے میں نے پوچھا آپ کو پلاؤں؟ انہوں نے دوسرے آدمی کو فریاد کرتے سنا تو اشارہ کیا کہ ادھر لے جاؤ، جب میں وہاں پہنچا تو اس کا انتقال ہو چکا تھا حضرت ہشام کی طرف لوٹا تو وہ بھی فوت ہو چکے تھے پھر میں اپنے چچا زاد بھائی کی طرف آیا تو دیکھا کہ ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ پر رحمت فرمائے۔

حضرت عباس بن دہقان فرماتے ہیں کوئی بھی شخص دنیا سے اس طریقے پر نہیں گیا جس طرح وہ دنیا میں آیا تھا البتہ حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ اسی طریقے پر تشریف لے گئے۔ آپ مرض الموت میں مبتلا تھے کہ ایک شخص نے آکر سوال کیا آپ نے اپنی قمیص اتار کر اسے دے دی اور ادھار کپڑا لے کر اسی میں انتقال فرمایا۔

بعض صوفیا کا بیان ہے فرماتے ہیں ہم طرسوس میں تھے تو ہم میں سے ایک جماعت متفق ہو کر جہاد کے لیے نکلی شہر سے ایک کتا بھی ہمارے پیچھے پیچھے آنے لگا جب ہم شہر کے دروازے سے باہر نکلے تو وہاں ایک مردہ جانور پڑا تھا ہم ایک بلند مقام پر جا کر بیٹھ گئے جب کتے نے مردار کو دیکھا تو وہ شہر کی طرف چلا گیا کچھ دیر کے بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ تقریباً

---

(۱) تفسیر الدر المنثور زیر آیت مذکورہ

(۲) قرآن مجید، سورۃ البقرہ آیت ۲۰۷

بیس کتے تھے وہ اس مردار کے پاس آیا اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا باقی کتے مردار پر جھپٹ پڑے وہ کھاتے رہے اور یہ کتا بیٹھ کر ان کو دیکھتا رہا جب وہ کھا چکے اور ہڈیاں باقی رہ گئیں اور باقی کتے واپس چلے گئے تو اس کتے نے اٹھ کر ان ہڈیوں سے گوشت نوچنا شروع کر دیا اور پھر واپس چلا گیا ـــــــ ہم نے فقر اور زہد کے بیان میں ایثار سے متعلق روایات اور اولیاء کرام کے حالات ذکر کیئے ہیں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اسی پر توکل ہے جو کچھ وہ پسند فرماتے۔

سخاوت اور بخل کی تعریف اور حقیقت:

شاید تم کہو کہ شرعی شواہد سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ بخل، ہلاکت میں ڈالنے والے امور میں سے ہے لیکن بخل کی تعریف کیا ہے اور کس عمل سے آدمی بخیل بن جاتا ہے، ہر آدمی اپنے آپ کو سخی سمجھتا ہے جب کہ بعض دوسرے لوگ اسے بخیل سمجھتے ہیں اور ایک شخص کوئی کام کرتا ہے تو اس سلسلے میں لوگوں کے خیالات مختلف ہوتے ہیں کچھ لوگ کہتے یہ کام بخل ہے جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں یہ بخل نہیں ہے اور (یہ بھی حقیقت ہے کہ) ہر شخص کے دل میں مال کی محبت ہوتی ہے اسی لیے وہ مال کی حفاظت کرتا ہے اور اسے روک کر رکھتا ہے اگر مال کو روک رکھنے کی وجہ سے وہ بخیل قرار پاتا ہے تو کوئی بھی شخص بخل سے خالی نہیں ہوگا اور جب مطلق روکنا پایا جائے تو اس سے بخل لازم نہیں آتا اور بخل تو مال روکنے کو ہی کہتے ہیں تو کس بخل سے ہلاکت لازم ہوتی ہے؛ اور سخاوت کی تعریف کیا ہے جس کی وجہ سے آدمی صفتِ سخاوت کا مستحق ہوتا ہے اور اس کو ثواب ملتا ہے؛ تو اس سلسلے میں ہم کہتے ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا کہ بخل واجب کو روکنا ہے لہٰذا آدمی پر جو کچھ واجب ہے اگر اسے ادا کر دے تو وہ بخیل نہیں ہوتا ـــــــ لیکن یہ نامکمل تعریف ہے کیونکہ جو شخص قصاب سے گوشت یا نانبائی سے روٹی لیتا ہے پھر کچھ کم قیمت کے ساتھ واپس کر دیتا ہے تو اسے بالاتفاق بخیل کہا جاتا ہے۔

اسی طرح جو شخص اپنے اہل و عیال کو قاضی کی طرف سے مقرر روزینہ دیتا ہے پھر اگر وہ ایک آدھ لقمہ زیادہ مانگیں تو نہیں دیتا ہے یا اس کے مال سے ایک کھجور بھی کھالیں تو وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا تو یہ بھی بخیل کہلاتا ہے اسی طرح کسی شخص کے سامنے روٹی رکھی ہوئی ہو اور کوئی ایسا آدمی جائے جس کے بارے میں اس کا خیال ہو کہ وہ اس کے ساتھ کھائے گا تو وہ اسے چھپا دیتا ہے تو ایسا شخص بھی بخیل شمار ہوتا ہے (حالانکہ یہ مذکورہ بالا تعریف ان لوگوں پر صادق نہیں آتی) کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ بخیل وہ شخص ہے جو عطیہ دینے میں مشکل محسوس کرتا ہے۔

لیکن یہ تعریف بھی ناقص ہے کیوں کہ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ہر قسم کا عطیہ اس پر گراں گزرتا ہے تو کتنے ہی بخیل ایسے ہیں جو تھوڑی سی چیز دینے میں مشکل محسوس نہیں کرتے جیسا ایک دو دانے دینا ـــــــ لیکن اس سے زیادہ دینا ان پر گراں گزرتا ہے۔ اور اگر بعض عطیات مراد ہیں تو کتنے ہی سخی ایسے ہیں جو بعض عطیات دینے میں مشکل محسوس کرتے ہیں یعنی ایسا عطیہ

جو اس کے تمام مال کو گھیرلے یا بہت بڑا مال دینا پڑے تو اس کو بخل نہیں کہا جا سکتا۔

اسی طرح سخاوت کے بارے میں بھی بحث کی گئی ہے کسی نے کہا کہ احسان جتلائے بغیر دینا، اور ریاکاری کے بغیر دینا۔

بعض کہتے ہیں مانگنے کے بغیر دینا اور اسے بھی تھوڑا خیال کرنا سخاوت ہے، کسی نے کہا سخاوت یہ ہے کہ سائل کو دیکھ کر خوش ہو اور جس قدر ممکن ہو اس قدر دے اور خوشی خوشی دے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سمجھ کر دینا کہ مال تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور بندہ بھی اسی کا ہے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کا مال اس کے بندے کو دے رہا ہے اور وہ فقر و فاقہ سے بھی نہیں ڈرتا، کسی نے کہا کہ کچھ مال دینا اور کچھ روک رکھنا سخاوت ہے اور زیادہ دینا جب کہ تھوڑا بچا رکھنا جُود ہے۔

اور جو شخص خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو ترجیح دے وہ ایثار کرنے والا ہے اور جو شخص کچھ بھی خرچ نہ کرے وہ بخیل ہے۔

یہ تمام اقوال جُود اور بُخل کی حقیقت کو واضح نہیں کرتے بلکہ تمہیں یوں کہنا چاہیے کہ مال حکمت اور مقصود کے لیے پیدا کیا گیا ہے یعنی مخلوق کی حاجات کو پورا کیا جائے اور ایسا ممکن ہے کہ جس پر خرچ کرنے کے لیے اسے پیدا کیا گیا اس کے لیے اسے روکا جائے اور اسے وہاں خرچ کیا جائے جہاں خرچ کرنا اچھا ہے۔ پھر یہ کہ عدل کے ساتھ خرچ کیا جائے یعنی جہاں اس کی حفاظت واجب ہے وہاں اسے محفوظ رکھا جائے اور جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ کیا جائے تو جہاں خرچ کرنے کی ضرورت ہے وہاں سے روک دینا بخل ہے اور جہاں روکنا چاہیے وہاں خرچ کرنا فضول خرچی ہے ان دونوں کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے اور وہی محمود ہے اسی درمیان والے راستے کا نام سخاوت اور جُود ہے کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو سخاوت ہی کا حکم دیا گیا ہے اور آپ سے فرمایا گیا۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ (۱)

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ بندھا نہ رکھو اور نہ ہی اسے مکمل طور پر کھول دو (یعنی مال کے خرچ کرنے میں تنگی بھی نہ ہو اور ضرورت سے زائد بھی نہ ہو)

اور ارشاد خداوندی ہے :

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ (۲)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ ضرورت سے زائد خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی اس میں کمی کرتے ہیں بلکہ درمیان والی راہ اختیار کرتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۲۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ الفرقان آیت ۶۷

توجُود (سخاوت) فضول خرچی اور کنجوسی کے درمیان میں ہے نہ تو ہاتھ کو بالکل کھلا رکھا جاتا ہے اور نہ ہی بند کیا جاتا ہے یعنی خرچ کرنے اور روکنے میں ضروری مقدار کو اختیار کرنا ہے اور یہ بات صرف اعضاء سے کافی نہیں بلکہ اس میں دل کا راضی ہونا بھی ضروری ہے اور وہ اختلاف نہ کرے اور اگر آدمی وہاں خرچ کرے جہاں خرچ کرنا واجب ہے لیکن اس کا دل نہ مانتا ہو البتہ یہ اس خرچ پر صبر کرتا ہے تو یہ شخص سخاوت میں تکلیف کرنے والا ہے (حقیقتاً سخی نہیں ہے) بلکہ مال کے ساتھ تو دل کا تعلق اسی قدر ہونا چاہیئے کہ وہ ضروری مقامات پر خرچ کرے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ واجب کی پہچان بھی ہونی چاہیئے کہ کہاں خرچ کرنا واجب ہے اور کہاں نہیں تو میں کہتا ہوں کہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک شریعت کی طرف سے واجب ہے اور دوسرا عادت اور مروت کے حوالے سے ضروری ہوتا ہے۔

تو سخی وہ ہے جو نہ تو شریعت کے واجب ہے روکتا ہے اور نہ مروت وعادات کی صورت میں واجب خرچ سے باز رہتا ہے اگر وہ ان میں سے کسی ایک جگہ خرچ کرنے سے بھی باز رہے گا تو وہ بخیل ہو گا۔

لیکن جو شخص شرعی واجبات پر خرچ نہیں کرتا وہ زیادہ بخیل ہے جیسے کوئی شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اور اپنے اہل وعیال کو نفقہ نہ دے یا دے لیکن یہ بات اسے گراں گزرتی ہو ایسا آدمی طبعی طور پر بخیل ہوتا ہے اور وہ تکلف کے ساتھ سخاوت کرتا ہے یا وہ آدمی جو اپنے مال میں سے ناپسندیدہ مال دینے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کا دل نہیں چاہتا کہ اچھا مال دے یا درمیانے قسم کا مال خرچ کرے یہ تمام صورتیں بخل کہلاتی ہیں۔

جہاں تک مروت کے طور پر خرچ کرنے کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معمولی معمولی چیزوں کے خرچ کرنے میں تنگی نہ کرے اور اس قسم کے مصارف تلاش کرے کیوں کہ ان جگہوں پر خرچ نہ کرنا بری بات ہے اور یہ برائی حالات اور شخصیات کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے جس آدمی کے پاس مال زیادہ ہو اس کا خرچ میں تنگی اختیار کرنا فقیر کے تنگی اختیار کرنے سے زیادہ برا ہے اسی طرح اپنے گھر والوں، قریبی رشتہ داروں اور غلاموں پر خرچ کرنے میں کنجوسی اختیار کرنا اجنبی لوگوں پر خرچ کرنے میں تنگی اختیار کرنے سے زیادہ برا ہے پڑوسی سے تنگی برتنا دور والوں سے تنگی اختیار کرنے سے زیادہ برا ہے پڑوسی سے تنگی برتنا دور والوں سے تنگی کا سلوک کرنے سے زیادہ قبیح ہے معاملات میں تنگی کی راہ اختیار کرنے کی نسبت مہمان نوازی میں کنجوسی زیادہ بری ہے تو اس تنگی کے اختلاف کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) جس خرچ میں تنگی کی راہ اختیار کی جائے۔ مثلاً ضیافت اور معاملات کا خرچ۔

(۲) جس چیز کے ذریعے تنگی اپنائی جائے مثلاً کپڑا اور کھانا، کیوں کہ کھانے پینے کی اشیاء میں تنگی، دوسری چیزوں میں تنگی سے زیادہ قبیح ہے اسی طرح کفن کا کپڑا خریدنے یا قربانی کا جانور خریدنے یا صدقہ کے لیے روٹی خریدنے میں تنگی، دوسری چیزوں میں تنگی سے زیادہ بری ہے۔

(۳) ۔کس سے تنگی برتی جائے ، مثلاً وہ دوست ہے یا بھائی قریبی رشتہ دار ہے یا بیوی بچے یا اجنبی وغیرہ۔
(۴) جو تنگی کر رہا ہے مثلاً وہ بچہ ہے یا عورت یا بوڑھا، نوجوان ، عالم جاہل ، مال دار یا فقیر۔
(توان صورتوں میں تنگی کا حکم مختلف ہو جائے گا کہیں تنگی کرنا زیادہ برا ہو گا اور کہیں اس میں برائی کم ہو گی)

تو بخیل وہ آدمی ہے جو اس مقام پر خرچ کرنے سے باز رہے جہاں خرچ کرنا شرعی اعتبار سے ضروری ہے یا عورت مروت کے حوالے سے مناسب ہے اس کی مقدار معین نہیں ہو سکتی اور شاید بخل کی یہ تعریف ہو کہ کسی غرض سے مال کو روکا جائے اور وہ غرض مال کی حفاظت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہو کیوں کہ دین کی حفاظت ، مال کی حفاظت سے اہم ہے تو زکوٰۃ اور اہل وعیال کا نفقہ روکنے والا بخیل ہے اسی طرح مروت کی حفاظت مال کی حفاظت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

تو جو شخص معمولی چیزوں میں ان لوگوں کے ساتھ تنگی اختیار کرے جن کے ساتھ ایسا سلوک مناسب نہیں ہے تو وہ مال کی محبت میں مروت کو توڑتا ہے اور یہ بخیل ہے۔

پھر ایک اور درجہ باقی رہتا ہے وہ یہ کہ ایک شخص واجب بھی ادا کرتا ہے اور مروت کی بھی حفاظت کرتا ہے لیکن اس کے پاس بہت زیادہ مال جمع ہے وہ صدقات اور محتاجوں پر خرچ نہیں کرتا تو اس صورت میں حفظِ مال کی غرض بھی پائی جاتی ہے کہ مصائب کے وقت کام آئے اور ثواب کی غرض بھی موجود ہے (کہ خرچ کرے گا تو ثواب پائے گا) اور آخرت میں درجہ بلند ہو گا تو اس صورت میں عقل مند لوگوں کے نزدیک مال روکنا بخل ہے اگرچہ عوام الناس کے نزدیک بخل نہیں ہے کیونکہ عوام کی نگاہ دنیوی فوائد پر ہوتی ہے لہٰذا وہ مصائب کے وقت کے لیے جمع رکھنے کو اہم سمجھتے ہیں اگرچہ بعض اوقات عوام کے نزدیک بھی ایسے لوگوں پر بخل کی علامت ظاہر ہو جاتی ہے۔

مثلاً اگر اس کے پڑوس میں کوئی شخص محتاج ہو اور یہ اس کو مال نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ میں نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے جو مجھ پر واجب تھی اس کے علاوہ مجھ پر کچھ بھی لازم نہیں ہے۔

اس بات کی خرابی مال مقدار کے مختلف ہونے سے بدلتی ہے اسی طرح محتاج کی حاجت شدید ہو تو یہ خرابی بھی زیادہ ہوتی ہے اگر محتاج شخص دیندار ہو اور مستحق بھی ہو تو اس اعتبار سے بھی اس بخل میں خرابی زیادہ ہو گی تو جو شخص شریعت کی طرف سے واجب کی ادائیگی کرے اور اسی طرح مروت کے حوالے سے بھی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے خرچ کرے تو وہ بخل سے پاک ہے۔

پھر جُود و سخاوت کی صفت سے اسی وقت موصوف ہوتا ہے جب اس (واجب) مقدار سے زیادہ خرچ کرے اسی صورت میں فضیلت حاصل ہوتی ہے اور درجات کا حصول بھی اسی صورت میں ممکن ہے۔

اور اگر شرعی ذمہ داری بھی نہ ہو اور عادتاً بھی اس خرچ کی ضرورت نہ ہو تو اس صورت میں خرچ کرنے والا بہت بڑا سخی ہے

یعنی جس قدر اس کے بس میں ہو اسی اعتبار سے سخاوت کی صفت سے موصوف ہوگا اور ان درجات کا شمار نہیں ہو سکتا بعض لوگ دوسرے بعض سے زیادہ سخی ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر عادت کے حوالے سے ضروری ہے اس سے زیادہ خرچ کرنا جود و سخاوت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دل کی خوشی سے ہو کسی قسم کا طمع، خدمت کی امید، شکریہ یا تعریف کی لالچ نہ کرے ـــــ کیوں کہ جو شخص شکریہ یا تعریف کی طمع کرتا ہے وہ سوداگر ہے سخی نہیں ہے کیونکہ وہ مال کے ذریعے تعریف خریدتا ہے اور تعریف لذیذ ہوتی ہے اور یہی مقصود ہوتا ہے جب کہ جود و سخاوت کا مطلب یہ ہے کہ کسی عوض کے بغیر مال خرچ کرے حقیقت یہی ہے اس اعتبار سے جود تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے آدمی پر اس لفظ (جود) کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔

لیکن جب اس کی غرض صرف آخرت کا ثواب یا جود و سخاوت کی فضیلت کا حصول ہو نیز وہ اپنے نفس کو بخل کی خباثت سے پاک کرنا چاہتا ہو تو اسے جواد کہا جاتا ہے۔ اور اگر اس بات کا خوف ہو کہ کوئی اس کی برائی کرتا ہے یا لوگ ملامت کریں گے یا اس شخص سے کسی نفع کی توقع ہو جسے مال دے رہا ہے تو ان تمام صورتوں میں اسے جود اور سخاوت نہیں کہتے کیونکہ وہ ان (مذکورہ بالا) امور کی وجہ سے مال خرچ کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہ فوری ملنے والے عوض ہیں گویا وہ بدلہ وصول کر رہا ہے سخاوت نہیں کرتا جیسا کہ کسی عبادت گزار خاتون کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حبان بن ہلال کے پاس کھڑی ہوئی اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اس خاتون نے کہا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس سے میں مسئلہ پوچھوں؟ انہوں نے کہا جس سے چاہو پوچھو اور انہوں نے حبان بن ہلال کی طرف اشارہ بھی کر دیا، اس نے پوچھا تم لوگوں کے نزدیک سخاوت کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا عطا کرنا، خرچ کرنا اور ایثار و قربانی، اس نے کہا یہ تو دنیوی اعتبار سے سخاوت ہے دین میں سخاوت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کریں کہ ہمارے دل سخی ہوں اس میں زبردستی نہ ہو اس نے کہا تم عبادت کر کے اجر طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں طلب کرتے ہیں اس نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک نیکی کے بدلے دس کا ثواب دینے کا وعدہ کیا ہے، اس نے کہا سبحان اللہ! جب تم ایک دے کر دس لیتے ہو تو تم کیا سخاوت کرتے ہو؟

انہوں نے پوچھا تم کس چیز کو سخاوت کہتی ہو؟ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اس خاتون نے کہا میرے نزدیک سخاوت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس سے لطف اندوز ہو تم اس میں کچھ کراہت محسوس نہ کرو۔ اور نہ اس پر اجر طلب کرو۔ حتیٰ کہ تمہارا مالک جو سلوک چاہے تم سے کرے کیا تم اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتے کہ وہ تمہارے دلوں پر مطلع ہو اور اس کو اس بات کا علم ہو کہ تم فلاں کام کے بدلے فلاں اجر چاہتے ہو۔ یہ بات تو دنیوی اعتبار سے بری ہے۔

ایک عبادت گزار خاتون نے کہا کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ سخاوت صرف روپے پیسے سے ہی ہوتی ہے؟ پوچھا گیا تو اور کس میں ہوتی ہے؟ اس نے کہا میرے نزدیک سخاوت میں جان تک دینا پڑتی ہے۔

حضرت محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دین میں سخاوت یہ ہے کہ تم اپنے نفس کی سخاوت کرو اسے اللہ تعالیٰ کے لیے ہلاک کر دو اور اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی جان کی قربانی دے دو اور یہ عمل دل سے کرو کسی کے مجبور کرنے سے نہیں نہ اس سے فوری اجر کی خواہش ہو اور نہ ہی اُخروی ثواب مقصود ہو۔ اگرچہ تم ثواب سے بے نیاز نہیں ہو سکتے لیکن کمال سخاوت کا حُسن تمہارے ذہن میں اس طرح بیٹھ جائے کہ تم اس (ثواب) کو اللہ تعالیٰ کے اختیار پر چھوڑ دو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تم سے وہ حُسن سلوک کرے جو تمہارے وہم وگمان میں بھی نہ ہو۔

بخل کا علاج :

جان لو! بخل کا سبب مال کی محبت ہے اور مال کی محبت کے دو سبب ہیں ایک ان خواہشات کی چاہت جن تک مال کے بغیر پہنچنا ممکن نہیں اور اس کے ساتھ ہی لمبی زندگی کی امید بھی ہوتی ہے اگر آدمی کو یہ معلوم ہو (یعنی یقین ہو) کہ وہ ایک دن بعد مر جائے گا تو وہ مال میں بخل نہ کرے۔ کیوں کہ جس مقدار کا وہ ایک دن یا ایک مہینے یا ایک سال کے لیے محتاج ہے وہ قریب ہے اور اگر امید کم ہو لیکن وہ صاحب اولاد ہو تو اس طویل امید کی جگہ اولاد آجاتی ہے کیوں کہ وہ ان کے باقی رہنے کو اپنی بقا کی طرح سمجھتا ہے لہٰذا ان کے لیے مال کو روک کر رکھتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلْوَلَدُ مَبْخَلَۃٌ مَجْبَنَۃٌ مَجْھَلَۃٌ۔ (۱) اولاد بخل، بزدلی اور جہالت کا سبب بنتی ہے۔

اور جب اس کے ساتھ ساتھ فقر کا خوف بھی ہو اور رزق کے آنے پر قوی اعتماد نہ ہو تو لازماً بخل مضبوط ہوتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ محض مال سے محبت کرتا ہے کیوں کہ بعض لوگ ایسے ہیں جن کے پاس اتنا مال ہوتا ہے جو ان کی باقی عمر کے لیے کافی ہوتا ہے اگر وہ اپنی عادت کے مطابق خرچ کریں تو بھی ہزاروں روپے بچ جاتے ہیں پھر وہ بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور اولاد بھی نہیں ہوتی مال بھی بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ وہ زکوٰۃ نہیں نکالتے اور بیمار ہو جائیں تو علاج نہیں کرواتے بلکہ وہ دیناروں (روپے پیسے) سے محبت کرتے ہیں اور ان کے عاشق ہیں۔ ان کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ ہو تو اس سے لذت حاصل کرتے ہیں اسی طرح اس پر قادر ہونا بھی ان کے نزدیک لذیذ ہوتا ہے۔ وہ اپنا مال زمین کے اندر گاڑ دیتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ مر جائیں گے اور یہ مال ضائع ہو جائے گا یا اسے دشمن نکال لیں گے۔ لیکن اس کے باوجود نہ تو وہ اسے کھاتے ہیں اور نہ ہی اس سے ایک دانہ صدقہ کرتے ہیں یہ دل کا بہت بڑا مرض ہے جس کا علاج بہت مشکل ہے خصوصاً جب آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے تو لاعلاج امراض کی طرح اس کے علاج کی امید

---

(۱) تاریخ ابن عساکر جلد ۴ ص ۱۰۲ ترجمہ الحسن بن علی

بھی نہیں ہوتی۔

ایسے شخص کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو کسی شخص پر عاشق ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے ایلچی سے محبت کرنے لگتا ہے پھر اپنے محبوب کو بھول جاتا ہے اور اس کے قاصد میں مشغول ہو جاتا ہے۔

تو روپیہ پیسہ حاجات تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں اور اسی جہت سے ان سے محبت کی جاتی ہے کیوں کہ جو چیز لذیذ چیز تک پہنچائے وہ بھی لذیذ ہوتی ہے پھر بعض اوقات وہ ضرورتوں کو بھول جاتا ہے اور اس کے نزدیک روپیہ پیسہ ہی محبوب ہو جاتا ہے یہ انتہائی درجہ کی گمراہی ہے بلکہ جو شخص سونے اور پتھر میں حاجت کے پورا ہونے کے علاوہ کوئی فرق سمجھے وہ جاہل ہے (مطلب یہ کہ سونے سے ضرورت پوری کی جاتی ہے اس کے علاوہ سونے اور پتھر میں کیا فرق ہے؟ ۱۲ہزاروی)

تو جو رقم ضرورت سے زائد ہو وہ اور پتھر ایک جیسے ہیں۔

یہ مال کی محبت کے اسباب ہیں اور ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کی ضد کے ساتھ ہوتا ہے زیادہ مال کی خواہشات کا علاج تھوڑے مال پر قناعت اور صبر کے ذریعے کیا جائے۔ زندگی کی لمبی امید کا علاج موت کو زیادہ یاد کرنے کے ذریعے ہوتا ہے نیز ہم عصر لوگوں کے فوت ہونے اور اس بات کو سامنے رکھنے سے علاج کیا جائے کہ ان لوگوں نے مال کمانے کے لیے کتنی تکلیف اٹھائی لیکن بالآخر خالی ہاتھ گئے اور مال ضائع ہو گیا اگر دل کی توجہ بچوں کی طرف ہو تو اس کا علاج یوں کرے کہ ان کو پیدا کرنے والے نے ان کا رزق بھی ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور کتنے ہی بچے ایسے ہیں جن کو باپ کی وراثت نہیں ملتی لیکن وراثت حاصل کرنے والوں سے وہ بہتر ہوتے ہیں اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ آدمی اولاد کے لیے جو مال جمع کرتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اولاد کو اچھی حالت میں چھوڑے لیکن بعض اوقات وہ برائی کی طرف چلے جاتے ہیں اگر اس کی اولاد نیک اور متقی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے کفایت کرتا ہے اور اگر وہ فاسق ہو تو وہ اس مال کے ذریعے گناہ پر مدد حاصل کریں گے۔ اور اس کا وبال اس مال چھوڑنے والے پر ہوگا۔

دل کے علاج کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جو احادیث بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف میں آئی ہیں ان میں غور و فکر کرے اور بخل کی صورت میں جس سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے اسے بھی پیش نظر رکھے۔

نفع بخش دوائیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بخیل لوگوں کے حالات میں زیادہ غور کرے ان سے نفرت کرے اور ان کو برا جانے کیوں کہ ہر بخیل دوسرے آدمی سے بخل کو برا سمجھتا ہے لہٰذا اسے یہ سوچنا چاہیے کہ اگر میں بخل کروں گا تو لوگوں کی نگاہوں میں حقیر اور برا قرار پاؤں گا جس طرح دوسرے بخیلوں کا حال ہے۔

بخل سے دل کے علاج کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مقاصد مال میں غور و فکر کرے کہ اس کو کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور صرف حاجت کے مطابق اس کی حفاظت کرے اور باقی مال کو اپنی آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے یعنی اسے خرچ کر کے ثواب حاصل کرے۔

یہ سب علاج معرفت اور علم کی جہت سے ہوتے ہیں جب اسے نورِ بصیرت سے معلوم ہو جائے کہ مال کو روکنے کی بجائے خرچ کرنا دنیا اور آخرت میں بہتر ہے تو اگر وہ عقل مند ہے تو خرچ کرنے میں رغبت زیادہ ہوگی۔ لیکن خواہش کے پیدا ہونے سے پہلے پہلے اس پر عمل کرے اور دیر نہ کرے کیونکہ شیطان فقر کا ڈر پیدا کر کے اسے اس عمل سے روک دے گا۔
منقول ہے کہ حضرت ابوالحسن بوشنجی رحمہ اللہ ایک دن بیت الخلاء میں تشریف لے گئے تو اپنے شاگرد کو بلایا اور فرمایا میری یہ قمیص اتار کر فلاں کو دے آؤ اس نے عرض کیا آپ باہر آنے تک تو صبر کر لیتے فرمایا مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں میرا نفس بدل نہ جائے اور اس وقت مجھے یہ قمیص دینے کا خیال ہوا تھا۔
اور بخل کی صفت اسی صورت میں زائل ہو سکتی ہے جب تکلیف کرتے ہوئے خرچ کرے جس طرح عشق اسی وقت زائل ہو سکتا ہے جب معشوق کے مقام سے جدائی اختیار کرے حتیٰ کہ جب وہ وہاں سے جدا ہو جائے اور ایک مدت تک اس سے صبر کرے تو اس کے دل کو اس سے تسلی ہو جائے گی۔ اسی طرح جو شخص بخل کا علاج کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ بتکلف مال خرچ کرے اور یوں اسے اپنے آپ سے جدا کرے بلکہ محبت کے ساتھ روک رکھنے سے دریا میں ڈالنا بھی بہتر ہے۔
اس سلسلے میں ایک لطیف حیلہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو اچھے نام کا دھوکہ دے کہ تو سخی مشہور ہو جائے گا اس طرح ریاکاری کے ارادے پر خرچ کرے گا اور اسے جُود و سخاوت کی طمع میں خرچ کرنا ناگوار معلوم نہ ہوگا اور اس طرح اس کے نفس سے بخل کی خباثت زائل ہو جائے گی اور ریاکاری کی خباثت حاصل ہوگی لیکن اس کے بعد ریاکاری کی طرف متوجہ ہو کر اس کے ازالے کی کوشش کرے تو یہ نام و نمود مال کے جانے کے بعد تسکین قلب کا سبب بنتا ہے جیسے بچے کو دودھ چھڑانے کے بعد چڑیوں وغیرہ سے کھیلنے میں لگا دیتے ہیں یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ ان سے کھیلتا رہے بلکہ مقصود تو صرف دودھ چھڑانا ہے پھر اسے اس کھیل سے بھی علیحدہ کر دیتے ہیں اسی طرح ان بری عادات کو ایک دوسرے پر مسلّط کر دینا چاہیے جیسے بعض اوقات غصّے پر خواہش کو غالب کر کے اس کی تیزی کو توڑا جاتا ہے اور بعض اوقات غصے کو خواہش پر غالب کر کے اس کی رعونت کو ختم کیا جاتا ہے۔
لیکن یہ علاج اس شخص کے حق میں بہتر ہوتا ہے جس پر بخل، ریاکاری اور جاہ و مرتبہ کی خواہش سے بڑھ کر غالب ہوتا ہے اس طرح زیادہ مضبوط کو کمزور کے ساتھ بدل دیا گیا اور اگر مال کی طرح جاہ و مرتبہ کی محبت بھی پائی جاتی ہو تو اب کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ اس طرح ایک بیماری ختم ہوگی اور اس جیسی دوسری بیماری میں مبتلا ہو جائے گا لیکن اس کی علامت یہ ہے کہ ریا کی وجہ سے مال خرچ کرنے میں بوجھ محسوس نہ ہو اس سے واضح ہوگا کہ اس پر ریا زیادہ غالب ہے اور اگر ریاکاری کے باوجود خرچ کرنا گراں گزرتا ہو تو خرچ کرنا مناسب ہے کیوں کہ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کے دل پر بخل کی بیماری غالب ہے۔

ان (بری) صفات میں سے بعض کو دوسری بعض کے ذریعے دور کرنے کی مثال یہ ہے کہ مردے کے تمام اجزاء کیڑوں میں بدل جاتے ہیں پھر بعض کیڑے دوسرے بعض کو کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی تعداد کم ہو جاتی ہے پھر کچھ کیڑے دوسرے کیڑوں کو کھاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے دو مضبوط اور بڑے کیڑے رہ جاتے ہیں پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک، دوسرے پر غالب آجاتا ہے اور اسے کھا کر موٹا ہو جاتا ہے پھر وہ مسلسل بھوکا رہنے کی وجہ سے مر جاتا ہے اسی طرح ان صفات خبیثہ کا معاملہ ہے ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کرنا ممکن ہے تاکہ ان میں سے کمزور کو طاقت ور کی غذا بناتے جائیں یہاں تک کہ صرف ایک رہ جائے پھر اس کا ارادہ کرتے ہوئے مجاہدہ کے ذریعے اسے مٹا دیا جائے یعنی اسی کی خوراک ختم کر دی جائے۔

اور ان صفات کی خوراک کو روکنا یہ ہے کہ ان کے تقاضے کے مطابق عمل نہ کیا جائے کیونکہ یہ لامحالہ کچھ اعمال کا تقاضا کرتی ہیں اور جب ان کی مخالفت کی جائے تو یہ صفات خود بخود ختم ہو جاتی ہیں مثلاً بخل کا تقاضا یہ ہے کہ مال روکا جائے جب اس کا تقاضا پورا نہ کیا جائے اور کوشش کر کے بار بار مال خرچ کیا جائے تو بخل کی صفت ختم ہو جاتی ہے اور مال کا خرچ کرنا فطری اور طبعی بن جاتا ہے اور اب اس میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔

بخل کا علاج علم اور عمل کے ذریعے ہوتا ہے اور علم سے مراد یہ ہے کہ بخل کی آفت اور سخاوت کے فائدہ کی پہچان حاصل ہو جائے اور عمل سے مراد یہ ہے کہ تکلف کر کے سخاوت کرے اور مال خرچ کرے لیکن بعض اوقات بخل قوی ہوتا ہے کہ وہ انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے اور یوں وہ معرفت کے راستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور جب تک معرفت متحقق نہ ہو رغبت متحرک نہیں ہوتی اور عمل آسان نہیں ہوتا۔ اور لا علاج مرض کی صورت پیدا ہو جاتی اور یہ ایسی بیماری کی صورت اختیار کرتا ہے جو دوائی کو قبول نہیں کرتی اور اس کے استعمال کا امکان باقی نہیں رہتا اس صورت میں موت تک صبر کرنے کے سوا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوتا۔

بعض بزرگ صوفیاء کرام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی مریدین کے بخل کا علاج کرتے ہوئے ان کو کسی ایک کونے کے ساتھ خاص ہو جانے سے روکتے تھے حتیٰ کہ جب دیکھتے کہ ان کا کوئی مرید کسی ایک کونے میں خوش ہے تو اسے دوسرے کونے میں بھیج دیتے اور دوسرے مرید کو وہاں جانے کا حکم دیتے اور اس کا تمام سامان بھی دوسرے کے حوالے کر دیتے اور جب دیکھتے کہ وہ نئے کپڑوں یا نئے سجادہ پر خوش ہو رہا ہے تو اسے حکم دیتے کہ یہ چیزیں دوسروں کو دے دے اور اسے پرانے کپڑے پہنا دیتے جن کی طرف اس کا دل مائل نہیں ہوتا تھا۔

اس طرح اس کا دل دنیوی سامان سے الگ ہو جاتا تو جو آدمی اس راستے پر نہ چلے وہ دنیا سے مانوس ہوتا ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے اگر اس کے پاس ہزار سامان ہوں تو اس کے ہزار محبوب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے ایک چیز چوری ہو جائے تو اس کی محبت کے اعتبار سے اس شخص کو مصیبت پہنچتی ہے اور مر جانے پر تو ہزار

مصیبتیں بیک وقت اترتی ہیں۔ کیوں کہ وہ ان سب سے محبت کرتا ہے اور موت کی صورت میں وہ سب چھوٹ جاتی ہیں بلکہ زندگی میں بھی اسے ان چیزوں کے ضائع اور کم ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

کسی بادشاہ کو فیروزہ سے بنا ہوا پیالہ پیش کیا گیا جس پر جواہر جڑے ہوئے تھے اور وہ پیالہ نہایت بے مثل تھا۔ بادشاہ اس کے ملنے پر بہت خوش ہوا اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک دانا سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک اس کی کیا قدروقیمت ہے؟ انہوں نے جواب دیا میں تو اسے مصیبت یا فقر سمجھتا ہوں اس نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر یہ ٹوٹ گیا تو یہ ایک ایسی مصیبت ہوگی جس کا ازالہ نہیں ہو سکتا اور اگر چوری ہو گیا تو تم اس کے محتاج ہو جاؤ گے اور نہیں اس جیسا پیالہ نہیں ملے گا اور اس کے حصول سے پہلے تم مصیبت اور فقر سے مامون تھے ——— پھر اتفاقاً ایک دن وہ پیالہ ٹوٹ گیا یا چوری ہو گیا اور بادشاہ بہت بڑی مصیبت کا شکار ہو گیا چنانچہ اس نے کہا کہ اس دانا شخص نے سچ کہا تھا کاش یہ پیالہ ہمیں نہ دیا جاتا۔

تو دنیا کے تمام مال واسباب کا یہی معاملہ ہے دنیا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی دشمن ہے کہ ان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور اولیاء اللہ کی بھی دشمن ہے کہ ان کو صبر کرنے کا غم رہتا ہے نیز یہ اللہ تعالیٰ کی بھی دشمن ہے کہ اس کے بندوں کو اس کے راستے پر چلنے نہیں دیتی، بلکہ یہ تو خود اپنی بھی دشمن ہے کیونکہ یہ اپنے آپ کو کھا لیتی ہے کیونکہ مال کی حفاظت کے لیے خزانے اور پاسبانوں کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ خزانے اور پاسبان مال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے یعنی روپیہ پیسہ خرچ کر کے ان کو حاصل کیا جاتا ہے تو گویا مال خود اپنے آپ کو کھاتا ہے اور اپنی ذات کے خلاف چلتا ہے یہاں تک کہ فنا ہو جاتا ہے اور جو شخص مال کی آفت کو پہچان لیتا ہے وہ اس سے مانوس نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر خوش ہوتا ہے اور حسب ضرورت مال حاصل کرتا ہے اور جو شخص ضرورت کے مطابق مال پر قناعت کرتا ہے وہ بخل نہیں کرتا کیونکہ جو کچھ وہ اپنی ضرورت کے لیے روکتا ہے وہ بخل نہیں ہے۔ اور جس کی اسے ضرورت نہیں اس کی حفاظت میں اپنے آپ کو نہیں تھکاتا لہٰذا اسے خرچ کر دیتا ہے بلکہ وہ دریائے دجلہ کے کنارے پر پانی کی مثل ہے کہ اس میں کوئی بھی بخل نہیں کرتا اس لیے کہ لوگ صرف حاجت کی مقدار پر قناعت کرتے ہیں۔

انسان کی مالی ذمہ داریاں:

جیسا کہ ہم نے بیان کیا مال کسی وجہ سے اچھا ہے اور کسی وجہ سے برا، یہ سانپ کی مثل ہے منتر والا اس کو پکڑ کر اس سے تریاق نکالتا ہے لیکن غافل آدمی پکڑے گا تو اس کا زہر اسے ہلاک کر دے گا کیونکہ اسے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ مال کے زہر سے وہی شخص بچ سکتا ہے جو (درج ذیل) پانچ ذمہ داریوں کی حفاظت کرے۔

۱۔ مال کے مقصد کو سمجھے کہ اسے کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی حاجت کیوں ہوتی ہے اس صورت

میں رہ کمائے گا اور حاجت کی مقدار مال کی حفاظت کرے گا اور مال پر اس کے استحقاق سے زیادہ اپنی ہمت خرچ نہیں کرے گا۔

۲۔ مالی آمدنی کا خیال رکھے گا اور محض حرام سے اور جس پر حرام کی جہت غالب ہو جیسے بادشاہ کا مال اس سے بھی اجتناب کرے گا اور مکروہ طریقوں سے بھی پرہیز کرے گا جو اس کی مروت کو نقصان پہنچاتے ہیں جیسے وہ تحائف جن میں رشوت کا شائبہ ہو اور سوال کرنا جس کی وجہ سے ذلت اٹھانا پڑتی ہے اور مروت ختم ہو جاتی ہے اور اس قسم کی دوسری خرابیاں ہیں۔

۳۔ کتنی مقدار میں مال کمایا جائے نہ اس سے زیادہ ہو اور نہ ہی کم، بلکہ واجب مقدار ہو اور اس کا معیار حاجت ہے لباس، رہائش اور کھانے کی حاجت ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے تین درجے ہیں ادنیٰ، درمیانہ اور اعلیٰ درجہ ہے جب تک آدمی قلت کی جانب مائل اور ضرورت کی حد کے قریب ہو تو وہ حق ہے اور وہ حق والوں میں سے ہوگا اگر اس سے تجاوز کرے گا تو جہنم کے ایسے گڑھے میں گرے گا جس کی گہرائی کی کوئی حد نہیں ہم نے زہد کے بیان میں ان درجات کی تفصیل ذکر کی ہے۔

۴۔ خرچ کی جہت کا خیال رکھے اور خرچ کرنے میں اعتدال اختیار کرے نہ تو ضرورت سے زیادہ خرچ کرے اور نہ کم جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے لہٰذا جو حلال مال کمایا ہو وہ اس کے صحیح مقام پہ خرچ کرے ناحق جگہ پر خرچ نہ کرے کیوں کہ ناحق مال لینا اور ناحق جگہ پہ خرچ کرنا دونوں برابر ہیں۔

۵۔ مال لینے، چھوڑنے، خرچ کرنے اور روکنے میں نیت صحیح ہونی چاہیے اس لیے مال حاصل کرے کہ عبادت پر مدد حاصل ہو۔ اور مال چھوڑنا ہو تو زہد کی نیت سے اور اسے حقیر سمجھتے ہوئے چھوڑے جب یہ طریقہ اختیار کرے گا تو مال کا موجود ہونا اسے نقصان نہیں پہنچائے گا اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی شخص تمام روئے زمین کا مال حاصل کرے اور اس کا ارادہ رضائے خداوندی کا حصول ہو تو وہ زاہد ہے اور اگر تمام مال چھوڑ دے لیکن رضائے خداوندی مقصود نہ ہو تو وہ زاہد نہیں ہے۔

تو تمہاری تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور عبادت سے باہر نہ ہوں یا عبادت پہ مددگار ہوں عبادت سے زیادہ دور کھانا کھانا اور قضائے حاجت ہے لیکن یہ دونوں بھی عبادت پر مددگار ہیں جب ان سے تمہارا مقصود یہ ہوگا تو یہ بھی تمہارے حق میں عبادت ہوں گے۔

اسی طرح جو چیزیں تیری حفاظت کرتی ہیں مثلاً قمیص، ازار، بستر اور برتن وغیرہ تو ان میں بھی اچھی نیت ہونی چاہیے کیوں کہ دین کے سلسلے میں ان تمام چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جو کچھ ضرورت سے زائد ہو اس سے بندگانِ خدا کو نفع پہنچانے کی نیت ہونی چاہیے اور جب کسی شخص کو اس کی ضرورت ہو تو انکار کرے جو شخص اس طرح کا عمل

کرے گا اس نے مال کے سانپ سے اس کا جوہر اور تریاق لے لیا اور زہر سے محفوظ رہا اسے مال کی کثرت نقصان نہیں پہنچاتی لیکن یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس کے قدم دین میں مضبوط ہوں اور علم زیادہ ہو۔

عام آدمی جب زیادہ مال حاصل کرنے میں کسی عالم سے مشابہت اختیار کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ مالدار صحابہ کرام کے مشابہ ہے تو وہ اس بچے کی طرح ہے جو منتر میں ماہر کسی شخص کو دیکھتا ہے جو سانپ کو پکڑ کر اپنے عمل کے ذریعے اس میں سے تریاق نکالتا ہے تو یہ بچہ اس کی اقتدا کرتے ہوئے یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے اس کی صورت اور شکل کو اچھا سمجھ کر اور اس کی جلد کو نرم سمجھ کر پکڑا ہے تو یہ بھی اس کی نقل کرتے ہوئے سانپ کو پکڑتا ہے تو سانپ اسے اسی وقت ہلاک کر دیتا ہے البتہ فرق یہ ہے کہ سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہونے والا معلوم کر لیتا ہے کہ وہ مر گیا لیکن جو شخص مال سے ہلاک ہوتا ہے اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔ اور دنیا کو سانپ سے تشبیہ دی گئی ہے کہا گیا ہے۔

هِيَ دُنْيَا كَحَيَّةٍ تَنْفُثُ السَّمَّ وَإِنْ كَانَتِ الْمَجَسَّةُ لَانَتْ۔

یہ دنیا سانپ کی طرح ہے جو زہر اگلتا ہے اگرچہ اس کا جسم نرم ہوتا ہے۔

جس طرح نابینا آدمی کا دیکھنے والے کے مشابہ بن کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور دریاؤں کے کناروں تک پہنچنا نیز کانٹے دار راستوں سے گزرنا محال ہے اسی طرح مال حاصل کرنے کے سلسلے میں عام آدمی کا کسی کامل عالم کی مشابہت اختیار کرنا بھی محال ہے۔

مالداری کی مذمت اور فقر کی تعریف:

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ شکر گزار مالدار کو صبر کرنے والے فقیر پر فضیلت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ ہم نے یہ بات فقر اور زہد کے باب میں ذکر کر کے اس سلسلے میں حق بات کو واضح کیا ہے اس باب میں ہم اس بات کی طرف راہنمائی کریں گے کہ مجموعی طور پر فقر، مالداری سے افضل اور اعلیٰ ہے احوال کی تفصیل کچھ بھی ہو۔

ہم یہاں صرف وہ بات نقل کریں گے جو حضرت محاسبی رحمہ اللہ نے اپنی کسی کتاب میں ذکر کی ہے انہوں نے ان بعض مالدار علماء کا رد کیا ہے جو مالدار صحابہ کرام سے استدلال کرتے تھے نیز یہ کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس بہت زیادہ مال تھا چنانچہ وہ عالم اپنے آپ کو ان سے مشابہت دیتے تھے حضرت محاسبی علم معاملہ میں امت کے ایک بہترین انسان تھے، عیوب نفس، آفات اعمال اور عبادات کی گہرائی میں بحث کرنے والوں سے انہیں سبقت حاصل تھی اور ان کا کلام اس لائق ہے کہ اسے اسی طرح (من وعن) نقل کیا جائے انہوں نے علماء سُو کا رد کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

اے علماء سُو! تم روزہ رکھتے ہو، نماز پڑھتے ہو اور صدقہ دیتے ہو لیکن جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ نہیں کرتے

اس بات کا درس دیتے ہو جو خود نہیں جانتے تو تم کتنا ہی برا فیصلہ کرتے ہو۔ زبان سے توبہ کرتے ہو لیکن خواہشات پر عمل بھی کرتے ہو اس بات سے تمہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا کہ تم اپنے ظاہر کو پاک صاف کر لو لیکن تمہارے دل میلے ہوں۔

میں سچ کہتا ہوں چھلنی کی طرح نہ ہو جاؤ کہ اس سے باریک آٹا نکل جاتا ہے اور پھوگ رہ جاتا ہے جیسا کہ تم زبان سے حکمت کی باتیں کرتے ہو لیکن تمہارے دل میں کھوٹ باقی ہے۔

اے دنیا کے بندو! وہ شخص جو دنیا میں خواہشات کو نہیں چھوڑتا وہ آخرت کو کیسے پا سکتا ہے میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے دل تمہارے اعمال سے روتے ہیں تم نے دنیا کو اپنی زبانوں کے نیچے اور عمل کو اپنے پاؤں کے نیچے کر رکھا ہے میں سچ کہتا ہوں تم نے اپنی آخرت کو خراب کر دیا تمہارے نزدیک آخرت کو بہتر بنانے سے دنیا کو بہتر بنانا زیادہ پسندیدہ ہے اگر تم جانتے ہو تو غور بتاؤ تم سے زیادہ نقصان میں کون ہے؟

تمہارا برا ہو کب تک اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ دکھاؤ گے اور خود حیران کھڑے رہو گے گویا کہ تم دنیا والوں کو پکارتے ہو کہ وہ اسے تمہارے لیے چھوڑ دیں رک جاؤ تمہارے لیے خرابی ہو اگر چراغ گھر کی چھت پر رکھا جائے تو اندر روشنی کیسے ہو گی اسی طرح اگر علم کا نور صرف تمہاری زبانوں پہ ہو اور تمہارے دل خالی ہوں تو کیا فائدہ؟

اے دنیا کے بندو! تم پرہیزگار بندوں کی طرح نہیں ہو اور نہ ہی آزاد، معزز لوگوں کی طرح ہو قریب ہے کہ یہ دنیا تمہیں جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکے اور منہ کے بل ڈال دے اور تم اپنے نتھنوں کے بل اوندھے گر جاؤ گے پھر تمہاری خطاؤں نے تمہیں پیشانی سے پکڑ رکھا ہو اور وہ علم نہیں پیچھے سے دھکا دے اور تمہیں تمہارے مالک کے سامنے یوں پیش کرے کہ تم برہنہ جسم اور تنہا ہو پھر وہ تمہیں تمہارے برے اعمال کی سزا دے،، (یہ بیان کرنے کے بعد) پھر حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اے میرے بھائیو! یہ علماء سو ہیں جو انسانوں میں سے شیطان ہیں یہی لوگ، لوگوں کے لیے لیے فتنہ ہیں انہوں نے دنیوی سامان اور جاہ و مرتبے کی حرص کی دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور دنیا کے لیے دین کو رسوا کیا یہ لوگ دنیا میں عار و ننگ کا باعث ہیں اور آخرت میں نقصان اٹھائیں گے یا وہ کریم ذات اپنے فضل سے معاف فرما دے۔

میں نے دنیا کو ترجیح دینے کے باعث ہلاک ہونے والے آدمی کو دیکھا ہے کہ اس کی خوشی بھی غموں سے بھری ہوتی ہے اس سے طرح طرح کے غم اور کئی قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ ہلاکت اور تباہی کی طرف جا رہا ہے یہ شخص اپنی امید پہ خوش ہوتا ہے لیکن نہ تو اسے دنیا ملتی ہے اور نہ اس کا دین سلامت رہتا ہے وہ دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھاتا ہے یہی تو واضح نقصان ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوا۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ   وہ دین اور آخرت میں خسارے میں رہا اور یہی واضح

الْمُبِيْنُ۔ (۱) خسارہ ہے۔

اس سے بڑی مصیبت اور آفت کونسی ہو گی اے میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان کرو شیطان اور اس کے دوست تمہیں دھوکہ نہ دیں جو باطل دلیل پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ دنیا میں مستغرق ہیں اور پھر اس کے لیے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے پاس مال تھا تو یہ دھوکے میں پڑے ہوئے لوگ صحابہ کرام کے ذکر سے اپنی بات کو زینت دیتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے مال جمع کرنے کا عذر پیش کرسکیں حالانکہ یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے اور ان کو سمجھ نہیں آرہی۔

تجھے کیا ہوا ارے کمبخت! تمہارا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال سے استدلال شیطانی مکرو فریب ہے، وہ تمہاری زبان پر یہ بات جاری کر کے تجھے ہلاک کرتا ہے کیوں کہ جب تو یہ خیال کرتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام نے مال کی کثرت، شرف اور زینت کے لیے مال حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو ان قائدین کی غیبت کرتا ہے اور انہیں ایک بہت بڑی بات کی طرف منسوب کرتا ہے اور جب تو خیال کرتا ہے کہ حلال مال جمع کرنا چھوڑنے سے افضل اور اعلیٰ ہے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر رسل عظام علیہم السلام کو معمولی جانتا ہے اور ان کی طرف جہالت کی نسبت کرتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی مال جمع کرنے کے ذریعے جو نیکی کر رہے ہو اس کی طرف انہوں نے توجہ نہ کی اور اس سے کنارہ کشی اختیار کی اور جب تو یہ خیال کرتا ہے کہ حلال مال چھوڑنے کے مقابلے میں اسے جمع کرنا اعلیٰ ہے تو تیرا خیال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی خیر خواہی نہیں فرمائی اور ان کو مال جمع کرنے سے منع فرمادیا۔ (۱)

حالانکہ آپ جانتے تھے کہ امت کے لیے مال جمع کرنا بہتر ہے تو (معاذ اللہ) تمہارے خیال میں آپ نے امت کو دھوکہ دیا کہ ان کو مال جمع کرنے سے منع کردیا آسمان کے رب کی قسم! تم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہے آپ تو امت کے خیر خواہ، ان پر مشفق اور مہربان تھے۔

اور جب تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال جمع کرنا افضل ہے تو تمہارا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نظر رحمت نہیں فرمائی کیوں کہ ان کو مال جمع کرنے سے منع فرمایا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ ان کے حق میں مال کا جمع کرنا بہتر ہے یا تمہارا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ مال جمع کرنے میں فضیلت ہے اسی لیے اس نے ان کو منع فرمادیا جب کہ تمہیں علم ہے کہ مال میں بھلائی اور فضیلت ہے اسی لئے تم زیادہ مال کے حصول میں رغبت رکھتے ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۱۱

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے کے سلسلے میں مجھ پر وحی نہیں فرمائی اور یہ کہ میں تاجروں میں سے ہو جاؤں (الکامل لابن عدی جلد ۵ ص ۱۸۹۷، ترجمہ عیسیٰ بن سلیمان)

گویا بھلائی اور فضیلت کے مقام کو تم اللہ تعالیٰ سے زیادہ جانتے ہو۔
اے بدبخت! اللہ تعالیٰ کی ذات تمہاری جہالت سے پاک ہے اپنی عقل سے غور و فکر کرو کہ شیطان نے کس طرح تمہیں فریب دیا کہ صحابہ کرام کے مال سے استدلال کو تمہارے لیے مزین کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال سے استدلال تمہیں کیا نفع دے گا جب وہ قیامت کے دن چاہیں گے کہ کاش انہیں محض قوت لایموت ہی حاصل ہوتی زیادہ مال نہ ہوتا ــــ اور مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہمیں حضرت عبدالرحمن پر ڈر ہے کیوں کہ انہوں نے یہ مال چھوڑا ہے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا سبحان اللہ! تمہیں حضرت عبدالرحمن پر کیا خوف ہے انہوں نے پاک مال کمایا! پاک طریقے پر خرچ کیا اور پاک انداز میں باقی چھوڑا یہ بات حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ غصے کی حالت باہر تشریف لائے وہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو تلاش کر رہے تھے انہوں نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھائی اور حضرت کعب کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کی تلاش میں ہیں تو وہ بھاگ گئے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر مدد مانگنے لگے اور ان کو پورا واقعہ سنایا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان کے قدموں کے سراغ پر وہاں پہنچ گئے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ اٹھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ گئے وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ڈر رہے تھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے یہودی عورت کے بچے ادھر تیرا خیال ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جو مال چھوڑا ہے اس میں کوئی حرج نہیں حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن احد کی طرف تشریف لے گئے میں آپ کے ساتھ تھا آپ نے فرمایا اے ابوذر! (رضی اللہ عنہ) میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا۔

اَلْاَكْثَرُوْنَ هُمُ الْاَقَلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ وَقُدَّامِهٖ وَخَلْفِهٖ وَقَلِيْلٌ مَّاهُمْ۔

وہ لوگ جو زیادہ مال والے ہیں قیامت کے دن ان کا سرمایہ بہت کم ہوگا مگر جس نے اس طرح دیا دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا ایسے لوگ کم ہیں۔

پھر فرمایا اے ابوذر! میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

آپ نے فرمایا:۔

اگر میرے پاس احد کے برابر خزانہ بھی ہوتا اور میں اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا تو جس دن میں انتقال کرتا تو میرے پاس دو قیراط بھی ہوتے تو مجھے یہ بات پسند نہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دو خزانے بچ جاتے تو بھی؟ فرمایا بلکہ "دو قیراط" پھر فرمایا۔

اے ابوذر! تم زیادہ چاہتے ہو اور میں کم چاہتا ہوں۔ (۱)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا ارادہ فرماتے ہیں اور اے یہودی عورت کے بیٹے تم کہتے ہو کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جو کچھ چھوڑا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے تم نے بھی جھوٹ کہا اور جو کوئی یہ بات کہے وہ بھی جھوٹ کہتا ہے ——— تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے خوف سے ان کی اس بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔ اور وہ تشریف لے گئے اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس یمن کا ایک قافلہ آیا تو مدینہ طیبہ میں ایک شور مچ گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے اونٹ آئے ہیں ام المومنین نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بارے میں دریافت کیا، ام المومنین نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّةَ فَرَاَیْتُ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ یَدْخُلُوْنَ سَعْیًا وَلَمْ اَرَ اَحَدًا مِنَ الْاَغْنِیَاءِ یَدْخُلُهَا مَعَهُمْ اِلَّا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ رَاَیْتُهٗ یَدْخُلُهَا مَعَهُمْ حَبْوًا۔

میں نے جنت میں دیکھا کہ مہاجرین اور عام مسلمانوں میں سے فقیر لوگ دوڑتے دوڑتے داخل ہو رہے ہیں اور میں نے ان کے ساتھ کسی مالدار شخص کو داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ان کے ساتھ گھٹنوں کے بل چل کر داخل ہو رہے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) فرمایا یہ تمام اونٹ ان کے بوجھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خیرات ہیں اور ان کے ساتھ جو غلام ہیں وہ بھی سب آزاد ہیں شاید کہ میں بھی ان کے ساتھ دوڑتا ہوا داخل ہو جاؤں (۲)

اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

میری امت کے مالدار لوگوں میں سے سب سے پہلے آپ جنت میں جائیں گے لیکن گھٹنوں کے بل ہی داخل ہوں گے (۳)

تجھ پہ ہلاکت ہو اے بدبخت! تو اپنے مال کی دلیل بتا یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں جو اپنی فضیلت، تقویٰ، نیک اعمال، اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے اور جنت کی خوشخبری

---

(۱) صحیح بخاری جلد دوم ص ۹۲۷ کتاب الاستیذان

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۱۲۹ حدیث ۲۶۴

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۳۱۱ کتاب معرفۃ الصحابۃ

حاصل ہونے (۱) کے باوجود اپنے مال کے سبب قیامت کے میدان اور سختیوں میں کھڑے رہیں گے حالانکہ انہوں نے مانگنے سے بچنے کے لیے حلال مال کمایا اور اس سے نیک کام انجام دیئے اس مال میں سے میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے رہے نیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں سخاوت کی لیکن ان کو فقراء مہاجرین کے ساتھ دوڑتے ہوئے جنت میں جانے سے روک دیا گیا اور وہ ان کے پیچھے گھٹنوں کے بل جائیں گے تو ہمارے جیسے لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو دنیا کے فتنوں میں غرق ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تم ہمیشہ مشتبہ اور حرام مال پر گرتے ہو اور لوگوں کے ہاتھ کی میل پر ایک دوسرے سے لڑتے ہو خواہشات، زینت، باہم فخر کرنے میں ادھر اُدھر پھرتے ہو اور دنیا کے فتنوں میں پھرتے رہتے ہو پھر تم حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال سے دلیل پکڑتے ہو اور تمہارا خیال ہے کہ اگر تم مال جمع کرتے ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تو مال جمع کیا تھا گویا تم اسلاف اور ان کے عمل سے مشابہت اختیار کرتے ہو، یہ تو شیطانی قیاس ہے وہ اپنے دوستوں کو ایسے ہی کام سکھاتا ہے۔

میں تمہارے سامنے تمہارے اپنے احوال اور پہلے بزرگوں کے حالات رکھتا ہوں تاکہ تمہیں اپنی خرابی اور صحابہ کرام کی فضیلت کی پہچان ہو جائے۔

بعض صحابہ کرام کے پاس مال تھا لیکن ان کا مقصد مانگنے سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا تھا انہوں نے حلال کمایا، پاک کھایا اعتدال کے ساتھ خرچ کیا اور اپنی آخرت کے لیے آگے بھیجا ان پر جو کچھ لازم تھا انہوں نے اسے نہ روکا اور نہ ہی بخل سے کام لیا بلکہ انہوں نے زیادہ مال اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے سخاوت کر ڈالا بلکہ بعض نے تو تمام مال خرچ کر دیا اور سختی کے وقت بھی عام طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو اپنی ذات پر ترجیح دی قسم کھا کر کہو کیا تم بھی ایسے ہی ہو؟ اللہ کی قسم! تمہاری ان کے ساتھ مشابہت بہت دور کی بات ہے۔

علاوہ ازیں جلیل القدر صحابہ کرام مسکین رہنا پسند کرتے تھے وہ فقر کے خوف سے بے نیاز تھے اور اپنے رزق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر پورا یقین رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو کچھ مقدر فرمایا اس پر خوش تھے مصیبت و بلا کی حالت میں راضی، کشادگی کی حالت میں شاکر، تکلیف پر صابر، خوشی میں ثناخواں تھے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے والے اور تعلی اور فخر سے دور رہنے والے تھے وہ دنیا کے مال سے مباح کی حد تک حاصل کرتے تھے، حاجت کی مقدار پر راضی رہتے تھے انہوں نے دنیا کو ٹھوکر ماری اور اس کی سختیوں پر صبر کیا اس کا کڑوا گھونٹ بھرا اس کی نعمتوں اور تروتازگی سے بے رغبت رہے۔ بتاؤ تم بھی ایسے ہی ہو؟۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۵۴۳، ابواب المناقب

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جب دنیا ان کی طرف متوجہ ہوتی تو وہ غمگین ہو جاتے اور فرماتے کہ یہ، گناہ کی فوری سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اور جب فقر کو اپنی طرف متوجہ دیکھتے تو فرماتے صالحین کی علامت کا آنا مبارک ہو۔

ہمیں یہ بات بھی پہنچی ہے کہ ان میں سے بعض جب صبح کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس کچھ مال دیکھتے تو غمگین ہو جاتے اور جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو خوش ہو جاتے ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں کا دستور اس کے خلاف ہے جب ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو وہ غمگین ہوتے ہیں اور جب ان کے پاس کچھ ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں جب کہ آپ کی صورتِ حال یہ نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا جب میں صبح کے وقت دیکھتا ہوں کہ میرے اہل و عیال کے پاس کچھ نہیں ہے تو میں خوش ہوتا ہوں کیونکہ میرے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا نمونہ ہے اور جب میرے گھر والوں کے پاس کچھ ہوتا ہے تو میں غمگین ہوتا ہوں کیوں کہ اس سلسلے میں میرے سامنے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اسوہ نہیں ہے۔

اور ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ جب ان کو مال کی کشادگی حاصل ہوتی ہے تو وہ غمگین ہوتے اور ڈرتے اور فرماتے ہمارا دنیا سے کیا تعلق ہے پتہ نہیں اس کا کیا ارادہ ہے گویا وہ خوف محسوس کرتے اور جب وہ کسی تکلیف کی حالت میں ہوتے تو اس پر خوش ہوتے اور فرماتے کہ اب ہمارے رب نے ہماری خبر گیری فرمائی ہے۔

تو اسلاف کا طریقہ اور ان کے اوصاف کی صورت یہ تھی ان کے اوصاف ہمارے بیان سے زیادہ ہیں ــــــ قسم کھا کر بتاؤ تم بھی اسی طرح ہو؟ تمہاری ان لوگوں کے ساتھ مشابہت بہت بعید بات ہے اب میں ان کے حالات کے خلاف حالت بیان کروں گا۔

تم مالداری کی حالت میں سرکشی کرتے ہو، ارزانی میں فخر کرتے ہو اور کشادگی کی حالت میں اکڑتے ہو نعمتیں عطا کرنے والے کے شکر سے غافل ہو تکلیف کے وقت ناامید ہو جاتے ہو آزمائش کے وقت ناراض ہوتے ہو اور اس کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتے۔

ہاں، تم فقر کو ناپسند کرتے ہو مسکینی سے نفرت کرتے ہو حالانکہ یہ رسولوں کا فخر ہے اور تم ان کے فخر (والے کام) سے بھاگتے ہو تم محتاجی کے ڈر سے مال جمع کرتے ہو اور یہ اللہ تعالیٰ پر بدگمانی اور اس کی ضمانت پر یقین کی کمی ہے تمہارا یہی گناہ کافی ہے۔

معلوم ہوتا ہے تم دنیا کی عیاشی، نرو نازگی، خواہشات اور لذتوں کے لیے مال جمع کرتے ہو حالانکہ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی ہے آپ نے فرمایا۔

شِرَارُ اُمَّتِی الَّذِیْنَ غُذُوْا بِالنَّعِیْمِ فَنَبَتَتْ عَلَیْہِ اَجْسَامُھُمْ۔ (۱)

میری امت کے وہ لوگ بہت برے ہیں جنہوں نے آسائش میں پرورش پائی اور اسی پر ان کے جسم پروان چڑھے۔

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۳۳ حدیث ۵۶۶۹

تم غفلت میں ہو اور دنیوی نعمتوں کے باعث اُخروی نعمتیں تم پر حرام ہو چکی ہیں اس سے بڑھ کر کونسی حسرت اور مصیبت ہو گی۔

تم مال کے اضافے، تکبر اور غرور نیز دنیوی زینت کے لیے مال جمع کرتے ہو حالانکہ تمہیں یہ بات (حدیث) پہنچی ہے کہ جو شخص زیادہ مال بڑھاتے اور دوسروں پر فخر کا اظہار کرنے کے لیے مال جمع کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو گا۔ اور تمہیں اس ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں جب کہ مال کی کثرت اور بلندی کے حصول میں لگے ہوئے ہو شاید! تمہیں آخرت کی طرف جانے کی نسبت دنیا میں رہنا پسند ہے تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ خود تمہاری ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے، تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔

شاید تم دنیا کے اس مال پر افسوس کر رہے ہو جو تمہیں مل نہیں سکا حالانکہ تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف پہنچی ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَسِفَ عَلٰی دُنْیَا فَاتَتْہُ اِقْتَرَبَ مِنَ النَّارِ مَسِیْرَۃَ شَھْرٍ (۱)

جو شخص دنیا کے جاتے رہنے پر افسوس کرے وہ جہنم سے ایک ماہ کے فاصلے پر ہو گا۔

ایک سال کا بھی ذکر ہوا ہے، اور تم مال کے نہ ملنے پر افسوس کر رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچنے والے عذاب کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور کیا بعید ہے کہ تم دنیا کی عزت کرنے کی وجہ سے کسی دن اپنے دین سے ہی خارج ہو جاؤ۔ دنیا کے آنے سے خوش ہوتے ہو اور اس خوشی میں راحت پاتے ہو۔ حالانکہ تمہیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّ الدُّنْیَا وَسُرَّ بِھَا ذَھَبَ خَوْفُ الْاٰخِرَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ۔ (۲)

جو شخص دنیا کو پسند کرتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے اس کے دل سے آخرت کا خوف چلا جاتا ہے

ہمیں بعض اہل علم کا یہ قول بھی پہنچا ہے کہ مال دنیا کے جانے پر افسوس کرنے اور دنیا کے آنے پر خوش ہونے کا بھی حساب ہو گا جب تمہیں دنیا ملتی ہے تو اس پر خوش ہوتے ہو حالانکہ تمہارے دل سے خوف نکل چکا ہے۔

شاید تم دنیوی امور میں دینی امور کی نسبت دوگنا مشقت اٹھاتے ہو۔ اور ممکن ہے تمہیں گناہوں کی مصیبت دنیا کے کم ہو جانے کی مصیبت سے کم معلوم ہوتی ہو۔ تم گناہوں سے اس قدر خوف محسوس نہیں کرتے جتنا خوف مال کے جانے کا ہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۹۹ حدیث ۶۱۴۷

(۲)

ہاتھ کی میل سے جو کچھ لوگوں کو دیتے ہو اس کا مقصد بھی دنیوی بلندی اور مرتبہ کا حصول ہے تم اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے مخلوق کو خوش کرتے ہو تاکہ تمہاری عزت و تکریم ہوتی رہے۔

گویا قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حقیر ہونے کے مقابلے میں تم دنیا میں لوگوں کے سامنے حقیر ہونے کو معمولی سمجھتے ہو، تم، لوگوں سے اپنے گناہ چھپاتے ہو اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں سے باخبر ہے۔ گویا لوگوں کے سامنے ذلیل ہونے کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل و رسوا ہونے کو معمولی سمجھتے ہو، گویا اللہ تعالیٰ کی نسبت اس کے بندوں کی قدر و منزلت تمہارے نزدیک بہت زیادہ ہے ــــــ اللہ تعالیٰ کی پناہ تم کس قدر جاہل ہو۔

جب تمہارے اندر اتنے عیب ہیں تو پھر عقلمند لوگوں کے سامنے کس طرح بولتے ہو تم پر افسوس ہے تم گندگی سے بھرے ہوئے ہو اور نیک لوگوں کے مال سے استدلال کرتے ہو۔ تمہارا ان لوگوں سے کیا مقابلہ؟

اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ لوگ حلال مال سے بھی اس قدر بچتے تھے جتنا تم حرام مال سے پرہیز نہیں کرتے۔ تم جس مال کی پرواہ نہیں کرتے وہ اسے ہلاک کرنے والی باتوں میں شمار کرتے تھے وہ چھوٹی سی لغزش کو اتنا بڑا سمجھتے تھے کہ تم کبیرہ گناہوں کو اس قدر بڑا نہیں جانتے شاید تمہارا پاکیزہ اور حلال مال ان کے مشتبہ مال کی طرح ہو اور شاید تم اپنے گناہوں سے جس قدر ڈرتے ہو اتنا وہ اپنی نیکیوں کے قبول نہ ہونے کا خوف رکھتے تھے۔ تمہارا روزہ ان کے روزہ نہ رکھنے کے برابر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی تمہاری عبادت ان کی نیند اور سستی کے برابر ہو سکتی ہے شاید تمہاری تمام نیکیاں ان کی ایک لغزش کے برابر بھی نہ ہوں۔

ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

صدیقین کی غنیمت وہ دنیوی مال ہے جو ان کو نہ مل سکا اور ان کی حاجت وہ ہے جو ان سے لپیٹ لی گئی اور جس شخص کی یہ حالت نہ ہو وہ نہ دنیا میں ان کا ساتھی ہو سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں ــــــ

سبحان اللہ! دونوں فریقوں کے درمیان کس قدر فرق ہے ایک صحابہ کرام کا گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام پہ فائز ہے اور دوسرا گروہ تمہارے جیسے لوگوں کا ہے جو نہایت کم درجہ رکھتے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ بخش دے علاوہ ازیں تمہارا خیال یہ ہے کہ تم بھی صحابہ کرام کی طرح مانگنے سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے مال جمع کرتے ہو تو غور کرو کیا تمہارے زمانے میں اس طرح حلال مال مل سکتا ہے جس طرح ان کے زمانے میں میسر تھا یا تمہارا کیا خیال ہے کیا تم ان لوگوں کی طرح احتیاط کر سکتے ہو۔

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم حرام کے دروازے میں داخل ہونے کے خوف سے حلال کے ستر دروازے چھوڑ دیتے تھے۔

کیا تم اس قسم کی احتیاط کی امید رکھتے ہو؟ ربِ کعبہ کی قسم! میں تمہیں اس طرح کا خیال نہیں کرتا، یقین سے جان لے کہ

نیکی کے لیے مال جمع کرنے کا تمہارا تصور ایک شیطانی چال ہے تاکہ وہ نیکی کے ذریعے تمہیں شبہات میں ڈال دے جن میں حرام ملا ہوا ہے۔ اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنِ اجْتَرَأَ عَلَى الشُّبُهَاتِ أَوْشَكَ أَنْ يَقَعَ فِي الْحَرَامِ۔ (۱)

جو شخص شبہے والے کاموں میں جرأت کرتا ہے قریب ہے کہ وہ حرام کام میں پڑ جائے۔

اے دھوکے میں مبتلا! کیا تو نہیں جانتا کہ شبہ والی کمائی اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں یا کسی بھی نیک کام کے لیے خرچ کرنے کی نسبت شبہات میں پڑنے سے تیرا ڈرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں تیری قدر و منزلت کو بڑھاتا ہے بعض اہل علم کا یہ قول ہم تک پہنچا ہے انہوں نے فرمایا اگر تو ایک درہم اس خوف سے چھوڑتا ہے کہ شاید وہ حلال نہ ہو تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تو ایک ہزار مشتبہ دینار خرچ کرے یعنی تمہیں اس بات کا علم نہ ہو کہ وہ حلال ہے یا نہیں؟

اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ تم شبہ والے مال میں پڑنے سے محفوظ ہو اور تم اپنے گمان کے مطابق حلال مال کماتے ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو بالفرض اگر تم اسی طرح ہو پھر بھی تمہیں قیامت کے حساب سے بچنا چاہیے کیوں کہ جلیل القدر صحابہ کرام احتساب سے ڈرتے تھے۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں روزانہ ایک ہزار دینار حلال مال سے کماؤں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کروں اور اس کمائی کی وجہ سے میری باجماعت نماز میں رکاوٹ بھی نہ پڑے تو بھی مجھے یہ بات پسند نہیں، حاضرین نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ فرمایا میں قیامت کے دن کھڑا ہونے کے اعتبار سے غنی ہوں گا اور اغنیا سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے میرے بندے! تو نے کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟

تو یہ لوگ متقی تھے اسلام کے زرّیں دور کے لوگ تھے کہ اس زمانے میں حلال ذرائع موجود تھے لیکن حساب کے خوف سے انہوں نے مال کو ترک کر دیا انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں ان کی نیکی، بدی میں بدل نہ جائے اور تو نہایت گھٹیا دور میں ہے تیرے زمانے میں حلال مال مفقود ہے ہاتھ کی میل پر جھپٹتا ہے پھر تیرا خیال ہے کہ تو حلال مال جمع کرتا ہے، حلال مال کہاں ہے جسے تو جمع کرتا ہے؟

پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر تمہارے ہاں حلال مال موجود بھی ہو تو کیا تجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ مالدار ہو جانے کے بعد تمہارا دل بدل جائے؟ اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک صحابی حلال مال کے وارث ہوئے تو صرف اس ڈر سے اسے چھوڑ دیا کہ کہیں میرا دل بدل نہ جائے کیا تمہارے خیال میں تمہارا دل صحابہ کرام کے دلوں سے زیادہ متقی ہے اور کیا تیرا دل حق سے تجاوز نہیں کرے گا اگر تمہارا یہی خیال ہے تو تُو اپنے نفس امارہ کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہے۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۵ ص ۳۳۴ کتاب البیوع

ہم تو تمہارے خیر خواہ ہیں تجھے ضرورت کے مطابق مال پر قناعت کرنی چاہئے نیک اعمال کے لیے مال جمع کر کے اپنے آپ کو حساب کے لیے پیش نہ کر دہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ (۱) جسے حساب میں الجھایا گیا اسے سزا دی گئی۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے حرام مال کمایا اور حرام جگہ پر خرچ کیا کہا جائے گا کہ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ اور ایک دوسرے شخص کو لایا جائے گا جس نے حلال طریقے سے مال کمایا اور حرام جگہ پر خرچ کیا کہا جائے گا اسے بھی جہنم میں لے جاؤ پھر ایک اور شخص کو لایا جائے گا جس نے حرام ذرائع سے مال جمع کر کے حلال جگہ پر خرچ کیا کہا جائے گا اسے بھی جہنم میں لے جاؤ پھر ایک اور شخص کو لایا جائے گا جس نے حلال ذرائع سے کما کر حلال جگہ پر خرچ کیا اس سے کہا جائے گا ٹھہر جاؤ شاید تم نے طلب مال میں کسی فرض میں کوتاہی کی ہو وقت پر نماز نہ پڑھی ہو اور اس کے رکوع و سجود اور وضو میں کوئی کوتاہی کی ہو وہ کہے گا یا اللہ! میں نے حلال طریقے پر کمایا اور جائز مقام پر خرچ کیا اور تیرے فرائض میں سے کوئی فرض ضائع بھی نہیں کیا۔ کہا جائے گا شاید تو نے اس مال میں تکبر سے کام لیا ہو سواری یا لباس کے ذریعے دوسروں پر فخر ظاہر کیا ہو وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے تکبر بھی نہیں کیا اور فخر کا اظہار بھی نہیں کیا کہا جائے شاید تو نے کسی کا حق دبایا ہو جس کا میں نے حکم دیا کہ اپنے قرابت داروں، یتیموں مساکین اور مسافروں کو دو، وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے ایسا نہیں کیا میں نے حلال طریقے پر کمایا اور جائز مقام پر خرچ کیا تیرے کسی فرض کو ضائع نہیں کیا تکبر و غرور بھی نہیں کیا اور کسی کا حق بھی ضائع نہیں کیا جسے تو نے دینے کا حکم دیا (اسے دیا)

پھر وہ سب لوگ آئیں گے اور اس سے جھگڑا کریں گے وہ کہیں گے یا اللہ! تو نے اسے مال عطا کیا اور مالدار بنایا اور اسے حکم دیا کہ وہ ہمیں دے اور ہماری مدد کرے، اب اگر اس نے ان کو دیا ہوگا۔ اور فرائض میں کوتاہی بھی نہیں کی ہوگی تکبر اور فخر بھی نہیں کیا ہو گا پھر بھی کہا جائے گا رک جا میں نے تجھے جو نعمت دی تھی وہ کھانا تھا پانی تھا یا کوئی لذت تھی، ان کا شکر ادا کر، اسی طرح سوال ہوتا رہے گا۔

تو بتاؤ ان سوالات کے لیے کون تیار ہو گا جو اس شخص سے پوچھے جائیں گے جس نے حلال طریقے پر کمایا تمام حقوق اور فرائض کما حقہ ادا کئے اسی سے یہ حساب ہو گا تو ہمارے جیسے لوگوں کا کیا حال ہو گا جو دنیوی فتنوں اس کے اختلاط، شبہات، شہوات اور زینت میں ڈوبے ہوئے ہیں ارے کمبخت! ان سوالات کے باعث متقی لوگ دنیا سے

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۷ کتاب الجنۃ

آلودہ ہونے سے ڈرتے ہیں وہ ضرورت کے مطابق مال دینا پر راضی ہوتے ہیں اور کسب مال سے طرح طرح کے اچھے کام کرتے ہیں۔

تمہیں ان نیک لوگوں کے طریقے کو اختیار کرنا ہوگا اگر تم اس بات کو نہ مانو اور یوں کہو کہ تم تقویٰ اور پرہیز گاری میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہو اور تم اپنے خیال میں حلال مال کماتے ہو اور تمہارا مقصد بھی سوال سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے اور حلال مال سے ناحق خرچ بھی نہیں کرتے نیز مال کی وجہ سے تمہارا دل اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ راستے سے بھی نہیں بدلتا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کسی ظاہر اور پوشیدہ عمل سے ناراض بھی نہیں ہے اگرچہ ایسا ہونا ناممکن ہے پھر بھی تمہیں ضرورت کے مطابق مال پر راضی رہنا چاہیے اور مال دار لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیے کیوں کہ جب ان کو سوال کے لیے روکا جائے گا تو تم پہلے ہی قافلہ کے ساتھ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں شامل ہو کر آگے بڑھ جاؤ گے۔ تمہیں حساب و کتاب اور سوال کے لیے روکا نہیں جائے گا کیوں کہ حساب کے بعد نجات ہوگی یا سختی ـــــ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَدْخُلُ صَعَالِيكُ الْمُهَاجِرِينَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمُ الْجَنَّةَ بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ (۱)

فقراء مہاجرین مالدار مہاجرین سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ فَيَأْكُلُونَ وَيَتَمَتَّعُونَ وَالْآخَرُونَ جُثَاةٌ عَلَى رُكَبِهِمْ فَيَقُولُ قِبَلَكُمْ طَلِبَتِي أَنْتُمْ حُكَّامُ النَّاسِ وَمُلُوكُهُمْ فَأَرُونِي مَاذَا صَنَعْتُمْ فِيمَا أَعْطَيْتُكُمْ، (۲)

فقیر مومن مال دار مومنوں سے پہلے جنت میں جائیں گے اور وہاں کھائیں گے اور مزے کریں گے جب کہ دوسرے گھٹنوں کے بیٹھے ہوں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا مطالبہ تم ہی سے ہے تم لوگوں کے بادشاہ اور حاکم تھے تو مجھے بتاؤ میں نے تمہیں جو کچھ دیا اس میں تم نے کیا عمل کیا۔

اور ہمیں یہ بات بھی پہنچی ہے کہ کسی عالم دین نے فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے پاس سرخ اونٹ ہوں لیکن میں پہلے قافلے کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گروہ پر مشتمل ہوگا ــــ اے قوم ہلکے پھلکے آگے جانے والوں کے ساتھ جاؤ اور رسولوں کی جماعت کے ساتھ شامل ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہنے سے اس طرح ڈرو جس طرح متقی لوگ ڈرتے ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۹۶ مرویات ابوہریرہ

(۲)

مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ایک صحابی اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، کو پیاس محسوس ہوئی تو ان کے پاس پانی لایا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا انہوں نے جب اسے چکھا تو ہچکی بندھ گئی پھر وہ رو پڑے اور حاضرین کو بھی رونا آ گیا اس کے بعد انہوں نے اپنے چہرۂ مبارک سے آنسو پونچھے اور گفتگو کرنے لگے تو دوبارہ رونا آ گیا جب رونا زیادہ ہو گیا تو عرض کیا گیا کیا یہ سب کچھ پانی کے اس گھونٹ کی وجہ سے ہے؟ فرمایا ہاں ۔۔۔۔ پھر ارشاد فرمایا ایک دن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور گھر میں آپ کے ساتھ میرے علاوہ کوئی نہیں تھا تو آپ کسی چیز کو اپنے آپ سے ہٹانے لگے آپ فرماتے تھے مجھ سے دور ہو جا میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے تو آپ کے سامنے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دنیا ہے اس نے اپنی گردن اور سر میری طرف بڑھا کر کہا کہ مجھے لے لیں اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ۔۔۔۔ میں نے کہا مجھ سے دور ہو جاؤ اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ مجھ سے بچ بھی جائیں تو آپ کے بعد آنے والے لوگ مجھ سے بچ نہیں سکیں گے (۱)

(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا) مجھے ڈر ہے کہ یہ (شہد ملا ہوا پانی) مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہ کر دے۔

اے قوم! عمدہ اور پسندیدہ لوگ یہ تھے وہ اس ڈر سے روئے کہ کہیں حلال پانی بھی ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہ کر دے، عجب بات ہے تم طرح طرح کی نعمتوں اور خواہشات میں مبتلا ہو جو حرام اور مشتبہ طریقے پر حاصل کی گئیں لیکن تمہیں اس جدائی کا خوف نہیں تم پر افسوس ہے تم کس قدر جاہل ہو۔

اگر تم قیامت کے دن اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تو تم وہ سختیاں دیکھو گے جن سے فرشتے اور انبیاء کرام بھی خوف محسوس کرتے ہیں اور اگر اب آگے بڑھنے سے کوتاہی کرے گا تو ان سے ملنا دشوار ہو جائے گا اور اگر مال کی کثرت کا ارادہ کرے گا تو مشکل حساب میں پڑے گا اگر تھوڑے مال پر قناعت نہیں کرے گا تو زیادہ دیر تک رکنا پڑے گا اور چیخ و پکار کرنا پڑے گی اگر پیچھے رہنے والوں کے حالات کو پسند کرے گا تو اصحاب یمین اور رب العالمین کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور علیٰحدہ ہو گا۔ اور نعمتیں حاصل کرنے والوں کی نعمتوں تک دیر سے پہنچے گا۔ اور اگر متقی لوگوں کے احوال کی مخالفت کرے گا تو قیامت کے دن کی سختیوں میں روکے جانے والوں میں سے ہو گا لہٰذا تم نے جو کچھ سنا اس پر غور کرو۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر تم اپنے آپ کو سلف صالحین کی طرح سمجھتے ہو تو تھوڑے پر قناعت کرو حلال مال پر اکتفا کرو اور اس میں بھی زیادہ رغبت نہ رکھو مال خرچ کرنے والے اور دوسروں کو ترجیح دینے والے بنو نہ فقر سے ڈرو نہ کل کے لیے کوئی چیز جمع کرو زیادہ مال اور مالداری سے نفرت کرو فقر اور ابتلاء پر راضی رہو تھوڑے مال اور مسکین ہونے پر خوش رہو فروتنی اور عاجزی پر مسرور رہو بلندی اور رفعت (دنیوی) کو ناپسند کرو اپنے کاموں میں مضبوط ہو ہدایت سے تمہارا دل نہ بھرے تو تو نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش

کر دیا اور اپنے تمام کاموں کو رضائے خداوندی کے موافق مضبوط کر دیا اب تو ہرگز حساب کے لیے روکا نہیں جائے گا اور نہ ہی تیسرے جیسے متقی لوگوں کا حساب ہوگا۔ تیرا حلال مال جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے ہوگا۔

ارے بیوقوف! سوچ تو سہی کیا تو نہیں جانتا کہ مال کی مشغولیت کو چھوڑ کر دل کو ذکر وفکر کے لیے فارغ کرنے میں دین کی سلامتی زیادہ ہے۔ حساب میں آسانی اور سوال میں تخفیف کا باعث ہے اس سے قیامت کی سختیوں میں آسانی ہوتی ہے اور ثواب بھی بہت زیادہ ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تیری قدر و منزلت میں بھی اضافہ ہوگا۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ایک شخص کے دامن میں دینار ہوں اور وہ لوگوں کو دے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔

کسی عالم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو نیک کاموں کے لیے مال جمع کرتا ہے انہوں نے فرمایا اس مال کا چھوڑنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

ہمیں یہ بات بھی پہنچی ہے کہ کسی جلیل القدر تابعی سے دو آدمیوں کے بارے میں پوچھا گیا جن میں سے ایک نے دنیا کا حلال مال تلاش کر کے اسے حاصل کیا پھر اسے اپنے رشتہ داروں پر خرچ کیا اور اپنی آخرت کے لیے آگے بھیجا اور دوسرے نے نہ تو مال تلاش کیا اور نہ ہی اسے پایا تو ان میں سے کون افضل ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! ان دونوں کے درمیان بہت دوری ہے جو دنیا سے بچنے والا ہے وہ اس مال والے سے اس قدر افضل ہے جس قدر زمین کے مشرقوں اور مغربوں کے درمیان فاصلہ ہے۔

اگر تم دنیا کو اس کے طلب کرنے والوں پر چھوڑ دو تو تمہیں بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی بلکہ مال میں مشغولیت کو چھوڑنے کی صورت میں تمہارے بدن کو زیادہ راحت ملے گی، تھکاوٹ کم ہوگی، زندگی زیادہ چین سے گزرے گی اور غم کم ہوں گے۔ اب مال جمع کرنے کے لیے تمہارے پاس کیا عذر ہے جب کہ تم مال کو چھوڑنے کی وجہ سے اس آدمی سے بھی افضل قرار پاؤ گے جو نیک اعمال کے لیے مال کماتا ہے۔

ہاں! اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی نسبت اس کے ذکر میں مشغول ہونا زیادہ فضیلت کا باعث ہے اس طرح تمہیں فوری راحت کے حصول کے ساتھ ساتھ آخرت میں سلامتی اور فضل بھی حاصل ہوگا۔

علاوہ ازیں بالفرض مال جمع کرنے میں بہت بڑی فضیلت بھی ہو پھر بھی اچھے اخلاق کے حصول کے سلسلے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ آپ کے ذریعے ہی تمہیں ہدایت ملی ہے لہٰذا جس طرح آپ نے اپنے لئے دنیا سے کنارہ کشی کو اختیار فرمایا تم بھی اسی بات پر راضی رہو۔

جو کچھ تم نے سنا ہے اس پر غور کرو اور اس بات پر یقین رکھو کہ نیک بختی اور کامیابی دنیا سے بچنے میں ہے پس تم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جنت ماویٰ کی طرف جاؤ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَادَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْجَنَّةِ مَنْ إِذَا تَغَدّٰى لَمْ يَجِدْ عَشَاءً وَإِذَا اسْتَقْرَضَ لَمْ يَجِدْ قَرْضًا وَلَيْسَ لَهُ فَضْلُ كِسْوَةٍ إِلَّا مَا يُوَارِيْهِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلٰى أَنْ يَكْتَسِبَ مَا يُغْنِيْهِ يُمْسِيْ مَعَ ذٰلِكَ وَيُصْبِحُ رَاضِيًا عَنْ رَبِّهٖ۔ (۱)

جنت میں مومنوں کے سردار وہ لوگ ہوں گے جن کو صبح کا کھانا ملتا ہے تو شام کا کھانا نہیں ملتا جب وہ قرض مانگیں تو ان کو قرض نہیں ملتا ان کے پاس شرمگاہ ڈھانپنے سے زیادہ کپڑا نہیں ہوتا وہ اتنا مال کمانے پر بھی قادر نہیں ہوتے جو ان کو کفایت کرے اس کے باوجود وہ صبح و شام اپنے رب سے راضی ہوتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا۔ (۲)

پس وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا وہ انبیاء کرام، صدیقین شہداء اور صالحین ہیں اور یہ لوگ کتنے ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اے بھائی! سنو اس بیان کے بعد بھی اگر تم مال جمع کرو تو تمہارا یہ دعویٰ جھوٹ ہوگا کہ تم نیکی اور فضیلت کے لیے جمع کرتے ہو نہیں بلکہ تم محتاجی کے ڈر سے اور عیاشی، زینت مالداری، فخر، تکبر، ریاکاری اور شان و شوکت کے حصول کے لیے جمع کرتے ہو پھر تمہارا خیال ہے کہ تم نیک اعمال کے لیے مال جمع کرتے ہو اے دھوکے کے شکار! اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے سمجھ اور اپنے دعویٰ کے سلسلے میں حیا کر۔ اگر تو اس فتنے میں مبتلا ہے کہ مال اور دنیا کو پسند کرتا ہے تو اس بات کا اقرار کر کہ ضرورت کے مطابق مال پر راضی رہنا اور زائد مال سے بچنا ہی فضیلت کا باعث ہے۔ ہاں مال جمع کرتا ہے تو اپنے نفس کو حقیر جان اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کر۔ حساب سے ڈر کیونکہ مال جمع کرنے پر دلائل پیش کرنے کی نسبت یہ بات زیادہ نجات دہندہ اور باعث فضیلت ہے۔

میرے بھائی! اس بات کو جان لو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں حلال مال موجود تھا اس کے باوجود وہ مال سے باقی تمام لوگوں کی نسبت زیادہ بچتے تھے اور وہ بھی جائز مال سے۔

جب کہ ہم ایسے زمانے میں ہیں جب حلال مال مفقود ہے حتیٰ کہ یومیہ روزی اور ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑا بھی حلال مال سے میسر نہیں اللہ تعالیٰ مال جمع کرنے سے ہمیں بھی اور تمہیں بھی بچائے۔

---

(۱)

(۲) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۶۹

پھر یہ بات بھی ہے کہ تقویٰ اور زہد میں ہمارا صحابہ کرام سے کیا مقابلہ؟ ان کی طرح دل اور اچھی نیت ہمارے پاس کہاں ہے۔

آسمان کے رب کی قسم! ہم لوگ نفس کی بیماری اور خواہشات میں پھنسے ہوئے ہیں اور عنقریب قیامت کی حاضری ہو گی۔ قیامت کے دن وہ لوگ سعادت مند ہوں گے جو ہلکے پھلکے ہوں گے اور جن لوگوں نے زیادہ اور مخلوط مال اکٹھا کیا وہ بہت زیادہ غمگین ہوں گے اگر تم قبول کرو تو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں لیکن قبول کرنے والے بہت کم ہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اور تمہیں بھی ہر قسم کی نیکی کی توفیق عطا فرمائے"۔

حضرت حارث محاسبی کا کلام مکمل ہو گیا اس کلام میں مالداری پر فقر کی فضیلت کو کافی حد تک ظاہر کر دیا گیا ہے ہم نے دنیا کی مذمت اور فقر و زہد کے بیان میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز اس سلسلے میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی شہادت دیتی ہے (واقعہ یوں ہے کہ) ثعلبہ بن حاطب نے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس پر تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس پر تو شکر ادا نہ کر سکے ثعلبہ نے پھر عرض کیا کہ میرے لیے مال کی دعا کریں آپ نے فرمایا اے ثعلبہ! تمہارے لیے میری زندگی میں نمونہ ہے کیا تو اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرح ہونا نہیں چاہتا سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں چاہوں کہ یہ پہاڑ میرے ساتھ سونا اور چاندی بن کر چلیں تو یہ چل پڑیں گے، ابو ثعلبہ نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ مجھے مال عطا فرمائے تو میں ضرور (اس میں سے) ہر حق دار کا حق ادا کروں گا۔ اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی، یا اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما دے"، اس نے کچھ بکریاں لیں اور وہ کیڑوں کی طرح بڑھنا شروع ہو گئیں حتیٰ کہ مدینہ طیبہ میں جگہ تنگ ہو گئی تو وہ وہاں سے ایک وادی میں چلا گیا یہاں تک کہ وہ ظہر اور عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا اور باقی نمازوں میں جماعت کو چھوڑ دیتا پھر وہ اور زیادہ ہو گئیں تو وہ وہاں سے بھی آگے چلا گیا حتیٰ کہ جمعۃ المبارک کے علاوہ باقی تمام نمازوں کی جماعت چھوٹ گئی اور بکریاں کیڑے مکوڑوں کی طرح بڑھتی رہیں حتیٰ کہ جمعہ کی نماز بھی چھوڑ دی جمعۃ المبارک کے دن وہ مسافروں سے ملاقات کر کے مدینہ طیبہ کے حالات پوچھ لیتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں پوچھتے ہوئے فرمایا ثعلبہ بن حاطب کو کیا ہوا؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اس نے بکریاں لی تھیں مدینہ طیبہ میں جگہ تنگ پڑ گئی پھر سارا واقعہ بتا دیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا ثعلبہ کے لیے ہلاکت ہے، اس کے بعد یہ آیت کریمہ اتری۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول کریں اور یوں ان

وَتُزَكِّيهِمْ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (۱)

کو پاک کر دیں اور ان کے لیے دعائے رحمت کریں بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون کا باعث ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ بھی فرض فرما دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی قبیلہ جھینہ سے اور ایک قبیلہ بنو سلیم سے زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر فرمایا ان کو صدقہ کی وصولی کا اختیار نامہ لکھ کر دیا اور حکم فرمایا کہ وہ جائیں اور مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کریں اور فرمایا کہ ثعلبہ اور فلاں فلاں کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کہو وہ دونوں رخصت ہوئے حتیٰ کہ ثعلبہ کے پاس گئے اور اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا نیز اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط بھی پڑھوایا، اس نے کہا یہ تو ٹیکس ہے اور ٹیکس کا بھائی ہے جاؤ فارغ ہو کر میرے پاس آنا۔ وہ ایک سلمی کے پاس گئے تو اس نے عمدہ عمدہ مال کی چھانٹی کر کے صدقہ کے لیے رکھا پھر ان دونوں کے سامنے پیش کیا انہوں نے دیکھ کر فرمایا تم پر یہ واجب نہیں اور نہ ہی ہم لیں گے اس نے کہا کوئی بات نہیں اسے لے لو میں خوشی سے دے رہا ہوں یہ اسی لیے ہے کہ تم اسے لو جب وہ دونوں صدقہ کی وصولی سے فارغ ہوئے تو واپس لوٹتے ہوئے ثعلبہ کے پاس آئے اور اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اس نے کہا مجھے تحریر دکھاؤ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا یہ تو جزیہ کی بہن ہے تم جاؤ میں سوچوں گا وہ دونوں وہاں سے رخصت ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا ثعلبہ کے لیے ہلاکت ہے حالانکہ ابھی ان دونوں نے آپ کو صورت حال بتائی نہیں تھی (۲)

پھر انہوں نے ثعلبہ سے متعلق تمام واقعہ بتایا اور جو کچھ اس سلمی نے کیا تھا وہ بھی عرض کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا

اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے پس جب اس نے ان کو اپنا فضل عطا فرمایا تو انہوں نے اس میں بخل سے کام لیا اور منہ پھیرتے ہوئے پھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا جب وہ اس سے ملاقات کریں گے کیوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۱۰۳

(۲) معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے غیب کی باتیں جانتے ہیں ۱۲ ہزاروی

يَكْذِبُونَ (۱) سے کئے گئے وعدہ کی خلاف ورزی کی اور جھوٹ بولا۔

اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کا رشتہ دار ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اس نے ثعلبہ کے بارے میں نازل ہونے والی آیت سنی وہ وہاں سے نکل کر ثعلبہ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ثعلبہ! تیری ماں مرے تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی آیت نازل فرمائی ہے۔ ثعلبہ وہاں سے نکل کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے صدقہ قبول کرنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارا صدقہ قبول کرنے سے روک دیا ہے وہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے اپنے عمل کی سزا ہے میں نے تمہیں حکم دیا لیکن تم نے میری بات نہ مانی جب آپ نے اس سے کچھ قبول کرنے سے انکار فرمایا تو وہ واپس اپنے مقام پر چلا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بھی اس سے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ثعلبہ کا انتقال ہو گیا۔ (۲)

تو یہ مال کی سرکشی اور نحوست ہے جو اس حدیث سے تمہارے لئے واضح ہے یہی وجہ ہے کہ فقر کی برکت اور مالداری کی نحوست کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے اہل بیت کے لیے فقر کو ترجیح دی ہے حتیٰ کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے بارگاہ نبوی میں ایک مقام حاصل تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اے عمران! ہمارے ہاں تمہاری قدر و منزلت ہے اگر تم چاہو تو حضرت (خاتون جنت) فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے جاؤ، (فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا جی ہاں میں جاؤں گا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا حتیٰ کہ حضرت خاتون جنت کے مکان کے دروازے پر جا کھڑا ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا ''السلام علیکم''، کیا میں آسکتا ہوں؟

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! تشریف لائیے آپ نے فرمایا میں بھی اور جو کوئی میرے ساتھ ہے وہ بھی؟ انہوں نے عرض کیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ میں انہوں نے عرض

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۷۵، ۷۶، ۷۷

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۲۶۰، ۲۶۱ حدیث ۷۸۷۳

کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے میرے اوپر ایک چوغہ ہے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ اسے اپنے اوپر اس طرح اس طرح لپیٹ لیں انہوں نے عرض کیا میں نے اپنا جسم تو چھپا لیا سر کو کیسے ڈھانپوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پرانی چادر تھی آپ نے ان کی طرف پھینک دی اور فرمایا اس کے ساتھ اپنا سر لپیٹ لو۔ (فرماتی ہیں) پھر میں نے اجازت دی تو آپ تشریف لائے اور فرمایا السلام علیک اے میری بیٹی! تمہارا کیا حال ہے انہوں نے عرض کیا حضور! مجھے درد ہے اور اس درد میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہو گیا کہ میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے مجھے بھوک نے نڈھال کر دیا ہے (یہ سن کر) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور فرمایا اے میری لخت جگر! مت گھبرا اللہ کی قسم میں نے بھی تین دن سے کھانا نہیں چکھا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تیری نسبت میرا مقام زیادہ ہے اگر میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں تو وہ مجھے کھلائے گا۔ لیکن میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت خاتون جنت کے کاندھے پر مارا اور فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اللہ کی قسم! تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ انہوں نے عرض کیا فرعون کی بیوی حضرت آسیہ اور حضرت مریم بنت عمران (رضی اللہ عنہما) کا کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا آسیہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں، حضرت مریم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں، حضرت خدیجہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو گی۔

تم ایسے مکان میں رہو گی جس میں کوئی تکلیف اور شور و شغب نہ ہو گا پھر فرمایا اپنے چچا زاد (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے) کے ساتھ قناعت کرو میں نے تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو دنیا میں بھی سردار ہے اور آخرت میں بھی۔ (۱)

تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی حالت دیکھو حالانکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگر گوشہ ہیں انہوں نے کس طرح فقر کو ترجیح دی اور مال کو ترک فرمایا۔ جو شخص انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے حالات اور ان کے اقوال اور ان سے مروی روایات و آثار کو سامنے رکھتا ہے اسے اس بات میں کسی قسم کا شک نہیں ہوتا کہ مال کا نہ ہونا اس کے ہونے سے افضل ہے اگرچہ نیک کاموں پر خرچ کرے اس لیے کہ حقوق کی ادائیگی، شبہات سے اجتناب اور نیک کاموں میں خرچ کرنے کے باوجود اس میں (مال میں) ادنیٰ بات یہ ہے کہ اس کی اصلاح کی فکر رہتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے پھیر دیتا ہے کیونکہ ذکر فراغت کی صورت میں ہی ہوتا ہے اور مال میں مشغولیت کی صورت میں فراغت نہیں ہوتی حضرت جریر، حضرت لیث سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہما) وہ فرماتے ہیں ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا اس نے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گا وہ دونوں چلے جب نہر کے کنارے پر پہنچے تو دونوں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے ان کے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۶ مرویات معقل بن یسار (کافی تبدیلی کے ساتھ)

پاس تین روٹیاں تھیں انہوں نے دو روٹیاں کھالیں اور تیسری روٹی باقی رہ گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہر کی طرف تشریف لے گئے اور پانی نوش فرمایا واپس لوٹے تو روٹی نہ پائی اس آدمی سے پوچھا روٹی کون لے گیا ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں راوی فرماتے ہیں آپ تشریف لے گئے وہ آدمی بھی آپ کے ساتھ تھا آپ نے ایک ہرنی دیکھی جس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے آپ نے ان میں سے ایک بچے کو بلایا وہ آیا تو آپ نے اسے ذبح کر کے اس میں سے ایک بچے کو بلایا وہ آیا تو آپ نے اسے ذبح کر کے اس میں سے کچھ گوشت بھونا اور آپ نے بھی اور اس شخص نے بھی کھایا پھر اس بچے سے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ جا وہ اٹھ کر چلا گیا آپ نے اس شخص سے فرمایا اس ذات کے نام پر تجھ سے پوچھتا ہوں جس نے تجھے یہ معجزہ دکھایا بتا روٹی کون لے گیا؟ اس نے کہا مجھے علم نہیں۔

پھر دونوں ایک پانی کے پاس پہنچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس آدمی کا ہاتھ پکڑا اور دونوں پانی پر چلنے لگے جب اس سے پار پہنچ گئے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا جس ذات نے تجھے یہ معجزہ دکھایا ہے اس کے نام پر پوچھتا ہوں بتا روٹی کون لے گیا ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں پھر دونوں ایک جنگل میں پہنچ گئے وہ دونوں بیٹھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی جمع کر کے ایک ڈھیر بنایا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے سونا بن جا، وہ سونا بن گیا آپ نے اس کے تین حصے کئے پھر فرمایا ایک تہائی میرا ہے دوسرا تہائی اور تیسرا تہائی اس آدمی کا ہے جس نے روٹی لی ہے اس نے کہا روٹی میں نے لی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ تمام سونا تمہارا ہے اور آپ نے اس سے جدائی اختیار کر لی۔

اب دو آدمی اس شخص کے پاس آئے اور وہ ابھی جنگل میں ہی تھا اور اس کے پاس مال بھی تھا انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کو قتل کر کے مال لے جائیں۔ اس نے کہا یہ مال ہم تینوں برابر برابر تقسیم کر سکتے ہیں ایک آدمی کو بستی میں بھیجو تا کہ وہ کھانا لائے اور ہم کھائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک کو بھیج دیا جو شخص کھانے کے لیے بھیجا گیا تھا اس نے سوچا مال تقسیم کرنے کی کیا ضرورت ہے میں کھانے میں زہر ملا دیتا ہوں تا کہ وہ دونوں ہلاک ہو جائیں اور میں تمام مال لے جاؤں چنانچہ اس نے اسی طرح کیا ادھر ان دونوں نے مشورہ کیا کہ وہ تہائی کیوں لے جائے وہ واپس آئے تو ہم اسے قتل کر دیں گے اور مال آپس میں تقسیم کر لیں گے چنانچہ جب وہ واپس آیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا اور کھانا کھایا تو وہ دونوں بھی مر گئے اسی طرح جنگل میں پڑا رہ گیا اور وہ تینوں اس کے پاس مرے پڑے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں سے گزرے تو اس حالت کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا دیکھو دنیا کا یہ حال ہے لہٰذا اس سے بچو۔

منقول ہے کہ سکندر ذوالقرنین ایک قوم کے پاس سے گزرے تو ان کے پاس دنیا کا کوئی بھی سامان نہ تھا جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ قبریں کھودتے جب صبح ہوئی تو ان قبروں کی صفائی کرتے اور ان کے پاس نماز پڑھتے جانوروں کی طرح ساگ سبزیاں چرتے اور ان کے لیے وہاں ہر طرح کی سبزی موجود تھی۔ ذوالقرنین نے ان کے بادشاہ کے پاس پیغام بھیج کر اسے بلایا اس نے کہا مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے اگر سے کوئی کام ہے تو

وہ میرے پاس آئے حضرت ذوالقرنین نے فرمایا اس نے ٹھیک کہا ہے چنانچہ وہ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا میں نے پیغام بھیج کر تمہیں بلایا تھا تو نے انکار کیا تو میں خود آگیا ہوں اس نے کہا اگر مجھے کوئی کام ہوتا تو میں حاضر ہو جاتا۔

حضرت ذوالقرنین نے اس سے پوچھا کہ میں نے تم لوگوں کو ایسی حالت میں دیکھا ہے جس پر کسی دوسری قوم کو نہیں دیکھا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا تمہارے پاس دنیا کی کوئی چیز نہیں ہے تم سونا اور چاندی لے کر اس سے نفع کیوں نہیں اٹھاتے انہوں نے کہا ہم نے سونے اور چاندی کو اس سے برا جانا ہے کہ جس کسی کو ان میں سے کچھ مل جاتا ہے وہ اس سے بھی افضل چاہتا ہے پوچھا تم نے قبریں کیوں کھودی ہیں صبح ہوتی ہے تو تم ان کو صاف کرتے ہو اور وہاں نماز پڑھتے ہو۔ انہوں نے کہا ہمارا مقصد یہ ہے کہ اگر ہمیں دنیا کی کوئی طمع ہو جائے تو ان کو دیکھ کر ہم اس سے رک جائیں پوچھا تمہارا کھانا صرف زمین کی سبزی کیوں ہے؟ تم جانور کیوں نہیں پالتے ان کا دودھ حاصل کرو ان پر سواری کرو اور اس کے علاوہ فائدہ اٹھاؤ، انہوں نے کہا ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ ہم اپنے پیٹوں کو قبریں بنائیں اس سبزی سے ہماری گزر اوقات ہو جاتی ہے اور انسان کو زندگی گزارنے کے لیے ادنیٰ چیز ہی کافی ہے اور حلق سے نیچے اگر کر سب چیزیں ایک جیسی ہو جاتی ہیں ان کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا پھر اس زمین کے بادشاہ نے ذوالقرنین کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر ایک کھوپڑی اٹھائی اور پوچھا اے ذوالقرنین! تم جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا نہیں میں نہیں جانتا بتاؤ یہ کون ہے؟ اس نے کہا یہ زمین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے زمین پر بادشاہی عطا فرمائی تو اس نے سرکشی اور ظلم و ستم کیا، اللہ تعالیٰ نے جب اس کا یہ عمل دیکھا تو موت کے ذریعے اس کو ختم کر دیا پس اب یہ ایک پتھر کی طرح پڑا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کے اعمال کا علم ہے اور قیامت کے دن اسے ان کا بدلہ دے گا پھر ایک اور پرانی کھوپڑی اٹھائی اور پوچھا اے ذوالقرنین! آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ کہا میں نہیں جانتا تم ہی بتاؤ یہ کون ہے؟ اس نے کہا اسے پہلے بادشاہ کے بعد بادشاہی ملی اس نے پہلے بادشاہ کی سرکشی، ظلم اور جبر کو دیکھا تھا پھر اس نے تواضع اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا اپنے کارندوں کو انصاف کا حکم دیا تو اب اس طرح ہو گیا جس طرح آپ دیکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال بھی محفوظ رکھے اور آخرت میں اسے ان کا بدلہ دے گا۔

پھر اس نے ذوالقرنین کی کھوپڑی کی طرف جھک کر کہا یہ بھی ان دونوں کی طرح ہو جائے گی اے ذوالقرنین! جو عمل بھی کرو دیکھ بھال کر کرو، ذوالقرنین نے اس سے کہا کیا تم میرے ساتھ چلتے ہو میں تمہیں اپنا بھائی اور وزیر و مشیر بناؤں گا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا اس میں تمہیں شریک کروں گا اس نے کہا میں اور آپ ایک جگہ نہیں رہ سکتے ذوالقرنین نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا اس لیے کہ تمام لوگ تمہارے دشمن اور میرے دوست ہیں پوچھا وہ کیوں؟ اس نے کہا تمہارے پاس جو مال ہے وہ اس کی وجہ سے تم سے دشمنی کرتے ہیں اور میرے پاس چونکہ مال نہیں لہٰذا مجھ سے کوئی بھی دشمنی نہیں کرتا اور پھر یہ کہ میں حاجت مند ہوں اور میرے پاس مال بھی کم ہے راوی کہتے ہیں ذوالقرنین اس شخص پر تعجب کرتے ہوئے

اور اس سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے واپس چلا گیا۔
ان حکایات سے اور اس سے پہلے جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ مالدار کی آفات کیا ہیں ——— اور اللہ تعالیٰ ہی (بچنے کی) توفیق دینے والا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مال اور بخل کی مذمت کا بیان مکمل ہوا۔

——— ٥ ———
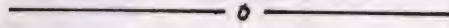
۸- جاہ و مرتبہ اور ریاکاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم !

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا اور دل کے بھیدوں پر مطلع ہے کبیرہ گناہوں سے درگزر کرنے والا اور دلوں میں پوشیدہ عیبوں اور دل کی نیتوں کو جاننے والا ہے وہ ان ہی اعمال کو قبول کرتا ہے جو مکمل اور پورے ہوں نیز وہ دکھاوے اور شرک کے شائبے سے بھی محفوظ ہوں - اور رحمت و سلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب پر ہو جو خیانت اور جھوٹ سے پاک تھے بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ـــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِی الرِّیَاءُ وَالشَّھْوَۃُ الْخَفِیَّۃُ اَلَّتِی ھِیَ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلَۃِ السَّوْدَاءِ عَلَی الصَّخْرَۃِ الصَّمَّاءِ۔[1]

مجھے اپنی امت پر ریا اور پوشیدہ خواہشات کا زیادہ خوف ہے جو اندھیری رات میں صاف پتھر پر چلنے والی سیاہ چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔"

اسی لیے اس کی آفات سے بڑے بڑے علماء بھی آگاہ نہیں ہو سکے عام عبادت گزار اور متقی لوگ تو ایک طرف رہے یہ نفس کے آخری ہلاک کرنے والے امور اور باطنی مکر و فریب سے ہے اس میں علماء عبادت گزار اور آخرت کی منزل طے کرنے والے مبتلا کیے جاتے ہیں وہ بعض اوقات اپنے نفس کو مجاہدے کے ذریعے مغلوب کر کے خواہشات سے الگ کرتے اور شبہات سے بچاتے ہیں اور زبردستی اس سے طرح طرح کی عبادات کرواتے ہیں تو ان کے نفس اس بات سے تو عاجز ہوتے ہیں کہ ظاہری گناہ جو اعضاء پر واقع ہوتا ہے اس کی طمع کریں لیکن وہ نیکی کو ظاہر کرنے کے ذریعے راحت کے طالب ہوتے ہیں عمل اور علم کو ظاہر کرتے ہیں تو اب مشاہدے کی مشقت سے چھٹکارا پا کر مخلوق کے ہاں مقبولیت اور ان کی طرف سے اپنی تعظیم و توقیر کی لذت حاصل کرتے ہیں اب اس صورت میں نفس علم و عمل کو ظاہر کرنے کی جلدی کرتا ہے مخلوق کی اطلاع کے راستے تلاش کرتا ہے اور خالق کی اطلاع پر قناعت نہیں کرتا اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں خالق کی طرف سے حاصل ہونے والی تعریف پر قناعت نہیں کرتا اسے معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے گا کہ وہ خواہشات کو چھوڑتا ہے، شبہات سے اجتناب کرتا ہے عبادات میں سخت مشقت برداشت کرتا ہے تو ان کی زبانوں

---

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۳۳۲ حدیث ۶۸۲۷

پر اس کی تعریف جاری ہوگی اور وہ اس کی تعریف میں خوب لطب اللسان ہوں گے وہ اسے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھیں گے اس کی ملاقات اور زیارت کو باعث برکت سمجھیں گے اس کی دعا کی برکت میں رغبت رکھیں گے اس کی رائے پر چلنے کی حرص کریں گے اسے جہاں دیکھیں گے خدمت کریں گے اور سلام پیش کریں گے محافل میں اس کی بہت زیادہ عزت کریں گے خرید و فروخت اور معاملات میں اس سے مروّت برتیں گے مجالس میں اسے آگے کریں گے کھانے اور لباس میں اسے ترجیح دیں گے اس کے سامنے تواضع کرتے ہوئے اپنے آپ کو چھوٹا ظاہر کریں گے اس کے کاموں میں اس کی عزت کرتے ہوئے جھک جائیں گے —— اس طرح نفس کو بہت زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ سب سے بڑی لذت ہے یہ تمام خواہشات پر غالب ہے اس طرح گناہوں کا چھوڑنا اسے معمولی بات معلوم ہوتی ہے اور عبادت پر دوام کی سختی نرمی سمجھی جاتی ہے کیوں کہ وہ باطنی طور پر لذتوں کی لذت اور تمام شہوات سے بڑی شہوت کا ادراک کر لیتا ہے۔

وہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی مرضی کے مطابق گزر رہی ہے حالانکہ اس کی زندگی اس پوشیدہ خواہش کے تحت گزرتی ہے جس کے ادراک سے نہایت مضبوط عقلیں بھی عاجز ہیں وہ سمجھتا ہے کہ وہ عبادت خداوندی میں مخلص ہے اور اللہ تعالیٰ کے محارم سے اجتناب کرنے والا ہے۔

حالانکہ بندوں کے سامنے زینت اور تصنع کے لیے نفس نے اس خواہش کو چھپا رکھا ہے اسے جو عزت و وقار ملتا ہے اس پر وہ خوش ہوتا ہے اس طرح عبادات اور عمدہ اعمال کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور اس کا نام منافقوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔

یہ نفس کا مکر و فریب ہے اس سے صرف صدّیقین ہی بچ سکتے ہیں یہ ایسا گڑھا ہے جس سے مقربین کے علاوہ کوئی بھی اوپر نہیں آسکتا اسی لیے کہا گیا ہے کہ صدیقین سے سب سے آخر میں جاہ و مرتبہ کی محبت دور ہوتی ہے جب ریاکاری ایک باطنی بیماری ہے جو شیطانوں کا بہت بڑا جال ہے تو اس کے سبب، حقیقت، درجات، اقسام، طریقہ علاج اور اس سے پرہیز کی تشریح ضروری ہے اس اعتبار سے اس بیان کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا حصہ: جاہ و مرتبہ اور شہرت کی چاہت

اس میں درج ذیل امور بیان ہوں گے۔

(۱) شہرت کی مذمت (۲) عاجزی کی فضیلت (۳) جاہ و مرتبہ کی مذمت (۴) جاہ و مرتبہ کا معنیٰ اور حقیقت (۵) آدمی کا محبوب ہو جانا مال کی محبت سے بھی زیادہ سخت ہے (۶) جاہ و مرتبہ و بھی کمال ہے حقیقی کمال نہیں ہے (۷) جاہ و مرتبہ کی محمود اور مذموم محبت (۸) تعریف کی چاہت اور مذمت کی کراہیت کا سبب (۹) جاہ و مرتبہ کی محبت کا علاج (۱۰) مدح کی چاہت کا علاج (۱۱) مذمت کی کراہت کا علاج (۱۲) مدح اور مذمت کے سلسلے میں لوگوں کے حالات کا مختلف ہونا۔

یہ کل بارہ فصلیں ہیں ان سے ریاکاری کا مفہوم پیدا ہوتا ہے لہذا پہلے ان کا بیان کرنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم اور احسان سے سیدھے راستے کی توفیق دینے والا ہے۔

پہلی فصل :

شہرت اور لوگوں میں مشہوری

جان لو! اللہ تعالیٰ تمہیں بھلائی عطا فرماتے جاہ کا مطلب لوگوں میں مشہوری ہے اور یہ مذموم ہے بلکہ گمنامی قابل تعریف ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنے دین کے پھیلانے کے لیے مشہور کر دے اور اس میں حصول شہرت کے لیے تکلیف نہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حَسْبُ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یُّشِیْرَ النَّاسُ اِلَیْهِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنِهٖ وَدُنْیَاهُ اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔ (۱)

کسی انسان کی برائی کے لیے یہی کافی ہے کہ لوگ اس کے دین یا دنیا کے حوالے سے اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کریں البتہ جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الشَّرِّ اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ مِنَ السُّوْءِ اَنْ یُّشِیْرَ النَّاسُ اِلَیْهِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنِهٖ وَدُنْیَاهُ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ۔ (۲)

کسی شخص کی برائی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ لوگ اس کی طرف اس کے دین اور دنیا کے حوالے سے انگلیوں سے اشارہ کریں البتہ جس کو اللہ تعالیٰ برائی سے محفوظ فرمائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے جب یہ حدیث روایت کی تو آپ سے عرض کیا گیا اے ابوسعید! لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی طرف انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں تو انہوں نے اس حدیث کی یوں تاویل فرمائی اور اس تاویل میں حرج نہیں کہ اس سے یہ بات مراد نہیں بلکہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو دین میں بدعت نکالتا ہے اور دنیا میں فاسق ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خرچ کرو لیکن مشہور نہ کرو۔ اپنی شخصیت کو اس طرح بلند نہ کرو کہ تمہارا ذکر کیا جائے

---

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۳۶۷ حدیث ۶۹۷۷

(۲) کنزالعمال جلد ۳ ص ۴۵۹ حدیث ۷۵۳۵

اور لوگ تمہیں جانیں بلکہ اپنے آپ کو چھپا کر رکھو اور خاموشی اختیار کرو محفوظ رہو گے۔

نیک لوگوں کو خوشی ہوگی اور بدکار لوگوں کو غصہ آئے گا ـــــ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا جس نے شہرت کو اچھا سمجھا اس نے اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہیں کی۔

حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! اس وقت تک بندہ اللہ تعالیٰ کو سچا نہیں جانتا جب تک اسے یہ بات پسند نہ ہو کہ لوگ اس کے مکان سے بے خبر ہوں۔

حضرت خالد بن معدان رحمہ اللہ کے حلقہ میں جب لوگ زیادہ ہو جاتے تو وہ شہرت کے خوف سے اٹھ کر چلے جاتے۔

حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب ان کے پاس تین سے زیادہ آدمی بیٹھتے تو وہ اُٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو جو تقریباً دس افراد پر مشتمل تھی اپنے ساتھ چلتے دیکھا تو فرمایا طمع کی مکھیاں اور جہنم کے پروانے ہیں۔

حضرت سلیم بن حنظلہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دیکھا اور اپنا کوڑا بلند کیا انہوں نے عرض کیا امیر المومنین! دیکھئے آپ کیا کر رہے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ یہ طریقہ پیچھے چلنے والے کے لیے ذلت اور آگے چلنے والے کے لیے آزمائش ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تو کچھ لوگ ان کے پیچھے ہو گئے آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میرے پیچھے کیوں چلتے ہو۔ اللہ کی قسم اگر تمہیں وہ بات معلوم ہو جائے جس کی وجہ سے میں اپنا دروازہ بند رکھتا ہوں تو تم میں سے دو آدمی بھی میرے پیچھے نہ چلیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مردوں کے اردگرد (یا پیچھے) جوتوں کی آواز بیوقوفوں کے دل کم توجہ کرتے ہیں۔

آپ ایک دفعہ باہر تشریف لائے تو ایک جماعت آپ کے پیچھے ہو گئی آپ نے پوچھا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟ اگر نہیں تو ہو سکتا اس طریقے سے دل میں کچھ معرفت باقی نہ رہے۔

مروی ہے کہ ایک شخص ابن محیریز کے ساتھ سفر میں گیا جب جدا ہونے لگا تو کہا مجھے کوئی نصیحت کیجئے انہوں نے فرمایا اگر تم سے ہو سکے تو اس طرح ہو جاؤ کہ تم دوسروں کو جان لو لیکن تمہیں کوئی نہ جانے تم چلو تو تمہارے ساتھ کوئی نہ چلے تم پوچھو تو تم سے کوئی نہ پوچھے۔

حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ ایک سفر میں نکلے تو بہت سے لوگ ان کے پیچھے چل پڑے تو آپ نے فرمایا اگر مجھے اس بات کا علم نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس بات کو برا جانتا ہوں تو مجھے عذاب کا ڈر ہوتا۔

حضرت معمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک دن حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ کی قمیص کے لمبا ہونے کے باعث ان کو چھیڑا تو انہوں نے فرمایا پہلے زمانے میں قمیص کا لمبا ہونا شہرت کا باعث تھا لیکن آج اس کو اوپر چڑھانے میں شہرت ہے۔ بعض اکابر سے منقول ہے فرماتے ہیں میں حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ کے ساتھ تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا جس نے بہت سے کپڑے پہنے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا اس بولنے والے گدھے سے بچو ان کا اشارہ طلب شہرت کی طرف تھا۔

حضرت ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسلاف شہرت سے بچتے تھے چاہے وہ عمدہ کپڑوں کے ذریعے ہو یا ہلکے قسم کے کپڑوں سے کیوں کہ نگاہیں دونوں کی طرف اٹھتی ہیں۔

ایک شخص نے حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا اپنے ذکر کو مخفی رکھو اور حلال کھانا کھاؤ۔

حضرت حوشب رحمہ اللہ روتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا نام جامع مسجد تک پہنچ گیا ہے حضرت بشر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو شہرت چاہتا ہو اور اس کا دین تباہ اور وہ خود ذلیل نہ ہوا ہو انہوں نے یہ بھی فرمایا، جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ لوگوں میں مشہور ہو وہ آخرت کی لذت نہیں پا سکتا۔

دوسری فصل:

گمنامی کی فضیلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ۔ (۱)

بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے چہرہ گرد آلود پرانے کپڑوں والے جن کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کرتا ہے ان میں حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رُبَّ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ لَوْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ لَاَعْطَاهُ الْجَنَّةَ وَلَمْ یُعْطِهٖ مِنَ

کئی دو پرانے کپڑوں والے جن کو ٹھکانہ نہیں دیا جاتا اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں تو وہ اسے پورا کرتا ہے اگر وہ یوں کہے اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں تو

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۹ کتاب البر والصلۃ

الدُّنیَا شَیْئًا۔

اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرماتا ہے لیکن اسے دنیا میں سے کچھ نہیں دیتا۔

(۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُّسْتَضْعَفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ وَاَھْلُ النَّارِ کُلُّ مُتَکَبِّرٍ مُّسْتَکْبِرٍ جَوَّاظٍ۔

کیا میں تمہیں جنتی لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہر کمزور جسے کمزور کر دیا گیا اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کرتا ہے اور ہر متکبر اکڑ کر چلنے والا جہنم میں جائے گا۔

(۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جنت میں جانے والا ہر وہ شخص ہے جو بکھرے بالوں اور گرد آلود چہرے والا ہے اس کے کپڑے پرانے ہیں اور اسے کوئی ٹھکانہ نہیں دیتا یہ لوگ جب بادشاہوں کے پاس جانے کی اجازت طلب کرتے ہیں تو ان کو اجازت نہیں دی جاتی اور جب عورتوں سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو ان سے نکاح نہیں کیا جاتا جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے لیے خاموشی اختیار نہیں کی جاتی ان کی ضرورتیں ان کے سینوں میں حرکت کرتی ہیں اگر قیامت کے دن ان کے نور کو تقسیم کیا جائے تو تمام لوگوں کو پورا ہو جائے (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ لَوْ اَتٰی اَحَدَکُمْ یَسْاَلُہٗ دِیْنَارًا لَمْ یُعْطِہٖ اِیَّاہُ وَلَوْ سَاَلَہٗ دِرْھَمًا لَمْ یُعْطِہٖ اِیَّاہُ وَلَوْ سَاَلَہٗ فَلْسًا لَمْ یُعْطِہٖ اِیَّاہُ وَلَوْ سَاَلَ اللّٰہَ الْجَنَّۃَ لَاَعْطَاہُ اِیَّاھَا وَلَوْ سَاَلَہٗ الدُّنْیَا لَمْ یُعْطِہٖ اِیَّاھَا وَمَا مَنَعَھَا اِیَّاہُ اِلَّا لِھَوَانِھَا عَلَیْہِ ذُوْ طِمْرَیْنِ لَا یُؤْبَہُ لَہٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ

میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ تم میں سے کسی ایک کے پاس آ کر ایک دینار مانگیں تو انہیں کوئی بھی نہ دے اور اگر ایک پیسہ مانگیں تو بھی کوئی نہ دے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطا فرما دے اور اگر وہ اس سے دنیا مانگیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا نہیں دیتا اور ان سے دنیا اس لیے روکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر ہے، بہت سے دو چادروں

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۲۶۷ حدیث ۳۲۴۵

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۸۵ کتاب الایمان والنذور

(۳)

لَاَبَرَّہٗ ۔ (۱) والے اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کرتا ہے ۔

ایک روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس روتا ہوا دیکھا پوچھا کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

اِنَّ الْیَسِیْرَ مِنَ الرِّیَاءِ شِرْکٌ وَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْاَتْقِیَاءَ الْاَخْفِیَاءَ الَّذِیْنَ اِنْ غَابُوْا لَمْ یُفْتَقَدُوْا وَاِنْ حَضَرُوْا لَمْ یُعْرَفُوْا قُلُوْبُھُمْ مَصَابِیْحُ الْھُدٰی یَنْجُوْنَ مِنْ کُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَۃٍ ،،

تھوڑا سا دکھاوا بھی شرک ہے بے شک اللہ تعالیٰ متقی پوشیدہ رہنے والے لوگوں کو پسند فرماتا ہے وہ لوگ کہ جب غائب ہوں تو لوگ ان کو تلاش نہیں کرتے جب کہیں آتیں تو ان کو کوئی جانتا نہیں ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر گرد آلود اندھیرے مقام سے نجات پاتے ہیں۔ (۲)

حضرت محمد بن سوید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں قحط پڑ گیا اور وہاں ایک نیک شخص تھا جس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی تھی وہ مسجد نبوی میں رہتا تھا۔ جب لوگ دعا مانگ رہے تھے تو ایک شخص آیا جس نے دو پرانے کپڑے پہن رکھے تھے اس نے دو مختصر رکعتیں پڑھیں پھر ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی ——— "اے میرے رب میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ اسی وقت ہم پر بارش برسا دے،، اس نے ابھی اپنے ہاتھ واپس نہیں کئے تھے اور دعا بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ آسمان بادلوں سے ڈھک گیا اور بارش برسنے لگی حتی کہ مدینہ طیبہ والے ڈوبنے کے خوف سے چیخنے چلانے لگے اس نے عرض کیا اے میرے رب! اگر تیرے علم کے مطابق یہ بارش کافی ہے تو ان سے اٹھا دے اسی وقت بارش تھم گئی۔

پھر یہ نیک مرد (جو مسجد میں رہتا تھا) اس بارش مانگنے والے کے پیچھے چلا حتی کہ اس کا گھر معلوم کر لیا پھر دوسرے دن سویرے سویرے اس کے گھر گیا اور کہا کہ میں ایک کام کی خاطر آیا ہوں اس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ کہا مجھے اپنی دعاؤں میں خاص کر لیں اس نے کہا سبحان اللہ! آپ مجھ سے یہ سوال کر رہے ہیں حالانکہ آپ تو اعلیٰ مقام والے ہیں پھر پوچھا کہ آپ اس مقام تک کیسے پہنچے جو میں نے دیکھا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لاتا ہوں تو اب جب میں نے دعا کی تو اس نے قبول کر لی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا (لوگو!) علم کے چشمے اور ہدایت کے چراغ بنو، گھروں میں بیٹھے رہو رات

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۵۲

(۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴ کتاب الایمان

کے چراغ اور تازہ دل رہو اور تمہارے کپڑے پرانے ہوں تو آسمان والے تمہیں پہچانیں گے اگرچہ زمین والوں کے نزدیک تم ہلکے سمجھے جاؤ گے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اَغْبَطَ اَوْلِيَائِيْ عَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَفِيْفُ الْحَاذِ ذُوْحَظٍّ مِنْ صَلَاةٍ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهٗ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُشَارُ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ ثُمَّ صَبَرَ عَلٰى ذٰلِكَ۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرا قابل رشک دوست وہ بندہ ہے جس کے اہل وعیال کم ہوں وہ نمازی ہو اپنے رب کی عبادت اچھی طرح کرے پوشیدگی میں بھی اس کی اطاعت کرے اور لوگوں میں گمنام ہو اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جائے پھر اس حالت پر صبر بھی کرے۔

راوی فرماتے ہیں اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پر ہاتھ مارا (تالی نہیں بجائی بلکہ انگلیوں پر انگلیاں ماریں) اور فرمایا اس کی موت جلدی آگئی، اس کی وراثت کم اور رونے والے بھی کم ہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ بندے وہ ہیں جو لوگوں میں اجنبی ہوتے ہیں پوچھا گیا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو اپنے دین کے ساتھ لوگوں سے دور بھاگتے ہیں قیامت کے دن وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہوں گے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو انعامات کئے ہیں ان میں سے بعض کے بارے میں یوں سوال کرے گا کیا میں نے تمہیں نعمت عطا نہیں کی کیا میں نے تمہاری پردہ پوشی نہیں کی کیا میں نے تمہاری شہرت کو گمنامی میں نہیں رکھا۔

حضرت خلیل بن احمد رحمہ اللہ یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں کردے جو تیرے نزدیک نہایت بلند درجہ پر فائز ہیں اور مجھے خود (میرے) اپنے نزدیک سب سے کم مرتبہ بنادے جب کہ لوگوں کے نزدیک مجھے اوسط درجہ کی مخلوق میں سے کردے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اپنے دل کو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے غرباء کے ساتھ صحیح پاتا ہوں جو ایک وقت کی روزی پر قناعت کرنے والے کنارہ کش ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا دنیا میں میری آنکھ کو ایک دن ٹھنڈک نصیب ہوئی ہے میں نے ایک رات شام کی کسی بستی کی ایک مسجد میں گزاری اور مجھے پیٹ کی تکلیف تھی موذن نے مجھے پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا اور مسجد سے باہر

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳، ابواب الزھد

نکال دیا۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ تمہاری پہچان نہ ہو تو ایسا کرو۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی تمہیں نہ پہچانے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تمہاری تعریف نہ ہو اور اس بات میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم، لوگوں کے نزدیک مذموم ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محمود ہو۔

یہ روایات و آثار ہیں جن سے تمہیں شہرت کی مذمت اور گمنامی کی فضیلت کا علم ہو گیا شہرت کا مقصد لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنانا ہے اور یہ خواہش ہر فساد کی جڑ ہے۔

سوال:

اگر تم کہو کہ انبیاء کرام علیہم السلام، خلفاء راشدین اور بڑے بڑے علماء کی شہرت سے زیادہ کس کی شہرت ہو سکتی ہے تو کسی طرح ان سے فضیلت کی نفی ہو گی۔

جواب:

طلبِ شہرت مذموم ہے اگر بندے کی طرف سے کسی تکلف کے بغیر محض عطیۂ خداوندی کے طور پر شہرت حاصل ہو تو یہ مذموم نہیں ہے، ہاں اس سے کمزور لوگوں کو خطرہ ہوتا ہے (ایمان میں) مضبوط لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا جیسے کوئی کمزور آدمی ڈوبنے لگے اور اس کے ارد گرد کئی لوگ ڈوب رہے ہوں تو بہتر یہی ہے کہ اسے کوئی نہ جانتا ہو ورنہ وہ سب اس سے چمٹ جائیں گے اور یہ ان کی وجہ سے مزید کمزور ہو جائے گا لیکن اگر وہ مضبوط ہے تو اس کا تعارف اچھا ہے تاکہ لوگ اس کے ساتھ چمٹ جائیں اور وہ ان کو بچا کر ثواب حاصل کرے۔

تیسری فصل:

جاہ و مرتبہ کی چاہت کی مذمت

ارشاد خداوندی ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا۔ (۱)

یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔

اللہ تعالیٰ نے بلندی اور فساد کے ارادے کو جمع فرمایا اور واضح فرمایا کہ آخرت ان دونوں ارادوں سے خالی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ قصص آیت ۸۳

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۱)

جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے ہم اسے اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور اس کے لیے اس میں کمی نہیں کی جائے گی یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں جہنم کے سوا کچھ نہیں انہوں نے جو کچھ بنایا وہ سب ضائع ہو گیا اور ان کے اعمال بھی برباد ہو گئے۔

یہ آیت بھی اپنے عموم کے مطابق جاہ و مرتبہ کی محبت کو شامل ہے کیوں کہ دنیوی زندگی کی سب سے بڑی لذت اور سب سے بڑی زینت یہی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حُبُّ الْمَالِ وَالْجَاهِ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ۔ (۲)

مال اور مرتبے کی محبت دل میں منافقت کو اس طرح بڑھاتی ہے جس طرح پانی سے سبزی اُگتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا ذِئْبَانِ ضَارِيَانِ أُرْسِلَا فِي زَرِيْبَةِ غَنَمٍ بِأَسْرَعَ إِفْسَادًا مِنْ حُبِّ الشَّرَفِ وَالْمَالِ فِي دِيْنِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ (۳)

دو شکاری کتے جو بکریوں کے ریوڑ پہ چھوڑے جائیں وہ اتنی جلدی اس ریوڑ کو خراب نہیں کرتے جتنی جلدی مرتبے اور مال کی محبت مسلمان کے دین کو خراب کرتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا هَلَاكُ النَّاسِ بِاتِّبَاعِ الْهَوٰى وَحُبِّ الثَّنَاءِ۔ (۴)

لوگوں کی ہلاکت کا باعث خواہش کے پیچھے چلنا اور تعریفی کلمات کو پسند کرنا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان کے ساتھ اس مصیبت سے عافیت چاہتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ ہود آیت ۱۵، ۱۶
(۲) کنز العمال جلد ۳، ص ۵۵ احدیث ۵۹۳۰
(۳) کنز العمال جلد ۱۵ اص ۲۲۰ حدیث ۴۰۶۶۸
(۴)

چوتھی فصل:

جاہ و مرتبہ کا معنیٰ اور حقیقت

جاننا چاہیے کہ مال اور جاہ دنیا کے دو رکن ہیں مال کا معنیٰ ان چیزوں کا مالک ہونا ہے جن سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور جاہ کا مطلب دلوں کا مالک ہونا ہے جن سے اپنی تعظیم اور فرمانبرداری مطلوب ہوتی ہے اور جس طرح مالدار آدمی درہموں اور دیناروں کا مالک ہوتا ہے یعنی اس بات پر قادر ہوتا ہے کہ ان کے ذریعے اپنے اغراض و مقاصد اور خواہشات کی تکمیل تک پہنچ سکے اور تمام نفسانی فوائد حاصل کر سکے اسی طرح جس کو جاہ و مرتبہ حاصل ہوتا ہے وہ لوگوں کے دلوں کا مالک ہوتا ہے یعنی وہ ان میں تصرف پر قادر ہوتا ہے تاکہ ان دلوں کے واسطے سے ان لوگوں سے اپنے مقاصد اور اغراض حاصل کر سکے اور جس طرح آدمی مختلف قسم کے پیشوں سے مال کماتا ہے اسی طرح مختلف معاملات کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے اور دل اسی وقت مسخر ہوتے ہیں جب اس شخص کی معرفت اور اس پر اعتقاد ہو تو جس دل میں کسی شخص کے کسی کمال وصف کا اعتقاد ہو وہ اس کے لیے جھک جاتا ہے اور جس قدر قلبی اعتقاد ہوتا ہے اسی قدر وہ اس کے لیے مسخر بھی ہوتا ہے اسی طرح اس کے دل کا جھکاؤ اس آدمی کے وصف کمال کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے۔

یہ شرط نہیں کہ واقعی اس میں وصف کمال ہو بلکہ اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اس آدمی میں اس وصف کمال کا یقین کر لیتا ہے بلکہ بعض اوقات وہ عدم کمال کو کمال سمجھتا ہے اور اس کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس شخص کے بارے میں اپنے دل میں کمال وصف کا یقین رکھتا ہے کیونکہ دل کا جھکاؤ دل کی ایک حالت اور کیفیت ہے اور دلوں کی حالتیں ان کے اعتقادات، علوم اور تخیلات کے تابع ہوتی ہیں۔

اور جس طرح مال سے محبت کرنے والا غلاموں کا مالک بننا چاہتا ہے اسی طرح جاہ کا طالب آزاد لوگوں کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے اور وہ ان کے دلوں کا مالک بن کر ان کے ظاہر کا مالک بنتا ہے بلکہ جاہ و مرتبے کا طالب جس غلامی کو طلب کرتا ہے وہ بہت بڑھ کر ہے کیوں کہ مالدار آدمی لونڈی اور غلاموں کا زبردستی مالک ہوتا ہے اور وہ لوگ طبعی طور پر اس کو نہیں چاہتے اور اگر ان کو بھاگنے کا راستہ ملے تو اس کی فرمانبرداری سے نکل جائیں لیکن جاہ و مرتبے والے کی اطاعت خوشی سے کی جاتی ہے اور آزاد لوگ طبعی طور پر اس کے غلام بن جاتے ہیں اور اس غلامی اور اطاعت پر خوش ہوتے ہیں لہٰذا جو کچھ یہ طلب کرتا ہے وہ لونڈی غلام کے مالک کی طلب سے بہت زیادہ ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ جاہ کا معنیٰ لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کرنا ہے یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کے وصف کمال کا اعتقاد ہو تو جس قدر وہ اس کے کمال کا اعتقاد رکھتے ہیں اسی قدر ان کے دل کی طرف جھکتے ہیں اور اسی جھکاؤ کے مطابق وہ ان کے دلوں پر قادر ہوتا ہے اور اسے دلوں پر جس قدر قدرت حاصل ہوتی ہے اسی قدر وہ جاہ و مرتبہ پر خوش ہوتا اور

اسے چاہتا ہے۔
تو جاہ کا معنیٰ اور حقیقت یہ ہے اور اس کے نتیجہ میں مدح سرائی اور حد سے بڑھنا ہے کیونکہ جو شخص کسی کمال کا اعتقاد رکھتا ہے وہ اس کے ذکر سے خاموش نہیں رہتا لہٰذا اس کی تعریف کرتا ہے اسی طرح اس جاہ کے نتیجے میں خدمت اور مدد لی جاتی ہے کیوں کہ معتقد اپنے اعتقاد کے مطابق اس کی اطاعت میں بخل سے کام نہیں لیتا تو جس طرح ایک غلام اپنے مالک کے اغراض و مقاصد کے لیے اس کے سامنے مسخر ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی مسخر ہوتا ہے۔
جاہ و مرتبہ کا نتیجہ ایثار اور جھگڑا نہ کرنا تعظیم کرنا سلام میں ابتدا کرنا محافل میں آگے کرنا بلکہ تمام مقاصد میں مقدم کرنا ہے تو جب کسی کے سبب دل میں جاہ آتی ہے تو اس کی علامات اس طرح ظاہر ہوتی ہیں یعنی جب دل میں کسی شخص کی صفات کمال کا اعتقاد آتا ہے چاہے وہ علمی کمال ہو یا عبادت، حسن اخلاق، حسب و نسب ولایت، ظاہری حُسن، بدنی قوت، یا ہر وہ بات جسے لوگ کمال سمجھتے ہیں تو دل میں اس شخص کا جاہ و مرتبہ قائم ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ تمام اوصاف دلوں میں اس کے مقام کی عظمت کو اجاگر کرتی ہیں لہٰذا یہ اس کے جاہ و مرتبہ کے قائم ہونے کا سبب ہیں۔

پانچویں فصل:

جاہ و مرتبہ طبعاً محبوب ہوتا ہے اور بڑی محنت سے دل کو اس سے خالی کرنا پڑتا ہے

جاننا چاہیے کہ جس سبب سے سونا اور چاندی اور دیگر اقسام کے مال محبوب ہوتے ہیں بعینہٖ وہی سبب جاہ کو بھی محبوب قرار دیتا ہے بلکہ وہ اسے مال سے بھی زیادہ محبوب بنانا چاہتا ہے جس طرح چاندی کے مقابلے میں سونے کی محبت زیادہ ہوتی ہے جب وہ مقدار میں برابر ہوں کیوں کہ تم جانتے ہو کہ درہم اور دینار ذاتی طور پر مقصود نہیں ہوتے کیونکہ وہ کھانے پینے، نکاح اور لباس وغیرہ کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ وہ تو کنکریوں کی طرح ہیں لیکن یہ اس لیے پسندیدہ ہوتے ہیں کہ یہ تمام محبوب چیزوں تک پہنچنے کا وسیلہ اور خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ ہیں اسی طرح جاہ و مرتبہ کا حال ہے کیونکہ جاہ کا مطلب دلوں کا مالک ہونا ہے اور جس طرح سونے اور چاندی کی ملکیت اس طاقت کا فائدہ دیتی ہے جس کے ذریعے انسان اپنی تمام اغراض کو پورا کرتا ہے اسی طرح آزاد لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا اور ان کو مسخر کرنے پر قادر ہونا اغراض کو پورا کرنے کا سبب ہے تو سبب میں اشتراک محبت میں اشتراک کو چاہتا ہے اور جاہ مرتبہ کی مال پر ترجیح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جاہ، مال سے زیادہ محبوب ہو اور جاہ کی ملکیت کو تین وجہ سے مال کی ملکیت پر ترجیح ہوتی ہے۔
۱۔ جاہ کے ذریعے مال تک پہنچنا مال کے ذریعے جاہ تک پہنچنے کی نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے عالم اور زاہد کا جاہ و مرتبہ لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے اب اگر وہ مال کمانا چاہیں تو ان کے لیے آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہیں ان کے مال ان کے دلوں کے تابع ہوتے ہیں اور وہ ان لوگوں پر خرچ کرتے ہیں جن سے ان کو عقیدت ہوتی ہے

لیکن ایک خسیس آدمی جس میں کوئی صفتِ کمال نہیں پائی جاتی جب اسے کوئی خزانہ مل جائے اور اسے جاہ و مرتبہ حاصل نہ ہو تو وہ اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے اور مال کی ذریعے جاہ و مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے لیے یہ بات آسان نہیں ہوتی تو گویا جاہ، مال کے لیے آلہ اور وسیلہ ہے لہذا جو شخص جاہ کا مالک ہوتا ہے وہ مال کا بھی مالک ہوتا ہے اور جو مال کا مالک ہوتا ہے وہ کسی صورت میں بھی جاہ کا مالک نہیں ہوتا۔ اسی لیے جاہ، مال کے مقابلے میں زیادہ پسندیدہ ہے۔

۲۔ مال ہلاک بھی ہو سکتا ہے مثلاً چوری ہو جائے کوئی چھین لے بادشاہ اور ظالم اس میں طمع رکھیں اور اس اعتبار سے اس کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے اور چوکیدار اور خازن کی حاجت پڑتی ہے اور اس میں کئی خطرات ہوتے ہیں۔

لیکن جب دلوں کی ملکیت حاصل ہو جائے تو ان میں یہ خطرات نہیں ہوتے لہذا حقیقی خزانہ یہی ہے اس پر نہ تو چوروں کو طاقت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی غاصبوں اور اُچکّوں کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے۔ سب سے زیادہ پائدار مال زمین ہے لیکن اس میں غصب اور ظلم کا خطرہ موجود ہے اور وہ بھی حفاظت اور نگہبانی سے خالی نہیں لیکن دلوں کے خزانے محفوظ ہیں اور خود بخود ان کی حفاظت ہوتی ہے اور جاہ و مرتبہ غصب اور چوری سے امن میں ہے۔

ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص جاہ و مرتبہ والے کی برائی بیان کرے اس کے اوصافِ کمال سے دلوں کو پھیر دے لیکن ایسی بات کو دور کرنا آسان ہے اور عام طور پر ایسا کرنے والے (دلوں کو بدلنے والے) کے لیے یہ کام آسان نہیں ہوتا۔

۳۔ دلوں کی ملکیت میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ بڑھتی رہتی ہے اور اس میں کوئی محنت اور تکلیف برداشت کرنا نہیں پڑتی کیوں کہ جب دل کسی آدمی کے کمالات کا اعتقاد رکھنے اور اس پر یقین کرنے میں چاہے اس کے علم و عمل کے اعتبار سے ہو یا کسی دوسری وجہ سے تو لامحالہ زبانیں اس کی تعریف میں کھلتی ہیں اور وہ جس بات کے معتقد ہوتے ہیں وہ دوسروں کے سامنے بیان کرتے ہیں چنانچہ دوسرے آدمی کا دل بھی اس جال میں پھنس جاتا ہے اور وہ اس شخص کو اس پر یقین رکھنے اور اس کی تعظیم کی دعوت دیتا ہے اس طرح یہ اعتقاد ایک سے دوسرے تک سرایت کرتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے اور اس کی کوئی معین حد نہیں ہے۔

جہاں تک مال کا تعلق ہے تو جو آدمی اس میں سے کسی چیز کا مالک ہوتا ہے تو وہ اسی کا مالک ہوتا ہے اور محنت و مشقت اور رنج اٹھائے بغیر اس میں اضافہ نہیں کر سکتا لیکن جاہ و مرتبہ ہمیشہ خود بخود بڑھتا ہے اور اس کی کوئی حد نہیں ہوتی جب کہ مال ایک جگہ ٹھہر جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جاہ و مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اس شہرت پھیل جاتی ہے اور زبانیں تعریف میں چلتی ہیں تو اس کے مقابلے میں مال حقیر معلوم ہوتا ہے۔

تو ان وجوہ سے جاہ و مرتبہ کو مال پر ترجیح ہوتی ہے اگر تفصیل میں جائیں تو ترجیح کی وجوہ اس سے بھی زیادہ ہیں اگر تم کہو کہ مال اور جاہ دونوں کی صورت میں اعتراض قائم ہے لہذا انسان کو مال اور جاہ دونوں سے محبت ہونی چاہیے ہاں اتنی مقدار جس کے ذریعے اغراض کا حصول اور نقصان کا دور کرنا مقصود ہو وہ معلوم ہے جیسے ایک شخص لباس رہائش اور خوراک کا محتاج ہوتا ہے یا کوئی آدمی

بیماری یا سزا میں مبتلا ہے جب وہ اس سزا کو مال یا جاہ و مرتبہ کے بغیر دور نہ کر سکتا ہو تو اس کا مال اور جاہ سے محبت کرنا معلوم ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس کے بغیر محبوب تک نہ پہنچ سکیں وہ بھی محبوب ہوتی ہے۔

لیکن طبیعتوں میں اس کے علاوہ عجیب معاملہ ہے یعنی تمام مالوں سے محبت، خزانے جمع کرنا اور ضروریات سے زیادہ مال اکٹھا کرنا حتی کہ اگر کسی بندے کے لیے سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی تلاش کرتا ہے اسی طرح انسان جاہ و مرتبہ میں وسعت اور اطراف عالم میں شہرت چاہتا ہے حالانکہ اسے قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ ان علاقوں میں کبھی نہیں جائے گا اور نہ وہاں کے لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ اس کی تعظیم کریں یا مال کے ذریعے اس کو فائدہ پہنچائیں یا کسی دوسری غرض میں اس کی معاونت کریں۔ لیکن اس نا امیدی کے باوجود اسے اس جاہ و مرتبہ سے بہت زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس بات کی محبت دلوں میں جاگزیں ہے اور قریب ہے کہ اسے جہالت سمجھا جائے کیونکہ اس کا دنیا اور آخرت دونوں میں کوئی فائدہ نہیں۔

ہم کہتے ہیں دلوں سے یہ محبت دور نہیں ہوسکتی اور اس کے دو سبب ہیں ان میں سے ایک واضح ہے جس کا ادراک سب لوگوں کو ہوسکتا ہے اور دوسرا سبب پوشیدہ ہے اور وہ بڑا سبب ہے اور وہ نہایت باریک ہے سمجھدار لوگوں کی سمجھ سے بھی بالاتر ہے غبی اور کم ذہن لوگوں کا ذکر ہی کیا کیونکہ اس سبب کو نفس کی باطنی رگ اور پوشیدہ طبیعت سے مدد پہنچی ہے اس سے آگاہی صرف ان لوگوں کو ہوتی ہے جو معرفت کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔

پہلا سبب۔ خوف کی اذیت کو دور کرنا ہے کیونکہ بدگمانی کا شکار انسان حریص ہوتا ہے اور انسان کو اگرچہ فی الحال حسب ضرورت مال حاصل ہو اس کی امید لمبی ہوتی ہے اور اس کے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ یہ مال جو اسے کافی ہے ہوسکتا ہے ضائع ہو جائے اور اسے دوسرے مال کی ضرورت پڑے جب اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کے دل سے ایک خوف اٹھتا ہے اور اس خوف کی تکلیف اسی صورت میں دور ہوسکتی ہے جب اسے دوسرے مال کے ذریعے اطمینان حاصل ہو کہ اگر پہلا مال ہلاک ہو گیا تو دوسرا کام آئے گا تو اسے ہمیشہ ڈر رہتا ہے اور زندگی سے محبت کرتا ہے وہ فرض کر لیتا ہے کہ زیادہ دیر تک زندہ رہے گا اور یہ بھی فرض کرتا ہے کہ حاجات زیادہ ہوں گی۔ نیز اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ موجودہ مال پر بہت سی آفات آئیں گی اس سے خوف پیدا ہوتا ہے لہٰذا وہ اس خوف کو دور کرنے کا سامان تلاش کرتا ہے اور وہ مال کی کثرت ہے کہ اگر ایک مال ہلاک ہو گیا تو دوسرا کام آئے گا۔

اور یہ خوف مال کی کسی خاص مقدار پر نہیں ٹھہرتا اسی لیے مال کا طالب بھی کسی حد پر نہیں ٹھہرتا بلکہ وہ دنیا کے تمام مال کا مالک بننا چاہتا ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمُ الْعِلْمِ دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حریص اور دوسرا

وَ مَنْهُوْمُ الْمَالِ۔ (۱) مال کی حرص کرنے والا۔

اسی قسم کی بیماری جاہ و مرتبہ کے طالب میں بھی ہوتی ہے وہ اپنے وطن سے دور رہنے والوں کے دلوں میں بھی جگہ بنانا چاہتا ہے۔

وہ فرض کر لیتا ہے کہ ایسا سبب پیدا ہو جائے جو اسے وطن سے ان لوگوں تک لے جائے یا وہ اپنے اپنے وطنوں سے اس کے وطن میں آجائیں اور اسے ان کی مدد کی ضرورت پڑ جائے اور جب یہ بات ممکن ہے اور اس کا ان کی طرف محتاج ہونا ظاہری طور پر محال بھی نہیں تو ان کے دلوں میں جاہ کے پیدا ہونے کی خوشی اور لذت محسوس کرتا ہے کیونکہ اس میں بھی وہی خوف کار فرما ہوتا ہے (اور اس طرح اس کا ازالہ ہوتا ہے)

دوسرا سبب۔ یہ زیادہ مضبوط ہے وہ یہ کہ روح ایک امر ربی ہے

جیسے خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ (۲) اور (لوگ) آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ فرما دیجئے روح میرے رب کے حکم میں سے ہے

اس (روح) کے امر ربانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ علوم مکاشفہ کے اسرار میں سے ہے اور اس کے اظہار کی اجازت نہیں ہے کیوں کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ظاہر نہیں فرمایا (۳)

لیکن اس بات کو جاننے سے پہلے یہ بات معلوم ہے کہ دل کا جانوروں کی صفات کی طرف میلان ہوتا ہے مثلاً کھانا اور جماع کرنا نیز درندوں کی صفات کی طرف رغبت ہوتی ہے جیسے قتل کرنا، مارنا اور ایذا پہنچانا اسی طرح شیطانی صفات کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے جیسے دھوکہ، فریب، گمراہ کرنا اور ربانی صفات کی طرف بھی دل مائل ہوتا ہے مثلاً تکبر، عزت، بڑائی اور بڑائی طلب کرنا، کیونکہ انسان مختلف اصول سے مرکب ہے جس کی تفصیل و تشریح کافی طویل ہے تو چونکہ اس میں امر ربانی ہے اس لیے وہ طبعی اور فطری طور پر ربوبیت (رب بننے) کو پسند کرتا ہے اور ربوبیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کمال میں یکتا ہو۔

اور مستقل وجود میں یگانہ ہو اور چونکہ کمال صفات الٰہیہ میں سے ہے اسی لیے انسان فطرتاً اسے پسند کرتا ہے وجود میں یکتا ہونا کمال ہے کیوں کہ وجود میں شرکت لامحالہ نقص ہے مثلاً سورج کا کمال یہ ہے کہ اس کا وجود ایک ہی ہے اگر اس ساتھ کوئی دوسرا سورج کا کمال یہ ہے کہ اس کا وجود ایک ہی ہے اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا سورج بھی ہوتا تو یہ اس کے حق میں نقص

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۷۹ حدیث ۲۸۹۳۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۸۵

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۸۶ کتاب التفسیر

ہوتا کیوں کہ اس وقت یہ نہ کہہ سکتے کہ سورج کے مفہوم میں کمال صرف اسی میں پایا جاتا ہے لیکن وجود میں منفرد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس کے سوا کوئی دوسرا (معبود) نہیں ہے کیونکہ باقی جو کچھ بھی ہے وہ اس کی قدرت کے آثار میں سے ایک اثر ہے ذاتی طور پر قائم نہیں ہے بلکہ وہ اسی کے ساتھ قائم ہے لہذا وہ اس کے ساتھ موجود نہیں ہے کیونکہ کسی ساتھ ہونا رتبہ میں مساوات کا تقاضا کرتا ہے اور رتبہ میں مساوات کمال میں نقصان ہے بلکہ کامل وہ ہے جس کے رتبہ میں اس کی کوئی مثال نہ ہو۔

اور جیسے سورج کا نور آفاق کے کناروں پر چمکتا ہے تو یہ سورج میں نقصان نہیں ہے بلکہ یہ اس کے کمال سے ہے سورج کا نقص یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا سورج بھی ہو جو رتبہ میں اس کے مساوی ہو اور اسے اس سورج کی ضرورت نہ ہو۔

اسی طرح دنیا میں جو کچھ ہے وہ قدرت خداوندی کے انوار کا پرتو ہے لہذا وہ اس کے تابع ہے اس کا شریک نہیں ہے تو ربوبیت کا معنیٰ وجود میں یکتائی ہے اور یہ کمال ہے اور ہر انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ وہ کمال میں یکتا ہو اسی لیے بعض صوفیا کرام نے فرمایا کہ ہر انسان کے باطن میں وہ بات موجود ہے جو فرعون نے کھل کر کہی تھی اس نے کہا تھا۔

اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (۱) میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں۔

لیکن اس کے لیے اس کی مجال نہیں ہے یعنی وہ چاہتا ہے کہ کمال میں یکتا ہو لیکن ایسا کر نہیں سکتا اور یہ اسی طرح ہے جیسے کسی بزرگ نے فرمایا کہ بندہ بننا اپنے نفس پر دباؤ ڈالنا ہے جب کہ ربوبیت انسان کو طبعی طور پر پسند ہے کیوں کہ یہ اس ربانی نسبت کی وجہ سے ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (۲) آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے۔

لیکن جب نفس انتہائے کمال تک پہنچنے سے عاجز ہوتا ہے تو بھی حصول کمال کے بارے میں اس کی خواہش ساقط نہیں ہوتی وہ کمال کی چاہت اور خواہش رکھتا ہے اور خود اس (کمال) کی ذات کے حوالے سے اس سے لطف اندوز ہوتا ہے کمال کے علاوہ کسی وجہ سے نہیں۔ ہر موجود چیز کو اس کی ذات اور کمال ذات کی وجہ سے پسند کیا جاتا ہے اور ہلاکت یعنی ذات کا عدم یا اس کی صفاتِ کمال کا عدم بھی ذاتی طور پر ناپسند ہوتا ہے اور اگر وہ وجود میں یگانہ ہونا تصور کر لے تو تمام موجودات پر غالب ہونے کی وجہ سے کمال حاصل ہوگا کیونکہ سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ دوسروں کا وجود تمہارے وجود سے قائم ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم دوسروں پر غالب تو ہو تو یوں سب پر غلبہ طبعی طور پر محبوب ہوتا ہے کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کا کمال ہے اور ہر موجود

---

(۱) قرآن مجید سورۃ النازعات آیت ۲۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ اسراء آیت ۸۵

اپنی ذات اور کمال ذات کو چاہتا ہے۔ اور اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔

لیکن کسی چیز پر غلبہ اس وقت ہو سکتا ہے جب اس میں تاثیر پر قدرت حاصل ہو اور اپنے ارادے سے اس میں تبدیلی کر سکے اور اس میں تردّد تمہارے لیے مسخر ہو تم جیسے بھی چاہو۔

تو انسان کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کے ساتھ جو کچھ موجود ہے ان سب پر اسے غلبہ حاصل ہو لیکن موجودات کی کئی قسمیں ہیں۔

موجودات کی ایک قسم وہ ہے جو اپنی ذات میں تغیر و تبدل کو قبول نہیں کرتی جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، دوسری قسم وہ ہے جو تغیر و تبدل کو قبول تو کرتی ہے لیکن اس پر مخلوق کی طاقت کا غلبہ نہیں ہو سکتا جیسے آسمان، ستارے، آسمانوں کی پوشیدہ حکومت، فرشتے، جن، شیطان، پہاڑ، سمندر اور جو کچھ پہاڑوں اور سمندروں کے نیچے ہے۔

اور تیسری قسم وہ ہے جو بندے کی طاقت سے تبدیل ہو سکتی ہے جیسے زمین اور اس کے اجزاء اور زمین میں جو معدنیات اور حیوانات وغیرہ ہیں اور ان میں لوگوں کے دل بھی شامل ہیں۔ ان میں تاثیر بھی ہوتی ہے اور تبدیلی بھی جس طرح خود ان کے اپنے جسموں اور حیوانات کے جسموں میں تبدیلی ہوتی ہے۔

تو جب موجودات کی تقسیم اس طرح ہوئی کہ بعض میں انسان تصرف کرنے پر قادر ہے اور بعض میں تصرف نہیں کر سکتا جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات فرشتے اور آسمان ——— تو انسان چاہتا ہے کہ آسمانوں پہ علم کی جہت سے غلبہ حاصل کرے ان کا احاطہ کرے اور ان کے اسرار پر مطلع ہو یہ بھی ایک قسم کا غلبہ ہے۔ کیوں کہ جس چیز کا علم حاصل ہوتا ہے اور وہ علمی احاطے میں آجاتی ہے گویا وہ علم میں داخل ہو جاتی ہے اور عالم گویا اس پر غالب ہوتا ہے۔

اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں، ستاروں، آسمانوں کے تمام عجائبات سمندروں اور پہاڑوں کے عجائبات وغیرہ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے کیوں کہ یہ ان پر ایک قسم کا غلبہ ہے اور غلبہ ایک قسم کا کمال ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص ایک عجیب چیز بنانے سے عاجز ہو تو اسے بنانے کا طریقہ معلوم کرنے کا شوق رکھتا ہے جیسے ایک شخص شطرنج بنانے سے عاجز ہو تو وہ اس کے ساتھ کھیلنے کا شوق رکھتا ہے۔

نیز یہ کہ وہ کیسے بنایا گیا اور جیسے ایک شخص ہندسہ، شعبدہ یا ثقیل چیز کو کھینچنے کی عجیب صنعت دیکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں ایسا نہیں بنا سکتا لیکن اسے اس کی کیفیت معلوم کرنے کا شوق ہوتا ہے تو اگرچہ اسے اس سے عاجزی کا رنج ہوتا ہے لیکن اگر اس کا علم حاصل ہو جائے تو اس کمال علم سے اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔

دوسری قسم یعنی ارضیات جن پر انسان قادر ہوتا ہے ان کے بارے میں انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ وہ ان پر اپنی قدرت کے تحت اس طرح غالب ہو کہ جیسے چاہے ان میں تصرف کر سکے اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک جسم ہیں اور دوسری ارواح۔

جسم سے مراد درہم، دینار اور دیگر سامان ہے وہ چاہتا ہے کہ ان پر قادر ہو کر جیسے چاہے ان میں عمل کرے مثلاً ان کو اٹھانا، نیچے رکھ دینا کسی کو دے دینا یا اس سے روک لینا یہ قدرت ہے اور قدرت کمال ہے جب کہ کمال، ربوبیت

کی صفت سے ہے اور ربوبیت طبعی طور پر پسند ہوتی ہے اسی لیے وہ مال سے محبت کرتا ہے اگرچہ اسے اپنے لباس کھانے اور نفسانی خواہشات کے سلسلے میں مال کی ضرورت نہ ہو۔ اسی طرح غلاموں کو اپنی غلامی میں لانا اور آزاد لوگوں کو زبردستی اور غلبہ کے ساتھ غلام بنانا چاہتا ہے تاکہ ان کو مسخر کر کے ان کے جسموں میں تصرف کرے اگرچہ ان کے دلوں کا مالک نہ ہو کیونکہ دلوں کی تسخیر اسی وقت ہوتی ہے جب اس کے کمال کا عقیدہ ہو اب یہ غلبہ اور زبردستی اس تسخیر قلوب کے قائم مقام ہوتی ہے اور یہ دبدبہ اور غلبہ بھی لذیذ ہوتا ہے کیوں کہ اس میں قدرت ہوتی ہے۔

ارضیات کی دوسری قسم انسانوں کے نفوس اور ان کے دل ہیں اور زمین پر جو کچھ ہے ان میں سے یہ سب سے زیادہ نفیس ہیں انسان چاہتا ہے کہ ان پر غلبہ اور قدرت ہو تاکہ وہ اس کے لیے مسخر ہوں اور اس کے اشارے اور ارادے کے مطابق ان میں تصرف ہو سکے کیوں کہ اس میں کمالِ غلبہ اور صفاتِ ربوبیت کے ساتھ مشابہت ہے دل، محبت کے ساتھ مسخر ہوتے ہیں اور محبت کے لیے اعتقادِ کمال ضروری ہے کیونکہ ہر کمال محبوب ہوتا ہے اس لیے کہ کمال صفاتِ الٰہیہ میں سے ہے اور تمام صفاتِ الٰہیہ فطری طور پر پسندیدہ ہوتی ہیں کیونکہ ان میں ربانی بات پائی جاتی ہے جس کا انسان سے تعلق ہوتا ہے اور یہ (امر ربی) ایسی چیز ہے جس کے لیے نہ فنا ہے اور نہ مٹی اس پر مسلط ہو کر اسے کھا سکتی ہے کیونکہ یہ ایمان اور معرفت کا محل ہے اور یہی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ اور اس کی طرف کوشش کرنے والی ہے۔

تو گویا جاہ کا معنیٰ دلوں کی تسخیر ہے اور جس کے لیے دل مسخر ہو جائیں اسے دلوں پر قدرت اور غلبہ حاصل ہوتا ہے اور قدرت و غلبہ کمال ہے اور یہ صفاتِ ربوبیت سے ہے تو اب دل کو فطری طور پر علم اور قدرت کے ساتھ کمال پسند ہوتا ہے اور جاہ و مال قدرت کے اسباب سے ہیں اور معلومات کی کوئی انتہا نہیں اور نہ مقدورات کی کوئی انتہا ہے لہٰذا جب تک معلوم و مقدور باقی ہوں گے شوق کو سکون نہیں ملے گا۔ اور نقصان بھی باقی رہے گا۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ۔ (۱) دو قسم کے حریص کبھی سیر نہیں ہوتے۔

(یعنی ایک مال کا حریص اور دوسرا علم کا حریص) تو نتیجہ یہ ہوا کہ دلوں کا مطلوب کمال ہے اور کمال علم اور قدرت کے ساتھ ہوتا ہے اور اس سلسلے میں درجات کا تفاوت غیر محدود ہے لہٰذا انسان کو جس قدر کمال کا ادراک ہوتا ہے اسی قدر سرور ملتا ہے۔

تو علم، مال، اور جاہ و مرتبہ کے محبوب ہونے کا یہی سبب ہے اور یہ وجہ اس کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بننے کی وجہ سے محبوب ہونے سے الگ ہے کیونکہ یہ سب بعض اوقات خواہشات کے ختم ہونے پر بھی باقی رہتا ہے بلکہ انسان ایسی معلومات بھی حاصل کرنا پسند کرتا ہے جو اغراض تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں لیکن انسانی فطرت تمام عجائبات اور مشکلات کا علم حاصل کرنا چاہتی ہے۔ کیوں کہ علم میں معلوم چیز پر غلبہ ہوتا ہے اور یہ ایک قسم کا کمال ہے جو ربانی صفات میں سے ہے لہٰذا یہ طبعی طور پر پسند ہوتا ہے لیکن چونکہ کمالِ علم و قدرت کی محبت میں غلطی بھی واقع ہوتی ہے لہٰذا اس کا بیان ضروری ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چھٹی فصل:

کمالِ حقیقی اور کمالِ وہمی

جاننا چاہیے کہ جب وجود میں انفرادیت نہیں ہوسکتی تو اب علم اور قدرت میں ہی کمال ہوسکتا لیکن اس سلسلے میں کمالِ حقیقی اور وہمی کمال خلط ملط ہوجاتا ہے۔

اس تفصیل اس طرح ہے کہ کمالِ علم تو اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے جس کی تین وجوہ ہیں۔

(۱) معلومات بہت زیادہ اور وسیع ہیں اور اللہ تعالیٰ ان تمام کا احاطہ کئے ہوئے ہے یہی وجہ ہے کہ جب بندے کے علوم زیادہ ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب ہوجاتا ہے۔

(۲) علم کا معلوم کے ساتھ اس طرح کا تعلق کہ اس کی حقیقت معلوم ہوجائے اور معلوم اس کے سامنے واضح طور پر منکشف ہوجائے تو تمام معلومات اللہ تعالیٰ کے سامنے کامل طور پر منکشف ہیں اور وہ ان کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ اسی لیے جب بندے کا علم زیادہ واضح زیادہ یقینی نہایت سچا اور صفاتِ معلوم کے زیادہ موافق ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہوجاتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ کے لیے باقی رہتا ہے اس میں نہ تو کوئی تبدیلی آتی ہے اور نہ ہی وہ زائل ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا علم باقی ہے اس میں تغیر و تبدل کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جب بندے کا علم ایسی معلومات سے متعلق ہو جو تغیر اور انقلاب کو قبول نہیں کرتیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

معلومات کی اقسام:

معلومات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معلومات جن میں تبدیلی آسکتی ہے اور دوسری ازلی ہیں۔

جن معلومات میں تبدیلی آتی ہے ان کی مثال یہ ہے کہ زید کے مکان میں ہونے کا علم حاصل ہو یہ ایک علم ہے جس کے لیے معلوم کا وجود ہے لیکن یہ تصور بھی ہے کہ زید گھر سے باہر نکل جائے البتہ اس کے گھر میں ہونے کا اعتقاد باقی رہے، تو اب یہ علم، جہالت میں بدل جائے گا اور کمال کی بجائے نقص بن جائے گا۔

لہٰذا جب تم کسی ایسی بات پر اعتقاد رکھو جو اس کے موافق ہو لیکن اس بات کا تصور بھی ہوسکے کہ جس بات کا اعتقاد رکھا تھا اس میں تبدیلی آسکتی تو گویا تمہارا کمال، نقص میں بدل سکتا ہے اور علم، جہالت کی صورت اختیار کرے گا۔ دنیا میں جتنے بھی تغیر پذیر امور ہیں ان کو اس مثال کے ساتھ ملایا جاسکتا ہے۔

مثلاً تم پہاڑ کی بلندی، زمین کی پیمائش اور شہروں کی تعداد اور ان کے درمیان فاصلے کا علم رکھتے ہو اور دوسری تمام

باتیں جو راستوں اور ممالک کے بارے میں ذکر کی جاتی ہیں، اسی طرح لغات کا علم رکھنے ہو جو اصطلاحات ہیں اور زمانوں، امتوں اور عادات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں تو یہ وہ علوم ہیں جن کی معلومات پارے کی طرح ہیں جو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلتا رہتا ہے تو ان میں فی الحال کمال ہے لیکن یہ کمال دل میں باقی نہیں رہتا۔

دوسری قسم: ازلی معلومات ہیں مثلاً جائز امور کا جائز ہونا واجب امور کا واجب اور محال باتوں کا محال ہونا یہ معلومات ازلی ابدی ہیں کیونکہ واجب کبھی بھی بدل کر محض جواز کی صورت اختیار نہیں کرتا اور نہ ہی جائز کام محال بنتا ہے اسی طرح جو محال ہے وہ واجب نہیں بنتا۔

تو یہ تمام اقسام اللہ تعالیٰ کی معرفت اور جو کچھ اس کے لیے واجب ہے اس میں داخل ہیں نیز ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے لیے محال صفات اور جائز افعال سے ہے۔

تو اللہ تعالیٰ اس کی صفات، اس کے افعال، زمین و آسمان کی بادشاہیوں میں اس کی حکمت، دنیا اور آخرت کی ترتیب اور جو کچھ اس سے متعلق ہے ان سب باتوں کا علم ہی کمال حقیقی ہے کہ جو اس سے موصوف ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا اور موت کے بعد بھی یہ کمال نفس کے لیے بطور کمال باقی رہتا ہے اور عارفین کے لیے ان کے وصال کے بعد بھی یہ معرفت نور کا کام دیتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ (۱)

ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑتا ہے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارے نور کو مکمل کر دے۔

اس سے مراد وہ معرفت ہے جو راس المال (اصل مال) ہوتی ہے جو اس چیز کے کشف تک پہنچاتی ہے جو دنیا میں منکشف ہوا۔ جیسے کسی شخص کے پاس ایک دھندلا سا چراغ ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس سے دوسرا چراغ روشن کر کے روشنی کو بڑھایا جائے تو اس طرح یہ روشنی اس چراغ کے ذریعے مکمل ہو جاتی لیکن جس شخص کے پاس چراغ بالکل نہ ہو اس کے لیے کسی قسم کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی معرفت بالکل ہی حاصل نہ ہو اس کے لیے اس نور (نور معرفت) کی امید نہیں ہو سکتی اور وہ اس شخص کی طرح رہتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور وہاں سے نکل نہ سکتا ہو بلکہ اس کی مثال اس طرح ہے۔

كَظُلُمَاتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ

جیسے گہرے سمندر کے اندھیرے جن پر موج چڑھی ہوئی ہو اور اس موج کے اوپر موج ہو جس کے اوپر بادل

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ تحریم آیت ۸

ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔ (۱) ہوں تو یہ اندھیرے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔

لہٰذا جب تک معرفتِ خداوندی نہ ہو سعادت کا حصول ممکن نہیں اس کے لیے جتنی معرفتیں ہیں ان میں سے بعض کا بالکل فائدہ نہیں جیسے اشعار کی معرفت اور اہل عرب کے نسب کی معرفت وغیرہ، جب کہ ان میں سے بعض معرفتِ خداوندی کے سلسلے میں مددگار ہوتی ہیں جیسے عربی لغت، تفسیر، فقہ اور احادیث ہیں کیوں کہ لغت کی معرفت تفسیر قرآن کی معرفت میں مددگار ہوتی ہے اور تفسیر کی معرفت قرآن پاک میں مذکورہ عبادات کی کیفیت کی معرفت پر مدد کرتی ہے اور اعمال، تزکیہ نفس کا فائدہ دیتے ہیں۔ جب کہ تزکیۂ نفس کے طریقے کی معرفت نفس کو معرفتِ خداوندی کی طرف راہنمائی کی قبولیت کے لیے تیار کرتی ہے۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ (۲) جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اس نے فلاح پائی۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (۳) اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں۔

گویا ان تمام چیزوں کی معرفت، اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ثبوت کے لیے واسطہ ہے اور کمال، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی صفات و افعال کی معرفت میں ہے لیکن وہ تمام موجودات کی معرفت کو شامل ہے کیوں کہ تمام موجودات، اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں پس جو شخص ان کو اللہ تعالیٰ کے فعل کے طور پر اور اس اعتبار سے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کی قدرت، ارادے اور حکمت کے ساتھ تعلق ہے، جان لیتا ہے تو یہ معرفت خداوندی کو مکمل کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور یہ کمال علم کا حکم جو ہم نے ذکر کیا اگرچہ جاہ اور ریاکاری کے احکام کے ساتھ یہ مناسب نہ تھا لیکن ہم نے اسے اس لیے ذکر کیا تاکہ کمال کی اقسام مکمل ہو جائیں۔

لیکن جہاں تک قدرت کا تعلق ہے تو اس میں بندے کے لیے کمال حقیقی نہیں ہے اور نہ ہی اسے حقیقی قدرت حاصل ہے حقیقی قدرت تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ بندے کے ارادے، طاقت اور حرکت کے بعد جو امور پیدا ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے صبر، شکر اور توکل کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور نجات دینے والے امور کے ضمن میں مختلف مقامات پر لکھا ہے تو علم کا کمال موت کے بعد بھی اس کے ساتھ باقی رہتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ نور آیت ۴۰

(۲) قرآن مجید، سورہ الشمس آیت ۹

(۳) قرآن مجید، سورۃ عنکبوت آیت ۶۹

اور وہ اسے اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے لیکن کمالِ قدرت کا یہ حال نہیں ہے۔

ہاں حالی کے اعتبار سے اسے کمال قدرت حاصل ہوتا ہے اور یہ کمال علم کا وسیلہ ہے مثلاً اس کے اعضاء سلامت ہوں، ہاتھ میں پکڑنے کی قوت موجود ہو، پاؤں چل سکتے ہوں، ادراک کے لیے حواس کام کر رہے ہیں تو یہ قویٰ کمال علم کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے آلہ بنتے ہیں اور بعض اوقات ان قویٰ کو پورا کرنے کے لیے مال اور جاہ کے ساتھ قدرت کی ضرورت بھی ہوتی ہے تاکہ ان کے ذریعے کھانے، مشروب لباس اور رہائش تک رسائی حاصل ہو سکے اور یہ ایک معلوم مقدار ہوتی ہے اور اگر اسے جلالِ خداوندی کی معرفت کے لیے استعمال نہ کرے تو اس میں بالکل کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہاں صف وقتی لذت حاصل ہوتی ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جو شخص اسے کمال سمجھتا ہے وہ جاہل ہے۔

عام لوگ اسی جہالت کے باعث ہلاک ہوتے ہیں ان کے خیال میں دبدبے کے ذریعے لوگوں کے جسم پر غلبہ حاصل کر لینا مال کے ذریعے مالدار ہو جانا اور جاہ و مرتبے کے ذریعے دلوں میں عظمت حاصل کر لینا کمال ہے، جب وہ اس عقیدے کو اپناتے ہیں تو ان چیزوں سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس محبت کے باعث طلب میں لگ جاتے ہیں، طلب کی صورت میں اسی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یہی ان کی تباہی کا باعث ہے اور یوں وہ کمال حقیقی کو بھول جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے قریب کرتی ہے اور وہ علم اور آزادی ہے علم کے بارے میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ معرفتِ خداوندی کا دوسرا نام ہے اور آزادی کا مطلب خواہشات کی قید اور دنیا کے غموں سے چھٹکارا پانا ہے نیز زبردستی اس پر غلبہ پانے سے نجات کا حصول ہے اس طرح فرشتوں کے ساتھ مشابہت حاصل ہو جاتی ہے کہ ان کو خواہشات گرا نہیں سکتیں نہ غصہ ان کو بدحواس کر سکتا ہے خواہشات اور غضب کی علامات کو نفس سے دور کرنا کمال ہے اور یہ فرشتوں کی صفات میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ میں سے کوئی بھی صفت نہ تو تبدیل ہوتی ہے اور نہ اس پر کوئی دوسری چیز موثر ہو سکتی ہے اور جو شخص عوارض کے اثرات اور تغیر و تبدل سے دور ہو وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب اور فرشتوں کے زیادہ مشابہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت بڑا مقام ہوتا ہے اور یہ علم اور قدرت کے علاوہ تیسرا کمال ہے۔

ہم نے اسے کمال کی اقسام میں ذکر نہیں کیا کیوں کہ اس کی حقیقت عدم اور نقصان کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ تبدیلی ایک نقص ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک صفت جو موجود تھی وہ معدوم اور ہلاک ہو جائے۔ اور ہلاکت لذات اور صفاتِ کمال میں نقص ہوتی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ہم خواہشات کے ساتھ تبدیلی نہ ہوئے اور خواہشات کے سامنے نہ جھکنے کو بھی کمال قرار دیں تو کمالات تین ہو جائیں گے۔ ایک کمال علم، دوسرا کمال حریت یعنی خواہشات کا بندہ نہ بننا اور اسباب دنیوی پر نظر نہ رکھنا۔

اور تیسرا کمالِ قدرت ہے جو کمالِ علم اور کمالِ حریت کے اکتساب کا راستہ ہے لیکن اسے بسا راستہ نہیں مل سکتا۔

جس کے ذریعے کمال قدرت موت کے بعد بھی باقی رہے کیوں کہ مالوں اور لوگوں کے دلوں اور جسموں پر قدرت موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے لیکن اسے جو معرفت اور آزادی حاصل ہوتی ہے وہ موت کے ساتھ ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ دونوں کمال موت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔

تو دیکھئے کس طرح جاہل لوگوں کا معاملہ الٹ ہو گیا اور وہ اندھوں کی طرح اوندھے منہ گر گئے۔ انہوں نے مال اور جاہ کے ذریعے کمال قدرت کی طرف توجہ کر لی حالانکہ یہ کمال سلامت نہیں ہوتا اور اگر اسے سلامتی حاصل ہو تو باقی نہیں رہتا اور ان لوگوں نے حریت اور علم کے کمال سے اعراض کر لیا حالانکہ یہ کمال حاصل ہو جائے تو یہ ابدی ہے کبھی ختم نہیں ہوتا۔

ان لوگوں نے آخرت کے بدلے دنیا خرید لی لہذا یقیناً ان سے عذاب میں تخفیف نہیں ہو گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ خداوندی کو سمجھ نہیں سکے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا (۱)

مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہے جب کہ باقی رہنے والے اچھے اعمال ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور بہتر اچھی امید ہے۔

تو علم اور آزادی باقی رہنے والے نیک اعمال ہیں جو نفس میں بطور کمال باقی رہتے ہیں اور مال و جاہ جلدی ختم ہونے والے ہیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَہَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَہْلُہَاۤ اَنَّہُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْہَاۤ اَتٰىہَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَہَارًا فَجَعَلْنٰہَا حَصِیْدًا کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔ (۲)

دنیوی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا پس اس کے ساتھ زمین کی سبزی مل جاتی ہے جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار لے لیا اور وہ خوب آراستہ ہو گئی اور اس کے مالک سمجھے کہ اب ہم اس پر قادر ہو گئے تو اس پر ہمارا حکم ہوا رات یا دن میں تو ہم نے اسے ملیامیٹ کر دیا گویا کہ وہ کل تھی ہی نہیں ایسے ہی ہم اپنی آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ کہف آیت ۴۶

(۲) قرآن مجید، سورہ یونس آیت ۲۴

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا۔ (۱)

اور آپ ان کے لیے دنیوی زندگی کی مثال بیان فرمائیں یہ آسمان سے اترنے والی بارش کی طرح ہے جس کے ساتھ زمین کی سبزی مل گئی تو وہ صبح کے وقت سوکھی گھاس ہو گئی جسے ہواؤں نے اڑا دیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اور جس چیز کو ہوا اڑا کر لے جاتی ہے وہ دنیوی زندگی کی تروتازگی ہے اور جس کو موت ختم نہ کرے وہ باقی رہنے والے نیک اعمال ہیں۔ تو اس گفتگو سے واضح ہوا کہ مال و جان سے قدرت کو کمال سمجھنا ایک ظنی بات ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے اور جو شخص ان باتوں کو مقصود قرار دیتے ہوئے ان پر اپنا وقت صرف کرتا ہے وہ جاہل ہے ابوالطیب (شاعر) نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَمَنْ يُّنْفِقِ السَّاعَاتِ فِيْ جَمْعِ مَالِهٖ مَخَافَةَ فَقْرٍ فَالَّذِيْ فَعَلَ الْفَقْرُ۔

جو شخص اپنا وقت فقر کے خوف سے مال کو جمع کرنے میں خرچ کرتا ہے اس کا یہ عمل خود مفلسی اور فقر ہے (یعنی وہ خالی ہاتھ ہی جاتا ہے۔

ہاں جس قدر مال کمال حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہو اس کے حصول میں کوئی حرج نہیں یا اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے جن کو تو نے بھلائی کی توفیق عطا فرمائی اور اپنی مہربانی سے تو نے ان کو ہدایت فرمائی۔

ساتویں فصل:

جاہ کی محبت کس قدر محمود اور کس قدر مذموم ہے

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ جاہ کا مطلب دلوں کا مالک ہونا اور ان پر قدرت حاصل کرنا ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو مالوں کا ہے کیوں کہ یہ بھی دنیوی سامانوں سے ایک سامان ہے اور مال کی طرح موت کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے لہٰذا جو کچھ دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اس میں سے آخرت کے لیے زاد راہ اختیار کیا جا سکتا ہے اور جس طرح کچھ نہ کچھ مال کھانے پینے اور پہننے کے لیے ضروری ہوتا ہے اسی طرح مخلوق کے ساتھ بسر اوقات کے لیے تھوڑے بہت جاہ کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور جس طرح آدمی کھانا کھانے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا لہٰذا کھانے یا وہ مال جس کے بدلے میں کھانا خریدے اس کی چاہت جائز ہے اسی طرح خدمت کے لیے خادم، مدد کے لیے دوست، راہنمائی کے لیے استاذ، حفاظت اور

(۱) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۴۵

شرپسندوں کے مظالم کو دور کرنے کے لیے بادشاہ کی ضرورت بھی ہوتی ہے لہذا مالک کے دل میں یہ چاہت کہ خادم کے دل میں اس کے لیے ایک مقام ہو تاکہ وہ خدمت کے لیے اسے بلا سکے، کوئی بری بات نہیں ہے اور استاذ کے دل میں اس کے لیے اتنی جگہ ہو جس کی بنیاد پر وہ اس کی تعلیم و تربیت اچھی طرح کرے یا دوست کے دل میں اس کی محبت اس قدر ہو کہ وہ اس کی مدد کر سکے، کوئی بری بات نہیں ہے۔ اسی طرح بادشاہ کے دل میں اس کے مقام کے ہونے کی چاہت جس کی وجہ سے وہ اس سے شر کو دور کرے قابلِ مذمت بات نہیں ہے کیونکہ مال کی طرح جاہ بھی اغراض تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے لہذا دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

البتہ اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ مال اور جاہ ذاتی طور پر پسندیدہ نہ ہوں بلکہ ان کی حیثیت وہی ہو جو انسان کو اپنے گھر میں بیت الخلاء کے ہونے کی چاہت ہوتی ہے کیونکہ اسے قضائے حاجت کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اگر قضائے حاجت کی حاجت نہ ہو تو اس بیت الخلاء کی ضرورت بھی نہ رہے تو حقیقتاً یہ بیت الخلاء کی چاہت نہیں ہے کیونکہ جو چیز محبوب تک پہنچاتی ہے وہ خود محبوب نہیں ہوتی بلکہ جس تک وہ پہنچاتی ہے محبت اسی سے ہوتی ہے۔

اس فرق کا ادراک ایک دوسری مثال سے بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آدمی اپنی بیوی سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ اس سے شہوت کو پورا کرتا ہے جس طرح بیت الخلاء میں قضائے حاجت کے لیے جاتا ہے اب اگر اسے شہوت نہ ہو تو وہ بیوی کو چھوڑ دے جس طرح پیشاب کی حاجت نہ ہونے کی صورت میں وہ بیت الخلاء میں نہیں جاتا۔

بعض اوقات عورت سے ذاتی طور پر محبت ہوتی ہے یعنی وہ اس پر عاشق ہوتا ہے اس صورت میں اگر شہوت نہ بھی ہو تو بھی اسے نکاح سے باہر کرنا نہیں چاہتا تو یہ محبت ہے پہلی صورت محبت نہیں ہے اسی طرح مال اور جاہ سے بھی ان دونوں صورتوں میں محبت ہوتی ہے تو ان سے اس لیے محبت کرنا کہ ان کے ذریعے بدنی ضروریات تک رسائی ہوتی ہے۔ قابلِ مذمت نہیں ہے لیکن بدن کی ضرورت اور حاجت سے بڑھ کر محض ان (دونوں) کی ذاتی چاہت مذموم ہے لیکن ایسے شخص کو فاسق اور نافرمان نہیں کہا جا سکتا جب تک مال وجاہ کی محبت کے باعث وہ گناہ کا مرتکب نہ ہو یا ان دونوں چیزوں کے حصول کے لیے جھوٹ، دھوکے اور کسی ممنوع کام کو اختیار نہ کرے یا کسی عبادت کو ان کے حصول کا وسیلہ نہ بنائے۔ کیوں کہ عبادت کو جاہ و مال کے لیے وسیلہ بنانا دینی جرم ہے اور وہ حرام ہے ریاکاری جو ممنوع ہے اس کا نتیجہ بھی یہی ہوتا ہے (یعنی عبادت کو دنیوی اغراض کے لیے وسیلہ بناتا ہے)

سوال:

اپنے استاذ، خادم، دوست، بادشاہ یا جس کے ساتھ اس کا کوئی کام متعلق ہے ان لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنانا مطلقاً جائز ہے جیسے بھی ہو یا کسی مخصوص حد اور مخصوص طریقے پر جائز ہے؟

جواب:

میں کہتا ہوں یہ طلب تین طریقوں پر ہے ان میں سے دو صورتیں جائز اور ایک ممنوع ہے۔

ممنوع صورت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اپنا مقام بنانا کہ وہ اس میں کسی ایسی صفت کا اعتقاد رکھیں جو اس میں نہیں جیسے علم، تقویٰ اور نسب وغیرہ کہ وہ اسے سید یا عالم یا متقی سمجھیں حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ عمل حرام ہے کیوں کہ یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے چاہے قولی ہو یا معاملہ کی صورت میں۔

جائز صورتوں میں سے ایک یہ کہ اپنے اندر موجود کسی صفت کے ذریعے اس مقام کا طالب ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔

اِجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔ (۱) مجھے خزانے پر مقرر کر دیں بے شک میں امین اور علم رکھنے والا ہوں۔

آپ حاکم کے دل میں اس مقام کے خواہاں ہوئے کہ آپ امین بھی ہیں اور عالم بھی، اور بادشاہ کو ایسے شخص کی ضرورت بھی تھی اور آپ اس بات میں سچے بھی تھے جواز کی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے عیبوں میں کسی عیب یا کسی گناہ کو چھپانا چاہتا ہے تاکہ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکے اور یوں اس کا بنا بنایا مرتبہ کم نہ ہو جائے یہ بھی جائز ہے کیوں کہ برائیوں کو پوشیدہ رکھنا جائز ہے برائی سے پردہ اٹھانا اور اسے ظاہر کرنا بری بات ہے اور اس میں دھوکہ نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اسے اس کی برائیوں کا علم نہ ہو کیونکہ اس علم کا کوئی فائدہ نہیں۔

مثلاً ایک شخص بادشاہ سے اس بات کو چھپانا چاہتا ہے کہ وہ شراب پیتا ہے لیکن اسے یہ بات باور کرانا نہیں چاہتا کہ وہ متقی ہے۔

ممنوع امور میں سے یہ بات بھی ہے کہ دوسروں کے سامنے اچھی طرح نماز پڑھے تاکہ وہ اس کے بارے میں اچھے خیالات رکھیں یہ ریاکاری ہے اور یہ شخص دھوکہ دے رہا ہے کیوں کہ یہ اس پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور خشوع کرنے والا ہوں لیکن اپنے عمل میں دکھاوا کرتا ہے تو وہ کس طرح مخلص ہو سکتا ہے۔

لہٰذا اس طریقے پر جاہ کی طلب حرام ہے اسی طرح ہر گناہ کے ذریعے اس کے حصول کا حکم ہے یہ اسی طرح ہے جیسے حرام طریقے پر مال حاصل کیا جائے اور کوئی تمیز نہ کی جائے اور جس طرح آدمی کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ دھوکے کے ذریعے کسی دوسرے کے مال کا مالک بنے چاہے اس کا عوض دے یا عوض کے بغیر ہو، اسی طرح دھوکے کے ذریعے دوسروں کے دلوں کا مالک ہونا بھی جائز نہیں کیونکہ دلوں کی ملکیت مال کی ملکیت سے بڑھ کر ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ یوسف آیت ۵۵

آٹھویں فصل :

مدح سرائی کی خواہش اور مذمت سے نفرت کا سبب

اپنی تعریف کو پسند کرنا اور دل کا اس سے لطف اندوز ہونا چار اسباب کے تحت ہوتا ہے۔

پہلا سبب :

جو سب سے زیادہ قوی سبب ہے یہ ہے کہ تعریف کے باعث نفس سمجھتا ہے کہ مجھے کمال حاصل ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ کمال محبوب ہوتا ہے اور ہر محبوب کا ادراک لذیذ ہوتا ہے لہذا جب نفس کو اپنے کمال کا شعور حاصل ہوتا ہے تو اس سے اسے آرام ملتا ہے اور لذت حاصل ہوتی ہے اور تعریف سے انسان کو اپنے کمال کا شعور ہوتا ہے کیونکہ جس وصف کے باعث تعریف کی جاتی ہے یا تو وہ ظاہر اور واضح ہوگا یا اس میں شک ہوگا اگر وہ وصف واضح ، ظاہر اور محسوس ہو تو اس صورت میں تعریف کرنے سے لذت کم حاصل ہوتی ہے لیکن لذت سے خالی نہیں ہوتی جیسے کسی کی تعریف کی جائے کہ اس کا قد لمبا اور رنگ سفید ہے یہ بھی کمال کی ایک قسم ہے لیکن اس سے نفس غافل ہوتا ہے اس لیے لذت سے خالی ہوتا ہے لیکن جب دوسرا آدمی اسے یہ بات جتائے تو شعور کا پیدا ہونا لذت کے حصول سے خالی نہیں ہوتا۔

اور اگر یہ ایسا وصف ہے جس میں شک کا عمل دخل ہوتا ہے تو اس میں لذت زیادہ ہوتی ہے جیسے کمال علم یا کمال تقوی یا حُسن مطلق پر تعریف کی جائے۔ کیوں کہ انسان کو بعض اوقات اپنے کمالِ حُسن ، کمال علم اور کمال تقوی میں شک ہوتا ہے اور اسے اس بات کا شوق ہوتا ہے کہ شک زائل ہو جائے اور اسے یقین ہو جائے کہ ان امور میں کوئی بھی اس کی مثل نہیں ہے کیوں کہ اس طرح اس کے نفس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے لہذا جب دوسرا آدمی اس وصف کا ذکر کرتا ہے تو اس سے اسے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اس کمال کا وثوق ہو جانے پر لذت بڑھ جاتی ہے۔

اور اس سبب سے زیادہ لذت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ایسا شخص تعریف کرے جسے ان صفات کی بصیرت اور واقفیت حاصل ہو۔ اور وہ تحقیق کے بغیر بات نہ کرتا ہو۔

جیسے کوئی استاذ اپنے شاگرد کے عقلمند، سمجھدار اور فاضل ہونے کا ذکر کرے تو انتہائی درجے کی لذت حاصل ہوتی ہے اور اگر بیہودہ اور غیر تحقیقی کلام کرنے والا تعریف کرے یا اسے اس وصف کی بصیرت حاصل نہ ہو تو لذت میں کمزوری ہوتی ہے اور اسی سبب سے مذمت ناپسندیدہ اور مکروہ ہوتی ہے کیوں کہ اس سے نفس میں نقص کا پتہ چلتا ہے اور نقص کمال کی ضد ہے اور کمال محبوب ہوتا ہے لہذا نقص ضرور برا معلوم ہوگا اور جب اس پر اطلاع ہو تو تکلیف ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر وہ شخص مذمت کرے جو قابلِ اعتماد ہے تو اس سے اذیت بڑھ جاتی ہے جیسا کہ ہم نے مدح کے سلسلے میں ذکر کیا۔

دوسرا سبب :

کسی کی مدح سرائی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تعریف کرنے والے کا دل ممدوح کی ملکیت بن چکا ہے اور یہ اس کا مرید معتقد اور اس کی مشیت کے تحت مسخر ہے جب کہ دلوں کا مالک ہونا پسندیدہ اور اس کے حصول کا شعور لذیذ ہوتا ہے اور اسی سبب سے جب وہ شخص تعریف کرے جس کی طاقت زیادہ ہوتی ہے اور اس کا دل قابو میں آنے سے نفع حاصل ہوتا ہے تو اس صورت میں لذت بڑھ جاتی ہے جیسے بادشاہ یا دیگر بڑے لوگوں کے دلوں کی تسخیر کا معاملہ ہے۔

اور اگر تعریف کرنے والا ایسا شخص ہو جس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور اسے کوئی طاقت بھی حاصل نہیں ہوتی لذت کم ہوتی ہے، کیونکہ اس قسم کے بے قدر شخص کے دل کا مالک بن بھی جائے تو یہ ایک حقیر چیز پر قادر ہونا ہے لہذا یہ تعریف ممدوح میں قدرت ناقصہ پر دلالت کرتی ہے اور اسی سبب سے مذمت ناپسندیدہ ہوتی ہے اور اس سے دل کو رنج بھی پہنچتا ہے اور اگر اکابر میں سے کوئی برائی بیان کرے تو رنج زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ اس طرح ایک بڑا مطلب فوت ہو گیا۔

تیسرا سبب:

تعریف کرنے والے کی تعریف اس بات کا سبب بنتی ہے کہ سننے والوں کے دل بھی معتقد ہو جائیں خصوصاً جب تعریف کرنے والا ایسا شخص ہو جس کی بات کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور اس کی تعریف کا اعتبار کیا جاتا ہے لیکن یہ مجلس میں کی جانے والی تعریف کے ساتھ خاص ہے لہذا یہ بات یقینی ہے کہ جب اجتماع زیادہ ہو اور تعریف کرنے والا اس لائق ہو کہ اس کی بات کی طرف توجہ کی جائے تو اس تعریف میں لذت زیادہ ہو گی اور اس صورت میں مذمت بھی نفس پر بہت گراں گزرتی ہے۔

چوتھا سبب:

تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح بارعب اور دبدبے والا شخص ہے اور تعریف کرنے والا اس کی تعریف میں زبان کھولنے پر مجبور ہے چاہے رغبت سے ہو یا دباؤ کے تحت مجبور ہوا ہو کیوں کہ دبدبہ بھی اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں غلبہ اور طاقت ہوتی ہے اور اس تعریف سے لذت حاصل ہوتی ہے اگرچہ تعریف کرنے والے کے دل میں ان اوصاف کا اعتقاد نہ ہو جن کی بنیاد پر وہ تعریف کر رہا ہے لیکن وہ اس کے غلبہ اور قہر کی وجہ سے تعریف پر مجبور ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس قدر تعریف کرنے والا قوی ہو گا اور تواضع کے طور پر تعریف کرنے سے منکر ہو گا اسی قدر اس کی تعریف سے لذت بھی زیادہ حاصل ہو گی ـــــ بعض اوقات یہ چاروں اسباب ایک تعریف کرنے والے کی تعریف میں جمع ہو جاتے ہیں تو ان سے لذت بہت بڑھ جاتی ہے اور کبھی یہ جدا جدا ہوتے ہیں تو لذت کے حصول میں نقصان آجاتا ہے۔

جہاں تک پہلے سبب کا تعلق ہے یعنی کمال کا شعور حاصل ہو تو وہ اس صورت میں ختم ہو جاتا ہے جب ممدوح کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے (میں ان صفات سے موصوف نہیں ہوں) مثلاً جب کسی شخص کی تعریف اس بنیاد پر کی جاتے کہ وہ اچھے نسب والا ہے یا سخی ہے یا عالم ہے یا ممنوع کاموں سے بچنے والا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے اندر ان صفات کے برعکس باتیں پائی جاتی ہیں تو جو لذت اس کمال کے شعور کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اس

صورت میں زائل ہوجاتی ہے لیکن اس کے دل پر چھا جانے وغیرہ کی لذت باقی رہتی ہے۔
اور اگر اسے معلوم ہو جائے کہ تعریف کرنے والا جو کچھ کہہ رہا ہے وہ خود اس کا اعتقاد نہیں رکھتا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس (ممدوح) میں بھی یہ صفات پائی نہیں جاتیں تو دوسری لذت بھی باطل ہو جائے گی اور وہ اس کے دل پر غالب آنا ہے اب ظاہری دبدبہ اور شوکت کی لذت باقی رہ جائے گی جس کی بنیاد پر اس کی زبان ثناء گوئی پر مجبور ہوتی ہے۔ اور اگر یہ تعریف خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ مذاق کے طور پر کرتا ہے تو تمام لذتیں ختم ہو جائیں گی اب اس میں لذت بالکل باقی نہیں رہے گی کیونکہ تینوں اسباب ختم ہو گئے۔
تو نفس کو تعریف سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کی وضاحت یہ (مذکورہ بالا) ہے ہم نے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے تا کہ جاہ کی محبت، تعریف کی چاہت اور مذمت کے خوف کے علاج کا طریقہ معلوم ہو جائے کیوں کہ جس بیماری کا سبب معلوم نہ ہو اس کا علاج ممکن نہیں ہوتا اس لیے کہ علاج تو مرض کے اسباب کو دور کرنے کا نام ہے۔
اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے توفیق دینے والا ہے اللہ تعالیٰ کی ہر پسندیدہ اور مختار بندے پر رحمت ہو۔
نویں فصل:

حُبِ جاہ کا علاج

جان لو! جس آدمی کے دل پر جاہ کی محبت غالب آجائے اس کا مقصد صرف مخلوق کی رعایت کرنا رہ جاتا ہے وہ صرف ان سے دوستی لگاتا اور ان کے لیے نمائش کرنا رہ جاتا ہے وہ صرف ان سے دوستی لگاتا اور ان کے لیے نمائش کرتا ہے وہ اپنے اقوال و افعال میں صرف اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ لوگوں کے ہاں اس کا بہت بڑا مقام ہو اور یہی بات منافقت کا بیج اور فساد کی جڑ ہے اور لامحالہ یہ بات عبادات میں سستی دکھاوے اور ممنوع کاموں کے ارتکاب کا باعث بنتی ہے کیوں کہ وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف و حال کی محبت اور ان کی وجہ سے دین کے چلے جانے کو نقصان پہنچانے والے دو بھیڑیوں کے مشابہ قرار دیا ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس (جاہ و مرتبہ کی محبت) سے نفاق اس طرح پروان چڑھتا ہے جیسے پانی سے سبزی اُگتی ہے کیوں کہ منافقت، ظاہر و باطن کے درمیان فرق کا نام ہے وہ قولاً ہو یا فعل کے اعتبار سے ہو۔ اور جو شخص لوگوں کے دلوں میں مقام و مرتبہ چاہتا ہے وہ ان کے ساتھ منافقت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے نیز وہ بتکلف اچھی خصلتیں ظاہر کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے خالی ہوتا ہے اور یہ منافقت ہے۔
پس جاہ کی محبت ہلاک کرنے والے امور میں سے ہے لہٰذا اس کا علاج اور دل سے اس کا ازالہ واجب ہے کیونکہ مال کی محبت کی طرح یہ بھی ایک فطری اور طبعی امر ہے اور اس کا علاج علم اور عمل دونوں سے مرکب ہے۔

علم سے جاہ کی محبت کا علاج

اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے اس سبب کا علم ہو جس کے ذریعے وہ جاہ و مرتبہ کی چاہت رکھتا ہے اور وہ لوگوں کے جسموں اور دلوں پر مکمل طور قادر ہونا چاہتا ہے اور ہم نے بیان کیا کہ اگر یہ بات صحیح طور پر حاصل بھی ہو جائے تو موت تک باقی رہتی ہے یہ باقی رہنے والے اعمال صالحہ سے نہیں ہے اگر مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین کے لوگ تجھے سجدہ بھی کریں تو پچاس سال تک نہ سجدہ کرنے والے رہیں گے اور نہ وہ باقی رہے گا جسے سجدہ کیا گیا۔ اور تمہارا حال جاہ و مرتبہ رکھنے والے اور ان کے سامنے جھکنے والے ان لوگوں کی طرح ہو گا جو مر چکے ہیں۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے اس دین کو نہ چھوڑا جائے جو ابدی زندگی ہے کبھی ختم نہیں ہو گی اور جو شخص کمال حقیقی اور کمال وہمی کو سمجھ جاتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تو اس کی نگاہ میں جاہ و مرتبہ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی لیکن یہ اسی کی نگاہ میں حقیر ہوتا ہے جو آخرت کی طرف نگاہ کرتا ہے گویا وہ آخرت کو دیکھ کر فوری فائدے کو حقیر سمجھتا ہے۔ اور گویا اسے موت آچکی ہے۔ اور اس کا حال حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرح ہو جاتا ہے کہ جب آپ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو لکھا۔

"حمد و صلوٰۃ کے بعد! گویا کہ آپ وہ آخری آدمی ہیں جس پر موت لکھی گئی اور وہ مر گیا"۔ ـــــ تو دیکھو کس طرح انہوں نے مستقبل پر نظر رکھی اور اسے موجود تصور کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا بھی یہی حال تھا انہوں نے جواب میں لکھا۔

"حمد و صلوٰۃ کے بعد! گویا آپ دنیا میں آئے ہی نہیں اور ہمیشہ آخرت میں رہے"۔ ـــــ تو ان لوگوں کی توجہ انجام کی طرف تھی اور اس کے لیے انہوں نے تقویٰ اختیار کیا کیونکہ ان کو اس بات کا علم تھا کہ آخرت کا اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔ لہٰذا انہوں نے دنیا میں جاہ و مال کو حقیر جانا لیکن عام لوگوں کی بینائی میں کمزوری ہے وہ صرف فوری نفع کو دیکھتے ہیں ان کی آنکھوں کا نور انجام کے مشاہدہ کی طرف نہیں بڑھتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ (۱)

بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ۔ (۲)

ہرگز نہیں، تم دنیا کو پسند کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الاعلیٰ آیت ۱۶، ۱۷

(۲) قرآن مجید، سورۃ القیامۃ آیت ۲۰

پس جس کا یہ حال ہو اسے چاہیئے کہ جاہ و منصب سے اپنے دل کا علاج فوری آفات کے علم کے ذریعے کرے یعنی ان خطرات میں غور و فکر کرے جو دنیا میں ارباب جاہ کو پیش آتے ہیں کیونکہ ارباب جاہ سے حسد کیا جاتا ہے اور لوگ ان کی ایذا کے درپے ہوتے ہیں نیز انہیں ہمیشہ اپنے جاہ (کے جانے) کا خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں لوگوں کے دلوں سے اس کا مرتبہ گر نہ جائے۔ اور دلوں کا حال یہ ہے کہ ہنڈیا کے ابال سے بھی زیادہ متغیر ہوتے ہیں کبھی اعراض کرتے ہیں لہذا جو آدمی لوگوں کے دلوں پر اعتماد کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو سمندر کی موجوں پر عمارت تعمیر کرتا ہے یعنی دونوں کے لیے بقا نہیں ہے۔

لوگوں کے دلوں کا خیال رکھنا، جاہ کی حفاظت، حاسدین کے مکر و فریب کو دور کرنا اور دشمنوں کی طرف سے پہنچنے والی ایذا کو دور کرنا دنیوی غم ہیں جن سے جاہ کی پھیکی پڑ جاتی ہے پس دنیا میں ہی اس خوف کے مقابلے میں امید چھوٹ جاتی ہے آخرت کا جو فائدہ فوت ہو جاتا ہے وہ اس سے الگ ہے تو اس طرح کمزور بصیرت کا علاج کرنا چاہیئے لیکن جس کی بصیرت کام کرتی ہو اور اس کا ایمان مضبوط ہو وہ دنیا کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا یہ تو علم کے اعتبار سے علاج تھا۔

عمل کے ذریعے علاج:

عمل کے ذریعے جاہ کا علاج اس طرح ہے کہ ایسا کام کرے جس پر ملامت کی جاتی ہے اور اس طرح مخلوق کے دلوں سے اس کا مقام گر جائے گا اور پھر ان کی نگاہوں میں بھی اس کی وقعت نہیں رہے گی یوں اس سے قبولیت کی لذت جدا ہو گی اور وہ گمنامی اور مخلوق کی طرف سے رد کئے جانے سے مانوس ہو گا اب وہ صرف خالق کی قبولیت پر قناعت کرے گا ملامتی فرقے کا یہی مذہب ہے وہ لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں تاکہ لوگوں کی نگاہوں سے گر جائیں اور جاہ کی آفت سے محفوظ ہو جائیں لیکن جو شخص پیشوا ہو اس کے لیے یہ صورت جائز نہیں کیوں کہ اس طرح مسلمانوں کے دلوں میں دین کی ہتک کا خیال آتا ہے اور جو شخص پیشوا نہ ہو اس کے لیے بھی ممنوع کام کرنا جائز نہیں اور اس کی وجہ بھی یہی (مذکورہ بالا) ہے بلکہ وہ جائز کاموں میں سے وہ کام کرے جس کے باعث لوگوں کے نزدیک اس کی قدر نہ رہے۔ جیسے منقول ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک زاہد کے پاس جانے کا ارادہ کیا جب اسے بادشاہ کے قریب آنے کا علم ہوا تو اس نے کھانا اور ساگ منگوایا اور حریص شخص کی طرح کھانا شروع کر دیا اور بڑے بڑے لقمے ڈالے جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو اس کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہ رہی اور وہ واپس چلا گیا زاہد نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تجھے مجھ سے دور کر دیا۔

اسی طرح ان لوگوں میں سے کسی نے حلال مشروب ایسے پیالے میں پیا جس کا رنگ شراب کا رنگ تھا حتی کہ اس کے بارے میں گمان کیا گیا کہ اس نے شراب پی ہے۔ اس طرح لوگوں کی نگاہوں سے اس کا مقام گر گیا فقہی اعتبار سے اس عمل کا جواز محل نظر ہے لیکن ارباب احوال بعض اوقات اپنے نفسوں کا علاج ایسے کاموں کے ذریعے کرتے ہیں جن کے بارے میں مفتی فتویٰ نہیں دیتا لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے دلوں کی اصلاح اسی طریقے سے ہوتی ہے پھر ان سے جو کوتاہی ہوتی ہے اس کا تدارک کرتے ہیں۔ جیسے ایک شخص زاہد معروف تھے اور لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے ایک دن وہ حمام میں داخل ہوئے

کسی دوسرے آدمی کے کپڑے پہنے اور باہر نکل گئے وہ راستے میں کھڑے ہو گئے حتی کہ لوگوں نے پہچان لیا کہ یہ کپڑے ان کے نہیں ہیں تو انہوں نے ان کو پکڑ کر مارنا شروع کر دیا اور کپڑے چھین لیے نیز انہوں نے کہنا شروع کر دیا اور کپڑے چھین لیے نیز انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ شخص چور ہے اور یوں ان کو چھوڑ دیا جاہ و مرتبہ کی چاہت کو ختم کرنے کا نہایت مضبوط طریقہ یہ ہے کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے ایسی جگہ چلا جائے جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہو، کیوں کہ جو شخص اپنے گھر میں گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے اور اسی شہر میں رہتا ہے جس میں وہ مشہور ہے تو اس گوشہ نشینی سے لوگوں کے دلوں میں اس کا مقام اور مرتبہ پیدا ہوتے کی چاہت پیدا ہو گی کیونکہ بعض اوقات انسان خیال کرتا ہے کہ اسے جاہ و مرتبہ کی چاہت نہیں ہے حالانکہ وہ دھوکے میں پڑا ہوا ہوتا ہے کیوں کہ جب نفس کو اس کا مقصود مل جاتا ہے تو اسے سکون حاصل ہوتا ہے اور اگر اس کے بارے میں لوگوں کا اعتقاد بدل جائے اور وہ اس کی مذمت کریں یا اس کی طرف کسی غیر مناسب کام کی نسبت کریں تو اس وقت اس کا نفس مضطرب ہو اور اسے رنج پہنچے - اور ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی عذر پیش کر کے لوگوں کے دلوں سے غبار کو ختم کرے اور بعض اوقات وہ لوگوں کے دلوں سے اس گرد کو زائل کرنے کے لیے جھوٹ بولنے اور دھوکہ دہی کا محتاج ہوتا ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا ایسی صورت میں واضح ہوتا ہے کہ ابھی تک اس کے دل میں جاہ و مرتبہ کی چاہت ہے - اور جو شخص جاہ اور مرتبہ کی چاہت رکھتا ہے وہ مال سے محبت کرنے والے کی طرح ہے بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ برا ہے کیوں کہ جاہ و مرتبہ کا فتنہ بہت بڑا ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اسے لوگوں سے طمع بھی ہو اور وہ لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بھی نہ چاہے لیکن جب وہ محنت کر کے روزی کمائے یا کسی اور طریقے سے اسے حاصل ہو اور لوگوں سے اس کی طمع بالکل ختم ہو جائے تو اس کے نزدیک تمام لوگ گھٹیا ہوں گے اور اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہو گی کہ لوگوں کے دلوں میں اس کا کوئی مقام ہے یا نہیں؟

جس طرح وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ جو لوگ اس سے نہایت دور مشرق میں ہیں ان کے دلوں میں کیا ہے اور کیا نہیں - کیونکہ نہ تو وہ ان کو دیکھتا ہے اور نہ ہی ان سے کوئی طمع رکھتا ہے اور لوگوں سے طمع اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے جب قناعت کی دولت حاصل ہو - اس لیے کہ جو شخص قناعت اختیار کرتا ہے وہ لوگوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور جب بے نیاز ہو جائے تو اس کا دل لوگوں کے ساتھ مشغول نہیں ہوتا اور اگر لوگوں کے دلوں میں اس کا مقام ہو بھی تو اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور جاہ کی چاہت کو مکمل طور پر اسی صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے جب آدمی قناعت اختیار کرے اور طمع ختم ہو جائے - اور ان تمام پر ان احادیث سے مدد حاصل کرے جو جاہ کی مذمت اور گمنامی اور تواضع کی تعریف میں وارد ہیں جیسے اسلاف کا قول مشہور ہے کہ مومن ذلت، قلت، بیماری سے خالی نہیں ہوتا نیز بزرگوں کے حالات کو دیکھے کہ انہوں نے عزت پر ذلت کو ترجیح دی اور اخروی ثواب کے ہی طلبگار رہے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔

دسویں فصل :

مدح کی چاہت اور مذمت کی ناپسندیدگی کے علاج کا طریقہ

جان لو! اکثر لوگ اس لیے ہلاک ہوتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی طرف سے مذمت کا خوف اور مدح سرائی کی چاہت ہوتی ہے اس لیے ان کی تمام حرکات لوگوں کی مرضی کے موافق ہوتی ہیں کیونکہ ان کو تعریف کی امید اور برائی بیان کرنے کا خوف ہوتا ہے اور یہ بات ہلاک کرنے والے امور میں سے ہے لہٰذا اس کا علاج ضروری ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان اسباب کو دیکھا جائے جن کی وجہ سے تعریف پسند اور مذمت ناپسند ہوتی ہے۔

پہلا سبب :

تعریف کرنے والے کے قول سے اپنے کمال پر مطلع ہونا ہے اس کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنی عقل کی طرف رجوع کرو اور دل میں سوچو کہ کیا وہ صفت جس کی بنیاد پر تمہاری تعریف کی گئی ہے کیا تم اس سے موصوف ہو یا نہیں۔ اگر تم اس صفت سے موصوف ہو تو پھر دیکھو کیا یہ ایسی صفت ہے جس کے باعث تم مدح کے مستحق ہوتے ہو جیسے علم اور تقویٰ وغیرہ یا ایسی صفت ہے جس کے سبب سے تم تعریف کے مستحق قرار نہیں پاتے جیسے مالدار ہونا، جاہ و مرتبہ کا پایا جانا اور دنیوی سامان کا حصول ـــــ

اگر یہ صفت دنیوی سامان میں سے ہو تو اس پر خوش ہونا زمین کی سبزی پر خوش ہونے کی طرح ہے جو عنقریب سوکھی گھاس بن جائے گی جسے ہوائیں اڑاتی پھریں گی۔ اس صفت پر خوش ہونا کم عقلی کی دلیل ہے بلکہ عقلمند تو اس طرح کہتا ہے جیسے متنبی (شاعر) نے کہا۔

أَشَدُّ الْغَمِّ عِنْدِي فِي سُرُوْرٍ \ تَيَقَّنَ عَنْهُ صَاحِبُهُ انْتِقَالَا۔

میرے نزدیک سب سے شدید غم اس خوشی کی حالت میں ہوتا ہے جس سے اس کا جلد منتقل ہونا ضروری ہو۔

لہٰذا انسان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ دنیوی ساز و سامان پر خوش ہو اور اگر اس پر خوشی کا اظہار کرے تو بھی تعریف کرنے والے کی تعریف سے نہیں بلکہ اس کے پائے جانے کی وجہ سے خوش ہو۔

اور تعریف اس (سامان) کے وجود کا سبب نہیں ہے۔ اور اگر وہ صفت ایسی ہو جو خوشی کا باعث بن سکتی ہے جیسے علم اور تقویٰ، تو بھی اس پر خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خاتمے کا علم نہیں کہ کیسے ہوگا۔ البتہ ان صفات پر اس اعتبار سے خوش ہو کہ یہ قرب خداوندی کا ذریعہ ہیں لیکن خاتمہ کا خطرہ باقی ہے اس لیے آدمی برے خاتمے کے خوف سے دنیا کی کسی چیز پر خوش نہیں ہوتا بلکہ دنیا تو غموں اور پریشانیوں کا گھر ہے خوشی اور سرور کا گھر نہیں ہے۔

اور اگر تم حسن خاتمہ کی امید کی بنیاد پر خوش ہوئے ہو تو مناسب یہ ہے کہ تم اس بات پر خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ نے

علم اور تقویٰ کی صورت میں تم پر اپنا فضل فرمایا۔ تعریف کرنے والے کی تعریف پر خوش نہ ہو کیوں کہ لذت تو اس بات سے حاصل ہوتی ہے کہ تمہیں ایک کمال کا شعور حاصل ہوا اور کمال اللہ تعالیٰ کے فضل سے وجود میں آیا ہے تعریف کرنے کی وجہ سے نہیں تعریف تو اس کے تابع ہے لہٰذا تعریف پر خوش نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ تعریف سے فضیلت میں اضافہ نہیں ہوتا۔

اور اگر وہ صفت جس کی بنیاد پر تمہاری تعریف کی جا رہی ہے جو تم میں پائی نہیں جاتی تو اس صورت میں تعریف پر خوش ہونا انتہائی درجہ کا پاگل پن ہے اور تم اس شخص کی مثل ہو گئے جس کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے کہا جائے واہ آپ کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ کس قدر معطر ہے اور جب آپ قضائے حاجت کے لیے جاتے ہیں تو کتنی اچھی خوشبو آتی ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اس کی آنتوں میں گندگی بھری ہوتی ہے پھر بھی اس پر خوش ہوتا ہے اسی طرح جب لوگ تمہاری تعریف کرتے ہوئے تمہیں نیک اور متقی قرار دیں اور تم اس پر خوش ہو جب کہ اللہ تعالیٰ تمہاری باطنی خباثت اور اندرونی خرابیوں پر مطلع ہے تو تمہارا خوش ہونا انتہائی جہالت ہے۔ نتیجہ یہ ہو کہ اگر تعریف کرنے والے نے سچ کہا ہے تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل پر خوش ہونا چاہیے کیوں کہ یہ صفت اسی کا فضل ہے اور اگر اس نے جھوٹ کہا ہے تو تمہیں اس پر خوش ہونے کی بجائے پریشان ہونا چاہیے۔

دوسرا سبب:

تعریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تعریف کرنے والے کا دل مسخر ہو چکا ہے اور اس سے دوسروں کے دل بھی مسخر ہوں گے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنے مقام و مرتبہ کی چاہت پیدا ہوتی ہے اس کے علاج کا طریقہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ لوگوں سے طمع ختم کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا مقام بنانے اور اس پر خوش ہونے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا مرتبہ کم ہو جاتے گا۔ تو تم اس پر کیسے خوش ہوتے ہو؟

تیسرا سبب:

ممدوح کے دبدبہ کی وجہ سے تعریف کرنے والا اس کی تعریف کرتا ہے یہ بھی ایک عارضی قدرت ہے جو پائیدار نہیں ہے اس لیے یہ تعریف کا سبب نہیں بن سکتی بلکہ تمہیں چاہیے کہ اس پر غمگین ہو اسے ناپسند کرو اور تمہیں غصہ آنا چاہیے جیسا کہ بعض اسلاف سے منقول ہے کیوں کہ تعریف سے ممدوح بہت بڑی آفت کا شکار ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم نے زبان کی آفات کے ضمن میں ذکر کیا ہے ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو شخص تعریف پر خوش ہوتا ہے وہ شیطان کو اپنے اندر داخل ہونے پر طاقت دیتا ہے۔

اور دوسرے بعض اکابر کا قول ہے کہ جب تمہیں کہا جائے کہ تم اچھے آدمی ہو اور تجھے یہ بات اس بات سے زیادہ پسند ہو کہ تمہیں کہا جاتے تم بہت برے آدمی ہو تو قسم بخدا تم برے آدمی ہو۔

بعض روایات میں مروی ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو یہ کمر توڑنے والی ہے وہ یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص نے دوسرے آدمی کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا اگر وہ شخص (ممدوح) حاضر ہوتا اور وہ تمہاری اس بات کو پسند کرتا اور اسی بات پر اس کا انتقال ہو جاتا تو وہ جہنم میں داخل ہوتا (۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کسی تعریف کرنے والے سے فرمایا۔

وَيْحَكَ قَصَمْتَ ظَهْرَهُ لَوْ سَمِعَكَ مَا أَفْلَحَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (۱)

تیرا برا ہو تم نے اس (ممدوح) کی کمر توڑ دی اگر وہ اسے سن لیتا (اور اس پر خوش ہوتا) تو قیامت تک فلاح نہ پاتا۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

أَلَا لَا تَمَادَحُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُ الْمَادِحِينَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ۔ (۲)

سنو! ایک دوسرے کی تعریف نہ کرو اور جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈالو۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعریف کرنے اور اس کے فتنہ نیز اس کی وجہ سے جو قلبی سرور حاصل ہوتا ہے، اس سے بہت زیادہ ڈرتے تھے حتیٰ کہ خلفاء راشدین میں سے ایک (خلیفۂ راشد) نے ایک شخص سے کوئی چیز مانگی اور کہا اے امیر المومنین! آپ مجھ سے زیادہ بہتر اور علم والے ہیں تو ان کو غصہ آیا اور انہوں نے فرمایا میں نے تجھے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم میرا تزکیہ کرو۔

کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو باقی رکھے گا لوگ بھلائی میں ہوں گے تو انہیں غصہ آیا انہوں نے فرمایا میرا خیال ہے تم عراقی ہو اسی طرح ان میں سے کسی کی تعریف کی گئی تو انہوں نے یوں دعا مانگی۔

یا اللہ! تیرا بندہ تیرے غصہ کے ساتھ میرے قریب ہونا چاہتا ہے میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں اس سے ناراض ہوں۔

انہوں نے تعریف کو اس لیے پسند نہ فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مخلوق کے تعریف کرنے پر خوش ہوں اور ان کا خالق ان سے ناراض ہو اور چونکہ وہ اس بات میں مصروف رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کیا حال ہو گا اس لیے مخلوق کا تعریف کرنا ان کی ناراضگی کا باعث ہوتا تھا کیونکہ تعریف کے قابل وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے۔ اور حقیقتاً قابل مذمت وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے دور ہے اور اسے برے لوگوں کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔

تو یہ ممدوح اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل جہنم میں سے ہے تو وہ کس قدر جاہل ہے کہ دوسروں کے تعریف کرنے پر خوش ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو اسے صرف اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی ثناء پر خوش ہونا چاہیے کیونکہ اس کا معاملہ مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہے اور جب اس کا عقیدہ ہو گا کہ رزق اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو مخلوق کی طرف سے تعریف یا مذمت کی طرف اس کی توجہ کم ہو گی اور اس کے دل سے مدح کی چاہت ختم ہو جائے گی اور وہ اہم دینی امور میں مشغول ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت سے راہ راست کی توفیق دینے والا ہے۔

---

(۱)

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۵۱ مرویات ابو بکرہ

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱۴ کتاب الزھد

گیارھویں فصل:

مذمت سے نفرت کا علاج

اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ مذمت سے نفرت کا سبب تعریف کی چاہت کے سبب کی ضد ہے لہٰذا اس کا علاج بھی اسی سے معلوم ہو جاتا ہے اس سلسلے میں مختصر بات یہ ہے کہ جو شخص تمہاری برائی بیان کرتا ہے وہ تین حالتوں (امور) سے کسی ایک) سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ اپنی بات میں سچا ہے اور اس کا ارادہ خیر خواہی اور شفقت ہے یا وہ اپنی بات میں سچا تو ہے لیکن اس کا مقصد ایذا رسانی اور مشقت میں ڈالنا ہے یا وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے اگر وہ سچ کہتا ہے اور اس کا مقصد بھی خیر خواہی ہے تو تمہارے لیے مناسب نہیں کہ اس کی مذمت کرو اور اس پر غصہ جھاڑو اور اس وجہ سے اس سے کینہ رکھو بلکہ تمہیں اس کا احسان مند ہونا چاہیئے کیوں کہ وہ تمہیں تمہارے عیب دکھاتا ہے اور وہ یوں وہ ہلاکت کے مقام کی نشاندھی کر کے تمہیں اس سے بچاتا ہے لہٰذا تمہیں اس پر خوش ہونا اور بری عادات کے ازالہ میں مصروف ہونا چاہیئے اگر تم ایسا کر سکتے ہو۔ اس کی اس بات پر غمگین ہونا اس سے نفرت کرنا اور اس کی مذمت کرنا انتہائی درجہ کی جہالت ہے۔

اور اگر اس کا ارادہ تمہیں رنج پہنچانا ہے تو بھی تمہیں اس کی بات سے نفع پہنچے گا کیوں کہ اس نے تمہیں تمہارے عیبوں سے آگاہ کیا ہے کیوں کہ تمہیں ان کا علم نہیں تھا یا تم غافل تھے تو تمہیں وہ عیب یاد دلا دیئے یا تمہاری نظروں میں ان کو قبیح قرار دیا۔ تاکہ اگر تم ان کو اچھا سمجھتے ہو تو ان کے ازالہ کی رغبت پیدا ہو یہ تمام صورتیں تمہاری سعادت کے اسباب ہیں جو تمہیں اس شخص سے بطور تحفہ حاصل ہوئے لہٰذا جب اس سے مذمت کی بات سننے کے سبب تمہیں یہ اسباب سعادت حاصل ہوئے تو اب تمہیں حصول سعادت میں مشغول ہونا چاہیئے۔

مثلاً تم بادشاہ کے پاس جانا چاہتے ہو اور تمہارے کپڑوں میں گندگی لگی ہوئی ہے جس کا تمہیں علم نہیں ہے اگر تم اسی حالت میں اس کے پاس جاؤ تو تمہیں ڈر ہوگا کہ کہیں وہ تمہاری گردن نہ مار دے اب کوئی شخص تمہیں کہتا ہے کہ تمہارے کپڑوں میں نجاست لگی ہوئی ہے اپنے آپ کو صاف کر لو تو تمہیں اس بات پر خوش ہونا چاہیئے کیوں کہ اس کا تمہیں آگاہ کرنا غنیمت ہے۔

اور تمام بری عادات آخروی ہلاکت کا باعث ہیں اور آدمی کو ان کا علم، اپنے دشمنوں کی بات سے ہوتا ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ اس بات کو غنیمت جانے۔

اور اگر دشمن نے رنج پہنچانے کا ارادہ کیا ہے تو یہ اس کا اپنا جرم ہے اور وہ اپنے دین کو نقصان پہنچا رہا ہے تمہارے لیے تو یہ ایک نعمت ہے لہٰذا تمہیں اس پر غصہ نہیں آنا چاہیئے جب کہ تم اس قول سے نفع اٹھا رہے ہو اور نقصان اس دوسرے آدمی کو ہو رہا ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ تم پر جھوٹ باندھتا ہے حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بات سے پاک صاف ہو تو اس صورت میں بھی تمہیں نفرت نہیں کرنی چاہیئے اور نہ ہی اس کی مذمت میں مشغول ہو بلکہ تین باتوں میں غور کرو۔

ایک یہ ہے کہ اگرچہ تم اس عیب سے خالی ہو لیکن اس جیسے کئی دوسرے عیب تم میں پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے جن عیبوں پر پردہ ڈالا ہے وہ بہت زیادہ ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے اس شخص کو تمہارے عیبوں پر مطلع نہیں فرمایا اور جو برائی تم میں نہیں پائی جاتی اس کے ذکر کے ذریعے دوسرے عیوب کے ذکر سے اسے دور رکھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کا یہ قول تمہاری دوسری خرابیوں اور گناہوں کے لیے کفارہ ہے گویا اس نے تم پر اس عیب کا الزام لگایا جو تم میں پایا نہیں جاتا اور ان سے بری الذمہ قرار دیا جن میں تم ملوث ہو اور جو شخص تمہاری غیبت کرتا ہے وہ اپنی نیکیاں تحفے کے طور پر تمہیں دیتا ہے اور جو آدمی تمہاری تعریف کرتا ہے اس نے تمہاری کمر توڑ دی تو کیا بات ہے کہ تم کمر کے توڑنے پر خوش ہوتے ہو اور نیکیوں کے تحفے پر غمگین ہوتے ہو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی ہیں حالانکہ تمہارا خیال یہ ہے کہ تم قربِ خداوندی کو پسند کرتے ہو۔

تیسری بات جس میں غور و فکر کرنا چاہیئے یہ ہے کہ اس بیچارے نے اپنا دینی نقصان کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گرا دیا نیز جھوٹ بول کر اپنے آپ کو ہلاک کیا اور دردناک عذاب کے لیے پیش کیا تو تیرے لیے مناسب نہیں کہ تو اس پر غضبناک ہو جب کہ خود اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرما رہا ہے اس طرح تم اس پر شیطان کو خوش کر رہے ہو اور بد دعا کرتے ہو کہ یا اللہ اسے ہلاک کر دے بلکہ تمہیں یوں کہنا چاہیے کہ یا اللہ! اس کی اصلاح فرما یا اللہ! اس کی توبہ قبول فرما یا اللہ! اس پر رحم فرما۔ جب غزوہ احمد کے موقعہ پر کفار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید کئے آپ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا اور آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو آپ نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (۱)

یا اللہ! میری قوم کو بخش دے یا اللہ! میری قوم کو ہدایت دے بے شک یہ لوگ جانتے نہیں۔

ایک شخص نے خود (لوہے کی ٹوپی) کے ساتھ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا سر انور زخمی کیا تو آپ نے اس کے حق میں دعا مانگی اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ اس کے سبب مجھے اجر ملے گا لہٰذا اس آدمی سے مجھے بھلائی ہی ملی ہے تو مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میری وجہ سے اسے عذاب ملے۔ اگر طمع ختم ہو جائے تو مذمت کی ناپسندیدگی معمولی بات بن جاتی ہے کیوں جب تم اس سے بے نیاز ہو گئے تو اس کا تمہاری مذمت کرنا تمہارے دل پر اثر انداز نہ ہوگی۔ اور دین کی اصل قناعت ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۴۱ مرویات عبد اللہ

اوراس سے مال وجاہ کی طمع ختم ہو جاتی ہے اور جب تک طمع موجود ہو تو جس سے تمہیں طمع ہو گی تم یہی چاہو گے کہ اس کے دل میں تمہارا مقام بنا رہے اور تمہاری تمام تر توجہ اس کے دل میں اپنا مقام بنانے پر رہے گی اور اس صورت میں دین کی سلامتی کی توقع نہیں ہو سکتی لہذا جو شخص مال وجاہ طلب کرتا ہے اور مدح سرائی کا خواہشمند ہے نیز وہ برائی بیان کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے اسے دین کی سلامتی کی امید نہیں رکھنی چاہیے یہ بہت بعید بات ہے۔

باد ھویں فصل:

مدح وذم کے سلسلے میں لوگوں کے احوال میں اختلاف

برائی بیان کرنے والے اور تعریف کرنے والے کی طرف نسبت کے حوالے سے لوگوں کے احوال چار قسم کے ہیں۔

پہلی حالت:

آدمی تعریف پر خوش ہوتا ہے اور تعریف کرنے والے کا شکریہ ادا کرتا ہے نیز برائی بیان کی جائے تو اسے غصہ آتا ہے اور برائی بیان کرنے والے سے کینہ رکھتا ہے اس سے بدلہ لیتا ہے یا بدلہ لینا چاہتا ہے عام لوگوں کا یہی حال ہے اور اس سلسلے میں یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

دوسری حالت:

مذمت کرنے والے پر دل ہی دل میں ناراض ہوتا ہے لیکن ظاہری طور پر بدلہ لینے سے زبان اور دیگر اعضاء کو روکتا ہے یونہی تعریف کرنے والے سے باطنی طور پر خوش ہوتا ہے لیکن خوشی کا اظہار نہیں کرتا یہ صورت بھی ناقص ہے لیکن پہلی صورت کے مقابلے میں کمال ہے۔

تیسری حالت:

اور یہ کمال کا پہلا درجہ ہے یعنی آدمی کے نزدیک تعریف اور برائی دونوں برابر ہوں نہ تو اسے مذمت غمگین کرے اور نہ ہی تعریف پر خوشی ہو بعض عبادت گزار خیال کرتے ہیں کہ وہ اس صفت سے موصوف ہیں لیکن اگر وہ اس کی علامات کے ساتھ اپنا امتحان نہ لیں تو دھوکے میں ہوتے ہیں۔ اس کی ایک علامت یہ ہے کہ اگر اس کی برائی بیان کرنے والا اس کے پاس دیر تک بیٹھے تو اس سے زیادہ بوجھ محسوس نہ ہو جتنا تعریف کرنے والے کے اس کے پاس بیٹھنے سے محسوس ہوتا ہے اسی طرح برائی بیان کرنے والے کی حاجت کو پورا کرنے کی نسبت تعریف کرنے والے کی حاجت کو پورا کرنے پر زیادہ خوشی نہ ہو اور نہ ہی زیادہ عزت کا باعث سمجھے۔

اگر اس کی برائی بیان کرنے والا اور تعریف کرنے والا اس کی مجلس سے غائب ہوں تو برائی بیان کرنے والے کی عدم موجودگی کو زیادہ معمولی بات نہ سمجھے برائی بیان کرنے والے کی موت کی نسبت تعریف کرنے والے کی موت کا غم زیادہ نہ ہو اگر

تعریف کرنے والے کو اس کے دشمنوں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو مذمت کرنے والے کو پہنچنے والی تکلیف کی نسبت اس سے زیادہ غمگین نہ ہو علاوہ ازیں برائی بیان کرنے والے کی لغزش کے مقابلے میں تعریف کرنے والے کی لغزش معمولی معلوم نہ ہو (یعنی دونوں کا معاملہ برابر برابر ہو) جب تعریف کرنے والے کی طرح برائی بیان کرنے والے کا معاملہ بھی معمولی معلوم ہو اور ہر اعتبار سے دونوں برابر ہوں تو گویا اس شخص نے یہ رتبہ پالیا لیکن یہ بات بہت بعید اور دلوں پر بہت سخت ہے اکثر لوگ اپنی تعریف پر دل ہی دل میں خوش ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ ان علامات سے اپنی آزمائش نہیں کرتے اس لیے ان کو اس بات کا شعور نہیں ہوتا۔

بعض اوقات عبادت گزار شخص کو اس بات کا شعور حاصل ہوتا ہے کہ اس کا دل تعریف کرنے والے کی طرف مائل ہے برائی بیان کرنے والے کی طرف نہیں اور شیطان اس کے لیے اس بات کو اچھا قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ تمہاری برائی بیان کرنے والے نے اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور تعریف کرنے والے نے تمہاری تعریف کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ہے لہٰذا یہ دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں برائی کرنے والے کو تمہارا برا جاننا دین کی وجہ سے ہے تو یہ شیطانی دھوکہ ہے کیونکہ اگر عبادت گزار شخص غور و فکر کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ اس شخص نے جو ارتکاب گناہ کیا ہے تو اس سے کہیں زیادہ لوگ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب گناہ کیا ہے تو اس سے کہیں زیادہ لوگ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب گناہ کیا ہے تو اس سے کہیں زیادہ لوگ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے ہیں لیکن نہ تو وہ ان کو برا جانتا ہے اور نہ ہی ان سے نفرت کرتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ جو شخص اس کی تعریف کرتا ہے وہ دوسروں کی مذمت سے خالی نہیں ہے اور مذمت جب گناہ ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کس کی مذمت کی جارہی ہے۔

لہٰذا عابد کا مذمت کرنے والے پر غصہ کرنا اپنے نفس کی طرف سے ہے پھر شیطان اسے دھوکہ دیتا ہے کہ تمہارا یہ عمل دین سے تعلق رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ نفسانی خواہش کے تحت اسے نیکی سمجھتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہو جاتا ہے۔

اور جو شخص شیطان کے مکر اور نفس کی آفات پر مطلع نہ ہو اس کی اکثر عبادات محض تھکاوٹ ہے اور ضائع ہو جاتی ہے اسے دنیا بھی نہیں ملتی اور وہ آخرت میں بھی نقصان اٹھاتا ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا	آپ فرما دیجئے کیا ہم تمہیں ان لوگوں کے بارے میں
الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	نہ بتائیں جو اپنے اعمال کے اعتبار سے زیادہ نقصان میں
وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا	ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا میں ان کی کوشش رائیگاں گئی اور
(۱)	وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

(۱) قرآن مجید سورۃ کہف آیت ۱۰۳

چوتھی حالت:

اور یہ عبادت میں صداقت ہے یعنی تعریف کو پسند نہ کرے اور تعریف کرنے والے سے ناراض ہو کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ بات اس کے لیے فتنہ ہے اور اس کی کمر کو توڑنے والی ہے نیز وہ اس کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے علاوہ ازیں جو شخص اس کی برائی بیان کرتا ہے اس سے محبت کرے کیونکہ اس نے اسے اس کے عیب بتا کر اہم بات کی طرف اس کی راہنمائی بھی کی اور اپنی نیکیوں کا تحفہ بھی دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رَأْسُ التَّوَاضُعِ اَنْ تَكْرَهَ اَنْ تُذْكَرَ بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ (۱)

تواضع کی اصل یہ ہے کہ تم نیکی اور تقویٰ کے ساتھ اپنے ذکر کو ناپسند کرو۔

بعض روایات میں یوں مروی ہے کہ وہ تعریف ہمارے جیسے لوگوں کی کمر توڑنے والی ہے بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو۔ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَيْلٌ لِلصَّائِمِ وَوَيْلٌ لِلْقَائِمِ وَوَيْلٌ لِلصُّوْفِ اِلَّا مَنْ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ؟ فَقَالَ اِلَّا مَنْ تَنَزَّهَتْ نَفْسُهٗ عَنِ الدُّنْيَا وَاَبْغَضَ الْمِدْحَةَ وَاسْتَحَبَّ الْمَذَمَّةَ۔ (۲)

روزے دار کے لیے خرابی ہے شب بیدار کے لیے خرابی ہے اُونی لباس پہننے والے (صوفی) کے لیے خرابی ہے مگر وہ (صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون؟ جس کی استثناء ہے) فرمایا جو شخص اپنے نفس کو دنیا سے پاک رکھے انہی تعریف ناپسند کرے اور مذمت کو اچھا جانے۔

اور یہ نہایت دشوار بات ہے۔

ہمارے جیسے لوگوں کی طمع دوسرے درجہ میں ہو سکتی ہے یعنی مذمت کرنے والے کی برائی اور تعریف کرنے والے سے خوشی دل میں ہو اور قول وعمل سے اسے ظاہر نہ کرے جہاں تک تیسری حالت کا تعلق ہے یعنی تعریف کرنے والے اور مذمت کرنے والے سے ایک جیسا سلوک کیا جائے تو اس میں ہماری طمع نہیں ہو سکتی پھر اگر ہم اپنے نفسوں میں دوسری حالت کی علامت تلاش کریں تو یہ بات بھی پوری نہیں ہوتی کیونکہ ہم تعریف کرنے والے کی عزت اور اس کی حاجات کو پورا کرنے کی جلدی کرتے ہیں اور مذمت کرنے والے کی عزت کرنا اس کی حاجات کو پورا کرنے کی جلدی کرتے ہیں اور مذمت کرنے والے کی عزت کرنا اس کی تعریف کرنا اور اس کی حاجات کو پورا کرنا ہم پر گراں گزرتا ہے۔ اور ظاہری عمل میں ان دونوں سے مساوی سلوک

---

(۱)

(۲) الفردوس بما ثور الخطاب جلد ۴ ص ۱۰۱ حدیث ۶۲۹۲ (کافی تبدیلی کے ساتھ)

نہیں کر سکتے جس طرح قلبی طور پر ہم ایسا نہیں کر سکتے اور جو شخص تعریف کرنے والے اور برائی کرنے والے سے ایک جیسا سلوک کرنے پر قادر ہو وہ اس زمانے میں پیشوا بننے کے لائق ہے وہ کبریت احمر ہے جس کا تذکرہ ہوتا ہے لیکن وہ دکھائی نہیں دیتا تو اس سے اوپر والے دو مرتبے کہاں ہوں گے۔ (کبریت احمر سرخ یاقوت کو بھی کہتے ہیں اور عنقا پرندہ بھی مراد ہوتا یعنی ایسا پرندہ جو دکھائی نہیں دیتا لیکن اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی

ان مراتب میں سے ہر رتبے کے مختلف درجات ہیں تعریف کے سلسلے میں درجات اس طرح ہیں کہ بعض لوگ اپنی تعریف کے خواہشمند ہوتے ہیں اور شہرت چاہتے ہیں اور اس مطلب کے حصول کے لیے جو کچھ ہو سکے کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ عبادات میں بھی دکھاوا کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے کی خاطر ممنوع کام کرنے کی پرواہ نہیں کرتے وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف کرتے رہیں یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔

جب کہ ان میں سے بعض لوگ جائز کاموں کے ذریعے یہ مطلب حاصل کرنا چاہتے ہیں نہ تو وہ اس مقصد کی خاطر عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی ممنوع کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ لوگ گرنے والے کنارے پر ہوتے ہیں کیوں کہ جس کلام اور اعمال کے ذریعے وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے چاہتے ہیں ان کی کوئی حد مقرر نہیں اس لیے اس کو ضبط بھی نہیں کیا جا سکتا لہٰذا قریب ہے کہ وہ مدح و ثنا کے حصول کے لیے ناجائز کام اختیار کرے ایسے لوگ تباہی کے قریب ہوتے ہیں۔

لیکن بعض لوگ نہ تو اپنی تعریف چاہتے ہیں اور نہ اس کی طلب کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب ان کی تعریف کی جائے تو ان کے دل میں سرور پیدا ہوتا ہے اب اگر وہ کوشش کر کے اس حالت کا مقابلہ نہ کریں اور بتکلف اس کی ناپسندیدگی ظاہر نہ کریں تو قریب ہے کہ فرطِ سرور انہیں اس درجہ پر پہنچا دے جو اس سے پہلے والا ہے اور اگر نفس پر مجاہدہ کر کے مدح سرائی کی آفات پر غور و فکر کرکے دل کو اس کی ناپسندیدگی پر مجبور کریں اور خوشی کو ناپسند کریں تو ایسے لوگ مجاہدے کے خطرہ میں رہتے ہیں کبھی جیت جاتے ہیں اور کبھی ہار جاتے ہیں۔

جب کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ اپنی تعریف سنتے ہیں تو نہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی غمگین بلکہ اس تعریف کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا یہ لوگ بھلائی پر ہیں اگرچہ یہ پوری طرح مخلص نہیں ہوتے۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو تعریف سنتے ہیں تو اسے ناپسند کرتے ہیں لیکن اس بات تک نوبت نہیں پہنچتی کہ تعریف کرنے والے پر غصے ہوں اور اس پر اعتراض کریں۔

لیکن سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ اپنی تعریف پر ناراض ہو اسے ناپسند کرے اور اس وجہ سے اسے غصہ آئے اور اس کا یہ ردعمل صداقت پر مبنی ہو ایسا نہ ہو کہ دل سے تعریف کو پسند کرے اور ظاہری طور پر اسے غصہ آئے کیونکہ یہ منافقت ہے وہ اپنی طرف سے اخلاص اور سچائی ظاہر کرنا چاہتا ہے جب کہ ان دونوں سے خالی ہوتا ہے۔

اسی طرح مذمت کرنے والے کے حق میں بھی مختلف احوال ہیں جو ان پہلے احوال کی ضد ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا درجہ

غصے کا اظہار ہے جب کہ آخری درجہ مذمت پر خوش ہونا ہے اور خوشی کا اظہار وہی شخص کرے گا جو اپنے نفس کے لیے دل میں کینہ رکھے کہ یہ نفس بڑا سرکش اور عیب دار ہے اور وعدہ خلاف بھی ہے نیز یہ مکر و فریب اور خبث رکھتا ہے لہٰذا وہ اس سے اس طرح نفرت کرتا ہے جس طرح دشمن سے نفرت کی جاتی ہے اور چونکہ انسان اپنے دشمن کی مذمت پر خوش ہوتا ہے اور یہ نفس بھی اس کا دشمن ہے لہٰذا اس کی مذمت پر خوش ہوتا ہے اور مذمت کرنے والے کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اسے ذہین اور سمجھدار سمجھتا ہے کہ اس نے اس کے نفسانی عیوب پر اطلاع پائی اور یہ مذمت اس شخص کے لیے گویا ایک قسم کی تسلی اور غنیمت ہوتی ہے کیونکہ اس طرح وہ لوگوں کی نظروں سے گر جانے کی وجہ سے ان کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے اور چونکہ انسان ہر قسم کی نیکی پر قائم نہیں رہ سکتا لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہ مذمت عیبوں کے خاتمے کے لیے بہتر ہو جس سے وہ عاجز ہوتا ہے اور اگر مرید تمام عمر اسی ایک خصلت کے لیے کوشش کرتا رہے یعنی اس کے نزدیک مذمت کرنے والا اور تعریف کرنے والا برابر ہو تو وہ ایسے کام میں مشغول ہوگا کہ دوسرے کام کے لیے فارغ نہیں ہوگا لیکن سعادت تک پہنچنے کے لیے اس کے راستے میں کئی گھاٹیاں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور جب تک وہ عمر بھر سخت مجاہدہ اختیار نہ کرے ان میں سے کسی ایک گھاٹی کو بھی طے نہیں کر سکتا۔

دوسرا حصہ :

ریاکاری یعنی عبادات کے ذریعے جاہ و منزلت کی طلب

اس حصے میں درج ذیل امور بیان ہوں گے ریاکاری کی مذمت، ریا کی حقیقت، کس چیز میں ریاکاری ہوتی ہے، ریاکاری کے درجات، مخفی ریاکاری، ریاکاری میں کون کون سے اعمال آتے ہیں اور کون کونسے نہیں آتے، ریاکاری کا علاج، عبادات کے اظہار کی اجازت، گناہوں کو چھپانے کی اجازت، ریا اور آفات کے خوف سے عبادات کو ترک کر دینا، مخلوق کے دیکھنے کے سبب عبادات پر بندہ کس قدر خوش ہو سکتا ہے، عبادت سے پہلے اور بعد مرید پر کیا بات دل میں جمائے رکھنا واجب ہے ــــ یہ کل دس فصلیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

پہلی فصل :

ریاکاری کی مذمت

جاننا چاہیے کہ ریاکاری حرام ہے اور دکھاوا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے اور اس بات پر آیات قرآن، اور احادیث و آثار کی شہادت پائی جاتی ہے۔

آیات :

ارشاد خداوندی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ۔ (۱)

پس ان نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو اپنی نماز میں سستی کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ریا کاری کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ۔ (۲)

اور وہ لوگ جو فریب کاریاں کرتے ہیں برے کاموں کے لیے، ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کا مکروفریب تباہ ہو کر رہے گا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے ریا کار لوگ مراد ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۔ (۳)

بے شک ہم تمہیں صرف رضائے خداوندی کے لیے کھانا کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ کا ارادہ نہیں کرتے۔

تو اس آیت میں ہر اس عمل کی نفی کر کے جو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے علاوہ ہو، مخلص لوگوں کی تعریف فرماتی ہے اور ریاکاری اس (اخلاص) کی ضد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (۴)

پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھے اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو عبادات اور اعمال کے ذریعے اجر اور تعریف کا طالب تھا۔ (۵)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ماعون آیت ۴، ۵، ۶

(۲) قرآن مجید، سورۃ فاطر آیت ۱۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ الدھر آیت ۹

(۴) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۱۱۰

(۵) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۳۲۹ کتاب التفسیر

احادیث :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! نجات کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا۔

اَنْ لَّا یَعْمَلَ الْعَبْدُ بِطَاعَةِ اللّٰہِ یُرِیْدُ بِھَا النَّاسَ۔ — بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت لوگوں (کو دکھانے) کے لیے نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تین (قسم کے) آدمیوں یعنی شہید، مال کا صدقہ دینے والے اور قاری کے بارے میں جو حدیث مذکور ہے اور ہم نے اسے اخلاص کے بیان میں نقل کیا ہے اس میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک سے فرمائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ تم (مال خرچ کرنے والے) نے ارادہ کیا کہ کہا جائے فلاں شخص سخی ہے (شہید سے کہا جائے گا) تم جھوٹ بولتے ہو تمہارا مقصد یہ تھا کہ کہا جائے فلاں آدمی بہادر ہے (اور قاری سے کہا جائے گا) تم جھوٹ بولتے ہو تمہارا مقصد یہ تھا کہ کہا جائے فلاں آدمی قاری ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ان لوگوں کے لیے ثواب نہیں ہے (۱) اور ان کی ریاکاری کی وجہ سے ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ رَاءٰی رَاءَی اللّٰہُ بِہٖ وَمَنْ سَمَّعَ اللّٰہُ بِہٖ۔ (۲) — جو شخص دکھاوے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کا بدلہ دیتا ہے اور جو آدمی (دوسروں کو) سنانے کے لیے (شہرت کے لیے) عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ایسا ہی سلوک کرے گا۔

ایک دوسری طویل حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اس شخص نے اپنے عمل سے میری رضا کا ارادہ نہیں کیا لہٰذا اسے سجین (دوزخ) میں ڈال دو (۳)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمُ الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ۔ — مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا دکھاوے کے لیے عمل کرنا۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو ارشاد فرمائے گا ان لوگوں کی طرف جاؤ جن کے لیے تم دنیا میں عمل

---

(۱) صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۱۴۰ کتاب الامارۃ

(۲) صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۴۱۲ کتاب الزھد

(۳) کتاب الزھد و الرقائق ص ۵۳ الحدیث ۱۵۲

کرتے تھے پس دیکھو کیا ان کے پاس تمہیں کوئی اجر ملتا ہے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"حزن (غم) کے کنویں سے پناہ مانگو" صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں ایک وادی ہے جو ریاکار لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ عَمِلَ لِيْ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ غَيْرِيْ فَهُوَ لَهٗ كُلُّهٗ وَاَنَا بَرِيْءٌ مِنْهُ وَاَنَا اَغْنَى الْاَغْنِيَاءِ عَنِ الشِّرْكِ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص میرے لیے عمل کرتے ہوئے اس میں میرے غیر کو شریک کرے تو وہ تمام عمل اس (غیر) کے لیے ہے اور میرے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں اور میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "جب تم میں سے کسی ایک کا روزہ ہو تو وہ اپنے سر اور داڑھی میں تیل لگائے اور ہونٹوں پر بھی ہاتھ پھیرے تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ یہ روزہ دار ہے اور جب دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو اور جب نماز پڑھے تو اپنے دروازے پر پردہ ڈال دے اور اللہ تعالیٰ ثنا (بھی) اسی طرح تقسیم کرتا ہے جس طرح رزق تقسیم فرماتا ہے"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَمَلًا فِيْهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ رِيَاءٍ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس میں ایک ذرہ کے برابر بھی دکھاوا ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے دیکھا تو رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے فرمایا میں نے اس قبر والے یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے آپ نے فرمایا۔

اِنَّ اَدْنَى الرِّيَاءِ شِرْكٌ۔ (۵)

بے شک تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۳۳۳ حدیث ۶۸۳۱

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۳ مقدمہ الکتاب

(۳) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۶۹ مقدمہ الکتاب

(۴) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۴۲ مقدمہ الکتاب

(۵) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۲۷۰ کتاب معرفۃ الصحابۃ

آخوف ما اخاف علیکم الریاء والشهوة الخفیۃ۔ (۱)

مجھے تم پر ریاکاری اور پوشیدہ شہوت کا زیادہ ڈر ہے۔

اور یہ بات بھی ریاکاری کی خطاؤں اور اس کی باریکیوں کی طرف لوٹتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إنَّ فی ظلِّ العرش یوم لا ظلَّ الا ظلُّه رجلاً تصدق بیمینه فکاد یخفیها عن شماله۔ (۲)

بے شک جس دن عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن عرش کے سائے میں وہ شخص (بھی) ہوگا جو دائیں ہاتھ سے صدقہ دیتا ہے تو قریب ہے کہ وہ اسے بائیں ہاتھ سے چھپائے۔

اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ پوشیدہ عمل، ظاہری عمل سے ستر گناہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إنَّ المرائی ینادی علیه یوم القیامة یا فاجر یا غادر یا مرائی ضلَّ عملك وحبط أجرك اذهب فخذ أجرك ممن کنت تعمل له۔ (۴)

قیامت کے دن ریاکار کو آواز دی جائے گی اے فاجر! اے دھوکے باز! اے ریاکار! تیرا عمل ضائع ہوا اور ثواب جاتا رہا اپنا اجر اس سے لے جس کے لیے تو عمل کرتا تھا۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیوں روتے ہیں؟

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوتے دیکھا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیوں روتے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

إنی تخوفت علی امتی الشرك اما انهم

بے شک مجھے اپنی امت پر شرک کا خوف ہے لیکن وہ بتوں

---

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۳۳۲ حدیث ۶۸۲۸

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۹۱ کتاب الزکوٰۃ

(۳) کنز العمال جلد اول ص ۴۴۷ حدیث ۱۹۲۹

(۴) الدر المنثور جلد اول ص ۳۰ تحت آیت یخادعون اللہ۔

لَا یَعْبُدُوْنَ صَنَمًا وَلَا شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلٰکِنَّھُمْ یُرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِھِمْ۔ (۱)

سورج، چاند اور پتھروں کی پوجا نہیں کریں گے بلکہ وہ اپنے اعمال میں ریا کاری کریں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا فرمایا تو وہ اپنے اوپر کی تمام مخلوق کے ساتھ کانپنے لگی پھر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کرکے ان کو زمین کی میخیں بنایا فرشتے آپس میں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے زیادہ سخت کوئی چیز نہیں بنائی تو اللہ تعالیٰ نے لوہا پیدا فرمایا اس نے پہاڑوں کو بھی کاٹ دیا پھر آگ پیدا فرمائی تو اس نے لوہے کو پگھلا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا کہ وہ آگ بجھائے اور ہوا کو حکم دیا اس نے پانی کو گدلا کر دیا اب فرشتوں میں اختلاف ہوا (کہ سب سے زیادہ سخت کون سی چیز ہے) تو انہوں نے عرض کیا اے رب! تیری مخلوق میں سے سب سے زیادہ سخت کون سی چیز ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے جتنی بھی مخلوق پیدا کی ہے اس میں سے کوئی بھی مخلوق انسان کے دل سے زیادہ سخت نہیں ہے جب وہ دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے تو اسے بائیں ہاتھ سے بھی چھپاتا ہے پس وہ میری تمام مخلوق سے زیادہ سخت ہے (۲)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اپنی سند سے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی خدمت عرض کیا کہ مجھے کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو راوی فرماتے ہیں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے حتیٰ کہ میں نے خیال کیا شاید ان کا رونا بند نہ ہو پھر خاموش ہو گئے اس کے بعد فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا اے معاذ! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا میں تم سے ایک حدیث کہتا ہوں اگر تم نے اسے یاد رکھا تو وہ تمہیں نفع دے گی اور اگر ضائع کر دیا اور یاد نہ رکھا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری دلیل نہیں چلے گی اے معاذ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے سات فرشتے پیدا فرمائے پھر آسمانوں کو پیدا کرکے ہر آسمان کے لیے ان فرشتوں میں سے ایک ایک فرشتہ دربان مقرر کیا اور ہر آسمان کو بڑی عظمت عطاء فرمائی۔

جب اعمال کے محافظ فرشتے بندے کے صبح سے شام تک کے اعمال لے کر اوپر جاتے ہیں اور اس عمل میں سورج کی طرح کا نور ہوتا ہے جب وہ آسمانِ دنیا تک (پہلے آسمان تک) جاتے اور وہ اس عمل کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں تو فرشتہ ان محافظ فرشتوں سے کہتا ہے جاؤ یہ عمل اس عمل کرنے والے کے منہ پر مارو میں غیبت کا فرشتہ ہوں مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں غیبت کرنے والے کے عمل کو یہاں سے آگے بڑھنے نہ دوں پھر فرشتے بندے کا کوئی اچھا عمل لے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۴ مرویات شداد بن اوس

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۲۴ مرویات انس

کر جاتے ہیں اور وہاں سے گزرتے ہوئے اسے پاک اور زیادہ سمجھتے ہیں جب وہ دوسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو وہاں کا مقرر فرشتہ کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور یہ عمل، عمل کرنے والے کے منہ پر مار دو اس شخص نے اپنے اس عمل سے دنیا کا سامان حاصل کرنا چاہا تھا مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اس کے اس عمل کو یہاں سے آگے گزرنے نہ دوں وہ مجلسوں میں بیٹھ کر اپنے اس عمل پر فخر کرتا تھا۔

آپ نے فرمایا پھر فرشتے بندے کا اور عمل جو صدقے، روزے اور نماز کی صورت میں ہو گا لے کر جائیں گے۔ اس میں ایسا نور چمکتا ہو گا کہ فرشتے بھی حیران رہ جائیں گے وہ اسے تیسرے آسمان تک لے جائیں گے تو وہاں کا مقرر فرشتہ کہے گا ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو اس عمل کرنے والے کے منہ پر مارو میں تکبر کا فرشتہ ہوں مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اس کے عمل کو یہاں سے آگے بڑھنے نہ دوں وہ مجالس میں لوگوں پر تکبر کیا کرتا تھا۔

آپ نے فرمایا پھر فرشتہ بندے کا عمل لے کر آگے جاتا ہے جو ستارے کی طرح چمکتا ہے اس میں تسبیح، نماز اور حج کی آواز ہوتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اسے چوتھے آسمان پر پہنچتے ہیں تو وہاں مقرر فرشتہ کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر مارو اور اسے اس کی پیٹھ اور پیٹ پر مارو میں خود پسندی والا فرشتہ ہوں میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں کسی عمل کو یہاں سے آگے بڑھنے نہ دوں جب یہ شخص عمل کرتا تھا تو اس میں خود پسندی کو داخل کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر فرشتے ایک اور عمل لے کر اوپر جاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ پانچویں آسمان تک جاتے ہیں اور وہ عمل دلہن کی طرح آراستہ ہوتا ہے تو وہاں مقرر فرشتہ کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر مارو اور اس کے کاندھے پر رکھ دو میں حسد کا فرشتہ ہوں جب کوئی شخص اس کی طرح سیکھتا یا عمل کرتا تو یہ حسد کیا کرتا تھا اسی طرح بندوں میں سے جس کو کوئی فضیلت حاصل ہوتی تو یہ ان سے حسد کرتا اور ان کو برا کہتا تھا مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں کسی عمل کو اس سے آگے بڑھنے نہ دوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر فرشتے بندے کا عمل جو نماز، زکوٰۃ، حج، عمرہ اور روزوں پر مشتمل ہوتا ہے، لے کر اوپر جاتے ہیں وہ چھٹے آسمان تک جاتے ہیں تو وہاں مقرر فرشتہ کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل والے کے منہ پر مارو جب بندگان خدا میں سے کسی کو کوئی مصیبت یا تکلیف پہنچتی تو وہ اس پر رحم نہیں کھاتا تھا بلکہ اس پر ہنسا کرتا تھا اور میں رحمت کا فرشتہ ہوں مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں کسی عمل کو یہاں سے آگے بڑھنے نہ دوں۔ پھر فرشتے عمل لے کر ساتویں آسمان کی طرف جاتے ہیں اور وہ عمل روزے، نماز، نفقہ، زکوٰۃ، اجتہاد اور تقویٰ کی صورت میں ہوتا ہے اس کی آواز بجلی کی کڑک اور چمک سورج کی چمک جیسی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ تین ہزار فرشتے ہوتے ہیں وہ اس عمل کو لے کر ساتویں آسمان کی طرف بڑھتے ہیں تو وہاں مقرر فرشتہ کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر مارو اور اس کے اعضاء پر ٹھوکو اور اس کے دل پر تالا ڈال دو جو عمل اللہ تعالیٰ کے لیے پیش نہیں کیا گیا میں اس کے راستے میں رکاوٹ بنوں گا اس شخص نے اپنے عمل سے غیر خدا کا ارادہ کیا ہے اس کا مقصد فقہاء کے نزدیک بلندی حاصل

کرنا، علماء کے درمیان تذکرہ اور شہروں میں مشہوری ہے مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اس کے عمل کو آگے نہ جانے دوں اور ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص نہ ہو وہ دکھاوا ہے اور اللہ تعالیٰ دکھاوا کرنے والے کے عمل کو قبول نہیں کرتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور فرشتے بندے کے عمل نماز، زکوٰۃ، روزے، حج، عمرے، اچھے اخلاق، خاموشی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ اوپر جاتے ہیں اور اس کے ساتھ آسمانوں کے فرشتے ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ تمام پردوں سے آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور اس شخص کے اچھے اعمال کی گواہی دیتے ہیں جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کیے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے تم بندے کے اعمال کے نگران ہو اور میں اس کے نفس کی نگرانی کرتا ہوں اس شخص نے اپنے عمل کے ساتھ میرا ارادہ نہیں کیا بلکہ میرے غیر کا ارادہ کیا ہے۔ اس پر تمام فرشتے کہتے ہیں اس آدمی پر تیری اور ہم سب کی لعنت ہو اور آسمان بھی کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ اور ہم سب کی لعنت ہو ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں —— حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں معاذ ہوں (میں کیا کروں؟) آپ نے فرمایا اے معاذ! میری اقتدار کرو اگرچہ تمہارے عمل میں کمی ہو،

اے معاذ! تیرے جو بھائی قرآن پڑھنے والے ہیں ان کے بارے میں اپنی زبان کی حفاظت کر اپنے گناہوں کو اپنے اوپر ڈالو دوسروں کے ذمے نہ لگاؤ ان کو برا کہہ کر اپنی پاکیزگی کا اظہار نہ کرو اپنے آپ کو ان پر بلند نہ سمجھو دنیوی عمل کو آخرت کے عمل میں داخل نہ کرو اپنی مجلس میں تکبر نہ کرو تاکہ لوگ تمہاری بداخلاقی سے محفوظ رہیں تیسرے آدمی کی موجودگی میں کسی سے سرگوشی نہ کرو لوگوں پر اپنی عظمت کا اظہار نہ کرو اس طرح تم دنیوی بھلائی سے محروم ہو جاؤ گے لوگوں کی ہتک نہ کرو ورنہ قیامت کے دن جہنم میں آگ کے کتے تمہیں چیر پھاڑ دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا۔ (۱) (اور ان کی قسم) جو آسانی سے بند کھولنے والی ہیں

اے معاذ! تمہیں معلوم ہے کہ وہ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں بیان فرمایئے آپ نے فرمایا جہنم کے کتے ہیں جو گوشت اور ہڈیوں کو دانتوں سے نوچیں گے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں ان خصائل کی طاقت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور ان دوزخ کے کتوں سے کون بچ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

اے معاذ! یہ کام ہر اس شخص کے لیے آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اسے آسان کر دے۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت معاذ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو تلاوت کرتے نہیں دیکھا وہ اس حدیث کے ڈر سے ایسا کرتے تھے۔ (۲)

---

(۱) قرآن پاک، سورۃ النازعات آیت ۲

(۲) الترغیب والترہیب جلد اول مقدمۃ الکتاب ص ۳، تا ۵)

آثار:

مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو گردن جھکائے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے گردن والے! اپنی گردن اٹھاؤ خشوع (عاجزی) اگردنوں میں نہیں بلکہ دلوں میں ہوتا ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سجدے کی حالت میں رو رہا ہے تو آپ نے فرمایا اگر تم یہ کام گھر میں کرتے تو اچھا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ریاکار کی تین علامات ہیں جب تنہا ہوتا ہے تو سستی کا مظاہرہ کرتا ہے اور جب لوگوں میں ہوتا تو خوش خوش رہتا ہے جب اس کی تعریف کی جائے تو اس کے عمل میں اضافہ ہوتا ہے اور جب برائی بیان کی جائے تو عمل کم کرتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی تلوار سے لڑوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ ساتھ لوگوں کی طرف سے تعریف کا بھی ارادہ کروں تو کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا تجھے کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا، اس نے تین مرتبہ یہ بات پوچھی تو آپ نے تینوں مرتبہ یہی جواب دیا۔ پھر تیسری مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔

ایک شخص نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم میں سے ایک شخص نیکی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی تعریف بھی کی جائے اور اسے ثواب بھی ملے آپ نے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو؟ اس نے عرض کیا "نہیں"، آپ نے فرمایا تو جب اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرو تو خالص اسی کے لیے کرو حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ہے اور تمہارے لیے بھی اور یہ بھی نہ کہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ہے اور قرابتداروں کے لیے بھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اپنے درے سے مارا پھر فرمایا مجھ سے اس کا بدلہ لو اس نے عرض کیا میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اور آپ کی خاطر معاف کر دیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تو کچھ بھی نہ ہوا یا تو میرے لیے معاف کرو تاکہ مجھ پر احسان ہو یا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ دو۔ اس نے عرض کیا میں نے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں اب بات ہوئی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے کچھ لوگوں سے صحبت اختیار کی اور ان کے دلوں میں حکمت کی ایسی باتیں گزرتی تھیں کہ اگر وہ ان کو زبان پر لاتے تو وہ ان کو بھی اور ان کے ساتھیوں کو بھی نفع دیتیں لیکن انہوں نے شہرت کے خوف سے ان باتوں کو ظاہر نہیں کیا اور ان میں سے کوئی ایک راستے میں اذیت دینے والی چیز دیکھتا تو وہ اس کو صرف اس لیے نہ ہٹاتا کہ شہرت نہ ہو کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن ریاکار کو چار ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا۔

اے ریاکار! اے دھوکہ باز! اے نقصان اٹھانے والے اور اے بدکار! جاؤ اور اپنا ثواب اس سے لو جس کے لیے تم نے عمل کیا ہے ہمارے پاس تمہارے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلے لوگ عمل کر کے ریاکاری کرتے تھے اور اس زمانے میں عمل کے بغیر ریاکاری کرتے ہیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے عمل پر اتنا ثواب نہیں دیتا جس قدر نیت پر ثواب عطا کرتا ہے (مطلب یہ ہے کہ اچھی نیت کے بغیر عمل بیکار ہوتا ہے)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ریاکار آدمی اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر غالب آنا چاہتا ہے اور وہ برا آدمی ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اسے نیک آدمی کہیں۔ اور لوگ کس طرح اسے نیک کہہ سکتے ہیں جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نکمے لوگوں میں سے ہے لہٰذا مومنوں کے دلوں کو چاہیئے کہ اس کی پہچان حاصل کریں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب بندہ ریاکاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو مجھ سے مذاق کرتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں قاری تین قسم کے ہیں رحمٰن کے قاری، دنیا کے قاری اور بادشاہوں کے قاری اور حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ رحمٰن کے قراء سے ہیں۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص کسی ریاکار کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مجھے دیکھے (تواضع کے طور پر فرمایا ورنہ آپ تو ولی کامل تھے)

حضرت محمد بن مبارک صوری فرماتے ہیں اہل خیر کی وضع رات کو اختیار کرو دن کے وقت یہ حالت اختیار کرنے سے یہ بہتر ہے۔ کیوں کہ دن کے وقت یہ حالت اختیار کرنے سے یہ بہتر ہے۔ کیوں کہ دن کے وقت یہ حالت اختیار کرنا مخلوق کے لیے ہے اور رات کے وقت تمام جہانوں کو پالنے والے کے لیے ہے۔

حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ نے فرمایا عمل سے بچنا عمل کرنے سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے لیکن وہ خراساں میں ہوتا ہے پوچھا گیا وہ کیسے؟ فرمایا وہ چاہتا ہے کہ مجاور مکہ کے طور پر اس کا ذکر کیا جائے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص شہرت چاہتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہیں کی۔

دوسری فصل:

ریا کی حقیقت اور جس بات میں ریا ہوتا ہے

جاننا چاہیے کہ ریا، رؤیت (دیکھنا) اور شمعۃ، سماع (سننا) سے مشتق ہے اور ریا کی اصل یہ ہے کہ اچھے اعمال دکھا کر لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنایا جائے البتہ دلوں میں جاہ ومرتبہ کا حصول عبادات اور غیر عبادت اچھے اعمال کے ذریعے بھی ہوتا ہے جب کہ ریا عام طور پر عبادات کے اظہار کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں مقام بنانے کا نام ہے۔

پس ریا کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ذریعے بندوں کا ارادہ کیا جائے پس یہاں ایک ریا کار ہوتا ہے جو عبادت کرتا ہے دوسرا وہ شخص جس کو عبادت دکھائی جاتی ہے اور وہ لوگ ہیں جن کو اپنے اعمال دکھا کر ان کے دلوں میں جگہ بنائی جاتی ہے تیسری چیز وہ اعمال ہیں جو دکھائے جاتے ہیں اور ریا اس کے اظہار کے ارادے کا نام ہے جو اعمال دکھائے جاتے ہیں وہ بہت سے ہیں لیکن ان کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن میں انسان نمود و نمائش کرتا ہے مثلاً بدن، لباس، قول، عمل، کسی کی اتباع اور خارجی اشیاء، — اسی طرح دنیادار بھی ان پانچ اسباب کے ساتھ ریا کاری کرتے ہیں البتہ جاہ کی طلب اور ریا کا قصد ان کاموں کے ساتھ جو عبادات نہیں ہیں عبادات کے ساتھ ریا کاری کے مقابلے میں ہلکا ہے۔

پہلی قسم:

دین کے سلسلے میں بدن کی نمائش کرنا یعنی اپنے بدن پر کمزوری اور زردی ظاہر کرنا تاکہ اس سے دین میں بہت زیادہ محنت کا وہم ہو اور معلوم ہو کہ یہ شخص دین کے بارے میں بہت زیادہ غمگین ہوتا ہے اور اس پر آخرت کا خوف غالب رہتا ہے اور کمزوری سے پتہ چلے کہ یہ شخص کھانا تھوڑا کھاتا ہے اور زردی اس بات پر دلالت کرے کہ یہ شب بیدار ہے اور بہت زیادہ محنت کرتا ہے نیز دین کے حوالے سے بہت زیادہ غمگین ہوتا ہے اسی طرح وہ بالوں کو بکھرے ہوئے رکھ کر دین کے لیے غمگین ہونے کا تاثر دیتا ہے اور باور کراتا ہے کہ اسے تو بال سنوارنے کا وقت بھی نہیں ملتا۔

جب یہ اسباب ظاہر ہوتے ہیں تو لوگوں کو ان باتوں کا پتہ چلتا ہے اور اس سے اس کا نفس آرام پاتا ہے کہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ نفس آرام پانے کے لیے اسے اس کام کی دعوت دیتا ہے۔ اسی کے قریب یہ بات بھی ہے کہ آواز کو پست کرے، آنکھوں کو اندر کی طرف دھنسا کر اور لبوں کو پژمردہ کرکے یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور شریعت کے وقار کی خاطر اس کی آواز پست ہوئی یا بھوک کی وجہ سے اس کی طاقت میں کمزوری آئی ہے۔ اسی لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل لگائے بالوں میں کنگھی کرے اور آنکھوں

میں سرمہ بھی لگائے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے یہ تمام باتیں اس لیے ہیں کہ شیطان اسے ریا کی طرف مائل نہ کرے اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا صبح روزے کے ساتھ کرو تو تیل لگایا ہوا ہو۔

یہ تو دیندار لوگوں کی بدن کے ذریعے ریاکاری ہے جہاں تک دنیا داروں کا تعلق ہے تو وہ بدن کو موٹا کرنے، رنگ کی صفائی، قد کے اعتدال چہرے کی خوبصورتی بدن کی پاکیزگی اور اعضاء کی قوت اور تناسب کے ذریعے ریاکاری کرتے ہیں۔

دوسری قسم:

ہیئت اور لباس کے ذریعے دکھاوا کرنا ہیئت کی صورت یہ ہے کہ سر کے بال بکھرے ہوئے ہوں، مونچھیں مونڈی ہوئی ہوں چلتے ہوئے گردن جھکی ہوئی ہو اور حرکت میں ڈھیلا پن ہو۔ اسی طرح پیشانی پر سجدے کا نشان باقی رکھنا، موٹے کپڑے پہننا، اونی جبہ پہننا اسے پنڈلی کے قریب تک لٹکانا آستین چھوٹی رکھنا کپڑے کو میلے کچیلے رکھنا اور ان کو پھٹا ہوا رکھنا اور ان سب باتوں کا مقصد یہ ہو کہ یہ شخص سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے راستے پر چلتا ہے۔

پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننا، سجادہ پر نماز پڑھنا صوفیاء کی طرح نیلے پیلے کپڑے پہننا حالانکہ باطنی طور پر تصوف سے بالکل خالی ہے یونہی عمامہ کے اوپر چادر لینا اور اسے آنکھوں پر ڈالنا تاکہ معلوم ہو کہ وہ راستے کی غبار سے بہت زیادہ بچنے کی کوشش کرتا ہے نیز اس علامت سے وہ ممتاز ہوگا اور لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں گی۔

اسی طرح وہ شخص جو علم سے خالی ہے وہ دکھاتے کے لیے علماء کے ساتھ مخصوص لباس پہنتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کا عالم ہونا معلوم ہو۔

لباس کے ذریعے ریاکاری کرنے والوں کے کئی طبقات ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو زہد کے اظہار کے ذریعے نیک لوگوں کے نزدیک مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ پیوند لگے ہوئے، میلے کچیلے موٹے اور چھوٹے کپڑے پہنتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ انہیں دنیوی مال کی کثرت سے کوئی سروکار نہیں اور اگر ان کو زبردستی درمیانہ قسم کا لباس پہنایا جائے جو اکابر صوفیاء پہنتے تھے تو گویا ان کو ذبح کر دیا گیا اور وہ اس بات سے ڈرتے ہوئے گریز کرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے پہلے یہ شخص زاہد تھا اب بدل گیا ہے اور اس نے دنیا میں رغبت اختیار کر لی ہے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو صوفیاء کرام کے نزدیک بھی مقبول ہونا چاہتے ہیں اور دنیا داروں یعنی بادشاہوں، وزراء اور تاجروں کے ہاں بھی مقبولیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اب اگر وہ عمدہ لباس پہنیں تو فقراء ان کو رد کر دیتے ہیں اور اگر وہ عام قسم کے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنیں تو بادشاہوں اور مالدار لوگوں کی نگاہوں میں ان کی وقعت نہیں ہوتی تو اس طرح وہ دیندار اور دنیا دار دونوں قسم کے لوگوں کے ہاں مقبول ہونے کا ارادہ کرتے ہیں اس لیے وہ نہایت باریک اونی اور پیوند لگے ہوئے رنگین لباس پہنتے ہیں اور شاید ان میں سے کسی ایک کا لباس امیر آدمی کے لباس کے برابر قیمتی ہو لیکن اس

کا رنگ اور ہیئت صوفیا کے لباس جیسی ہوتی ہے تو اس طرح وہ دونوں فریقوں کے ہاں قبولیت کے متلاشی ہوتے ہیں - ان لوگوں کو اگر میلا اور موٹا کپڑا بتکلف پہنایا جائے تو ان کے نزدیک یہ ذبح کی طرح ہوتا ہے کیوں کہ انہیں بادشاہوں اور اغنیاء کی نظروں سے گرنے کا خوف ہوتا ہے اور اگر ان کو ریشمی اور سفید باریک سوتی کپڑا یا بیل بوٹوں والا کپڑا پہنایا جائے تو اگرچہ اس کی قیمت ان کے لباس کی قیمت سے کم ہو ان پر گراں گزرتا ہے کیوں کہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ فقراء کہیں گے تم نے دنیا دار لوگوں کے لباس میں رغبت اختیار کر لی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جو طبقہ جس مخصوص لباس میں اپنا مقام دیکھتا ہے اس سے دوسری طرف منتقل ہونا اس پر بوجھل ہوتا ہے نہ وہ اس سے کم درجے کی طرف آتا ہے نہ اوپر کی طرف، اگرچہ وہ لباس پہننا جائز ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ اسے ڈر ہوتا ہے کہ لوگ اسے برا کہیں گے۔

جہاں تک دنیا دار لوگوں کا تعلق ہے تو ان کا دکھاوا عمدہ کپڑوں اعلیٰ درجہ کی سواریوں اور لباس، رہائش اور گھر یلو سازو سامان میں وسعت اور عمدگی کے ذریعے ہوتا ہے وہ عمدہ قسم کے گھوڑوں رنگین کپڑوں اور نفیس چادروں کے ذریعے نمائش کرتے ہیں اور یہ بات لوگوں میں ظاہر ہے وہ گھر میں کھردرے کپڑے پہنتے ہیں لیکن اسی حالت میں لوگوں کے سامنے جانا ان پر گراں گزرتا ہے جب تک وہ اچھی طرح زینت اختیار نہ کریں۔

تیسری قسم :

گفتگو کے ذریعے نمود و نمائش کرنا ہے اہل دین کی نمائش وعظ و نصیحت، حکمت بھری گفتگو، اخبار و آثار کو یاد کرنا تاکہ روز مرہ کی گفتگو میں استعمال کریں اور لوگوں کو ان کی علمی جلالت اور احوال سلف پر بہت زیادہ توجہ معلوم ہو وہ لوگوں کے سامنے ذکر کے ساتھ ہونٹوں کو ہلاتے ہیں مخلوق کے سامنے نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں برائیوں پر سخت غصے کا اظہار کرتے ہیں اور اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ لوگ گناہوں میں ملوث ہیں گفتگو میں نرمی اختیار کرتے ہیں قرآن پاک پڑھتے ہوئے آواز میں رقت پیدا کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کو بہت زیادہ خوف اور غم ہے۔

وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کو احادیث یاد ہیں اور انہوں نے شیوخ حدیث سے ملاقات کی ہے نیز جب کوئی حدیث بیان کرے تو اس میں مداخلت کرتے ہیں چاہے یوں کہیں کہ یہ حدیث صحیح یا غیر صحیح ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس شخص کو حدیث میں ایک مقام حاصل ہے نیز مخالف کو لاجواب کرنے کے لیے مجادلہ کی راہ اختیار کرنا تاکہ لوگوں کو اس کی علمی قوت کا پتہ چلے گفتگو کے ذریعے ریاکاری بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی بے شمار اقسام ہیں۔

دنیا دار گفتگو کے ذریعے یوں نمائش کرتے ہیں کہ اشعار اور ضرب الامثال یاد کرتے ہیں گفتگو میں فصیح عبارات اور نادر جملے بولتے ہیں علم و فضل والوں کو تعجب میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے کے لیے ہر ایک سے دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔

چوتھی قسم :

عمل کے ذریعے ریاکاری کرنا جیسے نمازی کا نماز میں دیر تک قیام کرنا پیٹھ کو پھیلا دینا، رکوع اور سجدے میں دیر لگانا سر کو جھکانا اِدھر اُدھر نہ دیکھنا سکون اور وقار ظاہر کرنا اور ہاتھوں اور پاؤں کو برابر رکھنا۔

اسی طرح روزے، حج، جہاد، صدقہ اور کھانا کھلانے کے ذریعے ریاکاری کرنا کسی سے ملاقات کے وقت عاجزی کا اظہار کرنا جیسے آنکھیں نیچی رکھنا، سر کو جھکانا اور وقار سے کلام کرنا یہاں تک ریاکاری کرنے والا اپنے کام کے لیے جائے تو تیزی سے چلتا ہے لیکن جب کوئی دیندار اسے دیکھتا ہے تو وہ وقار اختیار کرتا ہے اور اس ڈر سے سر کو جھکاتا ہے کہ کہیں یہ لوگ مجھے یہ نہ کہیں کہ یہ جلد باز ہے اور وقار سے خالی ہے۔ اور جب وہ شخص غائب ہو جاتے تو فوراً جلدی چلنا شروع ہو جاتا ہے لیکن جب وہ دیکھتا ہے تو دوبارہ خشوع و خضوع اختیار کر لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے نہیں بلکہ انسانوں کو دیکھ کر خشوع اختیار کرتا ہے اسے اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ لوگ اسے عبادت گزار اور صالح نہیں سمجھیں گے۔

اور ان میں سے بعض لوگ یوں ریاکاری کرتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے جو چال اختیار کرتے ہیں تنہائی میں بھی اس قسم کی چال کی مشق کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس بات سے حیا آتی ہے کہ علیحدگی والی چال لوگوں کے سامنے والی چال کے خلاف ہو اور ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے سامنے چال کو بدلنا پڑے اور ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ ریاکاری نہیں کرتے حالانکہ ان کی ریاکاری دوگنا ہو جاتی ہے ایسا شخص خلوت میں بھی ریاکار ہوتا ہے کیونکہ وہ خلوت میں اپنی چال کو اس لیے درست کرتا ہے کہ مجلس میں بھی اس کی یہی چال رہے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس سے حیا کرتے ہوئے ایسا نہیں کرتا۔

جہاں تک دنیا داروں کا تعلق ہے تو ان کی ریاکاری تکبر کے ساتھ اور اکڑ کر چلنے نیز ہاتھوں کو حرکت دینے کے ذریعے ہوتی ہے نیز وہ قدم قریب قریب رکھنے اور دامن کو تھامے رکھتے ہیں علاوہ ازیں اپنے پہلوؤں پر ہاتھ رکھتے ہیں تاکہ اس سے ان کی جاہ و حشمت کا پتہ چلے

پانچویں قسم :

دوستوں اور ملاقاتیوں کے ذریعے نمود و نمائش کرنا جیسے کوئی شخص اس بات کا تکلف کرتا ہے کہ کوئی عالم یا عابد اس کی ملاقات کو آئے تاکہ کہا جائے کہ فلاں عالم نے فلاں شخص سے ملاقات کی ہے اور یہ بھی کہا جاتے کہ دیندار لوگ اس سے ملاقات کر کے برکت حاصل کرتے ہیں اور اس کے پاس ان کا آنا جانا ہے یا وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کوئی بادشاہ یا اس کا کوئی کارندہ آئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ شخص دین میں بہت بڑا مقام رکھتا ہے اس لیے لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح کوئی شخص بزرگوں کا ذکر کثرت سے کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس نے بہت سے بزرگوں سے ملاقات کر کے ان سے استفادہ کیا ہے پس وہ اپنے شیوخ پر فخر کا اظہار کرتا ہے اور اس کا دکھاوا اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے مخالف سے کہتا ہے کہ تو نے کس بزرگ سے ملاقات کی ہے میں نے تو فلاں فلاں بزرگ سے ملاقات کی ہے۔

ہیں مختلف مقامات پر گیا اور بزرگوں کی خدمت کی ہے اس طرح کی دیگر باتیں بھی کرتا ہے۔

یہ وہ صورتیں ہیں جن کے ذریعے ریاکار لوگ نمود و نمائش کرتے ہیں اور ان سب کا مقصد لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنانا ہوتا ہے ان میں سے بعض تو صرف اسی بات پر قناعت کرتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں اچھا اعتقاد رکھیں کتنے ہی راہب (عبادت گزار) کئی سالوں تک اپنی عبادت گاہ میں رہتے ہیں اور کتنے ہی عبادت گزار عرصہ دراز تک کسی پہاڑ کی چوٹی پر گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں وہ اس علم کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ہمارا مقام قائم ہے۔

اور اگر اسے معلوم ہو کہ لوگوں کے خیال میں وہ اپنی عبادت گاہ میں کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا دل پریشان ہو جاتا ہے وہ اس بات پر قناعت نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے بے گناہ ہونے کا علم ہے بلکہ اس سے وہ بہت زیادہ غمگین ہو جاتا ہے اور وہ لوگوں کے دلوں سے اس شک کے ازالے کے لیے حیلے بہانے کرتا ہے حالانکہ اسے ان کے مالوں میں کوئی لالچ نہیں ہوتی لیکن وہ ان کے دلوں میں اپنا مقام چاہتا ہے اور یہ بات لذیذ ہے جیسا کہ ہم نے اس کے اسباب کے سلسلے میں ذکر کیا ہے کیونکہ یہ فی الحال قدرت و کمال ہے اگرچہ فوری طور پر زوال پذیر ہونے والا ہے اس سے وہی لوگ دھوکہ کھاتے ہیں جو جاہل ہیں لیکن اکثر لوگ جاہل ہی ہیں۔

دکھاوا کرنے والوں میں سے بعض صرف دلوں میں پائے جانے والے جاہ و مرتبہ پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی تعریف بھی کریں — اور بعض ریاکاروں کی خواہش ہوتی ہے کہ شہروں میں ان کی مشہوری ہو تاکہ اطراف و جوانب سے لوگ ان کے پاس آئیں جب کہ کچھ ریاکار، بادشاہوں کے ہاں مشہور ہونا چاہتے ہیں تاکہ ان کی سفارش قبول کی جائے اور ان کے ذریعے سے لوگوں کے مسائل حل ہوں اس طرح عام لوگوں کے دلوں میں ان کا مقام بنے گا۔

بعض ریاکار اس عمل کے ذریعے مال و متاع جمع کرنا چاہتے ہیں اگرچہ اوقاف یا یتیموں کے مال سے یا کسی بھی دوسرے حرام ذریعے سے ہو یہ لوگ ریاکاروں کے سب سے برے طبقات ہیں۔

یہ ریا کی حقیقت اور ان چیزوں کا بیان ہے جن کے ذریعے ریاکاری ہوتی ہے اگر تم کہو کہ ریا حرام ہے یا مباح ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس میں تفصیل ہے کیونکہ ریا کا مقصد لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنانا ہے اور یہ عبادات سے ہوتا ہے اگر عبادات کے علاوہ امور سے ہو تو یہ مال طلب کرنے کی طرح ہے لہٰذا حرام نہیں ہوگا کیونکہ وہ لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنانا چاہتا ہے لیکن جس طرح مال کے حصول میں دھوکے اور فریب کا امکان ہوتا ہے اسی طرح اس میں بھی ہوتا ہے اور جس طرح حسب ضرورت تھوڑا سا مال حاصل کرنا قابل تعریف ہوتا ہے اسی طرح تھوڑا بہت مقام بنانا جو آفات سے محفوظ ہو قابل تعریف ہے اسی کو حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی طلب کیا تھا جب آپ نے (بزبان قرآن) یہ فرمایا۔

اِنِّی حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ۔ (۱) بے شک میں حفاظت کرنے والا جاننے والا ہوں۔

اور جس طرح مال میں زہر اور تریاق دونوں نفع بخش ہوتے ہیں جاہ و مرتبہ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے اور جس طرح مال کی کثرت لہو و لعب میں مبتلا کر دیتی اور سرکش بنا دیتی ہے اور ذکر خداوندی اور آخرت کے بھولنے کا سبب بنتی ہے اسی طرح زیادہ جاہ کا معاملہ بھی ہے بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور جاہ و مرتبہ کا فتنہ مال کے فتنہ سے بڑا ہے اور جس طرح ہم یہ بات نہیں کہتے کہ زیادہ مال کا مالک بننا حرام ہے اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ بہت زیادہ دلوں کا مالک بننا حرام ہے ہاں حب مال کی کثرت اور جاہ و مرتبہ کا زیادہ ہونا ناجائز کاموں کی ترغیب دے تو اب حرام ہوگا۔

ہاں اپنی تمام ہمت اور توجہ کو جاہ و مرتبہ کی کثرت میں لگا دینا برائیوں کی اصل ہے جیسے انسان کی تمام ہمت مال کی کثرت کی طرف لگ جائے تو یہ خرابیوں کا باعث ہے اور جو شخص جاہ و مال کی چاہت رکھتا ہے وہ دل اور زبان وغیرہ کے گناہوں کو چھوڑنے پر قادر نہیں ہوتا۔

لیکن اگر تمہاری خواہش کے بغیر تمہیں بہت زیادہ عزت مل جاتے اور اس کے زوال پر تمہیں کوئی دکھ بھی نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ رسول اکرم کے جاہ و مرتبہ نیز خلفاء راشدین اور بعد کے علماء دین کو جو مقام و مرتبہ ملا اس سے زیادہ مقام کیا ہو سکتا ہے لیکن انسان کی توجہ اور ہمت حصول جاہ کی طرف لگی رہے یہ دینی اعتبار سے نقصان ہے لیکن اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔ اس بنا پر تم کہہ سکتے ہو کہ باہر جاتے وقت اچھے کپڑے پہننا کہ لوگ دیکھیں حرام نہیں ہے کیوں کہ یہ عبادت کے ذریعے نہیں بلکہ دنیا کے ذریعے ریا ہے۔

لوگ جن چیزوں سے زینت حاصل کرتے ہیں ان سب کا یہی حکم ہے اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت دلیل ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے پاس تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے پانی کے مٹکے میں دیکھ کر اپنے عمامہ مبارک اور بالوں کو درست کیا ام المومنین نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسا کر رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔

نَعَمْ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحِبُّ مِنَ الْعَبْدِ اَنْ یَتَزَیَّنَ لِاِخْوَانِہٖ اِذَا خَرَجَ اِلَیْہِمْ۔ (۲)

ہاں بے شک اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ جب بندہ اپنے دوست احباب کی طرف جائے تو ان کے لیے زینت اختیار کرے

البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل عبادت کے طور پر تھا کیونکہ آپ کو حکم تھا کہ لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دیں، ان

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یوسف آیت ۵۵

(۲)

کو اپنی اتباع کی ترغیب دیں اور ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر ان لوگوں کی نگاہوں میں آپ کا کوئی مقام نہ ہوتا تو وہ آپ کی اتباع میں رغبت نہ رکھتے اس لیے آپ پر لازم تھا کہ ان کے سامنے اپنے احوال کو اچھے طریقے سے ظاہر کریں تاکہ وہ آپ کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں کیوں کہ لوگوں کی نظریں ظاہر پر پڑتی ہیں باطن پر نہیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل قصداً تھا۔ اب اگر کوئی شخص ارادتاً یہ عمل کرے تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں اچھا قرار پائے اور وہ اس کی مذمت اور ملامت نہ کریں اور وہ ان کی طرف سے توقیر و احترام کے ذریعے راحت پائے تو اس شخص نے ایک جائز کام کا ارادہ کیا کیوں کہ انسان کو اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ وہ مذمت کی اذیت سے محفوظ رہے اور دوستوں کے اُنس کے ذریعے راحت و آرام کرے اور جب وہ اسے حقیر سمجھیں گے تو وہ ان کے ذریعے راحت نہیں پا سکے گا۔

تو وہ ریاکاری جس کا تعلق عبادات سے نہ ہو وہ کبھی محض جائز، کبھی عبادت اور بعض اوقات مذموم ہوتی ہے یعنی اس کے ذریعے جو مقصد حاصل کرنا مطلوب ہو اس کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنا مال مالدار لوگوں کی ایک جماعت پر خرچ کرتا ہے عبادت اور صدقہ کے طور پر خرچ نہیں کرتا بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے سخی سمجھیں تو یہ نمود و نمائش ہے لیکن یہ حرام نہیں ہے اس طرح کی دیگر مثالیں بھی ہیں۔

لیکن عبادات جیسے صدقہ، نماز، روزہ، جہاد اور حج کے سلسلے میں ریاکار کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا ارادہ محض ریاکاری ہو ثواب مقصود نہ ہو تو اس سے اس کی عبادت باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اعمال (کے ثواب) کا دارومدار نیت پر ہے اور اس عمل میں عبادت کا ارادہ نہیں کیا گیا پھر یہ بات صرف عبادت کے ضائع ہونے پر ہی ختم نہیں ہو جاتی کہ ہم کہیں یہ اسی حالت پر ہے جس پر عبادت سے پہلے تھا، بلکہ وہ اس عمل کی وجہ سے نافرمانی کا ارتکاب کرتا اور گناہ گار ہوتا ہے جیسا کہ اس پر آیات و احادیث دلالت کرتی ہیں اور گناہ کی دو وجہیں ہیں۔

ایک بندوں سے متعلق ہے یعنی اس نے ان کو دھوکہ اور فریب دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مخلص ہے اور وہ دیندار لوگوں سے ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے اور دھوکہ دہی تو دنیوی معاملات میں بھی حرام ہے حتیٰ کہ اگر وہ کچھ لوگوں کا قرض ادا کرے اور لوگوں کو بتائے کہ وہ خیرات دے رہا ہے "تاکہ وہ اس کی سخاوت کا عقیدہ رکھیں تو یہ بھی گناہ ہے کیوں کہ یہ دھوکہ ہے اور مکروفریب کے ذریعے لوگوں کے دلوں کا مالک بننا ہے۔

گناہ کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے کیوں کہ جب وہ عبادت خداوندی کے ذریعے مخلوقِ خدا کا قصد کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مذاق کرتا ہے اسی لیے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب بندہ ریاکاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے اسے دیکھو کس طرح مجھ سے مذاق کرتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص سارا دن بادشاہ کے سامنے کھڑا رہے جس طرح خدام کی عادت ہوتی ہے لیکن وہ بادشاہ کی کسی لونڈی یا کسی غلام کو دیکھنے کے لیے کھڑا ہوتا تو یہ بادشاہ کے ساتھ مذاق ہے کیوں کہ وہ بادشاہ کی خدمت کی ذریعے اس کا قرب حاصل کرنا نہیں چاہتا بلکہ اس کے ذریعے وہ اس کے کسی

غلام کی ناک میں ہوتا ہے تو اس سے زیادہ حقارت کیا ہوگی کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے ضعیف بندے کو دکھانے کے لیے کرے جو اس کے لیے نفع کا مالک ہے نہ نقصان کا۔ اور وہ یہ کام اس لیے کرتا ہے کہ اس کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ بندہ اس کی اغراض کو پورا کرنے پر زیادہ قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ شخص قرب کے زیادہ لائق ہے کیونکہ اس شخص نے اسے بادشاہوں کے بادشاہ پر ترجیح دی اور اپنی عبادت کا مقصود بنایا اور اس سے بڑا مذاق کیا ہو سکتا ہے کہ بندے کو مولیٰ پر فوقیت دی جائے یہ بہت بڑی ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرکِ اصغر قرار دیا ہے (۱)

البتہ بعض درجات، دوسرے بعض سے زیادہ سخت ہیں جیسا کہ درجاتِ ریا کے بیان میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی درجہ گناہ سے خالی نہیں وہ گناہ سخت ہو یا ہلکا جیسی ریاکاری ہوگی اسی قسم کا گناہ بھی ہوگا اور اگر ریا صرف اسی قدر ہو کہ وہ سجدہ اور رکوع غیرِ خدا کے لیے کرتا ہے تو یہ کیا کم ہے کیوں کہ اگرچہ اس نے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا قصد نہیں کیا لیکن غیرِ خدا کا ارادہ تو کیا ہے اور اگر وہ سجدے کے ذریعے غیرِ خدا کی تعظیم بھی کرتا ہے تو ظاہراً کافر ہو جاتا ہے (بشرطیکہ اسے معبود سمجھ کر کرے ورنہ محض تعظیم ہو تو اس سے کفر لازم نہیں آتا ۱۲ ہزاروی)

لیکن ریا پوشیدہ کفر ہے کیوں کہ ریاکار نے اپنے دل میں لوگوں کی تعظیم کی ہے اور اسی عظمت کے تقاضے کے تحت وہ رکوع اور سجدہ کرتا ہے تو من وجہ اس سجدے سے ان ہی کی تعظیم ہوئی اور جب سجدے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تعظیم نہ رہی اور مخلوق کی تعظیم باقی رہ گئی تو یہ شرک کے قریب ہے لیکن وہ جس کی تعظیم کر رہا ہے اس کے دل میں اپنی عظمت بٹھا رہا ہے کیوں کہ ظاہر میں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کر رہا ہے لہٰذا اس اعتبار سے یہ شرکِ خفی ہوگا شرکِ جلی نہ ہوگا اور یہ انتہائی درجہ کی جہالت ہے اور یہ اقدام وہی شخص کرتا ہے جسے شیطان نے دھوکہ دیا ہو یا اسے اس وہم میں ڈالا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت بندے اس کے نفع و نقصان، رزق اور موت نیز اس کی موجودہ اور آئندہ مصلحتوں کے زیادہ مالک ہیں اس طریقے سے اس نے اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر کر ان کی طرف توجہ کر لی اور دل سے ان کی طرف متوجہ ہو گیا تاکہ اس طرح ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرے اور اگر اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اسے ان لوگوں کے سپرد کر دے تو اس کے عمل کا کچھ نہ کچھ تدارک ہو جاتے کیوں کہ تمام بندے عاجز ہیں اور وہ اپنے لیے نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ تو اس دنیا میں وہ دوسروں کے لئے کیسے مالک ہوں گے اور پھر جس دن کوئی والد اپنی اولاد کے اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کام آئے گا اس دن کیسے وہ مالک ہوگا بلکہ اس دن تمام انبیاء کرام علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے۔ (اللہ تعالیٰ کے جلال کی وجہ سے ایسا ہوگا)

تو جاہل شخص کس طرح آخرت کا ثواب اور قربِ خداوندی کیسے حاصل کرے گا جب کہ اس نے جو عمل کیا دنیا کی جھوٹی طمع سے

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۲۹ کتاب الرقاق

طور پر کیا لہذا اس بات میں ہمیں شک نہیں ہونا چاہیئے کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا عقلی نقلی دلائل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے یہ اس صورت میں ہے جب اجر مقصود نہ ہو اور جب نماز اور صدقہ کے ذریعے اجر و ثواب اور تعریف دونوں مقصود ہوں تو یہ شرک ہے جو اخلاص کے مقابلے میں ہے اور اس کا حکم ہم نے اخلاص کے بیان میں ذکر کیا ہے اور ہم نے جو آثار نقل کئے ہیں ان پر حضرت سعید بن مسیب اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے کہ اس شخص کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

تیسری فصل :

ریا کے درجات

جاننا چاہیئے کہ ریا کی بعض صورتیں دوسری بعض کے مقابلے میں زیادہ سخت ہیں اور یہ اختلاف ریا کے ارکان اور درجات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے ریا کے تین ارکان ہیں (۱) ریا کا قصد (۲) جس عمل کے ذریعے ریا ہوتا ہے اور (۳) جس کے لیے ریا ہوتا ہے۔

پہلا رکن :

یہ ریا کا قصد ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ثواب کا ارادہ نہیں ہوگا یا ثواب کا ارادہ بھی شامل ہوگا۔ اگر دوسری صورت ہو تو اس کی تین حالتیں ہوں گی ثواب کا ارادہ زیادہ قوی اور غالب ہوگا یا ضعیف ہوگا یا دونوں برابر ہوں گے۔ تو یوں یہ چار درجے بن جاتے ہیں۔

پہلا درجہ سب سے زیادہ سخت ہے یعنی وہ ثواب کا ارادہ بالکل نہیں کرتا جیسے ایک شخص لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے لیکن اکیلا ہو تو نماز نہیں پڑھتا بلکہ بعض اوقات لوگوں کے ساتھ بھی طہارت کے بغیر نماز پڑھتا ہے اس شخص کا ارادہ محض ریا کاری کے لیے ہے اور اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے اسی طرح جو شخص لوگوں کی طرف سے مذمت کے خوف سے صدقہ دیتا ہے اور ثواب کا ارادہ نہیں کرتا اگر وہ تنہا ہو تو صدقہ نہ دے ـــ تو یہ ریا کا سب سے بڑا درجہ ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ ثواب کا ارادہ بھی کرتا ہے لیکن یہ ارادہ کمزور ہوتا ہے اس طرح کہ اگر وہ تنہائی میں ہو تو یہ کام نہ کرے اور یہ ارادہ اسے عمل کی ترغیب نہیں دیتا اور اگر ثواب کا ارادہ نہ ہوتا تو نمود و نمائش کی وجہ سے وہ یہ کام کرتا یہ، پہلے درجہ کا قریب ہے کیونکہ اس نے ثواب کا اس قدر ارادہ نہیں کیا جو اسے عمل پر ابھارے لہذا یہ ارادہ ہونا نہ ہونا برابر ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے غضب اور گناہ سے بچ نہیں سکتا۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ ثواب اور ریا دونوں کا ارادہ برابر ہو یعنی اگر دونوں میں سے کسی ایک کا ارادہ ہو تو وہ عمل نہ کرے لیکن جب دونوں ارادے جمع ہوں تو عمل کی رغبت پیدا ہو جائے یا یہ کہ اگر اس میں اس قدر اکیلا قصد ہوتا تو عمل کی رغبت نہ ہوتی

تو اس نے جو کچھ سنوارا تھا اسے بگاڑ دیا تو ہمیں امید ہے کہ یہاں معاملہ برابر برابر ہو جائے گا نہ ثواب نہ عذاب ۔ یا جس قدر عذاب ہوگا اسی قدر ثواب بھی ہوگا ، ظاہری روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ شخص بھی نہیں بچے گا ۔ اور ہم نے اخلاص کے بیان میں اس پر گفتگو کی ہے ۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس عبادت پر لوگوں کی اطلاع اس کی خوشی کو ترجیح دے اور مضبوط کرے اور اگر یہ بات نہ ہو تو بھی وہ عبادت کو نہیں چھوڑتا اگر اس کا مقصد محض ریاکاری ہوتی تو وہ عمل نہ کرتا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ اسے مکمل ثواب نہیں ملے گا بلکہ اس میں کمی واقع ہوگی یا ریا کے ارادے کے مطابق عذاب ہوگا اور ثواب کے ارادے کے مطابق ثواب ہوگا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد سے وہ صورت مراد ہے جب دونوں قصد برابر ہوں یا ریا کے ارادے کو ترجیح ہو آپ نے فرمایا ۔

يَقُولُ اللهُ تَعَالَى أَنَا أَغْنَى الْأَغْنِيَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں شرک سے تمام بے نیازوں سے بڑھ کر بے نیاز ہوں ۔

دوسرا رکن :

جس کے ذریعے ریاکاری کی جائے اور وہ عبادات ہیں اس کی دو صورتیں ہیں (۱) اصل عبادت سے ریاکاری اور (۲) عبادات کے اوصاف کے ذریعے ریاکاری ۔

پہلی قسم :

اصل ایمان سے ریاکاری مقصود ہو اور یہ ریاکاری کے سلسلے میں سب سے زیادہ سخت ہے اور ایسا شخص ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا یہ وہ شخص ہے جو ظاہری طور پر کلمۂ شہادت پڑھتا ہے لیکن اس کے باطن میں جھوٹ ہوتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسے لوگوں کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے ۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے :

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللهِ وَاللهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۔ (۲)

جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں ۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۶۹ مقدمۃ الکتاب

(۲) قرآن مجید، سورۃ منافقون آیت ۱

مطلب یہ ہے کہ ان کا قول ان کے دل کے موافق نہیں ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا۔ (۱)

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں کہ دنیوی زندگی کے سلسلے میں اس کی بات آپ کو اچھی معلوم ہوتی اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اور وہ بہت بڑا جھگڑالو ہے اور جب پھرتا ہے تو زمین میں فساد بپا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ۔ (۲)

اور جب وہ (منافق) تم سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب وہ علیحدہ ہوتے ہیں تو غصے سے اپنی انگلیوں کے پورے کاٹتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ (۳)

وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں وہ درمیان میں ڈانواں ڈول ہیں نہ اِدھر کے اور نہ اُدھر کے۔

اس سلسلے میں متعدد آیات وارد ہیں ابتدائے اسلام میں منافقت بہت زیادہ تھی وہ لوگ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہوتے تھے اور ہمارے زمانے میں یہ صورت بہت کم ہے لیکن اس طرح کا نفاق زیادہ ہے کہ کچھ لوگ ملحدین کے راستے پر چلتے ہوئے باطنی طور پر جنت، دوزخ اور آخرت کا انکار کرتے ہیں یا اہل اباحت کی طرف مائل ہو کر شریعت اور اس کے احکام کی بساط لپیٹ دیتے ہیں (عمل نہیں کرتے) یا یہ کہ وہ کفر یا بدعت کا اعتقاد رکھتے ہیں لیکن اس کے خلاف بات ظاہر کرتے ہیں منافقین اور ریاکار لوگوں کا یہ طبقہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس ریا سے بڑھ کر کوئی ریا نہیں اور ان لوگوں کا حال ظاہری کافروں کے حال سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ انہوں نے باطنی کفر اور ظاہری نفاق دونوں کو اکٹھا کیا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ بقرہ آیت ۲۰۴، ۲۰۵

(۲) قرآن مجید آل عمران آیت ۱۱۹

(۳) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۱۴۲، ۱۴۳

دوسری قسم :

اصل دین کی تصدیق کرتے ہوئے اصول عبادت سے ریا ہو اگرچہ یہ ریا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ہے لیکن پہلی قسم کے مقابلے میں بہت کم ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی کا مال کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں ہو اور وہ اسے اس خوف سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دے کہ کہیں وہ اس کی مذمت نہ کرے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر وہ مال خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتا تو وہ زکوٰۃ نہ دیتا یا نماز کا وقت آجاتا ہے اور وہ لوگوں کی جماعت میں ہے اور اس کی عادت یہ ہے کہ تنہائی میں نماز چھوڑ دیتا ہے لیکن اب (لوگوں کے سامنے) پڑھ رہا ہے اسی طرح رمضان شریف کا روزہ رکھتا ہے لیکن اس کا دل چاہتا ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر روزہ توڑ دے یونہی جمعۃ المبارک کی نماز کے لیے جاتا ہے اور اگر اسے مذمت کا خوف نہ ہوتا نہ جاتا یا وہ رشتہ داروں اور والدین سے صلہ رحمی کرتا ہے لیکن اس میں رغبت نہیں ہوتی بلکہ لوگوں کے خوف سے ایسا کرتا ہے اسی طرح وہ حج یا جہاد اسی انداز پر کرتا ہے۔

یہ ریاکاری ہے اور اس کے ساتھ اصل ایمان یا اللہ بھی پایا جاتا ہے اس کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اگر کوئی شخص اس سے غیر اللہ کی عبادت اور اسے سجدہ کرنے کا مطالبہ کرے تو وہ ایسا نہیں کرتا لیکن سستی کی وجہ سے عبادات کو چھوڑ دیتا ہے لیکن لوگوں کے سامنے بجالانے پر خوش ہوتا ہے اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام حاصل کرنے کی بجائے لوگوں کے ہاں مقام و مرتبہ پانے پر زیادہ خوش ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا وہ لوگوں کی طرف سے مذمت کا خوف رکھتا ہے اسی طرح ثواب کی نسبت لوگوں کی طرف سے تعریف کی زیادہ رغبت رکھتا ہے اور یہ انتہائی قسم کی جہالت ہے اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا زیادہ مستحق ہے اگرچہ وہ اعتقاد کے اعتبار سے اصل ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

دوسرا رکن :

نہ تو ایمان میں دکھاوا کرے اور نہ فرائض کی ادائیگی میں، بلکہ نوافل اور سنتوں کے ذریعے ریا کاری کرتا ہے حالانکہ ان کے چھوڑنے سے گناہ نہیں ہوتا (سنتوں سے غیر مؤکدہ سنتیں مراد ہیں) لیکن وہ علیحدگی میں ان کے پڑھنے میں سستی کرتا ہے کیونکہ وہ اس کے ثواب میں رغبت کم رکھتا ہے اور ثواب کی امید پر سستی کی لذت کو ترجیح دیتا ہے پھر ریا کاری کی وجہ سے نوافل اور سنتیں ادا کرتا ہے یہ ایسے ہی ہے کہ ایک شخص نماز با جماعت میں حاضر ہو، بیمار پرسی کرے، جنازے کے ساتھ جائے اور میت کو غسل دے اور جیسے وہ رات کو تہجد پڑھے آٹھویں ذوالحجہ اور دسویں محرم نیز سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھے تو ریاکار آدمی یہ تمام کام مذمت کے خوف یا تعریف کی طلب میں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر یہ شخص تنہائی میں ہو تو صرف فرائض کی ادائیگی کرتا ہے یہ بھی بہت بڑا جرم ہے لیکن پہلی قسم کی ریا کاری سے کم ہے پہلی قسم کے ریا کار نے خالق کی حمد پر مخلوق کی ستائش کو ترجیح دی اور یہ بھی وہی کام کرتا ہے لیکن پہلے شخص نے مخلوق کی مذمت سے اپنے آپ کو بچایا خالق کی مذمت سے

نہیں تو گویا اس کے نزدیک مخلوق کی مذمت خالق کے عذاب سے زیادہ بڑی ہے لیکن اس دوسرے شخص نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ اسے نوافل چھوڑنے پر عذاب کا خوف نہیں تھا گویا اس کی ریاکاری پہلے کی ریاکاری کے مقابلے میں نصف ہے اور اس کے مقابلے میں اسے نصف عذاب ہوگا ـــ تو یہ اصول عبادت میں ریاکاری ہے۔

دوسری قسم:

عبادات کے اوصاف میں ریاکاری ہے محض عبادت میں نہیں اس کے بھی تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ۔ ایسی عبادت کے ذریعے نمائش ہو جس کے چھوڑنے سے نقصانِ عبادت ہو۔

جیسے کسی شخص کا ارادہ ہو کہ وہ رکوع اور سجدے میں تخفیف کرے اور قرأت بھی لمبی نہ کرے لیکن جب لوگ دیکھ رہے ہوں تو وہ اچھی طرح رکوع اور سجدہ کرتا ہے، اِدھر اُدھر توجہ نہیں کرتا اور دو سجدوں کے درمیان اچھی طرح بیٹھتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص یہ کام کرے وہ اس کے ذریعے اپنے رب کی توہین کرتا ہے یعنی اسے اس بات کی پرواہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے خلوت میں دیکھ رہا ہے اور جب کوئی آدمی دیکھ رہا ہو تو وہ اچھی طرح نماز پڑھتا ہے اور جو شخص کسی دوسرے آدمی کے سامنے تکیہ لگا کر یا چوکڑی مار کر بیٹھا ہوا ہو اور اب اس شخص کا غلام آجائے تو وہ سیدھا ہو کر اچھی طرح بیٹھتا ہے تو یہ آقا پر غلام کو مقدم کرتا ہے اور یقیناً اس کے مالک کی توہین ہے ریاکار کی حالت بھی یہی ہے کہ وہ مجلس میں اچھی طرح نماز پڑھتا ہے تنہائی میں نہیں۔

اسی طرح جس شخص کی عادت ہے کہ وہ ردی قسم کا مال زکوٰۃ میں دیتا ہے لیکن جب کوئی دوسرا دیکھ رہا ہو تو مذمت کے خوف سے عمدہ مال دیتا ہے۔

اسی طرح وہ روزہ دار جو مخلوق کی مذمت کے خوف سے اپنے روزے کو غیبت اور بے حیائی کی باتوں سے محفوظ رکھتے ہیں روزے کی تکمیل کی نیت سے ایسا نہیں کرتے تو یہ بھی ممنوع ریاکاری ہے کیوں کہ اس صورت میں مخلوق کو خالق پر مقدم کرتا ہے لیکن یہ صورت اصل عبادت میں ریاکاری کے مقابلے میں ہلکی ہے۔

اگر ریاکار یوں کہے کہ میں نے لوگوں کی زبانوں کو غیبت سے بچانے کے لیے ایسا کیا ہے کیوں کہ جب وہ رکوع اور سجدے میں تخفیف اور اِدھر اُدھر زیادہ توجہ دیکھتے ہیں تو مذمت اور غیبت کے ساتھ اپنی زبانوں کو چلاتے ہیں اس لیے میں نے ان کو اس گناہ سے بچانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ تو ایسے شخص کو جواب دیا جائے گا کہ یہ شیطانی مکر و فریب اور جال ہے، معاملہ یوں نہیں ہے۔ کیوں کہ نماز میں نقصان کی وجہ سے تمہیں جو نقصان پہنچتا ہے حالانکہ یہ اپنے مالک و مولیٰ کی عبادت ہے وہ نقصان دوسروں کی غیبت سے پہنچنے والے نقصان سے زیادہ ہے اگر تمہارا مقصود دین ہی ہے تو اپنے نفس پر خوف زیادہ ہونا چاہیے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کی خدمت میں ایک لونڈی پیش کرے تاکہ اسے انعام و اکرام اور کوئی جاگیر مل جائے لیکن وہ اسے اندھی لونڈی پیش کرتا ہے اس کی شکل بھی اچھی نہیں اور اعضاء بھی کاٹے ہوئے ہیں جب بادشاہ اکیلا ہو تو اس

کے پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں جانتا اور جب اس کے پاس اس کے غلام ہوں تو ان کی طرف سے مذمت کے خوف سے وہ لونڈی پیش نہیں کرتا۔ تو ایسا کوئی بھی نہیں کرتا بلکہ جو شخص بادشاہ کے غلام کا لحاظ کرتا ہے اسے بادشاہ کا خیال زیادہ ہونا چاہیے ہاں دکھاوا کرنے والے کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ اس عمل کے ذریعے وہ لوگوں کے ہاں مقام حاصل کرنا چاہتا ہے اور ان کی طرف سے ستائش کا خواہشمند ہے اور یہ قطعاً حرام ہے اور دوسری حالت یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اگر میں اچھی طرح رکوع اور سجدہ کروں تو اخلاص نہیں ہو سکتا اور اگر اس میں تخفیف کروں تو نماز ناقص رہ جاتی ہے اور لوگ مجھے غیبت اور مذمت کے ذریعے اذیت پہنچاتے ہیں لہٰذا ان کی مذمت کو دور کرنے کے لیے میں اچھی طرح نماز پڑھتا ہوں اور اس سلسلے میں مجھے ثواب کی امید نہیں ہوتی لہٰذا نماز اچھی طرح نہ پڑھنے کے مقابلے میں یہ طریقہ بہتر ہے ورنہ ثواب بھی جائے گا اور مذمت بھی برداشت کرنا پڑے گی اس میں بھی کچھ سوچ و بچار ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس پر اچھی طرح اور اخلاص کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر اس کی یہ نیت نہ ہو سکتی ہو تو اسے چاہیے کہ خلوت میں اس کی عادت بنائے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ عبادات میں ریاکاری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ریاکاری سے کام لے کیوں کہ یہ ایک مذاق ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

دوسرا درجہ۔ ایسے عمل میں دکھاوا کرنا جس کے چھوڑنے میں کوئی نقصان نہیں لیکن اس کے کرنے سے عبادت کی تکمیل ہوتی ہے جس طرح رکوع اور سجدے میں دیر لگانا، لمبا قیام کرنا، اچھے طریقے پر ادا کرنا، پہلی تکبیر کے وقت ہاتھوں کو اچھی طرح اٹھانا اور جلدی کرنا، اعتدال کی راہ اچھی طرح اختیار کرنا عادتاً پڑھی جانے والی سورت سے زیادہ قرأت کرنا، اسی طرح رمضان شریف کے روزے میں زیادہ خلوت اور زیادہ خاموشی اختیار کرنا، زکوٰۃ دیتے ہوئے بہترین مال دینا کفارے میں بیش قیمت غلام آزاد کرنا اگر وہ تنہائی میں ہوتا تو ان میں سے کوئی کام نہ کرتا۔

تیسرا درجہ۔ ایسے اعمال میں ریاکرنا جو نوافل سے بھی خارج ہیں جس طرح نماز باجماعت کے لیے باقی لوگوں سے پہلے آنا اور پہلی صف کا قصد کرنا امام کی دائیں طرف کھڑا ہونے کی کوشش کرنا اور اس طرح کے دوسرے کام ہیں یہ تمام امور وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اگر وہ تنہائی میں ہو تو اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ کہاں کھڑا ہو اور کب تکبیر تحریمہ کہے۔

ریاکاری کے درجات اس عمل کی نسبت سے ہیں جس کے ذریعے ریاکاری کی جاتی ہے ان میں سے بعض دوسرے بعض کی نسبت زیادہ سخت ہیں اگرچہ تمام کے تمام قابلِ مذمت ہیں۔

تیسرا رکن :

کس کے لیے ریاکاری کی جاتی ہے؟ کیوں کہ ریاکار کا کوئی نہ کوئی مقصود ضرور ہوتا ہے وہ یا تو مال حاصل کرنے کے لیے ریاکاری کرتا ہے یا جاہ مقصود ہوتی ہے یا کوئی دوسری غرض ہوتی ہے اس کے بھی تین درجات ہیں۔

پہلا درجہ : یہ سب سے زیادہ سخت اور بڑا درجہ ہے یعنی اس کا مقصود کسی گناہ پر قادر ہونا ہے جیسے کوئی شخص اپنی عبادت میں دکھاوا کرتا ہے زیادہ نوافل پڑھتے اور شبہات والی چیزیں کھانے سے بچنے کے ذریعے تقویٰ ظاہر کرتا ہے، اس کی

غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ امانت میں معروف ہو اور اس طرح اسے قاضی یا اوقاف کا متولی بنایا جائے یا وصیتوں اور یتیموں کے مال کی ذمہ داری سونپی جائے یا اسے زکوٰۃ اور صدقات کی تقسیم پر مامور کیا جائے تاکہ جس قدر ممکن ہو وہ ہڑپ کرلے یا امانتیں اس کے حوالے کی جائیں اور وہ کھا پی کر انکار کردے یا حج کے راستے میں خرچ ہونے والا مال اس کے سپرد کیا جائے تو وہ تمام یا بعض مال لے اڑے یا اس کے ذریعے حاجیوں کو اپنا تابع بنائے یا اس کے ذریعے اپنے مقاصد فاسدہ کو پورا کرکے گناہ کا مرتکب ہو۔ بعض لوگوں صوفیوں والا لباس پہن کر مسکین صورت بن کر وعظ و نصیحت کے انداز میں حکمت بھری گفتگو کرتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کسی عورت یا لڑکے کو دام تزویر میں پھنسا کر گناہ کا ارتکاب کیا جائے وہ علم وعظ اور قرأت کی مجالس میں آتے ہیں اور علم و قرأت میں رغبت ظاہر کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد عورتوں اور لڑکوں کو دیکھنا ہوتا ہے یا وہ حج کے لیے جاتے ہیں لیکن ان کا مقصود قافلے میں موجود عورتوں اور بچوں سے نفع اندوز ہونا ہوتا ہے یہ ریاکار اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ناپسندیدہ ہیں کیونکہ انہوں نے عبادتِ خداوندی کو گناہ کا زینہ اور وسیلہ بنایا اور اسے آلہ اور مارکیٹ بنایا نیز اس کو فسق و فجور کا مال قرار دیا۔

اس جماعت کے قریب وہ لوگ بھی ہیں جو گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس طرح ان پر تہمت لگتی ہے اور وہ اگرچہ گناہ پر بھی ڈٹے ہوتے ہیں لیکن اپنے آپ سے تہمت کو دور کرنا چاہتے ہیں تو اس مقصد کے لیے وہ تقویٰ ظاہر کرتے ہیں اسی طرح جو شخص امانت کا انکار کرتا ہے اور لوگ اس پر تہمت لگاتے ہیں تو وہ اپنا مال صدقہ کرتا ہے تاکہ کہا جائے کہ یہ شخص تو اپنا مال صدقہ کرتا ہے دوسروں کا مال کیسے کھا سکتا ہے اسی طرح کسی عورت یا لڑکے کے ساتھ گناہ میں ملوث ہونے کی نسبت کی جائے تو وہ خشوع اور تقویٰ کے اظہار کے ذریعے اس تہمت کا ازالہ کرتا ہے تو ایسے لوگ اگرچہ اس پہلے گروہ کے قریب ہیں لیکن ان سے نچلے درجے میں ہیں۔

دوسرا درجہ: ریاکار کا مقصد دنیا کا جائز فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے مثلاً مال حاصل کرنا یا کسی خوبصورت معزز عورت سے نکاح کرنا جیسے کوئی شخص گریہ و زاری اختیار کرے اور وعظ و نصیحت میں مشغول ہو تاکہ لوگ اس کی مالی خدمت کریں اسی طرح وہ کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے کسی معین عورت سے نکاح کرے یا کسی شریف زادی سے، اسی طرح ایک شخص کسی عالم و عابد کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے سامنے علم اور عبادت کا اظہار کرتا ہے تاکہ وہ اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے تو یہ بھی ممنوع ریاکاری ہے کیوں کہ وہ عبادتِ خداوندی کے ذریعے دنیا کا سامان طلب کرتا ہے لیکن یہ پہلے درجے سے کم ہے کیوں کہ اس ریا کے ذریعے وہ جائز کام کی طلب رکھتا ہے۔

تیسرا درجہ۔ اس کا مقصد دنیوی فائدہ، مال کا حصول یا نکاح نہیں ہوتا لیکن وہ اس لیے عبادت کو ظاہر کرتا ہے کہ کوئی شخص اسے حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے نیز ایسا نہ ہو کہ اسے عام لوگوں میں سمجھا جائے خاص اور زاہد لوگوں میں شمار نہ کیا جائے مثلاً ایک شخص تیز چلنے کا عادی ہے لیکن جب لوگ اسے دیکھتے ہیں تو تیز چلنا چھوڑ دیتا ہے اور اچھی طرح چلتا ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں

کہ یہ شخص باوقار نہیں ہے کھلنڈرا سا ہے اسی طرح کوئی آدمی ہنستا ہے یا مذاق کر بیٹھتا ہے پھر اسے ڈر ہوتا ہے کہ لوگ مجھے حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں اس لیے اس کے بعد لمبا سانس لیتا ہے، استغفار کرتا ہے اور غم کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آدمی اپنے آپ سے کس قدر غافل ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر یہ شخص تنہائی میں ہوتا تو یہ کام اس پر گراں نہ گزرتا اسے تو صرف اس بات کا خوف ہے کہ لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھیں گے عزت واحترام کی نگاہ سے نہیں۔

یا ایسا شخص جو کچھ لوگوں کو دیکھتا ہے کہ وہ تراویح یا تہجد پڑھتے یا جمعرات اور سوموار کا روزہ رکھتے ہیں یا صدقہ کرتے ہیں تو صرف اس لیے ان کی موافقت کرتا ہے کہ وہ اسے سست نہ کہیں اور اسے عوام میں سے نہ سمجھیں اور اگر وہ اکیلا ہو تو ان میں سے کوئی کام نہیں کرتا اسی طرح وہ آدمی جو دس محرم یا آٹھ ذوالحجہ یا حرمت والے مہینوں (رجب، ذی قعدہ ذوالحجہ اور محرم) میں پیاسا رہتا ہے اور اس خوف سے پانی نہیں پیتا کہ لوگ اسے روزے کے بغیر سمجھیں گے پس جب ان کو گمان ہو کہ وہ روزہ دار ہے تو اس مقصد کے تحت وہ کھانے پینے سے رک جاتا ہے یا اسے کھانے کی دعوت دی جاتی ہے تو انکار کرتا ہے تاکہ اسے روزہ دار سمجھا جائے اور بعض اوقات وہ واضح طور پر نہیں بتاتا کہ وہ روزہ دار ہے بلکہ کوئی عذر پیش کرتا ہے اس میں دو خباثتیں جمع ہیں وہ اپنے آپ کو روزہ دار خیال کرتا ہے پھر یہ بھی سمجھتا ہے کہ وہ مخلص ہے ریاکار نہیں ہے وہ اس بات سے بچتا ہے کہ لوگوں میں اس کی عبادت کا تذکرہ ہو تو اس طرح وہ ریا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے بارے میں یوں کہا جائے کہ یہ اپنی عبادات کو چھپاتا ہے پھر جب وہ پانی پینے پر مجبور ہو تو کوئی عذر پیش کرتے سے صبر نہیں کرسکتا چاہے صراحتاً ذکر کرے یا کنایتاً، مثلاً وہ کہتا ہے کہ اسے ایسی بیماری ہے جس میں بہت زیادہ پیاس لگتی ہے اور روزہ رکھنا مشکل ہوتا ہے یا وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کا دل رکھنے کے لیے روزہ توڑ دیا ہے۔

پھر بعض اوقات وہ یہ بات پانی پینے کے فوراً بعد نہیں کہتا تاکہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ ریاکاری کے طور پر عذر پیش کر رہا ہے بلکہ کچھ دیر انتظار کرتا ہے پھر باتوں باتوں میں یہ بہانہ پیش کر دیتا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ فلاں شخص دوستوں سے محبت کرتا ہے اور اس کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ آدمی اس کا کھانا کھاتے اور آج اس نے مجھ سے بہت زیادہ اصرار کیا اس لیے اس کے دل کی خاطر مجھے کھانا پڑا یا اسی طرح وہ کہتا ہے کہ میری ماں کا دل بہت کمزور ہے وہ مجھ پر بہت زیادہ شفیق ہے اور اس کا خیال یہ ہے کہ اگر میں نے روزہ رکھا تو بیمار ہو جاؤں گا اس لئے وہ مجھے روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔ تو اس قسم کی باتیں ریا کی آفات میں سے ہیں اور زبان پر ان باتوں کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ ریاکاری اس کی رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے۔

لیکن مخلص آدمی اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ مخلوق اسے کس نظر سے دیکھتی ہے پس اگر اسے روزے کی رغبت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس بات علم ہے تو وہ نہیں چاہتا کہ لوگ اس کے خلاف اعتقاد رکھیں اور یوں وہ دھوکہ دینے والا بنے، اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے روزہ رکھنے کی رغبت ہو تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت کرتا ہے اور اس میں

کسی کو شریک نہیں کرتا بعض اوقات اس کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر میں اس عبادت کو ظاہر کروں تو لوگ میری اقتدا کریں گے اور لوگوں کی رغبت کے لیے ایک تحریک ہوگی لیکن اس میں شیطان کا فریب اور دھوکہ ہے اس کی تشریح اور شرائط کا بیان آگے آئے گا۔

تو یہ ریا کے درجات اور ریا کار لوگوں کی مختلف اقسام کے مراتب ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا باعث ہیں اور یہ بات سب سے زیادہ ہلاکت خیز ہے۔ اور اس کی شدت میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس میں پائی جانے والی آمیزش چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں بڑے بڑے علماء لغزش کھا جاتے ہیں نفوس کی آفات اور دل کے مہلکات سے ناواقف لوگ تو کسی شمار میں ہی نہیں۔

چوتھی فصل:

چیونٹی کی چال سے بھی پوشیدہ ریا

جاننا چاہیے کہ ریا کی دو قسمیں ہیں ایک جلی اور دوسرا خفی، جلی وہ ریا ہے جو عمل پر ابھارتا ہے اور اس کی ترغیب دیتا ہے اگرچہ ثواب کی نیت کرے اور یہ سب سے زیادہ واضح اور ظاہر ریا ہے اس سے ذرا پوشیدہ زیادہ ہے کہ صرف اسی کی وجہ سے عمل کی ترغیب نہیں ہوتی لیکن جس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے اس ریا کی وجہ سے اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے جیسے ایک شخص کی عادت ہے کہ وہ ہر رات تہجد پڑھتا ہے لیکن اسے بوجھ بھی محسوس ہوتا ہے اور جب اس کے پاس کوئی مہمان آئے تو خوشدلی سے پڑھتا ہے اور اب اس کے لیے تہجد پڑھنا آسان بھی ہو جاتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اگر ثواب کی توقع نہ ہوتی تو محض مہمان کو دکھانے کے لیے نہ پڑھتا۔۔۔ اس سے بھی کم درجہ کا ریا وہ ہے جو عمل پر اثر انداز نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس عمل کی آسانی کا باعث بنتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کے دل میں ریا کا تصور موجود ہے۔ اور چونکہ عمل میں اس کا اثر نہیں ہوتا اس لیے علامات کے بغیر اس کا پہچاننا ممکن نہیں ہوتا اور اس کی سب سے واضح علامت یہ ہے کہ لوگوں کے اس عبادت پر مطلع ہونے سے اسے خوشی ہوتی ہے تو کئی عبادت گزار ایسے ہیں جو اپنے عمل میں مخلص ہوتے ہیں اور ریا کا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ اسے ناپسند کرتے ہیں اور اسی انداز پر عمل کو مکمل کرتے ہیں لیکن جب لوگ اس عمل پر مطلع ہوں تو اس پر انہیں خوشی ہوتی ہے اور عبادت کی شدت کا بوجھ ان کے دل سے اتر جاتا ہے تو یہ خوشی پوشیدہ ریا پر دلالت کرتی ہے جس کی وجہ سے یہ سرور پیدا ہوا اور اگر دل لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہوتا تو لوگوں کے مطلع ہونے کے وقت اسے خوشی نہ ہوتی تو یوں ریا اس کے دل میں چھپا ہوتا ہے جس طرح پتھر میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے اور اب لوگوں کے عمل پر مطلع ہونے سے یہ ریا خوشی کی صورت میں ظاہر ہو گیا پھر اگر اس اطلاع سے حاصل ہونے والے سرور کے مقابلے میں نفرت نہ ہو تو یہ ریا کی پوشیدہ رگ کے لیے قوت اور غذا کا کام دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے نفس پر ایک خفیف سی حرکت

کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ کسی ایسے سبب کا تقاضا کرتا ہے جو اشارتاً اور کنایتاً لوگوں کی اطلاع کا باعث ہو۔ اگرچہ صراحتاً نہ ہو۔

اور بعض اوقات ریا اس قدر پوشیدہ ہوتی ہے کہ نہ تو صراحتاً اس کا پتہ چلتا ہے اور نہ کنائے اور اشارے سے، بلکہ عادت اور خصلتوں کے ذریعے اطلاع چاہتی ہے مثلاً اپنے اندر کمزوری اور رنگ کی زردی ظاہر کرنا، آواز پست کرنا، ہونٹوں اور تھوک کی خشکی، آنسوؤں کے آثار اور نیند کا غلبہ طویل تہجد گزاری پر دلالت کرتا ہے۔

اور اس سے بھی پوشیدہ ریا یہ ہے کہ نہ تو لوگوں کے مطلع ہونے کی خواہش ہو اور نہ اس عبادت کے ظاہر ہونے پر خوشی ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی خوشی ہو کہ ملاقات کے وقت لوگ اسے پہلے سلام کریں اور اسے خندہ پیشانی اور عزت و احترام سے ملیں نیز اس کی تعریف کریں اور اس کی ضرورتوں کو خوشی خوشی پورا کریں خرید و فروخت میں اس کے ساتھ رعایت برتیں، مجلس میں اس کے لیے جگہ چھوڑیں۔ اور اگر اس سلسلے میں کوئی شخص کوتاہی کرے تو اس کے دل پر بہت بوجھ پڑتا ہے اور نفس کو یہ عمل بہت بعید معلوم ہو گویا وہ جس عبادت کو پوشیدہ طور پر کر رہا ہے اگرچہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اس پر مطلع ہوں لیکن اس کے سبب سے اپنی تعظیم و احترام چاہتا ہے اور اگر اس نے پہلے یہ عبادت نہ کی ہوتی تو لوگوں کا یہ رویہ بعید معلوم نہ ہوتا تو جب مخلوق کے حوالے سے عبادت کا وجود اس کے عدم کی طرح نہیں ہوتا تو وہ صرف علم خداوندی پر قناعت نہیں کرتا اور وہ پوشیدہ ریا کے شائبہ سے خالی بھی نہیں ہوتا جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہوتی ہے (۱) اور ان تمام صورتوں میں اجر ضائع ہو سکتا ہے اور اس سے صرف صدیقین ہی محفوظ رہتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں" اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قاری حضرات سے فرمائے گا کیا لوگ تمہیں سستا سودا نہیں دیتے تھے؟ کیا تمہیں سلام کرنے میں وہ پہل نہیں کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری ضرورتیں پوری نہیں کرتے تھے؟ "

اور حدیث شریف میں ہے تمہارے لیے کوئی اجر نہیں تم نے اپنا اجر وصول کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ایک سیاح نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہم نے سرکشی کے خوف سے اپنے مالوں اور اولاد کو چھوڑ دیا لیکن ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ مالدار لوگوں کو مال کے سبب جس قدر سرکشی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے زیادہ کہیں ہمیں دین میں نقصان نہ ہو کیونکہ ہم میں سے کوئی ایک جب ملاقات کرتا ہے تو اپنے دینی مقام کی وجہ سے اپنی تعظیم کا خواہشمند ہوتا ہے اور اگر کوئی چیز خریدتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کے دینی منصب کی وجہ سے اسے کم قیمت پر ملے۔

جب یہ بات ان کے بادشاہ تک پہنچی تو وہ ایک لشکر کے ساتھ آیا چنانچہ پہاڑ اور میدان لوگوں سے بھر گئے، اس سیاح درویش نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گیا بادشاہ آپ سے ملنے آیا ہے اس نے غلام سے کہا میرے پاس کھانا لاؤ چنانچہ وہ اس

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳ مرویات ابو موسیٰ

کے پاس ساگ زیتون اور کھجور کے خوشے لایا اس درویش نے خوب منہ کھول کر بڑے بڑے لقمے ڈالنے شروع کر دیئے بادشاہ نے پوچھا تمہارا وہ درویش کہاں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا یہی ہے بادشاہ نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ جواب دیا عام لوگوں کی طرح ہے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اچھا حال ہے بادشاہ نے کہا اس شخص کے پاس کوئی بھلائی نہیں اور وہ واپس چلا گیا سیاح درویش نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تجھے مجھ سے یوں پھیرا کہ تم میری مذمت کر رہے ہو۔

تو مخلص لوگ ہمیشہ پوشیدہ ریا سے ڈرتے رہے وہ اس بات کی کوشش کرتے رہے تاکہ لوگ انہیں ان کے اعمال صالحہ کے سلسلے میں دھوکہ نہ دے سکیں لوگ جس قدر برائیوں کو چھپانے کی حرص کرتے ہیں اس سے زیادہ وہ اپنی نیکیوں کو چھپانے کے حریص ہوتے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال کو خالص رکھنا چاہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے ان کو ان کے خالص اعمال کا ثواب عطا فرمائے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن صرف خالص اعمال ہی قبول ہوں گے ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ قیامت کے دن وہ بہت سخت حاجت مند اور بھوکے ہوں گے اور اس کا مال اور اولاد نفع نہیں دے گی اور نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے کام آئے گا حتیٰ کہ صدیقین کو بھی اپنی پڑی ہوگی اور ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا ہوگا جب صدیقین کا یہ حال ہے تو دوسرے کس شمار میں ہوں گے ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہوگی جو مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہیں تو اپنے ساتھ مغربی خالص سکہ لے کر جاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اہل عرب میں کھوٹا اور ردی سکہ رائج نہیں اور وہاں ضروریات و حاجت بھی ہوں گی نہ اپنا وطن ہوگا جہاں پناہ لی جائے اور نہ ہی کوئی گہرا دوست جس سے مدد حاصل کی جائے لہٰذا وہاں صرف کھرا سکہ ہی کام آئے گا اسی طرح قیامت کے دن اہل دل کا معاملہ ہوگا اور اس دن جو توشہ کام آئے گا وہ تقویٰ ہے۔

تو پوشیدہ ریا کا شائبہ بہت زیادہ ہوتا ہے جس کا کوئی شمار نہیں جب تک آدمی اپنی عبادت کے سلسلے میں کسی انسان یا حیوان کے مطلع ہونے کی صورت میں فرق سمجھے گا اس میں ریا کا شبہ ہوگا کیونکہ جب آدمی جانوروں سے بھی طمع ختم کر دے تو اب اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوگی کہ اس کے پاس جانور یا دودھ پیتے بچے موجود ہیں یا نہیں؟ وہ اس کی حرکت پر مطلع ہیں یا نہیں؟

پس اگر وہ مخلص ہوگا تو وہ صرف علم خداوندی پر قناعت کرتے ہوئے عقل مند بندوں کو بھی حقیر جانے گا جیسے وہ بچوں اور پاگلوں کی پرواہ نہیں کرتا اور اسے اس بات کا علم ہوگا کہ یہ عقلمند لوگ اس کے رزق موت، ثواب کے اضافے اور عذاب کی کمی پر قادر نہیں ہیں جیسا کہ جانوروں، بچوں اور پاگلوں کو اس بات کی طاقت حاصل نہیں ہے ــــ اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو اس میں پوشیدہ ریا کا شائبہ ہوگا لیکن ہر آمیزش سے ثواب باطل اور عمل فاسد نہیں ہوتا بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

سوال:

اگر تم کہو کہ ہم دیکھتے ہیں ہر شخص عبادت پر دوسروں کے مطلع ہونے سے خوش ہوتا ہے تو کیا ہر قسم کی خوشی مذموم ہے یا بعض

سرور قابلِ تعریف اور بعض قابل مذمت ہیں ؟

جواب :

تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ ہر سرور مذموم نہیں ہے بلکہ اس خوشی کی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور دوسری مذموم، محمود سرور کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم :

اس کا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ وہ عبادت کو پوشیدہ رکھے اور اس میں اخلاص ہو لیکن جب لوگوں کو اس پر اطلاع ہوتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس پر مطلع کیا ہے اور اس کے اچھے احوال کو ظاہر کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا اور مجھے نظرِ عنایت سے دیکھا کیوں کہ وہی عبادت اور گناہ پر پردہ ڈالتا ہے تو اس سے بڑا کرم کیا ہوگا کہ اس نے میرے گناہوں کو چھپایا اور عبادت کو ظاہر فرمایا۔ تو وہ اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نظرِ رحمت سے دیکھا اس لیے نہیں کہ لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کا مقام ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے :

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ (۱)	آپ فرما دیجیے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہے تو اس پر انہیں خوش ہونا چاہیے۔

تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ظاہر فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے تو وہ اس پر خوش ہوا۔

دوسری قسم :

وہ یوں خیال کر کے خوش ہو کہ جب دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمالِ صالح کو ظاہر کیا اور گناہوں کو پوشیدہ رکھا تو آخرت میں بھی وہ یہی سلوک فرمائے گا۔ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا سَتَرَ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ ذَنْبًا فِى الدُّنْيَا اِلَّا سَتَرَهٗ عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرَةِ۔ (۲)	اللہ تعالیٰ دنیا میں جس بندے کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے قیامت کے دن بھی اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

تو پہلی صورت میں فی الحال قبولیت پر خوشی تھی مستقبل کا لحاظ نہ تھا اور اس صورت میں مستقبل کے حوالے سے خوشی ہوتی ہے۔

تیسری قسم :

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یونس آیت ۵۸

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۱ کتاب الذکر

اس کا خیال یہ ہو کر میرے اعمالِ صالح پر مطلع ہونے والوں کو میری اقتدا کی رغبت ہوگی اور اس طرح مجھے دوگنا ثواب ملے گا تو پہلا ثواب اس بات کا ہوگا کہ اس نے عمل کو پوشیدہ رکھا اور دوسرا ثواب اس کے ظاہر ہونے (اور اس کے مطابق دوسرے لوگوں کے عمل کرنے) کی وجہ سے ہوگا۔ کیوں کہ عبادات و طاعات میں جس کی اقتدا کی جائے اسے اقتدا کرنے والوں کے عمل کے برابر ثواب ملتا ہے اور ان کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوتی تو اس توقع سے خوشی کا پیدا ہونا بھی مناسب بات ہے کیوں کہ نفع کی علامات کا ظہور لذیذ ہوتا ہے اور یقیناً وہ خوشی کا باعث بنتا ہے۔

چوتھی قسم:

جو لوگ اس کی عبادت گزاری پر مطلع ہو کر اس کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس مدح سرائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر رہے ہیں اور اس کی اطاعت کرنے والے سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دل عبادتِ خداوندی کی طرف مائل ہیں کیوں کہ اہلِ ایمان میں سے بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کسی عبادت گزار کو دیکھ کر اس پر ناراض ہوتے ہیں اس کی مذمت کرتے ہیں اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے ریاکار خیال کرتے ہیں اس لیے اس کی تعریف نہیں کرتے۔ تو یہ اس بات کی خوشی ہے کہ ان بندگانِ خدا کا ایمان درست ہے۔ اس قسم میں اخلاص کی علامت یہ ہے کہ جس طرح اسے اپنی تعریف پر خوشی ہوتی ہے دوسروں کی تعریف کی جائے تو وہ بھی اس کے لیے باعثِ مسرت ہوتی ہے۔

مذموم خوشی اور وہ پانچویں قسم ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دل میں پائے جانے والے اپنے مقام و مرتبہ پر خوش ہوتا ہے کہ وہ میری تعریف اور تعظیم کریں میری ضرورتوں کو پورا کریں اور آمد و رفت میں مجھے آگے کریں یہ سوچ ناپسندیدہ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

پانچویں فصل:

خفی اور جلی ریا سے کون سے اعمال باطل ہوتے ہیں اور کون سے باطل نہیں ہوتے

اس سلسلے میں ہم کہتے ہیں کہ جب بندہ اخلاص سے عبادت کرتا ہے اور پھر اس میں ریا آجاتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو عمل سے فارغ ہونے کے بعد ریا پیدا ہوا یا ابھی وہ عمل سے فارغ نہیں ہوا تھا اگر فراغت کے بعد اظہار کے بغیر خود بخود سرور پیدا ہوا تو اس سے عمل فاسد نہیں ہوتا کیوں کہ عمل اخلاص کے ساتھ اور ریا کے بغیر مکمل ہو چکا ہے اس کے بعد جو ریا پیدا ہوا تو ہمیں امید ہے کہ اس کا عمل پر اثر نہیں ہوگا خصوصاً جب وہ خود اسے کو ظاہر کرنے کے لیے تکلف نہیں کر رہا نہ کسی سے اس کا ذکر کرتا ہے اور نہ ہی اس کے اظہار اور ذکر کی تمنا کرتا ہے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے ظاہر کرنے سے ظاہر ہوا ہے اس آدمی کا دخل تو صرف اس قدر ہے کہ وہ اس پر خوش ہو رہا ہے اور اس کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔

ہاں اگر عمل کسی ریاکاری کے بغیر محض اخلاص کی بنیاد پر مکمل ہو جائے لیکن بعد میں اسے ظاہر کرنے کی رغبت ہو اور وہ

اسے بیان کر کے ظاہر کرے تو یہ خوف والی بات ہے اور روایات میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ اس کا عمل ضائع ہو گیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے ایک شخص سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ میں نے گذشتہ رات سورۃ بقرہ کی تلاوت کی ہے تو آپ نے فرمایا اس شخص کا حصہ یہی تھا۔

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں نے عمر بھر روزہ رکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو تم نے روزہ رکھا اور نہ ہی افطار کیا (۱) بعض حضرات فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تم نے روزہ رکھا اور نہ ہی افطار کیا (۱) بعض حضرات فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اس نے اپنے عمل کو ظاہر کیا تھا یہ بھی کہا گیا کہ اس بات میں عمر بھر کا روزہ رکھنے کی کراہت کی طرف اشارہ ہے جو بھی بات ہو اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بات پر استدلال فرمایا کہ عبادت کے وقت اس شخص کا دل ریا اور اس کے قصد سے خالی نہ تھا کیونکہ اس نے خود اسے بیان کیا کیونکہ یہ بات بعید ہے کہ عمل کے بعد طاری ہونے والی چیز عمل کے ثواب کو ضائع کر دے بلکہ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ کہا جائے کہ اسے اس کے گذشتہ عمل پر ثواب ملے گا اور فراغت کے بعد جو اس نے دکھاوا کیا اس کی سزا ملے گی بخلاف اس کے کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی اس کی نیت ریا کی طرف بدل جائے اس سے بعض اوقات نماز باطل اور عمل ضائع ہو جاتا ہے۔

لیکن جب نماز سے فراغت سے پہلے ہی ریا پیدا ہو جائے اور شروع میں اخلاص تھا درمیان میں ریا پیدا ہوا اب دیکھا جائے گا کہ وہ محض سرور ہے جو عمل پر اثر انداز نہیں ہوتا یا وہ ایسا ریا ہے جس کے باعث عمل کو پورا کیا جاتا ہے اگر عمل کا باعث یہی ریا ہے اور اسی پر عبادت کا اختتام ہوا تو عمل کا ثواب ضائع ہو گیا مثلاً کوئی شخص نفل پڑھ رہا ہو تو وہاں کچھ تماشائی گزریں یا کوئی بادشاہ آ جائے اور اس کی خواہش ہے کہ اسے دیکھا جائے یا اسے اپنا بھولا ہوا مال نماز میں یاد آ جائے اور وہ اسے ڈھونڈنا چاہتا ہے اب اگر وہاں لوگ نہ ہوتے تو نماز توڑ دیتا لیکن لوگوں کی مذمت کے خوف سے اسے پورا کرتا ہے تو اس کا اجر ضائع ہو گیا اگر وہ فرض نماز پڑھ رہا تھا تو اسے دوبارہ پڑھنی چاہیے (یعنی دوبارہ پڑھنا بہتر ہے ورنہ نماز ہو جاتی ہے ۱۲ ہزاروی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْعَمَلُ كَالْوِعَاءِ اِذَا طَابَ اٰخِرُهٗ طَابَ اَوَّلُهٗ۔ (۲)

عمل برتن کی طرح ہے کہ جب اس کا آخر اچھا ہو گا تو اول بھی اچھا ہو گا۔

یعنی اس کے خاتمے پر نظر ہوتی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۶۷ کتاب الصیام

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۹، ابواب الزھد

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ایک گھڑی بھی ریا کرے گا اس کے پہلے اعمال ضائع ہو جائیں گے (۱)

یہ صورت نماز سے متعلق ہے صدقہ اور قرائت پر یہ حکم نہیں آتا کیونکہ ان کی ہر جزء الگ الگ ہے لہٰذا جو ریا طاری ہو گا وہ باقی کو فاسد کرے گا گزرے ہوئے کو نہیں جب کہ روزہ اور حج نماز کی طرح ہیں۔

لیکن جب ریا اس طرح آئے کہ وہ ثواب کی خاطر عمل کو مکمل کرنے میں رکاوٹ نہ بنے جیسے نماز کے دوران کوئی جماعت آجائے اور وہ ان کے آنے پر خوش ہو اور دکھاوے کی صورت پیدا ہو جائے نیز وہ ان کو دکھانے کے لیے اچھی طرح نماز پڑھنا شروع کر دے اور اگر وہ نہ آتے تب بھی نماز کو پورا کرتا تو اس ریا نے عمل پر اثر کیا کہ نماز میں ان حرکات کا باعث بنا اب اگر یہ ریا غالب آجائے حتیٰ کہ اس کی وجہ سے عبادت اور ثواب کا احساس ہی ختم ہو جائے بلکہ عبادت کا قصد چھپ جائے تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہونی چاہیے بشرطیکہ نماز کا کوئی رکن اس صورت میں ادا کیا ہو۔ کیوں کہ ہم شروع کی نیت کا اس انداز میں اعتبار کرتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز وارد نہ ہو جو اس کو ڈھانپ لے اور چھپا دے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نیت کرنے وقت کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے نماز کو فاسد قرار نہ دیا جائے کیونکہ اصل ثواب کا ارادہ اب بھی باقی ہے اگرچہ اپنے سے غالب قصد کی وجہ سے کمزور ہو چکا ہے۔

حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ تو اس سے بھی آسان اور ہلکی بات پر نماز کے فساد کا قول کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں جب لوگوں کے اس کی عبادت پر مطلع ہونے سے محض خوشی کا قصد کیا یعنی ایسی خوشی جو جاہ و منزلت کی چاہت کی طرح ہے تو اس سلسلے میں لوگوں کا اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ اس سے عمل ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے پہلا ارادہ ٹوٹ جاتا ہے اور اب وہ مخلوق کی طرف سے تعریف کی طرف مائل ہو گیا اور یوں اس کا عمل اخلاص پر مکمل نہیں ہوا اور عمل تو اپنے خاتمے کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں قطعی طور پر اس کے عمل کو باطل نہیں کہتا اگرچہ اس کے عمل میں اضافہ نہیں ہوتا اور میں اس کے بطلان سے بے خوف بھی نہیں ہوں پہلے میں لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے اس میں توقف کرتا تھا لیکن میرے دل پر جو بات زیادہ غالب ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے عمل کو ریا پر ختم کرے تو اس کا ثواب ضائع ہو جائے گا۔

پھر فرمایا اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اس کی دو حالتیں ہیں اگر پہلی حالت اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو دوسری حالت اسے نقصان نہیں پہنچائے گی کیوں کہ ایک روایت میں ہے ایک شخص نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں اپنے عمل کو پوشیدہ رکھتا ہوں اور مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ اس پر مطلع ہوں لیکن

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱۲ کتاب الزہد

پھر بھی لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جاتی ہے اور اس سے میں خوش ہوتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَكَ اَجْرَانِ اَجْرُ السِّرِّ وَاَجْرُ الْعَلَانِيَةِ۔ تمہارے لیے دو اجر ہیں ایک پوشیدہ رکھنے کا اور دوسرا ظاہر ہونے کا۔ (۱)

اس کے بعد حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ نے اس حدیث اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے قول پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا کہ دوسری حالت اسے نقصان نہیں دیتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ریا کی وجہ سے عمل کو نہ چھوڑے جب وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے تو اس قسم کا خیال اسے نقصان نہیں دے گا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب اس نے اخلاص کے ساتھ عمل شروع کیا تو اس کے بعد ریا کا پیدا ہونا اسے نقصان نہیں دیتا۔

جہاں تک حدیث شریف کا تعلق ہے تو اس میں ہم کچھ طویل گفتگو کریں گے جس کا خلاصہ تین باتیں ہیں۔

۱۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس شخص نے عمل سے فراغت کے بعد کا ظہور مراد لیا ہو اور حدیث شریف میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ فراغت سے پہلے ہوتا ہے۔

۲۔ ہو سکتا ہے وہ اس لیے خوش ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے یا کوئی دوسرا سرور ہو جو محمود ہو جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ایسا سرور مراد نہ ہو جو جاہ و مرتبہ کی چاہت کے سبب سے پیدا ہوا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس وجہ سے اسے اجر کا مستحق قرار دیا گیا ہے اور امت میں سے کسی بھی شخص کا یہ نظریہ نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے عمل پر اس لیے خوش ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں تو اس پر اسے ثواب ملے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس قسم کے سرور پر معافی ملے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مخلص کو ایک اجر ملے اور ریا کار کو دو اجر حاصل ہوں۔

۳۔ اس حدیث کے اکثر راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متصل روایت نہیں کرتے بلکہ ان میں سے اکثر اس حدیث کو حضرت ابو صالح رحمہ اللہ پر موقوف کرتے ہیں جب کہ بعض اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں لہٰذا ریا کے بارے میں وارد عام روایات پر عمل کرنا بہتر ہے۔

حضرت حارث کا یہ قول ہے اور انہوں نے کوئی یقینی بات نہیں فرمائی بلکہ انہوں نے عمل کے ضائع ہونے کی طرف میلان ظاہر کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس قسم کا سرور جو عمل پر اثر انداز نہ ہو بلکہ عمل محض دین کے باعث صادر ہو خوشی صرف لوگوں کے مطلع ہونے کی وجہ سے ہو تو اس سے عمل فاسد نہیں ہوتا کیونکہ اس سرور کی وجہ سے اصل نیت معدوم نہیں ہوتی۔ بلکہ عمل کے باعث کے طور پر یہ نیت باقی رہتی ہے اور اسے پورا کرنے کی راہ دکھاتی ہے۔

وہ روایات جو ریا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ اس بات پر محمول ہیں کہ اس سے صرف مخلوق کو دکھانا مقصود ہو۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۳۷۶ حدیث ۷۰۰۹

لیکن وہ شرکت کے بارے میں آئی ہیں وہ اس بات پر محمول ہیں کہ جب ریا کا قصد ثواب کے ارادے کے مساوی ہو یا اس پر غالب ہو۔ لیکن جب اس کے مقابلے میں ریا کا قصد کمزور ہو تو صدقہ اور دیگر اعمال کا ثواب بالکل ضائع نہ ہو گا اور نماز میں فساد بھی نہیں آنا چاہیے لیکن اس پر یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے کہ نماز اس پر خالص رضائے خداوندی کے لیے واجب ہوئی ہے اور خالص وہ چیز ہوتی ہے جس میں کوئی آمیزش نہ ہو لہٰذا اس آمیزش کی موجودگی میں وہ واجب کو ادا کرنے والا نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ہم نے اخلاص کے باب میں اس سے بھی زیادہ جامع گفتگو کی ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے تو یہ اس ریا کا حکم ہے جو عبادت کی نیت کے بعد طاری ہو چاہیئے فراغت سے پہلے ہو یا بعد۔

تیسری قسم:

وہ ریا جو نیت کے وقت موجود ہو مثلاً وہ دکھاوے کے لیے نماز کی نیت اور ابتدا کرتا ہے اگر وہ سلام پھیرنے تک اسی حالت پر رہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اسے قضا کرے اور اس کی یہ نماز معتبر نہ ہو گی اور اگر وہ دوران نماز نادم ہو جائے اور استغفار کر کے تکمیل نماز سے پہلے اپنے خیال سے رجوع کرے تو اس صورت کے بارے میں تین قول ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ چونکہ ریا کے ارادے سے نماز شروع کی تھی لہٰذا اس کی نماز شروع ہی نہیں ہوئی اس لیے دوبارہ پڑھے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ نماز کے ارکان دوبارہ ادا کرے یعنی رکوع اور سجدہ وغیرہ کا اعادہ کرے کیونکہ یہ افعال فاسد ہو گئے لیکن نماز کی تحریمہ فاسد نہیں ہوتی کیونکہ تحریمہ ایک عقد ہے اور ریا دل میں پیدا ہونے والا ایک خیال ہے جس سے عقد تحریمہ ختم نہیں ہوتا۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس پر کسی عمل کا اعادہ نہیں ہے بلکہ وہ دل سے توبہ و استغفار کرے اور اخلاص کے ساتھ نماز مکمل کرے کیوں کہ عبادت کے اختتام کا اعتبار ہوتا ہے جیسے اخلاص کے ساتھ شروع کر کے ریا کے ساتھ اختتام کرے تو اس کا عمل فاسد ہو جاتا ہے انہوں نے اس کی مثال اس طرح دی ہے کہ سفید کپڑے پر کوئی نجاست لگ جائے تو اس نجاست کو دور کرنے سے وہ کپڑا اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں نماز، رکوع اور سجدہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتے ہیں لہٰذا غیر خدا کے لیے سجدہ کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ایک عارضی ریا ملا ہے جو توبہ اور ندامت کی وجہ سے زائل ہو گیا اور اب اس کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ اسے لوگوں کی طرف سے ستائش یا مذمت کی کوئی پرواہ نہیں ہوئی لہٰذا اس کی نماز صحیح ہو گی۔

دوسرے دو گروہوں کا مذہب فقہی قیاس سے بہت زیادہ خارج ہے خصوصاً جو لوگ کہتے ہیں کہ اس پر رکوع اور سجدہ کا لوٹانا ہے دوبارہ شروع کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اگر رکوع اور سجدہ صحیح نہ ہوں تو وہ نماز سے زائد افعال قرار پاتے ہیں اور یوں نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح جو لوگ کہتے ہیں کہ اگر نماز اخلاص پر مکمل کرے تو اختتام کا اعتبار کرتے ہوئے نماز کو صحیح قرار دیں گے یہ بات بھی کمزور ہے کیوں کہ ریا نیت میں خرابی پیدا کرتی ہے اور احکام نیت کی رعایت

کے سلسلے میں فقہی قیاس کے مطابق درست بات یہ ہے کہ اگر ابتدائے عقد میں فقہی قیاس کے مطابق درست بات یہ ہے کہ اگر ابتدائے عقد میں اس عمل کا باعث محض ریا ہو طلبِ ثواب اور تعمیلِ حکم نہ ہو تو آغاز ہی صحیح نہ ہوگا اور نہ اس کے بعد کامل درست ہوگا۔ اور یہ ایسے لوگوں کے بارے میں ہے جو تنہائی میں نماز نہیں پڑھتے اور جب لوگوں کو دیکھتے ہیں تو نماز شروع کر دیتے ہیں اور ان کی حالت تو یہ ہے کہ اگر ان کے کپڑے ناپاک بھی ہوں تو بھی لوگوں (کو دکھانے) کی خاطر نماز پڑھتے ہیں اور یہ نماز نیت کے بغیر ہے کیونکہ نیت کا مقصد دین کی خاطر حکم کی تعمیل ہے اور یہاں نہ تو اس کا سبب دین ہے اور نہ ہی حکم خداوندی کی تعمیل ہے۔

اور اگر اس کی حالت یہ ہو کہ لوگ نہ دیکھتے ہوں تب بھی وہ نماز پڑھتا ہے لیکن تعریف و ستائش میں بھی اس کی رغبت ظاہر ہوتی ہے تو اب اس عمل کے دو سبب ہو گئے پس یہ بات یا تو صدقہ، قرأت اور ایسے عمل میں ہو گی جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہیں دیا جاتا یا نماز اور حج کے عقد میں ہو گی اگر یہ صدقہ کے سلسلے میں ہو تو اس نے ریا کے سبب کا حکم ماننے سے روگردانی کی اور باعث ثواب کو قبول کرنے میں اطاعت کی اور ارشاد خداوندی ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (۱)

تو جو شخص ایک ذرے کے برابر بھی بھلائی کرے وہ اسے دیکھ لے گا اور جو آدمی ایک ذرے کے برابر بھی برائی کرے وہ اسے دیکھ لے گا۔

لہٰذا اسے صحیح نیت کے اندازے پر ثواب اور فاسد ارادے کے مطابق عذاب ہوگا اور ان میں سے ایک بات دوسری بات کو باطل نہیں کرے گی اور اگر ایسی صورت نماز میں پیدا ہو جس سے فساد پیدا ہو سکتا ہے تو نیت میں خلل آئے گا اب یا تو وہ فرض نماز ہو گی یا نفل، اگر نفل نماز ہو تو اس کا حکم وہی ہو گا جو صدقہ کا ہے لہٰذا اس نے ایک اعتبار سے نافرمانی کی اور دوسرے اعتبار سے اطاعت و فرمانبرداری کی کیوں کہ اس کے دل میں عمل کے دو باعث موجود ہیں اور ایسا کہنا ممکن نہیں کہ اس کی نماز فاسد ہو گئی اور اس کی اقتدا باطل حتیٰ کہ ایک شخص نماز تراویح پڑھتا ہے اور اس کی حالت کے قرائن بتاتے ہیں کہ وہ حسن قرأت کے اظہار کے ذریعے ریا کا قصد کر رہا ہے اور اگر اس کے پیچھے لوگ نہ ہوتے اور وہ گھر میں تنہا ہونے کی صورت میں تراویح نہ پڑھتا تو اس کی اقتدا صحیح نہیں۔ کیوں کہ ایسا گمان کرنا بھی بہت دور کی بات ہے بلکہ مسلمان کے بارے میں تو یہی تصور ہوتا ہے کہ وہ نفل نماز کے ذریعے بھی ثواب کا قصد کرتا ہے لہٰذا اس بات کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی نماز کو صحیح قرار دیا جائے گا اور اس کی اقتدا بھی صحیح ہو گی اگرچہ اس کے ساتھ دوسرا قصد بھی ہو اور اس کے ذریعے وہ گناہ گار قرار پاتا ہو۔

اور اگر وہ فرض نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے دو باعث ہوں لیکن ان میں سے ایک بھی مستقل نہ ہو البتہ دونوں مل کر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ زلزلۃ آیت ۷، ۸۔

مستقل باعث نہیں تو اس سے واجب ساقط نہیں ہوتا کیوں کہ اس کے حق میں وجوب کا باعث مستقل طریقے پر نہیں پایا گیا اور اگر ہر باعث مستقل ہوتی کہ اگر اس نماز کا باعث ریا نہ بھی ہوتا تو وہ فرض نماز ادا کرتا اور اس کا باعث فرضیت نہ ہوتی تو ریاکاری کی خاطر نفل نماز پڑھتا تو یہ صورت قابلِ غور ہے یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے واجب وہ نماز ہے جو خالصتاً رضائے خداوندی کے لیے ہو اور اس نے خالص واجب ادا نہیں کیا اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ واجب تو امر خداوندی کی تعمیل ہے اور اس کا باعث مستقل ہنضنہ ہے جو پایا گیا اور اب اس کے ساتھ کسی اور باعث کا ملنا اس شخص کے فرض سے عہدہ برآ ہوتے میں رکاوٹ نہیں ہے جس طرح کوئی شخص غصب شدہ زمین میں نماز پڑھے تو وہ اگرچہ گناہ گار ہوتا ہے کہ اس نے مغصوبہ زمین میں نماز پڑھی لیکن اصل نماز کے حوالے سے وہ اطاعت گذار ہے اور اس کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور نماز کے باعث مختلف ہوں تو حکم میں بھی مختلف احتمالات ہوں گے۔

اور اگر ریا نماز میں سبقت کرنے کے حوالے سے ہو اصل نماز کے اعتبار سے نہ ہو مثلاً ایک شخص جماعت کے ساتھ شامل ہونے کے لیے اول وقت میں نماز کے لیے سبقت کرتا ہے لیکن اکیلا ہو تو درمیانے وقت تک نماز کو موخر کرتا ہے اور اگر نماز فرض نہ ہوتی تو صرف ریا کی غرض سے نماز شروع نہ کرتا تو ایسی صورت میں اس کی نماز کو قطعی طور پر صحیح قرار دیا جائے گا اور اس سے فرض ساقط ہو جائے گا کیوں کہ نماز اس اعتبار سے کہ وہ نماز ہے اس کے باعث میں کوئی بات ٹکرائی نہیں بلکہ تعارض وقت کی تعیین کے اعتبار سے ہے اس سے اصل نیت میں خرابی کا واقع ہونا بہت بعید بات ہے۔

یہ اس ریا کی بات ہے جو عمل کا باعث اور اس کی ترغیب دینے والا ہو لیکن لوگوں کے عمل پر مطلع ہونے سے محض سرور کا حصول جو عمل میں موثر نہ ہو اس سے نماز کا فاسد بعید بات ہے۔

یہ بیان ہمارے نزدیک قانونِ فقہ کے لائق ہے اور اس اعتبار سے یہ مسئلہ نہایت دقیق ہے کہ فقہاء کرام نے فقہ میں اس مسئلہ کو نہیں چھیڑا اور جن لوگوں نے اس میں غور کیا اور کچھ تصرف کیا انہوں نے فقہی قوانین کا لحاظ نہیں کیا اور نہ ہی نماز کی صحت و فساد کے سلسلے میں فقہاء کے فتاویٰ کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھا بلکہ ان حضرات کا مقصود اس بات کی حرص ہے کہ دل پاک ہوں اور اخلاص کی ضرورت کے باعث ریاکاری سے عبادات فاسد ہو جاتی ہیں اور جو کچھ ہم نے لکھا وہی راہ اعتدال ہے اور یہی ہمارا نظریہ ہے باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے وہ غیب اور ظاہر کا علم رکھتا ہے اور وہ رحمن و رحیم ہے۔

چھٹی فصل:

ریا کی دوا اور اس سے دل کے علاج کا طریقہ

سابق بیان سے آپ نے جان لیا کہ ریا سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور یہ ریاکاری اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے

اور یہ بڑی بڑی مہلک باتوں میں سے ہے اور جو کام اس قسم کا ہو اس کے ازالے کے لیے بہت زیادہ کوشش کرنا ضروری ہے اگرچہ مجاہدے اور مشقتوں کے برداشت کے ذریعے ہو اور شفاء اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی کڑوی دوا پیتا ہے اور تمام بندے اس مجاہدے کی طرف مجبور ہیں کیونکہ بچہ شروع میں جب وہ پیدا ہوتا ہے عقل اور تمیز میں کمزور ہوتا ہے لوگوں کی طرف دیکھتا ہے اور ان کی طرح عمل کی بہت زیادہ طمع رکھتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے بناوٹ سے کام لیتے ہیں تو لازماً اس کے دل میں اس تکلف کی محبت غلبہ پاکر مضبوط ہو جاتی ہے اور اس کے مہلک ہونے کا علم اس وقت ہوتا ہے جب اس کی عقل کامل ہو جاتی ہے لیکن اس وقت تک ریا اس کے دل میں گھر کر چکی ہوتی ہے لہٰذا وہ سخت مجاہدے کے بغیر اس کے قلع قمع پر قادر نہیں ہوتا کیوں کہ خواہشات مضبوط ہو چکی ہیں تو اس مجاہدے سے کوئی بھی شخص خالی نہیں لیکن شروع میں یہ مشکل معلوم ہوتا ہے اور اس کے بعد آسان ہو جاتا ہے اس کے علاج کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کی جڑ ھی ختم کر دی جائے جہاں سے یہ پھیلتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ فی الحال جو دل میں خیال پیدا ہوا اس کا ازالہ کیا جائے۔

پہلا مقام:

اس کی اصل کو ہی ختم کر دینا اور اس کی اصل جاہ و منزلت ہے اگر اس کی تفصیل ذکر کی جائے تو تین اصول بنتے ہیں یعنی تعریف کی لذت مذمت کی تکلیف سے فرار اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی لالچ اور طمع، یہ بات کہ یہی باتیں ریا کا سبب ہیں اور یہی اس کی ترغیب دیتی ہیں اس پر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت شہادت دیتی ہے وہ فرماتے ہیں ایک دیہاتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک شخص غیرت کی خاطر لڑتا ہے (۱) مطلب یہ کہ وہ مقہور و مغلوب ہونے کی مذمت کرتا ہے پھر کہا کہ ایک شخص اپنا مقام و مرتبہ دکھانے کے لیے لڑتا ہے اور یہ لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام و مرتبہ بنانے کی طلب ہے اور تیسرا شخص اپنے ذکر کے لیے لڑتا ہے یعنی زبان سے تعریف کی جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (۲)

جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں (لڑتا) ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب (جنگ میں) دو جماعتیں باہم مقابل ہوتی ہیں تو فرشتے اترتے ہیں اور لوگوں کو ان کے مراتب کے مطابق لکھتے ہیں کہ فلاں شخص مشہوری کے لیے لڑتا ہے فلاں آدمی حصول حکومت کے لیے لڑتا ہے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۳ کتاب العلم

(۲) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۳۹۴ کتاب الجهاد

حکومت کے لیے لڑتے ہیں دنیوی طمع کی طرف اشارہ ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ کہتے ہیں فلاں آدمی شہید ہے اور ہو سکتا ہے اس نے اپنی سواری کے دونوں طرف چاندی بھری ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ غَزَا لَا يَبْتَغِي إِلَّا عِقَالًا فَلَهُ مَا نَوَى ۔ جو شخص جہاد کرے صرف اونٹ کی رسی چاہتا ہو تو اس کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہے (۱)

اس میں طمع کی طرف اشارہ ہے۔۔۔ اور بعض اوقات وہ تعریف کی خواہش اور طمع نہیں رکھتا لیکن مذمت کی تکلیف سے بچتا ہے جیسے سخی لوگوں کے درمیان بخیل ہوتا ہے کہ وہ بہت سا مال سخاوت کرتے ہیں اور یہ بخل (کے طعنے) سے بچنے کے لیے تھوڑا سا خرچ کرتا ہے اسے اپنی تعریف کی طمع نہیں ہوتی۔ کیوں کہ دوسرے لوگ اس سے بڑھ کر دیتے ہیں اسی طرح بہادر لوگوں کے درمیان کوئی بزدل شخص ہو تو وہ جماعت سے اس لیے نہیں بھاگتا کہ لوگ برا کہیں گے اسے ستائش کی طمع نہیں ہوتی کیونکہ لڑائی میں جوہر شجاعت دکھانے والے کئی دوسرے موجود ہیں لیکن جب یہ تعریف سے مایوس ہو جاتا ہے تو مذمت کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح رات بھر نماز پڑھنے والوں کے درمیان کوئی شخص ہو تو وہ چند رکعات پڑھتا ہے تاکہ لوگ اسے سست کہہ کر اس کی مذمت نہ کریں اسے اپنی تعریف کی لالچ نہیں ہوتی اور بعض اوقات انسان لذتِ حمد پر صبر نہیں کر سکتا اور اسی طرح وہ مذمت کی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ وہ بعض اوقات کسی بات کے علم کا محتاج ہونے کے باوجود سوال نہیں کرتا تاکہ لوگ اسے جاہل کہہ کر اس کی برائی نہ کریں اور اس طرح وہ علم کے بغیر فتویٰ دیتا ہے اور جاہل ہونے کے باوجود وہ علم حدیث کا دعویٰ کرتا ہے یہ تمام باتیں مذمت کے خوف سے ہوتی ہیں۔

تو یہ تین امور ریاکار کو ریا پر مجبور کرتی ہیں اور اس کا علاج ہم نے اس بات کے شروع میں اجمالی طور پر ذکر کیا ہے اب ہم اس علاج کا ذکر کرتے ہیں جو ریا کے ساتھ مخصوص ہے اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ آدمی کسی چیز کا قصد اس لیے کرتا ہے اور اس بنیاد پر اس میں رغبت رکھتا ہے کہ وہ اس کے لیے بہتر، نفع بخش اور لذیذ ہے۔ چاہے فی الحال ہو یا مستقبل میں، جیسے ایک شخص جانتا ہے کہ شہد لذیذ ہے لیکن جب اس پر واضح ہوتا ہے کہ اس میں زہر ہے تو وہ اس سے اعراض کرتا ہے تو اس رغبت کو بھی اسی طرح ختم کیا جا سکتا ہے کہ وہ یہ یقین کر لے کہ اس میں نقصان ہے۔

اور جب بندے کو ریا کے نقصان دہ ہونے کا علم ہو جائے اور یہ کہ اس کے ذریعے دل کی صلاحیت چلی جاتی ہے اور وہ دنیا میں توفیق اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ کے حصول سے محروم ہو جاتا ہے نیز اسے بہت بڑے عذاب اور سخت ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے گا اور کھلم کھلا رسوائی ہو گی جب لوگوں کے سامنے اسے آواز دی جائے گی اے فاجر!

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۱۵ مرویات عبادہ بن صامت

اے دھوکے باز! اے ریاکار! کیا تجھے حیا نہ آئی کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ذریعے دنیا کا سامان حاصل کیا لوگوں کے دلوں کی حفاظت کی اور عبادت خداوندی کے ساتھ مذاق کیا بندوں کے نزدیک محبوب بنا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل تعریف لوگوں کے لیے زینت اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیب دار ہوا، اللہ تعالیٰ سے دُوری اختیار کر کے لوگوں کے قریب ہوا، اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ مذمت ہو کر لوگوں کے نزدیک قابلِ تعریف ہوا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے کر لوگوں کی رضا کا طالب ہوا کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے ہلکا کوئی نہ تھا (معاذ اللہ) جب بندہ اس ذلت اور رسوائی میں غور و فکر کرتا ہے اور بندوں کی طرف اسے جو کچھ حاصل ہو نیز دنیوی زینت کا آخروی نقصان سے مقابلہ کرتا ہے کہ اس کے اعمال کا ثواب ضائع ہوا حالانکہ ایک عمل سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس میں اخلاص ہو پس جب ریا کی وجہ سے یہ عمل فاسد ہو گیا تو اس سے گناہوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اور وہ دوزخ میں جا گرا۔

اگر ریا کا اثر صرف اسی قدر ہوتا کہ اس سے ایک عبادت ضائع ہو جاتی تو اس کے نقصان کو پہچاننے کے لیے یہی بات کافی تھی اگرچہ اس کے باوجود نیکیوں کا پلڑا بھاری رہتا کیوں کہ اس ایک نیکی کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء کرام اور صدیقین کی جماعت میں شامل ہو کر بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے لیکن ریا کی وجہ سے ان کے درجے سے نیچے گر گیا اور اولیاء کرام کے مقام سے جوتیوں کی جگہ پر آپڑا اس کے علاوہ اسے مخلوق کے دلوں کی رعایت کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ پریشانی بھی اٹھانا پڑتی ہے کیوں کہ لوگوں کی رضامندی کی کوئی حد نہیں اس لیے کہ اگر ایک جماعت کسی بات پر راضی ہوتی ہے تو دوسرے گروہ کو یہ بات پسند نہیں ہوتی بعض کو راضی رکھنے کے لیے دوسرے بعض کو ناراض کرنا پڑتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے ان کو راضی کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے بلکہ وہ لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے پھر لوگوں کی طرف سے تعریفی کلمات کی چاہت کا کیا فائدہ جب کہ اس طرح بارگاہ خداوندی سے اس کی مذمت کی جاتی ہے ان کے تعریف کرنے سے نہ تو اس کا رزق بڑھتا ہے اور نہ عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی قیامت کے دن اس کے فقر اور فاقہ میں ان کے تعریفی کلمات کام آئیں گے۔

لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس کی طمع کا علاج اس بات کا یقین رکھنے میں ہے کہ مال دینے اور روکنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ ہی دلوں کو مسخر کرنے والا ہے اور لوگ اس سلسلے میں مجبور ہیں رازق تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور جو شخص لوگوں سے طمع رکھتا ہے وہ ذلت اور رسوائی سے بچ نہیں سکتا اور اگر اس کی مراد پوری بھی ہو تو بھی احسان اٹھانا پڑتا ہے تو جھوٹی امید میں بارگاہِ خداوندی سے ملنے والے ثواب کو کیسے چھوڑ رہا ہے اور اس کا وہم فاسد ہے کبھی درست نکلتا ہے اور کبھی غلط ہوتا ہے اور اگر وہ صحیح بھی ہو تو بھی احسان اور ذلت کی تکلیف کے مقابلے میں اس کی لذت کچھ نہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ لوگ اس کو برا بھلا کہیں گے تو اس سے ڈرنا نہیں چاہیئے کیوں کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہو ان کی مذمت سے اسے نقصان نہیں پہنچ سکتا ان کی مذمت سے اسے موت جلدی آتی ہے اور

نہ ہی اس کے رزق میں تاخیر ہو گی ہے اور ایسا بھی نہیں کہ اگر وہ جنتی ہے تو اس مذمت سے جہنمی ہو جائے گا یا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود تھا تو اب اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا کیوں کہ تمام بندے عاجز ہیں وہ اپنی ذات کے لیے نفع نقصان موت، زندگی اور دوبارہ اٹھنے کے مالک نہیں ہے۔

اگر ریا کار کے دل میں ان اسباب کی معیوب اور ضرر کا خیال بیٹھ جائے تو ریا کی رغبت سست ہو جائے گی اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے گا کیوں کہ عقلمند آدمی کو ایسی بات کی رغبت نہیں ہوتی جس کا نقصان زیادہ اور نفع کم ہو اور اس کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اگر لوگوں کو اس بات کا علم ہو کہ اس کے دل میں ریا کا قصد اور ظاہر میں اخلاص ہے تو وہ اسے برا سمجھیں اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ بھید کھول دے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے نزدیک بھی قابل نفرت ہو جائے اور لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ یہ شخص ریاکار ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اخلاص کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے اسے ان کا محبوب بنا دیتا ہے بلکہ ان کو اس کے لیے مسخر کر دیتا ہے اب وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں اگرچہ ان کی تعریف میں کوئی کمال نہیں اور نہ ہی ان کی مذمت سے کوئی نقصان ہوتا ہے جیسا کہ بنو تمیم کے ایک شاعر نے کہا میرا کسی کی تعریف کرنا اس کے لیے زینت کا باعث ہے جب کہ مذمت اسے معیوب بنا دیتی ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ تم نے جھوٹ کہا یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں (۱)

کیوں کہ زینت اسے حاصل ہوتی ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ کرے اور وہی معیوب ہوتا ہے جس کی مذمت اللہ تعالیٰ فرمائے تو جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم اور جہنمی ہو تو لوگوں کی طرف سے تعریفی کلمات میں کیا بھلائی ہو گی۔ لیکن جب تم اللہ تعالیٰ کے ہاں محمود ہو اور مقربین کی جماعت میں شامل ہو تو لوگوں کا برائی کرنا تمہیں کیا نقصان دے گا۔

تو جس شخص کے دل میں آخرت، دائمی نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مراتب کا خیال ہو اس کے نزدیک دنیوی زندگی میں مخلوق کے ساتھ جس چیز کا تعلق ہوتا ہے حقیر قرار پائی ہے علاوہ ازیں اس میں بے شمار کدورتیں اور پریشانیاں بھی ہیں لہٰذا یہ شخص اپنی پوری ہمت اور دل کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیتا ہے اور ریا کی ذلت سے نیز مخلوق کے دلوں کی سختی سے نجات پاتا ہے اور یوں اس کے اخلاص کے باعث اس کے دل پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور اس سے اس کا سینہ کھلتا ہے نیز ایسے لطیف مکاشفات سامنے آتے ہیں جن کے باعث اللہ تعالیٰ سے اُنس مخلوق سے وحشت، دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا تصور بڑھتا ہے اس کے دل سے مخلوق کا مقام گر جاتا ہے، ریا کا سبب بالکل منقطع ہو جاتا ہے اور اخلاص کا راستہ طے کرنا آسان ہو جاتا ہے یہ اور جو کچھ ہم نے ریا کے علاج کے سلسلے میں پہلے حصے میں بیان کیا ہے ایسی علمی

---

(۱) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۲۷۳ حدیث ۲۶۷۸

دوائی ہے جس سے ریا کی جڑھی نکل جاتی ہے ریا کا عملی علاج یہ ہے کہ اپنے نفس کو پوشیدہ طریقے پر عبادت کا عادی بنائیے اور جس طرح بے حیائی کے کاموں کو دوسروں سے چھپایا جاتا ہے اسی طرح عبادت کو بھی دوسروں سے چھپائیے حتیٰ کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت کرے وہی اس کی عبادت پر مطلع ہو اور اس علم میں نفس کو غیر خدا کی طلب نہ ہو۔

منقول ہے کہ حضرت ابو حفص آہنگر رحمہ اللہ کے کسی مرید نے دنیا اور دنیا داروں کی مذمت کی تو انہوں نے فرمایا جو بات نہیں پوشیدہ رکھنی چاہیے تھی تم نے اسے ظاہر کر دیا اس کے بعد ہمارے پاس نہ بیٹھنا۔ تو انہوں نے اس قدر بھی ظاہر کرنے کی اجازت نہ دی کیوں کہ دنیا کی مذمت کرتے ہیں زہد و تقویٰ کا دعویٰ ہے تو پوشیدہ عمل سے بڑھ کر ریا کا کوئی علاج نہیں مجاہدے کے آغاز میں یہ کام مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن جب تکلف کرکے ایک عرصہ تک اس پر صبر کرے تو اس کا بوجھ ختم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حسنِ توفیق جس کے ذریعے وہ بندوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کو سیدھے راستے [illegible] کرتا ہے اس کے باعث یہ کام آسان ہو جاتا ہے لیکن جب تک کوئی قوم اپنی حالت خود نہ بدلے اللہ تعالیٰ اس کی حالت کو نہیں بدلتا لہٰذا بندوں کی طرف سے مجاہدہ (کوشش) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہے بندہ دروازہ کھٹکھٹاتے تو اللہ تعالیٰ اسے کھول دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (۱)

اور اگر نیکی ہو تو وہ اسے بڑھا دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا ثواب عطا فرماتا ہے۔

دوسرا مقام:

عبادت کے دوران پیش آنے والے عارضہ کو دور کرنا ہے اس کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ جو شخص اپنے نفس سے مجاہدہ کرتا ہے، قناعت کے ذریعے ریا کی جڑ اکھاڑ پھینکتا ہے طمع ختم کر دیتا ہے، مخلوق کی نگاہوں سے اپنے آپ کو گرا دیتا ہے مخلوق کا اس کی تعریف کرنا یا برائی کرنا اس کے نزدیک نہایت حقیر امر قرار پاتا ہے تو شیطان اسے عبادات کے دوران نہیں چھوڑتا بلکہ ریا کے خیالات پیدا کرتا ہے اور شیطانی وسوسے ختم نہیں ہوتے اسی طرح نفسانی خواہش بھی بالکل نابود نہیں ہوتی اس لیے ریا کے خطرات کو دور کرنے کے لیے مستعد ہونا ضروری ہے اور ریا کے خطرات تین قسم کے ہیں بعض اوقات سب کے سب اکٹھے آتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی خطرہ ہے اور بعض اوقات تدریجاً ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔

پہلا خطرہ: جب اس بات کا علم ہوتا ہے کہ مخلوق کو اس کی عبادت کی اطلاع ہے اور اسے اس اطلاع کی امید بھی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۴۰

ہوتی ہے پھر نفس کی طرف سے اس بات کی رغبت پیدا ہوتی ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور ان کے ہاں اسے ایک مقام حاصل ہو، اس کے بعد رغبت بڑھتی اور نفس اس بات کو قبول کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے اور دل اس بات کو پکا کرتا ہے پہلی صورت معرفت کہلاتی ہے دوسری حالت کو خواہش اور رغبت کہا جاتا ہے اور تیسری صورت کو عزم و ارادہ کہتے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلے خطرے کو دور کرنے کے لیے پوری قوت چاہیے تاکہ دوسرے خطرات کے پیدا ہونے سے پہلے اسے دور کر دیا جائے جب اسے اس بات کا خطرہ محسوس ہو کہ لوگ اس پر مطلع ہو رہے ہیں یا اسے اس کی امید ہے تو اس خطرے کو یوں دور کرے کہ اپنے نفس سے کہے تمہیں اس سے کیا کہ لوگوں کو تیرا عمل معلوم ہو یا نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ تیرے حال کو جانتا ہے دوسروں کے جاننے کا کیا فائدہ ہے اگر لذتِ حمد کی طرف رغبت پیدا ہو تو اس بات کو یاد کرے کہ پہلے سے اس کے دل میں ریا کی آفت موجود ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوگی اور اعمال کی سب سے زیادہ ضرورت کے وقت نامرادی ہوگی تو جس طرح لوگوں کی اطلاع کی معرفت ریا کی خواہش اور رغبت کو بڑھاتی ہے اسی طرح آفتِ ریا کی معرفت اس کی نفرت پیدا کرتی ہے جو اس خواہش کے مقابل ہوتی ہے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور سخت عذاب پیش آنے کے بارے میں سوچتا ہے اور خواہش اسے اس بات کی قبولیت کی دعوت دیتی ہے جب کہ نفرت اس سے انکار کی داعی ہے اور نفس لامحالہ ان میں سے زیادہ مضبوط اور غالب کی اطاعت کرتا ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ ریا کو رد کرنے کے لیے تین باتوں کی ضرورت ہوتی ہے (۱) معرفت (۲) کراہت اور (۳) انکار — بندہ اخلاص کے ساتھ عبادت کا آغاز کرتا ہے پھر ریا کا خطرہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اسے قبول کر لیتا ہے اس وقت اسے وہ معرفت اور کراہت جو اس کے اندر پوشیدہ ہے یاد نہیں رہتی اس لیے کہ اس وقت اس کا دل مذمت کے خوف اور تعریف کی محبت سے بھرپور ہوتا ہے اور اس پر حرص، اس طرح غالب ہوتی ہے کہ دل میں کسی دوسری چیز کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اس لیے دل سے پہلے سے موجود آفاتِ ریا اور اس کے برے انجام کی معرفت کا فور ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے دل میں تعریف کی خواہش اور مذمت کے خوف سے خالی جگہ باقی نہیں رہتی اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص دل میں بردباری کا جذبہ رکھتا ہے اور غصے کی مذمت بھی موجود ہوتی ہے اور جب غصے کا سبب پیدا ہوتا ہے تو وہ بردباری کا قصد کرتا ہے لیکن اس وقت ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جن سے غصہ سخت ہو جاتا ہے اور وہ پہلے عزم (بردباری کے عزم) کو بھول جاتا ہے اور اس کا دل غصے سے بھر جاتا ہے جو اسے غصے کی آفت کی یاد سے روکتا ہے اور یوں دل اس بردباری سے غافل اور دوسری طرف مصروف ہو جاتا ہے اسی طرح خواہش کی لذت اور مٹھاس سے دل بھر جاتا ہے اور نور معرفت سے خالی ہو جاتا ہے جس طرح غصے کی کڑواہٹ دل میں بھر جانے سے بردباری ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں۔

ہم نے درخت کے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دست اقدس پر اس بات کی بیعت کی کہ ہم (جہاد سے)

نہیں بھاگیں گے لیکن موت پر بیعت نہیں کی تھی (۱)

لیکن غزوہ حنین میں اس بیعت کو بھول کر بھاگ کھڑے ہوئے حتی کہ آواز آئی اے درخت والو! واپس آجاؤ تو وہ لوٹ آئے یہ بات اس لیے ہوئی کہ دلوں میں خوف بھر گیا اور پہلا عہد یاد نہ رہا حتی کہ یاد دلایا گیا اور عام خواہشات جو یکدم جوش مارتی ہیں ان کی یہی کیفیت ہوتی ہے کیونکہ اس وقت عقد ایمان میں جو نقصان ہوتا ہے اس کی معرفت بھول جاتی ہے اور جب معرفت بھول جائے تو کراہت (ناپسندیدگی) بھی ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ وہ معرفت کا نتیجہ ہے۔

بعض اوقات انسان کو یاد ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے دل میں جو بات پیدا ہوئی ہے وہ ریا کا خطرہ ہے جو غضب کی وجہ سے اس پر قائم رہتا ہے اور یوں اس کی خواہش اس کی عقل پر غالب آجاتی ہے اور وہ فوری حاصل ہونے والی لذت کو چھوڑ نہیں سکتا تو توبہ کے ذریعے ٹال مٹول کرتا ہے یا شدید خواہش کی وجہ سے غور و فکر کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کتنے ہی علماء ایسے ہیں جو صرف ریا کی وجہ سے گفتگو کرتے ہیں وہ اس بات کو جانتے بھی ہیں لیکن اس پر ڈٹے ہوئے ہیں تو ان کا یہ اصرار کے خلاف بہت مضبوط دلیل ہے کیونکہ اس بات کو جاننے کے باوجود کہ ریا مہلک ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم ہے، اس نے ریا کو قبول کیا تو اب یہ معرفت کوئی فائدہ نہیں دیتی کیوں کہ اس معرفت کے باوجود اسے اس سے نفرت نہیں ہے بعض اوقات معرفت بھی ہوتی ہے اور ریا کو ناپسند بھی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ریا کی طرف داعی عمل کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے کیونکہ شہوت کی قوت کے مقابلے میں کراہت کمزور ہوتی ہے تو یہ ناپسندیدگی بھی غیر مفید ہوئی کیونکہ اس کراہت (ناپسندیدگی) کا مقصد تو عمل سے دور رہنا تھا۔

لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک تینوں باتیں یعنی معرفت، کراہت اور انکار جمع نہ ہوں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ انکار، کراہت کا اور کراہت، معرفت کا نتیجہ ہے اور معرفت کی قوت، ایمانی قوت اور علمی نور کے حساب سے ہوتی ہے اور معرفت کی کمزوری کا سبب غفلت، دنیا کی محبت، آخرت کو بھول جانا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ ہے اس میں کم فکر کرنا ہے۔

نیز دنیوی زندگی کی آفات اور آخروی نعمتوں کی عظمت کے بارے میں غور و فکر نہ کرنا ہے ان میں سے بعض باتیں دوسری بعض باتوں کا نتیجہ ہیں اور ان سب کی اصل دنیا کی محبت اور خواہشات کا غلبہ ہے جو تمام خطاؤں کی اصل اور تمام گناہوں کا منبع ہے اس لیے کہ جاہ و منزلت اور دنیوی نعمتوں کی محبت ہی سے دل میں غضب پیدا ہوتا ہے اور اسی کے باعث وہ آخرت کے بارے میں فکر نہیں کرتا ہے اور نہ ہی کتاب و سنت اور علوم کے انوار سے روشنی حاصل کر سکتا ہے۔

اگر تم کہو کہ جو شخص ریا کو ناپسند کرتا ہے اور اس کراہت کے باعث وہ اس سے انکار کرتا ہے اس کی طبیعت بھی اس کی طرف مائل ہوتی ہے اس کو چاہتی ہے لیکن وہ اس محبت اور میلان طبع کو بھی ناپسند کرتا ہے اور اس کو نہیں چاہتا تو کیا وہ

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۹ کتاب الامارۃ

بھی ریاکاروں کی صف میں شامل ہو گا۔؟

تو جان لو کہ اللہ تعالی بندوں کو ان کی طاقت کے مطابق ہی تکلیف دیتا ہے اور انسان کے بس میں نہیں کہ وہ شیطانی وسوسوں کو روک سکے یا طبیعت کو اس حالت پر لے آئے کہ وہ خواہشات کی طرف مائل نہ ہو انسان تو یہی کر سکتا ہے کہ وہ خواہشات کا مقابلہ اس کراہت سے کرے جو انجام کی معرفت، علم دین اور اللہ تعالی اور آخرت پر ایمان کی وجہ سے اسے حاصل ہوئی ہے جب وہ ایسا کرے تو اس نے اس عمل کی ادائیگی میں انتہائی کوشش کر لی اور وہ اسی بات کا مکلف ہے۔

اس بات پر احادیث مبارکہ دلالت کرتی ہیں جیسا کہ مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی خدمت میں شکایت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہمارے دلوں میں کچھ ایسے خیالات آتے ہیں کہ اگر ہم آسمان سے گر جائیں اور ہمیں پرندے اُچک لیں یا ہوا ہمیں کسی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ پھینک دے تو ہمیں یہ بات ان خیالات کو زبان پر لانے سے زیادہ پسند ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم ان خیالات کو ناپسند کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا یہ تو واضح ایمان ہے"۔ (۱)

اور ان کے دلوں میں وسوسے اور ان کی ناپسندیدگی پائی جاتی تھی تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صریح ایمان سے آپ نے وسوسے مراد لیے تو اب صرف ایک بات رہ گئی یعنی اس سے مراد ان وسوسوں کی کراہت تھی جو ان (وسوسوں) کے ساتھ ہوتی تھی۔ ریا اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے لیکن اللہ تعالی کے حق میں وسوسوں سے کم ہے تو جب ناپسند کرنے کی وجہ سے بڑا گناہ دور ہو گیا تو ریا کا ضرر بطریق اولی دور ہو جانا چاہیے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے آپ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ اِلَی الْوَسْوَسَةِ۔ (۲) تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لیے ہیں جس نے شیطان کے مکر و فریب کو وسوسوں میں بدل دیا۔

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو خطرہ تیرے نفس کی طرف سے ہو اور تیرا نفس اسے اپنے لیے ناپسند کرے تو اگر وہ دشمن کی طرف سے ہو تو اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور جو خطرہ تیرے نفس کی طرف سے ہو اور تیرا نفس اسے اپنے لیے پسند کرے لیکن اس پر تو اس کو جھڑکتا بھی رہے تو اس صورت میں شیطانی وسوسہ اور نفسانی خیالات تجھے نقصان نہیں پہنچائیں گے جب انکار اور ناپسندیدگی کے ذریعے نفس و شیطان کی مراد کو پورا نہ ہونے دے۔

دل میں پیدا ہونے والے وہ خیالات جو ریا کے اسباب کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنتے ہیں اور ان کی یاد دلاتے ہیں

(۱) سنن ابو داؤد جلد ۲ ص ۳۴۱، کتاب الادب

(۲) سنن ابو داؤد جلد ۲ ص ۳۴۱ کتاب الادب

وہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور اس کے بعد ان کی طرف میلان اور رغبت نفس کی طرف سے ہوتی ہے جب کہ ان کو ناپسند کرنا ایمان اور عقل کے آثار سے ہے لیکن یہاں شیطان کا مکر و فریب ہوتا ہے وہ یہ کہ جب وہ اسے ریا کی قبولیت پر آمادہ نہیں کر سکتا تو اس کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تیرے دل کی اصلاح شیطان سے جنگ لڑنے اور اس کا رد کرنے میں ہے حتیٰ کہ وہ اس میں مصروف ہو کر اخلاص کے ثواب اور دل کی حاضری سے محروم ہو جاتا ہے کیوں کہ شیطان سے لڑائی اور اس کو دُور کرنے میں مصروف رہنے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات سے پھر جاتا ہے تو اس طرح اس کو بارگاہ خداوندی میں حاصل ہونے والے مقام میں نقصان ہوتا ہے ریا کے خیالات کو دور کر کے ریا سے نجات پانے میں لوگ چار مراتب پر ہیں۔

پہلا مرتبہ:

شیطان کا رد کر کے اسے جھٹلائے اور اسی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس سے جھگڑنے میں مشغول ہو اور دیر تک لڑتا رہے کیوں کہ اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ بات اس کے دل کو زیادہ محفوظ رکھتی ہے حالانکہ حقیقت میں یہ نقصان کا باعث ہے کیوں کہ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلامی کے شرف سے محروم رہتا ہے اور وہ نیکی بھی نہیں پا سکتا جس کے در پے ہے گویا اب وہ رہزنوں سے لڑتا ہے اور اپنے آپ کو رہزنوں کے ساتھ لڑائی میں مصروف رکھنے والا منزل کی طرف جانے میں نقصان اٹھاتا ہے۔

دوسرا مرتبہ:

اسے اس بات کی پہچان ہو کہ شیطان سے لڑائی میں مصروف رہنے سے سلوک میں نقصان ہے اور یوں وہ صرف اس کو جھٹلانے اور دور کرنے پر اکتفا کرتا ہے اس کے ساتھ جھگڑنے میں مشغول نہیں ہوتا۔

تیسرا مرتبہ:

وہ شیطان کو جھٹلاتا بھی نہیں کیوں کہ اس میں بھی ٹھہرنا ہوتا ہے اگرچہ تھوڑا ہی ہو بلکہ بعض اوقات اس کے دل میں ریا کی کراہت اور شیطان کی تکذیب جاگزیں ہوتی ہے تو وہ اپنی حالت پر رہتا ہے یعنی ریا کو ناپسند کرتا ہے لیکن نہ تو شیطان کو جھٹلاتا ہے اور نہ ہی اس سے جھگڑتا ہے۔

چوتھا مرتبہ:

وہ جانتا ہے کہ جب ریا کے اسباب پیدا ہوں گے تو شیطان اس سے حسد کرے گا تو وہ اس بات کا عزم کرتا ہے کہ جب شیطانی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اخلاص، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت، صدقہ چھپا کر دینے اور دیگر عبادات میں اضافہ کر کے شیطان کو غصہ دلاتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو شیطان کو غصہ دلاتے ہیں اور اس کی بیخ کنی کر کے اسے ناامید کر دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ دوبارہ ان کی طرف نہیں آتا۔

حضرت فضیل بن غزوان رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں شخص آپ کا تذکرہ کرتا ہے آپ نے فرمایا! اللہ کی قسم میں اسے غصہ دلاؤں گا جو اس کا حکم دیتا ہے پوچھا گیا اسے کون حکم دیتا ہے؟ فرمایا "شیطان" پھر آپ نے یوں دعا مانگی "یا اللہ! اس شخص کو بخش دے" اس کے بعد فرمایا میری اس دعا سے شیطان جلتا ہوگا کیوں کہ میں نے اس شخص کے حق میں حکم خداوندی کی تعمیل کی ہے اور جب شیطان بندے کی اس عادت کو دیکھتا ہے تو اس ڈر سے اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے کہ اس طرح اس آدمی کی نیکیاں بڑھ جائیں گی۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شیطان بندے کو گناہ کے ایک دروازے کی طرف بلاتا ہے اور وہ بندہ اس کی بات نہیں مانتا بلکہ اس کی جگہ کوئی نیکی کرتا ہے جب شیطان یہ صورت حال دیکھتا ہے تو اسے چھوڑ دیتا ہے — انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جب شیطان تمہیں متردد دیکھتا ہے (کبھی نیکی کی اور کبھی چھوڑ دی) تو تم میں طمع رکھتا ہے اور جب تمہیں ہمیشہ نیکی کرتا ہوا دیکھتا ہے تو تم سے نفرت کرتا ہے اور تمہیں چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ نے ان چاروں مراتب کی نہایت عمدہ مثال بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں ان کی مثال ان کی مثال ان چار آدمیوں جیسی ہے جو علم وحدیث کی مجلس کا قصد کرتے ہیں تاکہ اس سے فائدہ، فضیلت اور ہدایت حاصل کریں اب کوئی گمراہ بدعتی ان سے حسد کرتا ہے اور اس بات سے ڈرتا ہے کہ وہ حق کو پہچان لیں تو وہ ان میں سے ایک کی طرف بڑھتا ہے اور اسے اس عمل سے پھیر کر گمراہی کی مجلس کی طرف بلاتا ہے لیکن وہ انکار کر دیتا ہے جب وہ یہ حالت دیکھتا ہے تو اسے لڑائی میں مشغول کر دیتا ہے چنانچہ وہ اس کی گمراہی کو رد کرنے کی خاطر جھگڑتا ہے اور یوں خیال کرتا ہے کہ اس میں بہتری ہے گمراہ کرنے والے کا بھی یہی مقصد تھا تاکہ یہ شخص یہاں مصروف ہو کر اس فائدے سے محروم رہے۔ پھر جب دوسرا گزرتا ہے تو وہ اسے بھی روکتا ہے اور وہاں ٹھہرا لیتا ہے لیکن وہ وہاں کھڑا ہو کر اس گمراہ کرنے والے کو دھکا دے کر چلا جاتا ہے لڑائی میں مشغول نہیں ہوتا جلدی جلدی نکل جاتا ہے لیکن جتنی دیر وہ وہاں کھڑا رہتا ہے اس سے گمراہ شخص خوش ہوتا ہے پھر تیسرا آدمی گزرتا ہے اور وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو دور کرنے اور اس سے لڑنے میں مشغول ہوتا ہے بلکہ اپنی چال کے مطابق چلا جاتا ہے اس سے اس گمراہ شخص کی امید بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے اب چوتھا آدمی گزرتا ہے وہ وہاں ٹھہرتا نہیں بلکہ اس کو غصہ دلانے کے لیے نہایت تیزی سے گزر جاتا ہے چلنے میں سستی نہیں کرتا تو قریب ہے کہ جب کبھی دوبارہ یہ لوگ اس کے پاس سے گزریں تو وہ اس چوتھے آدمی کے علاوہ باقی تینوں کو روکے گا لیکن اس کو اس ڈر سے نہیں روکتا کہ ہو سکتا ہے وہ جلدی جلدی چل پڑے اور فائدہ حاصل کرے۔

اگر تم کہو کہ جب شیطانی وسوسوں سے آدمی خالی نہیں ہوتا تو کیا ان وسوسوں کے پیدا ہونے سے پہلے ان کی انتظار میں رہنا اور گھات لگانا چاہیے تاکہ ان سے بچ سکیں یا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لینا چاہیے کہ وہی ان کو دور فرمائے گا یا یہ کہ عبادت میں مشغول ہو کر شیطان کو بھلا دینا چاہیے۔

ہم کہتے ہیں اس سلسلے میں تین قول ہیں اہل بصرہ میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ جو لوگ عبادت میں مضبوط ہیں ان کو شیطان سے بچنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے سب کچھ چھوڑ کر صرف اسی کی محبت میں مشغول ہو گئے ہیں تو شیطان ان سے ناامید ہو کر الگ ہو گیا جیسا کہ وہ کمزور بوڑھے عبادت گزار لوگوں کو شراب اور زنا کی دعوت دینے سے ناامید ہو گیا ہے تو ان عبادت گزار لوگوں کے نزدیک دنیا کی تمام لذتیں چاہے وہ مباح ہی کیوں نہ ہوں، شراب اور خنزیر کی طرح ہیں لہٰذا وہ ان کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں اس لیے شیطان کے لیے ان تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے پس ان کو کوئی ڈر نہیں۔

شامیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ شیطان سے بچنے کے لیے وہ لوگ گھات لگاتے ہیں جن کے یقین اور توکل میں نقص ہوتا ہے جس آدمی کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر میں کوئی شریک نہیں وہ اس کے غیر سے نہیں ڈرتا اور وہ جانتا ہے کہ شیطان ایک ذلیل مخلوق ہے اور اس کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے وہی نفع اور نقصان کا مالک ہے اور عارف کو اس بات سے حیا آتی ہے کہ وہ اس کے غیر سے ڈرے لہٰذا توحید خداوندی کا عقیدہ اسے اس خوف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

اہل علم میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ شیطان سے ضرور بچنا چاہیے جو کچھ بصریوں نے ذکر کیا کہ عبادت میں مضبوط لوگ اس بچنے سے بے نیاز ہیں اور ان کے دل دنیا کی محبت سے بالکل خالی ہو چکے ہیں تو یہ بات بھی شیطان کے لیے ایک وسیلہ ہے ہو سکتا ہے اس سے غرور پیدا ہو جائے کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام جب شیطانی وسوسوں سے محفوظ نہیں رہے تو دوسرے لوگ کس طرح بچ سکتے ہیں۔ اور تمام وسوسے محبتِ دنیا اور اس کی خواہش سے ہی متعلق نہیں ہوتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسمائے مبارکہ میں بلکہ بدعت اور گمراہی کو عمدہ کر کے پیش کرتے ہوئے بھی وسوسے ڈالتا ہے اور اس کے خطرے سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ۔ (۱)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جب اس نے کچھ پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کچھ شکوک) ڈال دیے پس اللہ تعالیٰ شیطان کی دخل اندازی کو مٹا دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ۔ (۲)

اور میرے دل پر غلبہ ہو جاتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۵۲ (۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۶ کتاب الذکر

حالانکہ آپ کا شیطان مسلمان ہوگیا تھا اور وہ آپ کو بھلائی کے علاوہ کوئی بات نہیں کہتا تھا (۱)
جو شخص یہ بات کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی بڑھ کر مشغول ہے تو وہ دھوکے میں ہے حالانکہ محبتِ خداوندی میں مشغولیت کے باوجود یہ حضرات شیطان کے مکر سے محفوظ نہیں رہے اور یہی وجہ ہے کہ جنت میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام اس کے دھوکے سے نہ بچ سکے حالانکہ وہ امن اور سرور کا مقام ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے فرما دیا تھا۔

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى۔ (۲)

بے شک یہ تیرا اور تیری زوجہ کا بھی دشمن ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ بے شک تمہارے لیے یہ ہے کہ یہاں تمہیں نہ بھوک لگے گی اور نہ ننگے ہوگے اور نہ تمہیں پیاس لگے گی اور نہ ہی دھوپ ستائے گی۔

اور اس کے باوجود ان کو صرف ایک درخت (کے قریب جانے) سے منع کیا گیا تھا باقی ہر قسم کی اجازت تھی جو ان کا دل چاہے تو جب ایک نبی جنت میں جو امن اور سعادت کا گھر ہے، شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ نہ رہا تو کوئی دوسرا شخص دنیا کے گھر میں شیطان کے مکر و فریب سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے حالانکہ یہ تو فتنوں کا گھر اور ممنوعہ خواہشات کا مرکز ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جیسا کہ قرآن پاک نے نقل کیا ہے۔

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ (۳)

یہ شیطانی عمل سے ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اس سے بچنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ۔ (۴)

اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں فتنہ میں مبتلا نہ کرے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا۔

اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ

بے شک وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۲۵ کتاب علامات النبوۃ

(۲) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹

(۳) قرآن مجید سورۃ قصص آیت ۱۵

(۴) قرآن مجید سورۃ اعراف آیت ۲۷

لَا تَرَوْنَهُمْ ۔ (۱) جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔

قرآن پاک اول سے آخر تک شیطان سے بچنے کی ہدایات پر مشتمل ہے تو اس سے مامون و محفوظ ہونے کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور جس مقام سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے وہاں سے بچنا محبت خداوندی میں مشغولیت کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانا بھی اس کی محبت کا ایک حصہ ہے اور اس نے دشمن سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے بچنے کا حکم دیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ (۲) اور پکڑے رکھیں اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنا اسلحہ

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ ۔ (۳) اور تیار رکھو ان کے لیے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت وطاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے۔

تو جب حکم خداوندی کے تحت کافر دشمن سے بچنا تم پر لازم ہے جو نظر آ رہا ہے تو اس دشمن سے بچنا جو تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم اسے دیکھ نہیں سکتے بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔

اسی لیے حضرت محیر یز رحمہ اللہ نے فرمایا جس شکار کو تو دیکھتا ہے لیکن وہ تجھے نہیں دیکھتا قریب ہے کہ تو اس پر کامیابی حاصل کرنے لیکن وہ شکار جو تجھے دیکھ رہا ہے اور تو اسے نہیں دیکھتا تو قریب ہے وہ تجھے قابو کر لے۔

تو اس سے انہوں نے شیطان کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہ کیسے نہیں ہوگا جب کہ جب کافر کی عداوت سے غفلت ہو تو آدمی قتل ہو جاتا ہے اور یہ شہادت ہے جب کہ شیطان سے حفاظت کی پرواہ نہ کرنا اپنے آپ کو جہنم اور دردناک عذاب کے لیے پیش کرنا ہے اور جب آدمی اس بات سے نہ بچے جس سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے کہ وہ کس طرح محبت خداوندی میں مشغول سمجھا جا سکتا ہے۔

اس سے دوسرے گروہ کا مذہب باطل ہو گیا جن کے خیال میں شیطان سے بچنے کی کوشش کرنا توکل کے خلاف ہے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال اور ہتھیار لیے، لشکر جمع کیا اور خندق کھودی لیکن اس سے آپ کے عقیدۂ توکل میں کوئی فرق نہیں پڑا تو جس سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا اور بچنے کا حکم دیا اس سے ڈرنا اور بچنا توکل کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے؟

---

(۱) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۲۷

(۲) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۱۰۲

(۳) قرآن مجید سورۂ انفال آیت ۶۰

ہم نے توکل کے بیان میں ان لوگوں کی غلطی کو واضح کیا جن کے خیال میں توکل کا مفہوم اسباب کو مکمل طور پر چھوڑ دینا ہے۔
ارشاد خداوندی ہے،

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ - (۱)

اور تیار رکھو ان (دشمنوں) کے مقابلے میں حسب استطاعت قوت وطاقت اور گھوڑے بندھے ہوئے۔

یہ آیت توکل پر عمل کے خلاف نہیں ہے جب دل میں یہ عقیدہ ہو کہ نفع اور نقصان کا مالک نیز زندہ رکھنے اور موت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح شیطان سے بچنا ہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اسباب کو وسیلہ سمجھے جو مسخر کر دیا گیا ہے جس طرح ہم نے توکل کے بیان میں ذکر کیا ہے حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ نے بھی بات پسند فرمائی اور یہی بات صحیح ہے جس پر نُورِ علم گواہ ہے اور اس سے پہلے جو دو قول ذکر کئے گئے ہیں وہ ایسے عبادت گزار بندوں کے ہیں جن کے پاس علم زیادہ نہیں ہے اور ان کا خیال ہے کہ بعض حالات میں ان کو جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں استغراق حاصل ہوتا ہے وہ دائمی ہے لیکن یہ بہت دشوار بات ہے۔

پھر جو جماعت پرہیز کرنے کی قائل ہے ان کے نزدیک شیطان سے بچنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن سے ڈرایا ہے تو اب ہمارے دل پر اس کے ذکر سے بڑھ کر کوئی بات غالب نہ ہو ہم ہر وقت پرہیز کریں اور اس کی گھات میں رہیں کیوں کہ اگر ہم ایک لحظہ بھی غافل رہیں تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اس طرح تو دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہو جاتا ہے اور پوری کی پوری توجہ شیطان کی طرف ہو جاتی ہے اور شیطان ہم سے یہی بات چاہتا ہے بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شیطان اور اس کی دشمنی کو بھی بھولنا نہیں چاہیے اور اس سے بچنے کی حالت رہنی چاہیے اور یوں ہمیں ان دونوں باتوں کو جمع کرنا چاہیے کیوں کہ اگر ہم شیطان کو بالکل بھول جائیں تو ہو سکتا ہے وہ ہم پر اس طرح حملہ آور ہو کہ ہمیں اس کا علم بھی نہ ہو۔ اور اگر اسی کی طرف خیال ہو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر چھوٹ جائے گا لہٰذا دونوں باتوں کو جمع کرنا زیادہ بہتر ہے محقق علماء فرماتے ہیں دونوں فریق غلطی پر ہیں پہلا گروہ اس لیے کہ اس نے محض شیطان کو یاد رکھا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھول گیا لہٰذا اس کی غلطی پوشیدہ نہیں ہے اور ہمیں شیطان سے بچنے کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ روکے تو ہم کس طرح اس کی یاد کو تمام باتوں سے بڑھ کر اختیار کریں یہ تو دشمن کی طرف پہنچنے والے نقصان کی انتہا ہے پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل، ذکر خداوندی کے نور سے خالی ہو جاتا ہے پس جب شیطان اس قسم کے دل کا قصد کرتا ہے اور اس میں ذکر خداوندی کا نور اور اس کے ساتھ مشغولیت کی قوت نہیں ہوتی تو قریب ہے کہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انفال آیت ۶۰

شیطان اس پر کامیابی حاصل کرلے اور وہ اس سے اپنا دفاع نہیں کرسکتا تو ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ ہم شیطان کا انتظار کریں اور اسے ہمیشہ یاد رکھیں۔

دوسرا فریق بھی پہلے گروہ کے ساتھ شریک ہے کیوں کہ اس نے دل میں اللہ تعالیٰ اور شیطان دونوں کے ذکر کو جمع کرلیا اور جس قدر دل شیطان کی یاد میں مشغول ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کمی آئے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حکم دیا کہ وہ اسے یاد کریں اور اس کے سوا سب کچھ بھول جائیں چاہے وہ شیطان ہو یا کوئی اور —— تو زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ بندے کو چاہیئے کہ وہ شیطان سے ہوشیار رہے اور اپنے دل میں اس کی عداوت کو پکا کرے جب وہ اس بات کا اعتقاد رکھے اور اس میں سچا ہو نیز اس کے دل میں اس کا خوف بھی ہو وہ پوری ہمت کے ساتھ ذکر خداوندی میں مشغول ہو اور اس کے دل میں شیطان کا ذرا بھر بھی خیال نہ آئے کیوں کہ جب اس کی دشمنی کی پہچان حاصل کرنے کے بعد ذکر خداوندی میں مشغول ہوگا اور پھر شیطان کوئی وسوسہ پیدا کرے گا تو وہ خبردار ہو جائے گا اور اس وقت اسے دور کرنے کی کوشش کرے گا اور ذکر خداوندی میں مشغولیت سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ شیطانی حملہ کے وقت اسے اطلاع نہ ہو۔

بلکہ ایک آدمی اس حالت میں سوتا ہے کہ اس نے صبح سویرے کوئی کام کرنا ہے اور اسے ڈر ہوتا ہے کہ وہ رہ نہ جائے تو وہ چاہتا کہ اس وقت بیدار ہو جائے اب اس وقت کے آنے سے پہلے ہی رات کو کئی بار بیدار ہوتا ہے حالانکہ نیند کی وجہ سے وہ اس کام سے غافل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغولیت اسے شیطانی حملہ کی آگاہی سے کیسے روک سکتی ہے۔ اور اسی قسم کا دل دشمن کو بھگانے کی قوت رکھتا ہے جب کہ صرف ذکر الٰہی میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کی نفسانی خواہش مٹ چکی ہو، اس میں عقل اور علم کا نور بڑھ موجود ہو اور اس سے خواہشات کے اندھیرے کافور ہو چکے ہوں۔

اہل بصیرت لوگ اپنے دلوں کو شیطان کی دشمنی اور اس کے انتظار سے آگاہ رکھتے ہیں نیز اس سے بچنے کا حکم دیتے ہیں اور پھر اس کے ذکر میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعے دشمن کے شر کو دور کرتے ہیں اور نورِ ذکر سے روشنی حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ دشمن کے وسوسوں کو پھیر دیتے ہیں دل کی مثال ایسے کنویں کی ہے جسے گندے پانی سے پاک کرنا مقصود ہو تاکہ صاف پانی آئے تو جو شخص شیطان کی یاد میں ہی مشغول ہوتا ہے وہ اس میں گندا پانی چھوڑتا ہے اور جو شخص شیطان اور اللہ تعالیٰ دونوں کی یاد کو جمع کرتا ہے وہ ایک طرف سے ناپاک پانی کو نکالتا ہے تو دوسری طرف سے اس کے اندر اس ناپاک پانی کو آنے دیتا ہے اس طرح وہ بہت زیادہ تھک جاتا ہے لیکن اس کے باوجود کنواں ناپاک پانی سے پاک نہیں ہوتا جب کہ صاحب بصیرت شخص گندے پانی کو اس کے اندر آنے نہیں دیتا اور اسے صاف پانی سے بھر دیتا ہے اور جب گندا پانی آتا ہے تو کسی مشقت اور تکلیف کے بغیر اس کے آگے رکاوٹ کھڑی کرکے اسے روک دیتا ہے۔

سانویں فصل :

عبادات کے اظہار کا قصد کرنا جائز ہے

عبادات کو چھپانے کا مقصد اخلاص کا فائدہ حاصل کرنا اور ریا سے نجات پاتا ہے جب کہ عبادت کو ظاہر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس کی پیروی کریں اور ان کو نیکی کی رغبت پیدا ہو لیکن اس میں ریا کی مصیبت ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسلمانوں کو معلوم ہے کہ پوشیدہ عمل میں بہت زیادہ بچاؤ ہے لیکن اسے ظاہر کرنے میں بھی فائدہ ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے عمل کی تعریف فرمائی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ۔ (۱)

اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو کیا ہی اچھا ہے اور اگر تم پوشیدہ طور پر فقراء کو دو تو یہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔

عبادت کو ظاہر کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نفس عمل کو ظاہر کیا جائے اور دوسرا یہ کہ اپنے عمل کا ذکر کیا جائے۔

پہلی قسم :

یعنی نفس عمل کو ظاہر کرنا اس طرح ہے کہ مثلاً لوگوں کے سامنے صدقہ دیتا ہے تاکہ لوگوں کو بھی رغبت ہو جیسا کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ایک تھیلی لے کر آئے تو اس کے بعد لوگوں نے ان کے دیکھا دیکھی عطیات دینا شروع کر دیئے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنۡ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا کَانَ لَهٗ اَجۡرُهَا وَاَجۡرُ مَنِ اتَّبَعَهٗ۔ (۲)

جو کوئی اچھا طریقہ جاری کرے اس پر عمل پیرا ہو تو اس کو اس کا ثواب بھی ملے گا اور جو لوگ اس کی اتباع کریں گے ان کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔ (اگرچہ انکے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوگی)

تمام اعمال یعنی نماز، روزے، حج اور جہاد وغیرہ کا یہی حکم ہے لیکن صدقہ میں اتباع کرنا طبیعتوں پر زیادہ غالب ہے البتہ جب غازی نکلنے کا ارادہ کرے اور باقی لوگوں سے پہلے تیاری کرے اور سواری بھی تیار کرے تاکہ دوسروں کو حرکت کی ترغیب ہو تو یہ اس کے لیے افضل ہے کیوں کہ جہاد اپنی اصل کے اعتبار سے علانیہ اعمال میں سے ہے اسے چھپانا ممکن نہیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۷۱

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۲۰ مرویات ابوہریرہ

لہٰذا اس کی طرف جلدی کرنا اظہار کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ محض ترغیب ہے اسی طرح بعض اوقات کوئی شخص رات کے وقت بلند آواز سے نماز پڑھتا ہے تاکہ اپنی پڑوسیوں اور گھر والوں کو جگائے اور وہ اس کی پیروی کریں۔ تو ہر وہ عمل جسے چھپایا نہیں جاسکتا جیسے حج، جہاد اور جمعہ وغیرہ تو ان کی جلدی کرنا اور ترغیب کی خاطر اظہار رغبت افضل ہے بشرطیکہ اس میں ریاکاری کی آمیزش نہ ہو۔

لیکن جس عمل کو چھپانا ممکن ہے جیسے صدقہ اور نماز ہے تو اگر اس کے اظہار سے لوگوں کو ترغیب ہوتی ہو لیکن جس کو صدقہ دیا گیا ہے اسے اذیت پہنچتی ہو تو پوشیدہ رکھنا افضل ہے کیوں کہ اذیت پہنچانا حرام ہے اور اگر اس (اظہار) سے اذیت نہ ہوتی ہو تو اب افضل طریقے میں اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ خفیہ طور پر دینا افضل ہے اگرچہ کھلم کھلا دینے میں اقتدا ہوتی ہو جب کہ دوسرے گروہ کے نزدیک پوشیدہ طور پر دینا اس صورت میں افضل ہے جب علانیہ دینے میں اقتدا نہ ہوتی ہو لیکن اس نیت سے علانیہ طور پر دینا کہ دوسرے پیروی کریں، افضل ہے۔

اس موقف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اظہار عمل کا حکم دیا تاکہ ان کی پیروی کی جائے حالانکہ ان کو منصب نبوت سے ساتھ خاص کیا اور ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ افضل عمل سے محروم رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے "لَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا" کہ اس کے لیے اس (طریقہ جاری کرنے) کا بھی اجر ہے اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ملے گا۔

ایک حدیث شریف میں یوں آیا ہے کہ پوشیدہ عمل علانیہ عمل سے ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور جب علانیہ عمل کی اقتدا کی جائے تو وہ پوشیدہ عمل سے ستر گناہ زیادہ ثواب رکھتا ہے (۱)

اس دلیل میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ جب دل ریا کی آمیزش سے پاک ہو اور دو حالتوں میں سے ایک پر اخلاص مکمل ہو جائے تو جس صورت میں دوسرے پیروی کریں وہ افضل ہے ظہور عمل سے ریا کا خوف ہوتا ہے اور جب ریا کی آمیزش ہوگی تو دوسرے کی اقتدا سے فائدہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ یہ بات موجب ہلاکت ہے تو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس صورت میں خفیہ عمل افضل ہے۔

لیکن جو شخص اپنے عمل کو ظاہر کرتا ہے اس کی دو ذمہ داریاں ہیں ایک یہ کہ ایسی جگہ ظاہر کرے جہاں اقتدا کا یقین ہو یا کم از کم اس کا گمان ہو کئی لوگ ایسے ہیں جن کی اقتدا ان کے گھر والے کرتے ہیں پڑوسی نہیں کرتے کئی ایسے ہیں کہ ان کے پڑوسی ان کی پیروی کرتے ہیں بازار والے نہیں، اور کئی لوگ ایسے ہیں کہ ان کے محلہ دار ان کی اقتدا کرتے ہیں۔ لیکن مشہور عالم کی اقتدا سب لوگ کرتے ہیں لہٰذا جب غیر عالم بعض عبادات کو ظاہر کرے گا تو ہوسکتا ہے اسے ریا اور نفاق کی طرف منسوب

---

(۱) کنز العمال جلد اول ص ۲۴۴ حدیث ۱۹۲۹

کیا جائے اور لوگ اس کی پیروی کرنے کی بجائے اس کی برائی بیان کریں۔ تو اظہار عمل کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اظہار تو پیروی کی نیت سے ہوتا ہے اور یہ نیت اسی شخص کو کرنی چاہیے جس کی اقتدا کی جاتی ہے اور وہ ان لوگوں کے درمیان ہو جو اس کی پیروی کریں۔

دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے دل کا خیال رکھے کیونکہ بعض اوقات اس میں پوشیدہ ریا موجود ہوتا ہے وہ اسے عمل کے اظہار پر مجبور کرتا ہے اقتدا تو محض ایک بہانہ ہوتا ہے اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو عمل سے مزین کرلے تاکہ لوگ اسے مقتدا سمجھیں۔ مخلص مضبوط لوگوں کے علاوہ باقی جتنے لوگ اپنے عمل کو ظاہر کرتے ہیں ان سب کا یہی حال ہے، اور مخلص لوگ بہت کم ہیں لہٰذا کمزور آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ اس طریقے سے اپنے نفس کو دھوکہ دے اور غیر شعوری طور پر ہلاک ہو جائے کیوں کہ کمزور آدمی کی مثال اس ڈوبنے والے کی طرح ہے جو تھوڑا بہت تیرنا جانتا ہو اور وہ کچھ لوگوں کو ڈوبتا ہوا دیکھ کر ان پر رحم کھائے اور وہ ان کی طرف متوجہ ہو جائے جب وہ اسے پکڑیں تو وہ بھی ہلاک ہو جائیں اور یہ بھی ڈوب جائے جب کہ دنیا میں پانی میں ڈوبنے کی تکلیف ایک ساعت کے لیے ہوتی ہے کاش ریا کے ذریعے ہلاکت بھی اسی طرح ہوتی۔

لیکن اس کا عذاب تو دائمی ہے اور طویل مدت تک رہے گا یہاں علماء اور عبادت گزار لوگوں کے قدم پھسلتے ہیں وہ عمل کے اظہار میں مضبوط لوگوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں لیکن ان کے دل اخلاص پر مضبوط نہیں ہوتے لہٰذا ریا کی وجہ سے ان کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور اس بات کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔

اس بات کا جائزہ یوں لینا چاہیے کہ دل سے کہے اگر تجھے کہا جائے کہ اپنے عمل کو پوشیدہ رکھو تاکہ لوگ کسی دوسرے کے عمل کی اقتدا کریں جو تیرا ہم عصر ہے اور تجھے عمل کے پوشیدہ رکھنے کا ثواب اسی قدر ملے گا جس قدر ظاہر کرنے سے حاصل ہوتا ہے اب اگر اس کا دل اس بات کی طرف مائل ہو کہ اسی کی اقتدا کی جائے اور وہی عمل کو ظاہر کرے تو اس بات کا باعث ریا ہے طلب ثواب نہیں نہ لوگوں کو اپنے پیچھے لانا ہے اور نہ ہی ان کو بھلائی کی ترغیب دینا ہے کیوں کہ لوگ تو دوسرے شخص کو دیکھ کر بھی رغبت حاصل کر لیتے ہیں اور اسے عمل کو پوشیدہ رکھنے کا زیادہ ثواب مل جاتا ہے تو اگر لوگوں کو دکھانا مقصود نہیں ہے تو اس کا دل اس بات کی طرف کیوں مائل ہے۔

لہٰذا بندے کو چاہیے کہ نفس کے دھوکے سے بچے کیوں کہ نفس بہت زیادہ دھوکہ دیتا ہے شیطان بھی تاک میں رہتا ہے اور جاہ و مرتبہ کی خواہش دل پر غالب رہتی ہے اور ظاہری اعمال، آفات سے بہت کم محفوظ رہتے ہیں اور عمل کی سلامتی کے بغیر کوئی چیز نہیں اور سلامتی عمل کو خفیہ رکھنے میں ہے جب کہ اس کے اظہار میں ایسے خطرات ہیں جن کی قوت ہمارے جیسے لوگوں کو حاصل نہیں ہے لہٰذا ہمیں اور ہمارے جیسے کمزور لوگوں کے لیے اظہار سے بچنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

دوسری قسم:

عمل سے فراغت کے بعد اس کا ذکر کرنا بھی عمل کو ظاہر کرنے کی طرح اور اس میں خطرہ بہت زیادہ ہے کیوں کہ

زبان سے کہنا آسان ہوتا ہے اور بعض اوقات بیان میں مبالغہ آرائی پائی جاتی ہے ۔ اور بڑے بڑے دعووں سے انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے البتہ اگر اس کے یہ دعوے ریا کی خاطر ہیں تو اس سے گذشتہ اعمال ضائع نہیں ہوں گے کیوں کہ اب وہ ان سے فارغ ہو چکا ہے اس اعتبار سے یہ صورت خفیف ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ جس آدمی کا دل مضبوط اور اخلاص کامل ہو نیز اس کی نگاہوں میں لوگوں کی کوئی وقعت نہ ہو اور تعریف و مذمت اس کے نزدیک برابر ہو اور عمل کا ذکر بھی ان لوگوں کے سامنے کرے جن سے اقتدا کی امید ہو اور اس سبب سے بھلائی کی رغبت ہو تو اظہار کی یہ صورت جائز ہے بلکہ اگر نیت صاف اور تمام آفات سے محفوظ ہو تو یہ صورت مستحب ہے کیوں کہ یہ نیکی کی ترغیب ہے اور نیکی کی ترغیب بھی نیکی ہی ہوتی ہے۔

اسی قسم کی بات مضبوط اسلاف کی ایک جماعت سے منقول ہے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اسلام قبول کرنے کے بعد جب بھی نماز پڑھی ہے میرے نفس میں نماز کے علاوہ کسی بات کا خیال نہیں آیا اسی طرح جب کسی جنازہ کے ساتھ جاتا ہوں تو یہی خیال ہوتا کہ اس (میت) سے کیا پوچھا جائے گا اور یہ کیا جواب دے گا اور میں نے جب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی ہے تو یقین کیا ہے کہ یہ حق ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں تنگی کی حالت میں صبح کروں یا آسانی کی حالت میں کیوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ ان میں سے میرے لیے کیا بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں جس حالت پر صبح کرتا ہوں اس کے علاوہ کی تمنا نہیں کرتا (کہ دوسری حالت ہوتی تو اچھا تھا)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی ہے نہ تو کبھی گانا گایا نہ کسی قسم کی تمنا کی اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو چھوا۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں نے سوچے سمجھے بغیر کوئی بات زبان سے نہیں نکالی سوائے اس کلمہ کے جو آج میرے منہ سے نکلا ہے انہوں نے اپنے غلام سے فرمایا تھا دستر خوان لے آؤ کہ اسے بھیج کر کھانا منگوائیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنے گھر والوں سے فرمایا مجھ پر نہ رونا کیونکہ میں نے اسلام لانے کے بعد کوئی گناہ نہیں کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں جو بھی فیصلہ فرمایا (میں اس پر اس طرح راضی رہا کہ) میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ کوئی دوسرا فیصلہ ہوتا تو اچھا تھا اور مجھے ہمیشہ ایسی چیز کی خواہش ہوتی جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے لکھ دی ہے۔

یہ تمام باتیں اچھے احوال کا اظہار ہے اگر ریاکار آدمی ایسی باتوں کا اظہار کرے تو وہ انتہائی درجہ کی ریاکاری ہو گی

لیکن جب ایسے لوگوں سے ظاہر ہوں جن کی اقتدا کی جاتی ہے تو یہ انتہائی درجہ کی ترغیب ہے جو لوگ مضبوط ہیں وہ اگر ان شرائط کے تحت ظاہر کریں جن کا ہم نے ذکر کیا تو جائز ہے لہذا اعمال کے اظہار کا دروازہ بند کرنا مناسب نہیں ہے جب دوسروں سے مشابہت اختیار کرنا اور ان کی اقتدا کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے بلکہ ریاکار آدمی عبادت کو ظاہر کرے اور لوگوں کو اس کے ریا ہونے کا علم نہ ہو تو اس میں بھی لوگوں کے لیے بہت زیادہ بھلائی ہے البتہ ریاکار کے حق میں مضر ہے۔ کتنے ہی مخلص لوگ ہیں جن کے اخلاص کا سبب ان لوگوں کی اقتدا کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ریاکار ہیں۔

منقول ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب کوئی شخص بصرہ کی گلیوں میں گزرتا تو اسے گھروں سے نمازیوں کے قرآن پڑھنے کی آواز آتی اس کے بعد کسی نے ریاکاری کی دقیق باتوں سے متعلق ایک کتاب لکھی تو انہوں نے یہ عمل چھوڑ دیا اور لوگوں کی رغبت بھی ختم ہو گئی اب وہ کہتے تھے کاش یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو ریاکار کے اظہار سے بھی بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے جب کہ اس کا ریا معروف نہ ہو۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔	بے شک اللہ تعالیٰ فاجر آدمی کے ذریعے بھی اس دین کی مدد فرماتا ہے اور یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔

ایک روایت میں ہے یوں ہے۔

بِاَقْوَامٍ لَاخَلَاقَ لَھُمْ۔ (۱)	کہ ایسے لوگوں کے ذریعے مدد فرماتا جن کا (دین میں) کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور جن ریاکاروں کو دیکھ کر لوگوں عمل کرتے ہیں وہ بھی ان ہی میں سے ہیں۔

آٹھویں فصل:

گناہوں کو چھپانے کا جواز اور لوگوں کے ان پر مطلع ہو کر مذمت کرنے کی کراہت

اخلاص کی اصل یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں یکسانیت ہو جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا علانیہ عمل کو اپنے اوپر لازم کر لو اس نے عرض کیا اے امیر المومنین! علانیہ عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اس پر مطلع ہو تو تمہیں اس سے حیا نہ آئے۔

حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین کاموں کے علاوہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ مجھے اس پر لوگوں کے مطلع ہونے کی پرواہ ہو وہ تین کام حقوق زوجیت کی ادائیگی، پیشاب اور قضائے حاجت ہے لیکن یہ بہت بڑا درجہ ہے ہر

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۳۰۲ کتاب الجہاد

آدمی اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ اور کوئی شخص بھی دل یا اعضاء کے گناہوں سے خالی نہیں ہوتا اور وہ ان گناہوں کو چھپاتا ہے اور اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں خصوصاً وہ خواہشات جو دل میں جنم لیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب باتوں پر مطلع ہے۔ بعض اوقات گناہوں کو بندوں سے مخفی رکھنے کا ارادہ ممنوع ریا خیال کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ ممنوع بات اس نیت سے گناہ کو چھپانا ہے کہ لوگ اسے تقویٰ خیال کریں اور اس شخص کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا سمجھیں حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ ریاکار کا عمل کو مخفی رکھنا ہے لیکن سچا آدمی جو ریاکاری نہیں کرتا اسے گناہوں کو مخفی رکھنا چاہیے اور اس سلسلے میں اس کا قصد صحیح ہوتا ہے اور لوگوں کے اس پر مطلع ہونے سے غمگین ہونا آٹھ وجہ سے صحیح ہے۔

پہلی وجہ:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردہ پوشی پر خوش تھا اور جب اس نے پردہ فاش فرمایا تو اس سے غمگین ہو گیا اور اسے اس بات کا خوف ہوا کہ کل قیامت کے دن بھی اس کا پردہ فاش نہ ہو جائے کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ

اَنَّ مَنْ سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا ذَنْبًا، سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرَةِ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ جس شخص کے گناہ کو دنیا میں چھپا دے قیامت کے دن بھی اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اور یہ غم قوتِ ایمان کی وجہ سے پیدا ہوا۔

دوسری وجہ:

اسے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کے ظاہر ہونے کو ناپسند فرماتا ہے جب ان کی پوشیدگی اسے پسند ہوتی ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنِ ارْتَكَبَ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الْقَاذُوْرَاتِ فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللّٰهِ۔ (۲)

جو شخص ان ناپاک کاموں میں سے کسی عمل کا ارتکاب کرے تو اسے چاہیئے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے پردے سے ڈھانپ دے۔

اس شخص نے اگرچہ گناہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے لیکن اس کا دل اس چیز کی محبت سے خالی نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور یہ بات بھی قوتِ ایمان سے پیدا ہوتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کے ظہور کو ناپسند کرتا ہے اور اس نیت کی سچائی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں سے گناہ کے ظہور کو بھی ناپسند کرے اور اس کے باعث غمگین ہو۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۵ کتاب الذکر

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۴۴ کتاب التوبۃ

تیسری وجہ:

وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس گناہ کی وجہ سے لوگ اس کی مذمت کریں کیوں کہ اس طرح وہ غمگین ہو جائے گا اور اس کا دل اور عقل اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھر جائے گی کیوں کہ مذمت سے تکلیف کا پہنچنا طبعی بات ہے اور اس سے عقل پر اثر پڑتا ہے اور عبادت سے طبیعت روگردانی کرتی ہے اسی سبب سے تعریف بھی ناپسند ہونی چاہیئے کیوں کہ یہ ذکر خداوندی میں حائل ہوتی ہے اور اس کا دل اسی میں مصروف رہتا ہے اور یوں وہ ذکر سے منہ پھیر لیتا ہے یہ بات بھی قوتِ ایمان کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ دل کو عبادت کے لیے فارغ کرنے کی طرف سچی رغبت کا تعلق بھی ایمان سے ہوتا ہے۔

چوتھی وجہ:

وہ اس برے عمل کو پوشیدہ رکھتا ہے کہ اسے لوگوں کی طرف سے مذمت کا خوف ہوتا ہے اور اس سے طبیعت کو اذیت پہنچتی ہے جس طرح مار پڑنے سے بدن کو تکلیف ہوتی ہے اور مذمت کے باعث دل کو تکلیف پہنچنے کا خوف حرام نہیں ہے اور نہ ہی اس سے انسان گناہ گار ہوتا ہے گناہ اس صورت میں ہوتا ہے جب نفس لوگوں کی مذمت سے مجبور ہو کر ان کی مذمت سے بچنے کی خاطر ناجائز کام کرے اور انسان پر واجب نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے برائی بیان کرنے سے غمگین نہ ہو یا اس کے دل کو اذیت نہ پہنچے۔

ہاں کمالِ صدق یہ ہے کہ مخلوق کے لیے نمود و نمائش بالکل زائل ہو جائے اور اس کے نزدیک مذمت کرنے والا اور تعریف کرنے والا دونوں برابر ہوں کیوں کہ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور تمام بندے عاجز ہیں، لیکن اس طرح کے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اکثر لوگ مذمت سے تکلیف محسوس کرتے ہیں کیونکہ اس میں نقصان کا شعور ہوتا ہے اور بعض اوقات مذمت سے رنجیدہ ہونا اچھا ہوتا ہے جب کہ مذمت کرنے والا دین میں صاحب بصیرت ہو کیوں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی دینے والے ہیں اور ان کا مذمت کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذمت اور دین میں نقصان کی دلیل ہے تو اس پر آدمی کیسے غمگین نہ ہو۔

ہاں اس بات کا غم کہ تقویٰ پر اس کی تعریف کیوں نہیں کی گئی، مذموم غم ہے گویا وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تقویٰ پر اس کی تعریف کی جائے اور اس بات کی چاہت جائز نہیں کہ عبادتِ خداوندی پر اس کی تعریف کی جائے اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر اس کے غیر سے ثواب طلب کرتا ہے اگر دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس بات کی ناپسندگی اور رد کے ذریعے اس کا مقابلہ کرے۔

جہاں تک گناہ پر مذمت کو ناپسند کرنے کا تعلق ہے تو یہ فطری بات ہے لہٰذا مذموم نہیں ہے لہٰذا اس مذمت سے بچنے کے لیے گناہ کو چھپانا جائز ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی تعریف کا تو خواہشمند نہ ہو لیکن مذمت کو ناپسند کرتا ہو اور اس کی مراد یہ ہو کہ لوگ نہ تو اس کی تعریف کریں اور نہ ہی مذمت کریں اور کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو تعریف کی لذت سے

صبر کر لیتے ہیں لیکن مذمت کی تکلیف پر صبر نہیں کر سکتے کیوں کہ تعریف، لذت کی طالب ہوتی ہے اور لذت کے نہ پائے جانے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی جب کہ مذمت تکلیف دہ ہوتی ہے۔

عبادت پر تعریف کی چاہت فوری ثواب کی طلب ہے لیکن گناہ پر مذمت کی ناپسندیدگی میں صرف ایک بات کا خوف ہوتا ہے وہ یہ کہ کہیں گناہ پر لوگوں کی اطلاع کا غم اسے اللہ تعالیٰ کے مطلع ہونے سے غافل نہ کر دے کیوں کہ یہ غفلت بہت بڑا دینی نقصان ہے بلکہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطلاع اور مذمت کا غم زیادہ ہو۔

پانچویں وجہ:

وہ مذمت کو اس لیے ناپسند کرتا ہے کہ مذمت کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور یہ بات ایمان سے تعلق رکھتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ دوسرے کی مذمت سے اسی طرح رنج ہو جس طرح اپنی مذمت سے رنج ہوا ہے جبکہ فطری رنج الگ بات ہے۔

چھٹی وجہ:

گناہ کو اس لیے پوشیدہ رکھتا ہے کہ گناہ پر اطلاع کی صورت میں کوئی شخص اسے نقصان نہ پہنچائے اور یہ مذمت کی تکلیف سے زیادہ ہے کیونکہ مذمت کی صورت میں جو تکلیف پہنچتی ہے اس سے صرف دل کو نقصان اور کمینگی کا شعور ہوتا ہے اگر یہ ایسا شخص مذمت کرے جس سے شر کا خوف نہیں ہوتا لیکن بعض اوقات اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ جو شخص اس کے گناہ پر مطلع ہوا ہے وہ کسی سبب سے نقصان نہ پہنچائے لہٰذا اس بات سے ڈرتے ہوئے گناہ کو چھپانا جائز ہے۔

ساتویں وجہ:

محض حیاء کے باعث گناہ کو چھپاتا ہے یہ بھی ایک قسم کی تکلیف ہے جو مذمت اور نقصان کے ارادے سے پہنچنے والی تکلیف کے علاوہ ہے یہ (حیا) ایک اچھا وصف ہے بچپن میں جب عقل کا نور چمکتا ہے تو اس وقت سے یہ صفت پیدا ہوتی ہے اور اس کے باعث وہ برائیوں سے حیا کرتا ہے جب اس پر لوگ مطلع ہوں لہٰذا یہ وصف محمود ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ۔ (۱) حیاء مکمل طور پر بھلائی ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا!

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔ (۲) حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۸ کتاب الایمان

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷ کتاب الایمان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ۔ (۱) حیاء، اچھے کاموں کا ہی سبب ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْحَیِیَّ الْحَلِیْمَ۔ (۲) بے شک اللہ تعالیٰ حیا کرنے والے بردبار آدمی کو پسند فرماتا ہے۔

جو آدمی گناہ کرتا ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگوں کے سامنے اس کا فسق ظاہر ہو رہا ہے وہ فسق کے ساتھ پردہ دری اور بے حیائی کو بھی جمع کرتا ہے اور اس کا حال اس شخص کے حال سے زیادہ برا ہے جو گناہ پر پردہ ڈالتا اور حیا کرتا ہے لیکن حیاء، ریا کے ساتھ مل جاتا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مشابہت بہت زیادہ ہوتی ہے جسے بہت کم لوگ سمجھ سکتے ہیں اور ہر ریاکار یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حیا کرنے والا ہے اور اس کی عبادات کا حسن لوگوں سے حیا کی وجہ سے ہے حالانکہ یہ جھوٹ کہتا ہے بلکہ حیا تو ایک وصف ہے جو اچھی طبیعت سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد ریا یا اخلاص کا سبب جوش مارتا ہے اور اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ ریاکاری کر رہا ہے یا مخلص ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ ایک شخص اپنے کسی دوست سے قرض طلب کرتا ہے اور وہ طبعی طور پر اسے قرض دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا مطالبہ رد کرنے سے حیا کرتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر وہ شخص کسی دوسرے آدمی کے ذریعے اس سے قرض مانگتا تو اسے حیا نہ آتا اور وہ اسے نہ تو ریاکاری کرتے ہوئے قرض دیتا اور نہ ہی ثواب کی خاطر دیتا تو اس صورت میں اس کے کئی احوال ہیں۔

<u>پہلی حالت:</u>

وہ صاف جواب دے دے اس بات کو حیا کی کمی پر محمول کیا جاتا ہے اور یہ ایسے آدمی کا کام ہے جس میں حیا نہیں ہوتی کیونکہ جس میں حیا ہو وہ یا تو کوئی بہانہ کرتا ہے یا قرض دے دیتا ہے اگر وہ قرض دے دیتا ہے اگر وہ قرض دے دیتا ہے تو اس صورت میں تین حالتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حیا میں ریا کی آمیزش ہو مثلاً یہ کہ پہلے حیا آئے اور پھر اس صورت میں جواب دینا برا معلوم ہو اور اس طرح ریا کا خیال پیدا ہو اور وہ اپنے آپ سے کہے کہ قرض دینا چاہیئے تاکہ وہ تمہاری تعریف کرے اور سخاوت کے ساتھ تمہارا نام مشہور ہو یا اس لیے دینا چاہیئے کہ وہ تمہاری مذمت نہ کرے اور نہ ہی تمہیں بخیل کہے اب اس صورت میں اگر دیتا ہے تو ریا کے ساتھ دیتا ہے اور ریا کا محرک حیا کا پیدا ہونا ہے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۶۴ کتاب الایمان

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۲۱۴ حدیث ۱۰۴۴۳

دوسری حالت:

حیا کی وجہ سے اس کا سوال رد کرنا مشکل ہو لیکن نفس میں بخل باقی رہے اس صورت میں قرض دینا مشکل ہوگا لہذا اخلاص پیدا ہوگا اور وہ کہے گا صدقہ دینے کا ایک ثواب ہوگا جب کہ قرض کا ثواب اٹھارہ گنا ہوگا لہذا اس میں بہت بڑا اجر ہے نیز اپنے دوست کے دل کو بھی خوش کرتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند بھی ہے اب اس صورت میں دل قرض دینے پر راضی ہو جاتا ہے تو یہ آدمی مخلص ہے اور حیا نے اس میں اخلاص پیدا کر دیا۔

تیسری حالت:

اسے نہ تو ثواب کی رغبت ہو اور نہ ہی مذمت کا خوف بلکہ تعریف کی چاہت بھی نہ ہو کیوں کہ اگر وہ شخص کسی دوسرے آدمی کے ذریعے قرض منگواتا تو یہ نہ دیتا تو اب محض حیا کے باعث دے رہا ہے کیوں کہ اس کے دل میں حیا کا رنج موجود ہے اگر حیا نہ ہو تو اس کو صاف جواب دے دیتا اور اگر اس کے پاس ایسا شخص آئے جس سے اس کی اجنبیت کی وجہ سے حیا نہیں کرتا یا وہ گھٹیا قسم کے لوگوں میں سے ہے تو وہ اس کے سوال کو رد کر دیتا اگرچہ اس صورت میں ثواب اور تعریف زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

تو اس طرح کا دینا حیا کی وجہ سے ہوتا اور حیا کی یہ صورت بری باتوں میں ہی پیش آتی ہے جیسے بخل اور گناہوں کا ارتکاب۔ ریاکار تو مباح کاموں میں بھی حیا کرتا ہے حتیٰ کہ اگر وہ تیز جا رہا ہو تو لوگوں کے دیکھنے پر آہستہ چلنا شروع کر دیتا ہے یا ہنس رہا ہو تو دوسروں کے دیکھنے پر ہنسنا بند کر دیتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ حیا ہے حالانکہ یہ عین ریا ہے۔

یہ جو مشہور ہے کہ بعض حیا کمزور ہیں (یعنی مناسب نہیں) تو یہ بات صحیح ہے اور اس سے مراد ان کاموں سے حیا کرنا ہے جو برے نہیں ہیں جیسے لوگوں کو وعظ کرنے سے، نماز میں امامت کرنے سے شرمانا بچوں اور عورتوں سے ایسا حیا قابل تعریف ہے لیکن عقل مند لوگوں کی طرف سے ایسا حیا قابل تعریف نہیں ہے۔

بعض اوقات آدمی کسی بوڑھے شخص کو گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن اس کے بڑھاپے سے حیا کرتے ہوئے اسے منع نہیں کرتا کیونکہ بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا تعظیم خداوندی ہے، تو یہ حیا اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا اس سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ پس امر بالمعروف کی ذمہ داری کو نہ بھولے جو لوگ مضبوط ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے حیا کو انسانوں سے حیا پر ترجیح دیتے ہیں اور کمزور شخص ایسا نہیں کر سکتا (ایمانی مضبوطی اور کمزوری مراد ہے) تو ان اسباب کے تحت برائیوں اور گناہوں کو چھپانا جائز ہے۔

آٹھویں وجہ:

(گناہ پر لوگوں کے مطلع ہونے سے غمگین ہونے کی آٹھویں وجہ) اس بات کا خوف ہے کہ اگر اس کا گناہ ظاہر ہو گیا تو دوسرے لوگ بھی گناہ کی جرأت کریں گے اور اس کی اقتدا کرتے ہوئے اس گناہ کے مرتکب ہوں گے عبادت کو ظاہر کرنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس کی پیروی کی جائے) اور یہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو ائمہ دین ہیں یا جن کی اقتدا کی جاتی ہے

اور اسی علت کے پیش نظر آدمی کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں اور اولاد سے گناہ کو چھپائے کیوں کہ وہ اس سے سیکھتے ہیں۔

تو گناہ کو چھپانے کے یہ آٹھ عذر ہیں اور عبادت کو ظاہر کرنے کی صرف یہی آخری وجہ ہے اور جب گناہ کو چھپانے کا مقصد یہ ہو کہ لوگ اسے متقی سمجھیں تو وہ ریاکار ہوگا جیسا کہ عبادت کو ظاہر کرنے سے یہ بات مقصود ہو تو ریاکار ہوتا ہے۔

سوال:

اگر تم کہو کہ کیا بندے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے نیک ہونے کی جہت سے لوگوں کی تعریف کو محبوب جانے اور لوگ اسی وجہ سے اس سے محبت کرتے ہوں اور حدیث شریف میں ہے ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا۔

دُلَّنِي عَلَى مَا يُحِبُّنِي اللّٰهُ وَيُحِبُّنِي النَّاسُ قَالَ ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَانْبِذْ إِلَيْهِمْ هٰذَا الْحُطَامَ يُحِبُّوكَ۔ (۱)

مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے باعث اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا سے بے رغبت ہو جا اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور اس ادنیٰ مال کو لوگوں کی طرف پھینک دے وہ تجھ سے محبت کریں گے۔

جواب:

ہم کہتے تمہارا اس بات کو پسند کرنا کہ لوگ تم سے محبت کریں کبھی محض جائز ہوتا ہے کبھی قابل تعریف اور کبھی مذموم ہوتا ہے قابل تعریف صورت یہ ہے کہ تم اس محبت کو صرف اس لیے پسند کرو کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت کا علم ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔

قابل مذمت صورت یہ ہے کہ تم کسی خاص عبادت مثلاً حج، جہاد، نماز وغیرہ پر ان کی محبت اور تعریف کو پسند کرو کیوں کہ یہ تو عبادت خداوندی پر ثواب کے علاوہ فوری عوض کی طلب ہے محض جائز صورت یہ ہے کہ معین قابل تعریف عبادات کے بغیر صرف تمہاری اچھی صفات کی وجہ سے تم سے محبت کریں اس صورت میں تمہارا اس محبت کو چاہنا ایسے ہی جیسے مال سے محبت کی جاتی ہے کیوں کہ دلوں پر حکمرانی مالوں کی ملکیت کی طرح مقاصد تک پہنچنے کا وسیلہ ہے لہٰذا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نویں فصل:

ریا اور آفات کے ڈر سے عبادات کو چھوڑ دینا

جان لو! بعض لوگ اس بات کے ڈر سے عمل چھوڑ دیتے ہیں کہ کہیں ریاکاری نہ ہو جائے تو یہ بات غلط ہے اور شیطان

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۱، ابواب الزہد۔

کی موافقت ہے بلکہ آفات کے خوف سے اعمال کو چھوڑنے یا نہ چھوڑنے کے سلسلے میں حق بات وہ ہے جسے ہم ذیل میں ذکر کر رہے ہیں
بعض عبادات وہ ہیں جن میں ذاتی طور پر کوئی لذت نہیں ہوتی جیسے نماز، روزہ، حج اور جہاد وغیرہ کیوں کہ ان میں محنت اور مجاہدہ ہے یہ اس اعتبار سے لذیذ ہوتی ہیں کہ ان کے ذریعے لوگوں کی طرف سے تعریفی کلمات حاصل ہوتے ہیں اور لوگوں کا تعریف کرنا لذیذ ہوتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب لوگ اس عبادت پر مطلع ہوں اعمال کی دوسری قسم وہ ہے جو ذاتی طور پر لذیذ ہوتے ہیں اور وہ عام طور پر بدن پر موقوف نہیں ہوتے بلکہ مخلوق سے متعلق ہوتے ہیں۔ جیسے خلافت، قضا، ولایت، احتساب نماز کی امامت، وعظ و نصیحت، تدریس، مخلوق پر مال خرچ کرنا اور اس کے علاوہ وہ اعمال جن میں بہت بڑی آفات ہیں کیونکہ ان میں لذت ہوتی ہے۔

پہلی قسم:

وہ عبادات جو بدن کو لازم ہیں اور غیر سے متعلق نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں ذاتی طور پر لذت ہوتی ہے مثلاً روزہ، نماز، اور حج ہے تو ان میں ریا کے خطرات تین ہیں ایک یہ کہ عمل سے پہلے ریا پیدا ہو اس طرح اسے ابتداءً ہی لوگوں کے دکھاوے کے لیے عمل کی ترغیب ہوتی ہے اور اس صورت میں کوئی دینی باعث نہیں ہوتا ایسے عمل کو چھوڑنا مناسب ہے کیونکہ یہ محض گناہ ہے عبادت نہیں ہے بلکہ یہ عبادت کی شکل میں منزلت کی طلب ہے اگر آدمی اس بات پر قادر ہو کہ اپنے نفس سے ریا کے باعث کو دور کر کے اسے کہے کہ کیا تجھے اپنے آقا سے شرم نہیں آتی کہ تو اس کے لیے عمل نہیں کرتا بلکہ مخلوق کے لیے کرتا ہے حتیٰ کہ ریا کا باعث ختم ہو جائے اور نفس صرف اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے پر تیار ہو جائے یہ ریا کے خطرات پر نفس کی سزا اور اس کا کفارہ ہو گا اور اب وہ عمل میں مشغول ہو جائے۔

دوسرا خطرہ یہ ہے کہ شروع میں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کرنے پر تیار ہوتا ہے لیکن عبادت کے آغاز سے ہی ریا پیدا ہو جاتا ہے اس صورت میں عبادت کو چھوڑنا نہیں چاہیے کیوں کہ اس کا باعث دینی ہے لہٰذا اسے عمل شروع کر دینا چاہیے اور اب وہ ریا کو دُور کرنے کے لیے نفس کا مقابلہ کرے اور ریا کے جو علاج ہم نے ذکر کیے ہیں ان کے ذریعے اخلاص حاصل کرے۔ یعنی نفس پر لازم کر دے کہ وہ ریا کو ناپسند کرے اور اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔

ریا کی تیسری صورت یہ ہے کہ وہ عبادت کا آغاز اخلاص سے کرتا ہے اور نفس پر دباؤ ڈال کر عمل کو اخلاص کے ساتھ ہی مکمل کرتا ہے کیوں کہ شیطان شروع میں تو عمل کو چھوڑنے کی طرف بلاتا ہے اگر وہ اس کی بات نہ مانے تو اب وہ اسے ریا کی دعوت دیتا ہے اگر وہ اسے بھی قبول نہ کرے اور اس کو دفع کر دے تو اس صورت میں شیطان کہتا ہے یہ عمل خالص نہیں ہے بلکہ تو ریاکار ہے اور تمہاری محنت ضائع ہو گئی ہے لہٰذا جس عمل میں اخلاص نہ ہو اس کا کیا فائدہ؟ اس طرح شیطان انسان کو عمل کے ترک کی ترغیب دیتا ہے اب اگر تم عمل کو چھوڑ دو گے تو شیطان کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

جو شخص ریا کے خوف سے عمل کو چھوڑ دیتا ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص کو اس کے آقا نے ایسی گندم دی

جس میں گندم کے مشابہ دوسرے دانے ملے ہوئے تھے اور اس نے حکم دیا کہ اسے بالکل صاف کر دو یہاں تک کہ اس میں گندم کے علاوہ ایک بھی دانہ نہ رہے اب وہ شخص اس خوف سے کہ شاید میں اسے بالکل صاف نہ کر سکوں، اس عمل کو بالکل ہی چھوڑ دیتا ہے تو یہی حال اس شخص کا ہے جو اخلاص پیدا نہ ہونے کے خوف سے عمل کرنا ہی چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب اخلاص ہی نہ ہوگا تو عمل کا کیا فائدہ ہوگا؟

اس خوف سے عمل چھوڑ دینا کہ لوگ اسے ریاکار کہیں گے اور اس طرح وہ گناہ گار ہوں گے، اسی قبیل سے ہے اور یہ شیطانی مکروفریب ہے کیوں کہ سب سے پہلے تو وہ مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہوا اور اس کو ان کے بارے میں بدگمانی کا کوئی حق نہ تھا۔ پھر اگر یہ بات ہوتی بھی تو اس سے اس کو کیا نقصان ہوتا اس طرح وہ ثواب سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اس کا عمل کو اس لیے ترک کرنا کہ لوگ اسے ریاکار کہیں گے بعینہٖ ریا ہے اگر ان کو ان کی تعریف اور مذمت سے کوئی سروکار نہ ہوتا تو اسے ان کی اس بات کی کیا پرواہ ہوتی کہ یہ ریاکار ہے یا مخلص؟ ان دونوں باتوں میں کیا فرق ہے کہ ریاکاری کے الزام کے پیش نظر عمل چھوڑ دے یا وہ اچھی طرح عمل کرتا ہے کیوں کہ اسے اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ لوگ کہیں گے یہ غافل ہے اور عمل میں کوتاہی کرتا ہے بلکہ عمل کو چھوڑنا زیادہ بری بات ہے یہ سب شیطانی فریب ہیں جو جاہل بندوں کے ساتھ کرتا ہے۔

پھر اس بات کی طمع کیسے کرتا ہے کہ عمل کے چھوڑنے سے وہ شیطان سے بچ جائے گا شیطان اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا بلکہ اب وہ اس سے کہے گا کہ لوگ کہتے ہیں تم نے عمل اخلاص کی وجہ سے چھوڑا ہے اور تم شہرت کے طالب نہیں ہو اس طرح تم (شہر چھوڑ کر) بھاگنے پر مجبور ہو جاؤ گے اگر تم بھاگ کر زمین کے نیچے کسی بل میں چلے جاؤ تو تمہارے دل میں اس بات کی لذت ڈالے گا کہ لوگ تمہیں زاہد سمجھتے ہیں اور ان کو تمہارے بھاگنے کا علم ہے لہٰذا اس وجہ سے وہ تمہاری تعظیم کرتے ہیں تو تم شیطان سے کس طرح بچ سکتے ہو۔

بلکہ شیطان سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تم اپنے دل میں آفتِ ریا کی معرفت کو لازم کر لو یعنی اس بات کا یقین کر لو کہ اس سے آخرت میں نقصان ہوگا اور دنیا میں کوئی نفع نہ ہوگا تاکہ تم اسے ناپسند کرو اور تمہارا دل اس کا انکار کر دے اور اس کے ساتھ ساتھ مسلسل عمل کرو اور کسی بات کی پرواہ نہ کرو اگرچہ دشمن وسوسے ڈالے کیونکہ ان وسوسوں کو نہ ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی انتہا ہے لہٰذا اس بنیاد پر عمل کو ترک کر دینا اپنے آپ کو بیکار کرنا اور نیک اعمال کو چھوڑ دینا ہے۔

لہٰذا جب تک عمل کی ترغیب اور باعث دینی ہو عمل کو چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ ریا کے وسوسوں کا مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے حیا کو دل میں لازم کر لو کہ تمہارا نفس اللہ تعالیٰ کی حمد کی بجائے لوگوں کی ستائش کا طالب ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل پر مطلع ہے اگر مخلوق تمہارے دل پر مطلع ہوتی اور تم ان کی طرف سے تعریف کے خواہشمند ہوتے تو وہ تم سے نفرت کرتے بلکہ اگر اپنے رب سے حیا کرتے ہوئے اور نفس سے ناراض ہو کر عمل کر سکتے ہو تو ایسا کرو اب اگر شیطان تم سے کہے کہ تم ریاکار ہو تو اس کے جھوٹ اور فریب کو جان لو کیونکہ اس کی بات ریا سے تمہاری دلی نفرت اور انکار کے مقابلے میں ہے

اور نہ کہ تم ریا کا خوف رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہو اور اگر تمہارے دل میں ریا سے نفرت یا اس کا خوف نہ ہو اور نہ ہی عمل کا کوئی دینی باعث ہو بلکہ محض ریاکاری کی وجہ سے عمل کر رہے ہو تو اس صورت میں عمل کو ترک کر دو لیکن یہ بہت دور کی بات ہے پس جو آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے عمل شروع کرے تو اس کے ساتھ اصل ثواب کے قصد کا باقی رہنا ضروری ہے۔

سوال:

اگر تم کہو کہ کئی بزرگوں نے شہرت کے خوف سے عمل کرنا چھوڑ دیا منقول ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس وقت آپ قرآن پاک پڑھ رہے تھے تو آپ نے قرأت چھوڑ دی اور فرمایا اس آدمی کو یہ بات معلوم نہیں ہونی چاہیئے کہ ہم ہر وقت قرآن پاک پڑھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب آدمی کو اپنا بولنا اچھا معلوم ہو تو خاموش ہو جائے اور جب خاموشی اچھی معلوم ہو تو گفتگو کرے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض اکابر راستے میں اذیت پہنچانے والی چیزیں دیکھتے تھے لیکن شہرت کو ناپسند کرتے ہوئے ان کو دور نہیں کرتے تھے اور بعض کو رونا آتا تو شہرت کے ڈر سے اسے ہنسی میں تبدیل کر دیتے اور اور اس سلسلے میں بہت سے آثار مروی ہیں۔

جواب:

یہ واقعات عبادات کے اظہار سے متعلق بے شمار بزرگوں سے منقول واقعات کے مقابل ہیں پھر یہ کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے یہ بات بطور وعظ فرمائی اور اس وعظ میں جس قدر شہرت ہے وہ رونے اور راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے میں پائے جانے والی شہرت کے خوف سے زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے وعظ کو ترک نہیں فرمایا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ (اس خوف سے) نوافل کو چھوڑنا جائز ہے لیکن اختلاف افضلیت میں ہے اور افضل پر تو قوت والے قادر ہوتے ہیں کمزور نہیں۔ کیوں کہ افضل یہ ہے کہ عمل کو پورا کرے اخلاص کی بھرپور کوشش کرے اور اس کو ترک نہ کرے اور ارباب اعمال کبھی اپنے نفسوں کا علاج افضل کے خلاف سے کرتے ہیں جب خوف زیادہ ہو لہٰذا دین میں مضبوط لوگوں کی اقتدا ہی کرنی چاہیئے۔

جہاں تک حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قرآن پاک بند کر دینے کا تعلق ہے تو ممکن ہے وہ جانتے ہوں کہ اس شخص کے آنے پر انہیں قرأت موقوف کرنا پڑے گی اور اس کے جانے کے بعد پھر پڑھ لیں گے کیوں کہ اس سے گفتگو کی ضرورت بھی ہوگی تو ان کا یہ خیال کر وہ ان کو قرأت کرتے ہوئے نہ دیکھے ریا کے مقابلے میں زیادہ بعید بات ہے جب کہ وہ اس کے ساتھ کلام میں مشغولیت کی وجہ سے قرأت چھوڑنے کا عزم رکھتے تھے تاکہ وہ شخص دوبارہ بھی آ سکے اور راستے سے اذیت پہنچانے

والی چیز کو نہ اٹھانا اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ اس سے شہرت ہوگی اور لوگ جمع ہوجائیں گے اور یوں وہ عبادات جو اس چیز کے ہٹانے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں ان میں رکاوٹ ہوجائے گی تو اس عمل سے بڑی عبادات کی حفاظت کے لیے اسے چھوڑا گیا محض ریاکاری کے خوف سے نہیں۔

جہاں تک حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کے قول کا تعلق ہے کہ جب تمہیں گفتگو کرنا اچھا معلوم ہو تو خاموش ہوجاؤ تو ممکن ہے اس سے وہ کلام مراد ہو جو محض جائز ہے (ضروری نہیں) جیسے واقعات کے بیان میں فصاحت کا اظہار وغیرہ کیوں کہ اس سے خود پسندی پیدا ہوتی ہے اسی طرح جائز خاموشی پر خود پسندی بھی مکروہ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اس صورت میں خود پسندی سے بچنے کے لیے ایک مباح کام کو چھوڑ کر دوسرا مباح کام اختیار کیا جاتا ہے جہاں تک مستحب کلام کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں وضاحت نہیں ہے کہ اس سے بھی اجتناب کیا جائے۔

علاوہ ازیں کلام میں جو آفت واقع ہوتی ہے وہ دوسری قسم میں ہوتی ہے اور ہماری گفتگو ان عبادات سے متعلق ہے جو بدن کے ساتھ خاص ہیں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا تعلق نہیں ہوتا اور ان میں زیادہ آفات بھی نہیں ہیں۔ پھر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا کلام کہ وہ لوگ رونا اور راستے سے ایذارساں چیز کو ہٹانا چھوڑ دیتے تھے اور وہ شہرت کے خوف سے ایسا کرتے تھے تو ہوسکتا ہے یہ ان ضعیف لوگوں کے احوال سے متعلق ہو جو افضل صورت کا علم نہیں رکھتے۔ اور ان باریکیوں سے واقف نہیں ہیں انہوں نے لوگوں کو شہرت کی آفت سے ڈرانے کی خاطر اس بات کا ذکر فرمایا اور اس کی طلب سے ان کو روکا۔

دوسری قسم:

یہ وہ عبادات ہیں جو مخلوق سے متعلق ہیں اور ان میں آفات اور خطرات زیادہ ہیں ان میں سے سب سے زیادہ خطرہ خلافت و امامت میں ہے پھر قضا، پھر وعظ، تدریس، فتویٰ اور پھر مال خرچ کرنا۔

خلافت و امارت سب سے بڑی عبادت ہے بشرطیکہ عدل اور اخلاص کے ساتھ ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَيَوْمٌ مِنْ إِمَامٍ عَادِلٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ سِتِّيْنَ عَامًا۔ (۱)

عدل کرنے والے حکمران کا ایک دن اکیلے آدمی کی ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

تو اس سے بڑی کونسی عبادت ہوگی جس کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت کے برابر ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ ثَلَاثَةٌ اَلْإِمَامُ

سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے تین قسم کے

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۶۷ کتاب القضاء

الْمُقْسِطُ اَحَدُهُمْ۔ (۱)

لوگ ہوں گے ان میں سے ایک انصاف کرنے والا حکمران ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ اَحَدُهُمْ۔ (۲)

تین قسم کے لوگوں کی دعا رد نہیں ہوتی ان میں سے ایک انصاف کرنے والا حکمران ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَقْرَبُ النَّاسِ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِمَامٌ عَادِلٌ۔ (۳)

قیامت کے دن میرے قریب ترین عادل حکمران کی نشست ہوگی۔

توحکمرانی اور خلافت بڑی بڑی عبادات میں سے ہے لیکن متقی لوگ اس سے ہمیشہ بچتے رہے اور اس کو اختیار کرنے سے بھاگتے رہے کیونکہ اس میں خطرہ زیادہ ہے اس لیے کہ اس میں باطنی صفات کو حرکت ہوتی ہے اور نفس پر جاہ و مرتبہ کی محبت غلبہ اور حکم جاری کرنے کی لذت غالب ہوتی ہے اور دنیوی لذتوں میں سے یہ سب سے بڑی لذت ہے جب ولایت محبوب ہوگی تو حکمران نفسانی مقاصد کے حصول کی کوشش کرے گا اور ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلے اور ہر اس کام سے باز رہے جو اس کے جاہ اور ولایت میں مخل ہو اگرچہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو اور ہر اس کام کی طرف بڑھے جو اس کے مقام کو بڑھائے چاہے وہ باطل ہی کیوں نہ ہو اس وقت وہ ہلاک ہوجاتا ہے اور ظالم بادشاہ کا ایک دن ساٹھ سال کی برائی سے زیادہ برا ہے یہ اس حدیث کا مفہوم ہے جو ہم نے اس سے پہلے ذکر کی ہے اسی عظیم خطرہ کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کے خطرات کی وجہ سے اسے کوئی نہیں لیتا۔ اور آپ کی یہ بات صحیح کیوں نہیں ہوگی جب کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَا مِنْ وَالِیْ عَشَرَةٍ اِلَّا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَغْلُوْلَةً یَدُہٗ اِلٰی عُنُقِهٖ اَطْلَقَهٗ عَدْلُهٗ اَوْ اَوْبَقَهٗ جَوْرُہٗ۔ (۴)

جو شخص دس آدمیوں کا بھی حاکم ہو قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوں گے اس کا انصاف اسے چھڑا دے یا اس کا ظلم اسے ہلاک کردے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۵ کتاب الجنۃ

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۶۵ کتاب القضاء

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۶۷ کتاب القضاء

(۴) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۱۱۸ ترجمہ ۳۴۹

اس حدیث کو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ان کو کسی مقام کا والی مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے عرض کیا امیر المومنین! آپ مجھے مشورہ دیجئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اگر یہ بات ہے تو) بیٹھے رہو (یہ عہدہ قبول نہ کرو) لیکن اس کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کرنا (کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا ہے)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کسی جگہ کا ولی بنایا تو اس نے عرض کیا آپ ہی بتائیے کہ میرے لیے بہتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بیٹھے رہو (قبول نہ کرو) (۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرح ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

"اے عبدالرحمٰن حکومت کا سوال نہ کرو کیونکہ اگر تمہیں یہ مانگنے کے بغیر دی جائے تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر مانگنے پر ملے تو تمہیں اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ (۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت حاصل ہوئی تو حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے مجھ سے فرمایا نہیں تھا کہ دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا جب کہ آپ پوری امت محمدیہ کے امیر بنائے گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے تمہیں میں اب بھی یہی بات کہتا ہوں جو شخص اپنی امارت کے دوران انصاف نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رہتا ہے۔

اور شاید کم فہم لوگ امارت و خلافت کی فضیلت میں وارد احادیث اور ممانعت کے سلسلے میں مروی روایات میں اختلاف سمجھتے ہوں حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ حق بات یہ ہے کہ خاص اور دین میں مضبوط لوگوں کے لیے مناسب نہیں ہے کہ بننے سے انکار کریں لیکن کمزور لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس سے دور رہیں ورنہ ہلاک ہوں گے مضبوط لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو دنیا اپنی طرف مائل نہیں کرتی نہ ان پر طمع غالب آتی ہے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی نگاہ میں مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں وہ دنیا سے بے رغبت ہو گئے اب نہ تو ان کا دنیا سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی مخلوق سے میل جول بلکہ وہ اپنے نفس پر غالب آگئے اور اس کے مالک بن گئے انہوں نے شیطان کا قلع قمع کر دیا اور وہ ان سے مایوس ہو گیا ان لوگوں کی حرکت و سکون کا محور صرف حق ہوتا ہے اگرچہ حق کے لیے ان کی جان ہی چلی جائے ان لوگوں کو امارت و خلافت میں فضیلت حاصل ہوتی ہے اور جس شخص کو معلوم ہو کہ اس میں یہ صفت نہیں پائی جاتی اس پر حکومت و ولایت کا اختیار کرنا حرام ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۲۰۱ کتاب الخلافۃ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۸۰ کتاب الایمان والنذور

اور جس شخص کو اپنے نفس کا تجربہ ہو کر وہ حق بات پر صبر کرنے والا اور ولایت و امارت کے علاوہ خواہشات سے رُکنے والا ہے لیکن اسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ اقتدار کی لذت اور جاہ و مرتبہ کی شیرینی سے اس میں تبدیلی نہ آجائے اور وہ اس عہدے کو چھوڑنا پسند نہ کرے اور معزولی سے بچنے کے لیے منافقت سے کام لے تو ایسے شخص کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اس کے لیے ضروری ہے کہ ولایت اختیار کرنے سے بھاگے یا نہیں ہو بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ایسا کرنا اس پر واجب نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسی بات کا خوف ہے جو مستقبل میں پیش آئے گی جب کہ فی الحال وہ حق کو اختیار کرنے اور نفسانی لذات کو چھوڑنے میں اپنے آپ کو مضبوط سمجھتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اسے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ نفس مکار ہے وہ حق بات کا دعویٰ کرتا اور بھلائی کا وعدہ کرتا ہے لیکن اگر وہ پکا وعدہ بھی کرے تو حصول ولایت کے وقت اس میں تبدیلی آنے کا خوف ہوتا ہے تو جب وعدے میں تردد ہو تو اس صورت میں اس پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے جب کہ ولایت حاصل ہونے کے بعد اس سے معزولی کی نسبت شروع میں اس کی قبولیت سے انکار زیادہ آسان ہے کیونکہ معزولی سے اذیت ہوتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے معزولی مردوں کی طلاق ہے لہٰذا جب وہ شروع کر دے تو اب نفس معزولی کو قبول نہیں کرے گا اس لیے وہ منافقت سے کام لے گا اور امر حق کو باطل کرنے کی طرف مائل ہو گا اور یوں وہ جہنم کے گڑھے میں گرے گا اور مرتے دم تک اس سے نہیں نکل سکے گا ہاں یہ کہ اسے زبردستی معزول کر دیا جائے اور اس (معزولی) میں اقتدار سے محبت کرنے والے کے لیے فوری عذاب ہے اور جب نفس خود حکومت کی طلب کی طرف مائل ہو اور اسے مطالبہ کی ترغیب دے تو یہ شر کی علامت ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّا لَا نُوَلِّیْ اَمْرَنَا مَنْ سَاَلَنَا۔ ہم اپنے معاملہ کا حاکم اس شخص کو نہیں بناتے جو ہم سے سوال کرے۔ (۱)

جب تمہیں مضبوط اور کمزور کے حکم میں اختلاف کا علم ہو گیا تو تمہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو روکنے اور پھر خود امارت کو قبول فرمانے میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

قضاء (قاضی بننا) اگرچہ خلافت اور امارت سے کم درجے میں ہے لیکن اس کا بھی یہی حکم ہے کیوں کہ ہر والی امیر ہوتا ہے یعنی اس کا حکم نافذ ہوتا ہے اور امارت طبعی طور پر محبوب ہوتی ہے اگر قضا کی صورت میں حق کی اتباع کی جائے تو اس کا ثواب بہت بڑا ہے لیکن حق سے منہ پھیرنے کی صورت میں عذاب بھی بہت زیادہ ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْقُضَاۃُ ثَلَاثَۃٌ قَاضِیَانِ فِی النَّارِ وَقَاضٍ قاضی تین قسم کے ہیں دو قسم کے قاضی جہنم میں جائیں گے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۸ کتاب الاحکام

فِی الْجَنَّۃِ۔ (۱) اور ایک قسم کے قاضی جنت میں جائیں گے۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

مَنِ اسْتَقْضٰی نَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ۔ (۲) جو شخص خود عہدۂ قضا طلب کرتا ہے (گویا) وہ چھری سے بغیر ذبح کیا گیا۔

لہٰذا قضا کا حکم وہی ہے جو حکومت و اقتدار کا ہے کمزور لوگوں کے لیے اسے چھوڑنا مناسب ہے اسی طرح جن لوگوں کی نگاہ میں دنیا اور اس کی لذات کا کوئی وزن ہو وہ بھی اس کے قریب نہ جائیں۔

لیکن جو لوگ مضبوط ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے انہیں چاہیے کہ اسے اختیار کریں اور جب حکمران ظالم ہوں اور قاضی منافقت اختیار کئے بغیر فیصلہ نہ کر سکے نیز اسے ان حکمرانوں اور ان کے متعلقین کی خاطر حقوق کو چھوڑنا پڑے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کی صورت میں وہ اسے معزول کر دیں گے یا وہ اس کے فیصلے کو تسلیم نہیں کریں گے تو اس صورت میں عہدۂ قضا قبول نہیں کرنا چاہیئے۔

اور اگر وہ اس عہدے کو قبول کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ ان سے حقوق کا مطالبہ کرے اور حقوق کو چھوڑنے میں معزول ہونے کا خوف عذر نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس کو اس بنیاد پر غلط فیصلے کی اجازت دی جا سکتی ہے بلکہ جب اسے معزول کر دیا جائے گا تو اس کی ذمہ داری ختم ہونا چاہیئے اور اگر یہ معزولی نفس پر گراں گزرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواہش اور شیطان کی پیروی کے تحت فیصلہ کرتا ہے تو اس صورت میں وہ کس طرح ثواب کی توقع رکھتا ہے ایسا شخص ظالموں کے ساتھ جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوگا۔

جہاں تک وعظ فتویٰ تدریس، روایت حدیث اور ان بلند مرتبہ مسندوں کا تعلق ہے جن سے جاہ و مرتبہ بڑھتا ہے تو ان کی آفات بھی ولایت کی آفت کی طرح بہت بڑی ہے پہلے بزرگوں میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے جب تک ممکن ہوتا وہ فتویٰ نہیں دیتے تھے اور وہ فرماتے تھے "حدثنا" (ہم سے فلاں نے حدیث بیان کی) دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور جو شخص "حدثنا" کہتا ہے (حدیث بیان کرتا ہے) تو گویا وہ کہتا ہے میری عزت کرو حضرت بشر رحمہ اللہ نے کتب حدیث کے کئی تھیلے دفن کر دیئے انہوں نے فرمایا کہ مجھے حدیث بیان کرنے کی خواہش نے بیان سے روکا ہے اور اگر مجھے یہ خواہش ہوتی کہ میں بیان نہ کروں تو میں ضرور بیان کرتا۔

وعظ کرنے والا شخص جب دیکھتا ہے کہ اس کے وعظ کا لوگوں کے دلوں پر اثر ہوا ہے اس کا وعظ سن کر وہ روتے

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۹۰، کتاب الاحکام

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۹۱، کتاب الاحکام

اور کھنچتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس سے اس کو ایسی لذت حاصل ہوتی ہے جس کے برابر کوئی لذت نہیں۔ اس کے دل پر یہ بات غالب آجاتی ہے تو اس کی طبیعت ایسے مسجع مقفع کلام باطل ہوا در وہ ہر ایسے کلام سے بھاگتا ہے جسے عوام گراں سمجھتے ہیں اگرچہ وہ حق ہو وہ ایسا کلام کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے عوام کے دلوں میں حرکت پیدا ہو اور ان کے دلوں میں اس کا بہت بڑا مقام ہو وہ جب کوئی حدیث یا حکمت کی بات سنتا ہے تو وہ اس سے صرف اس لیے خوش ہوتا ہے کہ وہ اسے منبر پر بیان کرے گا حالانکہ اس کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ اس وجہ سے خوش ہوتا کہ اس نے سعادت کا ایک راستہ معلوم کیا ہے اور یہ دین کا ایک راستہ ہے وہ پہلے اس پر خود عمل کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ نعمت عطا فرمائی اور اس حکمت بھری بات سے نفع عطا فرمایا اور پھر دوسروں تک پہنچائے گا تاکہ وہ بھی اس نفع میں شریک ہوں۔

تو وعظ میں بھی بہت بڑا خوف اور فتنہ ہے اس لیے اس کا حکم بھی حکمرانی کے حکم جیسا ہے جو شخص صرف طلب جاہ کے لیے وعظ کرتا ہے اور اس کے ذریعے اپنا مقام بنانا چاہتا ہے دین کو حصول رزق کا ذریعہ بناتا ہے تکبر اور زیادہ مال حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وعظ کرنا چھوڑ دے اور اس سلسلے میں اپنی خواہش کی مخالفت کرے یہاں تک کہ نفس کو ریاضت ہو جائے دین میں اس کی ہمت مضبوط ہو جائے اور وہ اپنے نفس پر فتنہ سے بے خوف ہو جائے اس وقت وعظ کی طرف لوٹ جائے۔

اگر کہا جائے کہ علماء پر یہ حکم لگانے سے علوم مٹ جائیں گے اور جہالت پھیل جائے گی۔

تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب حکومت سے منع فرمایا (۱) اور اس سے ڈرایا حتیٰ کہ آپ نے فرمایا۔

إِنَّكُمْ تَحْرِصُوْنَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَإِنَّهَا حَسْرَةٌ وَنَدَامَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا۔ (۲)	تم حکومت کی حرص کرتے ہو حالانکہ یہ قیامت کے دن افسوس اور ندامت کا باعث ہوگی سوائے ان لوگوں کے جو اس کے حق کے ساتھ اسے اختیار کرتے ہیں۔

اور آپ نے فرمایا۔

نِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ ۔ (۳)	دودھ پلانے والی دودھ چھڑانے والی سے بہتر ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۸۰ کتاب الایمان والنذور

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۸ کتاب الاحکام

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۸ کتاب الاحکام

اور اگر سلطنت اور حکومت نہ ہو تو دین اور دنیا دونوں معطل ہو جائیں لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑا شروع ہو جائے اور امن ختم ہو جائے، شہر تباہ و برباد ہو جائیں اور معیشت تباہ ہو جائے اور جب اس کے باوجود آپ نے منع فرمایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے بہت سے لوگوں کو چلتے دیکھا تو ان کو مارا حالانکہ آپ خود فرماتے تھے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سردار ہیں اور آپ ان کو قرآن پاک سنایا کرتے تھے لیکن آپ نے لوگوں کو ان کے پیچھے جانے سے منع فرمایا اور فرمایا یہ متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود خطبہ دیتے اور وعظ فرماتے تھے اور اس سے رُکتے نہیں تھے۔

ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی کہ وہ نماز فجر سے فراغت کے بعد لوگوں کو وعظ کیا کرے تو آپ نے اسے منع فرما دیا۔ اس نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے لوگوں کو نصیحت کرنے سے منع کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پھول کر آسمان پر نہ پہنچ جاؤ کیونکہ آپ نے اس شخص میں وعظ کے ذریعے جاہ و مرتبہ حاصل کرنے اور لوگوں میں مقبول ہونے کی رغبت دیکھی تھی۔

قضاء اور خلافت ان امور میں سے ہیں جن کی لوگوں کو وعظ، تدریس اور فتویٰ کی طرح دینی اعتبار سے حاجت ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک میں فتنہ اور لذت ہے لہٰذا ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وعظ سے روکنے کی صورت میں علم مٹ جائے گا تو یہ غلط بات ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء سے روکا (۱) لیکن اس کے باوجود قضاء کا منصب ختم نہیں ہوا۔ بلکہ ریاست اور اس کی محبت لوگوں کو اس کی طلب پر مجبور کرتی ہے اسی طرح ریاست کی محبت علوم کو مٹنے نہیں دیتی۔ بلکہ اگر لوگوں کو قید کر دیا جائے اور ان کو بیڑیاں ڈال کر ان علوم کی طلب سے روکا جائے جن میں لوگوں کے ہاں مقبول ہونا اور جاہ و مرتبہ کا حصول ہو تو وہ قید سے چھوٹ کر اور زنجیریں توڑ کر اس کی طلب میں نکل کھڑے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اس دین کی مدد ایسے لوگوں کے معاملات میں مشغول نہیں ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہیں کرے گا تمہیں تو اپنی فکر کرنی چاہیئے۔

اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ اگر شہر میں ایک ایسی جماعت ہو جو وعظ کرنے کی ذمہ داری نبھا رہے ہوں تو صرف چند لوگ اس ممانعت کی وجہ سے رُکیں گے سب کے سب نہیں رُک سکتے اور نہ ہی وہ لذتِ جاہ کو چھوڑتے ہیں اور اگر شہر میں ایک ہی واعظ ہو اور اس کا وعظ لوگوں کے لیے نفع بخش بھی ہو کر اس کا کلام اچھا ہے اور ظاہری طور طریقہ بھی صحیح ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص محض رضائے خداوندی کے لیے وعظ کرتا ہے دنیا کا تارک ہے اور اس سے منہ پھیرتا ہے تو ایسے شخص کو وعظ سے روکنا نہیں چاہیئے بلکہ اس سے یہ کہو کہ اپنا کام جاری رکھو لیکن نفس سے مجاہدہ کرو اور اگر وہ کہے کہ میں اپنے

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۱ کتاب الامارۃ

نفس پر کنٹرول نہیں کر سکتا تو پھر بھی ہم یہی کہیں گے کہ وعظ کرو اور نفس کا مقابلہ کرو کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر وہ وعظ کرنا چھوڑ دے تو سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے کیوں کہ وہاں کوئی دوسرا شخص وعظ کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ مسلسل وعظ کرتا رہے اور اس کا مقصد جاہ و مرتبہ کا حصول ہو تو وہ اکیلا ہی ہلاک ہو گا اور ان سب کے دین کی سلامتی ہمارے نزدیک اس ایک کے دین کی سلامتی سے زیادہ پسندیدہ ہے پس ہم اسے قوم پر فدا کر دیں گے۔ اور ہم کہیں گے کہ شاید یہی وہ شخص ہو جس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِأَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسی قوم کے ذریعے کرتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

پھر واعظ تو کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو اپنے کلام اور ظاہری سیرت کے ذریعے آخرت کی ترغیب دیتا ہے اور دنیا سے بے رغبت کر دیتا ہے جب کہ آج کے دور میں واعظین نے جو بدعات جاری کر دی ہیں کہ وہ کلمات میں بناوٹ اور الفاظ میں قافیے ملانے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں پھر اس کے ساتھ ایسے اشعار ملاتے ہیں جن میں دین کی کوئی تعظیم نہیں ہوتی اور نہ ہی مسلمانوں کو خوف دلایا جاتا ہے بلکہ ایسے نکات بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے گناہوں پر جرأت اور ان کی آرزو پیدا ہوتی ہے تو ایسے لوگوں سے شہروں کو خالی کرنا واجب ہے کیوں کہ یہ دجال کے نائب اور شیطان کے خلفاء ہیں ہم تو ایسے واعظ کی بات کر رہے ہیں جس کا وعظ اچھا ہو اور ظاہر بھی عمدہ ہو اور دل میں مقام و مرتبہ کے حصول کی محبت کے سوا کچھ نہ ہو۔

اور ہم نے علم کے بیان میں علماء سُوء کے حق میں وارد جس وعید اور سزا کا ذکر کیا ہے اس میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ علم کے فتنوں اور خرابیوں سے بچنا لازمی ہے اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

اے علمائے سُوء! تم روزے بھی رکھتے ہو نمازیں بھی پڑھتے ہو اور صدقہ بھی دیتے ہو لیکن جس بات کا حکم دیتے ہو خود اس پر عمل نہیں کرتے اور جو کام خود نہیں کرتے اس کا درس دیتے ہو تم کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہو، توبہ کی بات کرتے ہو اور اس کی آرزو کا اظہار بھی کرتے ہو لیکن خواہشات پر عمل کرتے ہو ظاہری جسم کو بچانا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا جب کہ تمہارے دل میلے ہوں میں تم سے سچ کہتا ہوں چھلنی کی طرح نہ ہو جاؤ کہ اس سے عمدہ آٹا نکل جاتا ہے اور پھوگ باقی رہ جاتا ہے تمہاری بھی یہی حالت ہے تمہاری زبانوں سے حکمت کی باتیں نکلتی ہیں لیکن تمہارے دلوں میں کینہ موجود ہے۔

اے دنیا کے بندو! وہ شخص آخرت کو کیسے حاصل کر سکتا ہے جس کی دنیوی خواہش اور رغبت ختم نہ ہوئی ہو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے دل تمہارے اعمال کی وجہ سے روتے ہیں تم نے دنیا کو اپنی زبانوں کے نیچے اور عمل کو اپنے

(۱) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۳۰۲ کتاب الجہاد

قدموں کے نیچے رکھا ہے میں تم سے حق بات کہتا ہوں تم نے دنیا کو ٹھیک کرتے ہوئے اپنی آخرت کو خراب کر دیا تو تمہارے نزدیک آخرت کی اصلاح کے مقابلے میں دنیا کی اصلاح زیادہ پسندیدہ ہے تو کون شخص تم سے بڑھ کر کمینہ ہوگا؟

تمہارا برا ہو کب تک اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ بتاؤ گے اور خود حیرت والوں کے محلے میں کھڑے رہو گے گویا کہ تم دنیا والوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ وہ دنیا تمہارے لیے چھوڑ دیں رک جاؤ رک جاؤ تم نہیں جانتے کہ اگر چراغ مکان کی چھت پر رکھا جائے تو اندھیرے کمرے کو کیا فائدہ ہوگا اس کا اندر تو تاریک اور ڈراؤنا ہی ہوگا اسی طرح اگر نورِ علم تمہاری زبانوں پر ہو اور تمہارے دل وحشت زدہ اور اُجڑے ہوئے ہوں تو تمہیں کیا حاصل ہوگا؟

اے دنیا کے بندو! کیا فائدہ جب کہ تم متقی بندوں یا معزز بندوں کی طرح نہیں بنتے؛ قریب ہے کہ یہ دنیا تمہیں جڑ سے ہی اُکھاڑ پھینکے اور تمہیں اوندھا گرا دے پھر نتھنوں کے بل اوندھے ہو جاؤ پھر تمہارے گناہ تمہاری پیشانی کو پکڑیں اور علم تمہیں پیچھے سے دھکا دے اور تمہیں اسی حالت میں کہ تمہارا جسم اور پاؤں ننگے ہوں حقیقی بادشاہ کے سامنے پہنچا دے اور وہ تمہیں تمہاری برائیوں پر مطلع کر کے ان برے اعمال کی سزا دے۔"

اس حدیث کو حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ نے اپنی کسی کتاب میں لکھا اور پھر فرمایا یہ علماء شوء میں جو انسانوں میں سے شیطان ہیں لوگوں کے حق میں فتنہ ہیں دنیوی سامان اور اس کی رفعت میں رغبت رکھتے ہیں انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور دنیا کے لیے دین کو ذلیل کیا۔

پس یہ لوگ دنیا میں باعث ننگ وعیب ہیں اور آخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔

سوال:

اگر تم کہو کہ یہ تو ظاہری آفات ہیں جب کہ علم اور وعظ میں بہت سی رغبتیں ہیں حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلًا خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔ (۱)	اگر اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے تو وہ تمہارے لیے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَیُّمَا دَاعٍ دَعَا اِلٰی ھُدًی وَاتُّبِعَ عَلَیْہِ کَانَ لَہٗ اَجْرُہٗ وَاَجْرُ مَنِ اتَّبَعَہٗ۔ (۲)	جو شخص ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور اس کی پیروی کی جاتی ہے تو اسے اس دعوت کا ثواب بھی ہوگا اور جو لوگ اس کی اتباع کریں گے ان کا ثواب بھی اسے ملے گا۔

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۹ کتاب فضائل الصحابہ

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۹، المقدمہ

اس کے علاوہ روایات بھی ہیں جو علم کے فضائل بیان ہوئی ہیں۔
لہٰذا مناسب یہ ہے کہ عالم سے کہا جائے کہ علم میں مشغول رہو اور لوگوں کو دکھانا چھوڑ دو جیسے کسی شخص کو نماز میں ریاکاری سے پالا پڑتا ہو تو اسے کہا جاتا ہے نماز پڑھنا نہ چھوڑو بلکہ اپنا عمل پورا کرو اور نفس کا مقابلہ کرو۔

جواب:

جان لو! خلافت وامارت کی طرح علم کی فضیلت بھی بہت زیادہ ہے اور اس کا خطرہ بھی بہت بڑا ہے اور ہم کسی بھی بندۂ خدا سے یہ نہیں کہتے کہ علم کو چھوڑ دو کیوں کہ نفسِ علم میں آفت نہیں ہے بلکہ آفت تو وعظ، تدریس اور روایتِ حدیث کے اظہار کے در پے ہوتے ہیں ہے اور جب تک وہ اپنے نفس میں کوئی دینی سبب پاتا ہے جو باعثِ ریا کے ساتھ ملا ہوا ہے تو اس وقت بھی ہم اسے ترکِ علم کا مشورہ نہیں دیتے البتہ جب اس کا محرک صرف ریا ہو تو اس صورت میں اظہار کا ترک زیادہ نفع بخش ہے اور اسی میں سلامتی بھی زیادہ ہے نفلی نماز کا بھی یہی معاملہ ہے جب اس میں محض ریاکاری ہو تو اس کو چھوڑنا واجب ہوتا ہے لیکن جب نماز کی حالت میں ریا کے وسوسے پیدا ہوں اور وہ اس بات کو ناپسند بھی کرتا ہو تو اس صورت میں نماز پڑھنا نہ چھوڑے کیوں کہ عبادات میں ریا کی آفات کمزور ہوتی ہیں حکمرانی ولایت اور علم کے مناصب عالیہ کے در پے ہونے میں آفات زیادہ اور بڑی ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ تین مراتب ہیں۔

پہلا مرتبہ:

یہ ولایت سے متعلق ہے ان میں بہت بڑی بڑی آفات ہیں اور آفت کے خوف سے اسلاف کی جماعت نے ان مناصب کو چھوڑ دیا۔

دوسرا مرتبہ:

نماز، روزہ، حج اور جہاد ہے اسلاف میں سے مضبوط اور کمزور سب لوگوں نے ان عبادات کو اختیار کیا اور آفت کا خوف ان سے ان عبادات کو ترک نہ کرواسکا کیوں کہ ان میں آفات ضعیف ہیں اور عمل کو مکمل کرتے ہوئے ادنیٰ قوت کے ساتھ ان آفات کو دور کیا جاسکتا ہے۔

تیسرا درجہ:

یہ دونوں درجوں کے درمیان ہے اور یہ وعظ، فتویٰ، روایتِ حدیث اور تدریس کے در پے ہونا ہے ان میں پائی جانے والی آفات، ولایت کی آفات سے زیادہ کم ہیں لیکن نماز کی آفات سے زیادہ ہیں تو نماز کو نہ تو کمزور آدمی چھوڑے اور نہ ہی مضبوط بلکہ ریا کے خطرات کو دور کریں جب کہ حکمرانی اور قضاء وغیرہ کو کمزور لوگ بالکل ترک کردیں مضبوط لوگ نہ چھوڑیں اور علم کا منصب ان دونوں کے درمیان ہے اور جس آدمی کو منصبِ علم کی آفات کا تجربہ ہے اسے معلوم ہے کہ عالم،

حکمران کے مشابہ ہوتا ہے اور ضعیف کا اس سے بچنا زیادہ سلامتی کا باعث ہے۔ واللہ اعلم۔

اور یہاں ایک چوتھا امر شبہ بھی ہے اور وہ مال جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کرتا ہے تو مال خرچ کرنا اور سخاوت کو ظاہر کرنا تعریفی کلمات کے حصول کا ذریعہ ہے اور لوگوں کے دل خوش کرنے سے نفس کو لذت حاصل ہوتی ہے لیکن اس میں بہت زیادہ آفات ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص ضروری رزق حاصل کرنے کے بعد رک جاتا ہے اور دوسرا ضروری روزی سے بھی زیادہ تلاش کرتا ہے پھر اسے صدقہ کر دیتا ہے تو انہوں نے فرمایا جو (ضروری رزق کے حصول کے بعد) بیٹھ جاتا ہے وہ افضل ہے۔ (انہوں نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ) وہ لوگ جانتے تھے کہ دنیا میں سلامتی کم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اسے چھوڑ دینا بھی زہد و تقویٰ ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجھے دمشق کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر روزانہ پچاس درھم حاصل ہوں اور میں ان کو راہ خداوندی میں خرچ کروں اس کا یہ مقصد نہیں کہ میں خرید و فروخت کو حرام سمجھتا ہوں بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (۱) ان لوگوں کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روکتی۔

اس سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے ایک جماعت کا قول ہے کہ جب دنیا کا حلال مال تلاش کرے اور دینوی آفات سے محفوظ بھی رہے اور پھر وہ مال صدقہ کر دے تو یہ بات عبادات اور نوافل میں مشغولیت سے بہتر ہے۔

دوسری جماعت کا خیال ہے کہ ذکر خداوندی کی مجلس میں دائمی شرکت افضل ہے اور لین دین اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے طالبِ دنیا تو نیکی کرنا چاہتا ہے تو تیرا دنیا کو ترک کر دینا زیادہ نیکی ہے انہوں نے فرمایا دنیا کی کم از کم خرابی یہ ہے کہ اس کی اصلاح اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا اور افضل ہے اور یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو دنیا کی آفات سے محفوظ رہتے ہیں۔

اور جس شخص کو ریا کی آفت کا ڈر ہو اس کے لیے ترکِ دنیا زیادہ نیکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ذکر میں مشغولیت افضل ہے خلاصہ یہ ہوا کہ جو عمل مخلوق سے تعلق رکھتا ہے اور نفس اس میں لذت محسوس کرتا ہے تو وہ آفات کا مجموعہ ہے بہتر یہی ہے کہ اس عمل کو اختیار کرے اور آفات کو دُور کرے اور اگر عاجز ہو جائے تو غور و فکر کرے اپنے دل سے فتویٰ لے اور اس میں پائے جانے والے شر اور خیر کے درمیان موازنہ کرے اور وہ کام کرے جس

(۱)

پر نورِ علم دلالت کرتا ہے وہ کام نہ کرے جس کی طرف اس کی طبیعت کا میلان ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز دل پر آسان معلوم ہوتی ہے اس کا نقصان زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ نفس شر کا مشورہ دیتا ہے اور اچھی بات کی لذت اور اس کی طرف میلان کم ہوتا ہے اگرچہ بعض حالات میں یہ بات کچھ بعید نہیں ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن کے بارے میں کوئی تفصیلی فیصلہ نہیں ہو سکتا نہ تو اثبات کی صورت میں اور نہ ہی نفی کی صورت میں ——— یہ معاملہ قلبی اجتہاد کے حوالے ہوتا ہے تاکہ اس میں دینی حوالے سے غور و فکر کرے اور مشکوک بات کو چھوڑ کر ایسی بات کو اختیار کرے جس میں کوئی شک نہیں۔

پھر بعض اوقات جاہل آدمی کو اس بیان سے دھوکہ ہو جاتا ہے اور وہ آفت کے خوف سے مال خرچ نہیں کرتا اور یہ بخل ہے اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ صدقات تو کیا مباح کاموں پر مال خرچ کرنا جمع کرنے اور روک رکھنے کی نسبت افضل ہے۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ جو شخص کمانے کی ضرورت محسوس کرتا ہو تو کیا اس کے لیے یہ بات افضل ہے کہ وہ مال نہ کمائے اور نہ ہی خرچ کرے اور ذکر خداوندی میں مشغول ہو یا مال کما کر خرچ کرے اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مال کمانے میں کئی آفات ہیں لیکن جو مال حلال طریقے سے حاصل ہوا سے روکنے کی بجائے خرچ کرنا ہر حال میں افضل ہے۔

اخلاص کی علامات

اگر تم کہو کہ عالم اور واعظ کو کس علامت کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ سچا اور مخلص ہے اور اس کے وعظ میں ریاکاری نہیں ہے تو جان لو کہ اس بات کی کئی علامات ہیں۔

پہلی علامت:

اگر کوئی دوسرا عالم ظاہر ہو جو اس سے اچھا وعظ کرتا ہے یا وہ اس سے بڑا عالم ہے اور لوگ اس کی بات کو بہت زیادہ قبول کرتے ہیں تو یہ اس پر خوش ہو اور حسد نہ کرے ہاں رشک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی اپنے لیے ایسے علم کی تمنا کر سکتا ہے۔

دوسری علامت:

جب اس کی مجلس میں اکابر موجود ہوں تو اس کے کلام میں تبدیلی نہ آئے بلکہ پہلے کی طرح رہے وہ تمام مخلوق کو ایک نگاہ سے دیکھے نیز وہ اس بات کی چاہت نہ رکھے کہ راستے میں لوگ اس کے پیچھے چلیں اور بازار میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہوں اس کے علاوہ بے شمار علامات ہیں جن کا احاطہ ناممکن ہے سعید بن ابو مروان سے مروی ہے کہتے ہیں میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مسجد کے ایک دروازے سے حجاج بن یوسف داخل ہوا اس کے ساتھ محافظ بھی تھے اور وہ زرد رنگ کی خچر پر سوار تھا وہ خچر پر سوار اندر آیا اور مسجد میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا اس نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حلقہ جیسا اجتماع نہ دیکھا تو اسی اجتماع کی طرف متوجہ ہو گیا جب قریب پہنچا تو سواری سے اتر کر آپ کی طرف

بڑھا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے جب اسے دیکھا تو تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی حضرت سعید کہتے ہیں میں نے بھی تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی حتی کہ میرے اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے درمیان تھوڑی سی جگہ حجاج کے بیٹھنے کے لیے بن گئی اور وہ آ کر ہمارے درمیان بیٹھ گیا حضرت حسن رحمہ اللہ جیسا کلام روزانہ کرتے تھے وہی کلام کرتے رہے آپ نے اپنی گفتگو منقطع نہیں فرمائی حضرت سعید کہتے ہیں میں نے دل میں کہا آج حضرت حسن کی آزمائش کروں گا اور دیکھوں گا کہ کیا آج آپ حجاج کی وجہ سے اپنے کلام میں اضافہ فرما کر اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے یا اس کی ہیبت سے آپ کے کلام میں کچھ کمی آ جائے گی لیکن آپ نے حسب معمول گفتگو فرمائی جب گفتگو مکمل ہوئی اور آپ فارغ ہو گئے اور آپ نے اس کی موجودگی کی کوئی پرواہ نہ کی حجاج نے اپنا ہاتھ اٹھا کر حضرت حسن رحمہ اللہ کے کاندھے پر مارا پھر کہا شیخ نے سچ فرمایا اور خوب کہا تم لوگوں پر لازم ہے کہ ایسی اور اس قسم کی مجالس میں بیٹھا کرو اور اس قسم کی گفتگو کو اپنا اخلاق اور عادت بناؤ کیونکہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَنَّ مَجَالِسَ الذِّکْرِ رِیَاضُ الْجَنَّۃِ۔ (۱) مجالسِ ذکر، جنت کے باغات ہیں۔

اگر ہم، لوگوں کے امور میں مصروف نہ ہوئے ہوتے تو ان مجالس میں تم سے زیادہ بیٹھتے کیوں کہ ہمیں ان مجالس کی فضیلت کا علم ہے۔ پھر حجاج نے گفتگو شروع کی اور ایسی گفتگو کی کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور تمام حاضرین اس کی بلاغت سے متعجب ہوئے فارغ ہونے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہو تھوڑی دیر کے بعد شام کا ایک آدمی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت حجاج جا چکا تھا اس نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندو! کیا تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ میں ایک بوڑھا شخص ہوں میں جہاد کرتا ہوں اور مجھے خیمے گھوڑے اور خچر کی ضرورت ہے مجھے تین سو درہم کا عطیہ ملا ہے اور میری سات بیٹیاں ہیں اس نے اپنی تنگدستی کی شکایت کی حتی کہ حضرت حسن بصری اور آپ کے اصحاب مجلس کو اس پر رحم آیا حضرت حسن سر جھکائے ہوئے تھے جب اس شخص کی گفتگو ختم ہوئی تو حضرت حسن رحمہ اللہ نے سر اٹھایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ ان امراء کو ہلاک کرے ان کو کیا ہوا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اپنے ملازم اور اس کے دیئے ہوئے مال کو اپنی دولت بنا لیا لوگوں سے درہم اور دینار پر لڑتے ہیں جب خود اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑتے ہیں تو خود بلند خیموں میں رہتے ہیں اور تیز سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اور جب اپنے کسی مسلمان بھائی کو جہاد کے لیے بھیجتے ہیں تو اسے بھوکا پیاسا اور پیدل بھیجتے ہیں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے سلاطین کے عیب بیان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اب وہ شامی آدمی جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا حجاج کے پاس چلا گیا اور آپ کی تمام گفتگو اسے سنا دی۔ تھوڑی دیر بعد حجاج کے پیغام رساں آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے امیر نے آپ کو طلب کیا ہے حضرت حسن بصریؒ

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۰ مرویات انس

اٹھ کھڑے ہوئے ہیں آپ کی سخت کلامی کے باعث ڈر محسوس ہوا لیکن تھوڑی دیر بعد ہی حضرت حسن رحمہ اللہ مسکراتے ہوئے واپس اپنی مجلس میں تشریف لے آئے اور میں نے آپ کو کھل کر ہنستے ہوئے بہت کم دیکھا ہے آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے آپ مجلس میں آکر تشریف فرما ہوئے اور امانت کی عظمت بیان فرمائی اور فرمایا تم امانت کے ساتھ بیٹھتے ہو کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ خیانت صرف درہم اور دینار میں ہی ہوتی ہے نہیں بلکہ سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ کوئی شخص ہمارے پاس بیٹھے اور ہم اس کی طرف سے مطمئن ہو جائیں پھر وہ چلا جائے اور آگ کے شعلے کے پاس ہمیں لے جائے میں حجاج کے پاس گیا تو اس نے کہا آپ اپنی زبان کو تاہ رکھیں آپ کا یہ کہنا کہ جب دشمن خدا خود لڑتا ہے تو یہ حالت ہوتی ہے اور جب اپنے بھائی کو جہاد کے لیے بھیجتا ہے تو یہ صورت ہوتی ہے تو مجھے ان باتوں کی پرواہ نہیں ہے آپ، لوگوں کو ہمارے خلاف برانگیختہ کرتے ہیں اس اعتبار سے ہم آپ کی نصیحت کو معمولی سمجھتے ہیں آپ اپنی زبان کو روکا کریں، حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے دور رکھا حضرت حسن رحمہ اللہ دراز گوش پر سوار ہو کر گھر تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کچھ لوگ آپ کے پیچھے آ رہے تھے آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا تمہیں کوئی کام ہے؟ یا کوئی بات پوچھنا چاہتے ہو؟ اگر ایسا نہیں ہے تو واپس چلے جاؤ اس صورت میں بندے کے دل میں کچھ باقی نہیں رہتا۔

تو ان علامات سے باطنی حالت کا پتہ چلتا ہے اور جب تم علماء کو دیکھو کہ وہ ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں اور جلتے ہیں ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے اور نہ ہی مدد کرتے ہیں تو جان لو کہ انہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کو خرید لیا ہے لہٰذا وہ نقصان اٹھانے والے ہیں یا اللہ! اپنے خاص لطف و کرم سے ہم پر رحم فرما اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے۔

دسویں فصل:

مخلوق کو دیکھنے سے بندے کو عبادت سے حاصل ہونے والی کونسی خوشی جائز اور کونسی ناجائز ہے

جان لو! آدمی کبھی ایسے لوگوں کے ساتھ کسی مقام پر رات گزارتا ہے جو سب کے سب تہجد کے لیے اٹھتے ہیں یا ان میں سے بعض کھڑے ہوتے ہیں اور پوری رات یا رات کا کچھ حصہ نماز پڑھتے ہیں اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جو گھر میں ہوں تو تھوڑی دیر جاگتے ہیں لیکن اب جب ان کو دیکھتا ہے تو ان کی موافقت سے شوق ابھرتا ہے حتیٰ کہ وہ عادت سے زیادہ قیام کرتا ہے یا وہ نماز پڑھتا ہے حالانکہ اسے رات کو نماز پڑھنے کی عادت بالکل نہیں ہے اسی طرح بعض اوقات ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں لوگ روزہ رکھتے ہیں تو اسے بھی روزہ رکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر وہ لوگ نہ ہوتے تو اسے یہ شوق نہ ہوتا تو اسی صورت کو بعض اوقات ریا سمجھا جاتا ہے اور اس صورت میں واجب یہی ہے کہ ان کی موافقت نہ کرے لیکن یہ حکم مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے۔ کیونکہ ہر مومن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت، رات کے قیام اور دن کے وقت روزہ

رکھنے کی رغبت ہوتی ہے لیکن بعض اوقات کچھ رکاوٹیں پیش آتی ہیں جن کی وجہ سے وہ ادا نہیں کر سکتا مصروفیت کی رکاوٹ ہوتی ہے، خواہشات کا غلبہ رکاوٹ بنتا ہے یا غفلت کا شکار رہتا ہے اور جب دوسروں کو دیکھتا زوالِ غفلت کا باعث بنتا ہے یا بعض مقامات پر یہ رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں تو اب اس کا شوق بڑھتا ہے۔

ایک آدمی گھر میں ہوتا ہے تو بعض اسباب، تہجد کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں مثلاً نرم بستر پر نیند، بیوی سے لطف اندوز ہونا گھر والوں سے گفتگو، اولاد کے ساتھ مشغولیت، جن کے ساتھ معاملات ہیں ان کے ساتھ حساب کتاب میں مصروف ہونا وغیرہ۔

لیکن جب کسی دوسری جگہ جاتا ہے تو اس سے یہ مشاغل علیحدہ ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے نیکی کی رغبت کمزور تھی اور اب ایسے اسباب حاصل ہو جاتے ہیں جو نیکی کا باعث بنتے ہیں جیسے دوسروں کو عبادت میں مشغول دیکھنا اور ان کی دنیا سے بے رغبتی ملاحظہ کرنا۔ ان کو دیکھ کر اسے رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس پر یہ بات گراں گزرتی ہے کہ عبادتِ خداوندی میں وہ لوگ اس سے سبقت کر جائیں تو اب دینی اعتبار سے حرکت پیدا ہوتی ہے ریاکاری کی وجہ سے نہیں۔

اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نئی جگہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے اسے نیند نہیں آتی اور نیند کے زوال کو غنیمت سمجھتا ہے جب کہ گھر میں اس پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چونکہ وہ گھر میں ہمیشہ رہتا ہے اور ہمیشہ تہجد پڑھنا نفس کو گوارہ نہیں ہوتا البتہ کبھی کبھی پڑھ سکتا ہے تو اب شوق کی فراوانی کی یہ وجہ ہو سکتی ہے علاوہ ازیں تمام رکاوٹیں بھی دور ہو چکی ہیں۔

اور بعض اوقات گھر میں روزہ رکھنا اسے مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اچھے اچھے کھانے موجود ہوتے ہیں لہذا ان سے صبر کرنا گراں گزرتا ہے لیکن جب وہ چیزیں نہیں ملتیں تو اب صبر کرنا مشکل نہیں ہوتا لہذا روزہ رکھنے کا باعث دینی ہوتا ہے کیوں کہ موجودہ خواہشات بھی ایسی رکاوٹیں ہیں جو دینی باعث پر غالب رہتی ہیں جب وہ ان سے محفوظ ہو جاتا ہے تو باعثِ دینی کو قوت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس قسم کے اسباب کا واقع ہونا ممکن ہے اور اس سلسلے میں عبادت کا جو سبب ہے وہ لوگوں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ ہونا ہے اس کے باوجود بعض اوقات شیطان عمل سے روکتا ہے اور کہتا ہے عمل نہ کرو اس طرح تم ریاکار ہو گے کیونکہ تم گھر میں یہ عبادت نہیں کرتے اور اپنی عادت کے مطابق عبادت پر اضافہ نہ کرو۔

بعض اوقات عبادت میں اضافہ کی رغبت کا سبب ان لوگوں کو دیکھنا اور ان کی طرف سے مذمت کا خوف ہوتا ہے نیز یہ ڈر کہ وہ اسے سست قرار دیں گے خصوصاً اس صورت میں جب کہ ان لوگوں کا خیال ہو کہ یہ شخص شب بیدار ہے تو اس کا دل نہیں چاہتا کہ ان کی نظروں سے گر جائے تو وہ اپنے مقام و مرتبہ کو محفوظ رکھنے کے لیے عبادت میں اضافہ کرتا ہے بعض اوقات ایسی صورت میں شیطان کہتا ہے نماز پڑھو تم تو مخلص ہو تم ان لوگوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی

رضا کے لیے نماز پڑھتے ہو تم مشاغل کی وجہ سے تمام راتوں میں نماز نہیں پڑھ سکتے اب تمہارا نماز پڑھنا ان رکاوٹوں کے خاتمے کی وجہ سے ہے ان لوگوں کے مطلع ہونے کی وجہ سے نہیں، تو یہ صورت ارباب بصیرت کے علاوہ لوگوں پر مشتبہ رہتی ہے لہٰذا جب یہ خیال ہو کہ اس اضافے کا محرک ریا ہے تو اب عادت سے زیادہ نماز نہ پڑھے بلکہ ایک رکعت کا اضافہ بھی نہ کرے کیوں کہ اب عبادتِ خداوندی پر لوگوں کی ستائش کا طالب ہونے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

اور اگر رکاوٹوں کے دور ہونے کی وجہ سے شوق بڑھا اور دوسروں کی عبادت کو دیکھ کر رشک پیدا ہوا تو اب ان کی موافقت کرے اور اس کی علامت یہ ہے کہ دل میں سوچے کہ اگر میں ان کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھتا کہ ان کی نظر مجھ پر نہ پڑتی مثلاً میں پردے کے پیچھے سے دیکھتا اور وہاں سے نہ ہلتا تو کیا اس صورت میں بھی مجھے یہ شوق ہوتا جب کہ وہ مجھے دیکھ نہیں رہے اگر یہ بات ہے اور اس طرح بھی اس کا دل عادت سے بڑھ کر نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ پڑھے کیونکہ اس کا باعث امرِ حق ہے لیکن ان سے غائب ہونے کی صورت میں نماز پڑھنا گراں گزرتا ہو تو چھوڑ دے کیونکہ اب اس کا باعث ریاکاری ہے۔

اسی طرح بعض اوقات انسان نمازِ جمعہ کے لیے جس شوق و ذوق سے جاتا ہے دوسرے دنوں میں اس طرح نہیں جاتا اور ممکن ہے کہ اس کا باعث تعریف کی چاہت ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسروں کے شوق کی وجہ سے اسے یہ شوق پیدا ہوا ہو اور چونکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ دیکھتا ہے تو اس سے اس کی غفلت زائل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اس صورت میں عبادت کا باعث دینی متحرک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تعریف کی محبت بھی نفس پر وارد ہوتی ہے۔

جب اسے یقین ہو کہ دل پر دین کا ارادہ غالب ہے تو تعریف کی چاہت کے باعث عبادت کو چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ اس کے لیے مناسب ہے کہ اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے دُور کرنے کی کوشش کرے۔ اور عبادت میں مشغول ہو۔

اسی طرح بعض اوقات دوسرے لوگوں کو روتا ہوا دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے اور اس میں ریا نہیں ہوتی اگر وہ اکیلا یہ کلام سنتا تو نہ روتا لیکن لوگوں کا رونا اس کے دل کو نرم کرنے میں اثر انداز ہوتا ہے اور بعض اوقات رونا نہیں آتا اور وہ بتکلف روتا ہے اس کا یہ عمل کبھی دکھاوے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی وہ اس میں سچا بھی ہوتا ہے کیونکہ جب وہ دوسروں کو روتا ہوا دیکھتا ہے اور اس کے آنسو نہیں نکلتے تو یہ بتکلف روتا ہے کیونکہ اسے اپنے دل کی سختی کا خوف ہوتا ہے اور یہ قابلِ تعریف بات ہے اور اس میں سچائی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنا جائزہ لے کہ اگر ان کا رونا سنتے ہوئے وہ اسے نہیں دیکھتے تو کیا اس وقت بھی وہ نفس کی سختی کے خوف سے رونے کی کوشش کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ان سے پوشیدہ ہونے کی صورت میں یہ کیفیت نہیں پاتا تو اس کا خوف اس وجہ سے ہوگا کہ لوگ کہیں گے یہ سخت دل ہے لہٰذا اب رونے کی کوشش نہ کرے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا لوگوں کو اپنا خوفِ خدا اس لیے نہ دکھا کہ وہ تیری عزت کریں حالانکہ تو دل سے بدکار ہو اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت یا ذکر کے وقت یا بعض دوسرے حالات میں چیخیں مارنا، آہ بھرنا اور رونا بعض اوقات حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور اس کا سبب غم، خوف، ندامت اور افسوس ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کا غم اور اپنی سنگدلی دیکھ کر تکلفاً آہیں بھرنا اور غم کا اظہار کرتا ہے اور یہ بھی اچھی بات ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ لوگ اس کو بہت زیادہ غم کھانے والا جانیں اگر محض یہی بات ہو تو یہ ریا ہے اور اگر اس کے ساتھ ساتھ غم اور دکھ بھی ہے تو دیکھا جائے اگر ریا کے سبب کو برا جانتا ہے اور قبول نہیں کرتا تو اب اس کا رونا یا رونے کی کوشش کرنا درست ہوگا اور اگر ریا کو قبول کرتا ہے اور اس کا قلبی جھکاؤ اس طرف ہے تو اس کا اجر ضائع اور کوشش بیکار ہو گئی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہوگا۔

اور بعض اوقات رونے کا سبب غم ہوتا ہے لیکن وہ آواز بلند کرتا ہے اور یوں اس کو بڑھاتا ہے تو یہ اضافہ ریا ہے اور اسی سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ محض ریا کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے اور بعض اوقات اس قدر خوف بڑھتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا لیکن ریا کا وسوسہ اس سے سبقت کرتا ہے اور وہ اسے قبول کر لیتا ہے اور اب وہ زیادہ غم کا اظہار کرتے ہوئے یا تو آواز کو بلند کرتا ہے یا آنسوؤں کو چہرے پر باقی رہنے دیتا ہے تاکہ دوسروں کو دکھائی دیں لیکن ان آنسوؤں کے اثر کو چہرے پر محض دکھاوے کے لیے باقی رکھتا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات ذکر سنتا ہے تو خوف کی وجہ سے اس کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں اور وہ گر جاتا ہے اور پھر اسے شرم محسوس ہوتی ہے کہ لوگ کہیں گے اس کی عقل بھی زائل نہیں ہوئی حالت میں شدت بھی نہیں آتی تو یہ کیسے گر گیا۔ تو اب وہ کانپنے لگتا ہے اور تکلف کے طور پر وجد کی کیفیت لاتا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ بے ہوش ہو کر گرا ہے حالانکہ ابتدا میں اس کا گرنا درست تھا۔ اور بعض اوقات عقل کام نہیں کرتی اور وہ گر جاتا ہے لیکن جلد ہی ٹھیک ہو جاتا ہے اب دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کہیں گے یہ ناپائیدار ہے اور یہ تو محض بجلی کے چمکنے کی مقدار ٹھہرا تو اب دیر تک تڑپتا اور رقص کرتا ہے تاکہ ظاہر کرے کہ اس کی حالت دیرپا ہے اسی طرح بعض اوقات ضعف کے بعد افاقہ ہو جاتا ہے لیکن اس کا ضعف جلد دور ہو جاتا ہے لیکن اسے ڈر ہوتا ہے کہ کہا جائے گا کہ اس کی بیہوشی صحیح نہ تھی ورنہ اس کا ضعف زیادہ دیر تک رہتا لہٰذا وہ ضعف کا اظہار اور رونا دیر تک باقی رکھتا ہے دوسرے آدمی کا سہارا لیتا ہے تاکہ یوں دکھائی دے کہ یہ کھڑا نہیں ہو سکتا اور چلنے میں لڑکھڑاتا ہے قدم قریب رکھتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ تیز چلنے میں کمزوری محسوس کرتا ہے۔

تو یہ تمام باتیں شیطان کے مکر اور نفس کے وسوسے ہیں جب اس قسم کا خطرہ پیدا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس بات کو یاد کرے کہ اگر لوگوں کو اس کے اندر کے نفاق کا علم ہو گیا اور وہ اس کے باطن پر مطلع ہو گئے تو بہت غصہ میں

ہوں گے اور اللہ تعالیٰ تو اس کے اندر کی باتوں کو جانتا ہے اور اس کی ناراضگی بہت سخت ہے جیسا کہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آپ کھڑے ہوئے تو کانپنے لگے آپ کے ساتھ ایک دوسرا شیخ بھی کھڑا ہوا جس میں تکلف کا اثر دکھائی دیتا تھا آپ نے فرمایا اے شیخ! وہ ذات جو تجھے کھڑا ہونے کی حالت میں دیکھتی ہے اسے تمہاری حالت کا علم ہے لہٰذا تکلف کیوں کرتے ہو چنانچہ وہ شیخ بیٹھ گئے۔

یہ تمام کام منافقین کے اعمال ہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے۔

تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ خُشُوْعِ النِّفَاقِ (۱) منافقت کے عجز سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

اور نفاق کا عجز، یہ ہے کہ اعضاء خشوع اور عاجزی کا اظہار کریں لیکن دل میں عجز نہ ہو۔

اسی سے ہے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنا اور اس کے عذاب اور غضب سے اس کی پناہ چاہنا۔ کیونکہ یہ بات بعض اوقات دل میں خوف پیدا ہوتے، گناہ یاد آنے اور اس پر ندامت سے ہوتی ہے اور کبھی دکھاوے کے طور پر ہوتی۔

تو دل میں آنے والے ہر وسوسے ایک دوسرے کے مخالف اور قریب قریب وارد ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں لہٰذا دل میں جو وسوسہ بھی پیدا ہو اس سے دل کی حفاظت کرو اور دیکھو کہ وہ کیا ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اپنا کام جاری رکھو لیکن اس کے باوجود اس بات سے ڈرتے رہو کہ رہا میں سے کوئی بات تم سے مخفی ہو کیونکہ وہ تو چیونٹی کے چلنے کی طرح ہے۔

نیز عبادت کے سلسلے میں بھی ڈرتے رہو کہ عمل قبول ہوئی ہے یا نہیں اور اس کا سبب اخلاص کا خوف ہے اور اس بات سے بھی ڈرتے رہو کہ اخلاص کے ساتھ عبادت کو شروع کرنے کے بعد اس بات کا تصور پیدا نہ ہو کہ لوگ میری تعریف کریں کیوں کہ یہ بات اکثر پائی جاتی ہے اگر ایسا خیال پیدا ہو تو اس بات پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر مطلع ہے اور اس صورت میں تمہیں اس کے غضب کا نشانہ بننا ہوگا۔ اور اس بات کو یاد کرو جو تین آدمیوں میں سے ایک نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جواب دیا تھا اس نے کہا اے ایوب علیہ السلام! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بندہ حسن ظاہری عمل سے دھوکہ دیتا ہے وہ چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے باطنی امر پر بدلہ دے گا۔

اور یہ بات بھی یاد رکھیے جو کسی نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ یا اللہ! میں اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہو کہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں حالانکہ تو مجھ سے ناراض ہو۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ یوں دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ

---

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۳۶۴ حدیث ۶۹۶۷

لوگوں کی نگاہوں میں میرا معاملہ اچھا ہو لیکن جب ان سے الگ ہوں تو میرا باطن تیرے لیے برا ہو لوگوں کے دکھانے کے لیے اپنے نفس کی حفاظت کروں لیکن جس بات پر صرف تو مطلع ہے اسے ضائع کر دوں لوگوں کے سامنے اپنے معاملے کو اچھا کروں اور تیری طرف نہایت برے عمل کے ساتھ جاؤں نیکیوں کے ذریعے لوگوں کا قرب حاصل کروں اور ان سے فرار اختیار کر کے تیری طرف گناہوں کے ساتھ آؤں اور یوں تیرے غضب اور عذاب کا مستحق بنوں اے تمام جہانوں کے پروردگار! مجھے اس بات سے بچالے۔

تین آدمی جو حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تھے ان میں سے ایک نے عرض کیا اے ایوب علیہ السلام! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جو لوگ اپنے ظاہر کی حفاظت کرتے اور باطن ضائع کرتے ہیں اور اس حالت میں اپنے رب سے حاجات کا سوال کرتے ہیں ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

ریا کی یہ آفات ہیں لہٰذا بندے کو دل کی خوب حفاظت کرنی چاہیے تاکہ ان پر مطلع ہو حدیث شریف میں ہے کہ ریا کے ستر دروازے ہیں (۱) اور تم نے جان لیا کہ ان میں بعض دروازے دوسرے بعض کے مقابلے میں نہایت پوشیدہ ہیں حتیٰ کہ وہ چیونٹی کے چلنے کے موافق ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہیں اور جو چیز چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہو اسے شدت تلاش اور حفاظت کے بغیر معلوم نہیں کیا جا سکتا اور بہت کوشش کے بعد بھی اس کا ملنا بڑی بات ہے تو جو شخص دل کی نگرانی نہیں کرتا نفس کو امتحان میں نہیں ڈالتا اور نہ ہی اس کے مکر و فریب کی تلاش کرتا ہے وہ اس کے ادراک کی امید کیسے کر سکتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے بھی کہ وہ اپنے لطف و کرم سے ہمیں محفوظ رکھے آمین۔

گیارھویں فصل:

عمل سے پہلے اور بعد مرید کے نفس کے لیے کیا بات لازمی ہے

مرید کے حق میں سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ اپنے تمام اوقات میں تمام عبادات میں صرف اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت کرے اور اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت وہی شخص کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور اسی ذات سے امید رکھتا ہے اور جو شخص غیر خدا سے ڈرے یا امید رکھے وہ اپنے اچھے احوال پر اس شخص کی اطلاع کی خواہش رکھتا ہے اگر یہ صورت ہو تو عقل اور ایمان کی جہت سے اس بات سے قلبی نفرت کرے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ڈر ہوتا ہے اور وہ عظیم نیز مشکل عبادات جو اس کے علاوہ کوئی دوسرا نہ کر سکتا ہو ان عبادات کے وقت نفس کی نگرانی کرے کیونکہ ہو سکتا ہے اس وقت نفس میں اس عبادت کو ظاہر کرنے کی حرص جوش مارے اور یوں کہے کہ اگر تیرے

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۰۴، کتاب الادب

اس عظیم عمل، بہت بڑے خوف اور بہت زیادہ رونے پر لوگوں کو اطلاع ہو جائے تو وہ سجدہ کرنے لگیں مخلوق میں کوئی دوسرا شخص ایسا کام نہیں کر سکتا ایسی صورت میں تو اپنے عمل کو چھپانے پر کیسے راضی ہو گیا اس طرح تو لوگوں کو تیرے مقام و مرتبہ کا علم نہیں ہو گا وہ تیری قدر و منزلت کا انکار کریں گے اور تیری اقتداء سے محروم رہ جائیں گے۔

تو ایسی صورت میں اسے ثابت قدم رہنا چاہیے اور اسے چاہیے کہ اپنے بڑے عمل کے مقابلے میں آخرت کی بہت بڑی ملکیت اور جنت کی نعمتوں کو یاد کرے نیز یہ کہ وہ نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں اور یہ بھی سوچے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ذریعے اس کے بندوں سے اجر کا طالب ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور یہ بھی جان لے کہ دوسروں کے سامنے عمل کو ظاہر کرنے کی صورت میں وہ اس کے نزدیک تو محبوب ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مقام گر جائے گا علاوہ ازیں بہت بڑا عمل ضائع ہو جائے گا اب نفس کو اس طرح سمجھائے کہ میں کس کس طرح اس عمل کو لوگوں کی تعریف کے بدلے بیچ دوں وہ تو خود عاجز ہیں نہ تو وہ مجھے رزق دے سکتے ہیں اور نہ ہی موت و حیات کے مالک ہیں — اس بات کو دل میں مضبوطی سے جما دے۔

مایوسی کا شکار ہو کر یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اخلاص پر تو صرف مضبوط لوگ ہی قادر ہو سکتے ہیں خلط ملط کرنے والوں کی یہ شان نہیں ہے اور اس طرح وہ اخلاص کی کوشش ترک کر دے کیوں کہ ایسا آدمی متقی شخص کے مقابلہ زیادہ محتاج ہوتا ہے اس لیے کہ اگر متقی شخص کے نوافل باطل بھی ہو جائیں تو اس کے فرائض مکمل طور پر باقی رہتے ہیں جب کہ غیر متقی شخص کے فرائض بھی نقصان سے محفوظ نہیں ہوتے ہے اور اسے نوافل کے ذریعے اس نقصان کو پورا کرنے کی ضرورت رہتی اور اگر اس کے نفل بھی محفوظ نہ ہوں تو وہ فرائض میں پکڑا جائے گا اور اس طرح ہلاک ہو گا لہٰذا غیر متقی شخص کو اخلاص کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔

يُحَاسَبُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِنْ نَقَصَ فَرْضُهُ قِيْلَ انْظُرُوْا هَلْ لَهٗ مِنْ تَطَوُّعٍ فَإِنْ كَانَ لَهٗ تَطَوُّعٌ اُكْمِلَ بِهٖ فَرْضُهٗ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ تَطَوُّعٌ اُخِذَ بِطَرَفَيْهِ فَاُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ (۱)

قیامت کے دن بندے کا حساب لیا جائے گا اگر اس کے فرائض میں کمی ہوئی تو کہا جائے گا دیکھو کیا اس کے پاس نوافل ہیں اگر اس نے نفلی عبادت بھی کی ہو گی تو اس کے ذریعے فرض عبادت کو مکمل کر دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نفلی عبادت نہیں ہو گی تو اسے دونوں طرفوں سے پکڑ کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۰۳ مرویات تمیم الداری۔

توجس کی عبادت خلط ملط ہوتی ہے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے فرائض ناقص ہوں گے اور اس پر بہت سے گناہوں کا بوجھ ہو گا تو اب اسے فرائض کا نقصان پورا کرنے اور گناہوں کے کفارہ کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب نوافل میں خلوص ہو۔

جہاں تک متقی شخص کا تعلق ہے تو اس کی کوشش درجات کے اضافہ کے لیے ہوتی ہے اگر اس کی نفلی عبادت ضائع بھی ہو جائے تو اس کی اس قدر نیکیاں باقی ہوں گی جو گناہوں پر غالب ہوں گی اور یوں وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

بنا بریں آدمی کو چاہیے کہ دل میں اس بات کے خوف کو لازم کر لے کہ اس کی عبادت غیر خدا کو دکھانے کے لیے نہ ہو تا کہ اس کے نوافل درست ہوں اور جب فارغ ہو جائے تو بھی دل میں اس بات کو جاگزیں کر لے حتیٰ کہ نہ اس عبادت کا اظہار کرے اور نہ ہی اسے بیان کرے اور جب یہ سب کچھ کر چکے تو اب اپنے عمل کے بارے میں ڈرتا رہے کیوں کہ بعض اوقات پوشیدہ ریا داخل ہو جاتا ہے جس کا پتہ نہیں چلتا پس اسے اس عبادت کی قبولیت اور عدم قبولیت میں شک ہوتا ہے یعنی وہ سوچے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خفیہ نیت کو شمار کیا ہو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور اس کے باعث عمل کو رد کر دیا ہو تو یہ خوف اور شک نیت کے وقت نہیں بلکہ اس کے بعد ہمیشہ رہنا چاہیے۔ ابتداء میں تو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ وہ مخلص ہے اور وہ اپنے عمل سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے تا کہ اس کا عمل صحیح ہو جب عمل شروع کرے تو ممکن ہے اس کے بعد کوئی لحظہ غفلت اور بھول میں گزرے تو اس بات کا خوف ہونا چاہیے کہ اس غفلت میں شاید ریا کاری یا خود پسندی کا کوئی خفیہ شائبہ پایا گیا ہو جس سے عمل ضائع ہو جائے۔

لیکن خوف کے مقابلے میں امید غالب ہونی چاہیے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی اور عبادت کی لذت زیادہ ہو گی تو اخلاص یقین کا نام ہے اور ریا شک ہے اور اس کا اس شک سے خوف اس بات کے لائق ہے کہ اگر غفلت میں ریا کا خیال پیدا ہو گیا ہو تو وہ اسے دور کر سکتا ہے۔

جو آدمی لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور ان کو علمی فائدہ پہنچانے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ صرف اس شخص کے دل کو خوش کر کے جس کی حاجت کو پورا کر رہا ہے، ثواب کی امید رکھے اور صرف اس وجہ سے ثواب کی امید رکھے کہ سیکھنے والا اس کے سکھائے ہوئے علم پر عمل کرے گا، یہ توقع نہ رکھے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے، اس کا بدلہ دے یا وہ اس کی تعریف کرے اس سے اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

جب وہ طالب علم سے خدمت گزاری یا راستے میں ساتھ چلنے کی توقع رکھے کہ ساتھ چلنے والے زیادہ ہوں یا اس سے کوئی اور کام لینے کا سوچے تو اس نے اپنا اجر لے لیا اب اس کے لیے اس کے سوا کوئی ثواب نہیں ہے۔

ہاں اگر وہ اس کو سکھانے سے صرف ثواب کا طالب ہو تاکہ اسے اتنا ہی اجر ملے لیکن شاگرد خود بخود خدمت کرے اور یہ اس خدمت کو قبول کرے تو ہمیں امید ہے کہ اس کا اجر ضائع نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو وہ اس کا منتظر رہتا ہے اور نہ ہی اس سے خدمت کا ارادہ کرتا ہے اور اگر وہ خدمت نہ کرے تو اسے بعید بھی نہیں جانتا اس کے باوجود پہلے علماء طلباء سے خدمت لینے سے بچتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے ایک کنویں میں گر گئے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے ان کو نکالنے کے لیے رسی ڈالی تو انہوں نے قسم دی کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی ایسا شخص کھڑا نہ ہو جس نے ان سے قرآن پاک کی کوئی ایک آیت پڑھی ہو یا کوئی حدیث سنی ہو انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں ان کا عمل ضائع نہ ہو جائے۔

حضرت شفیق بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کو ایک کپڑا بطور تحفہ دیا تو انہوں نے مجھے واپس کر دیا میں نے عرض کیا اے ابو عبداللہ! میں آپ سے حدیث پڑھنے والوں میں سے نہیں ہوں کہ آپ واپس کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا مجھے معلوم ہے لیکن آپ کے بھائی نے تو مجھ سے حدیث شریف سنی ہے تو مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں میرا دل تمہارے بھائی کے لیے دوسروں کی نسبت زیادہ نرم نہ ہو جائے۔

• ایک شخص حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس ایک یا دو تھیلیاں لے کر آیا اور اس کا والد آپ کا دوست تھا اور آپ اکثر اس کے پاس جایا کرتے تھے اس نے کہا اے ابو عبداللہ! آپ کے دل میں میرے والد کی طرف سے کوئی بات ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے باپ پر رحم فرمائے وہ ایسا تھا ایسا تھا انہوں نے اس کی تعریف فرمائی اس نے عرض کیا اے ابو عبداللہ! آپ کو معلوم ہے کہ یہ مال میرے پاس کیسے آیا میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ مال لے لیں اور اسے اپنے اہل و عیال پر خرچ کریں حضرت سفیان رحمہ اللہ سے وہ رقم قبول فرمائی راوی کہتے ہیں جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا اے مبارک! جاؤ اور اسے میری طرف بلا لاؤ وہ واپس آیا تو آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا مال لے جاؤ اس نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نہ مانے گویا اس کے باپ کے ساتھ آپ کی دوستی اللہ تعالیٰ کے لیے تھی اس لیے آپ نے اس سے کچھ لینا پسند نہ فرمایا۔

آپ کے صاحبزادہ حضرت مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب وہ شخص چلا گیا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ نے یہ چند پتھر کیوں واپس کر دیتے کیا آپ کے اہل و عیال نہیں ہیں؟ کیا آپ کو مجھ پر بھی رحم نہیں آتا آپ اپنے بھائیوں پر بھی رحم نہیں فرماتے ہمارے اہل و عیال پر بھی آپ کو رحم نہیں آتا؟ میں نے بہت باتیں کہیں۔

آپ نے فرمایا اے مبارک! تم تو نہایت اچھے اور خوشگوار طریقے پر کھاؤ گے لیکن سوال مجھ سے ہوگا۔

• تو عالم کو چاہیے کہ لوگوں کو ہدایت دینے کا اجر صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اور اسی بات پر اپنے دل کو جمائے رکھے اور طالب علم پر بھی لازم ہے کہ اپنے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثواب کی طلب کا خیال رکھے اللہ تعالیٰ

کے ہاں مقام و مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے استاذ یا مخلوق کے ہاں قدر و منزلت کے حصول کی تمنا نہ کرے۔
بعض اوقات شاگرد یہ خیال کرتا ہے کہ وہ عبادت خداوندی کو ظاہر کر کے استاذ کے ہاں رتبہ پائے اور اس سے علم حاصل کرے تو یہ سوچ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کے غیر کا ارادہ کرنا فوری نقصان کا باعث ہے اور علم کا فائدہ کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا (یعنی وہ مشکوک ہے) تو علم کے وہمی فائدے کے عوض نقد نقصان کیسے اٹھائے گا یہ تو ناجائز بات ہے بلکہ اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سیکھے، اسی کی عبادت کرے اس لیے نہیں کہ استاذ کے ہاں مقام و مرتبہ حاصل ہو اگر وہ حصول علم کو عبادت بنانا چاہتا ہے (تو یہ طریقہ اختیار کرے) کیوں کہ بندوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی عبادت کے ذریعے کسی دوسرے کو رضا جوئی کریں۔
اسی طرح جو آدمی ماں باپ کی خدمت کرتا ہے تو وہ اس لیے خدمت نہ کرے کہ ان کے ہاں مقام و مرتبہ حاصل کرے بلکہ اس لیے ان کی خدمت کرے کہ ان کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ اس لیے عبادت کو ظاہر کرنا بھی جائز نہیں کہ اس کے ذریعے ماں باپ کے ہاں مقام حاصل ہو کیونکہ یہ فوری گناہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ریا کو ظاہر کر کے ماں باپ کے دل سے اس کے مقام کو زائل کر دے۔
وہ زاہد جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے دل میں ذکر خداوندی کو لازم کرے اور اس کے علم پر قناعت کرے اس کے دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ لوگوں کو اس کی معرفت کا علم ہو اور وہ اس کے مقام کو بہت بڑا سمجھیں اور وہ نہیں جانتا کہ یہی وہ بات ہے جس کے باعث وہ عمل کو معمولی سمجھتا ہے۔
حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک راہب سے معرفت سیکھی ہے اس کا نام سمعان تھا۔ میں اس کے عبادت خانہ میں داخل ہوا تو میں نے کہا اے سمعان! تم کب سے اس عبادت خانہ میں ہو؟ اس نے کہا ستر سال سے یہاں ہوں میں نے پوچھا تمہارا کھانا کیا ہے؟ اس نے کہا اے موحد! اس سے تمہاری کیا غرض وابستہ ہے؟ میں نے کہا میں تو صرف معلوم کرنا چاہتا ہوں اس نے کہا ہر رات چنے کا ایک دانہ، میں نے پوچھا تمہارے دل میں کیا بات رہتی ہے کہ تمہیں ایک دانہ کافی ہوتا ہے؟ اس نے کہا یہ عبادت خانہ جو تمہارے سامنے ہے اس کو دیکھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں دیکھتا ہوں۔ اس نے کہا یہ لوگ سال میں ایک بار میرے پاس آتے ہیں اور اس عبادت خانہ کو آراستہ کرتے ہیں اس کے گرد طواف کرتے اور میری تعظیم کرتے ہیں جب عبادت کرتے ہوئے بوجھ محسوس کرتا ہوں تو اس ایک گھڑی کی عزت یاد کر لیتا ہوں تو میں اس ایک ساعت کی عزت کے لیے سال بھر کی مشقت برداشت کرتا ہوں تو اے موحد ہمیشہ کی عزت کے لیے ایک ساعت کی مشقت برداشت کر۔ تو اس بات سے میرے دل میں معرفت خداوندی کی وقعت پیدا ہو گئی اس نے کہا کافی ہے یا مزید بتاؤں؟ میں نے کہا مزید بتائیے اس نے کہا اس عبادت خانے سے نیچے اتر و میں نیچے اتر گیا، اس نے ایک پڑیا میری طرف لٹکائی جس میں بیس دانے چنے تھے اس نے کہا عبادت خانے میں چلے جاؤ لوگوں نے وہ چیز دیکھ

لی جو میں نے تمہاری طرف لٹکائی ہے جب میں عبادت خانہ میں داخل ہوا ہو تمام نصاریٰ میرے قریب جمع ہو گئے اور کہنے لگے اے موحد! شیخ نے کیا چیز تمہاری طرف لٹکائی تھی؟ میں نے کہا اپنی غذا دی ہے انہوں نے کہا تم اسے کیا کرو گے؟ حالانکہ ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں پھر کہنے لگے اس کی قیمت بتاؤ میں نے کہا بیس درہم انہوں نے مجھے بیس درہم دے دیئے میں شیخ کے پاس گیا تو اس نے کہا اے موحد! تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے وہ چنے ان لوگوں پر بیچ دیئے میں اس سے پوچھا کتنی قیمت پر بیچے ہیں؟ میں نے کہا بیس درہم کے بدلے میں، اس نے کہا تم نے غلطی کی ہے اگر تم ان کی قیمت بیس ہزار دینار بتاتے تو وہ تمہیں دے دیتے ــــــ تو یہ اس شخص کی عزت ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا تو دیکھو جو اس کی عبادت کرتا ہے اس کی عزت کس قدر ہوگی اے موحد! اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جا آنے جانے کا سلسلہ ترک کر دے مقصود یہ ہے کہ نفس کو جب لوگوں کے دلوں میں اپنی عزت کی عظمت معلوم ہوتی ہے تو تنہائی میں بھی مجاہدہ کا سبب بنتی ہے اور بندے کو اس بات کا شعور نہیں ہوتا لہٰذا اسے چاہیے کہ اس سے بچتا رہے اس کے لیے سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کے نزدیک آدمی اور جانور ایک جیسے ہوں اگر اس کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ بدل جائے تو وہ پریشان نہ ہو اور نہ ہی وہ دل میں تنگی محسوس کرے البتہ تھوڑی بہت کراہت آسکتی ہے لیکن اسے اپنی عقل اور ایمان کے ذریعے دُور کرے۔

اگر کوئی شخص عبادت کرے اور اس پر تمام لوگ مطلع ہو جائیں تو اس سے اس کے خشوع میں کچھ اضافہ نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کے مطلع ہونے سے دل میں سرور جاگزیں ہوگا اور اگر تھوڑا بہت سرور ہو بھی تو وہ اس کی کمزوری کی دلیل ہے لیکن جب عقل اور ایمان کے ذریعے اسے ناپسند کرتے ہوئے اسے رد کرنے پر قادر ہو اور اس کام کی جلدی کرے اور اس سرور کو یوں نہ ماننے کہ اس کی طرف جھک جائے تو امید ہے کہ اس کی کوشش ناکام نہیں ہوگی۔

اور اگر لوگوں کے دیکھتے وقت خشوع اور گھٹن کا زیادہ اظہار کرے تاکہ لوگ اس کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں دھوکہ ہوتا ہے کیوں کہ نفس کی پوشیدہ خواہش بعض اوقات اظہار خشوع کی خاطر ہوتی ہے لیکن وہ یوں بہانہ کرتا ہے کہ مجھے لوگوں کے ساتھ اختلاط منظور نہیں اپنے اس دعویٰ کی آزمائش وہ اس طرح کرے کہ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے دوڑ کر چلنے، زیادہ ہنسنے یا زیادہ کھانے سے لوگ اس سے دُور دور رہتے ہیں تو یہ کام کرے اور اگر اس کام کے ذریعے نہیں بلکہ عبادت کے دکھاوے کی صورت میں یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگوں کے ہاں مقام و مرتبہ حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔

اس خیال سے وہی شخص نجات حاصل کر سکتا ہے جس کے دل میں یہ بات مضبوطی سے جاگزیں ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں اب وہ اس انداز پر عمل کرے کہ اگر دنیا میں صرف وہی ہوتا دوسرا کوئی نہ ہوتا تو اس وقت وہ جس طریقے پر عمل کرتا (مطلب یہ کہ اس وقت دکھاوا نہ ہوتا) لہٰذا مخلوق کی طرف توجہ نہیں ہونی چاہیے البتہ کمزور قسم کے

وسوسوں میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان کا ازالہ مشکل نہیں ہے۔

جب یہ صورت حال ہوگی تو لوگوں کے دیکھنے سے عبادت میں فرق نہیں پڑے گا اور اس سلسلے میں اس کے سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کے دو ساتھی ہوں ایک مالدار اور دوسرا فقیر ہو تو مالدار کے آنے سے دل میں زیادہ عزت کا احساس نہ ہو ہاں مالدار آدمی کے پاس زیادہ علم ہو یا وہ متقی ہو اب وہ اس وصف کے باعث زیادہ معزز ہوگا۔ مالداری کی وجہ سے نہیں۔ لیکن جو شخص مالدار لوگوں کو دیکھ کر زیادہ راحت پاتا ہے وہ ریاکار اور لالچی ہے ورنہ فقراء کو دیکھ کر آخرت کی رغبت زیادہ ہوتی ہے اور دل میں محتاجی سے محبت پیدا ہوتی ہے جب کہ مالدار لوگوں کو دیکھنے سے اس کے برعکس نتیجہ نکلتا ہے تو فقیر کے مقابلے میں مالدار کو دیکھنے سے کیسے زیادہ راحت ملے گی۔ منقول ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ کی مجلس میں مالدار لوگوں کو جس قدر ذلیل دیکھا گیا اس قدر کسی دوسری مجلس میں نہیں دیکھا گیا آپ ان کو پچھلی صف میں اور فقراء کو اگلی صف میں بٹھاتے تھے حتیٰ کہ وہ تمنا کرتے کہ وہ آپ کی مجلس میں فقیر کی حیثیت میں ہوتے۔

ہاں تم مالدار آدمی کی عزت اس صورت میں زیادہ کر سکتے ہو جب وہ تمہارے زیادہ قریب ہو یا تمہارے اور اس کے درمیان پہلے سے دوستی اور تعلق ہو لیکن اس کی حالت یہ ہونی چاہیے کہ اگر یہی تعلق فقیر کے ساتھ بھی ہو تو تم عزت و توقیر کے حوالے سے اس مالدار آدمی کو اس فقیر سے آگے نہ کرو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں امیر کی نسبت فقیر کو زیادہ عزت حاصل ہے۔ اب تمہارا اسے ترجیح دینا محض اس لیے ہوگا کہ تم اس سے لالچ رکھتے ہو اور دکھاوا کر رہے ہو پھر جب تم ان دونوں کی نشست میں برابری رکھو گے تو اس بات کا ڈر ہے کہ فقیر کی نسبت اس امیر کے لیے حکمت اور خشوع کا اظہار زیادہ کرو اور یہ پوشیدہ ریا یا پوشیدہ لالچ ہے جیسا کہ ابن سماک نے اپنی لونڈی سے فرمایا تمہیں معلوم کیا وجہ ہے کہ جب میں بغداد میں آتا ہوں تو مجھ پر حکمت کے دروازے کھل جاتے ہیں (یعنی حکمت بھری باتیں کہتا ہوں) اس نے جواب دیا کہ لالچ سے آپ کی زبان تیز ہو جاتی ہے۔ اور اس نے سچ کہا ہے کیونکہ مال دار آدمی کے پاس زبان جس انداز میں کھلتی ہے فقیر کے پاس نہیں کھلتی۔ اسی طرح فقیر کے مقابلے میں امیر کی موجودگی میں خشوع بھی زیادہ ہوتا ہے۔

غرضیکہ اس فن میں شیطان کے خفیہ مکر و فریب بے شمار ہیں اور ان سے نجات کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ اپنے دل سے غیر خدا کو نکال دو۔ اور زندگی بھر نفس پر شفیق رہو اور ان خواہشات کے باعث جہنم میں نے پرواہی نہ ہو جو جلد جلد بدلتی ہیں اور دنیا میں اس بادشاہ کی طرح رہو جسے خواہشات نے گھیر رکھا ہو اور اس کے پاس ہر قسم کی لذت کا سامان موجود ہو لیکن اس کے جسم میں ایسی بیماری ہو جس سے اسے ہر وقت ہلاک ہونے کا خطرہ رہتا ہو اگر وہ شہوات کی تکمیل کرتا ہو۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ اگر وہ پرہیز کرے اور شہوات کے خلاف مجاہدہ کرے تو اس کی زندگی بچ جائے گی اور اس کی بادشاہی بھی ہمیشہ رہے گی۔

جب اسے یہ بات معلوم ہو جائے تو وہ ڈاکٹروں کے پاس بیٹھتا ہے اور دوا سازوں کی مجلس اختیار کرتا ہے

نیز وہ اپنے نفس کو کڑوی دوائی پینے کا عادی بناتا ہے اور اس کی ناپسندیدگی پر صبر کرتا ہے اور یوں وہ تمام لذتوں کو چھوڑ کر ان سے علیحدگی پر صبر کرتا ہے اور کم کھانے کی وجہ سے اس کا بدن دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے لیکن شدتِ پرہیز کی وجہ سے اس کی بیماری ہر روز کمی کی طرف بڑھتی ہے جب اس کا نفس کسی خواہش کے سلسلے میں اس سے جھگڑتا ہے تو تمام درد اور تکالیف جو مسلسل آتی ہیں اور وہ اس کے اور اس کی مملکت کے درمیان جدائی کا باعث بنتی ہیں، فوراً ذہن میں آجاتی ہیں اور وہ سوچتا ہے کہ یہ تو دشمن کی خوشی کا سبب ہے اور جب دوائی کا پینا مشکل معلوم ہوتا ہے تو وہ اس شفاء کو دیکھتا ہے جو اس دوائی کے پینے سے حاصل ہوتی ہے اور اس شفاء کے حاصل ہونے کی صورت وہ اپنی بادشاہی اور اس کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرے گا زندگی خوشگوار ہوگی، بدن صحت مند اور دل فارغ البال ہوگا اور یوں وہ حکم نافذ کر سکے گا اس سوچ کے ساتھ اس کے لیے لذتوں کو چھوڑنا اور ناپسندیدہ باتوں پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہر وہ مومن جو آخرت کا ارادہ کرتا ہے وہ ہر اس عمل سے بچتا ہے جو آخرت کی ہلاکت کا باعث ہو اور وہ دنیا کی لذتیں اور تروتازگی ہے وہ اس میں سے تھوڑے پر گزارہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے باعث ہلاک ہونے کا ڈر سے کمزوری، وحشت، پریشانی اور خوف وغم نیز مخلوق سے اُنس کو چھوڑنے جیسی باتیں اختیار کرتا ہے وہ عذاب خداوندی سے نجات کی امید رکھتا ہے اور جب اسے اپنے انجام کا پورا یقین ہو جاتا ہے تو یہ تمام کام اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں علاوہ ازیں رضائے الٰہی کی صورت میں دائمی نعمتوں کا حصول بھی اس کے پیش نظر ہوتا ہے۔

پھر اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس کے جو بندے اس کی رضا چاہتے ہیں وہ ہمیشہ ان کی مدد کرتا ہے اور ان پر مہربان ہے اگر وہ چاہتا تو ان کو مشقت سے بے نیاز کر دیتا لیکن وہ ان کو آزمانے اور ان کے صدقِ ارادہ کی پہچان کا ارادہ فرماتا ہے یہ اس کی حکمت اور عدل ہے۔

پھر جب وہ ابتدا میں مشقت اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ فرما کر اس کو مدد اور آسانی عطا فرماتا ہے، اس سستی دور کر دیتا ہے اور اس پر صبر کرنا آسان کر دیتا ہے اور اسے اپنی مناجات اور عبادت کی وجہ لذت عطا فرماتا ہے جس سے وہ تمام لذتوں کو بھول جاتا ہے خواہشات کو مٹانے کی قوت عطا کرتا ہے بلکہ ان کو مٹاتا ہے اور اس کی مدد فرماتا ہے کیونکہ کریم امید رکھنے والے کی کوشش کو ضائع نہیں کرتا اور محبت کرنے والے کی امیدوں کو نامراد نہیں کرتا اسی ذات کریم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایک بالشت میری طرف بڑھے میری رحمت ایک گز اس کے قریب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نیک لوگوں کا مجھ سے ملاقات کا شوق طویل ہو گیا اور مجھے ان کی ملاقات کا شوق اس سے بھی زیادہ ہے۔

تو بندے کو چاہیے کہ اپنی کوشش، صدق اور اخلاص کا اظہار کرتے ہوئے آغاز کرے پھر عنقریب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ دیکھے گا جو اس کے شایانِ شان ہے اور وہ اس کا جود و کرم اور رأفت و رحمت ہے۔

الحمد للہ! جاہ و ریا کا بیان مکمل ہوا۔

۹۔ تکبّر اور خود پسندی کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو خالق ہے، پیدا کرنے والا شکلیں بنانے والا، غالب، بڑائی والا اور ایسا بلند ہے کہ کوئی اسے نیچا نہیں دکھا سکتا، وہ جبار ہے اور ہر سرکش اس کے سامنے ذلیل و رسوا ہے ہر متکبر اس کی بارگاہ عالی شان میں مسکین اور عاجز ہے وہ ایسے دبدبے والا ہے کہ کوئی بھی اسے اس کی مراد کو پورا کرنے سے روک نہیں سکتا وہ بلا شرکت غیرے، غنی ہے وہ قادر ہے اور مخلوق کی آنکھوں پر اس کا جلال و جمال غالب ہے اس کے استواء، بلندی اور ولایت نے عرش مجید کی گردن کو جھکا دیا اس کی حمد و ثناء سے انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانیں بھی عاجز ہیں وہ اس کا شمار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس کے جلال کی حقیقت کا وصف بیان کرنے سے اس کے فرشتوں اور انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی عجز کا اعتراف کیا ہے اس کے غلبے اور بلندی نے ایرانی بادشاہوں کی پیٹھیں توڑ کر رکھ دی ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے رومی بادشاہوں کے ہاتھ بھی رک گئے ہیں عظمت و کبریائی اس کا لباس ہے اور جو شخص اس لباس کے لیے اس سے جھگڑا کرتا ہے وہ اسے توڑ کر رکھ دیتا ہے اور اب موت کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں اللہ تعالیٰ کی شان بلند اور اس کے اسماء گرامی ہر قسم کے عیب سے پاک ہیں۔

اور رحمت کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو جن پر ایسا نور نازل ہوا جس کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے اور آپ کے آل و اصحاب پر بھی رحمت ہو جو اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب ہیں اور اس کے منتخب بندے ہیں اور بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ——— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي فِيهِمَا قَصَمْتُهُ۔ (۱)

بڑائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے پس جو شخص ان دونوں کے لیے مجھ سے جھگڑا کرے میں اسے توڑ کر رکھ دوں گا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱)

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ۔ (۱)

تین باتیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں لالچ جس کی اطاعت کی جائے خواہش جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کا اپنی ذات کو پسند کرنا۔ (تکبر کرنا)

تکبر اور خود پسندی دو مہلک بیماریاں ہیں اور تکبر کرنے والا اور خود پسندی کا شکار آدمی دونوں بیمار ہیں اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور اس کے غضب کا شکار ہیں۔

جب کتاب (احیاء العلوم) کے اس حصے میں ہلاک کرنے والے امور کا ذکر ہو رہا ہے تو ضروری ہوا کہ تکبر اور خود پسندی کی وضاحت بھی کی جائے کیونکہ یہ بہت زیادہ ہلاک کرنے والے ہیں چنانچہ ہم ایک حصے میں تکبر کا اور دوسرے حصہ میں خود پسندی کا ذکر کریں گے۔

پہلا حصہ:

تکبّر کے بیان میں

اس حصے میں درج ذیل باتوں کا بیان ہوگا۔

(۱) تکبّر کی مذمت۔
(۲) اترا کر چلنے کی مذمت۔
(۳) تواضع کی فضیلت
(۴) تکبر کی حقیقت اور اس کی آفت
(۵) کس کے مقابلے میں تکبر کیا جا سکتا ہے۔
(۶) تکبر کے درجات
(۷) تکبر کس بات میں ہوتا ہے۔
(۸) تکبر کا باعث کیا ہوتا ہے۔
(۹) تواضع کرنے والوں کے اخلاق اور تکبر کا ظہور کہاں ہوتا ہے۔
(۱۰) تکبر کا علاج
(۱۱) تکبر کے سلسلے میں نفس کا امتحان۔
(۱۲) قابل تعریف تواضع اور مذموم تواضع

پہلی فصل :

تکبّر کی مذمّت

آیات و احادیث :

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر تکبر کی مذمت فرمائی اور ہر سرکش متکبر کی مذمت کی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ (۱)

میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے پھرتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

کَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ (۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر سرکش دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ۔ (۳)

بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ۔ (۴)

اور رسولوں نے حق کی فتح کے لیے اللہ کی رجوع قبول ہوئی اور نامراد ہو گیا ہر سرکش منکرِ حق۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا کَبِیْرًا۔ (۵)

اور وہ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۴۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ غافر آیت ۳۵

(۳) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۲۳

(۴) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۱۵

(۵) قرآن مجید سورۂ فرقان آیت ۲۱

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔ (۱)

بے شک وہ لوگ جو ہماری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ہم ان کو جہنم میں داخل کریں گے اس حال میں کہ وہ ذلیل ورسوا ہوں گے۔

قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر تکبر کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ کِبْرٍ وَلَا یَدْخُلُ النَّارَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ۔ (۲)

جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَۃُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِّنْھُمَا اَلْقَیْتُہٗ فِیْ جَھَنَّمَ وَلَا اُبَالِیْ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے بڑائی میری چادر اور عظمت میرا تہبند ہے (یعنی یہ دونوں وصف میرے شایان شان ہیں) پس جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی مجھ سے جھگڑے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں صفا پر حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کی ملاقات ہوئی کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ چلے گئے لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں کھڑے روتے رہے حاضرین نے عرض کیا اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اس شخص یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ خَرْدَلٍ مِّنْ کِبْرٍ اَکَبَّہُ اللّٰہُ فِی النَّارِ عَلٰی

جس شخص کے دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا اللہ تعالیٰ اسے اوندھا کر کے جہنم میں

---

(۱) قرآن مجید غافر آیت ۶۰

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۶۵ کتاب الایمان

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۱۴ مرویات ابوہریرہ

وَجْھِہٖ۔ (۱) ڈالے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَذْھَبُ بِنَفْسِہٖ حَتّٰی یُکْتَبَ فِی الْجَبَّارِیْنَ فَیُصِیْبُہٗ مَا اَصَابَھُمْ مِنَ الْعَذَابِ۔ (۲)

آدمی اپنے نفس کو اونچا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے جباروں (سرکش) لوگوں میں لکھ دیا جاتا ہے پھر اسے وہی عذاب پہنچتا ہے جو اُن کو پہنچتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک دن پرندوں، انسانوں، جنوں اور حیوانات سے فرمایا نکلو" پس آپ دو لاکھ انسانوں اور دو لاکھ جنوں میں نکلے آپ کو اٹھایا گیا حتیٰ کہ آپ نے آسمانوں میں فرشتوں کی تسبیح کی آواز سنی پھر نیچے لایا گیا حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک سمندر کو چھونے لگے آپ نے ایک آواز سنی کہ اگر تمہارا آقا (حضرت سلیمان علیہ السلام) کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوتا تو اسے جس قدر بلند کیا گیا ہے اس سے بھی زیادہ نیچے دھنسایا جاتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں سے ایک گردن نکلے گی جس کے دو کان ہوں گے جو سنیں گے دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھیں گی اور ایک زبان ہوگی جو بولے گی وہ کہے گی مجھے تین قسم کے لوگوں پر مقرر کیا گیا ہے ہر سرکش جبار پر، ہر اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی پوجا پاٹ کرتا ہے اور تصویریں بنانے والوں پر۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بَخِیْلٌ وَلَا جَبَّارٌ وَلَا سَیِّئُ الْمَلَکَۃِ۔ (۴)

کوئی بخیل، سرکش (متکبر) اور بد اخلاق (پہلے مرحلے میں) جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جنت اور دوزخ کا باہم جھگڑا ہوا تو دوزخ نے کہا مجھے تکبر کرنے والوں اور سرکش لوگوں کے ذریعے ترجیح دی گئی ہے اور جنت نے کہا مجھے کیا ہے کہ مجھے کمزور، افتادہ اور عاجز لوگ ملیں گے تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا اپنی رحمت سے نواز دوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے میں جس کو چاہوں گا تیرے ذریعے عذاب میں مبتلا کروں گا۔ اور تم دونوں کو لوگوں سے بھر دوں گا۔ (۵)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد اوّل ص ۹۸ کتاب الایمان

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۷۱ کتاب الادب

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۶۴ کتاب الادب

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴ مرویات ابوبکر

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۱۹ کتاب التفسیر

بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاعْتَدَیٰ وَ نَسِیَ الْجَبَّارَ الْاَعْلٰی بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاخْتَالَ وَنَسِیَ الْکَبِیْرَ الْمُتَعَالَ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ غَفَلَ وَسَهَا وَنَسِیَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰی بِئْسَ عَبْدٌ عَتَا وَبَغٰی وَ نَسِیَ الْمُبْدَاَ وَالْمُنْتَهٰی۔

(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بندہ برا بندہ ہے جو تکبر کرتا اور حد سے بڑھتا ہے اور سب سے بڑے جبار کو بھول جاتا ہے وہ بندہ بُرا بندہ ہے جو تکبر کرتا اور اکڑ کر چلتا ہے اور سب سے بڑی اور بلند ذات کو بُھول جاتا ہے وہ بندہ برا ہے جو غافل رہتا ہے اور بھول جاتا ہے وہ قبرستان اور گل سڑ جانے کو بھول جاتا ہے اور وہ بندہ بھی بُرا ہے جو سرکشی کرتا ہے اور حد سے بڑھ جاتا ہے نیز وہ اپنی ابتدا اور انتہا کو بھی بُھلا بیٹھتا ہے۔"

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص کتنا بڑا متکبر ہے آپ نے فرمایا کیا اس کے پیچھے موت نہیں ہے (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"حضرت نوح علیہ السلام کا جب وقتِ وصال ہوا تو آپ نے اپنے دو بیٹوں کو بلا کر فرمایا میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے روکتا ہوں میں تمہیں شرک اور تکبر سے روکتا ہوں اور "لا الہ الا اللہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا حکم دیتا ہوں (بے شک تمام آسمان تمام زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے اگر ان کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور "لا الہ الا اللہ" کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یہ ان دونوں سے وزنی ہو گا۔ اور اگر تمام آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے ایک حلقہ ہو اور "لا الہ الا اللہ" کو اس پر رکھا جائے تو وہ اس حلقے کو توڑ دے گا اور میں تمہیں "سبحان اللہ وبحمدہ" پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے وسیلہ سے ہر چیز کو رزق ملتا ہے۔ (۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا علم دیا پھر وہ سرکش (متکبر) ہو کر نہیں مرا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَهْلُ النَّارِ کُلُّ جَعْظَرِیٍّ جَوَّاظٍ مُّسْتَکْبِرٍ

وہ تمام لوگ دوزخی ہیں جو سخت مزاج، متکبر، خوب جمع

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۵۱۲ کتاب البیوع

(۲) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۹۲ حدیث ۸۲۰۹

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۷۰ مرویات ابن عمرو

جَمَّاعٍ مَنَّاعٍ وَاَهْلُ الْجَنَّةِ الضُّعَفَاءُ الْمُقِلُّوْنَ - (۱)

کرنے والے اور خرچ نہ کرنے والے ہیں اور جنتی لوگ کمزور اور کم مال والے لوگ ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَيْنَا وَاَقْرَبَكُمْ مِنَّا فِى الْآخِرَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَيْنَا وَاَبْعَدَكُمْ مِنَّا الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ الْمُتَفَيْهِقُوْنَ - (۲)

قیامت کے دن تم میں سے وہ لوگ ہمیں زیادہ محبوب اور ہمارے زیادہ قریب ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں اور وہ لوگ ہمیں زیادہ ناپسند ہوں گے اور وہ ہم میں سے زیادہ دور بھی ہوں گے جو فضول گفتگو کرنے والے اور فصاحت کا اظہار کرنے کے لیے منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرنے اور تکبر کرنے والے ہیں۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم " ثرثارون اور متشدقون" کو ہم جانتے ہیں "متفیہقون" کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا "تکبر کرنے والے۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِى مِثْلِ صُوَرِ الذَّرِّ يَطَؤُهُمُ النَّاسُ ذَرًّا فِى مِثْلِ صُوَرِ الرِّجَالِ يَعْلُوْهُمْ كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الصَّغَارِ ثُمَّ يُسَاقُوْنَ اِلَى سِجْنٍ فِى جَهَنَّمَ يُقَالُ لَهُ بُوْلَسُ يَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ - (۴)

قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چیونٹی کی صورت میں اٹھایا جائے گا لوگ ان کو پاؤں سے روندیں گے وہ انسانی شکل کی چیونٹیاں ہوں گی ان پر ہر قسم کی ذلت ہوگی پھر ان کو جہنم کی طرف ہانکا جائے گا جس (طبقہ جہنم) کا نام بولس ہوگا اس پر تمام آگوں کی آگ غالب ہوگی ان کو بدبودار کیچڑ اور جہنمیوں کی پیپ سے پلایا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يُحْشَرُ الْجَبَّارُوْنَ وَالْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی شکل میں

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۰۶ مرویات حارثہ بن وہب۔

۲۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۳ مرویات ابوثعلبہ

۳۔ " " " "

(۴) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۳۸۸ کتاب البعث

مِنْ صُوَرِ الذَّرِّ تَطَؤُهُمُ النَّاسُ لِهَوَانِهِمْ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (۱)

اٹھایا جائے گا اور لوگ ان کو روندیں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی قدر نہیں ہوگی۔

حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت بلال بن ابو بردہ رحمہ اللہ کے پاس گیا اور ان سے کہا اے بلال! آپ کے والد نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی ہے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا بے شک جہنم میں ایک وادی ہے جس کو ہبہب کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس میں تمام تکبر کرنے والوں کو ٹھہرائے گا اے بلال! تم اس میں ٹھہرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ فِي النَّارِ قَصْرًا يُجْعَلُ فِيهِ الْمُتَكَبِّرُوْنَ وَيُطْبَقُ عَلَيْهِمْ۔ (۳)

بے شک جہنم میں ایک محل ہے جس میں تکبر کرنے والوں کو ڈال کر اوپر سے بند کر دیا جائے گا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ نَفْخَةِ الْكِبْرِيَاءِ۔ (۴)

یا اللہ میں تکبر کی پھونک سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ فَارَقَ رُوْحُهُ جَسَدَهُ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنْ ثَلَاثٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ اَلْكِبْرُ وَالدَّيْنُ وَالْغُلُوْلُ۔ (۵)

جس شخص کی روح اس حال میں جسم سے جدا ہو کہ وہ تین باتوں سے بری ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا، (۱) تکبر (۲) قرض اور (۳) خیانت۔

آثار:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی شخص کسی دوسرے کو ہرگز حقیر نہ سمجھے کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے ہاں چھوٹا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا ہے۔

حضرت وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب جنت عدن کو پیدا فرمایا تو اس کی طرف دیکھ کر فرمایا تو ہر متکبر پہ

(۱) الدر المنثور جلد ۵ ص ۳۴۳ تحت آیت الیس فی جہنم مثوی للمتکبرین۔

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۵۹۷ کتاب الاهوال

(۳) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۸۹ حدیث ۸۱۸٦

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۳ مرویات ابو امامہ

(۵) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۵۹۷ کتاب البیوع

حرام ہے۔ حضرت احنف بن قیس، حضرت مصعب بن زبیر (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ ان کے تخت پر بیٹھا کرتے تھے ایک دن وہ آئے تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اپنے پاؤں پھیلا رکھے اور ان کو اکٹھا نہ کیا حضرت احنف بیٹھے تو ان کو کچھ تنگی ہوئی انہوں نے حضرت مصعب کے چہرے پر اس کا اثر دیکھا تو فرمایا انسان پر تعجب ہے کہ وہ تکبر کرتا ہے حالانکہ وہ دو مرتبہ پیشاب کی جگہ سے نکلا ہے (ایک مرتبہ مادہ منویہ کی صورت میں اور دوسری مرتبہ پیدا ہوتے وقت)

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان پر تعجب ہے وہ روزانہ ایک یا دو مرتبہ اپنے ہاتھ سے پاخانہ دھوتا ہے پھر وہ آسمانوں کے جبار کا مقابلہ کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۱) اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں) ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتیں۔

اس آیت کریمہ کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ اس سے پیشاب اور قضائے حاجت کا راستہ مراد ہے ——— حضرت محمد بن حسین علی (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں آدمی کے دل میں جس قدر تکبر داخل ہوتا ہے اسی قدر اس کی عقل کم ہو جاتی ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔

حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اس برائی کے بارے میں پوچھا گیا جس کے ساتھ نیکی نفع نہیں دیتی تو انہوں نے فرمایا وہ تکبر ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا بے شک شیطان کے پاس بہت سے پھندے اور جال ہیں ان میں سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اترانا، عطیاتِ خداوندی پر فخر کرنا، بندگانِ خدا پر تکبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا دوسری چیزوں میں خواہش کے پیچھے چلنا ہے۔

دوسری فصل:

چلنے اور کپڑوں کو لٹکانے کے ذریعے تکبر کا اظہار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلٍ يَجُرُّ اِزَارَهٗ بَطَرًا۔ (۲) اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو تکبر کے طور پر اپنی چادر (یا شلوار) کو گھسیٹتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۲۱

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۰ مرویات ابن عمر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص اپنی دو چادروں میں اکڑتا ہے اور اس کو اپنا نفس اچھا معلوم ہوتا ہے تو وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا (۱)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)

جو آدمی تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو گھسیٹتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت عبد اللہ بن واقد نئے کپڑے پہنے ہوئے وہاں سے گزرے میں نے سنا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا بیٹا! اپنے تہبند کو اوپر کرو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا۔

لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ خُيَلَاءَ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمایا جو اپنی چادر کو تکبر کے طور پر گھسیٹتا ہے۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنی ہتھیلی مبارک پر لعاب ڈال کر اس پر انگلی رکھی اور فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے انسان! تو مجھ سے بچ نکلے گا حالانکہ میں نے تجھے اس قسم کی چیز سے پیدا کیا حتیٰ کہ جب میں نے تجھے ٹھیک ٹھاک بنا دیا تو دو چادروں میں اس طرح چلتا ہے کہ زمین بھی تم سے فریاد کرتی ہے تو نے جمع کیا اور خرچ کرنے سے باز رہا حتیٰ کہ جب روح حلق تک پہنچی تو تو نے کہا میں صدقہ کرتا ہوں اور یہ صدقہ دینے کا کونسا وقت ہے (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا مَشَتْ اُمَّتِي الْمُطَيْطَاءَ وَخَدَمَهُمْ فَارِسُ وَالرُّوْمُ سَلَّطَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ (۵)

جب میری امت اکڑ کر چلنے لگے گی اور ایران اور روم والے ان کی خدمت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کر دے گا۔

ابن اعرابی نے کہا کہ "مطیطاء" اترا کر چلنے کو کہتے ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۶۱ م مرویات ابو ہریرہ
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۶۱ مرویات ابن عمر
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۰ مرویات ابن عمر
(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۹۸، ابواب الوصایا
(۵) جامع ترمذی ص ۳۲۹، ابواب الفتن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَعَظَّمَ فِیْ نَفْسِہٖ وَاخْتَالَ فِیْ مِشْیَتِہٖ لَقِیَ اللّٰہَ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ۔ (۱)

جو آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور اترا کر چلتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ وہ اس سے ناراض ہوگا۔

آثار:

حضرت ابوبکر ہذلی فرماتے ہیں ہم حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس تھے کہ ابن اہتم ہمارے پاس سے گزرا اور وہ مقصورہ کی طرف جا رہا تھا اس نے کئی ریشمی جبّے پہن رکھے تھے۔ جو پنڈلی پر تہہ بہ تہہ تھے اور ان میں سے قبا کھل رہی تھی وہ اکڑ کر چل رہا تھا اس پر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی نگاہ پڑی تو آپ نے فرمایا اُف ہے ناک چڑھاتا ہے، گردن پھیرتا ہے دونوں طرف دیکھتا ہے اسے بیوقوف! دونوں طرف کیا دیکھتا ہے دونوں طرف نعمتیں ہیں جن کا تُو نے شکریہ ادا نہیں کیا اور نہ ہی ان کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لایا اور نہ ہی اس کا حق ادا کیا اللہ کی قسم! لوگ پاگلوں کی طرف جھک جھک کر چلتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ ان کے ہر عضو میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور شیطان کا فتنہ بھی۔ ابن اہتم نے یہ بات سنی تو واپس لوٹ کر معذرت کرنے لگا آپ نے فرمایا میرے سامنے معذرت نہ کرو بلکہ اپنے رب کے حضور توبہ کرو کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نہیں سنا۔

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ (۲)

اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو اس طرح تم زمین کو ہرگز پھاڑ نہیں سکو گے اور نہ پہاڑوں کے برابر بلندی تک پہنچ سکو گے۔

ایک مرتبہ ایک عمدہ لباس والا نوجوان حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس سے گزرا تو آپ نے اسے بلا کر فرمایا انسان اپنی جوانی پر اتراتا ہے اور اپنی خصلتوں کو پسند کرتا ہے یوں سمجھنا چاہیئے کہ گویا قبر نے تمہارے بدن کو چھپا دیا اور گویا تو نے اپنے عمل (کی جزا) کو پا لیا تمہیں کیا ہوا جاؤ اپنے دل کا علاج کرو اللہ تعالیٰ بندوں سے صرف ان کے دلوں کی اصلاح چاہتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حصولِ خلافت سے پہلے حج کیا حضرت طاؤس نے آپ کو دیکھا کہ آپ کی چال میں کچھ اکڑ ہے تو انہوں نے اپنی انگلی آپ کے پہلو میں ماری پھر فرمایا یہ اس شخص کی چال نہیں ہے جس کے پیٹ میں غلاظت ہو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا چچا جان! میرے ہر عضو نے مار کھا کر یہ طریقہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۸ مرویات ابن عمر

(۲) قرآن مجید، سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۷

سیکھا ہے۔

حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے بلا کر پوچھا جانتے ہو تم کون ہو؟ تمہاری ماں کو میں نے دو سو درھموں کے بدلے خریدا تھا اور تمہارے باپ کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں اس جیسے لوگ زیادہ پیدا نہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنی چادر کو کھینچ رہا تھا تو آپ نے دو یا تین بار فرمایا شیطان کے بھی کچھ بھائی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر نے مہلب کو دیکھا کہ وہ ریشمی جُبّے میں اکڑ کر چلتا ہے تو انہوں نے فرمایا اے عبداللہ! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چال پسند نہیں ہے مہلب نے کہا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ فرمایا ہاں کیوں نہیں میں تمہیں پہچانتا ہوں تمہارا آغاز ایک بدلنے والے نطفہ سے ہوا اور تمہارا انجام بدبودار مردار کی صورت میں ہو گا اور اس درمیان والے وقت میں تم گندگی اٹھائے پھرتے ہو ——— چنانچہ مہلب چلا گیا اور اس نے یہ چال چھوڑ دی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں "یتمطی" کا معنیٰ اکڑ کر چلنا کیا ہے۔

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ۔ (۱) پھر وہ اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف گیا

جب ہم نے اکڑنے اور تکبر کی مذمت بیان کی ہے تو تواضع کی فضیلت کا ذکر بھی مناسب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسری فصل:

تواضع کی فضیلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ۔ (۲)

جو شخص معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھاتا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع (عاجزی) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَمَعَهُ مَلَكَانِ وَعَلَيْهِ

ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں اور اسے ایک

(۱) قرآن مجید سورۃ القیامۃ آیت ۳۳

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۱ کتاب البر والصلۃ

حَكَمَةٌ يُمْسِكَانِهِ بِهَا فَاِنْ هُوَ رَفَعَ نَفْسَهُ جَبَذَاهَا ثُمَّ قَالَا اَللّٰهُمَّ ضَعْهُ وَاِنْ وَضَعَ نَفْسَهُ قَالَا اَللّٰهُمَّ ارْفَعْهُ ۔

لگام ڈالی جاتی ہے جس کے ساتھ اسے روکتے ہیں پس اگر وہ اپنے نفس کو اونچا کرتا ہے تو وہ اسے کھینچتے ہیں پھر دعا کرتے ہیں یا اللہ اسے پست کر دے اور اگر اپنے نفس کو پست کرتا ہے تو یوں دعا کرتے ہیں اے اللہ! اسے بلند کر دے۔

(۱)

آپ نے ارشاد فرمایا۔

طُوْبٰى لِمَنْ تَوَاضَعَ فِيْ غَيْرِ مَسْكَنَةٍ وَاَنْفَقَ مَالًا جَمَعَهُ فِيْ غَيْرِ مَعْصِيَةٍ وَرَحِمَ اَهْلَ الذُّلِّ وَالْمَسْكَنَةِ وَخَالَطَ اَهْلَ الْفِقْهِ وَالْحِكْمَةِ۔

اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو محتاجی کی حالت میں نہ ہونے کے باوجود تواضع کرتا ہے اور جو مال جمع کیا اسے گناہ کے علاوہ مقام پر خرچ کرتا ہے کمزور اور مسکین لوگوں پر رحم کھاتا ہے اور فقہ و حکمت والوں کی مجلس اختیار کرتا ہے۔

(۲)

حضرت ابوسلمہ مدنی اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مسجد قبا میں تشریف رکھتے تھے اور آپ روزے سے تھے افطاری کے وقت ہم آپ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ لائے اور اس میں کچھ شہد ڈال دیا آپ نے اسے اٹھا کر چکھا تو اس میں شہد کا مٹھاس پایا آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے اس میں کچھ شہد ڈالا ہے آپ نے اسے رکھ دیا اور فرمایا —— میں اسے حرام نہیں کہتا لیکن۔

مَنْ تَوَاضَعَ اللّٰهُ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ وَمَنِ اقْتَصَدَ اَغْنَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ بَذَّرَ اَفْقَرَهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَكْثَرَ ذِكْرَ اللّٰهِ اَحَبَّهُ اللّٰهُ۔

جو شخص عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند مقام عطا کرتا ہے اور جو آدمی تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرتا ہے جو شخص کفایت شعاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مالدار کر دیتا ہے جو آدمی فضول خرچی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے محتاج کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔

(۳)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۸۲ کتاب الادب

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۸۲ کتاب الزکوٰۃ

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۹۷ کتاب التوبۃ والزھد

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ میں چند صحابہ کرام کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ دروازے پر ایک سائل آیا وہ اپاہج تھا جس سے گھن آتی تھی آپ نے اسے اندر آنے کی اجازت دی جب وہ داخل ہوا تو آپ نے اسے اپنے ساتھ بٹھایا پھر فرمایا کھاؤ (۲) قریش میں سے ایک شخص اس سے نفرت کرنے لگا تو وہ مرنے سے پہلے سائل کی طرح اس بیماری میں مبتلا ہو گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَیَّرَنِی رَبِّی بَیْنَ اَمْرَیْنِ اَنْ اَکُوْنَ عَبْدًا رَسُوْلًا اَوْ مَلِکًا نَبِیًّا فَلَمْ اَدْرِ اَیُّهُمَا اَخْتَارُ وَکَانَ صَفِیِّی مِنَ الْمَلَائِکَةِ جِبْرِیْلُ فَرَفَعْتُ رَأْسِی اِلَیْهِ فَقَالَ تَوَاضَعْ لِرَبِّكَ فَقُلْتُ عَبْدًا رَسُوْلًا۔ (۲)

میرے رب نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا یا تو میں بندہ اور رسول بنوں یا بادشاہ اور نبی بنوں مجھے معلوم نہ تھا کہ میں ان میں سے کس بات کو اختیار کروں اور فرشتوں میں سے حضرت جبریل علیہ السلام میرے دوست تھے میں نے ان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو انہوں نے فرمایا اپنے رب کے لیے تواضع کیجیے۔ تو میں نے کہا میں بندہ اور رسول ہونا پسند کرتا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کے سامنے تواضع اختیار کرتا ہے اور میرے بندوں پر بڑائی ظاہر نہ کرے دل میں میرا خوف جاگزیں کرے دن بھر میری یاد میں مشغول رہے اور میرے لیے اپنے نفس کو خواہشات سے روکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلْکَرَمُ التَّقْوٰی وَالشَّرَفُ التَّوَاضُعُ وَالْیَقِیْنُ الْغِنٰی۔ (۱)

کرم، تقویٰ ہے، شرف عاجزی اور یقین مالداری ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جو دنیا میں تواضع اختیار کرتے ہیں وہ قیامت کے دن منبروں والے ہوں گے ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جو دنیا میں لوگوں کے درمیان صلح کراتے ہیں یہی لوگ قیامت کے دن جنت فردوس کے وارث ہوں گے ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جو دنیا میں اپنے دلوں کو پاک کرتے ہیں یہی لوگ قیامت کے

---

(۱)

(۲) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۴۳۲ حدیث ۳۲۰۲۹

(۳) کنز العمال جلد ۳ ص ۹۲ حدیث ۵۶۲۷

دن اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

کسی بزرگ کا قول ہے فرماتے ہیں مجھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت پہنچی ہے آپ نے فرمایا۔

إِذَا هَدَى اللّٰهُ عَبْدًا بِالْإِسْلَامِ وَحَسَّنَ صُوْرَتَهُ وَجَعَلَهُ فِيْ مَوْضِعٍ غَيْرِ شَائِنٍ لَهُ وَرَزَقَهُ مَعَ ذٰلِكَ تَوَاضُعًا فَذٰلِكَ مِنْ صَفْوَةِ اللّٰهِ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو اسلام کی راہ دکھاتا ہے اس کو اچھی صورت عطا کرتا ہے اور اسے ایسی جگہ رکھتا ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں ہوتی اس کے باوجود اسے تواضع بھی عطا فرماتا ہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَرْبَعٌ لَا يُعْطِيْهِمُ اللّٰهُ إِلَّا مَنْ أَحَبَّ وَهُوَ أَوَّلُ الْعِبَادَةِ وَالتَّوَكُّلُ عَلَى اللّٰهِ وَالتَّوَاضُعُ وَالزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا۔ (۲)

چار باتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ صرف اپنے محبوب بندوں کو عطا فرماتا ہے خاموشی جو عبادت کا آغاز ہے، اللہ تعالیٰ پر توکل، تواضع اور دنیا سے بے رغبتی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ۔ (۳)

جب کوئی بندہ تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ساتویں آسمان تک بلندی عطا فرماتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلتَّوَاضُعُ لَا يَزِيْدُ الْعَبْدَ إِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوْا يَرْحَمْكُمُ اللّٰهُ۔ (۴)

تواضع بندے کو سربلندی ہی عطا کرتی ہے پس تم تواضع اختیار کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے۔ کہ ایک سیاہ رنگ کا شخص آیا جسے چیچک نکلی ہوئی تھی اور چیچک کے دانوں سے پانی رس رہا تھا وہ جس کے پاس بیٹھتا وہ کھڑا ہو جاتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا (۵) اور فرمایا۔ مجھے یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ میں کوئی چیز اٹھائے جو اس کے

---

(۱)

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۵۶ حدیث ۱۴۱،

(۳) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۱۲ حدیث ۵۷۲۰

(۴) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۱۲ حدیث ۵۷۱۹

(۵) جامع ترمذی ص ۳، ۲ ابواب الاطعمۃ

گھر والوں کے کام کی ہو اور یوں وہ اپنے آپ سے تکبر کو دور کرے۔ (۱)

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔

کیا وجہ ہے کہ مجھے تم پر عبادت کی حلاوت (مٹھاس) نظر نہیں آتی؟ انہوں نے عرض کیا عبادت کی حلاوت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "تواضع"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب تم میری امت میں سے تواضع کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے لیے تواضع اختیار کرو اور جب تکبر کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے سامنے تکبر کا اظہار کرو کیوں کہ یہ ان کے لیے ذلت اور رسوائی ہے۔

آثار:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حکمت کو بلند کر دیتا ہے اور وہ فرماتا ہے بلند ہو اللہ تعالیٰ تجھے بلند کرے اور جب وہ تکبر کرتا ہے اور اپنے طور طریقے سے تجاوز کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے زمین کی طرف دھکیل دیتا ہے اور فرماتا ہے دور ہو جاؤ تجھے اللہ تعالیٰ دور کرے (یہ بات فرشتہ کہتا ہے) ایسا شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے لیکن لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ ان کے نزدیک خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں ایک درخت کے پاس پہنچا جس کے نیچے ایک شخص آرام کر رہا تھا اور اس نے ایک چمڑے سے اپنے اوپر سایہ کر رکھا تھا سورج چمڑے سے ہٹ گیا تھا اس لیے میں نے درست کر دیا جب وہ شخص بیدار ہوا تو میں نے دیکھا وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے میں نے جو کچھ کیا تھا ان سے بیان کیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا اے جریر! دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرو کیونکہ جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سربلندی عطا فرمائے گا۔

اے جریر! کیا آپ جانتے ہیں کہ قیامت کے دن کا اندھیرا کیا ہو گا؟ میں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا دنیا میں لوگ ایک دوسرے پر جو زیادتی کرتے ہیں یہ اندھیرا ہو گا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم افضل عبادت یعنی تواضع سے غافل ہو۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمہ اللہ کہتے ہیں زیادہ عمل کے مقابلے میں تھوڑا سا تقویٰ کافی ہے اور زیادہ کوشش اور مجاہدے کی جگہ تھوڑی سے عاجزی کفایت کرتی ہے۔

---

(۱) رسالہ قشیریہ ص ۶۹ باب الخشوع والتواضع

حضرت فضیل رحمہ اللہ سے تواضع کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم حق کے لیے جھک جاؤ اگر تم کسی بچے سے بھی (حق بات) سنو تو اسے قبول کرو اگر کسی نہایت ہی جاہل شخص سے سنو تو بھی قبول کرو۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصل تواضع یہ ہے کہ تم دینوی نعمتوں میں اپنے آپ سے کم آدمی کے سامنے بھی عاجزی کا اظہار کرو حتیٰ کہ تم یقین کر لو کہ تمہیں دینوی اعتبار سے اس پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور جو شخص دینوی اعتبار سے تم پر فوقیت رکھتا ہے اس سے اپنے آپ کو برتر سمجھو حتیٰ کہ یقین کر لو کہ اس شخص کو دینوی اعتبار سے تم پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس شخص کو مال، یا جمال یا لباس یا علم دیا گیا پھر اس نے اس میں تواضع اختیار نہ کی تو یہ چیزیں قیامت کے دن اس پر وبال ہوں گی۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جب میں آپ کو کوئی نعمت عطا کروں تو اسے انکساری کے ساتھ قبول کریں میں اسے آپ کے لیے مکمل کر دوں گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بندے کو دنیا میں جو نعمت عطا کرتا ہے پھر وہ اس پر شکر ادا کرتا اور اس کے ذریعے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں اس سے نفع عطا فرماتا ہے اور قیامت کے دن اس کے ذریعے اس کا درجہ بلند کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بندے کو دنیا میں جو نعمت عطا فرماتا ہے اگر وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کا دینوی نفع روک دیتا ہے اور اس کے لیے جہنم کا ایک طبقہ کھول دیتا ہے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔

عبد الملک بن مروان سے پوچھا گیا کہ کونسا بندہ افضل ہے؟ اس نے کہا جو طاقت کے باوجود تواضع اختیار کرے رغبت کے باوجود ہاتھ کھینچ لے اور طاقت کے باوجود انتقام نہ لے۔

ابن سماک رحمہ اللہ ہارون الرشید کے پاس گئے اور کہا اے امیر المومنین اس بزرگی کے ساتھ تواضع کرنا آپ کے لیے اس بزرگی سے بھی بہتر ہے ہارون الرشید نے کہا آپ نے کتنی اچھی بات کہی ہے انہوں نے فرمایا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ جس شخص کو حسن صورت عطا فرماتا ہے اچھا خاندان اور مالی وسعت عطا فرماتا ہے اب وہ حسن میں پاکدامنی اختیار کرتا ہے مال کے ذریعے غمخواری کرتا ہے اور حسب ونسب میں عاجزی سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اس کے خاص دوستوں میں لکھا جاتا ہے — ہارون الرشید نے (یہ سن کر) دوات اور کاغذ منگوا کر اس بات کو خود اپنے ہاتھ سے لکھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کے وقت مالدار اور معزز لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے بعد مسکین لوگوں کے پاس جا کر بیٹھ جاتے اور فرماتے ایک مسکین دوسرے مساکین کے ساتھ ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جس طرح تم اس بات کو ناپسند کرتے ہو کہ امیر لوگ تمہیں معمولی کپڑوں میں دیکھیں اسی طرح تمہیں یہ بات بھی ناپسند ہونی چاہیے کہ فقراء تمہیں قیمتی لباس میں دیکھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت یونس (بن عبید) حضرت ایوب (سختیانی) اور حضرت حسن (بصری) رحمہم اللہ باہر نکلے اور تواضع کے بارے میں گفتگو کرنے لگے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تواضع کیا ہے؟ تواضع یہ ہے کہ تم گھر سے نکلو تو جس مسلمان کو دیکھو اسے اپنے سے افضل سمجھو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا تو ہر پہاڑ اونچا ہونے لگا لیکن جودی پہاڑ نے عاجزی کی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام پہاڑوں سے بلند کیا اور اسے کشتی کے ٹھہرنے کے لیے منتخب کیا۔

حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں کا حال معلوم کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل سے بڑھ کر کسی کے دل کو زیادہ عاجزی کرنے والا نہ پایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف ہمکلامی کے لیے چن لیا۔

حضرت یونس بن عبید رحمہ اللہ عرفات سے واپس لوٹے تو فرمایا اگر میں ان لوگوں کے ساتھ نہ ہوتا تو یقیناً ان پر رحمت ہوتی مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ وہ میری وجہ سے رحمت سے محروم ہوئے ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ مومن جس قدر اپنے آپ کو پست سمجھتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں سر بلندی اختیار کرتا ہے اور جتنا اپنے نزدیک اونچا ہوتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں پست ہوتا ہے۔

حضرت زیاد نمیری کا قول ہے کہ تواضع کے بغیر زاہد بے پھل درخت کی طرح ہے۔ حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی اعلان کرنے والا مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو کر اعلان کرے کہ تم میں سے جو سب سے بُرا ہے وہ باہر نکلے تو اللہ کی قسم مجھ سے پہلے کوئی نہیں نکلے گا ہاں جس میں دوڑنے کی زیادہ طاقت ہو وہ مجھ سے پہلے نکلے گا۔ راوی کہتے ہیں جب حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کی یہ بات حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اسی وجہ سے تو وہ مالک ہیں۔

حضرت فُضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص ریاست کی چاہت رکھتا ہے وہ کبھی بھی کامیابی نہیں پاتا۔

حضرت موسیٰ بن قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم زلزلے اور سرخ آندھی میں مبتلا ہوئے تو میں حضرت محمد بن مقاتل رحمہ اللہ کے پاس گیا اور عرض کیا اے ابو عبداللہ! آپ ہمارے امام ہیں اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کریں تو وہ رو پڑے پھر فرمایا کاش میں تمہاری ہلاکت کا باعث نہ ہوتا حضرت موسیٰ بن قاسم فرماتے ہیں پھر میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد بن مقاتل کی دعا سے یہ مصیبت اٹھا دی۔

ایک شخص حضرت شبلی رحمہ اللہ کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا تو کیا چیز ہے اس طرح پوچھنا آپ کا طریقہ تھا اس

نے کہا میں باء کے نیچے کا نقطہ ہوں آپ نے فرمایا اپنے نفس کو یہ مقام دو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری حجت کو منقطع کر دے گا۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ نے اپنے بعض کلام میں فرمایا میری رسوائی نے یہودیوں کی ذلت کو بھی بیکار کر دیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو قیمتی جانتا ہے اسے تواضع سے کچھ حصہ نہیں ملتا۔

حضرت ابوالفتح بن شخرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اے ابوالحسن! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو آپ ہنستے فرمایا اگر فقیروں کی مجلس میں مالدار لوگ ثواب کی غرض سے تواضع کریں تو کیا ہی اچھا ہے اور اس سے بھی زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ فقراء اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے امراء پر تکبر کریں۔

حضرت ابوسلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں بندہ اس وقت تک تواضع نہیں کر سکتا جب تک اپنے آپ کو پہچان نہ لے۔

حضرت ابویزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تک بندہ یہ خیال کرتا ہے کہ مخلوق میں مجھ سے بدتر لوگ ہیں تو وہ متکبر ہے پوچھا گیا کہ وہ تواضع کرنے والا کب ہوگا؟ فرمایا جب اپنے نفس کے لیے کوئی مقام یا حال نہ دیکھے۔ اور ہر انسان اسی حساب سے تواضع کرتا ہے جس قدر وہ اپنے رب کو اور خود اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔

حضرت ابوسلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تمام مخلوق اس بات پر متفق ہو جائے کہ وہ مجھے اس قدر پست کر دیں جتنا میں خود اپنے آپ کو پست کرتا ہوں تو وہ اس بات پر قادر نہیں ہو سکتے۔

حضرت عروہ بن ورد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تواضع حصول شرف کا ایک جال ہے اور آدمی سے تواضع کے علاوہ ہر نعمت پر حسد کیا جاتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن خالد برمکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شریف آدمی جب عبادت کرتا ہے تو تواضع کرتا ہے اور احمق آدمی عبادت کر کے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو آدمی اپنے مال کے ذریعے تم پر تکبر کرے اس پر تکبر کرنا تواضع ہے۔

کہا جاتا ہے کہ تمام مخلوق کی طرف سے تواضع اچھی ہے لیکن مالدار لوگوں کا تواضع کرنا سب سے اچھا ہے۔ اور تکبر ہر آدمی سے برا ہے لیکن فقراء کا تکبر کرنا زیادہ برا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عزت کا مستحق وہی ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیتا ہے اور بلندی کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے امن کا حق دار وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور نفع اسے ہی حاصل ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ پر بیچ دیتا ہے۔

حضرت ابوعلی جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نفس تکبر، حرص اور حسد کا معجون مرکب ہے پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنا چاہتا ہے اس سے تواضع نصیحت اور قناعت کو روک دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے بھلائی کرنا چاہتا ہے

تو اسے یہ خصائل عطا فرماتا ہے اب جب اس کے دل میں تکبر کی آگ بھڑکنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے تواضع اسے بجھا دیتی ہے اور جب اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خیر خواہی اسے بجھا دیتی ہے اور جب حرص کی آگ بھڑکتی ہے تو تائید خداوندی سے قناعت اسے بجھا دیتی ہے۔

حضرت جنید رحمہ اللہ نے جمعہ کے دن ارشاد فرمایا اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات مروی نہ ہوتی کہ۔

يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ۔ (۱)

آخری زمانے میں قوم کا سردار ان میں سے ذلیل ترین آدمی ہوگا۔

تو میں تمہیں ہرگز کچھ نہ سناتا۔

آپ نے ہی فرمایا "اہل توحید کے نزدیک تواضع بھی تکبر ہے،، شاید آپ کی مراد یہ ہو کہ تواضع کرنے والا پہلے اپنے نفس کو کچھ سمجھتا ہے پھر اسے پست کرتا ہے جبکہ موحد اپنے نفس کو کچھ نہیں سمجھتا کہ اسے پست کرے یا بلند۔

حضرت عمرو بن شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ میں صفا اور مروہ کے درمیان تھا کہ میں نے ایک شخص کو خچر پر سوار دیکھا اس کے آگے آگے کچھ غلام ہیں جو لوگوں پر سختی کرتے اور ان کو ہٹاتے ہیں فرماتے ہیں پھر میں کچھ عرصہ بعد بغداد شریف واپس آیا میں ایک پل پر کھڑا تھا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ننگے پاؤں اور ننگے سر ہے اور اس کے بال لمبے ہیں میں نے اسے غور سے دیکھنا شروع کیا تو وہ کہنے لگا کیا بات ہے مجھے دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا تم اس شخص سے ملتے جلتے ہو جسے میں نے مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا اور اسے تمام صورت حال بتادی اس نے کہا میں وہی شخص ہوں میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ یہ کیا سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا جس مقام پر لوگ تواضع اختیار کرتے ہیں میں نے بلندی کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے وہاں پست کر دیا جہاں لوگ بڑائی ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے بادشاہ سے ڈرا جاتا ہے اور وہ (تواضع کے طور پر) فرماتے تھے جس زمانے میں، میں کوفہ کا فقیہ بنا ہوں وہ برا زمانہ ہے۔

حضرت عطاء سلمی رحمہ اللہ جب بجلی کی گرج سنتے تو اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیتے اور اپنے پیٹ کو اس طرح پکڑتے جیسے دردِ زہ میں مبتلا عورت ہو (جس کا بچہ پیدا ہونے والا ہو) اور فرماتے تمہیں یہ مصیبت میری وجہ سے پہنچی ہے اگر عطاء مر جاتا تو لوگ آرام پاتے۔

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ فرماتے تھے دنیاداروں کو سلام کرنا چھوڑ دو اور یوں اپنے آپ کو محفوظ کر لو۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو دعا دیتے ہوئے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی امید کے مطابق عطا فرمائے انہوں نے

---

(۱) جامع ترمذی ص ۲۲۲، ابواب الفتن۔

فرمایا ابد تو معرفت اس کے بعد ہوتی ہے معرفت کہاں ہے؟ - اہل قریش ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس فخر کا اظہار کرنے لگے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تو ایک ناپاک نطفہ سے پیدا ہوا ہوں پھر ایک بدبودار مردہ ہو جاؤں گا پھر میزان پر آؤں گا اگر (نیکیوں کا پلڑا) بھاری ہوا تو معزز ہوں گا اور اگر ہلکا ہوا تو برا ہوں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم نے عزت کو تقویٰ میں، مالداری کو یقین میں اور شرف کو تواضع میں پایا ہم اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

چوتھی فصل :

تکبر کی حقیقت اور اس کی آفت

جان لو تکبر کی دو قسمیں ہیں ایک باطنی تکبر ہے اور دوسری ظاہری، باطنی تکبر نفس کی عادت کا نام ہے جب کہ ظاہری تکبر اعضاء سے ظاہر ہوتا ہے اور باطنی صفات کو تکبر کہنا ہی زیادہ صحیح ہے کیوں کہ اعمال تو اس صفتِ تکبر کا نتیجہ ہے اور وہی عادت ان اعمال کا موجب ہوتی ہے اسی لیے جب وہ اعضاء سے ظاہر ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے فلاں نے تکبر کیا اور ظاہر نہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے نفس میں تکبر ہے تو اصل تکبر وہی ہے جو نفسانی صفات میں ہے اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بلند سمجھنا اور نفس کی طرف مائل ہونے سے راحت پانا ہے کیونکہ تکبر دو باتوں کا تقاضا کرتا ہے ایک تو وہ لوگ جن پر تکبر کیا جائے اور دوسرا وہ عمل جس کے ذریعے تکبر کیا جائے اس سے تکبر اور خود پسندی میں فرق واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا کیونکہ خود پسندی صرف اسی شخص تک محدود ہوتی ہے بلکہ اگر انسان صرف اکیلا ہی پیدا ہوتا تو بھی خود پسندی کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ لیکن تکبر اسی وقت ہو سکتا ہے جب کوئی دوسرا بھی ہو اور یہ آدمی صفاتِ کمال میں اپنے آپ کو اس دوسرے سے بلند سمجھے اس وقت وہ متکبر کہلاتا ہے محض اپنے آپ کو بڑا سمجھنا تکبر نہیں ہے بعض اوقات انسان اپنے آپ سے بھی بڑا جانتا ہے یا اس اپنے جیسا جانتا ہے تو اس طرح وہ اس پر تکبر نہیں کرتا تکبر کے سلسلے میں یہ بات کافی نہیں کہ وہ دوسرے شخص کو حقیر جانتا ہو کیونکہ اگر اس صورت میں دوسرے آدمی کو اپنے جیسا سمجھتا ہے تو یہ بھی تکبر نہیں ہے بلکہ تکبر اسی صورت میں ہوگا جب اپنے لیے بھی ایک مرتبہ و مقام خیال کرے اور دوسرے کے لیے بھی پھر اپنے آپ کو اس سے بلند مرتبہ سمجھے۔

جب یہ تین پائی جائیں تو اس صورت میں اس میں تکبر کی صفت پائی جائے گی لیکن اپنے آپ کو بڑا سمجھنے سے بھی تکبر کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ تصور اور عقیدہ اس میں پھونک مارتا ہے تو اس کے دل میں حرکت خوشی اور اپنے اس عقیدے کی طرف میلان پایا جاتا ہے اور یہی تکبر کا خلق اور صفت ہے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔

اَعُوْذُبِكَ مِنْ نَفْخَةِ الْكِبْرِيَاءِ (۱) میں تکبر کی پھونک سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۳ مرویات ابوامامہ

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ تو پھول کر ثریا تک نہ پہنچ جائے آپ نے یہ بات اس آدمی سے فرمائی تھی جس نے نماز فجر کے بعد وعظ کرنے کی اجازت مانگی تھی۔

گویا جب انسان اپنے آپ کو اس نگاہ سے دیکھتا ہے یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے تو وہ تکبر کرتا ہے اور پھول جاتا ہے اور اپنے آپ کو معزز سمجھتا ہے تو تکبر ایک ایسی حالت کا نام ہے جو ان اعتقادات سے نفس میں پیدا ہوتی ہے اور اسے عزت اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا بھی کہتے ہیں۔

اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ

اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۔ (۱) — ان کے دلوں میں اس بڑائی کی ہوس کے سوا کچھ نہیں جسے وہ پا نہیں سکتے۔

کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ عظمت ہے جس تک وہ نہیں پہنچے تو آپ نے تکبر کی تفسیر عظمت کے ساتھ فرمائی ہے۔

پھر یہ عظمت کچھ ظاہری اور باطنی اعمال کا تقاضا کرتی ہے جو اس کا ثمرہ یا نتیجہ ہوتے ہیں اور اسے تکبر کہا جاتا ہے تو جب وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑے رتبے والا سمجھتا ہے تو دوسروں کو حقیر جانتا ہے اور ان کو اپنے آپ سے دور کرتا ہے ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا پسند نہیں کرتا اور جب تکبر بڑھ جاتا ہے تو اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اس کے سامنے جھک کر کھڑا ہو اور یہ اس کا حق ہے۔ اور جب تکبر میں مزید اضافہ ہوتا ہے تو ان لوگوں سے خدمت لینے میں بھی عار سمجھتا ہے اور ان کو اپنے سامنے کھڑا ہونے کا اہل نہیں سمجھتا بلکہ ڈبو ڑھی کی خدمت بھی ان سے لینا مناسب نہیں سمجھتا۔

اور اگر تکبر کچھ کم ہو تو اس کی برابری سے نفرت کرتا ہے تنگ راستوں میں اس سے آگے بڑھتا ہے اور مجالس میں اونچی جگہ بیٹھتا ہے اور اس انتظار میں رہتا ہے کہ سلام میں وہ شخص پہل کرے اور اگر وہ اس کے کام کاج کو بجا لانے میں کوتاہی کرے تو اس بات کو بہت بعید اور تعجب خیز سمجھتا ہے اور اگر وہ اس کے سامنے کوئی دلیل پیش کرے یا مناظرہ کرے تو اس کو جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا۔

اور اگر وہ نصیحت کرے تو اسے قبول کرنے سے نفرت کرتا ہے اور اگر یہ متکبر آدمی خود دوسروں کو نصیحت کرے تو نہایت سخت مزاجی سے کرتا ہے اور اس کی بات کو رد کیا جائے تو سخت غصے میں آتا ہے اگر وہ تعلیم دیتا ہو تو طلباء کے ساتھ نرمی نہیں برتتا ان کو ذلیل جانتا ہے اور جھڑکتا ہے ان پر احسان جتلاتا اور ان سے خدمت لیتا ہے اور عام لوگوں کو اس طرح دیکھتا ہے گویا وہ گدھے کو دیکھ رہا ہوں یعنی ان کو جاہل اور حقیر خیال کرتا ہے تکبر کی وجہ سے جو اعمال صادر

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مومن آیت ۵۶

ہوتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور شمار میں نہیں آتے لہذا ان کو شمار کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ مشہور ہیں ۔

تو یہ تکبر ہے اور اس کی آفت بہت بڑی اور مہلک ہے اس سے خاص لوگ بھی تباہ ہو جاتے ہیں عابدین، زاہدین اور علماء بھی اس سے بہت کم محفوظ ہوتے ہیں عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور اس (تکبر) کی آفت کیوں بڑی نہ ہوگی جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ ۔ (۱)

وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر ہو۔

تکبر جنت کے راستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے کیونکہ یہ بندے اور مومنوں والے اخلاق کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہی اخلاق جنت کے راستے ہیں جب کہ تکبر اور عزت نفس ان تمام دروازوں کو تالے لگا دیتے ہیں کیونکہ اس قسم کا آدمی ایسا نہیں کر سکتا کہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی پسند کرے اور وہ تواضع پر بھی قادر نہیں ہوتا جو متقی لوگوں کے اخلاق کی جڑ ہے اور جب تک اس میں تکبر ہوتا ہے وہ کینہ بھی نہیں چھوڑ سکتا وہ اپنی عزت بچانے کے لیے ہمیشہ سچ بولنے پر قادر نہیں ہوتا اور اس جھوٹی عزت کی وجہ سے غصہ نہیں چھوڑ سکتا غصہ پی جانے پر قادر نہیں ہوتا حسد نہیں چھوڑ سکتا، اچھی نصیحتیں نہیں کر سکتا دوسروں کی نصیحت قبول نہیں کرتا اور لوگوں کی غیبت اور ان کو حقیر جاننے سے نہیں بچتا خلاصہ یہ ہوا کہ متکبر آدمی ہر برے کام کی طرف مجبور ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اپنی عزت کی حفاظت کرے اور ہر اچھے کام سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ اسے اپنی عزت کے جانے کا ڈر ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔

بری عادات تکبر کو لازم ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض دوسری بعض کا تقاضا کرتی ہیں تکبر کی سب سے بری قسم وہ ہے جو علم کے استفادہ اور قبول حق کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے اور اس سلسلے میں قرآن پاک کی کئی آیات آئی ہیں جن میں تکبر اور متکبرین کی مذمت کی گئی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ (۲)

اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور کہیں گے) اپنی جانیں نکالو آج کے دن تمہیں ذلت والا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق بہتان باندھتے اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۹۹ مرویات عبد اللہ بن مسعود

(۲) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۹۳

پھر فرمایا۔

اُدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۔ (۱)

جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ تم اس میں ہمیشہ رہو گے پس تکبر کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

پھر بتایا کہ سب سے زیادہ عذاب والے وہ جہنمی ہوں گے جو سب سے بڑے سرکش ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۔ (۲)

پھر ہم (چن چن کر) الگ کریں گے ہر گروہ سے ان لوگوں کو جو (خدائے) رحمن کے سخت نافرمان تھے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۔ (۳)

پس جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ۔ (۴)

کہیں گے وہ لوگ (جو دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۔ (۵)

بے شک وہ لوگ ہماری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔ (۶)

عنقریب میں اپنی آیات سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۷۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۶۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ النحل آیت ۲۲

(۴) قرآن مجید سورۂ سبا آیت ۳۱

(۵) قرآن مجید سورۂ غافر آیت ۶۰

(۶) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۱۴۶

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ہم ان سے قرآن پاک کی سمجھ اٹھا دیں گے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ ہم ان کے دلوں کو ملکوت (عالم غیب) سے روک دیں گے۔ حضرت ابن جریج فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غور و فکر اور نصیحت حاصل کرنے سے محروم ہو جائیں گے اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کھیتی نرم زمین میں پیدا ہوتی ہے پتھر پر نہیں اسی طرح حکمت تواضع کرنے والے کے دل میں عمل کرتی ہے تکبر کرنے والے کے دل میں نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے اگر آدمی اپنے سر کو چھت تک اونچا کرے گا تو خود اس کا سر زخمی ہو گا اور جو اپنے سر کو جھکائے گا تو اسے سایہ بھی ملے گا اور ٹھکانہ بھی۔ یہ بات تکبر کرنے والوں کے لیے بطور مثال بیان ہوئی کہ وہ کس طرح حکمت سے محروم رہتے ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار حق کو تکبر کی تعریف میں ذکر فرمایا اور اس حقیقت کو منکشف کرتے ہوئے فرمایا۔

مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ وَغَمِصَ النَّاسَ ۔ (۱)

(متکبر) وہ شخص ہے جو حق سے غافل رہتا ہے اور لوگوں کی عیب جوئی کرتا ہے۔

پانچویں فصل:

جن لوگوں پر تکبر کیا جاتا ہے ان کی درجات و اقسام اور تکبر کا نتیجہ

جان لو، اللہ تعالیٰ پر تکبر کیا جاتا ہے یا اس کے رسولوں یا باقی تمام مخلوقات پر ـــــ چونکہ انسان ظالم اور جاہل پیدا کیا گیا ہے اس لیے وہ کبھی تو مخلوق پر تکبر کرتا ہے اور کبھی اپنے خالق کے سامنے تکبر کرتا ہے تو جس پر تکبر کیا جائے اس کے حوالے سے تین قسمیں بنتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ پر تکبر کرنا اور وہ سب سے بڑا تکبر ہے اور اس کا باعث محض جہالت اور سرکشی ہے، جس طرح نمرود نے تکبر کیا تھا۔ وہ دل میں کہتا تھا کہ وہ آسمان کے رب سے لڑے گا اور جیسے بعض جاہل لوگوں بلکہ ہر اس شخص کے بارے میں منقول ہے رب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جیسے فرعون وغیرہ، اس نے تکبر کی وجہ سے کہا تھا۔

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۔ (۲)

میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں۔

اس نے اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے سے نفرت کی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۔ (۳)

بے شک وہ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۳۳ کتاب اللباس

(۲) قرآن مجید، سورۂ النازعات آیت ۲۴ (۳) قرآن مجید سورۂ مومن آیت ۶۰

ارشاد خداوندی ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ (۱)

حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ہرگز نفرت نہیں کرتے اور نہ ہی مقرب فرشتے (نفرت کرتے ہیں)

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا۔ (۲)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں رحمٰن کیا ہے کیا ہم (اسے) سجدہ کریں جسے تم کہو اور (اس حکم سے) ان کی نفرت بڑھ گئی۔

۲۔ رسولوں پر تکبر کرنا یعنی اپنے نفس کو عزت والا اور بلند سمجھنا اور یوں تصور کرنا کہ عام لوگوں جیسے ایک انسان کا حکم کیسے مانا جائے بعض اوقات یہ بات غور وفکر سے روک دیتی ہے تو یوں وہ شخص جہالت کے اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے اور تکبر کرتا ہے وہ فرمانبرداری سے روگردانی کرتا ہے اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے کبھی وہ معرفت کے باوجود اطاعت سے رکتا ہے اس کا نفس اسے حق کے سامنے جھکنے اور رسل عظام کے سامنے تواضع کرنے سے باز رکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا (کہ وہ کہتے ہیں)

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا۔ (۳)

کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں۔

اور کہتے ہیں (ارشاد خداوندی ہے)

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (۴)

تم لوگ تو ہماری طرح انسان ہو۔

اور کہتے ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ (۵)

اور اگر تم اپنے جیسے انسان کی بات مانو تو تم اس وقت نقصان اٹھانے والے ہوگے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ النساء آیت ۱۷۲

(۲) قرآن مجید سورۃ الفرقان آیت ۶۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۴۷

(۴) قرآن مجید، سورۃ ابراہیم آیت ۱۰

(۵) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۳۴

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا۔ (۱)

اور ان لوگوں نے جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے یا ہم اپنے رب کو دیکھیں بے شک انہوں نے تکبر کیا اپنے نفسوں میں اور بہت بڑی سرکشی کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ (۲)

اور انہوں نے کہا کہ ان پر فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کا قول یوں نقل فرمایا ہے۔

أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ۔ (۳)

یا اس کے ساتھ فرشتے آتے کہ اس کے پاس رہتے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (۴)

اس (فرعون) اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق تکبر کیا۔

تو اس (فرعون) نے اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں پر تکبر کیا حضرت وہب فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا تم ایمان لاؤ تمہاری سلطنت تمہارے پاس رہے گی، اس نے کہا میں ہامان سے مشورہ کرلوں چنانچہ اس نے ہامان سے مشورہ کیا تو اس نے کہا اب تو تو رب ہے اور تیری عبادت کی جاتی ہے جب تو بندہ بن جائے گا تو تجھے عبادت کرنا پڑے گی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے نفرت کی۔

اللہ تعالیٰ نے قریش کی بات یوں نقل کی ہے انہوں نے کہا۔

لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔ (۵)

یہ قرآن پاک ان دو بستیوں (مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ) کے کسی عظیم آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ لوگ ولید بن مغیرہ اور ابو مسعود ثقفی کو ان بستیوں کے عظیم آدمی قرار دیتے تھے

---

(۱) قرآن مجید سورۃ فرقان آیت ۲۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۸

(۳) قرآن مجید سورۃ زخرف آیت ۵۳

(۴) قرآن مجید سورۃ قصص آیت ۳۹

(۵) قرآن مجید سورۃ زخرف آیت ۳۱

اور انہوں نے ایسے آدمی کا مطالبہ کیا جو ریاست بن سکا۔ رکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہو کیوں کہ انہوں نے کہا یہ ایک یتیم لڑکا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے کس طرح رسول بنا کر ہماری طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ۔ (۱)

کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

لِيَقُوۡلُوۡۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا ۔ (۲)

تاکہ وہ کہیں کہ کیا یہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب میں سے جن پر احسان کیا۔

یعنی انہوں نے مسلمانوں کو حقیر جانا اور ان کی تقدیم کو عقل سے بعید خیال کیا قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہم آپ کے پاس کیسے بیٹھیں جب کہ آپ کے پاس یہ لوگ ہوتے ہیں انہوں نے فقراء مسلمانوں کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے ان کے فقر کی وجہ سے ان کو حقیر جانا اور ان کے ساتھ بیٹھنے سے تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ‌ؕ مَا عَلَيۡكَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ۔ (۳)

اور آپ ان لوگوں کو دور نہ کیجئے جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں وہ صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں آپ پر ان کے حساب میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ‌ وَلَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ‌ۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ۔ (۴)

اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکیں جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں (اور) وہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی نگاہیں ان سے نہ ہٹیں کیا آپ دنیوی زندگی کی زینت چاہتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے تعجب کی خبر دی کہ جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو ان لوگوں کو نہیں دیکھیں گے جن کو وہ حقیر جانتے تھے اور وہ کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں سے سمجھتے تھے کہا[5]

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الزخرف آیت ۳۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۵۳

(۳) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۵۲

(۴) قرآن مجید، سورۃ کہف آیت ۲۸

(۵) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۴، ابواب الزہد

گیا ہے کہ ان لوگوں سے ان کی مراد حضرت عمار، حضرت بلال، حضرت صہیب اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم تھے۔
پھر ان میں سے بعض لوگوں کو ان کے تکبر نے غور و فکر سے روک دیا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق پر ہونے سے جاہل رہے بعض نے آپ کو پہچانا لیکن تکبر نے ان کو اعتراف کرنے سے روک دیا اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ۔ (۱)

اور جب ان کے پاس وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف فرما ہوئے جن کو وہ جانتے تھے تو انہوں نے ان کا انکار کردیا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا۔ (۲)

اور انہوں نے ان (آیات) کا انکار کیا حالانکہ ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا (انہوں نے ایسا ظلم اور تکبر کی وجہ) سے کیا۔

تیسری قسم:

عام بندوں پر تکبر کرنا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقیر جانتا ہے اور یوں اس کا نفس دوسروں کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتا ہے اور وہ اسے ان پر برتری کے اظہار کی دعوت دیتا ہے وہ ان کو حقیر اور چھوٹا سمجھنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ مساوات سے نفرت کرتا ہے اگرچہ یہ تکبر پہلی دو قسم کے تکبر کے مقابلے میں کم ہے لیکن دو وجہ سے یہ بھی بہت بڑا ہے۔
ایک وجہ یہ ہے کہ بڑائی، عزت، عظمت اور بلندی تو قادر و مالک کے شایانِ شان ہے جب بندہ مملوک، ضعیف اور عاجز ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں تکبر اس کی حالت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟ پس بندہ جب تکبر کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ایک ایسی صفت میں جھگڑا کرتا ہے جو صرف اسی کے جلال کے لائق ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ غلام بادشاہ کی ٹوپی لے کر اپنے سر پر رکھ لے اور اس کے تخت پر بیٹھ جائے تو وہ کس قدر بادشاہ کے غصہ کے لائق ہو گا اور کیسی رسوائی کا نشانہ بنے گا نیز وہ اپنے آقا کے سامنے کس قدر جرأت اور گستاخی کا مرتکب ہو گا اس نے جو کام کیا وہ کس قدر برا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں اسی طرف اشارہ ہے (حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے)
عظمت میری ازار اور کبریائی میری چادر ہے پس جو شخص اس سلسلے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا میں اسے توڑ دوں گا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۸۹

(۲) قرآن مجید سورۂ نمل آیت ۱۴

یعنی یہ خاص میری صفت ہے اور صرف میرے لائق ہے اور اس سلسلے میں جھگڑنے والا میری صفات میں سے کسی ایک صفت میں مجھ سے جھگڑتا ہے تو جب بندوں پر بڑائی کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے تو جو آدمی اس کے بندوں پر تکبر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مجرم ہے کیونکہ جو شخص بادشاہ کے خاص غلاموں کو حقیر و رسوا جانتا ہے ان سے خدمت لیتا ہے ان پر بڑائی کا اظہار کرتا ہے اور جو معاملہ بادشاہ ان سے کرتا ہے اور وہ اسی کا حق ہے یہ شخص ان سے وہی معاملہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے کسی معاملے میں اس سے جھگڑتا ہے اگرچہ یہ اس شخص کی طرح نہیں جو بادشاہ کے تخت پر بیٹھنا چاہتا ہے اور تنہا حکومت کرنا چاہتا ہے۔

تو تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اسی ذات کو ان پر عظمت اور بڑائی حاصل ہے پس جو شخص بندگانِ خدا میں سے کسی بندے پر تکبر کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں جھگڑتا ہے البتہ اس کے جھگڑے اور فرعون و نمرود کے جھگڑے میں فرق اس قدر ہے جتنا فرق ان دو آدمیوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک بادشاہ کے بعض غلاموں کو حقیر جاننے کی صورت میں بادشاہ سے جھگڑا کرتا ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے اور دوسرا خود اس کی بادشاہی میں جھگڑا کرتا ہے۔

دوسری وجہ جس کی بنیاد پر تکبر کی ذلت و رسوائی بہت بڑی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں اس کی مخالفت کی دعوت دیتا ہے کیونکہ متکبر آدمی جب کسی بندۂ خدا سے حق بات سنتا ہے تو اسے قبول کرنے سے نفرت کرتا ہے اور اس کے انکار کے لیے مستعد ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ تم دینی مسائل میں مناظرہ کرنے والوں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے خیال میں دین کے اسرار پر بحث کر رہے ہوتے ہیں پھر وہ تکبر کرنے والوں کی طرح انکار کر دیتے ہیں اور جب ان میں سے کسی ایک کی زبان پر حق ظاہر ہوتا ہے تو دوسرا ناک چڑھاتا ہے اور اس سے انکار کی کوشش کرتا ہے اور جس قدر دھوکہ وہی ہو سکے اس کی بات کو رد کرنے کے لیے حیلہ کرتا ہے اور یہ کافروں اور منافقوں کا طریقہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ (۱)	اور کافروں نے کہا یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بیہودہ شور کرو شاید تم غالب آجاؤ۔

تو جو شخص اس لیے مناظرہ کرتا ہے کہ وہی غالب ہو اور دوسرے کو خاموش کر دے اور حق کی تحقیق مقصود نہ ہو وہ اس عادت میں کفار و منافقین کے ساتھ شریک ہوتا ہے —— اسی طرح تکبر اور جھوٹی عزت وعظ کی قبولیت سے بھی روکتی ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ۔	اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو اسے گناہ کی اور ضد چڑھتی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حٰمٓ السجدہ آیت ۲۶ (۲) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۰۶

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھنے کے بعد "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا (اور فرمایا) ایک شخص نے کھڑے ہو کر نیکی کا حکم دیا تو اسے قتل کر دیا پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے کہا کیا تم ایسے لوگوں کو قتل کرتے ہو جو نیکی کا حکم دیتے ہیں تو متکبر نے اس کو بھی قتل کر دیا تو اس متکبر نے نیکی کرنے کا حکم دینے والے اور قتل سے منع کرنے والے (دونوں کو) کو محض تکبر کی وجہ سے قتل کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی شخص کے گناہ گار ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ جب اسے کہا جائے کہ اللہ تعالی سے ڈرو تو وہ کہے اپنی فکر کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ تو اس نے جواب دیا میں ایسا نہیں کر سکتا اس پر آپ نے فرمایا تو (واقعی) ایسا نہیں کر سکے گا۔ تو اسے تکبر نے اس بات سے روکا (۱)

راوی فرماتے ہیں اس کے بعد اسے کبھی اپنا ہاتھ اٹھانا نصیب نہ ہوا کیونکہ وہ بیماری میں مبتلا ہو گیا۔

تو لوگوں پر تکبر کرنا بڑا گناہ ہے کیونکہ اس طرح وہ عنقریب اللہ تعالی پر تکبر کرنے لگے گا اس سلسلے میں ابلیس کی جو مثال قرآن مجید میں مذکور ہے وہ اسی لیے ہے کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اس نے کہا۔

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ۔ (۱) میں اس (آدم علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔

تو یہ نسب کی وجہ سے فخر تھا کیونکہ اس نے کہا۔

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ (۲) میں ان سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور ان کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

تو اس تکبر نے اسے اس سجدے سے روکا جس کا اللہ تعالی نے اسے حکم دیا تھا ابتدا میں تکبر حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں تھا اور ان سے ہی حسد تھا لیکن یہی تکبر اسے اللہ تعالی کے حکم کے سامنے تکبر کرنے کی طرف لے گیا اور یہ اس کی دائمی ہلاکت کا سبب بن گیا۔

تو بندوں پر تکبر کے مقابلے میں یہ تکبر بہت بڑی آفت ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مجھے نفاست اور بننا سنورنا پسند ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں تو کیا یہ تکبر میں سے تو نہیں ہے؟

تو آپ نے فرمایا:

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۵ مرویات سلمہ بن اکوع

(۲) قرآن مجید، سورہ ص آیت ۷۶

لَا وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ۔ (۱)

نہیں بلکہ تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کے مقابلے میں اکڑ جائے اور لوگوں کی عیب جوئی کرے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح میں دو خرابیوں کا ذکر فرمایا۔

ایک حق کے مقابلے میں تکبر اور دوسرا لوگوں کو حقیر جاننا۔

ایک دوسری حدیث شریف میں یوں آیا ہے۔

مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ۔ (۲)

جو حق کو رد کر دے۔

"غمص الناس" کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندگانِ خدا کو حقیر و رسوا سمجھے حالانکہ وہ بھی اسی جیسے بندے ہیں یا اس سے بہتر ہیں اور یہ پہلی آفت ہے اور "سفہ الحق" یعنی حق بات کو رد کر دینا دوسری آفت ہے۔

تو جو آدمی یہ خیال کرتا کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے اچھا ہے اور اس کو حقیر جانتا ہے اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے یا حق بات کو رد کر دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ حق ہے تو وہ مخلوق کے معاملات میں تکبر کرتا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اور تواضع کے ساتھ اس کی عبادت کرنے سے نفرت کرتا ہے اسی طرح اس کے رسولوں کی اتباع سے بھی نفرت کرتا ہے تو اس کا تکبر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل عظام کے معاملات میں ہے۔

چھٹی فصل:

کن باتوں میں تکبر ہوتا ہے

جان لو! تکبر اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی، اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور اپنے آپ کو وہی شخص بڑا سمجھتا ہے جو اپنے بارے میں کسی صفتِ کمال کا عقیدہ رکھتا ہے اور کمال یا تو دینی ہوتا ہے اور وہ علم و عمل ہے یا دنیوی ہوتا ہے اور وہ نسب، جمال، قوت، مال اور دوستوں کی کثرت ہے تو یہ سات اسباب ہیں۔

علم کے ذریعے تکبر

پہلا سبب علم ہے۔ اور علماء میں تکبر بہت جلد آتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آفَةُ الْعِلْمِ الْخُيَلَاءُ۔ (۳)

علم کی آفت، تکبر ہے۔

تو عالم بہت جلد علم کے سبب سے دھوکے میں آجاتا ہے اور اپنے آپ میں علم کے جمال اور کمال کا تصور کر کے اپنے

(۱، ۲) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۳۳ کتاب اللباس

(۳) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۱۱۷ حدیث ۴۴۱۲۱

آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے ان کو جانوروں کی طرح سمجھتا اور جاہل قرار دیتا ہے اور اس کی توقع ہوتی کہ لوگ اسے سلام کرنے میں پہل کریں اور اگر کسی کو سلام میں ابتدا کرے یا خوشی سے سلام کا جواب دے یا اس کے لیے کھڑا ہو یا اس کی دعوت قبول کرے تو اسے اس پر احسان سمجھتا ہے اور اس کا شکر گزار ہونا لازم سمجھتا ہے اس کا اعتقاد ہوتا ہے کہ اس نے اس کی عزت کی ہے اور اس نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ اس کے مستحق نہیں تھے لہٰذا اب ان پر لازم ہے کہ وہ اس کی عزت اور خدمت کریں اور یہ اس کے سلوک کا شکریہ ادا کرنا ہے بلکہ عام طور پر لوگ اس کے ساتھ نیکی کرتے ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا وہ اس کی ملاقات کو آتے ہیں لیکن وہ ان کی ملاقات کے لیے نہیں جاتا وہ اس کی بیمار پرسی کرتے ہیں لیکن یہ ان کی بیمار پرسی نہیں کرتا اور اگر کوئی اس سے میل جول رکھے تو اس سے خدمت لیتا ہے اور اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو اسے برا جانتا ہے۔ گویا کہ وہ اس کے غلام یا مزدور ہیں گویا اس کا علم سکھانا ان کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی ہے اور اس وجہ سے اسے ان پر حق مل گیا ہے بزنود نیا سے متعلق ہے۔

اور آخرت کے مقابلے میں کسی عالم کا ان پر تکبر یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں افضل اور اعلیٰ سمجھے اور ان کے بارے میں زیادہ خوف ہو جب کہ اپنے بارے میں خوف کم ہو اور ان کے مقابلے میں اپنے لیے زیادہ امید رکھے، تو ایسے عالم کو جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے بلکہ علمِ حقیقی تو وہ ہے جس کی وجہ سے آدمی اپنے آپ کو اور اپنے رب کو پہچان لے خاتمہ کے خطرے کو جان لے نیز یہ کہ علماء سے زیادہ پوچھ گچھ ہوگی اور علم کا خطرہ زیادہ ہے جیسا کہ علم کے ذریعے تکبر کے علاج کے ضمن میں بیان ہوگا۔ اور یہ علم تواضع، خوف اور خشیت کو بڑھاتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ عالم، تمام لوگوں کو اپنے آپ سے بہتر جانے کیونکہ علم کی وجہ سے اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت بہت بڑی ہے۔ اور اس نے علم کی نعمت پر شکر ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔

اسی لیے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص کا علم زیادہ ہوتا ہے اس کا درد بھی زیادہ ہوتا ہے اور جو کچھ انہوں نے فرمایا بات وہی ہے۔

علماء کا تکبر

اگر تم کہو کہ کیا وجہ ہے بعض لوگ علم کی وجہ سے متکبر اور بے خوف کیوں ہو جاتے ہیں۔ تو جان لو کہ اس کے دو سبب ہیں۔

ایک سبب یہ ہے کہ وہ شخص ایسے علم میں مشغول ہوتا ہے جسے علم کہا جاتا ہے لیکن وہ حقیقی علم نہیں ہوتا کیوں کہ حقیقی علم تو وہ ہے جس کے ذریعے آدمی کو اپنی اور رب کی پہچان حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس سے حجاب میں ہونے کے معاملہ میں خطرہ سے آگاہ ہوتا ہے اس سے خشیت اور تواضع پیدا ہوتی ہے تکبر اور بے خوفی پیدا نہیں ہوتی۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ — بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف

الْعُلَمٰٓؤُا ۔ (۱)　　　　علم والے ہی ڈرتے ہیں۔

اس کے علاوہ جو علوم ہیں جیسے علمِ طب، حساب، لغت، شعر گوئی نحو، مقدمات کا فیصلہ اور مناظروں کے طریقے تو آدمی جب صرف انہی علوم کو سیکھتا ہے تو وہ تکبر اور نفاق سے بھر جاتا ہے لہٰذا ان کو علم کہنے کی بجائے صنعت اور فن کہنا زیادہ مناسب ہے بلکہ علم تو وہی ہے جس سے بندگی اور ربوبیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور اس سے عام طور پر تواضع ہی پیدا ہوتی ہے۔

دوسرا سبب :

علماء میں تکبر پیدا ہوتے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب آدمی علم کا آغاز کرتا ہے تو اس کا باطن اچھا نہیں ہوتا نفس نکما ہوتا ہے اور وہ بداخلاق ہوتا ہے تو پہلے وہ تہذیبِ نفس اور تزکیۂ قلب میں مصروف نہیں ہوتا یعنی مختلف قسم کے مجاہدے نہیں کرتا اور اپنے رب کی عبادت میں اس کا نفس راضی نہیں ہوتا تو اس کا جوہر بد باقی رہتا ہے پھر جب وہ علم میں مشغول ہوتا ہے وہ کوئی بھی علم ہو، تو وہ علم اس کے دل میں خبیث جگہ پر رہتا ہے پس اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا اور نیکی میں اس علم کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک مثال اس طرح بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں علم ایک بارش کی طرح ہے جو آسمان سے نہایت صاف اور میٹھے پانی کی شکل میں اترتی ہے وہ پانی درختوں کی جڑوں تک پہنچتا ہے تو جس درخت کا جو ذائقہ ہوتا ہے وہ پانی کو بھی اسی طرح کر دیتا ہے کڑوے درخت کی کڑواہٹ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور میٹھے پھل والے کی مٹھاس زیادہ ہو جاتی ہے اسی طرح جو لوگ علم حاصل کرتے ہیں وہ اس کو اپنی ہمت اور خواہش کے مطابق بدلتے دیتے ہیں پس تکبر کرنے والے کا تکبر اور تواضع کرنے والے کی تواضع بڑھ جاتی ہے کیوں کہ جس شخص کی ہمت تکبر ہے وہ جاہل ہے پس جب وہ علم حاصل کرتا ہے تو اس کے پاس تکبر کا ایک سبب آجاتا ہے تو یوں اس کا تکبر بڑھ جاتا ہے اور جب کوئی شخص جہالت کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو علم کے ذریعے اس کا خوف مزید بڑھ جاتا ہے کیوں کہ اب خوف کی حجت زیادہ مضبوط ہو گئی لہٰذا اس کے خوف اور تواضع میں اضافہ ہو جاتا ہے تو علم تکبر کا سب سے بڑا سبب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔　　　　اور اپنی رحمت کا بازو بچھا دیں اپنی پیروی کرنے والے مومنوں کے لیے۔ (۲)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۲۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ الشعراء آیت ۲۱۵

اور ارشاد فرمایا۔

وَلَوْكُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ (۱)

اور اگر آپ تند مزاج سخت دل ہوتے تو ضرور وہ آپ کے گرد سے پریشان ہو جاتے۔

اور اپنے دوستوں کا وصف یوں بیان فرمایا۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔ (۲)

مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت (ہیں)

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"يَكُوْنُ قَوْمٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ قَرَاْنَا الْقُرْاٰنَ فَمَنْ اَقْرَاُ مِنَّا وَمَنْ اَعْلَمُ مِنَّا، ثم التفت الى اصحابه وقال اُوْلٰئِكَ مِنْكُمْ اَيُّهَا الْاُمَّةُ اُوْلٰئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ۔

ایک قوم آئے گی جو قرآن پاک پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا وہ دعویٰ کریں گے کہ ہم نے قرآن پاک پڑھا ہم سے زیادہ کس نے پڑھا ہے اور کون شخص ہم سے زیادہ علم والا ہے

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

اُوْلٰئِكَ مِنْكُمْ اَيُّهَا الْاُمَّةُ اُوْلٰئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ۔ (۳)

اے امت! وہ لوگ تم ہی میں سے ہوں گے اور وہ لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم جابر عالم نہ بنو تمہارا علم تمہاری جہالت کے برابر نہ ہو۔

اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وعظ کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور ان سے فرمایا کہ یہ ذبح ہونا ہے۔

اور ایک امام نے آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وعظ کیا کریں تو آپ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پھول کر ثریا تک نہ پہنچ جاؤ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو نماز پڑھائی جب نماز سے سلام پھیرا تو فرمایا کوئی دوسرا امام تلاش کرو یا اکیلے اکیلے نماز پڑھو کیوں کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ مجھ سے افضل کوئی نہیں ہے تو جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الشعراء آیت ۲۱۵

(۲) قرآن مجید سورۂ مائدہ آیت ۵۴

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۲ ص ۱۵۱ حدیث ۱۳۰۱۹

جیسے لوگ محفوظ نہ رہ سکے تو اس امت کے بعد کے کمزور لوگ کیسے محفوظ رہیں گے۔ ایسے علماء روئے زمین پر بہت کم ہیں جو عالم کہلانے کا استحقاق رکھتے ہوں اور پھر ان کی عزت علم اور تکبر کو حرکت نہ ہو اگر ایسا آدمی پایا جائے تو وہ اپنے زمانے کا صدیق ہے۔ اس سے علیحدگی اختیار کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے ایسے لوگوں کی ذات اور ان کے احوال سے استفادہ تو بہت بڑی بات ہے اگر ہمیں ایسے شخص کا علم ہو جائے تو وہ چین کے دوسرے کنارے پر بھی ہو تو اس کے پاس جانے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ ہم اس کی برکت سے مالامال ہوں۔ اور اس کی سیرت وخصلت سے بہرہ ور ہوں لیکن آخری زمانے میں ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں یہ لوگ خوش بخت اور دولت مند ہیں پہلی اور دوسری صدی میں ہی ایسے ختم ہو چکے تھے بلکہ ہمارے زمانے میں تو وہ عالم بھی نادرالوجود ہیں جو ان صفات کے نہ پائے جانے پر افسوس کریں یہ لوگ یا تو بالکل معدوم ہیں یا کمیاب ہیں۔

اور اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشخبری نہ ہوتی کہ۔

سَيَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ مَنْ تَمَسَّكَ فِيْهِ بِعُشْرِ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ نَجَا۔ (۱)

عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ جو شخص (اے صحابہ کرام) تمہارے عمل کے دسویں حصے کے برابر بھی عمل کرے گا نجات پائے گا۔

تو ہم اپنے برے اعمال کی وجہ سے ناامیدی کا شکار ہو جاتے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے ——— اور ہم میں سے بھی کون ایسا ہے جو صحابہ کرام کے عمل کے دسویں حصے کے برابر عمل کرتا ہو کاش کہ ہم اس کا سواں حصہ بھی عمل کرتے۔ ہم بارگاہ خداوندی میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی شان رحمت کے مطابق ہم سے سلوک فرمائے اور اپنے فضل وکرم کے مطابق ہمارے برے اعمال پر ہماری پردہ پوشی فرمائے۔

عمل اور عبادت کے ذریعے تکبر

عمل عبادت سے عزت، تکبر اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے سے عابد اور زاہد لوگ بھی خالی نہیں ہیں ان لوگوں سے دین و دنیا کے حوالے سے تکبر ٹپکتا ہے دنیا میں یوں کہ ان کو دوسروں کا ان کے پاس آنا خود ان کے پاس جانے سے اچھا معلوم ہوتا ہے وہ لوگوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کی ضروریات کو پورا کرنے، ان کی عزت کرنے، مجالس میں ان کو کشادہ جگہ دینے تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ ان کا ذکر کرنے اور تمام امور میں دوسروں سے مقدم رکھنے کے لیے کمربستہ ہوں اور وہ تمام باتیں بھی جن کا ذکر ہم نے علماء کے تذکرے میں کیا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے لوگوں پر احسان کر رہے ہیں۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے تو وہ لوگوں کو تباہ وبرباد ہونے والے اور اپنے آپ کو نجات پانے والے سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقتاً وہ خود

(۱) جامع الترمذی ص ۳۲۳، ابواب الفتن

ہلاک ہو رہے ہیں اگر ان کا یہ تصور ہو۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
إِذَا سَمِعْتُمُ الرَّجُلَ يَقُولُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ۔ (۱)

جب تم کسی شخص کو یہ بات کہتے ہوئے سنو کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو (جان لو) وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔

آپ نے یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی کہ اس کا یہ کہنا اس بنیاد پر ہے کہ وہ لوگوں کو حقیر جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر مغرور ہے اس کے عذاب سے بے خوف اور اس کی سطوت و مقام سے نڈر ہے اس کے بارے میں ہلاکت کا خوف کیوں نہ ہو جب کہ دوسروں کے بارے میں اس کا یہ عقیدہ اس کے برا ہونے کے لیے کافی ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
كَفَىٰ بِالْمَرْءِ شَرًّا أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ۔ (۲)

کسی انسان کی برائی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

تو اس شخص میں اور اس میں کتنا فرق ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے محبت کرتا ہے اس کی عبادت گزاری کی وجہ سے اس کی تعظیم کرتا اور اسے بڑا سمجھتا ہے اس کے لیے اس بات کی امید رکھتا ہے جس بات کی امید اپنے لیے نہیں رکھتا تو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی تعظیم کر کے نجات حاصل کرتے ہیں اور اس کے قریب ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور وہ ان سے بچنے اور دور رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہوتا ہے گویا وہ اپنے آپ کو ان کی مجالس سے بلند تر سمجھتا ہے۔ تو کس قدر وہ اس بات کے لائق ہیں کہ اس کی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو عمل میں وہ درجہ عطا فرمائے جو اسے دیا ہے اور وہ اس بات کے کس قدر لائق ہے کہ ان کو حقیر جاننے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے بے عمل آدمی کے درجہ میں منتقل کر دے۔
جیسا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جسے کثرت فساد کی وجہ سے خبیث (فسادی) کہا جاتا تھا وہ ایک دوسرے آدمی کے پاس سے گزرا جسے بنی اسرائیل کا عبادت گزار کہا جاتا تھا اس عابد کے سر پر بادل سایہ کرتے تھے جب وہ فسادی وہاں سے گزرا تو اس نے اپنے دل میں کہا میں بنی اسرائیل کا فسادی ہوں اور یہ عابد ہے اگر میں اس کے پاس بیٹھوں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائے چنانچہ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ عابد نے دل میں کہا کہ میں بنی اسرائیل کا عابد ہوں اور یہ

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹ ۳۳۳، کتاب البر والصلۃ
(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۷ کتاب البر والصلۃ

فسادی ہے یہ میرے پاس کیسے بیٹھ سکتا ہے چنانچہ اس نے اس سے نفرت کرتے ہوئے کہا کہ یہاں سے اٹھ جاؤ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ان دونوں سے فرمائیں کہ وہ نئے سرے سے عمل شروع کریں میں نے اس فسادی شخص کو بخش دیا اور عبادت گزار کے عمل کو ضائع کر دیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ بادل اس فسادی کے سر کی طرف پھر گیا۔

اس سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں کا قصد فرماتا ہے ایک جاہل گناہ گار آدمی جب اللہ تعالیٰ کی ہیبت کے سامنے تواضع اختیار کرتا ہے اور اس کے خوف سے اس کے سامنے جھک جاتا ہے تو وہ دل سے اللہ تعالیٰ کا حکم مانتا ہے اور یہی شخص متکبر عالم اور خود پسند عابد کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ مطیع ہوتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ایک عابد کے پاس آیا وہ اس وقت سجدہ ریز تھا اس نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا عابد نے کہا پاؤں اٹھاؤ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ تمہیں نہیں بخشے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں القا کیا کہ اے میرے نام پر قسم کھانے والے اللہ تعالیٰ تجھے نہیں بخشے گا۔ (۱)

اسی طرح حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُونی لباس پہننے والا، ریشمی لباس والے کے مقابلے میں زیادہ تکبر کرتا ہے یعنی ریشمی لباس والا ادنی لباس والے میں فضیلت دیکھتا ہے اور اس کے سامنے جھک جاتا ہے جب کہ ادنی لباس (گدڑی) والا اپنے آپ میں فضیلت دیکھتا ہے۔

اس آفت سے بھی بہت کم لوگ محفوظ رہتے ہیں کیونکہ جب کوئی شخص کسی عابد کو ہلکا جانتا ہے یا کوئی شخص اسے اذیت پہنچاتا ہے تو وہ اس کی مغفرت کو دشوار جانتا ہے اور اس بات میں شک نہیں کرتا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو گا۔

اور اگر وہ شخص کسی دوسرے مسلمان کو اذیت پہنچائے تو عابد کو اس قدر برا معلوم نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ قابل قدر سمجھتا ہے حالانکہ یہ جہالت، تکبر، خود پسندی اور اللہ تعالیٰ پر مغرور ہونا ہے اور بعض لوگوں کی بیوقوفی اور کند ذہنی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ مقابلے پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں عنقریب دیکھنا اس کا کیا حال ہو گا اور پھر اس شخص کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اس کا خیال ہوتا ہے کہ یہ اس کی کرامت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کے سینے کو ٹھنڈا کرنا مقصود ہے حالانکہ وہ دیکھتا ہے کہ کفار کے کئی طبقے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو گالیاں دیتے ہیں اور ایک جماعت نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اذیت پہنچائی بعض نے ان کو شہید کیا اور بعض نے دوسری تکالیف پہنچائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دی اور دنیا میں ان کو سزا نہیں دی بلکہ کچھ تو اسلام قبول کر گئے اور یوں وہ دنیا اور آخرت دونوں کی سزا سے بچ گئے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۹۴ کتاب التوبہ

پھر یہ جاہل مغرور گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی زیادہ معزز ہیں کہ اس نے ان کا انتقام لیا جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا انتقام نہیں لیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص اپنی خود پسندی اور تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو چکا ہو لیکن وہ اپنی نفسانی ہلاکت سے غافل ہو، تکبر کرنے والوں کا یہی عقیدہ ہوتا ہے۔

لیکن دانا عبادت گزار وہ بات کہتے ہیں جو حضرت عطاء سلمی رحمہ اللہ نے کہی تھی کہ جب آندھی چلتی یا بجلی گرتی تو فرماتے کہ لوگوں کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس کا باعث میں ہوں اگر عطاء فوت ہو جائے تو لوگوں کی جان اس مصیبت سے چھوٹ جائے گی۔ ایک دوسرے شخص نے عرفات سے واپسی پر کہا کہ مجھے ان سب کے لیے رحمتِ خداوندی کی امید تھی اگر میں ان میں نہ ہوتا۔ تو دیکھئے ان دونوں میں کتنا فرق ہے یہ تو ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اپنے نفس پر خوف رکھتا ہے اور اپنے عمل کو معمولی سمجھتا ہے اور وہ دوسرا شخص بعض اوقات ریا، تکبر، حسد اور کینہ چھپائے رکھتا ہے اور شیطان اس کا مذاق اڑاتا ہے پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ پر اپنے عمل کا احسان جتاتا ہے۔

تو جو شخص پختہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی بندے سے بہتر ہے تو وہ جہالت کی وجہ سے اپنے تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے کیونکہ جہالت کی وجہ سے اپنے تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے کیونکہ جہالت سب سے بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے بندے کو دور کرنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ اور کسی آدمی کا اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا محض جہالت ہے اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو جاتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا اچھے الفاظ میں تذکرہ ہوا ایک دن وہ حاضر ہوا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے سامنے اس شخص کا ذکر کیا تھا آپ نے فرمایا مجھے اس کی پیشانی میں شیطانی اثر نظر آتا ہے اس نے سلام کیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے فرمایا۔

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کہ کیا تمہارے دل میں یہ بات نہیں آئی کہ قوم میں تجھ سے افضل کوئی نہیں؟ اس نے کہا جی ہاں (۱)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نورِ نبوت سے اس کے دل کی بات کو اس کے چہرے پر شیطانی نشانی کی صورت میں دیکھا۔ تو یہ وہ آفت ہے جس سے کوئی بھی بندہ محفوظ نہیں ہے البتہ جسے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے لیکن تکبر کی آفت کے سلسلہ میں علماء اور عبادت گزار تین درجوں میں تقسیم ہیں۔

پہلا درجہ:

یہ ہے کہ تکبر اس کے دل میں جم جائے اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگے لیکن اس کے ساتھ ساتھ

---

(۱)

وہ تواضع بھی کرتا ہے اور ایسے کاموں کی کوشش کرتا ہے جو اپنے آپ سے دوسروں کو بہتر سمجھنے والے لوگ کرتے ہیں یہ وہ شخص ہے جس کے دل میں تکبر کا درخت مضبوط ہو چکا ہے لیکن اس کی شاخیں مکمل طور پر کاٹ دی گئی ہیں۔

دوسرا درجہ:

وہ تکبر کو اپنے افعال میں بھی ظاہر کرتا ہے یعنی مجلسوں میں اونچا بیٹھتا ہے اپنے ہم پلہ ساتھیوں سے آگے بڑھتا ہے جو آدمی اس کے حق میں کوتاہی کرے اس پر اعتراض کرتا ہے اور عالم میں ادنیٰ بات یہ ہوتی ہے کہ وہ اس طرح رُخ پھیرتا ہے گویا وہ لوگوں سے اعراض کرتا ہے اور عابد زیرِ عیش رُدہ ہوتا ہے اور اس کی پیشانی پر شکن ہوتی ہے گویا وہ لوگوں سے بچنے والا ہے اور اُن کو حقیر جانتا ہے یا ان پر غصے سے ہے حالانکہ وہ بیچارہ جانتا نہیں کہ تقویٰ پیشانی میں نہیں ہوتا کہ اس پر شکن ڈالی جائے اور نہ چہرے پر ہوتا ہے کہ تیوری چڑھائے بنایا جائے نہ رخسار میں کہ اسے پھیرا جائے نہ گردن میں ہوتا ہے کہ اسے جھکایا جائے اور نہ ہی دامن میں ہوتا ہے کہ اسے اکٹھا کیا جائے تقویٰ تو دلوں میں ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا!

اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا (۱) تقویٰ یہاں ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سب سے بڑھ کر معزز اور متقی تھے آپ کا اخلاق سب سے زیادہ وسیع تھا اور آپ کے چہرۂ انور پر بشاشت اور تبسم بھی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ تھا (۲)

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت حارث بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے قرآن کرنے والوں میں سے کشادہ رُو اور خندہ پیشانی والے لوگ اچھے لگتے ہیں لیکن وہ لوگ جن سے تم کشادہ پیشانی سے ملو اور وہ تم سے ناک منہ چڑھا کر ملیں اور تم پر اپنے علم کا احسان جتائیں تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کثرت نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوتی تو وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نہ فرماتا۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۳) اور اپنی رحمت کے بازو اپنے مومن پیروکاروں کے لیے بچھا دیں۔

اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا تکبر ان کی عادات و احوال پر ظاہر ہوتا ہے تو ان کے احوال تیسرے مرتبہ والوں کے احوال سے ہلکے ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۷ کتاب البر والصلۃ

(۲) کنز العمال جلد ۷ ص ۲۲۲ حدیث ۱۸۶۱۱

(۳) قرآن مجید، سورۃ شعراء آیت ۲۱۵

تیسرا درجہ:

یہ وہ شخص ہے جس کی زبان پر تکبر ظاہر ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے دعویٰ کرنے دوسروں پر فخر اور اپنے آپ کو پاک سمجھنے کی طرف بلاتا ہے اسی طرح وہ احوال و مقامات کا ذکر کرتا ہے اور علم و عمل میں دوسروں پر غلبہ اختیار کرتا ہے عابد شخص فخر کے طور پر دوسرے عبادت گزار لوگوں کے بارے میں پوچھتا ہے وہ کون ہے؟ اس کا عمل کیا ہے؟ اور اسے زہد کہاں سے حاصل ہوا تو وہ دوسروں کے بارے میں زبان درازی کرتا ہے اور ان کی عیب جوئی کرتا ہے پھر اپنی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے میں نے اتنے عرصہ سے روزہ نہیں چھوڑا اور میں رات کو سوتا بھی نہیں ہوں میں روزانہ ایک بار ختم قرآن کرتا ہوں اور فلاں شخص سحری تک سویا رہتا ہے تلاوت قرآن پاک بھی زیادہ نہیں کرتا اور اس طرح کی دیگر باتیں کرتا ہے۔

بعض اوقات وہ اپنے نفس کی پاکیزگی ضمناً بیان کرتا ہے اور کہتا ہے فلاں آدمی نے مجھے تکلیف دینا چاہی تو اس کا بیٹا مرگیا یا مال لٹ گیا یا وہ بیمار ہوگیا وغیرہ وغیرہ اس طرح وہ اپنی کرامت کا دعویٰ کرتا ہے مباہات (فخر) اس طرح کرتا ہے کہ اگر کسی ایسی جماعت کے ساتھ اسے اتفاق ہوجائے جو رات کے وقت نماز پڑھتے ہیں تو وہ کھڑا ہوکر پہلے سے زیادہ نماز پڑھتا ہے اور اگر وہ بھوک برداشت کرتے ہیں تو وہ بھی ان پر غالب آنے کے لیے بتکلف بھوکا رہتا ہے اور اس طرح وہ اپنی قوت اور ان کا عجز ظاہر کرتا ہے اسی طرح وہ عبادت میں زیادتی اس خوف سے کرتا ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ دوسرے لوگ اس سے زیادہ عبادت گزار اور دین میں زیادہ مضبوط ہیں جہاں تک عالم کا تعلق ہے تو وہ فخر کرتے ہوئے کہتا ہے میں تمام فنون کا عالم ہوں، حقائق سے آگاہ ہوں اور میں نے فلاں عالم کو دیکھا ہے اور تو کون ہے؟ تیری فضیلت کیا ہے؟ تو نے کس سے ملاقات کی ہے اور کون کون سی حدیث سنی ہے۔

یہ تمام باتیں اس لیے کرتا ہے کہ دوسرے آدمی کو حقیر اور اپنے آپ کو عظیم قرار دے اور دوسروں پر برتری کے اظہار کے لیے وہ مناظرہ کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ غالب رہے اور مغلوب نہ ہو اور وہ رات دن ایسے علوم حاصل کرنے میں مصروف رہتا ہے جن کے ذریعے محافل میں زینت حاصل کرے جیسے مناظرہ، مجادلہ، عمدہ گفتگو اور مسجع کلام کرنا اسی طرح عجیب و غریب علوم یاد کرتا ہے تاکہ اپنے ہم عصر لوگوں پر عظمت حاصل کرے وہ احادیث کے الفاظ اور اسناد حفظ کرتا ہے حتیٰ کہ اس میں غلطی کرنے والے کی گرفت کرتا ہے اس طرح وہ اپنی فضیلت اور دوسروں کی کوتاہی ظاہر کرتا ہے اور جب ان میں سے کسی ایک سے غلطی ہوتی ہے تو اس پر خوش ہوتا ہے تاکہ اس کا رد کرے اور جب وہ صحیح اور درست بات کہتا ہے تو اسے برا معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ لوگ اس دوسرے عالم کو اس سے بڑا سمجھیں گے۔

یہ تمام باتیں متکبرانہ عادات اور تکبر کی علامات ہیں جو علم و عمل کے ذریعے بڑا بننے کا نتیجہ ہیں۔ اور وہ لوگ کہاں ہیں جو ان تمام یا ان میں سے بعض باتوں سے خالی ہوں تو بتاؤ کون ہے جو اپنے نفس میں ان عادات کی پہچان رکھتا ہو اور اس نے یہ حدیث شریف بھی سنی ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ۔ (۱)

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔

(تو اس حدیث کے باوجود) وہ کیسے اپنے آپ کو عظیم سمجھتا ہے اور دوسروں پر تکبر کرتا ہے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنمیوں میں سے ہے عظمت تو اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اس سے خالی ہو اور جو اس (تکبر) سے خالی ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتا اور عالم تو وہ ہوتا ہے جس کو یہ بات سمجھ آجائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا ہمارے ہاں تمہاری قدر و منزلت ہوگی جب تک تم خود اپنے آپ کو بے قدر سمجھو۔ اگر تم خود اپنے آپ کو قدر و منزلت والا سمجھو گے تو ہمارے ہاں تمہاری قدر نہ ہوگی جو آدمی اس بات کو دین سے نہیں جانتا اسے عالم کہنا جھوٹ ہے کیونکہ علم کا تقاضا یہ ہے کہ تکبر نہ کرے اور نہ ہی اپنے نفس کے لیے کوئی قدر جانے ——— تو یہ علم و عمل کے ذریعے تکبر ہے۔

حسب و نسب کے ذریعے تکبر

تکبر کا تیسرا سبب حسب و نسب ہے جس آدمی کا نسب اچھا ہو وہ دوسرے نسب والوں کو حقیر جانتا ہے اگرچہ اس شخص کو علم و عمل میں اس سے بلند مقام حاصل ہو اور بعض لوگ حسب و نسب کے ذریعے اس طرح تکبر کرتے ہیں کہ گویا دوسرے لوگ ان کی ملکیت میں ہیں اور غلام ہوں وہ ان سے میل جول اور ان کے پاس بیٹھنے سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ ان کی زبان پر یوں آتا ہے کہ تکبر کرتے ہوئے دوسروں کو گھٹیا قسم کے الفاظ سے پکارتے ہیں اور کہتے ہیں تم کون ہو؟ اور تمہارا باپ کون ہے؟ میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں تمہیں مجھ سے بات کرنے یا میری طرف دیکھنے کا کیا حق ہے تو میرے جیسے لوگوں سے بات کرتا ہے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے۔

یہ ایک ایسی پوشیدہ رگ ہے کہ کوئی بھی نسب والا اس سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ نیک اور عمل کرنے والا ہو، لیکن بعض اوقات حالات اعتدال پر ہونے کی صورت میں یہ بات ظاہر نہیں ہوتی اور جب اس پر غصے کا غلبہ ہو تو وہ اس کے نور بصیرت کو بجھا دیتا ہے اور اس قسم کی گفتگو زبان پر آتی ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک شخص سے تکرار ہوگئی تو میں نے کہا اے کالی عورت کے بیٹے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

يَا اَبَا ذَرٍّ طَفَّ الصَّاعِ طَفَّ الصَّاعِ لَيْسَ لِابْنِ الْبَيْضَاءِ عَلَى ابْنِ السَّوْدَاءِ

اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) صاع، پورا نہیں بھرا جاتا سفید عورت کے بیٹے کو سیاہ عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں یعنی

---

(۱) مجمع الزوائد جلد اول ص ۹۸ کتاب الایمان

فصل (۱) تم سب میں کمی ہے جس طرح پیمانہ پورا بھرا نہیں جاتا کچھ کم ہوتا ہے)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا کہ اٹھو اور میرے رخسار کو پامال کر دو۔ تو دیکھئے کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی جب انہوں نے سفید خاتون کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو افضل سمجھا۔ اور یہ بات خطا اور نادانی ہے۔ اور دیکھئے کہ انہوں نے کس طرح توبہ کی اور اپنے آپ سے تکبر کے درخت کو اس کے تلوے کے ذریعے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جس کے مقابلے میں تکبر کیا گیا تھا کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ تکبر کو صرف تواضع کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے۔

اسی سلسلے میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کیا ایک نے کہا میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں تم کون ہو؟ تمہاری تو ماں ہی نہیں تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دو آدمیوں نے باہم فخر کیا ان میں سے ایک نے کہا میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں اس طرح وہ نو پشتیں شمار کر گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جس نے فخر کا اظہار کیا ہے اس سے فرما دیجئے کہ وہ نو کی نو پشتیں جہنم میں جائیں گی اور تم ان کے ساتھ دسویں ہو گے۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لِيَدَعَنَّ قَوْمٌ الْفَخْرَ بِآبَائِهِمْ وَقَدْ صَارُوْا فَحْمًا فِىْ جَهَنَّمَ اَوْ لَيَكُوْنُنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجِعْلَانِ الَّتِىْ تَدْرِفُ بِاَنْفِهَا الْقَذَرَ۔

لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہیے وہ جہنم میں کوئلہ بن گئے یا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں جو اپنے ناک سے گندگی کو دھکیلتے ہیں۔ (۳)

حسن و جمال کے ذریعے تکبر

تکبر کا چوتھا سبب حسن و جمال ہے اور یہ عام طور پر عورتوں میں پایا جاتا ہے اس کا نتیجہ بھی یہی ہوتا ہے کہ دوسروں میں نقص تلاش کیا جاتا ہے ان کی غیبت کی جاتی ہے اور لوگوں کے عیب بیان کئے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی

---

(۱) مشکل الآثار جلد ۴ ص ۲۶۴ باب مشکل فی لطف الصانع / مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۵۸ مرویات ابوذر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۴ مرویات ابو ریحانہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۲۴ مرویات ابوہریرہ

(۴) اس حدیث میں مشرکین کے آباؤ اجداد کا ذکر ہے مسلمانوں کے مسلمان آباؤ اجداد تو جنتی ہیں اور قابل فخر بھی ۱۲ ہزاروی

ہے کہ ایک خاتون، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو میں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس کا قد چھوٹا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کی غیبت کی ہے (۱)

تو اس کا منشاء بھی پوشیدہ تکبر تھا کیونکہ اگر آپ خود بھی چھوٹے قد کی ہوتیں تو اس کے چھوٹے قد کا ذکر نہ کرتیں گویا انہوں نے اپنے قد کو اچھا جانا اور اپنے مقابلے میں اس عورت کو چھوٹا سمجھ کر یہ بات فرمائی۔

مال کے ذریعے تکبر

تکبر کا پانچواں سبب مال ہے اور یہ بادشاہوں کے درمیان ان کے خزانوں میں اور تاجروں کے درمیان ان کے سامان کے سلسلے میں ہوتا ہے اسی طرح دیہاتیوں میں زمین اور آرائش والوں میں لباس اور سواری میں ہوتا ہے مالدار آدمی، فقیر کو حقیر سمجھتا ہے اور اس پر تکبر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو مسکین اور فقیر ہے اگر میں چاہوں تو تیرے جیسے لوگوں کو خریدلوں میں تو تم سے اچھے لوگوں سے خدمت لیتا ہوں تو کون ہے؟ اور تیرے ساتھ کون ہے؟ میرے گھر کا سامان تیرے تمام مال سے بڑھ کر ہے میں تو ایک دن میں اتنا خرچ کرتا ہوں جتنا تو سال بھر میں نہیں کھاتا۔

وہ یہ تمام باتیں اس لیے کرتا ہے کہ مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے جب کہ اس شخص کو فقر کی وجہ سے حقیر جانتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ فقر کی فضیلت اور مالداری کے فتنہ سے بے خبر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا۔ (۲)

پس اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے بحث مباحثہ کر رہا تھا (کہ) میرے پاس تم سے زیادہ مال ہے اور انسانی نفرت بھی زیادہ ہے۔

حتیٰ کہ دوسرے نے جواب دیا۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا۔ (۳)

اگر تو مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم دیکھتا ہے تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا دے اور تیری باغ پر آسمان سے بجلیاں اتارے تو وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے (جس پر قدم نہ ٹھہر سکیں) یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تو اسے تلاش نہ کر سکے۔

---

(۱) الدر المنثور جلد ۶ ص ۹۴ تحت آیت لا یغتب بعضکم بعضا

(۲) قرآن مجید، سورہ الکہف آیت ۳۴ (۳) قرآن مجید، سورہ الکہف آیت ۳۹، ۴۰، ۴۱

تو اس پہلے شخص کا قول مال اور اولاد کے ذریعے تکبر کے طور پر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے انجام کا یوں ذکر فرمایا۔

یَا لَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِکْ بِرَبِّیْ اَحَدًا۔ (۱)

ہائے افسوس میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔

قارون کا تکبر بھی اسی انداز کا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے تکبر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۔ (۲)

تو وہ اپنی آرائش میں اپنی قوم کی طرف نکلا تو وہ جو دنیا کی زندگی چاہتے تھے کہنے لگے کاش ہمارے پاس بھی ایسا مال ہوتا جو قارون کو ملا بے شک اس کا بڑا حصہ ہے۔

طاقت کے ذریعے تکبر

تکبر کا چھٹا سبب قوت اور زور ہے جس کے ذریعے کمزور لوگوں پر تکبر کیا جاتا ہے۔

دوست احباب کے ذریعے تکبر

تکبر کا ساتواں سبب پیروکار، مدد، شاگرد غلام، قبیلہ، رشتہ دار اور بیٹے وغیرہ ہیں بادشاہ لشکر کی کثرت کے باعث تکبر کرتے ہیں اور علماء شاگردوں کے زیادہ ہونے کے باعث تکبر ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز بھی نعمت ہے اور اس کے کمال ہونے کا عقیدہ رکھا جاتا ہے اگرچہ وہ فی نفسہ کمال نہ بھی ہو تو وہ تکبر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ہیجڑا بھی اپنے ساتھیوں پر تکبر کرتا ہے کہ میں اس فن میں زیادہ معرفت رکھتا ہوں اور مجھے زیادہ قوت حاصل ہے کیونکہ وہ اس بات کو کمال سمجھتا ہے اور یوں اس پر فخر کرتا ہے اگرچہ اس کا یہ فعل تباہی اور سزا کا باعث ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات فاسق آدمی زیادہ شراب پینے پر فخر کرتا ہے نیز عورتوں اور بچوں کے ساتھ بدکاری پر بھی فخر کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے گمان میں اسے کمال سمجھتا ہے اگرچہ وہ غلطی پر ہوتا ہے۔

تو یہ ان باتوں کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے لوگ ایک دوسرے پر تکبر کرتے ہیں جسے کوئی چیز حاصل ہوتی ہے وہ اس پر تکبر کرتا ہے جس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا یا اس کے خیال میں دوسرے کو کم ملا ہے حالانکہ ہو سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مثل ہو یا اس سے فوقیت رکھنے والا ہو جس طرح ایک عالم اپنے سے کم علم والوں پر فخر کرتا ہے کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس زیادہ علم ہے اور اپنے بارے میں حسن اعتقاد رکھتا ہے ہم اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے اس کی مدد کا سوال

---

(۱) قرآن مجید سورۃ الکہف آیت ۴۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ قصص آیت ۷۹

کرتے ہیں اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے۔

ساتویں فصل :

تکبر کا باعث امور

کبر (بڑائی) باطنی خُلق کا نام ہے جو اخلاق و افعال ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کا نتیجہ ہیں اس لیے ان کو تکبر کہنا مناسب ہے کبر صرف باطنی امر کا نام ہے اور وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کے مقابلے میں اس کی قدر کو زیادہ خیال کرنا ہے اور اس باطنی امر کا ایک ہی سبب ہے اور وہ خود پسندی ہے جو متکبر کے ساتھ تعلق رکھتی اس کا مفہوم آگے بیان ہوگا۔ کیونکہ جب کوئی آدمی اپنی ذات، علم، عمل یا کسی اور سبب سے خود پسندی کا شکار ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے۔

ظاہری تکبر کے تین اسباب ہیں۔ ایک سبب خود متکبر میں ہوتا ہے دوسرا اس آدمی میں ہوتا ہے جس پر تکبر کیا جا رہا ہے اور تیسرا سبب ان دونوں کے غیر سے متعلق ہوتا ہے۔ جو سبب متکبر سے تعلق رکھتا ہے وہ خود پسندی ہے اور جو سبب اس آدمی سے متعلق ہے جس پہ تکبر کیا جاتا ہے وہ کینہ اور حسد ہے اور دونوں کے غیر سے جو متعلق ہے وہ ریا ہے اس طرح یہ چار اسباب بن جاتے ہیں۔ خود پسندی، کینہ، حسد اور ریا۔

خود پسندی کے بارے میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ باطنی کبر پیدا کرتا ہے اور باطنی کبر کا نتیجہ اعمال اقوال اور احوال میں ظاہر ہونے والا تکبر ہے کینہ تکبر کی راہ دکھاتا ہے لیکن اس میں خود پسندی نہیں ہوتی جیسے وہ شخص جو اس آدمی پہ تکبر کرتا ہے جسے وہ اپنی مثل یا اپنے سے بلند سمجھتا ہے لیکن کسی وجہ سے اس پر غصہ کھاتا ہے تو یہ غصہ کینہ پیدا کرتا ہے اور اس کے دل میں بُغض راسخ ہو جاتا ہے اس وجہ سے وہ اس کے سامنے تواضع کے لیے تیار نہیں ہوتا اگرچہ وہ تواضع کا مستحق ہوتا ہے کتنے ہی رزیل قسم کے لوگ اکابرین سے کسی کے لیے تواضع اختیار نہیں کرتے کیوں کہ وہ دل میں کینہ رکھتے ہیں یا اس کی وجہ ان سے بُغض رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر وہ لوگ حق بات بھی کہیں تو یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور ان کی طرف سے نصیحت قبول کرنے سے نفرت کرتے ہیں۔

اور ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اگرچہ وہ جانتا ہے کہ اسے اس بات کا حق حاصل نہیں ہے اگر وہ اس بزرگ شخصیت پر ظلم کرے تو نہ معافی مانگتا ہے اور نہ ہی معذرت کرتا ہے اور جس بات سے لاعلم ہوتا ہے اس کے بارے میں اس سے پوچھتا بھی نہیں۔

حسد بھی اس آدمی سے بغض پیدا کرتا ہے جس سے حسد کیا جاتا ہے اگرچہ اس کی طرف سے ایذا نہ پہنچی ہو اور نہ غصے اور کینے کا کوئی سبب ظاہر ہوا ہو حسد کی وجہ سے حق سے انکار بھی کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ نصیحت بھی قبول نہیں کرتا اور علم بھی حاصل

نہیں کرتا۔

کتنے ہی جاہل، علم کا شوق رکھتے ہیں لیکن اپنے شہر والوں میں سے کسی عالم سے علم حاصل کرنے کو اچھا نہ سمجھنے کی وجہ سے جہالت کی رذالت میں رہتے ہیں وہ حسد کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں سے منہ پھرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ شخص عالم فاضل ہے لہذا اس کے سامنے تواضع اختیار کرنی چاہیے۔ لیکن حسد اسے اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ متکبر لوگوں کا طریقہ اختیار کرے اگرچہ وہ باطنی طور پر اپنے آپ کو اس سے اوپر نہیں سمجھتا۔

ریا بھی متکبر لوگوں کا راستہ اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے حتیٰ کہ ایک آدمی اس شخص سے بھی مناظرہ کرتا ہے جیسے وہ اپنے آپ سے افضل جانتا ہے اور ان دونوں کے درمیان نہ کوئی جان پہچان ہوتی ہے اور نہ ہی حسد اور کینہ ہوتا ہے لیکن وہ اس سے حق بات قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس سے استفادہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اسے یہ ڈر ہوتا ہے کہ لوگ اسے مجھ سے افضل قرار دیں گے تو محض ریاکاری کی وجہ سے وہ تکبر کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر وہ تنہائی میں اس کے ساتھ ہو تو تکبر نہیں کرتا۔

اور جو آدمی خود پسندی، حسد یا کینے کی وجہ سے تکبر کرتا ہے وہ اس وقت بھی تکبر کرتا ہے جب وہ خود اور وہ شخص ہوتا ہے جس پر تکبر کرتا ہے اور کوئی تیسرا آدمی نہیں ہوتا اسی طرح بعض اوقات وہ ریا کی خاطر اپنے لیے شریف نسب بتاتا ہے حالانکہ وہ جھوٹ بول رہا ہوتا ہے پھر وہ اس آدمی پر تکبر کرتا ہے جو اس نسب سے منسوب نہیں ہے مجلس میں اس سے بلندی اختیار کرتا ہے اور راستے میں اس سے آگے بڑھتا ہے اور عزت و توقیر میں برابری کو پسند نہیں کرتا حالانکہ وہ باطنی طور پر جانتا ہے کہ وہ اس منصب کے لائق نہیں ہے اور اس کے باطن میں بھی بڑائی نہیں ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ نسب کے دعویٰ میں جھوٹا ہے لیکن ریا کی وجہ سے وہ تکبر کرنے والوں جیسے کام کرنے پر مجبور ہے۔

گویا عام طور پر متکبر اسی شخص کو کہتے ہیں جو باطنی تکبر کی وجہ سے یہ کام کرتا ہے اور یہ خود پسندی اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کا نتیجہ ہے اور ریاکار کو متکبر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کام تکبر پر مبنی افعال کے مشابہ ہوتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اچھی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آٹھویں فصل:

تواضع کرنے والوں کے اخلاق اور تواضع و تکبر کے اثرات

جان لو! تکبر انسان کی عادات میں بھی ہوتا ہے جیسے چہرہ پھلانا، ترچھی نظروں سے دیکھنا، سر کو ایک طرف جھکانا اور چوکڑی مار کر یا تکیہ لگا کر بیٹھنا، اسی طرح گفتگو میں بھی تکبر ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کی آواز اور بیان میں بھی ایک قسم کے فن کا مظاہرہ ہوتا ہے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور حرکات و سکنات سے بھی تکبر جھلکتا ہے اس طرح احوال و اموال اور افعال کی تبدیلی میں

یعنی تکبر کا اظہار ہوتا ہے بعض متکبرین ہیں یہ تمام باتیں جمع ہوتی ہیں اور کچھ میں بعض امور ہوتے ہیں جب کہ بعض امور میں وہ تواضع کا اظہار کرتے ہیں شلاً بعض لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ لوگ ان کے لیے یا ان کے سامنے کھڑے ہوں سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا جو شخص کسی جہنمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ایسے آدمی کو دیکھے جو بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے کچھ لوگ کھڑے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی سے محبت نہیں تھی لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند نہیں فرماتے۔ (۱)

(نوٹ :- اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی بزرگ کی آمد پر کھڑا ہونا ناجائز ہے بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا بیان ہے کہ آپ اپنے لیے اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے ۱۲ ہزاروی)

تکبر کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ جب تک اس کے پیچھے چلنے والا کوئی نہ ہو وہ نہیں چلتا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تک کسی آدمی کے پیچھے چلنے والے ہوں اللہ تعالیٰ سے اس کی دوری میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں میں پہچانے نہیں جاتے تھے کیونکہ آپ ظاہری صورت میں ان سے ممتاز نہیں ہوتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پیچھے ایک جماعت چلنے لگی تو آپ نے ان کو منع کر دیا اور فرمایا اس سے بندے کے دل میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اپنے بعض صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے جاتے تو ان کو آگے چلنے کا حکم فرماتے اور خود ان کے درمیان چلتے آپ کا یہ عمل یا تو دوسروں کی تعلیم کی خاطر ہوتا تھا یا یہ کہ اپنے آپ سے تکبر اور خود پسندی سے متعلق شیطانی وسوسوں کو دور کرنا مقصود تھا۔ (۲)

جیسا کہ آپ نے انہی دو مقاصد میں سے ایک کے تحت نماز میں نئے کپڑے اتار کر پرانے کپڑوں سے بدل دیا (۳)

(اوپر والا لباس یعنی جبہ وغیرہ مراد ہے)

تکبر کی ایک علامت یہ ہے کہ متکبر آدمی دوسروں کی ملاقات کے لیے نہیں جاتا اگرچہ اس کی ملاقات سے دوسروں کو برکت حاصل ہوتی ہے تو یہ طریقہ بھی تواضع کے خلاف ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۳۹۲، ابواب الادب،

(۲) کنز العمال جلد ۵ ص ۸۵ ، حدیث ۱۹۲۱۴

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۴ کتاب الصلوٰۃ

مروی ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ رملہ میں تشریف لائے تو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ نے ان کو پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس تشریف لا کر کوئی حدیث سنائیں حضرت سفیان رحمۃ اللہ تشریف لائے تو آپ سے عرض کیا گیا اے ابواسحٰق ! (حضرت ابراہیم بن ادھم کی کنیت ہے) آپ ایسے لوگوں کو یوں بلاتے ہیں فرمایا میں ان کی تواضع دیکھنا چاہتا تھا۔

متکبرین کی ایک عادت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ان کے قریب بیٹھے تو نفرت کرتے ہیں اور اگر سامنے بیٹھے تو ٹھیک ہے۔ حالانکہ تواضع اس کے خلاف ہے۔

حضرت ابن وہب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد کے پاس بیٹھا تو میری ران ان کی ران کے ساتھ ٹکرا گئی تو میں نے اپنے آپ کو ان سے دور کر دیا انہوں نے میرا کپڑا پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا میرے ساتھ جابر و متکبر لوگوں والا سلوک کیا کرتے ہو میں تم میں سے کسی کو بھی اپنے آپ سے برا نہیں سمجھتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑتی اور جہاں چاہتی لے جاتی (یعنی آپ اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے)

متکبر آدمی کی ایک عادت یہ ہے کہ وہ بیماروں کے پاس بیٹھنے سے بھاگتا ہے اور یہ بھی تکبر ہے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اسے چیچک نکلی ہوئی تھی آپ کے پاس صحابہ کرام کی ایک جماعت کھانا کھا رہی تھی وہ جس صحابی کے پاس بھی بیٹھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کھانے سے کسی کوڑھی اور سفید داغ والے بلکہ کسی بھی مریض کو روکتے نہیں تھے بلکہ اسے اپنے دستر خوان پر بٹھاتے۔

تکبر کی ایک علامت یہ ہے کہ ایسا شخص گھر میں اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا جب کہ یہ بات، تواضع کے خلاف ہے۔ منقول ہے کہ ایک رات حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے ہاں کوئی مہمان آیا اور آپ لکھ رہے تھے قریب تھا کہ چراغ بجھ جاتا مہمان نے عرض کیا میں اٹھ کر ٹھیک کر دیتا ہوں تو آپ نے فرمایا مہمان سے خدمت لینا اچھی بات نہیں ہے۔ اس نے کہا غلام کو جگا دوں؟ فرمایا وہ ابھی ابھی سویا ہے چنانچہ آپ خود اٹھے اور کپی لے کر چراغ کو تیل سے بھر دیا، مہمان نے کہا امیر المومنین آپ نے خود ذاتی طور پر یہ کام کیا؟ فرمایا جب میں (اس کام کے لیے) اٹھا تو بھی عمر تھا اور جب واپس آیا تو بھی عمر تھا میرے مقام میں کوئی کمی نہیں آئی اور بہترین آدمی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تواضع کرنے والا ہو۔

تکبر کی ایک علامت یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے ہاتھ سے کوئی چیز اٹھا کر گھر نہیں لے جاتا اور یہ تواضع کرنے والوں کے طریقے کے خلاف ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھ سے سامان لے جاتے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی کامل شخص اپنے گھر والوں کے لیے کوئی چیز اٹھا کر لے جاتے تو اس سے اس کے کمال کوئی کمی نہیں آتی۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جب لشکر کے امیر تھے پانی کا گھڑا خود حمام میں لے جاتے (اور غسل فرماتے) حضرت ثابت بن ابو مالک فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ بازار سے لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے آرہے تھے اور ان دنوں آپ مروان کی طرف سے خلیفہ تھے۔ آپ فرمارہے تھے امیر کو راستہ دو۔

حضرت اصبغ بن نباتہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں گویا میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے بائیں ہاتھ میں گوشت لٹک رہا تھا اور دائیں ہاتھ میں دُرّہ تھا اس حالت میں آپ بازار میں گھوم رہے تھے حتیٰ کہ گھر میں داخل ہوگئے۔

بعض بزرگوں سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے ایک درہم کا گوشت خریدا اور اسے اپنی چادر میں اٹھالیا میں نے عرض کیا امیر المومنین! میں اٹھا کر لے جاتا ہوں فرمایا نہیں عیال دار آدمی کو خود ہی اٹھانا مناسب ہے۔

ایک عادت لباس پہننے کی ہے کیونکہ اس سے بھی تکبر اور تواضع کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (۱) ادنیٰ لباس ایمان سے ہے۔

حضرت ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت معن رضی اللہ عنہ سے بذاذۃ کا معنیٰ پوچھا تو انہوں نے فرمایا ادنیٰ لباس۔

حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بازار جاتے ہوئے دیکھا آپ کے ہاتھ میں دُرّہ تھا اور آپ کے اوپر جو چادر تھی اس میں چمڑے کے چودہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر پیوند لگی چادر کے حوالے سے اعتراض کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے لوگ مومن کی اقتدا کرتے ہیں اور دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا عمدہ کپڑے دل میں تکبر پیدا کرتے ہیں، اور حضرت طاؤس فرماتے ہیں میں اپنے ان ہی دو کپڑوں کو دھوتا ہوں لیکن اس کے باوجود جب تک یہ اُجلے رہتے ہیں میں دل کو پہچان نہیں سکتا۔

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب تک خلیفہ نہیں بنے تھے آپ کے لیے جبہ ایک ہزار دینار کا خریدا جاتا تھا آپ فرماتے اگر یہ کھردرا نہ ہوتا تو کتنا اچھا تھا لیکن جب تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کے لیے پانچ درہم کا کپڑا خریدا جاتا آپ فرماتے اگر یہ نرم نہ ہوتا تو کتنا اچھا تھا آپ سے پوچھا جاتا اے امیر المومنین! آپ کا وہ لباس، سواری اور عطر کہاں گیا آپ نے فرمایا میرا نفس زینت کا شوق رکھنے والا ہے وہ جب کسی دنیوی مرتبے کا مزہ چکھتا

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳، ابواب الزھد

تو اس سے اوپر والے مرتبے کا شوق رکھتا یہاں تک کہ جب خلافت کا مزہ چکھا جو سب سے بلند طبقہ ہے تو اب اس چیز کا شوق ہوا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

حضرت سعید بن سوید رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہمیں جمعۃ المبارک کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد تشریف فرما ہوئے آپ نے جو قمیص پہن رکھی تھی اس کے گریبان پر آگے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے ایک شخص نے عرض کیا اے امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے آپ پہنتے کیوں نہیں؟ آپ نے کچھ دیر سر جھکائے رکھا پھر اٹھایا اور فرمایا بہترین میانہ روی، مالداری کی حالت میں ہوتی ہے اور سب سے اچھا معاف کرنا طاقت کے وقت ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ تَرَكَ زِيْنَةً لِلّٰهِ وَوَضَعَ ثِيَابًا حَسَنَةً تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَابْتِغَاءً لِمَرْضَاتِهِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَدَّخِرَ لَهُ عَبْقَرِيَّ الْجَنَّةِ۔ (۱)

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے زینت چھوڑ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتے ہوئے اچھے کپڑے پہننا ترک کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے کہ اسے جنت کا عمدہ لباس پہنائے۔

اگر تم کہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا عمدہ کپڑے دل میں تکبر پیدا کرتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمدہ کپڑوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ بھی تکبر ہے؟

تو آپ نے فرمایا۔

لَا وَلٰكِنَّ مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ وَغَمِصَ النَّاسَ۔ (۲)

نہیں بلکہ تکبر اس چیز کا نام ہے کہ حق سے جاہل رہے اور لوگوں کی عیب جوئی کرے۔

تو ان دونوں باتوں کو کس طرح جمع کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نئے کپڑے پہننے سے لازم نہیں آتا کہ ہر پہننے والا تکبر کرے اور حدیث شریف میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی حالت سے بھی یہی بات معلوم کی تھی جب انہوں نے عرض کیا کہ میں ایک ایسا آدمی ہوں جسے خوش لباس رہنا پسند ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ (۳)

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۸ ص ۴۴ ترجمہ ۳۹۴

(۲) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۳۴ کتاب اللباس

(۳) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۳۴، کتاب اللباس

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کر لیا کہ ان کا میلان پاک صاف رہنے اور عمدہ لباس کی طرف ہے دوسروں پر تکبر کرنا مقصود نہیں کیوں کہ عمدہ لباس سے تکبر کا پیدا ہونا ضروری نہیں ہے۔

البتہ بعض اوقات تکبر کی وجہ سے بھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ بعض اوقات ادنیٰ کپڑوں پر راضی رہنا تواضع کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن تکبر کی علامت یہ ہے کہ جب اسے لوگ دیکھتے ہیں تو وہ اچھے کپڑے پہنتا ہے اور جب تنہا ہو تو کوئی پرواہ نہیں کرتا لیکن جو آدمی حسن و جمال کا طالب ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر چیز میں جمال کو پسند کرتا ہے اگرچہ تنہا ہو حتیٰ کہ گھر کے پردوں میں بھی اس بات کا خیال رکھتا ہے اور وہ تکبر کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ احوال مختلف ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بعض حالات سے متعلق ہے کہ بعض اوقات عمدہ لباس دل میں تکبر پیدا کر دیتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان بھی درست ہے کہ اس کی بنیاد تکبر نہیں ہے یعنی یہ کام تکبر کی وجہ سے نہیں ہوتا پھر اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کی صورت میں حالات مختلف ہیں اور درمیانہ لباس پسندیدہ ہے یعنی نہ تو عمدگی کی وجہ سے شہرت ہو اور نہ ہی اس کے ادنیٰ ہونے کی وجہ سے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَالْبَسُوْا وَتَصَدَّقُوْا فِيْ غَيْرِ سَرَفٍ وَلَا مَخِيْلَةٍ۔ (۱)

کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو لیکن نہ تو حد سے زیادہ ہو اور نہ بطور تکبر ہو۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يَّرٰى اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا چاہتا ہے۔

حضرت بکر بن عبداللہ مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بادشاہوں کی طرح لباس پہنو لیکن خوفِ خدا سے اپنے دلوں کو مار دو۔۔۔ انہوں نے یہ بات ان لوگوں سے فرمائی جو نیکو کار لوگوں کا لباس پہن کر تکبر طلب کرتے ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

کیا وجہ ہے کہ تم میرے پاس راہبوں (عبادت گزار لوگوں) کے لباس جیسا لباس پہن کر آتے ہو لیکن تمہارے دل ضرر رساں بھیڑیئے کے دل جیسے ہیں بادشاہوں کا لباس پہنو لیکن اپنے دلوں کو خشیتِ الٰہیہ سے نرم کر دو۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۶۶، ابواب اللباس

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۳۵، کتاب الاطعمۃ

تواضع کرنے والوں کی ایک عادت یہ ہے کہ جب کوئی شخص ان کو گالی دیتا ہے یا ان کو اذیت پہنچاتا ہے یا ان کا حق مارتا ہے تو وہ نہایت عاجزی سے اسے برداشت کر لیتے ہیں ہم نے غضب اور حسد کے بیان میں برداشت کے سلسلے میں اسلاف سے منقول اقوال لکھے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حسن اخلاق اور تواضع کا مجموعہ، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ لوگوں نے لباس مشروب، سواری اور کھانے سے متعلق جو نئی نئی باتیں شروع کر دی ہیں ان کے بارے میں آپ کا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا اے بھتیجے! اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھاؤ، اللہ تعالیٰ کے لیے پیئو اور اللہ تعالیٰ کے لیے پہنو۔ اور ان میں سے جس عمل میں بھی تکبر، ریا اور شہرت کا دخل ہوا وہ گناہ اور اسراف ہوگا اور گھر میں وہ کام کاج کیا کرو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ میں کیا کرتے تھے۔

آپ اونٹ کو چارہ دیتے، اسے خود باندھتے، گھر میں جھاڑو دیتے، بکری کا دودھ دوہتے، جوتا گانٹھتے، کپڑے میں پیوند لگاتے، اپنے خادم کے ساتھ کھانا کھاتے، اگر وہ تھک جاتا تو اس کی جگہ آٹا پیستے، بازار سے سودا خریدتے اور اسے ہاتھ میں لٹکاتے یا کپڑے کے کسی کونے میں باندھنے سے حیا نہ فرماتے گھر کی طرف واپس تشریف لاتے تو ہر مالدار اور غریب نیز چھوٹے اور بڑے سے مصافحہ کرتے آپ کے سامنے جو بھی نمازی آتا اسے سلام کرتے وہ چھوٹا ہوتا یا بڑا، کالا ہوتا یا سرخ آزاد ہوتا یا غلام، آپ کے لیے گھر کا الگ اور باہر کا الگ لباس نہ تھا آپ کو دعوت دی جاتی تو اسے قبول کرنے میں جھجک محسوس نہ فرماتے اگرچہ دعوت دینے والا کتنا ہی پریشان حال ہوتا جس کھانے کی دعوت دی جاتی اسے حقیر نہ جانتے اگرچہ ردی قسم کی کھجور ہی ہوتی صبح کا کھانا شام کے لیے اور شام کا کھانا صبح کے لیے نہ رکھتے، ہلکی پھلکی غذا استعمال فرماتے طبیعت میں نرمی تھی، ملنسار اور عمدہ سلوک فرمانے والے تھے کشادہ رو تھے تبسم فرماتے تھے ہنستے نہیں تھے غمگین رہتے لیکن ترش رو نہ ہوتے شدت فرماتے لیکن زیادہ سختی نہ ہوتی تواضع فرماتے لیکن ذات و رسوائی سے پاک ہوتی سخاوت فرماتے لیکن اس میں اسراف نہ ہوتا ہر رشتہ دار اور مسلمان پہ مہربان تھے دل میں نرمی تھی ہمیشہ گردن جھکا کر رکھے اس قدر شکم سیر نہ ہوتے کہ ڈکار آنے لگیں اپنے دست مبارک کو طمع کی طرف نہ بڑھاتے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد کے بارے میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا تھا ام المومنین کی خدمت میں عرض کر دیا انہوں نے فرمایا حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کسی بات میں خطا نہیں کی البتہ کچھ باتیں چھوڑ دیں کیونکہ انہوں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ اور نہ ہی کسی سے شکوہ کیا اور آپ کو خوش حالی اور مالداری کی نسبت فاقہ زیادہ پسند تھا اور بعض اوقات آپ تمام رات بھوک سے گزار دیتے اور پھر ان کو روزہ رکھ لیتے حالانکہ آپ اپنے رب سے سوال کرتے کہ وہ زمین کے خزانے اور پھل اور زمین کے مشرق و مغرب کا وسیع عیش آپ کو عطا فرمائے تو

اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا۔ اور بعض اوقات میں آپ کی بھوک کو دیکھ کر ترس کھاتے ہوئے روتی اور اپنا ہاتھ آپ کے پیٹ مبارک پر پھیر کر کہتی میری جان آپ پر قربان ہو اگر آپ دنیا سے اتنا ہی لے لیں جتنا آپ کے لیے ضروری ہے اور اس سے بھوک کا ازالہ ہو جائے (تو کیا حرج ہے)؟ آپ فرماتے اے عائشہ! میرے بھائیوں نے اولوالعزم رسول تھے اس سے بھی زیادہ مشکل اور سخت باتوں پر صبر کیا وہ اپنی اسی حالت پر رہے اور پھر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اچھا ٹھکانہ اور بہترین ثواب عطا فرمایا اور مجھے اس بات سے حیا آتی ہے کہ اگر میں خوشحالی کی زندگی گزاروں تو کہیں ان سے پیچھے نہ رہ جاؤں۔

چند دن صبر کرنا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ آخرت میں میرا حصہ کم ہو جائے اور مجھے اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ ملنے سے بڑھ کر کوئی چیز پسند نہیں ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم اس کے بعد ایک ہفتہ بھی مکمل نہ ہوا کہ آپ کا انتقال ہو گیا (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات ذکر کئے گئے ہیں وہ تواضع کرنے والوں کے تمام اخلاق کے جامع ہیں لہذا جو آدمی تواضع کا طالب ہو وہ آپ کے نقش قدم پر چلے اور جو شخص آپ کے رتبہ سے اپنے رتبہ کو اونچا جانتا ہے اور جن باتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پسند فرمایا یہ ان کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا تو وہ کتنا بڑا جاہل ہے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دینی و دنیوی منصب تمام مخلوق کے مقام سے بڑا ہے اور آپ کی اقتدا کے بغیر کوئی بلندی اور عزت حاصل نہیں ہوتی۔

اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا" ہم وہ قوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے پس ہم اس کے علاوہ کسی بات میں ہرگز عزت تلاش نہیں کریں گے، آپ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب ملک شام میں داخل ہوتے وقت آپ کی ظاہری حالت اچھی نہ ہونے پر اعتراض کیا گیا تھا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو ابدال کہا جاتا ہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خلفاء ہیں یہ لوگ زمین کی میخیں ہیں جب نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایک جماعت کو ان کے قائم مقام کر دیا وہ اپنی نمازوں اور روزوں کی کثرت اور حلیہ کے باعث لوگوں پر فضیلت نہیں رکھتے بلکہ سچی پرہیزگاری، حسن نیت تمام مسلمانوں کے لیے ان کے سینے کی سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کی خیر خواہی کی وجہ سے ان کو فضیلت حاصل ہے وہ بزدلی کے بغیر صبر اور ذلت سے پاک تواضع اختیار کرتے ہیں

---

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۲۰۰ حدیث ۱۸۷۷۱ - (الفاظ کی مکمل تبدیلی کے ساتھ)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا اور اپنے لیے خاص کیا وہ چالیس صدیق یا تیس مرد ہوتے ہیں ان کے دلوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یقین جیسا یقین ہوتا ہے ان میں سے جب بھی کسی کا انتقال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا نائب پیدا کردیتا ہے۔

اے بھائی! جان لو کہ وہ کسی چیز پر لعنت نہیں بھیجتے نہ کسی کو اذیت پہنچاتے ہیں، نہ حقیر جانتے ہیں نہ کسی پر دست درازی کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سے حسد کرتے ہیں وہ دنیا کی حرص بھی نہیں وہ سب لوگوں سے اچھے تجربہ کار، زیادہ نرم طبیعت اور سخی ہوتے ہیں سخاوت ان کی علامت، ہشاش بشاش رہنا ان کی عادت اور سلامتی ان کا وصف ہے وہ ایسے نہیں ہیں کہ آج انہیں خوف خدا ہو اور کل وہ غافل ہو جائیں بلکہ وہ ہمیشہ ظاہری حالت پر رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا جو معاملہ ہے اس سلسلے میں ان کو نہ تو تیز ہوا پا سکتی ہے اور نہ تیز رفتار گھوڑے، ان کا دل اللہ تعالیٰ کے شوق اور اس کے ہاں راحت پانے میں ترقی کرتے ہیں نیز نیکیوں کے اشتیاق میں ان کے قدم اٹھتے ہیں یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں سنو! اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔

راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے ابو درداء رضی اللہ عنہ میں نے ان سے زیادہ سخت وصف کبھی نہیں سنا میں اس صفت تک کیسے پہنچ سکتا ہوں انہوں نے فرمایا اگر تو اس کو اچھی طرح حاصل کرنا چاہتا ہے تو تجھے دنیا سے نفرت کرنا ہو گی کیوں کہ جب تو دنیا سے نفرت کرے گا تو آخرت کی محبت پیدا ہو گی اور جس قدر آخرت کی محبت ہو گی اسی قدر دنیا سے بے رغبتی ہو گی۔ اور اسی طرح تجھے نفع بخش باتیں دکھائی دیں گی اللہ تعالیٰ جب بندے سے اچھی طلب دیکھتا ہے تو اسے سیدھے راستے پر کشادگی عطا فرماتا ہے اور اسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔

اے بھائی! جان لو کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے جو اس نے اتاری ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور وہ جو نیکی کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے اس سلسلے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ لذت حاصل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا جوئی سے بڑھ کر کوئی لذت حاصل نہیں ہوتی۔

یا اللہ! ہمیں ان لوگوں کی محبت عطا فرما جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اے تمام جہانوں کے پروردگار، کیوں کہ تیری محبت کے قابل وہی ہو سکتا ہے جسے تو پسند فرمائے اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کے آل و اصحاب پر رحمت و سلام ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النحل آیت ۱۲۸

نویں فصل :

تکبر کا علاج اور تواضع کا حصول

جاننا چاہیئے کہ تکبر ہلاک کرنے والے کاموں میں سے ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس سے خالی نہیں نیز اس کا ازالہ فرض عین ہے اور یہ محض تمنا کرنے سے زائل نہیں ہوتا بلکہ علاج کرنے اور ایسی دوائیاں استعمال کرنے سے زائل ہوتا ہے جو اس کا قلع قمع کر دیتی ہیں اس کے علاج میں دو مقام ہیں۔

پہلا مقام یہ ہے کہ دل میں موجود اس کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

اور دوسرا مقام یہ ہے کہ ان اسباب کو ختم کیا جائے جو دوسرے پر تکبر کا باعث بنتے ہیں پہلا مقام یعنی اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا علمی اور عملی طور پر ہوتا ہے اور جب تک یہ دونوں باتیں حاصل نہ ہوں شفاء حاصل نہیں ہوتی۔

علمی طریقۂ علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو بھی پہچانے اور اپنے رب کی معرفت بھی حاصل کرے تکبر کے ازالہ کے لیے یہ بات اسے کفایت کرتی ہے کیونکہ جب آدمی اپنے آپ کو اچھی طرح پہچان لیتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر ذلیل سے بھی ذلیل تر ہے اور ہر قلیل سے قلیل ہے تو اضع عاجزی اور ذلت و خواری ہی اس کے حال کے مطابق ہے اور جب وہ اپنے رب کی معرفت حاصل کرتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ عظمت و کبریائی تو اسی ذات کے شایانِ شان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عظمت و بزرگی کے بارے میں طویل کلام ہے اور یہ علم مکاشفہ کی انتہاء ہے۔ جہاں تک اپنے نفس کی پہچان کا تعلق ہے تو وہ بھی طویل بحث ہے لیکن ہم اس میں سے کچھ ذکر کرتے ہیں جو تواضع کے سلسلے میں فائدہ مند ہے اس سلسلے میں قرآن پاک کی ایک آیت کا مفہوم و معنیٰ جاننا کفایت کرتا ہے کیونکہ صاحبِ بصیرت کے لیے قرآن مجید میں پہلوں اور پچھلوں سب کا علم ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ مِنْ اَىِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ۔ (۱)	انسان ہلاک ہو وہ کس قدر ناشکرا ہے اسے کس چیز سے بنایا پانی کی بوند سے اسے پیدا کیا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا پھر اسے موت دی اور قبر میں رکھا پھر جب چاہے گا اسے باہر نکالے گا۔

(۱) قرآن مجید، سورۃ عبس آیت ۱۷ تا ۲۲

اس آیت کریمہ میں انسانی کی تخلیق کے آغاز، اس کے انجام اور درمیان والی حالت کا ذکر ہے تو انسان کو اس میں غور کرنا چاہیے تاکہ اس آیت کا مفہوم سمجھ سکے۔ انسان کے آغاز کی حالت یہ ہے کہ اس کا ذکر بھی نہ تھا اور ایک عرصہ تک عدم کے پردے میں رہا بلکہ اس کے عدم کا تو آغاز ہی نہیں اور عدم (نہ ہونے) سے بڑھ کر ذلت و رسوائی کیا ہو سکتی ہے لیکن انسان اسی طرح تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے نہایت رذیل چیز سے بنایا پھر اسے ناپاک چیز سے بنایا کیونکہ پہلے اسے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا پھر جما ہوا خون اور اس کے بعد لوتھڑا تھا پھر اسے ہڈی بنایا اور اس کے بعد ہڈی پر گوشت چڑھایا ــــ تو یہ اس کے وجود کا آغاز ہے جب اس کا ذکر ہوا تو جب وہ مذکور ہو گیا تو اس میں نہایت ہی خسیس اوصاف اس میں موجود تھے کیونکہ وہ ابتداء میں کامل پیدا نہیں ہوا بلکہ وہ ایک مردہ پتھر کی طرح تھا نہ سنتا تھا نہ دیکھتا تھا، نہ محسوس کرتا تھا اور نہ ہی حرکت کرتا تھا نہ وہ پکڑتا تھا اور نہ جانتا تھا تو گویا زندگی سے پہلے موت، قوت سے پہلے کمزوری علم سے پہلے جہالت بینائی سے پہلے نابینائی، سننے سے پہلے بہرا پن، بولنے سے پہلے گونگا پن ہدایت سے پہلے گمراہی، مالداری سے پہلے فقر اور قدرت سے پہلے عجز تھا اس آیت کریمہ کا یہی مفہوم ہے ارشاد خداوندی ہے۔

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ مِنْ نُّطْفَۃٍ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ۔ (۱)	اسے کس چیز سے بنایا پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا پھر اس طرح طرح کے اندازوں پر رکھا۔

اور اس آیت کریمہ کا بھی یہی معنیٰ ہے۔

ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ۔ (۲)	بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام و نشان بھی نہ تھا بے شک ہم نے آدمی کو (مرد و عورت کی) مخلوط منی سے پیدا کیا کہ ہم اس کی آزمائش کریں۔

تو انسان کی پیدائش کا آغاز اس طریقے پر ہوا پھر اس پر احسان فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ۔ (۳)	پھر اس کا راستہ آسان کر دیا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے جو اس کی زندگی میں موت تک آسانی حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ عبس آیت ۱۸، ۱۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ دھر آیت ۱، ۲

(۳) قرآن مجید، سورۃ عبس آیت ۲۰

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (۱)

مخلوط مادہ منویہ سے پیدا کیا کہ ہم اسے آزمائیں پس ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنایا بے شک ہم نے راستے کی ہدایت دی (اب) یا وہ تو شکر کرنے والا ہے یا ناشکرا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک بے جان مردہ تھا تو ہم نے اسے پہلے مٹی کی شکل میں اور پھر نطفہ کی صورت میں پیدا کیا وہ بہرا تھا ہم نے سننے کی قوت دی وہ دیکھ نہیں سکتا تھا ہم نے اسے بینائی عطا کی کمزور تھا قوت دی، جاہل تھا علم دیا اس کے اعضا نہیں تھے تو ہم نے اس کے لیے اعضاء پیدا کئے جن میں عجائبات اور نشانیاں ہیں محتاج تھا ہم نے اسے مالدار کیا بھوکا تھا اسے شکم سیر کیا، ننگا تھا اسے لباس پہنایا، اسے راستہ معلوم نہ تھا تو ہم نے اس کی راہنمائی کی تو دیکھو کس طرح کس کس تدبیر کے ساتھ اسے بنایا اور صورت عطا کی، اور اس کے لیے راستہ آسان کیا اور انسان کی سرکشی دیکھئے کہ وہ کس قدر ناشکرا ہے اور کیسا کھلا جاہل ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ (۲)

کیا آدمی نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے پانی کی بوند سے پیدا کیا جبھی وہ صریح جھگڑالو ہے۔

اور فرمایا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ۔ (۳)

اور اس کی نشانیوں سے یہ ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر جبھی تم انسان ہو دنیا میں پھیلے ہوئے۔

تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس طرح اپنی نعمت سے نوازا کہ اسے اس ذلت قلت، ہلکے پن اور گندگی سے اس بلندی اور عزت کے مقام تک پہنچایا وہ معدوم تھا اسے موجود کیا، مردہ تھا زندہ کیا، محتاج تھا مالدار بنایا۔ وہ اپنی ذات میں کچھ بھی نہ تھا اور کچھ نہ ہونے سے بڑھ کر کیا ذلت ہو سکتی ہے نیز عدم محض سے بڑھ کر کیا قلت ہو سکتی ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کچھ بن گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو مٹی سے پیدا کیا جسے قدموں کے نیچے روندا جاتا ہے اور پھر عدم محض کے بعد ناپاک مادہ منویہ سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ دھر آیت ۲، ۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۷۷

(۳) قرآن مجید، سورہ روم آیت ۲۰

پیدا کیا تاکہ وہ اپنی ذاتی خساست کو دیکھ سکے اور یوں اپنے آپ کو پہچانتے اس پر اپنی نعمتوں کو اس لیے مکمل کیا کہ اس طرح وہ اپنے رب کو پہچانے اور اسے اس کی عظمت و جلال کا علم ہو نیز یہ کہ کبریائی کے لائق تو صرف وہی ذات ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ (۱)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور دو ابھری ہوتی چیزوں (پستان) کی طرف راہنمائی نہیں کی۔

پہلے اس کے خسیس ہونے کو واضح کیا اور فرمایا۔

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً۔ (۲)

کہ وہ گرائی جانے والی منی کی ایک بوند نہ تھا پھر خون کی پھٹک ہوا۔

پھر اس پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

فَخَلَقَ فَسَوّٰى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى۔ (۳)

پس اسے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا پھر اس سے جوڑا (یعنی) مرد اور عورت کو بنایا۔

تاکہ افزائش نسل کے ذریعے اس کا وجود ہمیشہ باقی رہے جس طرح شروع میں پیدا کرنے سے وہ موجود ہوا۔

تو جس شخص کی ابتدا اس طرح ہوا اور اس کے احوال یہ ہوں اسے اکڑنے تکبر اور فخر کرنے کا کیا حق ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ خسیس اور سب سے زیادہ کمزور ہے لیکن خسیس لوگوں کی یہی عادت ہے کہ جب اس کی خساست کو دور کر دیا جائے تو وہ تکبر سے ناک چڑھاتا ہے اور بڑائی کا اظہار کرتا ہے اور یہ اس کی ابتدائی خساست کی دلیل ہے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت تو اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے ہاں اگر انسان کو کامل بنایا ہوتا اور اس کے تمام کام اسی کے سپرد ہوتے اور وہ اپنے اختیار سے ہمیشہ زندہ رہتا تو اس کا سرکشی کرنا اور ابتدا و انتہا کو بھول جانا کسی حد تک جائز ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے وجود پر مہلک بیماریاں مسلط کی ہیں وہ مختلف آفات کا شکار ہوتا ہے اور اس میں متضاد طبیعتیں رکھی ہیں یعنی اس میں صفرا، بلغم، ہوا اور خون رکھا ہے اور ان میں سے بعض، دوسری بعض کو ختم کر دیتی ہیں وہ اس بات کو چاہے یا انکار کرے یا ناراض ہو اس کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے وہ اپنی مرضی کے بغیر بھوکا اور پیاسا ہوتا ہے وہ بیمار ہو یا اسے موت آئے اس کی مرضی اس میں شامل نہیں ہوتی وہ اپنے نفس کے لیے نفع اور نقصان کا

---

(۱) قرآن مجید سورۃ البلد آیت ۸، ۹، ۱۰

(۲، ۳) قرآن مجید، سورۃ القیامۃ آیت ۳۷، ۳۸، ۳۹

مالک نہیں ہے نہ ہی خیر و شر اس کے قبضے میں ہیں۔ وہ کسی بات کو جاننا چاہتا ہے لیکن اس سے جاہل رہتا ہے وہ کسی چیز کو یاد رکھنا چاہتا ہے لیکن بھول جاتا ہے وہ کسی چیز کو بھول جانا اور اس سے غافل رہنا چاہتا ہے لیکن غافل نہیں رہ سکتا وہ اپنے دل کو کسی اہم کام کی طرف مصروف رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ مجبوراً وسوسوں اور افکار کی وادیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اس کا اپنا دل اس کے کنٹرول میں نہیں اور نہ ہی وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ وہ کسی چیز کی خواہش رکھتا ہے لیکن بعض اوقات وہ اس کے سبب باعث ہلاکت ہوتی ہے وہ کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے لیکن بعض اوقات اس چیز میں اس کی زندگی ہوتی ہے وہ بعض اوقات کھانوں سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے لیکن وہ اس کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں وہ دواؤں کو بے مزا جانتا ہے حالانکہ ان میں اس کا نفع اور زندگی ہے۔ وہ دن اور رات کا ایک لحظہ بھی اس بات سے بے خوف نہیں ہو سکتا کہ اس کی سماعت و بصارت سلب ہو جائے اس کے اعضاء فالج کا شکار ہو جائیں اور عقل چلی جائے اس کی جان نکل جائے اور تمام کی تمام دنیوی خواہشات دھری کی دھری رہ جائیں تو وہ مجبور رہے اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو باقی رہے اور اگر اس کو اٹھا لیا جائے تو فنا ہو جائے وہ ایک غلام ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے نہ اپنے اوپر قادر ہے اور نہ ہی کسی دوسرے پر تو اس سے زیادہ ذلیل کون ہو گا، بشرطیکہ اپنے آپ کو پہچان لے اور اس حالت میں تکبر کرنا کتنی بڑی جہالت ہے تو یہ اس کے درمیان کا حال ہے اس پر اسے غور کرنا چاہیے۔

جہاں تک اس کے انجام اور ٹھکانے کا تعلق ہے تو وہ موت ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ۔ پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچا دیا پھر جب چاہے گا اسے اٹھائے گا۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ اس کی روح، سماعت، بصارت، علم قدرت، احساس و ادراک اور حرکت لے لی جائے گی اور وہ پہلے کی طرح محض بے جان و بے حرکت ہو گا اب صرف اس کے اعضاء اور صورت باقی ہو گی نہ اس میں کوئی حس ہو گی اور نہ ہی حرکت پھر اسے قبر میں رکھ دیا جائے گا اور اب وہ بدبودار ناپاک مردار ہو گا جیسا کہ پہلے وہ بدبودار نطفہ تھا پھر اس کے اعضاء پرانے ہو جائیں گے اجزاء بھول جائیں گے ہڈیاں گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور کیڑے اس کے بدن کو کھائیں گے وہ اس کی آنکھوں کے ڈھیلے سے کھانا شروع کریں گے اس کے بعد اس کے رخساروں کو کاٹ کھائیں گے اسی طرح تمام اعضاء کو کھائیں گے اور وہ کیڑوں کے پیٹوں میں گوبر کی صورت میں ہو گا وہ مردار ہو گا جس سے حیوانات بھی بھاگیں گے اور ہر آدمی اس سے نفرت کرے گا وہ اس کی سخت بدبو کی وجہ سے اس سے بھاگیں گے اور اگر سب سے اچھی حالت ہوتی تو وہ مٹی کی شکل اختیار کرے گا جس سے برتن بنیں گے اور عمارات تعمیر ہوں گی۔ اور اب وہ مفقود ہو جائے گا حالانکہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ عبس آیت ۲۱، ۲۲

پہلے موجود تھا اور یوں ہو جائے گا کہ گویا کل تھا ہی نہیں۔ گویا مدتوں پہلے تک اس کا وجود ہی نہ تھا۔ کیا اچھا ہوتا ہے کہ اسی طرح باقی رہتا اور اس کا مٹی کی صورت میں رہنا کیا اچھی بات تھی لیکن ایسا نہیں ہوگا بلکہ اسے بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ سخت مصیبت برداشت کرے اب اس کے اجزا جمع ہوں گے اور وہ قبر سے نکلے گا اور قیامت کے ہولناک منظر کا سامنا کرنا ہوگا ایسا وہ دیکھے گا کہ قیامت قائم ہے آسمان پھٹ کر ریزہ ریزہ ہوگیا ہے زمین بدل گئی، پہاڑ ادھر سے اُدھر مارے پھرتے ہیں ستارے اندھے ہوگئے اور سورج کو گہن لگ گیا ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے فرشتے بہت سخت ہیں دوزخ سے آواز آرہی ہے اور مجرم جنت کی طرف دیکھ دیکھ کر حسرت کی تصویر بنے ہوئے ہیں اعمال نامے کھلے ہوتے ہیں اسے کہا جاتا ہے اپنا نامۂ اعمال پڑھو وہ کہے گا یہ کیا ہے؛ جواب دیا جائے گا کہ تمہاری زندگی میں تم پر دو فرشتے مقرر تھے جو تمہاری نگرانی کراتے تھے اس وقت جب کہ تم اپنی زندگی پر خوش تھے اس کی نعمتوں پر تکبر اور اس کے اسباب پر فخر کرتے تھے۔

تم جو کچھ کرتے تھے یا جو بات زبان سے نکالتے تھے یہ دونوں فرشتے اسے لکھ لیتے تھے وہ کم ہوتا یا زیادہ تمہارا کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا سب سے کچھ لکھا گیا تم اسے بھول گئے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے شمار میں سب کچھ موجود ہے۔

اب حساب کی طرف آؤ اور جواب کی تیاری کرو ورنہ عذاب کے گھر کی طرف لے جائے جاؤ گے۔ یہ بات سن کر خوف کے مارے اس کا دل پھٹ جائے گا حالانکہ اس کا نامۂ اعمال اس کے سامنے کھلا نہیں ہوگا اور نہ ہی اس نے اسے دیکھا ہوگا جب اسے دیکھے گا تو کہے گا ہائے افسوس! اس نوشتہ کو کیا ہوا اس نے تو ہر چھوٹی بڑی بات کو شمار کر رکھا ہے۔

تو یہ انسان کا آخری معاملہ ہے اس ارشاد خداوندی سے یہی مراد ہے۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۔ (۱) پھر جب چاہے گا اسے اٹھائے گا۔

تو جس آدمی کا یہ حال ہو اس کا تکبر سے کیا تعلق ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو ایک لحظہ کے لیے بھی خوش نہیں ہو سکتا اکڑنا اور تکبر کرنا تو الگ بات ہے انسان پر اس کے آغاز اور درمیان کا حال تو واضح ہے اور (معاذ اللہ) اگر اس کے آخر کا حال بھی ظاہر ہو جائے تو ہو سکتا ہے وہ کتا یا خنزیر بننا پسند کرے "تاکہ جانوروں کے ساتھ مٹی ہو جائے اور وہ انسان نہ ہوتا تاکہ نہ تو خطاب سنتا اور نہ ہی عذاب میں ڈالا جاتا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عذاب کا مستحق ہے تو اس سے خنزیر زیادہ اچھا ہے کیوں کہ اس کا آغاز وانجام دونوں مٹی کی صورت میں ہیں اور وہ حساب و عذاب سے علیحدہ رہے گا۔ اور پھر یہ کہ لوگ کتے اور خنزیر سے بھاگتے نہیں۔ جب کہ کسی گناہ گار آدمی کو جہنم میں دیکھ لیں تو وہ اس کی وحشت اور ہیبت ناک صورت کو دیکھ کر چیخ مارنا شروع کر دیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ عبس آیت ۲۲

اور اگر وہ اس کی بدبو سونگھ لیں تو اس بدبو کی وجہ سے مر جائیں اور اسے جو مشروب پلایا جائے گا اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیوی سمندروں میں گر جاتے تو وہ پانی مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہو، اور جس آدمی کا انجام یہ ہے البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے اور یہ بھی مشکوک ہی ہے تو ایسا آدمی کس طرح خوش ہوتا اور اکڑتا ہے وہ کس طرح تکبر کرتا اور سرکشی بنتا ہے وہ کس طرح اپنے آپ کو کچھ سمجھتا بلکہ اپنے آپ میں فضیلت دیکھتا ہے۔ کونسا بندہ ہے جس نے ایسا گناہ نہ کیا ہو جس کے باعث وہ عذاب کا مستحق ہوتا ہے البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کریم ذات ہے اپنے فضل و کرم سے معاف کر دے اور اپنے لطف و کرم سے اس نقصان کو پورا فرما دے اور اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کے بارے میں حسن ظن کا یہی تقاضا ہے کہ اس سے عفو و کرم کی امید رکھی جائے اور تمام قوت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ کوئی شخص بادشاہ کا مجرم قرار پا کر ایک ہزار کوڑوں کا مستحق بنتا ہے اور وہ اسے قید خانے میں ڈال دیتا ہے وہ شخص اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ اس کو لوگوں کے سامنے لاکر سزا دی جائے گی اور اسے معلوم نہیں کہ اس کو معافی ملے گی یا نہیں تو وہ قیدیوں کے سامنے کس طرح ذلیل ہوتا ہے تمہارا کیا خیال ہے وہ دوسروں قیدیوں پر تکبر کرے گا؟ (یعنی ان پر تکبر نہیں کرتا) اور ہر انسان کے لیے دنیا ایک قید خانہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہو چکا ہے اور اسے اپنے انجام کار کا علم نہیں اور یہی بات اس کے غمگین اور خوف زدہ ہونے نیز ذلت و رسوائی کے لیے کافی ہے تو یہ تکبر کا علمی علاج ہے جو اسے جڑ سے نکال پھینکتا ہے۔

تکبر کا عملی علاج تواضع ہے اللہ تعالیٰ اور تمام مخلوق کے لیے عملاً تواضع اختیار کرے اور جس طرح ہم نے نیک لوگوں کے حالات بیان کئے ہیں تواضع اختیار کرنے والوں کے اخلاق کو ہمیشہ اپنائے رکھے اس سلسلے میں ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ بھی ذکر کئے ہیں حتیٰ کہ آپ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے (۱) اور فرماتے۔

اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ اٰکُلُ کَمَا یَاکُلُ الْعَبْدُ۔ (۲)

میں تو ایک بندہ ہوں (اور) میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح کوئی بندہ کھاتا ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نیا لباس کیوں نہیں پہنتے؟ تو انہوں نے فرمایا میں ایک بندہ (غلام) ہوں جس دن آزاد ہو جاؤں گا نیا کپڑا پہن لوں گا۔ آپ نے آخروی آزادی کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور معرفت کے بعد تواضع عمل سے ہی مکمل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اہل عرب جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تکبر کرتے تھے، ان کو ایمان اور نماز دونوں کا حکم دیا گیا اور کہا گیا کہ نماز دین کا ستون ہے اور نماز کے کچھ اسرار ہیں جن کی وجہ سے وہ دین کا

---

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۱۲ حدیث ۱۸۶۶۵

(۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۲۳۲ حدیث ۴۰۷۰۸

ستون ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں اور پھر رکوع و سجود میں بھی تواضع ہے اور عربی لوگ پہلے سے ہی جھکنے سے نفرت کرتے تھے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی کے ہاتھ سے لاٹھی گر جاتی تو وہ اسے اٹھانے کے لیے بھی نہیں جھکتا تھا اگر اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جاتا تو وہ اسے ٹھیک کرنے کے لیے بھی اپنے سر کو نہیں جھکاتا تھا حتیٰ کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اس شرط پر بیعت کی کہ میں کھڑے کھڑے ہی رکوع سجدہ کروں گا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی شرط پر بیعت فرمایا (۱)

اس کے بعد وہ سمجھ گئے اور ان کا ایمان کامل ہو گیا۔ تو جب ان کے نزدیک سجدہ کرنا نہایت ذلت و رسوائی کا باعث تھا تو ان لوگوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ان کا تکبر ٹوٹے اور ان کے دلوں میں تواضع مضبوط ہو۔ اور تمام لوگوں کو بھی حکم دیا گیا کیونکہ رکوع، سجدہ اور اس کے حضور کھڑا ہونا ایسا عمل ہے کہ تواضع اس کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح جو آدمی اپنے آپ کو پہچان لے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ کونسے کام تکبر کا تقاضا کرتے ہیں تاکہ ہمیشہ ان کے خلاف کرے اور تواضع اس کی فطرت بن جائے کیونکہ دل اچھے اخلاق سے اسی وقت موصوف ہوتے ہیں جب علم اور عمل دونوں پائے جائیں اس لیے کہ دل اور اعضاء کے درمیان جو تعلق ہے نیز عالم ملک (ظاہر) اور عالم ملکوت (پوشیدہ) کے درمیان جو ربط ہے وہ پوشیدہ اور دل کا تعلق عالم ملکوت سے ہے۔

دوسرا مقام :

وہ تکبر جو مذکورہ بالا سات اسباب سے پیدا ہوتا ہے اور ہم نے جاہ و مرتبہ کی مذمت کے بیان میں ذکر کیا ہے کہ کمال حقیقی علم اور عمل ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ مرنے سے ختم ہو جاتا ہے وہ وہمی کمال ہے اس اعتبار سے عالم کیلئے تکبر سے بچنا مشکل ہوتا ہے لیکن ہم ان ساتوں اسباب میں علمی اور عملی علاج کا طریقہ ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ پہلا سبب نسب ہے پس جو شخص نسب کی بنیاد پر تکبر کرتا ہو وہ دو باتوں کی پہچان کے ذریعے اپنے دل کا علاج کرے۔

پہلی بات یہ ہے کہ دوسروں کے کمالات سے اپنے آپ کو معزز سمجھنا جہالت ہے اسی لیے کہا گیا ہے۔

لَئِنْ فَخَرْتَ بِاٰبَاءٍ ذَوِىْ شَرَفٍ لَقَدْ صَدَقْتَ — اگر تم اپنے معزز آباؤ اجداد پر فخر کرو تو یہ ٹھیک ہے

وَلٰكِنْ بِئْسَ مَاوَلَدُوْا۔ — لیکن انہوں نے بری اولاد کو جنم دیا۔

اپنے نسب پر تکبر کرنے والا اگر اپنی ذاتی صفات کے اعتبار سے خسیس ہو تو دوسروں کے کمال سے اس کی یہ کمینگی کیسے دور ہو گی بلکہ جس کی طرف یہ منسوب ہے اگر وہ زندہ ہو تو وہ اسے کہہ سکتا ہے کہ فضیلت تو مجھے حاصل ہے تم کون ہو؟ تم تو ایک کیڑے ہو جو میرے پیشاب سے پیدا ہوا تمہارا کیا خیال ہے کہ جو کیڑا انسان کے پیشاب سے پیدا ہوا تمہارا کیا خیال ہے کہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۰۲ مرویات حکیم بن حزام

جو کیڑا انسان کے پیشاب سے پیدا ہوا وہ اس کیڑے سے بہتر ہے جو گھوڑے کے پیشاب سے پیدا ہوا نہیں ہرگز نہیں بلکہ دونوں برابر ہیں شرافت و عزت تو انسان کو حاصل ہے کیڑے کو نہیں۔

۱۰۲ اپنے حقیقی نسب کو پہچانے اور یوں اپنے آباؤ اجداد کی پہچان حاصل کرے کیوں کہ اس کا قریبی باپ ایک ناپاک نطفہ تھا اور جدّ بعید (دور کا دادا) ذلیل مٹی سے تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے نسب کی پہچان کراتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ۔ (۱)

وہ جس نے ہر چیز خوب بنائی اور انسان کی ابتدا مٹی سے فرمائی پھر ایک بے قدر پانی سے اس کی نسل رکھی۔

تو جس کی اصل پامال ہونے والی مٹی ہو پھر اس کا خمیر تیار گیا تو وہ سیاہ اور بدبودار ہوگئی وہ کس طرح تکبر کر سکتا ہے جس کی طرف اس کی نسبت ہے وہ تو سب سے زیادہ ذلیل ہے کیونکہ کہا جاتا ہے اسے وہ شخص! جو مٹی سے بھی زیادہ رسوا ہے کالے کیچڑ سے بھی زیادہ بدبودار ہے اور اسے وہ شخص جو جمے ہوئے خون سے بھی زیادہ ناپاک ہے۔

اگرچہ وہ مٹی سے زیادہ قریب نہیں لیکن باپ کے زیادہ قریب تو ہے تو ہم کہتے ہیں قریب والے پر فخر کرو دور والے پر نہ کرو نطفہ اور جما ہوا خون تمہارے زیادہ قریب ہے باپ اس قدر قریب نہیں ہے تو اس اعتبار سے بھی اپنے آپ کو حقیر جاننا چاہیے۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر نسب رفعت و بلندی کا باعث ہے تو جدّ اعلیٰ مٹی سے پیدا ہوئے انہیں کہاں سے رفعت حاصل ہوگی اور اگر ان کو سربلندی حاصل نہ ہو تو اولاد کو کہاں سے ملے گی۔ تو جب اس کی اصل مٹی اور جدائی نطفہ ہے، تو نہ اس کی کوئی اصل ہے اور نہ ہی علحدگی، اور یہ نسب کا انتہائی ہلکا پن ہے۔ اس کی اصل قدموں کے نیچے روندی جاتی ہے اور جس کے ذریعے الگ ہوا اسے (نطفہ کو) بدن سے دھویا جاتا ہے تو انسان کا حقیقی نسب یہ ہے جس آدمی کو اس بات کی پہچان ہو جائے وہ نسب پر تکبر نہیں کرتا اور اس معرفت اور انکشافِ حقیقت کے بعد اس کی مثال اس طرح ہوتی ہے جیسے ایک شخص ہمیشہ اپنے آپ کو ہاشمی خیال کرتا ہے اور یہ بات اسے اس کے والدین نے بتائی ہے وہ اسی نسبی شرافت پر تکبر کرتا ہے کہ اچانک اسے کچھ سچے لوگ جن کی صداقت میں شک نہیں کیا جاتا خبر دیتے ہیں کہ وہ ایک ہندوستانی حجام کا لڑکا ہے جو گندے کام کرتا ہے وہ اسے دلائل کے ساتھ بتاتے ہیں کہ وہ دھوکے میں کیوں رہا اب اسے ان کے سچا ہونے میں شک نہیں ہوتا تو کیا اس شخص کا تکبر باقی رہے گا نہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ سجدہ آیت ۷، ۸

ذلیل و رسوا خیال کرے گا وہ تو اپنی ذلت و رسوائی کا سن کر اپنے آپ میں اس طرح گم ہو جائے گا کہ دوسروں پر تکبر کرنے کی خبر ہی نہیں رہے گی۔

تو صاحب بصیرت آدمی جب اپنی اصل میں غور کرتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ نطفے، خون اور مٹی سے پیدا ہوا ہے تو وہ تکبر نہیں کرتا کیوں کہ اگر اس کا باپ مٹی اٹھانے والا ہوتا یا سینگی لگانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پر وقت خون آلود رہتے تو اسے اپنے ہلکے پن کا احساس ہو جاتا کیوں کہ اس کے باپ کے اعضاء نے مٹی اور خون کو چھوا ہے تو جب اسے معلوم ہو کہ وہ خود مٹی، خون اور ناپاک اشیاء سے پیدا ہوا جن سے آدمی بچتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ہلکا سمجھے گا۔

۲۔ دوسرا سبب حسن و جمال کے باعث تکبر کرنا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ عقلمندوں کی نظر سے اپنے اندر دیکھے جانوروں کی طرح اپنے ظاہر کو نہ دیکھے اور جب وہ اپنے باطن کی طرف دیکھے گا تو ایسی خرابیوں پر نظر پڑے گی جن کے باعث اس کا حسن و جمال سے معزز بننا کافور ہو جائے گا۔ اس کے تمام اعضاء میں گندگی بھری ہوئی ہے آنتوں میں بول و براز مثانہ میں پیشاب، ناک میں رینٹھ، منہ میں تھوک، کانوں میں میل رگوں میں خون، چمڑے کے نیچے پیپ اور بغلوں کے نیچے بدبو ہے وہ روزانہ ایک یا دو بار اپنے ہاتھ سے پاخانہ دھوتا ہے اور ہر دن ایک یا دو بار بیت الخلاء میں جاتا ہے تاکہ اپنے اندر سے اس چیز کو نکالے جسے دیکھ کر اسے خود کراہت محسوس ہوتی ہے ہاتھ لگانا اور چھونا تو درکنار، یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ وہ اپنی گندگی اور ذلت کو پہچانے یہ تو زندگی کی حالت میں ہے۔ اور اس کا آغاز یہ ہے کہ وہ نہایت گندگی یعنی نطفے اور حیض کے خون سے پیدا ہوا اور اسے گندگی کی جگہ سے نکالا گیا۔ پہلے وہ پیٹھ سے چلا اور پھر پیشاب کے مقام آلۂ تناسل سے نکلا پھر رحم سے نکلا جہاں سے حیض نکلتا ہے اور پھر گندگی کے مقام سے نکلا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں ہمیں ہمارے نفسوں کی گندگی کی طرف متوجہ فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ تم دو مرتبہ پیشاب کی جگہ سے نکلے ہو۔

حضرت طاؤس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے یہی بات فرمائی تھی کہ جس آدمی کے پیٹ میں غلاظت ہو وہ اس طرح کیسے چل سکتا ہے انہوں نے جب آپ کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو یہ بات فرمائی اور اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز نہیں ہوئے تھے۔

یہ تو انسان کا آغاز اور درمیانی مدت ازندگی کے ایام کی صورت ہے اور اگر وہ اپنی زندگی میں ایک دن بھی طہارت حاصل نہ کرے اور غسل کرنا چھوڑ دے تو اس سے بدبو آئے اور ناپاکی ظاہر ہونے لگے اور وہ جانوروں سے بھی زیادہ بدبودار ہو جائے۔

جب انسان اس بات پر غور کرے گا کہ اسے گندگی سے پیدا کیا گیا اور گندگیوں میں ٹھہرایا گیا اور عنقریب وہ مرنے کے بعد مردہ ہو کر باقی ناپاکیوں سے بڑھ کر بلند ہو جائے گا تو وہ کبھی بھی اپنے حسن و جمال پر فخر نہیں کرے گا کیونکہ یہ جمال تو گندگی کے ڈھیر پر پیدا ہونے والا سبزہ ہے یا جنگل کا گلزار ہے کہ فی الحال اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن چند دنوں کے بعد تنکا تنکا ہو کر ہوا میں مارا مارا

پھرتا ہے اور وہ کیسے تکبر کر سکتا ہے حالانکہ اگر اس کا حُسن و جمال پائیدار بھی ہوتا اور اس میں یہ قباحتیں بھی نہ ہوتیں تو بھی کسی بدصورت کے مقابل تکبر کرنا جائز نہ تھا کیوں کہ کسی بدصورت کی بدصورتی اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی کہ وہ اس سے محفوظ رہے اور نہ ہی کسی حسین کا حُسن اس کا اپنا کمال ہے کہ اس کی وجہ سے وہ قابلِ تعریف ہو اور یہاں تو حالت یہ ہے کہ حسن و جمال باقی رہنے والا نہیں ہے بلکہ ہر وقت اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ وہ بیماری چیچک زخم یا کسی اور وجہ سے زائل ہو جائے کتنے ہی حسین چہرے ان اسباب سے بدصورت ہو گئے اگر آدمی ان اسباب کی پہچان حاصل کرلے تو دل سے اس تکبر کی بیماری زائل ہو جاتی ہے جو حُسن کی وجہ سے پیدا ہوا لیکن یہ اسی شخص کے لیے ہے جو عام طور پر اس سلسلے میں سوچتا ہے۔

۳۔ قوت و طاقت: تکبر کا تیسرا سبب ہے اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی پر جو بیماریاں مسلط ہیں ان میں غور و فکر کرے کہ اگر اس کے ہاتھ کی ایک رگ میں درد پیدا ہو جائے تو وہ تمام لوگوں سے زیادہ عاجز اور سب سے زیادہ ذلت و رسوائی کا شکار ہو اور اگر ایک مکھی اس سے کوئی چیز چھین لے تو وہ واپس نہیں لے سکتا نیز ایک مچھر اس کے ناک میں داخل ہو جائے یا کوئی چیونٹی اس کے کان میں داخل ہو جائے تو وہ اسے ہلاک کر دے اور لوگوں کے پاؤں میں کوئی کانٹا چُبھ جائے تو وہ اسے عاجز کر دیتا ہے اور ایک دن کا بخار اس کی طاقت کو اس قدر زائل کر دیتا ہے کہ ایک عرصے تک اس کا نقصان پورا نہیں ہو سکتا تو جو آدمی ایک کانٹا برداشت نہ کر سکے، ایک مچھر کا مقابلہ نہ کر سکے اور اپنے آپ سے ایک مکھی کو دور نہ کر سکے تو اسے اپنی قوت پر فخر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے پھر انسان طاقتور بھی ہو تو بھی گدھے، گائے، ہاتھی یا اونٹ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتا تو جس صفت میں جانور تم سے آگے ہوں اس پر فخر کیسا؟

۴، ۵۔ تکبر کا چوتھا اور پانچواں سبب مالداری اور مال کی کثرت ہے پیروکاروں اور مددگاروں کی کثرت بھی اسی معنیٰ میں ہے نیز بادشاہوں کا اپنی سلطنت پر تکبر کرنا بھی اسی قسم میں شامل ہے اور یہ تمام تکبر ایسے امور کے ذریعے ہوتا ہے جو انسان کی ذات سے خارج ہے جیسے حسن و جمال، قوت اور علم وغیرہ اور یہ تکبر کی سب سے بری قسم ہے کیونکہ مال پر تکبر کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو اپنے گھوڑے اور مکان پر تکبر کرتا ہے اب اگر اس کا گھوڑا مر جائے یا مکان گر جائے تو وہ ذلیل و رسوا ہوتا ہے اور جو شخص بادشاہوں کی طرف سے اختیارات پانے پر تکبر کرتا ہے اپنی کسی ذاتی صفت پر نہیں، تو وہ اپنا معاملہ ایسے دل پر رکھتا ہے جو ہنڈیا سے بھی زیادہ جوش مارتا ہے اب اگر اس سلسلے میں کچھ تبدیلی آجائے تو وہ مخلوق میں سے سب سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے اور ہر وہ شخص جو خارجی امور کی وجہ سے تکبر کرتا ہے اس کی جہالت ظاہر ہے۔ اور ایسا کیوں نہیں ہوگا جب کہ مالداری پر تکبر کرنے والا آدمی اگر غور کرے تو دیکھے گا کہ کئی یہودی مال و دولت اور حُسن و جمال میں اس سے بڑھے ہوئے ہیں تو ایسے شرف پر افسوس ہے جس میں یہودی تم سے سبقت لے جائیں اور ایسے شرف پر بھی افسوس ہے جسے چور ایک لحظہ میں لے جائیں اور اب وہ شخص ذلیل اور مفلس ہو جائے۔

تو یہ وہ اسباب ہیں ہے جو اس شخص کی ذات میں نہیں پائے جاتے اور جو اسباب اس کی ذات میں پائے جاتے ہیں ان کا وجود بھی تو دائمی نہیں ہے اور آخرت میں وہ وبال جان اور سزا کا باعث ہوں گے۔ تو ایسی باتوں پر فخر کرنا جہالت ہے اور جو چیز آدمی کے اختیار میں نہ ہو وہ اس کا مالک نہیں ہوتا اور ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی تیاری نہیں بلکہ جس نے یہ عطیہ دیا ہے وہی ان چیزوں کا مالک ہے اگر تمہارے پاس چھوڑے تو رہ سکتی ہیں اور اگر وہ واپس لے لے تو تم سے چلی جائیں گی۔ تم ایک مملوک غلام ہو اس لیے کسی بات پر قادر نہیں ہو۔

جس آدمی کو اس بات کی معرفت حاصل ہو گئی اس کا تکبر ضرور دور ہوتا ہے مثلاً ایک شخص غفلت میں اپنی قوت، جمال، مال، آزادی، استقلال کشادہ گھر، سواریوں اور غلاموں کی کثرت پر تکبر کرتا ہے کہ جا رت دو عادل گواہ منصف حاکم کے پاس گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص فلاں کا غلام ہے اور اس کے ماں باپ بھی اس شخص کے غلام تھے حاکم فوری طور پر اس کے مالک کو اطلاع کر دیتا ہے اب اس کا مالک آ کر اسے بھی اور اس کے تمام مال واسباب کو بھی لے جاتا ہے اور اس کے ساتھ اسے اس بات کا بھی ڈر ہے کہ کہیں مال میں کمی زیادتی کرنے اور اس کے اصل مالک کو اطلاع نہ کرنے کی وجہ سے اسے سزا نہ ملے کہ تم نے مالک کی تلاش میں کوتاہی کیوں کی؟ پھر وہ غلام اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ ایک وہ مکان میں بند کر دیا گیا ہے جہاں سانپ، بچھو اور کیڑے مکوڑے ہیں اور وہ ہر وقت ان سے ڈرتا ہے ادھر اس کا مال بھی اس کے پاس نہیں رہا اب اسے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

تو کیا تمہارے خیال میں ایسا شخص اپنی طاقت، مال و دولت اور کمال پر فخر کر سکتا ہے یا یہ کہ وہ ذلیل و رسوا ہوتا ہے یہ ہر عقل مند کا طریقہ ہے وہ اپنے نفس کو اسی طرح دیکھتا ہے پس وہ اپنی گردن اپنے اعضا تمام بدن اور مال کا مالک نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ وہ آفات، خواہشات اور بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے جو بچھوؤں اور سانپوں کی طرح ہے جن سے ہلاکت کا خوف ہوتا ہے تو جس کا یہ حال ہو وہ اپنی قوت اور طاقت پر تکبر نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسے قدرت حاصل ہے نہ قوت۔

تو خارجی اسباب کے ذریعے تکبر کے علاج کا یہ طریقہ ہے اور علم و عمل کے ذریعے تکبر کے علاج کے مقابلے میں یہ طریقہ زیادہ آسان ہے کیونکہ وہ دونوں نفسانی کمال ہیں جن پر خوش ہونا مناسب ہے لیکن ان پر تکبر کرنا ایک قسم کی پوشیدہ جہالت ہے جیسا کہ عنقریب ہم اس کا ذکر کریں گے۔

۶۔ چھٹا سبب علم کے ذریعے تکبر کرنا ہے یہ بہت بڑی آفات ہے اور یہ ایسی بیماری ہے جس کا علاج بہت مشکل ہے اس لیے اس میں محنت کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں علم کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے اور لوگوں کے نزدیک اس کی عظمت بہت زیادہ ہے اس کی قدر مال و جمال اور دوسری باتوں کی قدر سے زیادہ ہے بلکہ مال و جمال کے ساتھ علم اور عمل نہ ہو تو وہ بالکل ہی بے قدر ہوں۔

اسی لیے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مال کی سرکشی کی طرح علم کی سرکشی بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اَنْعَالِمُ اِذَا زَلَّ زَلَّ بِزَلَّتِهٖ عَالِمٌ۔ (۱)

عالم جب پھسلتا ہے تو اس کے پھسلنے سے ایک جہان پھسلتا ہے (گمراہ ہوتا ہے)

اس لیے عالم جاہل کے مقابلے میں اپنے آپ کو عظیم نہ ماننے سے عاجز ہوتا ہے (یعنی عظیم مانتا ہے) کیوں کہ شریعت میں عالم کے بہت زیادہ فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اور عالم تکبر کو دور کرنے پر اسی وقت قادر ہوتا ہے جب اسے دو باتوں کی پہچان حاصل ہو۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حجت علماء پر بہت زیادہ موکد ہے اور جاہل سے جو (گناہ) برداشت کیا جاتا ہے عالم سے اس کا دسواں حصہ بھی برداشت نہیں کیا جاتا کیونکہ جو شخص علم و معرفت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس کا جرم بہت بڑا ہے کیوں کہ اس نے علم کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا حق ادا نہیں کیا اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یُؤْتیٰ بِالْعَالِمِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُلْقیٰ فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهٗ فَیَدُوْرُ بِهَا كَمَا یَدُوْرُ الْحِمَارُ بِالرَّحیٰ فَیَطِیْفُ بِهٖ اَهْلُ النَّارِ فَیَقُوْلُوْنَ مَالَكَ؟ فَیَقُوْلُ كُنْتُ اٰمُرُ بِالْخَیْرِ وَلَا اٰتِیْهِ وَاَنْهیٰ عَنِ الشَّرِّ وَاٰتِیْهِ۔ (۱)

"قیامت کے دن ایک عالم کو لا کر جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی تو وہ ان کے ساتھ اس طرح چکر لگائے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے اہل جہنم وہاں جمع ہوں گے اور اس سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا؟ وہ کہے گا میں نیکی کا حکم دیا کرتا تھا لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا اور برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس کا ارتکاب کرتا تھا"

اللہ تعالیٰ نے بے عمل عالم کو گدھے اور کتے کی طرح قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ (۲)

ان لوگوں کی مثال جن کو تورات دی گئی پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (عمل نہ کیا) اس گدھے کی مثال ہے جو بوجھ اٹھاتا ہے۔

اس سے یہودیوں کے علماء مراد ہیں۔ اور بلعم بن باعور کے بارے میں فرمایا۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ

(اے محبوب!) ان لوگوں کو اس شخص کا حال سنائیں جسے ہم نے آیات دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا پس شیطان

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۲، کتاب بدء الخلق

(۲) قرآن مجید، سورۂ جمعہ آیت ۵

فَكَانَ مِنَ الْغَاوِيْنَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۔ (۱)

اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا ہم چاہتے تو آیات کے سبب اسے اٹھا لیتے لیکن وہ تو زمین سے لگ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا اس کا حال کتے کی طرح ہے اگر تو اس پر حملہ کرے تو وہ زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں کیا بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہ ہدایت پاتا ہے اور جسے گمراہ کرے وہی نقصان میں ہے اور بے شک ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ان کے دل ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہے ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بلعم کو کتاب دی گئی تھی تو اس نے زمین کی خواہشات کو پسند کر کے ہمیشہ اس (زمین) پر رہنا چاہا تو اس کی مثال کتے جیسی ہو گئی اگر اس پر حملہ کرو تو زبان نکالتا ہے اور اگر چھوڑ دو تو زبان نکالتا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اسے حکمت دوں یا نہ دوں دونوں صورتیں برابر ہیں۔

ایک عالم کے لیے یہی خطرہ کافی ہے اور کونسا عالم ہے جو اپنی خواہشات کے پیچھے نہیں چلتا اور کونسا عالم ہے جو اس نیکی کا حکم نہیں دیتا جسے وہ خود بجا نہیں لاتا تو جب کسی عالم کو جاہل کے مقابلے میں اپنی قدر زیادہ معلوم ہو تو اسے اس عظیم خطرے کے بارے میں سوچنا چاہیے جو اس کے درپے ہے کیوں کہ اس کا خطرہ دوسروں کے خطرے سے بڑا ہے جس طرح دوسروں کے مقابلے میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہے تو یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے بدلے میں ہو گئیں جیسے کسی بادشاہ کو اپنے ملک میں دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے زیادہ خطرہ ہو تو جب اسے پکڑا جاتے اور اس پر ظلم کیا جائے تو وہ فقیر ہونے کی تمنا کرتا ہے اور کتنے ہی عالم قیامت کے دن اس بات کی آرزو کریں گے کہ جاہلوں سے بچ جائیں ہم اللہ تعالیٰ کی

(۱) قرآن مجید سورۂ اعراف آیات ۱۷۵ تا ۱۷۹

پناہ چاہتے ہیں۔

یہ خطرہ تکبر سے روکتا ہے کیوں کہ اگر وہ جہنمی ہے تو خنزیر اس سے افضل ہے تو جس کی یہ حالت ہو وہ کیسے تکبر کرتا ہے تو عالم کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ اپنے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بڑھ کر سمجھے حالانکہ ان میں سے بعض یوں فرماتے تھے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور ایک دوسرے صحابی ایک تنکا اٹھا کر فرماتے ہیں کاش! میں یہ تنکا ہوتا۔ ایک اور صحابی فرماتے ہیں کاش میں پرندہ ہوتا جسے کھا لیا جاتا ہے ایک دوسرے صحابی فرماتے ہیں کاش میرا ذکر ہی نہ ہوتا۔ یہ تمام باتیں آخرت کے خوف سے تھیں وہ لوگ (باوجود بلند مرتبہ کے) اپنے آپ کو پرندے اور مٹی سے بھی بری حالت میں جانتے تھے اور جب آدمی اس خطرے کے بارے میں سوچتا ہے جو اس کے پیچھے لگا ہوا ہے تو اس کا تکبر بالکل ختم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو یوں دیکھتا ہے کہ گویا وہ مخلوق میں سے سب سے زیادہ برا ہے وہ شخص ایک ایسے غلام کی طرح ہے جسے اس کے مالک نے کچھ امور انجام دینے کا حکم دیا اس نے آغاز کیا تو کئی کام چھوڑ دیے اور کئی امور میں نقصان کر دیا اور بعض کے بارے میں اسے شک ہوا کہ آیا وہ اس طریقے پر ادا ہوئے ہیں جس طرح اس کا مالک چاہتا ہے یا نہیں — اب کسی آدمی نے اسے خبر دی کہ تیرے مالک نے تجھے بلایا ہے کہ جو کچھ تیرے پاس ہے اسے چھوڑ کر ننگا اور ذلیل ہو کر حاضر ہو اور وہ ایک عرصہ تک تجھے اپنے دروازے پر دھوپ میں ڈالے رکھے گا اور جب تو خوب تنگ ہو جائے گا تو وہ تیرا حساب دیکھے گا اور جتنے کام کئے ہیں وہ کم ہیں یا زیادہ ان کی تفتیش ہو گی پھر تنگ قید خانے اور دائمی سزا کا حکم ہو گا جس سے ایک گھڑی بھی آرام نہیں پاسکے گا۔

اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا مالک کئی دوسرے غلاموں کے ساتھ یہ سلوک کر چکا ہے اور بعض کو معاف بھی کیا ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ وہ کس گروہ میں ہو گا۔ تو جب وہ اس بات کو سوچتا ہے تو اس کے نفس میں توڑ پھوڑ واقع ہو جاتی ہے اور وہ ذلیل و رسوا ہوتا ہے اور اس کی عزت و تکبر باطل ہو جاتا ہے نیز غم اور خوف ظاہر ہوتا اور وہ مخلوق میں سے کسی پر تکبر نہیں کرتا بلکہ وہ اس امید پر تواضع کرتا ہے کہ شاید سزا کے وقت یہ شخص میری سفارش کرنے والوں میں ہو جائے اسی طرح ایک عالم جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے سلسلے میں اپنے عمل میں غور و فکر کرتا ہے کہ اس نے کتنے احکام خداوندی ضائع کئے جسمانی طور پر کس قدر جرم کئے اور باطنی گناہ مثلاً ریا، کینہ، حسد، خود پسندی اور منافقت وغیرہ میں کس قدر مبتلا ہوا اور وہ اس عظیم خطرے کو بھی جانتا ہے جو اس کے درپے ہے تو لازماً تکبر سے بچ جاتا ہے دوسری بات جس کا جاننا ازالۂ تکبر کے لیے ضروری ہے یہ ہے کہ عالم اس بات کی معرفت رکھے کہ بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے اور جب وہ تکبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہو گا نیز اللہ تعالیٰ کو اس سے تواضع پسند ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے یہی فرمایا ہے کہ میرے نزدیک تم اسی وقت تک قدر و منزلت والے ہو جب تک اپنے آپ کو قدر والا نہ سمجھو اگر تم خود اپنے لیے قدر و منزلت کا تصور رکھو گے تو میرے نزدیک تمہاری کوئی قدر و قیمت نہیں ہو گی لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو اس بات کا مکلف بنائے

جس پہ اس کا مالک راضی ہو یہ بات اس کے دل سے تکبر کو دور کر دے گی اگر چہ اس کو اس بات کا یقین ہو کہ اس نے کوئی نہیں کیا یا اس بات کا تصور ہی ہو، انبیاء کرام علیہم السلام اسی وجہ سے تکبر سے دور رہے کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ جو شخص تکبر کی چادر کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے توڑ کر رکھ دیتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو چھوٹا سمجھیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو عظیم مقام حاصل ہو۔ یہ بات بھی اسے تواضع کی ترغیب دے گی۔

سوال :

جس شخص کا فسق ظاہر ہو اور وہ بدعتی بھی ہو تو اس کے سامنے تواضع کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے اور وہ کس طرح ایسے لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ہلکا سمجھے حالانکہ یہ عالم و عابد ہے نیز اللہ تعالیٰ نے اسے جو علم و عبادت کی فضیلت عطا کی ہے اس سے کس طرح بے علم ہو جاتے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے دل پر سلم کا خطرہ گزرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ فاسق اور بدعتی کو زیادہ خطرہ ہے۔

جواب :

اس کا امکان خاتمہ کی فکر کرنے سے ہو سکتا ہے بلکہ اگر وہ کسی کافر کی طرف دیکھے تو بھی اس کے لیے تکبر کرنا ممکن نہیں کیونکہ ممکن ہے کافر اسلام قبول کرلے اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہو اور یہ عالم بھٹک جائے اور اس کا خاتمہ کفر پر ہو العیاذ باللہ اور حقیقتاً بڑا وہ ہے جسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑائی حاصل ہو گی جب کہ کتا اور خنزیر اس آدمی سے زیادہ رتبہ رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جہنمی ہے اور اسے اس بات کا علم نہیں ہے۔

کتنے ہی مسلمان ایسے ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے سے پہلے ان کے کفر کی وجہ سے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام مسلمانوں پر فوقیت لے گئے۔ تو انجام، بندوں سے پوشیدہ ہوتا ہے لیکن دانا آدمی ہمیشہ اپنے انجام پر نظر رکھتا ہے اور دنیا میں تمام فضائل کا مقصود آخرت ہی ہے۔

تو بندے کو چاہیے کہ کسی پر تکبر نہ کرے بلکہ کسی جاہل پر نگاہ پڑے تو کہے کہ اس نے جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور میں نے علم کے باوجود نافرمانی کی لہذا میرے مقابلے میں اس کا عذر زیادہ قبول ہو گا۔ اور جب کسی عالم کو دیکھے تو یوں کہے کہ اسے ان باتوں کا علم حاصل ہے جن کا مجھے علم نہیں لہذا میں کس طرح اس کے برابر ہو سکتا ہوں اور اگر کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو عمر میں اس سے بڑا ہو تو کہے کہ اس نے مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ہے تو میں کس طرح اس کی مثل ہو سکتا ہوں اور اگر کسی چھوٹے پر نظر پڑے تو یوں کہے کہ میں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے تو میں کیسے اس جیسا ہو سکتا ہوں۔

اگر کسی کافر یا بدعتی پہ نگاہ پڑے تو یوں کہے کہ مجھے معلوم نہیں شاید اس کا خاتمہ اسلام پہ ہو اور میرا خاتمہ اس بات

ہر چیز پر یہ اس وقت ہے کیوں کہ ہدایت کا باقی رہنا میرے اختیار میں نہیں جیسا کہ اس کا آغاز میرے اختیار میں نہیں تھا۔ جب آدمی اپنے خاتمے کو پیش نظر رکھے تو وہ اپنے آپ سے تکبر کو دور کرنے پر قادر ہو سکتا ہے اور یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اس بات پر یقین رکھے کہ اخروی سعادت اور اللہ تعالیٰ کا قرب ہی اصل کمال ہے دنیا میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اور وہ ناپائیدار بھی ہے اسے حقیقی کمال نہیں کہہ سکتے۔

یقیناً یہ خطرہ تکبر کرنے والے اور جس پر تکبر کیا جائے دونوں میں مشترک ہے لیکن ہر آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے نفس کی فکر میں مصروف رکھے اور دل عاقبت کے خوف میں مشغول ہونا چاہیے دوسروں کے خوف میں مصروف نہ ہو کیونکہ خوف زدہ آدمی بدگمانی کی وجہ سے تکلیف اٹھاتا ہے ہر آدمی کو اپنے نفس کی فکر ہونی چاہیئے۔

جب ایک جماعت کو کسی جرم میں قید کر دیا جاتے اور ان سب کی گردن مارنے کا حکم دیا جائے تو ان کو ایک دوسرے پر تکبر کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوگی اگرچہ سب کو خطرہ لاحق ہو۔ کیونکہ ہر ایک کو اس کی اپنی فکر دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی گویا یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مصیبت اور خطرے میں مبتلا ہے۔

سوال:

اگر تم کہو کہ بدعتی اور فاسق سے بغض کا حکم ہے تو ان کے سامنے تواضع کیسے کی جائے کیونکہ بغض اور تواضع دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جو جمع نہیں ہو سکتیں۔

جواب:

یہ معاملہ عام لوگوں پر مشتبہ ہے کیوں کہ بدعت اور فسق کا انکار کرتے ہوئے ان پر نفس اور علم و تقویٰ کا غرور بھی شامل ہو جاتا ہے کتنے ہی جاہل عابد اور مغرور عالم جب کسی فاسق کو اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں تو اسے اپنے آپ سے دور کرتے ہیں اور باطنی تکبر کی وجہ سے اس سے بچتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس پر غصہ کیا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل اور فسادی کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اطاعت گزار پر تکبر کرنے کی برائی واضح ہے اور اس سے بچنا ممکن ہے لیکن فاسق اور بدعتی پر تکبر کرنا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس پر غصہ کرتا ہے اور یہ اچھی بات ہے نیز جو آدمی کسی پر غصہ کرتا ہے اس پر تکبر بھی کرتا ہے اور تکبر کرنے والے کو غصہ بھی آتا ہے یعنی تکبر اور غصہ دونوں ایک دوسرے کا نتیجہ ہیں اور ان دونوں کے درمیان اتنا اختلاط ہے کہ وہی لوگ ان میں امتیاز کر سکتے ہیں جن کو توفیق خداوندی حاصل ہو اس سے نجات پانے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی بدعتی یا فاسق کو دیکھے یا ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے دیکھے تو اس وقت دل میں تین باتیں ہونی چاہیں۔

ایک یہ کہ تم اپنے سابقہ گناہوں اور خطاؤں کی طرف توجہ کرو تاکہ اس وقت تم خود اپنی نگاہ میں بے قدر ہو جاؤ۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم جس علم، صحیح عقیدہ اور عمل صالح کی وجہ سے ان لوگوں سے ممتاز ہو اس کے بارے میں یوں تصور کرو کہ تمہیں

اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے لہٰذا یہ اس کا احسان ہے تمہارا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جب یہ خیال کرو گے تو خود پسندی سے بچ جاؤ گے اور خود پسندی سے بچاؤ تکبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ تمہیں اپنے انجام کی خبر ہے نہ اس کے انجام کی ـــــ ہو سکتا ہے تمہارا خاتمہ اچھا نہ ہو اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے تو ان تین باتوں کو پیش نظر رکھنے سے تم تکبر سے بچ جاؤ گے۔

سوال:

جب یہ صورت حال ہو گی تو فاسق و بدعتی پر غصے کا علم کیسے ہو گا۔

جواب:

تم اپنے آقا و مولیٰ کے رضا جوئی کے لیے اس پر غصہ کرو گے کیوں کہ اسی نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے یہ غصہ اپنی ذات کے لیے نہیں ہو گا۔ اور جب تمہیں اس پر غصہ آئے تو اس وقت یہ تصور نہ کرو کہ تم نجات پاؤ گے اور وہ ہلاک ہو گا بلکہ تمہیں اپنے نفس پر ان گناہوں کا خوف ہونا چاہیئے جو تم سے پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اور یہ خوف زیادہ ہونا چاہیئے کیونکہ خاتمے کا علم نہیں ہم ایک مثال کے ذریعے یہ بات واضح کرتے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے غضب سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس پر غضب کیا جائے اس پر تکبر بھی ہو اور یہ کہ تم اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو زیادہ قدر و منزلت والا سمجھو۔ مثال اس طرح ہے کہ جب کسی بادشاہ کا غلام ہو اور اس کا ایک لڑکا بھی ہو جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اس نے غلام کو لڑکے کی نگرانی پر مقرر کر دیا اور اسے حکم دیا کہ جب وہ بے ادبی کرے تو وہ غلام اسے مارے اور اس پر غصہ کرے اگر وہ غلام اپنے آقا کا مطیع اور اس سے محبت رکھنے والا ہو گا تو جب وہ اس لڑکے کو بے ادبی کا مرتکب دیکھے گا تو اس کے لیے اسے سزا دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہو گا وہ اس پر اپنے آقا کی رضا جوئی کی خاطر غصہ کھاتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل میں ایسا کرتا ہے نیز اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ اپنے آقا کی فرمانبرداری کر کے اس کا قرب حاصل کرے علاوہ ازیں وہ اس لیے بھی اس لڑکے پر غصہ کرتا ہے کہ اس نے ایسا عمل کیا جو اس غلام کے آقا کو پسند نہیں ہے تو یہ غلام اس لڑکے کو مارتا بھی ہے اور اس پر غصہ بھی نکالتا ہے لیکن اس پر تکبر نہیں کرتا بلکہ وہ اس کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کے آقا کے نزدیک اس کی نسبت اس کے اپنے بیٹے کی قدر زیادہ ہے کیونکہ لڑکا بہر حال غلام سے زیادہ معزز ہے۔

تو نتیجہ یہ ہو کہ غصے کے لیے تکبر کا ہونا اور تواضع کا نہ ہونا ضروری نہیں ہے اسی طرح تمہارے لیے بھی ممکن ہے کہ تم بدعتی اور فاسق کو دیکھو اور یہ خیال کرو کہ ہو سکتا ہے آخرت میں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والے ہوں کیوں کہ تقدیر میں ان کے لیے اچھا خاتمہ لکھا گیا۔ اور تمہارے لیے تقدیر میں خاتمہ اچھا نہ ہو اور تمہیں اس کی خبر نہیں۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ تم اپنے آقا کی محبت میں اس کے حکم کی تعمیل کر رہے ہو کیوں کہ ان لوگوں سے ایسے اعمال صادر ہوئے جو آقا کو ناپسند ہیں۔

لیکن اس کے باوجود ان سے تواضع اختیار کرو کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے زیادہ قرب رکھتے ہوں۔

علماء اور عقل مند لوگوں کا بغض اسی طرح ہوتا ہے کہ اس میں خوف اور تواضع کی آمیزش بھی ہوتی ہے لیکن مغرور آدمی تکبر کرتا ہے اور وہ اپنے لیے جس چیز کی امید رکھتا ہے دوسروں کے لیے نہیں رکھتا حالانکہ وہ انجام سے بے خبر ہے اور یہ غرور کی انتہا ہے تو جو آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے یا بدعت پر مبنی عقائد رکھتا ہے اس پر غصہ کھانے کے ساتھ تواضع اختیار کرنے اور علیحدگی اختیار کرنے کا یہ (مذکورہ بالا) طریقہ ہے۔

۷۔ تکبر کا ساتواں سبب تقویٰ اور عبادت پر تکبر کرنا ہے یہ بھی بندوں کے لیے بہت بڑا امتحان ہے اس کا علاج یہ ہے کہ تمام بندوں کے لیے دل میں تواضع کو لازم کر لے یعنی اس بات کو جان لے کہ جو شخص علم میں اس سے سبقت لے گیا ہے اس پر کسی صورت میں بھی تکبر نہیں کر سکتا کیوں کہ علم کی فضیلت معروف ہے ارشاد خداوندی ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۔ (۱)

کیا اہل علم اور بے علم لوگ برابر ہو سکتے ہیں۔ (ہرگز نہیں)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِي ۔ (۲)

عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح میں اپنے ادنیٰ صحابی سے زیادہ فضیلت رکھتا ہوں۔

اس کے علاوہ آیات و احادیث علم کی فضیلت کے بارے میں آئی ہیں اگر کوئی عابد کہے کہ یہ تو باعمل عالم کے بارے میں ہے اور یہ بے عمل گناہ گار عالم ہے تو کہا جائے گا کہ کیا تو نہیں جانتا کہ نیکیاں، برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور جس طرح علم، عالم کے خلاف دلیل بن سکتا ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کے لیے وسیلہ اور اس کے گناہوں کا کفارہ بنے ان میں سے ہر بات ممکن ہے۔ اس بات پر کئی روایات شاہد ہیں تو جب یہ معاملہ اس (عابد) سے غائب ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی عالم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے بلکہ اس پر واجب ہے کہ عالم کے لیے تواضع اختیار کرے۔

اگر تم کہو کہ جب بات یوں ہے تو عالم کو چاہیے کہ اپنے آپ کو عابد سے بلند سمجھے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے ادنیٰ صحابی پر ہے (حوالہ پیچھے گذر چکا ہے)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اس وقت تھی جب عالم کو اپنے انجام کا علم ہوتا ہے جب کہ اس کا خاتمہ مشکوک ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زمر، آیت ۹

(۲) جامع ترمذی ص ۳۸۴، ابواب العلم

یہ بھی احتمال ہے کہ اس صورت میں موت آئے جب اس کی حالت جاہل فاسق سے بھی زیادہ بری ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے کسی گناہ کو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ہے، معمولی سمجھا اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوا ہو۔

تو جب یہ بات ممکن ہے تو اسے اپنے بارے میں ڈرتے رہنا چاہیے۔ اور جب عالم و عابد میں سے ہر ایک کو اپنے نفس پر خوف ہے اور اسے اپنے نفس کے بارے میں مکلف بنایا گیا ہے دوسرے سے متعلق نہیں تو چاہیے کہ اپنی ذات سے متعلق خوف اور دوسروں کے حق میں امید غالب ہو اور یہ بات اسے ہر حال میں تکبر کرنے سے روکے گی، تو عابد کی عالم سے متعلق یہ صورت ہے۔

اور غیر عالم پر تکبر کرنے سے بچنے کی صورت میں دیکھنا ہوگا کہ دوسرے لوگ دو قسم کے ہیں بعض کے حالات پوشیدہ ہیں ان پر تکبر نہیں کرنا چاہیے ہو سکتا ہے اس عابد کے مقابلے میں اس کے گناہ کم اور عبادت زیادہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت رکھتا ہو۔

اور جن لوگوں کی حالت واضح و ظاہر ہے تو ہو سکتا ہے اس عابد کے گناہوں سے ان کے گناہ کم ہوں تو کس طرح وہ ان پر تکبر کر سکتا ہے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ان کے گناہ مجھ سے زیادہ ہیں کیوں کہ اس کے عمر بھر کے گناہ ہوں یا ان کے زندگی بھر کے گناہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا لہٰذا کیسے پتہ چلے گا کہ کس کے گناہ زیادہ ہیں۔

ہاں یہ بات اس وقت ممکن ہے جب اس عابد کو معلوم ہو کہ دوسرے آدمی کا گناہ زیادہ سخت ہے مثلاً اس نے قتل کیا، شراب نوشی کی یا زنا کیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اسے اس پر تکبر نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ دل کے گناہ مثلاً تکبر حسد، ریا، کینہ باطل عقائد، اللہ تعالیٰ کی صفات میں وسوسے اور خطرات کا تصور یہ سب گناہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت سخت ہیں بعض اوقات عبادت گزار آدمی کے دل میں ایسے پوشیدہ گناہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بن جاتا ہے اور بعض اوقات فاسق جس کا فسق ظاہر ہے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اخلاص، خوف اور تعظیم جیسی اچھی صفات موجود ہوتی ہیں جو اس عابد کے دل میں نہیں ہوتیں اور ان صفات کو اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا اور یہ سب کچھ قیامت کے دن ظاہر ہوگا تو پھر یہ عابد اسے اپنے آپ سے بلند مرتبہ سمجھے گا اور یہ بات ممکن ہے اور امکان بعید کو امکان قریب سمجھو اگر تمہیں اپنے نفس پر خوف ہو دوسروں کے لیے جو ممکن ہے اس پر غور نہ کرو بلکہ اس میں غور کرو جس کا اپنی ذات کے بارے میں خوف رکھتے ہو کیوں کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور دوسرے کا عذاب تمہارے عذاب میں کمی نہیں کرے گا۔

جب تم اس خطرے میں غور کرو گے تو یہ بات تمہیں تکبر سے اور اس بات سے محفوظ رکھے گی کہ تم اپنے آپ کو دوسروں پر فوقیت دو۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بندے کی عقل اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں دس

خصلتیں نہ پائی جائیں انہوں نے نو تک گننے کے بعد فرمایا دسویں خصلت اور وہ کیا ہے؟ فرمایا اسی کے باعث اس کے ذریعے بزرگی حاصل ہوتی ہے اور اسی کے سبب اس کا ذکر بلند ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی تمام لوگوں کو اپنے آپ سے بہتر دیکھے اور لوگ اس کے نزدیک دو جماعتوں میں تقسیم ہوں ایک وہ جماعت ہے جو اس سے افضل و ارفع ہے اور دوسری جماعت وہ ہے جو اس سے بُری اور ادنیٰ ہے تو وہ دونوں جماعتوں کے لیے دل سے تواضع کرے اگر وہ اپنے سے بہتر جماعت کو دیکھے تو اسے دیکھ کر خوش ہو اور ان کے ساتھ مل جانے کی تمنا کرے اور اگر برے لوگوں کو دیکھے تو یوں کہے کہ شاید یہ لوگ نجات پائیں اور میں ہلاک ہو جاؤں گویا ان کو دیکھتے وقت اپنی عاقبت کا خوف ہونا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے کہ شاید یہ باطنی طور پر نیک ہوں اور یہ بات اس کے لیے بہتر ہے اور میں نہیں جانتا شاید اس میں کوئی اچھی عادت ہو جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اس کی توبہ قبول کرے اور اچھے اعمال پر اس کا خاتمہ ہو اور میری نیکی ظاہری ہے جو میرے حق میں اچھی نہیں ہے پس وہ اپنی ظاہری عبادت میں آفات کے داخل ہونے اور اس کے ضائع ہونے سے بے خوف نہ ہو، جب دونوں گروہوں سے اس طرح پیش آئے گا تو اس کی عقل کامل ہو گی اور اپنے زمانے کا سردار بنے گا۔۔۔۔ حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ کا کلام مکمل ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں بدبخت ہے اور ازل میں اسے بدبخت لکھ دیا گیا ہے وہ کسی حال میں بھی تکبر نہیں کر سکتا۔ ہاں جب اس پر خوف غالب ہو تو ہر ایک کو اپنے آپ سے بہتر جانتا ہے اور یہی فضیلت ہے جیسا کہ منقول ہے کہ ایک عابد نے پہاڑ میں پناہ حاصل کی تو اسے خواب کی حالت میں کہا گیا فلاں موچی کے پاس جا کر اپنے لیے دعا کراؤ وہ اس کے پاس گیا اور اس کے عمل کے بارے میں پوچھا اس نے بتایا کہ وہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور محنت مزدوری کر کے کمائی کا کچھ حصہ صدقہ کر دیتا ہے اور کچھ حصہ گھر والوں کو کھلاتا ہے وہ شخص واپس لوٹا اور کہنے لگا اچھی بات ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے فارغ ہونے کی طرح نہیں ہے اسے دوبارہ خواب میں کہا گیا کہ فلاں موچی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہارا رنگ زرد کیوں ہے؟ وہ آیا اور اس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں جس کو بھی دیکھتا ہوں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ یہ نجات پائے گا اور میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ عابد نے کہا یہ شخص اسی وجہ سے مقبول ہے۔ اس خصلت کی فضیلت پر یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۔ (۱)	اور وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ وہ دیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔

(۱) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۶۰

یعنی وہ لوگ عبادت کرتے ہوئے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ معلوم یہ قبول ہو یا نہ ؟

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۔ (۱)	بے شک وہ لوگ جو خشیت الٰہیہ سے ڈرے رہتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ۔ (۲)	(کہنے لگے) بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں سہمے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا یہ وصف بیان فرمایا حالانکہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں اور ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتے ہیں لیکن لیکن وہ خوف زدہ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ۔ (۳)	وہ رات اور ان اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں (اور اس میں) کمی نہیں کرتے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَهُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُوْنَ۔(۴)	اور وہ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے ہیں۔

اور جب آدمی ازلی تقدیر سے بے خوف ہو جائے اور زندگی کے خاتمہ پر صورت حال واضح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے امن غالب ہو جاتا ہے اور اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور یہ ہلاکت کا سبب ہے تو تکبر بے خوفی کی دلیل ہے اور یہ بے خوفی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور تواضع خوف کی دلیل ہے جو سعادت مندی کی علامت ہے تو عبادت گزار آدمی کی ظاہری عبادت اس قدر اس کی اصلاح نہیں کرتی جس قدر اس کا باطنی تکبر، مخلوق کو حقیر جاننا اور ان کو چھوٹا سمجھنا اسے خراب کرتا ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جن کو جاننے سے دل سے تکبر زائل ہوتا ہے اس کے علاوہ تکبر کا کوئی علاج نہیں مگر ان باتوں کی معرفت حاصل کرنے کے بعد بھی نفس تواضع کو پوشیدہ رکھتا ہے اور تکبر سے دوری کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ جھوٹا ہوتا ہے چنانچہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مومنوں آیت ۵۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ طور آیت ۲۶

(۳) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۲۰

(۴) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۲۸

جب کوئی بات آجاتی ہے تو وہ اپنی فطرت کی طرف لوٹ جاتا ہے اور وعدہ بھول جاتا ہے۔

لہٰذا محض معرفت سے اس کے علاج پر اکتفا نہ کرے بلکہ عمل کے ذریعے اس کی تکمیل کرنی چاہیے اور جب نفس میں تکبر پیدا ہو تو تواضع کرنے والوں کے اعمال کے ذریعے تجربہ کرے اس کا بیان یہ ہے کہ اپنے نفس کو پانچ امتحانوں سے گزارے ان کے ذریعے باطنی حالت معلوم ہو جاتی ہے اگرچہ امتحانات بہت زیادہ ہیں۔

پہلا امتحان :

اگر کسی ہم عصر سے کسی مسئلہ پر مناظرہ ہو پس اگر اس کے مقابل شخص کی زبان پر حق بات جاری ہو اور اس کے لیے اس کا قبول کرنا، اس کے لیے سر تسلیم خم کرنا، اس کا اعتراف کرنا اور بیان حق پر اس کی تعریف کرنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا مشکل معلوم ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں تکبر موجود ہے تو اس سلسلے میں اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور تکبر کے علاج میں مشغول ہونا چاہیے یا تو علم کے ذریعے علاج کرے یعنی نفس کو اس کی کمینگی یاد دلائے اور انجام کے خطرے سے آگاہ کرے اور بتائے کہ بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے اور عمل کے ذریعے امتحان کی صورت یہ ہے کہ اعترافِ حق کا اقرار جو نفس پر گراں گزرتا ہے اسے بتکلف قبول کرے مخالف کی تعریف کرے اور اپنے عجز کا اقرار کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرے کہ اس سے فائدہ حاصل ہوا اور یوں کہے کہ آپ بہت سمجھدار ہیں آپ نے کیسی عمدہ بات کہی جب کہ میں اس سے غافل رہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ تم نے مجھے آگاہ کیا کیونکہ حکمت، مومن کی گمشدہ میراث ہے جب اسے پائے تو راہنمائی کرنے والے کا شکریہ ادا کرے جب چند بار مسلسل ایسا کرے گا تو یہ اس کی فطرت بن جائے گی اور اب قبولِ حق دل پر بوجھ نہیں بنے گا بلکہ بخوشی قبول کرے گا۔

آدمی اسی وقت تک ہمعصر لوگوں کی تعریف کرنا مشکل سمجھتا ہے جب تک اس میں تکبر ہوتا ہے اگر خلوت میں اسے یہ بات بوجھ محسوس نہ ہو اور مجلس میں محسوس کرتا ہے تو یہ تکبر نہیں بلکہ ریاکاری ہے لہٰذا اسے ریا کا علاج کرنا چاہیے یعنی لوگوں سے طمع نہ رکھے اور دل کو یاد دلائے کہ اس کا نفع ذاتی کمال میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں کمال ہو، مخلوق کے نزدیک نہیں اور اس طرح کی دیگر باتیں جو ریا کا علاج ہیں۔

اور اگر خلوت و جلوت (دونوں حالتوں) میں تعریف کرنا مشکل معلوم ہو تو اس میں تکبر اور ریا دونوں باتیں ہوں گی اور صرف ایک کے چھوڑنے سے فائدہ نہ ہوگا جب تک دونوں کو نہ چھوڑے۔ لہٰذا دونوں بیماریوں کا علاج کرے کیوں کہ دونوں مہلک ہیں۔

دوسرا امتحان :

محافل میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھے اور ان کو مقدم کرے خود ان کے پیچھے چلے اور ان سے نیچے بیٹھے۔ اس بات کی پابندی کرے حتیٰ کہ اس بات کی گرانی اس کے دل سے نکل جائے اس طرح تکبر ختم ہو جائے گا یہاں

شیطان کا ایک فریب بھی ہے وہ یہ کہ آدمی جوتیوں کے پاس بیٹھے یا اپنے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان کچھ رذیل قسم کے لوگوں کو بٹھا دے اور اس عمل کو تواضع خیال کرے حالانکہ یہ تو بعینہ تکبر ہے اور یہ بات تکبر کرنے والوں کے نفسوں پر آسان معلوم ہوتی ہے کیوں کہ ان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ انہوں نے استحقاق اور فضیلت کے حصول کے باوجود اپنی جگہ چھوڑ دی ہے تو درحقیقت یہ تکبر ہے جس کا اظہار تواضع کی صورت میں کرتے ہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کو مقدم کرے اور خود ان کے ساتھ ان کے پہلو میں بیٹھے اور ان سے ہٹ کر جوتیوں میں نہ بیٹھے یہ وہ عمل ہے جو دل سے تکبر کے خُبث کو نکال دیتا ہے۔

تیسرا امتحان:

فقیر کی دعوت قبول کرے نیز دوست احباب اور رشتہ داروں کے کام کاج کے لیے بازار میں جائے اگر اسے یہ مشکل معلوم ہو تو یہ تکبر ہے کیونکہ یہ کام اچھے اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں اور ان پر بہت بڑا ثواب ملتا ہے اس لیے ان کاموں سے نفرت باطنی کی وجہ سے ہوتی ہے لہٰذا ان امور کی پابندی کرکے اس خبث باطنی کو زائل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے ساتھ وہ تمام علاج بھی پیش نظر ہوں جن کا ذکر ہم نے اس سے پہلے کیا ہے۔

چوتھا امتحان:

اپنی اور گھر والوں کی ضروریات کا سامان بازار سے اٹھا کر گھر لائے اگر دل نہیں مانتا تو یہ تکبر ہے یا ریاکاری۔ اگر راستے میں کوئی نہ ہو پھر بھی یہ کام مشکل معلوم ہو تو یہ تکبر ہے اور اگر صرف لوگوں کی موجودگی میں بوجھ محسوس کرتا ہے تو یہ ریا ہے اور یہ دونوں صورتیں قلبی بیماری سے تعلق رکھتی ہیں جو باعث ہلاکت ہے اگر اس کا علاج نہ کیا جائے۔ اور لوگوں نے دل کا علاج ترک کر دیا ہے جب کہ جسمانی علاج میں مشغول رہتے ہیں حالانکہ جسموں پر موت لازماً آئے گی اور سعادت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب دل سلامت ہوں ارشاد خداوندی ہے۔

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ (۱) مگر وہ جو سلامت دل کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے لکڑیوں کا گٹھا اٹھایا تو ان سے عرض کیا گیا اے ابو یوسف! آپ کے ہاں کام کرنے والے بیٹے بیٹیاں ہیں جو اس کام کے لیے کافی ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا میں اپنے نفس کی آزمائش کر رہا ہوں کہ یہ اس کام سے انکار تو نہیں کرتا تو آپ نے صرف اس کے ارادے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا تجربہ بھی کیا کہ آیا یہ نفس سچا ہے یا جھوٹ بولتا ہے؟ حدیث شریف میں ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ شعراء آیت ۸۹

مَنْ حَمَلَ الْفَاكِهَةَ اَوِ الشَّيْءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ الْكِبْرِ۔ (۱)

جو شخص پھل یا کوئی دوسری چیز اٹھائے وہ تکبر سے پاک ہے۔

پانچواں امتحان:

عام کام کاج کے کپڑے پہنے اگر مجلس میں اس قسم کے کپڑے پہننے سے نفرت کرے تو یہ ریا ہوگا اور خلوت میں بھی نفرت کرے تو یہ تکبر ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رات کے وقت ٹاٹ کا لباس پہنتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنِ اعْتَقَلَ الْبَعِيْرَ وَلَبِسَ الصُّوْفَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ الْكِبْرِ (۲)

جو شخص اونٹ باندھے اور اونی کپڑے پہنے وہ تکبر سے پاک ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ اٰكُلُ بِالْاَرْضِ وَاَلْبَسُ الصُّوْفَ وَاَعْقِلُ الْبَعِيْرَ وَاَلْعَقُ اَصَابِعِيْ وَاُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (۳)

میں ایک بندہ ہوں زمین پر کھاتا ہوں اونی لباس پہنتا ہوں، اونٹ کو باندھتا ہوں، انگلیاں چاٹتا ہوں اور غلام کی دعوت بھی قبول کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

ایک روایت میں ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ (عمدہ) لباس نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز کے لیے نہیں آسکتے تو آپ نے صرف ایک عباء میں نماز پڑھائی۔ تو ان مقامات پر ریا اور تکبر کا اجتماع ہوتا ہے جو کام مجلس کے ساتھ خاص ہو وہ ریا ہے اور جو خلوت میں ہو وہ تکبر ہے لہٰذا اس کی پہچان حاصل کرو کیوں کہ جسے برائی کی پہچان نہ ہو وہ اس سے بچ سکتا اور جس کو بیماری کا علم نہ ہو وہ علاج نہیں کر سکتا۔

تواضع میں انتہائی درجہ کی ریاضت

باقی اخلاق کی طرح اس خلق کے بھی دو کنارے اور ایک درمیان ہے اگر اس میں زیادتی کی طرف جھکاؤ ہو تو اسے تکبر کہتے ہیں اور اگر نقصان کی طرف میلان ہو تو اسے ذلت و رسوائی کہا جاتا ہے جب کہ درمیانی حالت تواضع ہے اور قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس حد تک تواضع کی جائے جس میں ذلت اور ہلکا پن نہ ہو کیوں کہ تمام امور میں افراط و تفریط

---

(۱) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۹۲ حدیث ۸۲۰۱

(۲) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۸۸ حدیث ۸۱۸۹

(۳) الدر المنثور جلد ۳ ص ۱۱۵ تحت آیت انہ لایحب المستکبرین۔

قابلِ مذمت ہے اور اعتدال اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

پس جو آدمی اپنے جیسے لوگوں سے آگے بڑھے وہ متکبر ہے اور جو ان سے پیچھے رہے وہ تواضع کرنے والا ہے کیونکہ متواضع وہ ہوتا ہے جو استحقاق کے مطابق قدر و منزلت سے کچھ کم کرے اور جب کسی عالم کے پاس کوئی موچی آئے اور وہ اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک جائے تو اس عالم نے ذلت و رسوائی کو گلے لگایا یہ بھی ناپسندیدہ بات ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعتدال پسندیدہ ہے یعنی ہر حقدار کو اس کا حق دے لہٰذا اپنے ساتھیوں اور ہم پلہ لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کرنا چاہیئے۔

کسی بازاری کے لیے عالم کی تواضع اسی قدر ہے کہ اس کے لیے کھڑا ہو اور خندہ پیشانی سے گفتگو کرے سوال کرنے میں نرمی اختیار کرے، اس کی دعوت قبول کرے اور اس کی حاجت وغیرہ کو پورا کرنے کی کوشش کرے اپنے آپ کو اس سے بہتر نہ سمجھے بلکہ دوسروں کی نسبت اپنے بارے میں خوف زیادہ ہو دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے اور نہ ہی چھوٹا سمجھے کیوں کہ یہ تو خود اپنے خاتمے کے بارے میں نہیں جانتا۔

حاصل یہ ہے کہ تواضع کے حصول کے لیے اپنے ہم پلہ اور کم درجہ کے لوگوں سے بھی تواضع کے ساتھ پیش آئے تاکہ عمدہ عادات میں اس کے لیے تواضع کرنا آسان ہو جائے اور اس سے تکبر زائل ہو جائے۔ اگر اس کے لیے یہ کام آسان ہو جائے تو گویا اسے تواضع کا خُلق حاصل ہو گیا۔ اور اگر وہ بوجھ محسوس کرے لیکن اس کے باوجود تواضع کرے تو یہ تکلف ہے حقیقی تواضع نہیں ہے کیوں کہ خُلق وہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے آدمی کسی کام کو آسانی سے کر لیتا ہے اور اسے بوجھ نہیں سمجھتا اور نہ ہی ریاکاری کرتا ہے۔

اور اگر اس قدر آسان ہو جائے کہ اپنی قدر کی رعایت بھی مشکل ہو جائے حتیٰ کہ خوشامد اور ذلت و رسوائی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ نقصان کی جانب چلا گیا اب اپنے نفس کو بلندی کی طرف لے جانا چاہیے کیونکہ کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرے درجۂ اوسط صراطِ مستقیم ہے اس کی طرف رُخ کرنا چاہیے اور یہ درجہ تواضع اور دیگر تمام اخلاقِ حسنہ میں پوشیدہ اور بہت باریک ہے۔

درمیانے درجہ سے نقصان کی جانب میلان یعنی خوشامد کرنا، زیادتی کی طرف میلان یعنی تکبر کے مقابل میں آسان ہے جس طرح مال میں کنجوسی اختیار کرنے کی بجائے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا لوگوں کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے تو انتہائی درجے کی کنجوسی اور انتہائی درجہ کی فضول خرچی قابلِ مذمت ہیں لیکن ان میں سے ایک زیادہ برا ہے اسی طرح انتہائی درجے کا تکبر اور انتہائی درجہ کی ذلت بھی مذموم ہے لیکن ان میں سے ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ مذموم ہے مطلق محمود اعتدال اور ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنا ہے جس طرح شریعت اور عرف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے ہم تکبر اور تواضع کی عادت کے سلسلے میں اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

دوسرا حصہ:

خود پسندی کا بیان

اس میں خود پسندی اور اس کی آفات، خود پسندی اور ناز نخرے کی حقیقت اور ان دونوں کی تعریف خود پسندی کا علاج، خود پسندی کے اسباب اور علاج کی تفصیل بیان ہو گی۔

پہلی فصل:

خود پسندی کی مذمت اور آفات

جان لو! خود پسندی کی مذمت قرآن پاک اور احادیث مبارکہ دونوں سے ثابت ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا (۱)

اور (غزوۂ) حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔

یہ بات بر سبیل انکار ذکر فرمائی (یعنی تمہیں اترانا نہیں چاہیئے تھا)

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللهِ فَأَتَاهُمُ اللهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا۔ (۲)

اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ سے بچا لیں گے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے پاس (وہاں سے) آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے اپنے قلعوں اور شوکت پر اترانے کا رد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا۔

وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ (۳)

اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

یہ بات بھی عمل پر اترانے کی طرف راجع ہے آدمی بعض اوقات اپنے غلط عمل پر اتراتا ہے جیسا کہ وہ اچھے عمل پر اتراتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى

تین باتیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں لالچ جس کی اطاعت

---

(۱) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۲۵

(۲) قرآن مجید سورۂ حشر آیت ۲

(۳) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۱۰۴

مُتَّبَعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ ۔ (۱)

کی جائے خواہش جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کا اپنے نفس پر اترانا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے آخرت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اِذَا رَاَیْتَ شُحًّا مُّطَاعًا وَھَوًی مُّتَّبَعًا وَاِعْجَابَ کُلِّ ذِیْ رَأْیٍ بِرَأْیِہٖ فَعَلَیْکَ نَفْسَکَ ۔ (۲)

جب تم دیکھو کہ لالچ کی اطاعت اور خواہش کی پیروی کی جاتی ہے نیز ہر رائے دینے والے اپنی ہی رائے کو پسند کرتا ہے تو (اس وقت) اپنی فکر کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو باتوں میں ہلاکت ہے ایک ناامیدی اور دوسری خود پسندی،۔ آپ نے ان دو باتوں کو جمع فرمایا کیوں کہ سعادت کا حصول، کوشش، طلب، محنت اور ارادے کے بغیر ناممکن ہے۔ ناامید آدمی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی طلب کرتا ہے جب کہ خود پسند شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ خوش بخت ہے اور اپنی مراد کے حصول میں کامیاب ہو چکا ہے اس لیے وہ کوشش نہیں کرتا اور جو کچھ موجود یا محال ہو اس کی طلب نہیں ہوتی جبکہ خود پسندی میں مبتلا آدمی کے اعتقاد کے مطابق اسے سعادت حاصل ہوتی ہے اور مایوس و ناامید شخص کے نزدیک سعادت کا حصول محال ہوتا ہے اسی لیے انہوں نے ان دونوں باتوں کو اکٹھا کیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ ۔ (۳)

اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو۔

حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم اچھا عمل کرو تو یہ نہ کہو کہ میں نے عمل کیا۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اپنے نفس کو نیکوکار قرار نہ دو یعنی یہ عقیدہ نہ رکھو کہ وہ نیکوکار ہے کیوں کہ یہ خود پسندی ہے۔

غزوۂ احد کے دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لیے آپ پر گر گئے حتیٰ کہ ان کی ہتھیلی زخمی ہو گئی۔ (۴) گویا ان کے اس عظیم عمل نے ان کو خود پسندی میں مبتلا کر دیا کیونکہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے آپ کو فدا کیا اور زخمی ہو گئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان میں یہ بات معلوم کر لی اور فرمایا جب سے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۵۴ حدیث ۴۳۸۶۶

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۹، ابواب الفتن

(۳) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۳۲

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۷ کتاب المناقب

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی انگلی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زخمی ہوئی ہے اس وقت سے ان میں خود پسندی محسوس ہو رہی ہے کیوں کہ یہ بات منقول نہیں ہے کہ انہوں نے اس بات کا اظہار کیا ہو یا کسی مسلمان کو حقیر جانا ہو اور جب شوریٰ کا وقت ہوا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو کیوں چھوڑ دیا ؟ تو انہوں نے فرمایا ان میں نخوت (تکبر) کی بو آتی ہے ـــ تو جب اس قسم کے لوگ خود پسندی سے خالی نہ تھے تو کمزور لوگ جب تک پرہیز نہ کریں کیسے خالی ہو سکتے ہیں۔

حضرت مطرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر میں رات سو کر اور صبح، ندامت کے ساتھ گزاروں تو یہ بات مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ رات عبادت میں کھڑے ہو کر اور صبح خود پسندی میں گزاروں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَخَشِيْتُ عَلَيْكُمْ مَا هُوَ اَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ اَلْعُجْبُ اَلْعُجْبُ (۱)

اگر تم سے گناہ سرزد نہ ہو تو مجھے تم پر اس سے بھی بڑے جرم کا خطرہ ہے اور وہ خود پسندی ہے (دو بار فرمایا)

تو آپ نے خود پسندی کو بہت بڑا گناہ قرار دیا۔

حضرت بشر بن منصور رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اور آخرت کا گھر یاد آتا تھا۔ کیونکہ وہ عبادت کی پابندی کرتے تھے چنانچہ آپ نے ایک دن طویل نماز پڑھی ایک شخص پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا حضرت بشر کو معلوم ہو گیا آپ نے نماز سے سلام پھیرا تو فرمایا جو کچھ تم نے مجھ سے دیکھا ہے اس سے تمہیں تعجب نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ شیطان لعنتی نے فرشتوں کے ہمراہ ایک طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر اس کا جو انجام ہوا وہ واضح ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آدمی گناہ گار کب ہوتا ہے ؟

آپ نے فرمایا جب اسے یہ گمان ہو کہ وہ نیکوکار ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ (۲)

اپنے صدقات کو احسان جتلانے اور ایذا رسانی کے ذریعے باطل نہ کرو۔

خود پسندی کی آفت

جان لو! خود پسندی کی آفات بہت زیادہ ہیں کیوں کہ خود پسندی تکبر کی دعوت دیتی ہے کیونکہ یہ تکبر کے اسباب

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۷۵، کتاب الادب

(۲) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۶۴

میں سے ایک سبب ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے پس خود پسندی سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور تکبر سے بے شمار آفات جنم لیتی ہیں جیسا کہ یہ بات مخفی نہیں ہے۔

یہ تو بندوں کے ساتھ معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح ہے کہ خود پسندی گناہوں کو بھول جانے اور نظر انداز کرنے کی دعوت دیتی ہے چنانچہ وہ بعض گناہوں کو بالکل ہی بھول جاتا ہے کیونکہ وہ ان کی تلاش سے بے نیاز ہو جاتا ہے لہٰذا وہ بھلا دیئے جاتے ہیں اور جن گناہوں کو یاد رکھتا ہے ان کو بھی معمولی جانتا ہے اور ان کو کوئی اہمیت نہ دینے کی وجہ سے ان کے تدارک کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اسے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ بخش دیئے جائیں گے۔

لیکن عبادات اور اعمال صالحہ کو بہت بڑا سمجھتا ہے ان پر خوش ہوتا اور ان کی بجا آوری کو اللہ تعالیٰ پر احسان جانتا ہے اور توفیق عمل کی صورت میں ملنے والی نعمت خداوندی کو بھول جاتا ہے پھر جب خود پسندی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی آفات سے اندھا ہو جاتا ہے اور جو آدمی اعمال کی آفات سے غافل ہوتا ہے اس کی زیادہ محنت ضائع ہو جاتی ہے کیونکہ ظاہری اعمال جب تک خالص اور آمیزش سے پاک نہ ہوں، نفع بخش نہیں ہوتے اور آفات کی جستجو وہ آدمی کرتا ہے جس پر خود پسندی کی بجائے خوف غالب ہوتا ہے اور خود پسند آدمی اپنے آپ پر اور اپنی رائے پر مغرور ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اور اس کے عذاب سے بے خوف ہوتا ہے اور اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقام حاصل ہے نیز وہ اپنے اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر احسان جتاتا ہے حالانکہ یہ توفیق اعمال اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت اور اس کے عطیات میں سے ایک عطیہ ہے۔ لیکن خود پسندی کی وجہ سے وہ اپنی ذات کی تعریف کرتا اور اس کی پاکیزگی ظاہر کرتا ہے اور جب وہ اپنی رائے، عمل، اور عقل پر اتراتا ہے تو فائدہ حاصل کرنے، مشورہ لینے اور پوچھنے سے باز رہتا ہے اور یوں اپنے آپ پر اور اپنی رائے پر بھروسہ کرتا ہے وہ کسی بڑے عالم سے پوچھنا اچھا نہیں سمجھتا اور بعض اوقات اپنی غلط رائے پر اتراتا ہے جو اس کے دل میں گزرتی ہے اور اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ خیال آیا اور دوسرے کی آراء کو پسند نہیں کرتا اسی لیے اپنی رائے پر اصرار کرتا ہے کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت نہیں سنتا اور نہ ہی کسی واعظ کا وعظ سنتا ہے بلکہ دوسروں کو یوں دیکھتا ہے کہ گویا وہ جاہل ہیں اور اپنی خطا پر ڈٹ جاتا ہے اگر اس کی رائے کسی دنیوی معاملے میں ہو تو اسے اس پر یقین ہوتا ہے اور اگر اخروی معاملے بالخصوص عقائد سے متعلق ہو تو اس کے باعث تباہ ہو جاتا ہے اور اگر وہ اپنے نفس پر تہمت لگاتا، اپنی رائے پر اعتماد نہ کرتا، نور قرآن سے روشنی حاصل کرتا، علماء دین سے مدد لیتا، علم کے پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتا اور اہل بصیرت سے مسلسل پوچھتا رہتا تو یہ بات اسے حق تک پہنچاتی۔

تو یہ بات اور اس طرح کے دیگر امور خود پسندی کی آفات میں سے ہیں اسی لیے خود پسندی ہلاک کرنے والے امور میں سے ہے اور سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ وہ کوشش میں کوتاہی کرتا ہے کیونکہ اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ کامیاب ہو چکا ہے اور اب اسے عمل کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ یہ واضح ہلاکت ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس

کی اطاعت کے لیے حسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تیسری فصل :

خود پسندی اور ناز نخرے کی حقیقت اور اس کی تعریف

جاننا چاہیے کہ خود پسندی ایسے وصف کی وجہ سے ہوتی ہے جو یقیناً کمال ہو۔
اور جو شخص علم، عمل اور مال کے ذریعے اپنے نفس میں کمال جانتا ہو اس کی دو حالتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے اس کمال کے زوال کا خوف ہو اور اس بات کا ڈر ہو کہ اس میں کوئی تبدیلی آجائے گی یا بالکل ہی سلب ہو جائے گا۔ تو ایسا آدمی خود پسند نہیں ہوتا۔

اور دوسری حالت یہ ہے کہ وہ اس کے زوال کا خوف نہیں رکھتا بلکہ وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ نعمت عطا فرمائی ہے اپنی ذات کی طرف اس کی نسبت کی وجہ سے خوش نہیں ہوتا یہ بھی خود پسندی نہیں ہے اور اس کے لیے ایک تیسری حالت ہے جو خود پسندی ہے یعنی اسے اس کمال کے زوال کا خوف نہیں ہوتا بلکہ وہ اس پر خوش اور مطمئن ہوتا ہے اور اس کی خوشی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ یہ کمال، نعمت، بھلائی اور سربلندی ہے اس لیے خوش نہیں ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور نعمت ہے تو اس کی خوشی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ یہ اس کا اپنا وصف ہے اور اس کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ اس کا کمال ہے اس وجہ سے خوش نہیں ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے کیونکہ اس کا عطیہ ہے۔ پس جب اس کے دل پر یہ بات غالب آجائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمت ہے وہ جب چاہے اسے واپس لے سکتا ہے تو اس صورت میں اس کے نفس سے خود پسندی زائل ہو جاتی ہے۔

تو گویا خود پسندی نعمت کو بڑا جاننا اور اس کی طرف جھکنا ہے لیکن اس بات کو بھول جانا کہ اس کی نسبت منعم کی طرف ہے اور اگر وہ اس کے ساتھ اس بات کا اضافہ بھی کرے کہ اس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے اور اسے ایک مقام و مرتبہ حاصل ہے حتیٰ کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے دنیا میں عزت کی توقع رکھے اور کسی مکروہ بات پہنچنے کو بعید جانے جیسے دوسرے فاسقوں کو کوئی عذاب وغیرہ پہنچتا ہے تو اس بات کو عمل پر ناز کرنا کہتے ہیں گویا وہ اپنے عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو اپنا ناز بردار سمجھتا ہے اسی طرح کسی کو کوئی چیز دیتا ہے تو اسے بھی بہت بڑا کام سمجھتا اور اس پر احسان کرتا ہے اور یوں وہ اس پر اتراتا ہے پس اگر وہ اس سے کوئی خدمت لے یا اس سے کچھ مانگے یا اپنی حاجت کے پورا کرنے میں اس کی طرف سے کوتاہی کو برا جانے تو گویا اس پر ناز نخرے کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (۱) اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مدثر آیت ۶

اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ اپنے عمل پر ناز نہ کر اور ایک حدیث شریف میں یوں آیا ہے۔

اِنَّ صَلٰوۃَ الْمُدِلِّ لَا تَرْفَعُ فَوْقَ رَأْسِہٖ وَلَاَنْ تَضْحَکَ وَاَنْتَ مُعْتَرِفٌ بِذَنْبِکَ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تَبْکِیَ وَاَنْتَ مُدِلٌّ بِعَمَلِکَ۔

ناز و نخرے والے کی نماز اس کے سر سے اوپر نہیں جاتی اور اگر تم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے ہنسو تو یہ اس رونے سے بہتر ہے جو عمل پہ ناز کرنے کی صورت میں ہو۔

ناز، خود پسندی کے بعد ہوتا ہے لہٰذا جو شخص ناز کرنے والا ہو گا وہ خود پسند بھی ہو گا اور کئی خود پسند، ناز نہیں کرتے کیوں کہ خود پسندی اپنے آپ کو بڑا جاننے اور نعمت کو بھول جانے سے ہوتی ہے اس میں جزا کی توقع نہیں ہوتی لیکن ناز کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے جب جزا کی توقع ہو لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی دعا کی قبولیت کی توقع رکھے اور اس کے رد ہونے کو دل سے ناپسند کرے اور اس پر اترائے تو وہ اپنے عمل پہ ناز کرتا ہے کیونکہ وہ فاسق کی دعا قبول نہ ہونے پر تعجب نہیں کرتا بلکہ اپنی دعا کے رد ہونے پر تعجب کرتا ہے تو یہ خود پسندی اور ناز دونوں باتوں کا مجموعہ ہے جو تکبر کے مقدمات اور اسباب میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خود پسندی کا علاج

جاننا چاہیے کہ ہر بیماری کا علاج اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے سبب کا مقابلہ اس کی ضد کے ساتھ کیا جائے چونکہ خود پسندی کا سبب جہالت محض ہے لہٰذا اس کا علاج صرف معرفت ہے جو اس جہالت کے مقابل ہے پس ہم فرض کرتے ہیں کہ خود پسندی اس عمل کے ذریعے ہوتی ہے جو بندے کے اختیار میں ہے جیسے عبادت، صدقہ، جہاد اور لوگوں کی اصلاح اور (اسلامی) سیاست وغیرہ علاوہ ازیں حسن و جمال، قوت، نسب اور ان امور کے ذریعے بھی خود پسندی ہوتی ہے جو انسان کے بس میں نہیں ہیں لیکن پہلی صورت میں خود پسندی زیادہ ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ تقویٰ و پرہیزگاری عبادت اور وہ عمل جس پر انسان اتراتا ہے کے ذریعے اس لیے خود پسندی کا شکار ہوتا ہے کہ یہ باتیں اس میں پائی جاتی ہیں اور یہ شخص ان امور کا محل ہے اور اس نے ہی یہ عمل کیا تو یہ محض جہالت ہے کیونکہ محل و مقام تو مسخر ہے اس میں ایجاد و تحصیل کا کوئی دخل نہیں تو جس چیز کا اسے اختیار نہیں اس پہ یا اس لیے اتراتا ہے کہ وہ عمل اس سے صادر ہوا اور وہ اسی کی طرف منسوب ہے نیز اس کے اختیار اور قدرت سے حاصل اور مکمل ہوا تو اسے چاہیے کہ اپنی طاقت، ارادے، اعضاء اور ان تمام اسباب میں غور کرے جن کے ذریعے اس کا عمل مکمل ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں اسے کہاں سے حاصل ہوئی ہیں اگر یہ سب کچھ اس پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور اس کا استحقاق نہیں ہے اور ان کا حصول کسی وسیلے کے بغیر ہوا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور فضل پر فخر کرنا چاہیے کیوں کہ اس نے اس کے استحقاق کے بغیر عطا فرمایا۔

---

(۱)

اور اس سلسلے میں اسے دوسروں پر ترجیح دی۔

مثلاً اگر بادشاہ اپنے غلاموں کے سامنے آئے اور ان کو دیکھے اور ان میں سے کسی ایک کو قیمتی لباس دے اور اس میں نہ کوئی وصف ہو نہ جمال، نہ قدامت اور نہ ہی کوئی وسیلہ، تو اس کو چاہیے کہ وہ اس بات پر فخر کرے بادشاہ نے اس کے استحقاق کے بغیر اسے دوسروں پر ترجیح دیتے ہوئے عزت و سرفرازی بخشی اگر وہ اپنے آپ پر اتراتا ہے تو کس وجہ سے؟ اسے اپنے آپ پر اترانا نہیں چاہیے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح اترائے کہ بادشاہ بہت بڑا عادل ہے وہ ظلم نہیں کرتا اور کسی سبب کے بغیر کسی کو مقدم و مؤخر نہیں کرتا اس لیے اگر اس نے مجھ میں کوئی اچھی باطنی صفت معلوم نہ کی ہوتی تو وہ خلعت کیسے عنایت کرتا اور مجھے کس طرح ترجیح دیتا۔ پس کہا جائے کہ وہ وصف بھی بادشاہ کا عطیہ اور خلعت ہی ہے کہ اس نے تجھے عنایت کیا کسی دوسرے کو نہیں دیا حالانکہ اس کا کوئی وسیلہ بھی نہیں یا کسی اور کی طرف سے ہے؟

پس اگر یہ بھی بادشاہ کا عطیہ ہے تو تم اس پر اترا نہیں سکتے بلکہ یہ اسی طرح ہے کہ اگر وہ تمہیں گھوڑا دیتا تو تم اس پر خود پسندی کا شکار نہ ہوئے اور اب غلام دیا تو تم اترانے لگے اور کہتے ہو کہ یہ غلام اس لیے دیا ہے کہ میرے پاس گھوڑا ہے اور دوسروں کے پاس گھوڑا نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ گھوڑا بھی اسی نے دیا تھا لہٰذا اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تمہیں گھوڑا اور غلام ایک ساتھ دے یا ایک کے بعد دوسرا دے۔ تو جب دونوں چیزیں اسی کی طرف سے ہیں تو مناسب یہی ہے کہ تم اس کے جود و کرم اور فضل پر فخر کرو اپنے نفس پر نہیں۔

اور اگر وہ صفت کسی غیر کی طرف سے ہو تو اس پر اترا سکتے ہو کیونکہ وہ بادشاہ کی طرف سے نہیں لیکن یہ بات دنیوی بادشاہوں کے حق میں ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ جو حقیقی بادشاہ ہے جبار و قہار ہے اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے وہی تمام مخلوق کو پیدا کرنے والا اور صفت و موصوف کو وجود میں لانے والا ہے، اس کے مقابل اترانا جائز نہیں ہے۔ اگر تم اپنی عبادت پر اتراتے ہو اور یوں کہتے ہو کہ اس نے مجھے عبادت کی توفیق اس لیے دی ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو کہا جائے گا کہ تیرے دل میں محبت کس نے پیدا کی ہے؟ تو ضرور یہی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کی ہے تو کہا جائے گا کہ محبت اور عبادت دونوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اس نے تمہارے استحقاق کے بغیر تمہیں عطا کی ہیں کیوں کہ نہ تو اس میں کوئی وسیلہ ہے اور نہ ہی کوئی واسطہ۔ لہٰذا اس کے جود و کرم پر فخر کرنا چاہیے کہ اس نے تمہیں عمل کی توفیق دی اور اس کے اسباب بھی عطا فرمائے یہ سب کچھ اسی کی نعمت ہے۔

بنابریں عابد کو اپنی عبادت پر، عالم کو اپنے علم پر، خوبصورت کو اپنی خوبصورتی پر اور مالدار کو اپنی مالداری پر اترانے کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے اور یہ شخص تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور جود و کرم کے فیضان کا محل ہے اور محل بھی تو اس کے جود و کرم سے ہے اگر کوئی کہے کہ ہم جو عمل کرتے ہیں اس سے غافل نہیں رہ سکتے کیونکہ ہم ثواب کی توقع رکھتے ہیں اور اس کے منتظر رہتے ہیں اور اگر میرا عمل نہ ہوتا تو میں ثواب کا منتظر نہ ہوتا اگر یہ اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو میرے

لیے ثواب کہاں سے آئے گا، اور اگر اعمال کا تعلق مجھ سے ہے اور اس میں میری طاقت کا دخل ہے تو میں اس پر فخر کیوں نہیں کر سکتا۔
تو جان لو کہ اس بات کا جواب دو طریقوں پر ہے ایک تو واضح حق ہے اور دوسرے میں کچھ چشم پوشی ہے صریح حق یہ ہے کہ تم، تمہاری قدرت تمہارا ارادہ اور تمہاری حرکت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آیا ہے لہٰذا جب تم نے عمل کیا تو تم نے نہیں کیا، جب تم نے نماز پڑھی تو تم نے نہیں پڑھی، تم نے خاک پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی یہی حق ہے جو دل والوں پر منکشف ہوتا ہے اور ان کو اس کا جو مشاہدہ ہوتا ہے وہ آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے زیادہ واضح ہوتا ہے بلکہ اس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعضاء کو پیدا کیا اور اس کے بعد ان میں قوت، طاقت اور صحت کو پیدا کیا تمہارے لیے عقل اور علم کو تخلیق کیا نیز ارادہ کو وجود دیا۔ اب اگر تم ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی اپنے آپ سے دور کرنا چاہو تو ایسا نہیں کر سکتے۔
اس کے بعد اس نے تمہارے اعضاء میں حرکت پیدا کی اور یہ بھی صرف اسی ذات کی طرف سے ہے اس میں تمہاری کوئی شرکت نہیں ہے لیکن سب کچھ ترتیب سے پیدا کیا جب تک اعضاء میں قوت پیدا نہیں کی اس وقت تک حرکت کو پیدا نہیں کیا اور دل میں ارادہ پیدا کیا ہے لیکن اس سے پہلے مراد کا علم دیا۔ اور علم کی تخلیق اس وقت تک نہیں فرمائی جب تک علم کا محل دل پیدا نہیں کیا تو ایک کے بعد دوسری چیز کی تدریجاً تخلیق نے تمہیں اس وہم میں ڈال دیا کہ تمہارے اعمال خود تمہارے اپنے پیدا کردہ ہیں حالانکہ تمہاری یہ بات غلط ہے۔
اس بات کی وضاحت اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ عمل پر ثواب کی کیفیت کے بارے میں عنقریب شکر کے بیان میں ذکر ہوگا کیوں کہ یہ اسی باب کے زیادہ لائق ہے اس لیے وہاں رجوع کیجئے۔
اب ہم اس اعتراض کا جواب دوسرے طریقے پر دیتے ہیں جس میں کچھ چشم پوشی ہے کہ اگر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کا عمل اس کی قدرت و طاقت سے حاصل ہوا ہے تو اسے قدرت کہاں سے حاصل ہوئی؟۔
اور عمل کا وجود عامل کے وجود کے بغیر نہیں ہوتا اور تمہارے عمل کا وجود، تمہارا ارادہ اور طاقت نیز تمہارے عمل کے تمام اسباب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تم سے نہیں اگر عمل طاقت کے ذریعے ہو تو طاقت اس کی چابی ہے اور یہ چابی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جب تک وہ تمہیں چابی نہ دے تمہارے لیے عمل ممکن نہیں۔
پس عبادات وہ خزانے ہیں جن کے ذریعے سعادتوں تک رسائی ہوتی ہے اور ان کی چابیاں قدرت، ارادہ اور علم ہیں جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس پاس تمہارا کیا خیال ہے اگر تم دنیا کے تمام خزانوں کو ایک مضبوط قلعے میں جمع دیکھو اور اس قلعے کی چابی خازن کے پاس ہو اب اگر تم اس کے دروازے پر بیٹھ جاؤ یا اس کی دیواروں کے گرد ایک ہزار سال تک ٹھہرے رہو تو تم اس میں سے ایک دینار بھی نہیں دیکھ سکتے اور اگر وہ تمہیں چابی دے دے تو تم اسے قریب سے پکڑ سکتے ہو یعنی ہاتھ بڑھا کر ہی پکڑ لو گے۔

تو جب خازن نے تمہیں چابیاں دے دیں اور یوں تمہیں ان خزانوں پر مسلط کر دیا اب تم نے ہاتھ بڑھا کر ان کو لے لیا تو تم اس خازن کے چابیاں دینے پر اتراؤ گے یا اپنا ہاتھ بڑھا کر مال لینے پر؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اسے خازن کی طرف سے ملنے والی ایک نعمت سمجھو گے کیوں کہ ہاتھ کو حرکت دے کر قریب سے مال لینے کی محنت ہی سب کچھ نہیں بلکہ اصل معاملہ تو چابیاں تمہارے سپرد کرنے پر موقوف تھا۔

اسی طرح جب قدرت پیدا کی گئی اور پختہ ارادہ مسلط کیا گیا، عمل کے دواعی کو حرکت دی گئی اور رکاوٹیں ختم کر دی گئیں حتیٰ کہ کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی اور عمل کا ہر ذریعہ عطا کر دیا گیا ثواب تمہارے لیے عمل کرنا آسان ہو گیا اور باعثِ عمل کی تحریک، موانع کا ازالہ اور اسباب کا مہیا کرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ان میں سے کسی چیز میں تمہارا دخل نہیں ہے تو تعجب کی بات ہے کہ تم اپنے آپ پر اتراؤ اور جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے اس کے فضل و کرم پر فخر نہ کرو کہ اس نے اپنے جود و کرم سے اپنے فاسق بندوں میں سے تمہیں ترجیح دی کہ فساد میں ڈالنے والے امور فاسق لوگوں پر مسلط کیے اور تم سے ان کو پھیر دیا برے ساتھی اور برائی کے داعی ان پر مسلط کیے اور تم سے ان کو دور رکھا شہوتوں اور لذتوں کے اسباب ان کو قدرت دی اور تمہیں ان سے محفوظ رکھا نیکی کے اسباب و دواعی کو ان سے پھیر دیا اور تم پر ان اسباب کو مسلط کیا حتیٰ کہ تمہارے لیے نیکی اور ان کے لیے برائی کرنا آسان ہو گیا اور یہ سب کچھ تمہاری جانب سے کسی سابقہ وسیلہ کے بغیر ہوا اسی طرح فاسق کا بھی پہلے کوئی جرم نہ تھا بلکہ اس نے محض اپنے فضل سے تمہیں ترجیح دی مقدم کیا اور چن لیا جب کہ گناہ گار کو دور کیا اور بدبخت بنایا تو یہ اس کا عدل ہے جب تم یہ سب باتیں جانتے ہو تو اپنے آپ پر اترانے کا کیا مطلب ہے؟

تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کام پر قدرت کارگر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس میں ایک ایسا شوق پیدا کر دیتا ہے جس کی وہ مخالفت نہیں کر سکتا اگر حقیقتاً انسان ہی فاعل ہو تو بھی اللہ تعالیٰ ہی اسے اس پر مجبور کرتا ہے لہٰذا اسی کا احسان ہے اور شکر ہے اپنا کوئی دخل نہیں ہے عنقریب توحید و توکل کے بیان میں اسباب اور مسببات کے تسلسل کے سلسلے میں اس بات کا بیان آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی خالق ہے۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی لیکن جن لوگوں کو علم نہیں دیا بلکہ مال دیا ان کے مقابلے میں اسے محتاج رکھا اس کا یہ کہنا تعجب خیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیسے رزق سے محروم رکھا حالانکہ میں عالم و عاقل ہوں اور یہ شخص جاہل و غافل ہے لیکن اسے دنیوی نعمتیں عطا کی ہیں حتیٰ کہ قریب ہے یہ شخص اس بات کو ظلم قرار دے لیکن یہ مغرور آدمی نہیں جانتا کہ اگر اس کے لیے عقل و مال دونوں جمع کر دیے جاتے تو ظاہری طور پر یہ ظلم کے زیادہ مشابہ ہوتا کیوں کہ اس وقت جاہل فقیر کہتا اے میرے رب! تو نے عقل اور مالداری کو کیوں جمع کیا جب کہ مجھے ان دونوں سے محروم رکھا تو نے مجھے یہ دونوں چیزیں کیوں عطا نہیں کیں یا کم از کم ایک ہی دے دیتا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جب آپ سے پوچھا گیا عقل مند لوگ محتاج کیوں

ہوتے ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا انسان کی عقل بھی رزق خداوندی میں شمار ہوتی ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ کوئی عقل مند فقیر جب کسی جاہل مالدار کو اپنے آپ سے بہتر حالت میں دیکھتا ہے تو اگر اس سے کہا جائے کہ کیا تم اپنی عقل اور فقر کے بدلے میں اس کی جہالت اور مالداری کو ترجیح دیتے ہو تو وہ اس بات کو نہیں مانتا معلوم ہوا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت زیادہ بڑی ہے تو کس وجہ سے وہ اس بات پر تعجب کرتا ہے۔

خوبصورت محتاج عورت جب کسی بدشکل عورت پر زیورات اور جواہر دیکھتی ہے تو تعجب کرتے ہوئے کہتی ہے کہ میرا حسن کیسے زینت سے محروم ہو گیا اور اس قبیح شکل کو زینت حاصل ہو گئی اور وہ نہیں جانتی کہ اس کی خوبصورتی بھی عطیاتِ خداوندی میں شمار ہوتی ہے اور اگر اسے حسن اور بدصورتی میں اختیار دیا جائے جب کہ بدصورتی کے ساتھ مالداری بھی ہو تو وہ حسن و جمال کو ترجیح دے تو گویا اسے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت حاصل ہوئی ہے۔

اور کسی دانا عقل مند فقیر کا دل میں یوں کہنا کہ اے میرے رب! تو نے مجھے دنیا سے کیوں محروم کیا جب کہ جاہل لوگوں کو تو نے دنیا دی ہے یہ اس شخص کی طرح ہے جس کو کسی بادشاہ نے گھوڑا دیا ہو اور وہ کہے اے بادشاہ! تو نے مجھے غلام کیوں نہیں دیا جب کہ میرے پاس گھوڑا بھی ہے تو بادشاہ جواب میں کہے اگر میں تجھے گھوڑا نہ دیتا تو تجھے غلام کے نہ ملنے پر تعجب نہ ہوتا فرض کرو کہ میں نے تمہیں گھوڑا نہیں دیا گیا تو میری ایک نعمت کو دوسری کا وسیلہ اور حجت بناتا ہے اور اس کے ذریعے دوسری نعمت طلب کرتا ہے۔

تو یہ وہم ہیں جن سے جاہل لوگ خالی نہیں ہیں اور ان تمام کا منشا جہالت ہے جس کا ازالہ یقین سے اس بات کو جان لینے سے ہوتا ہے کہ بندہ، اس کا عمل اور اس کے اوصاف سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں جو استحقاق کے بغیر حاصل ہوئے ہیں یہ علم خود پسندی اور ناز کی نفی کر کے خضوع، شکر اور زوالِ نعمت کا خوف پیدا کرتا ہے اور جس شخص کو اس بات کی پہچان ہو گئی اس سے اس بات کا تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے علم و عمل پر اترائے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا تھا اے میرے رب! کوئی رات نہیں آتی مگر آلِ داؤد میں سے کوئی نہ کوئی قیام لیل کر رہا ہوتا ہے اور کوئی دن نہیں آتا مگر آلِ داؤد میں سے کوئی نہ کوئی روزہ دار ہوتا ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رات اور دن کی کوئی ساعت نہیں گزرتی مگر آلِ داؤد کا کوئی نہ کوئی عابد عبادت میں مصروف ہوتا ہے یا نماز پڑھتا ہے یا روزہ رکھتا ہے یا تیرا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد علیہ السلام ان میں یہ باتیں کہاں سے آئی ہیں؟ یہ سب میری وجہ سے ہی ہیں اگر آپ کو میری مدد حاصل نہ ہوتی تو آپ کو طاقت نہ ہوتی اور عنقریب میں آپ کو آپ کے نفس کے حوالے کر دوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام پر جو کچھ گزرا وہ عمل پر خود پسندی کی وجہ سے تھا کیونکہ آپ نے بطور ناز آلِ داؤد کی طرف اس کی اضافت کی حتیٰ کہ آپ کو آپ کے نفس کے حوالے کیا گیا اور آپ سے ایسی لغزش ہوئی

جو غم اور ندامت کا باعث بنی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے رب! بنی اسرائیل تجھ سے حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے وسیلے سے دعا مانگتے ہیں (اس کی وجہ کیا ہے؟) اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے ان کو آزمائش میں ڈالا تو انہوں نے صبر کیا انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! اگر تو مجھے آزمائے گا تو میں بھی صبر کروں گا تو آپ نے وقت سے پہلے عمل پر ناز کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے ان کو اس بات کی خبر نہیں دی تھی کہ ان کو کس عمل کے ساتھ کس مہینے میں اور کس دن آزماؤں گا اور آپ کو خبر دے رہا ہوں کہ اسی سال اور اسی مہینے میں کل کے دن ایک عورت کے ذریعے آپ کو آزماؤں گا تو اپنے نفس کو محفوظ رکھنا پھر جو کچھ سرزد ہوا وہ معلوم ہے۔ (۱)

اسی طرح جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوۂ حنین کے دن اپنی قوت اور کثرت پر بھروسہ کیا اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے فضل کو بھول گئے اور فرمانے لگے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے تو ان کو ان کے نفسوں کے سپرد کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ۔ (۲)

اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترانے لگے تو اس نے تم کچھ نفع نہ دیا اور تم پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے پھر گئے۔

حضرت ابن عیینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا الٰہی! تو نے مجھے اس آزمائش میں ڈالا ہے حالانکہ مجھ پر جو بھی واقعہ گزرا میں نے تیری رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دی ہے چنانچہ ایک بادل سے دس ہزار آوازیں سنائی دیں کہ اے ایوب! یہ بات (ترجیح دینا) تجھے کہاں سے حاصل ہوئی؟ راوی فرماتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام نے خاک لے کر اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا اے میرے رب تیری طرف سے، اے میرے رب تیری طرف سے — تو حضرت ایوب علیہ السلام کی بھول ختم ہوئی اور آپ نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا۔ (۳)

اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک نہ ہوتا۔

---

(۱) سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام کو نظر (دیکھنے) کے ذریعے آزمایا گیا۔ اتحاف جلد ۸ ص ۵۱۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۲۵ / دلائل النبوۃ جلد ۵ ص ۱۲۳، ۱۲۴ باب غزوۂ حنین

(۳) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۲۱

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو تمام لوگوں سے بہتر تھے ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يُنْجِيْهِ عَمَلُهٗ ۔ تم میں سے کسی کو بھی (محض) اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی؟ آپ نے فرمایا۔

وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ ۔ اور مجھے بھی نہیں البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے۔ (۱)

اس کے بعد صحابہ کرام تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش وہ مٹی، تنکے اور پرندے ہوتے حالانکہ ان کے اعمال اور دل پاک صاف تھے۔ تو کوئی صاحب بصیرت آدمی کس طرح اپنے عمل پر اترا سکتا ہے یا ناز کر سکتا ہے اور کیسے وہ اپنے نفس پر خوف نہیں کرے گا۔

تو یہ خود پسندی کا علاج ہے جس سے اس کا مادہ بالکل جڑ سے اکھڑ جاتا ہے اور جب یہ دل پر غالب آتا ہے تو سلب نعمت کا خوف اسے اترانے سے بچاتا ہے بلکہ جب وہ کافروں اور فاسقوں کو دیکھتا ہے کہ کسی گناہ کے بغیر ان کا ایمان اور اطاعت سلب ہو گئی تو اس سے ڈرتے ہوئے کہتا ہے کہ جس ذات کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ کسی جرم کے بغیر محروم کر دے یا کسی وسیلہ کے بغیر عطا کرے وہ دی ہوئی نعمت کو بھی واپس لے سکتا ہے کتنے ہی مومن (معاذ اللہ) مرتد اور اطاعت گزار فاسق ہو گئے اور ان کا خاتمہ اچھا نہ ہوا اس طرح کی سوچ سے خود پسندی باقی نہیں رہتی ۔ واللہ اعلم

پانچویں فصل:

ان چیزوں کی اقسام جن سے خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور اسکے علاج کی تفصیل

جان لو! خود پسندی کے اسباب وہی ہیں جو تکبر کے اسباب ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور بعض اوقات آدمی ایسی بات پر اتراتا ہے جس پر تکبر نہیں کرتا جیسے غلط رائے پر اترانا جو جہالت کی وجہ سے اچھی معلوم ہوتی ہے تو جن امور کی وجہ سے خود پسندی پیدا ہوتی ہے ان کی آٹھ قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:

اپنے بدن کے سلسلے میں اس کے حسن و جمال، شکل و صورت، صحت، قوت، تناسب اعضاء حسن صورت اور اچھی آواز پر اترانے لگے اپنے حسن و جمال کی طرف متوجہ ہو لیکن یہ بات بھول جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمت ہے اور وہ بہر حال زوال پذیر ہونے والی ہے ــــ اس کا علاج وہی ہے جو ہم نے حسن و جمال کے ذریعے تکبر کے علاج کے ضمن میں

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۴۴ مرویات ابوہریرہ

لکھا ہے کہ اپنی باطنی گندگیوں میں غور کرے اپنے آغاز و انجام کے بارے میں سوچ و بچار کرے اور سوچے کہ کس طرح خوبصورت چہرے اور عمدہ بدن پیوند خاک ہوئے اور قبور میں یوں بدبودار ہو گئے کہ طبیعتوں کو ان سے نفرت ہو گئی۔

دوسری قسم :

پکڑنا اور قوت ہے جیسا کہ قوم عاد کے بارے میں بیان کیا گیا قرآن پاک نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا۔

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۔ (۱) ہم سے بڑھ کر کس کے پاس طاقت ہے۔

اور جس طرح عوج نے اپنی قوت پر اعتماد کیا اور اس پر اترانے لگا تو پہاڑ کو اکھاڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر رکھنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہُدہُد (پرندے) نے نہایت کمزور چونچ سے اس پہاڑ میں ایسا سوراخ کر دیا کہ وہ اس کی گردن کا طوق بن گیا، مومن بھی اپنی قوت پر بھروسہ کرتا ہے جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں ایک رات میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا لیکن انہوں نے لفظ ان شاء اللہ نہ کہا (۲) تو وہ اس اولاد سے محروم رہے جس کا ارادہ کیا تھا۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ قول کہ اگر تو نے مجھے آزمائش میں ڈالا تو میں صبر کروں گا تو آپ نے اپنی قوت پر خود پسندی کا اظہار فرمایا اور جب عورت کے ساتھ آزمایا گیا تو آپ صبر نہ کر سکے۔

قوت پر اترانے کے باعث آدمی لڑائیوں میں گھس جاتا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے اور جو شخص اس سے برائی کا قصد کرتا ہے اسے مارنے اور قتل کرنے کی جلدی کرتا ہے اس کا علاج بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بعد جان لے کہ ایک دن کے بخار سے قوت ڈھیلی پڑ جاتی ہے نیز جب وہ اس پر اتراتا ہے تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کوئی ادنیٰ سی آفت اس پر مسلط کر کے اس قوت کو سلب کر لے۔

تیسری قسم :

عقل اور سمجھداری نیز دین و دنیا کے حوالے سے باریک امور کو بھی سمجھ لینے پر اترانا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے مشورہ نہیں لیتا اور جو لوگ اس کی رائے کے مخالف ہوتے ہیں ان کو جاہل گردانتا ہے اہل علم کی باتیں بہت کم سنتا ہے کیونکہ وہ اپنی عقل اور رائے کے مقابلے میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا نیز ان کو حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے اس کا علاج اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اس نے اسے عقل عطا کی نیز سوچے کہ اگر دماغ میں معمولی سا مرض بھی آ جائے تو اس طرح وہ وسوسوں کا شکار ہو جائے گا اور پاگل بن جائے گا کہ لوگ اس پر ہنسیں گے اگر عقل پر اتراتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ فصلت آیت ۱۵

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۹۵ کتاب الجہاد

اور خدا کا شکر ادا نہیں کرتا تو اسے زوالِ عقل سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے اپنی عقل اور علم کو کم سمجھے اور جان لے کہ اسے بہت کم ملا ہے اگرچہ اس کا علم بہت وسیع ہی کیوں نہ ہو نیز جن باتوں کو لوگ جانتے ہیں اور وہ ان سے لاعلم ہے وہ ان امور سے زیادہ ہیں جن کو وہ جانتا ہے اور جو باتیں دوسروں کو معلوم نہیں ان کا کیا معاملہ ہوگا اپنی عقل کو تہمت لگائے اور بیوقوف لوگوں کی طرف دیکھے کہ وہ کس طرح اپنی عقلوں پر اتراتے ہیں لیکن لوگ ان پر ہنستے ہیں تو وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں وہ ان میں سے نہ ہو اور اسے یہ بات معلوم نہ ہو۔

کیونکہ کم عقل آدمی اپنی عقل کے قصور سے بے خبر ہوتا ہے لہٰذا اپنی عقل کی مقدار دوسروں کے حوالے سے معلوم کرے اپنے حوالے سے نہیں دشمنوں کے حوالے سے نہیں دشمنوں کے حوالے سے جانے دوستوں کے حوالے سے نہیں کیونکہ جو لوگ منافقت سے کام لیتے ہیں وہ اس کی تعریف کریں گے اور یوں اس کی خود پسندی میں اضافہ ہوگا حالانکہ وہ اپنے آپ کو اچھا ہی سمجھتا ہے اور اسے اپنی جہالت کا علم نہیں ہوتا لہٰذا خود پسندی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

چوتھی قسم:

اچھے نسب پر فخر کرنا ہے جیسے ہاشمی ہو لے پر اترانا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے گمان کیا کہ وہ اپنے نسبی شرف اور آباء اجداد کے نجات حاصل کرنے کے سبب نجات پائیں گے اور ان کو بخش دیا جائے گا اور بعض کا خیال تو یہ ہے کہ تمام مخلوق ان کے مال اور غلام ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ وہ اس بات کو جان لے کہ اگر وہ اخلاق و اعمال میں اپنے آباء اجداد کی مخالفت کرنے کے باوجود ان کے درجے کو پہنچ گیا ہے تو یہ سوچ جہالت پر مبنی ہے اور اگر ان کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے تو ان لوگوں میں خود پسندی کہاں تھی ان میں تو خوف تھا اور وہ اپنے آپ کو حقیر جانتے تھے جب کہ دوسرے لوگوں کو بڑا سمجھتے تھے نیز وہ اپنے نفس کی مذمت کرتے تھے انہوں نے عبادتِ خداوندی اور علم نیز اچھی خصلتوں کے ذریعے مقام و مرتبہ حاصل کیا، نسب کی وجہ سے نہیں۔

لہٰذا اسے اس عمل کے ذریعے شرف حاصل کرنا چاہیے جس کے سبب وہ معزز و محترم ہوئے جب کہ قبائل میں شرکت اور نسب میں مساوات تو ان لوگوں کو بھی حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں لائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کتوں سے زیادہ بُرے اور خنزیر سے زیادہ خبیث ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ۔ (۱)
اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

یعنی تمہارے نسب میں کوئی تفاوت نہیں کیوں کہ تم ایک اصل میں اکٹھے ہو پھر نسب کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
اور ہم نے تمہیں برادریوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ ایک

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۳

لِتَعَارَفُوْا - (۱) دوسرے کی پہچان حاصل کرو۔

اس کے بعد بیان فرمایا کہ عزت کا تعلق تقویٰ سے ہے نسب سے نہیں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (۲) بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون شخص زیادہ معزز ہے کون شخص زیادہ دانا اور سمجھدار ہے تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کا نسب مجھ سے ملتا ہے بلکہ آپ نے فرمایا۔

اَکْرَمُھُمْ اَکْثَرُھُمْ لِلْمَوْتِ ذِکْرًا وَاَشَدُّھُمْ اِسْتِعْدَادًا۔ (۳) ان میں سے جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور اس کے لیے سب سے زیادہ تیاری کرتا ہے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب فتح مکہ کے موقع پر کعبۃ اللہ کی چھت پر اذان دی تو حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور خالد بن اسید نے کہا یہ سیاہ فام غلام اذان دیتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (۴) بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ شخص زیادہ معزز ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ عُبِّیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ کُلُّکُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ (۵) بے شک اللہ تعالیٰ تم سے جاہلیت کا عیب (یعنی تکبر) لے گیا۔ تم سب اولاد آدم ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ لَا تَاْتِی النَّاسُ بِالْاَعْمَالِ اے قریش کے گروہ! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن لوگ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ حجرات آیت ۱۳

(۲) قرآن مجید، سورۃ حجرات آیت ۱۳

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۴، ابواب الزھد

(۴) قرآن مجید، سورۃ حجرات آیت ۱۳

(۵) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۱ کتاب الادب

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَتَاتُوْنَ بِالدُّنْيَا تَحْمِلُوْنَهَا عَلٰى رِقَابِكُمْ تَقُوْلُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ هٰكَذَا ۔ (۱)

اعمال لے کر آئیں اور تم دنیا کے ساتھ آؤ اسے اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہوئے ہو اور کہو اے محمد! اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو میں تم سے اعراض کروں۔

اس حدیث شریف میں آپ نے بیان فرمایا کہ اگروہ دنیا کی طرف مائل ہوگئے تو ان کو قریشی ہونے نفع نہیں دے گا اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ (۲) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک قبیلہ کو پکارا حتی کہ فرمایا اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) اپنے لیے خود عمل کرو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچنے والے کسی عذاب سے نہیں بچاؤں گا (۳) تو جس شخص نے ان باتوں کو جان لیا اور اسے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس کا شرف تقویٰ کے انداز سے کے مطابق ہوگا اور یہ کہ اس کے آباؤ اجداد کی عادت تواضع تھی تو وہ تقویٰ اور تواضع میں ان کی پیروی کرے گا ورنہ زبانِ حال سے اپنے نسب پر طعن کرے گا کیونکہ نسبت ان کی طرف ہوگی لیکن تواضع، تقویٰ اور خوف میں ان کے مشابہ نہیں ہوگا۔

سوال:

اگر تم کہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خاتون جنت اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ فرمایا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بچا نہیں سکوں گا تو اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ تمہیں مجھ سے قرابت ہے میں اسے تر رکھوں گا (۴) (اس کا حق ادا کروں گا)

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

کیا قوم سلیم میری شفاعت کی امید رکھتی ہے اور بنو عبدالمطلب اس کی امید نہیں رکھتے (۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قرابت والوں کو خصوصی شفاعت حاصل ہوگی۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۳ ص ۲۵ حدیث ۳۳۸۹۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ شعراء آیت ۲۱۴

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۰۲ کتاب التفسیر

(۴) نوٹ۔ بعض بے علم لوگوں نے اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو عذاب سے بچا نہیں سکتے اور آپ کو کوئی اختیار نہیں (معاذ اللہ) حالانکہ حدیث شریف میں عمل کی ترغیب ہے ورنہ خاتونِ جنت اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تو نہایت متقی پرہیزگار تھیں لہٰذا یہ عقیدہ غلط ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱ ص ۳۴۴ حدیث ۲۲۲۶

جواب :

جان لو! ہر مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا منتظر ہے اور آپ کا قرابت دار بھی اس امید کا زیادہ حق رکھتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرے کیونکہ اگر اس نے غضب فرمایا تو کسی کو بھی شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی کیوں کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو غضب فرمایا تو کسی کو بھی شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو غضب الٰہی کے موجب ہیں ان کے لیے شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی اور دوسرے وہ جو شفاعت کے باعث صاف ہو جاتے ہیں جیسے دینوی بادشاہوں کے ہاں ہوتا ہے کیونکہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن پر بادشاہ کو اس قدر غصہ آتا ہے کہ اس کے تمام مقربین سفارش نہیں کر سکتے۔ تو بعض گناہ وہ ہیں جن سے شفاعت کے باعث بھی چھٹکارا نہیں ملے گا۔

ارشاد خداوندی ہے :

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی ۔ (۱)

اور وہ صرف اسی کے سفارش کریں گے جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے :

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۔ (۲)

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔

یہ بھی ارشاد فرمایا :

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنْدَہٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَہٗ ۔ (۳)

اور اس (اللہ تعالیٰ) پاس اسی کو شفاعت سے فائدہ ہوگا جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔

اور فرمایا :

فَمَا تَنْفَعُھُمْ شَفَاعَۃُ الشَّافِعِیْنَ ۔ (۴)

پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی۔

جب گناہ دو قسموں میں تقسیم ہو گئے ایک وہ جن میں شفاعت فائدہ دے گی اور دوسرے وہ جن میں شفاعت نفع بخش نہ ہوگی تو ڈرنا واجب ہوا اگر تمام گناہوں میں شفاعت قبول ہوتی تو آپ قریش کو اطاعت کا حکم نہ دیتے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو گناہ سے منع نہ فرماتے اور ان کو خواہشات کی پیروی کی اجازت دیتے تاکہ ان کے لیے دنیا میں لذتوں کی تکمیل ہوتی پھر ان کے لیے آخرت میں سفارش فرما دیتے تاکہ ان کو اخروی لذات مکمل طور پر

---

(۱) (۲)

(۳) (۴)

حاصل ہوتیں لہذا شفاعت کی امید پر گناہوں میں مبتلا ہونا اور تقویٰ کو چھوڑ دینا مریض کے خواہشات میں مبتلا ہونے کی طرح ہے جب وہ کسی ماہر حکیم پر اعتماد کرتا ہے کہ وہ اس کا قریبی اور مشفق ہے یعنی اس کا باپ یا بھائی وغیرہ ہے اور یہ اعتماد جہالت ہے کیونکہ حکیم کی کوشش اس کی ہمت اور مہارت بعض بیماریوں کے ازالے میں نفع دیتی ہے تمام بیماریوں کے ازالے کے لیے نہیں لہذا محض ڈاکٹر پر اعتماد کر کے مطلقاً پرہیز کو ترک کر دینا جائز نہیں۔ طبیب کا اثر ہوتا ہے لیکن معمولی امراض اور اعتدال مزاج کے غلبہ کے وقت ہوتا ہے لہذا انبیاء کرام اور صلحاء عظام کی عنایتِ شفاعت اپنوں اور غیروں کے لیے اسی انداز میں ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے خوف اور پرہیز کو ترک نہیں کرنا چاہیے اور اسے کیسے ترک کر سکتے ہیں جب کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے لیکن وہ آخرت کے خوف سے تمنا کرتے تھے کہ وہ چوپائے ہوتے حالانکہ ان کا تقویٰ کامل، اعمال عمدہ اور دل صاف تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کا خصوصی وعدہ بھی سن چکے تھے اور وہ تمام مسلمانوں کے لیے عمومی طور پر شفاعت کے بارے میں بھی جانتے تھے لیکن انہوں نے اس پہ بھروسہ نہیں کیا اور ان کے دلوں سے خوف اور خشوع جدا نہیں ہوا اور جو لوگ صحابیت کے درجے پر بھی فائز نہیں اور انہیں اسلام لانے میں سبقت بھی حاصل نہیں وہ کس طرح خود پسندی میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور کیسے وہ شفاعت پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔

پانچویں قسم:

ظالم بادشاہوں اور ان کے مددگاروں کے ذریعے اترائے دین اور علم کے نسب سے فخر نہ کرے اور یہ نہایت درجہ کی جہالت ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ان کی رسوائی اور بندگانِ خدا پر جو انہوں نے ظلم کیا نیز اللہ تعالیٰ کے دین میں فساد کیا ان سب باتوں پر غور کرے اور یہ بھی سوچے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے لائق ہیں اور اگر وہ جہنم میں ان کی صورتوں، بدبو اور گندگی کو دیکھ لے تو ان سے نفرت کرے اور ان کی طرف نسبت سے براءت کا اظہار کرے بلکہ جو کوئی اسے ان کی طرف منسوب کرے اس پر اعتراض کرے اور ان کو حقیر و رسوا جانے۔

اور اگر اس پر ان کی قیامت کے دن کی ذلت منکشف ہو جائے کہ جن لوگوں پر انہوں نے ظلم کیا ہوگا وہ ان سے چمٹے ہوں گے اور فرشتے ان کو ان کی پیشانیوں سے پکڑ کر کھینچ رہے ہوں گے وہ ان کے مظالم کی وجہ سے ان کو جہنم میں لے جائیں گے تو اس صورت کے منکشف ہونے پر وہ ان سے براءت کا اظہار کرے اور ان کی نسبت کے مقابلے میں کتے اور خنزیر کی طرف نسبت کو ترجیح دے۔ تو ظالم لوگوں کی اولاد کو اگر اللہ تعالیٰ ان کے ظلم سے محفوظ رکھے تو ان کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ان کا دین سلامت ہے اور اگر ان کے وہ باپ دادا (جو ظالم تھے) مسلمان تھے تو ان کے لیے بخشش کی دعا مانگیں لیکن ان کی نسبت سے خود پسندی میں مبتلا ہونا جہالت ہے۔

چھٹی قسم:

اولاد، خدام، غلاموں، قبیلے، رشتہ داروں، مددگاروں اور پیروکاروں کی کثرت پر اترانا جیسا کہ کفار نے کہا۔

ارشاد خداوندی ہے:

نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۔ (۱) ہمارے مال اور اولاد زیادہ ہے۔

اور جیسے غزوۂ حنین کے دن مسلمانوں نے کہا کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے اور اس کا علاج وہی ہے جو ہم نے تکبر کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ یعنی اپنی اور ان لوگوں کی کمزوری کے بارے میں سوچے اور یہ کہ یہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے ہیں ذاتی طور پر نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں اور کتنی مرتبہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے پھر وہ ان پر کس طرح اتراتا ہے حالانکہ جب وہ مر جائے گا تو وہ اس سے متفرق ہو جائیں گے اور اسے قبر میں یوں دفن کیا جائے گا کہ وہ تنہا بھی ہوگا اور رسوا بھی۔ اس کے اہل و اولاد، قریبی رشتہ دار، جگری دوست اور قبیلے والوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں ہوگا وہ اسے گلنے سڑنے کے لیے نیز سانپوں، بچھوؤں اور کیڑوں مکوڑوں کے حوالے کردیں گے اور اس سے کچھ بھی عذاب دور نہیں کرسکیں گے حالانکہ اس وقت اسے ان کی زیادہ حاجت ہوگی اسی طرح قیامت کے دن بھی اس سے بھاگ جائیں گے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ جس دن آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ

وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۔ (۲) اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔

اور جو لوگ تجھے سخت ترین حالت میں چھوڑ کر بھاگ جائیں ان میں کیا بھلائی ہے اور ان پر تو کس طرح اتراتا ہے حالانکہ تجھے قبر میں، قیامت کے دن اور پل صراط پر صرف تیرا عمل اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہی نفع دے گا تو جو لوگ تجھے نفع نہیں دے سکتے تو ان پر کس طرح اتراتا ہے اور جو ذات تیرے نفع و نقصان اور موت و حیات کی مالک ہے اسے کیسے بھول جاتا ہے۔

ساتویں قسم:

مال پر اترانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دو باغوں کے مالک کا واقعہ بیان فرمایا جب اس نے کہا۔

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۔ (۳) میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور مجھے افرادی غلبہ بھی حاصل ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ سبا، آیت ۳۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ عبس آیت ۳۴

(۳) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۳۴

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مال دار آدمی کو دیکھا جس کے پہلو میں ایک فقیر بیٹھا تو اس نے کپڑے سمیٹ لیے اور سکڑ گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اس کی محتاجی تیری طرف تجاوز کرے گی (۱) اس نے یہ کام اس لیے کیا کہ وہ اپنے مال پر اتراتا تھا۔

اس کا علاج یہ ہے کہ مال کی آفات اس کے حقوق اور اس کی عظیم فتنہ سامانی کے بارے میں سوچے فقراء کی فضیلت نیز قیامت کے دن ان کے جنت میں سبقت لے جانے کو دیکھے اور یہ بھی سوچے کہ مال تو آنے جانے والی چیز ہے اور ناپائیدار ہے اور اس بات کو بھی دیکھے کہ کئی یہودیوں کے پاس اس سے بھی زیادہ مال ہے علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو بھی پیش نظر رکھے آپ نے فرمایا۔

ایک شخص اپنے قیمتی لباس میں اکڑ رہا تھا اور وہ اپنے آپ پر اتراتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین نے اسے پکڑ لیا اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔(۲)

آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اسے اپنے مال اور نفس پر اترانے کی یہ سزا مل رہی ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ مسجد میں داخل ہوئے اور فرمایا اے ابوذر! اپنا سر اٹھاؤ، میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک شخص عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہے پھر فرمایا "اپنا سر اٹھاؤ"، میں نے سر اٹھایا تو ایک پرانے کپڑوں والا شخص تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! یہ شخص، اس (عمدہ کپڑوں والے) شخص سے بہتر ہے اگرچہ اس جیسے لوگوں سے زمین بھری ہوئی ہو (۳)

ہم نے زہد کے بیان، دنیا کی مذمت کے بیان اور مال کی مذمت کے بیان میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مالداروں کی حقارت اور فقراء کی عزت و شرافت کو واضح کرتا ہے تو کسی مومن سے یہ بات کیسے متصور ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی مالداری پر اترائے۔ بلکہ مومن مالی حقوق کے قائم کرنے میں کوتاہی کے خوف سے خالی نہیں ہوتا کہ آیا حلال طریقے پر حاصل کیا یا نہیں پھر مناسب مقام پر خرچ کیا یا نہیں؟ اور جو شخص اس طرح نہیں کرتا اس کا ٹھکانہ ذلت اور ہلاکت ہے۔ لہٰذا وہ کس طرح اپنے مال پر اتراتا ہے۔

آٹھویں قسم:

غلط رائے پر اترانا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ تو کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل سنوارا گیا تو

---

(۱)

(۲) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۸

حَسَنًا۔ (۱) وہ اسے اچھا خیال کرتا ہے (یعنی اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے)

اور ارشاد فرمایا۔

وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ (۲) اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ غلط رائے پر اترانا اس امت کے آخر میں غالب ہوگا اسی وجہ سے پہلی امتیں ہلاک ہوئیں کہ جب وہ فرقوں میں بٹ گئیں اور ہر ایک اپنی رائے پر اترانے لگا۔ (۳)

تو ہر گروہ اپنی رائے پر خوش ہوتا ہے اور تمام بدعتی اور گمراہ لوگ اپنی اپنی آراء پر اترانے کی وجہ سے اس پر ڈٹ جاتے ہیں اور بدعت پر اترانے کا مطلب یہ ہے کہ جو بات خواہش کے مطابق ہو آدمی اسے اچھا سمجھے اور اس کے خیال میں وہی حق ہو۔

اس قسم کی خود پسندی کا علاج دوسری صورتوں کی نسبت زیادہ سخت ہے کیوں کہ غلط رائے والا اپنی خطا سے بے علم ہوتا ہے اگر وہ اس بات کو جانتا تو اپنی رائے کو چھوڑ دیتا اور جب بیماری کا پتہ نہ چلے اس کا علاج مشکل ہوتا ہے اور جہالت ایسی بیماری ہے جس کا پتہ نہیں چلتا لہذا اس کا علاج بھی بہت مشکل ہے کیوں کہ عارف کیونکہ عارف یہ تو کر سکتا ہے کہ جاہل کو اس کی جہالت سے خبردار کرے اور اس سے اس کا ازالہ کرے لیکن جب وہ اپنی رائے اور جہالت پر اتراتا ہو تو عارف کی بات پر کان نہیں دھرے گا بلکہ اس پر تہمت لگائے گا۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی آفت مسلط کی ہے جو ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور وہ اسے نعمت جانتا ہے تو اس صورت میں اس کا علاج کیسے ممکن ہوگا اور وہ اس بات سے کیسے بھاگے گا جسے وہ اپنے عقیدے کے مطابق سعادت سمجھتا ہے اس کا اجمالی علاج یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی رائے پر تہمت لگاتا رہے اور اس کے دھوکے میں نہ آئے جب تک کتاب اللہ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دلیل نہ ہو یا کوئی صحیح عقلی دلیل نہ پائی جائے جو دلائل کی تمام شرائط کی جامع ہو۔

اور انسان شرعی اور عقلی دلائل اور ان کی شرائط نیز غلطی کے مقامات کو اسی صورت میں جان سکتا ہے جب کامل فطرت، نیز عقل قوی استعداد اور جستجو کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت سے روزمرہ کا واسطہ ہو عمر بھر اہل علم کی مجالس اختیار کرے اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھے اس کے باوجود بعض امور میں غلطی کا خوف موجود ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو شخص اپنی زندگی علم کے حصول میں نہ گزار سکے وہ مذاہب میں غور وخوض نہ کرے مختلف مذاہب کے لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرے اور نہ ان کی باتیں سنے بس یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۱۰۴

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۹، ابواب الفتن

مثل کوئی نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی ہے وہ حق و صداقت پر مبنی ہے نیز وہ اسلاف کے طریقے پر چلے اور جو کچھ کتاب و سنت میں آیا ہے، سب پر ایمان لائے اور ہر قسم کی بحث اور تفصیل سے متعلق سوال سے باز رہے۔ بلکہ صرف یہ کہے کہ ہم ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی۔ تقویٰ میں مشغول ہو، گناہوں سے بچے، عبادت کی ادائیگی میں مصروف رہے مسلمانوں پر شفقت کرے اور اچھے اعمال اختیار کرے اگر مذاہب اور بدعتوں کی بحث اور عقائد میں تعصب کی طرف متوجہ ہوا اور اس میں بحث مباحثہ کیا تو غیر شعوری طور پر ہلاک ہو جائے گا۔

یہ تو ان لوگوں کے بارے میں ہے جو علم کے علاوہ زندگی کے دوسرے مشاغل میں مصروف رہتا ہے لیکن جو شخص علم کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے کا عزم رکھتا ہے تو اس کے لیے پہلا اہم کام دلیل اور اس کی شرائط کی پہچان حاصل کرنا ہے اور اس میں بہت کھینچا تانی ہوتی ہے اور اکثر مطالب میں یقین اور معرفت تک رسائی بہت مشکل ہوتی ہے اس پر صرف وہی لوگ قادر ہوتے ہیں جو مضبوط ہیں اور ان کو نور خداوندی سے تائید حاصل ہوتی ہے لیکن ایسے لوگ نادر الوجود ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں گمراہی سے محفوظ رکھے نیز جاہلوں کے خیالات کی بنیاد پر دھوکے میں آنے سے بھی پناہ چاہتے ہیں تکبر اور خود پسندی کا بیان مکمل ہوا تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جو ایک ہے اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہوتی ہے جو بہت بلند بہت بڑا ہے اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کے آل و اصحاب پر رحمت و سلام ہو۔

۱۰۔ غرور کی مذمت کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کے قبضۂ قدرت میں تمام امور کی چابیاں ہیں اور تمام اچھے اور برے کاموں کی کنجیاں بھی اسی کی قدرت میں ہیں وہ اپنے دوستوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالنے والا اور اپنے دشمنوں کو غرور کے بھنور میں ڈالنے والا ہے۔

اور رحمت کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو مخلوق کو اندھیرے سے نکالنے والے ہیں اور آپ کے آل و اصحاب پر بھی جن کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں نہیں ڈالا اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی مغالطے کا شکار ہوئے زمانوں کی آمد و رفت اور ساعتوں نیز مہینوں کے تکرار سے مسلسل رحمت نازل ہو حمد و صلوٰۃ کے بعد۔ خوش بختی کی چابی بیدار اور ہوشیار رہنا ہے جب کہ بدبختی کا منبع مغالطے اور غفلت کا شکار ہونا ہے پس بندوں پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ایمان و معرفت ہے اور نور بصیرت سے سینے کی کشادگی اس نعمت کی طرف وسیلہ ہے کفر و گناہ سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں اور دل کا اندھاپن جو جہالت کے اندھیرے سے پیدا ہوتا ہے اس کا داعی ہے تو عقلمند اور ارباب بصیرت لوگوں کے دل اس ارشاد خداوندی کے مطابق ہیں۔

كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ (۱)

ایک طاق کی مثل ہے جس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے درخت زیتون سے، وہ شرقی ہے نہ غربی قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے۔

اور جن لوگوں کے دل دھوکے میں ہیں ان کی مثال یوں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ

یا جیسے اندھیریاں کسی گہرائی والے دریا میں ڈھانپ رکھا ہے اس موج نے جس کے اوپر موج ہے اس کے اوپر بادل ہیں اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب اپنا ہاتھ نکالے تو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نور، آیت ۳۵

يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ (۱) دکھائی نہ دے اور جسے اللہ تعالیٰ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔

تو عقلمند لوگ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دینے کا ارادہ کیا پس ان کے سینوں کو اسلام اور ہدایت کے لیے کھول دیا اور دھوکے میں وہ لوگ ہیں جن کی بصیرت کو کشادگی نہیں ملی کہ وہ اپنی ہدایت کے کفیل ہونے وہ اندھے رہے اور انہوں نے اپنی خواہش کو دلیل اور شیطان کو راہنما بنالیا اور جو شخص دنیا میں (دلائل سے) اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستے سے بہت بھٹکا ہوا ہوگا۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ دھوکے میں پڑنا ہی تمام بدبختیوں کی جڑ اور ہلاکت میں ڈالنے والے امور کا منبع ہے تو اس کے راستوں کا بیان اور ان حالات کی تفصیل ضروری ہے جن میں دھوکہ ہو جاتا ہے تاکہ راہ حق چلے اور ان کو پہچاننے کے بعد ان سے پرہیز کرے اور محفوظ رہے تو بندوں میں سے وہی لوگ توفیق خداوندی سے بہرہ ور ہوتے ہیں جو آفات اور فساد کے راستوں کو پہچانتے ہیں ان سے بچتے ہیں اور اپنے کی بنیاد احتیاط اور بصیرت کو بناتے ہیں۔

اب ہم دھوکے کے راستوں کی اقسام اور جو لوگ دھوکے میں پڑتے ہیں جیسے قاضی، علماء اور صالحین ان کی انواع بیان کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ایسے بنیادی امور سے غافل رہتے ہیں جن کا ظاہر اچھا اور باطن قبیح ہے۔ ہم اس بات کی طرف بھی اشارہ کریں گے کہ یہ لوگ کیوں غافل رہتے ہیں اور ان کے مغالطے کی وجہ کیا ہے اگرچہ یہ امور شمار سے باہر ہیں لیکن کچھ مثالوں سے اس قسم کی آگاہی ہو سکتی ہے کہ سب کی حاجت نہ رہے۔

دھوکے کے شکار لوگوں کے بہت سے فرقے ہیں لیکن اجمالی طور پر وہ سب ان چار قسموں میں جمع ہوتے ہیں (۱) علماء (۲) عابدین (۳) صوفیاء (۴) مالدار لوگ۔ پھر ان میں سے ہر قسم میں مغرور لوگوں کے بہت سے فرقے ہیں اور ان کے دھوکے کی جہات بھی مختلف ہیں ان میں سے بعض لوگ برائی کو نیکی سمجھتے ہیں جیسے وہ لوگ جو حرام مال سے مسجدیں بناتے اور ان کی آرائش کرتے ہیں اور ان میں سے بعض اپنی ذات کے لیے عمل اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے عمل میں امتیاز نہیں کر سکتے جیسے وہ واعظ جس کی غرض عوام میں مقبولیت اور مقام پیدا کرنا ہے بعض لوگ اہم کام کو چھوڑ کر غیر اہم میں مشغول ہو جاتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ فرائض کو ترک کر کے نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ مغز کو چھوڑ کر چھلکے کو اختیار کر لیتے ہیں جیسے وہ شخص جو نماز میں مخارج حروف کی تصحیح پر ہی اکتفا کرتا ہے اس کے علاوہ بھی دھوکے میں مبتلا ہونے کے بے شمار راستے ہیں اور ان کی وضاحت اسی وقت ہو سکتی ہے جب فرقوں کی تفصیل بیان کی جائے اور مثالوں سے وضاحت کی جائے۔

تو اب ہم سب سے پہلے علماء کے غرور کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے غرور کی مذمت اور اس کی حقیقت کا بیان ہوگا۔

پہلی فصل

غرور کی مذمت، اس کی حقیقت اور مثالیں

جان لو! غرور اور دھوکے کی مذمت میں درج ذیل دو آیتیں کفایت کرتی ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ۔ (۱)

پس تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور کوئی دھوکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں مغالطے کا شکار نہ بنائے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے،

وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ۔ (۲)

لیکن تم نے تو اپنی جانیں فتنہ میں ڈالیں اور مسلمانوں کی برائی کا انتظار کرتے اور شک رکھتے اور جھوٹی طمع نے تمہیں فریب دیا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حَبَّذَا نَوْمُ الْاَكْيَاسِ وَفِطْرُهُمْ كَيْفَ يَغْبِنُوْنَ سَهَرَ الْحَمْقٰى وَاجْتِهَادَهُمْ وَلَمِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ صَاحِبِ تَقْوٰى وَيَقِيْنٍ اَفْضَلُ مِنْ مِلْءِ الْاَرْضِ مِنَ الْمُغْتَرِّيْنَ۔ (۳)

عقل مند لوگوں کی نیند اور روزہ رکھنا کیا ہی اچھا ہے یہ لوگ بیوقوفوں کی شب بیداری اور کوشش کو کس طرح ناقص کرتے ہیں اور تقویٰ و یقین والے آدمی کا ایک ذرہ کے برابر عمل دھوکے کے شکار لوگوں کے زمین بھر کے عمل سے افضل ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔ (۴)

عقل مند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی بات نہیں مانتا اور موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے اور بیوقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہش کے پیچھے لگا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں کرتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ لقمان آیت ۳۳

(۲) قرآن مجید، سورۃ الحدید آیت ۱۴

(۳)

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۴، مرویات شداد بن اوس

علم کی فضیلت اور جہالت کی مذمت میں جس قدر احادیث آئی ہیں وہ تمام کی تمام غرور کی مذمت کی دلیل ہیں کیونکہ غرور جہالت کی ایک قسم ہے کیونکہ جہالت ایک چیز کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھتا ہے جو اس کی حقیقت کے خلاف ہو اور دھوکے میں پڑنا بھی جہالت ہے لیکن ہر جاہل دھوکے کا شکار نہیں ہوتا بلکہ غرور کے لیے ایسی بات بھی ضروری ہے جس میں غرور ہو اور جس کی وجہ سے غرور ہو پس جب وہ بات جس میں جہالت پائی جاتی ہے اور اس کا اعتقاد رکھا جاتا ہے، خواہش کے مطابق ہو اور جہالت کا باعث ایک شبہ اور فاسد خیال ہو جسے وہ دلیل خیال کرتا ہے حالانکہ وہ دلیل نہیں ہے تو اس سے جو جہالت حاصل ہوتی ہے وہ غرور ہے۔

لہٰذا غرور نفس کا اس بات پر ٹھہر جانا ہے جو خواہش کے مطابق ہو اور اس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور یہ بات شبہ اور شیطان کے دھوکے سے پیدا ہوتی ہے پس جو شخص کسی فاسد شبہ کی وجہ سے یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ فی الحال یا مستقبل میں بھلائی پر ہوگا تو وہ دھوکے میں ہے اور اکثر لوگ اپنے آپ کو بھلائی پر خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ اس میں خطا کار ہوتے ہیں لہٰذا اکثر لوگ دھوکے میں ہیں اگرچہ ان کی قسمیں اور درجات مختلف ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض کا دھوکہ زیادہ ظاہر اور سخت ہوتا ہے اور سب سے زیادہ ظاہر اور سخت کفار نیز نافرمان اور فاسق لوگوں کا دھوکہ ہے لہٰذا ہم ان کے لیے حقیقتِ غرور کے سلسلے میں مثالیں ذکر کرتے ہیں۔

پہلی مثال:

کفار کا مغالطہ میں پڑنا —— ان میں سے بعض کو دنیا کی زندگی کے دھوکے میں ڈالا اور بعض کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے دھوکہ لگا وہ لوگ جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ دیا یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ نقد، ادھار سے بہتر ہوتا ہے اور دنیا نقد ہے جب کہ آخرت ادھار ہے لہٰذا دنیا کو ترجیح دینا زیادہ مناسب ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یقین، شک کے مقابلے بہتر ہے اور دنیوی لذتیں یقینی ہیں جب کہ آخرت کی لذات مشکوک ہیں لہٰذا شک کی بنیاد پر یقین کو چھوڑ نہیں سکتے لیکن یہ فاسد قیاس ہیں جو ابلیس کے قیاس کی طرح ہیں قرآن پاک میں شیطان کا قول نقل کیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ (۱)

ابلیس نے کہا میں حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور ان کو مٹی سے پیدا کیا۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے

(۱) قرآن مجید، سورہ ص آیت ۷۶

بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ۔ (۱)

خرید لیا پس ان سے نہ تو عذاب کم ہوگا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

اس غرور کا علاج یا تو ایمان کی تصدیق سے ہوتا ہے یا دلیل سے محض ایمان کی تصدیق یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ان اقوال کو سچا جانے ارشاد خداوندی ہے۔

مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ (۲)

جو کچھ تمہارے پاس وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالے کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

اور ارشاد باری تعالی ہے:

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ۔ (۳)

اور جو کچھ اللہ تعالی کے پاس ہے وہ بہتر ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی۔ (۴)

اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ (۵)

اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

اور ارشاد باری تعالی ہے:

فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا۔ (۶)

پس تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی کچھ جماعتوں کو اس بات کی خبر دی تو انہوں نے آپ کی بات کو تسلیم کیا اور تصدیق کرتے ہوئے آپ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے دلیل طلب نہیں کی (۷)

ان میں سے بعض کہتے ہم آپ کو قسم دے کر پوچھتے کہ کیا اللہ تعالی نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ فرماتے ہاں

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۸۶

(۲) قرآن مجید، سورۃ نحل آیت ۹۶

(۳) قرآن مجید، سورۃ قصص آیت ۶۰

(۴) قرآن مجید، سورہ الاعلی آیت ۱۷

(۵) قرآن مجید آل عمران آیت ۱۸۵

(۶) قرآن مجید، سورۃ لقمان آیت

(۷) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۲۲، مرویات جابر

مجھے بھیجا ہے تو وہ ایمان لے آتے (۱) یہ عوام کا ایمان ہے جو دھوکے سے خارج ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی بچہ اپنے والد کی تصدیق کرے جب اس کا والد کہے کہ مدرسہ میں جانا کھیل کے میدان میں جانے سے بہتر ہے حالانکہ وہ اس کے بہتر ہونے کی وجہ نہیں جانتا لیکن بیان اور دلیل کے ساتھ معرفت یہ ہے کہ یہ قیاس جو شیطان نے اس کے دل میں ڈالا ہے اس کے فساد کی وجہ معلوم کرے کیونکہ ہر مغرور کے غرور کا ایک سبب ہوتا ہے اور یہ سبب ہی دلیل ہے اور ہر دلیل ایک قسم کا قیاس ہے جو دل میں آتا ہے اور اطمینان کا باعث بنتا ہے اگرچہ وہ شخص اس کا شعور نہ رکھتا ہو اور نہ ہی اسے علماء کے الفاظ میں بیان کر سکتا ہو تو شیطان نے اس کے دل میں جو قیاس ڈالا ہے اس میں ضابطے ہیں ایک یہ ہے کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار ہے یہ بات صحیح ہے اور دوسرا یہ کہ نقد، ادھار سے بہتر ہے اس جگہ دھوکہ دیا جاتا ہے حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ نقد، مقدار اور مقصود میں ادھار جیسا ہو تو وہ بہتر ہے اور اگر ان دونوں باتوں میں اس سے کم ہو تو ادھار بہتر ہے تو جو کافر دھوکے میں مبتلا ہے وہ اپنی تجارت میں ایک درہم خرچ کرتا ہے تاکہ بطور ادھار دس حاصل کرے اور اس صورت میں نہیں کہتا کہ نقد، ادھار سے بہتر ہے لہٰذا میں اسے چھوڑ نہیں سکتا اور جب ڈاکٹر اسے پھل اور لذیذ کھانوں سے روکتا ہے تو فوراً چھوڑ دیتا ہے۔

کیوں کہ اسے مستقبل میں بیماری کی وجہ سے پہنچنے والی تکلیف کا خوف ہوتا ہے تو یہاں اس نے نقد کو چھوڑ کر ادھار کو لے لیا اور تمام تاجر سمندر میں سفر کرتے ہیں اور سفر میں نقد تھکاوٹ برداشت کرتے ہیں تاکہ انہیں بعد میں راحت اور نفع حاصل ہو۔

اگر مستقبل میں دس ملنے کی توقع ہو تو وہ انہیں فی الحال ایک ملنے سے بہتر معلوم ہوتا ہے اگر دنیا کی مدت کو آخرت کی مدت کی نسبت سے دیکھا جائے (تو یہ کچھ بھی نہیں کیونکہ مثلاً انسان کی عمر زیادہ سے زیادہ سو سال ہوگی اور وہ آخرت کا کروڑواں حصہ بھی نہیں بنتا۔ گویا اس نے ایک کو اس لیے چھوڑا کہ آخرت میں لاکھوں پائے بلکہ بے حد و انتہا پائے گا اور اگر (مقدار کی بجائے) نوع کے اعتبار سے دیکھے تو اسے معلوم ہوگا کہ دنیوی لذات میں طرح طرح کی پریشانیاں اور خرابیاں بھی ہیں جب کہ آخرت کی لذات صاف ہیں اور ان میں کسی قسم کی آمیزش نہیں ہے۔

تو اس صورت میں اس کا یہ کہنا کہ نقد، ادھار سے بہتر ہے، غلط ہوگا۔ تو یہ دھوکہ ایک ایسے لفظ سے پیدا ہوا جو لوگوں میں عام مشہور ہے حالانکہ اس کا ایک خاص مفہوم ہے پس دھوکے کا شکار ہونے والا شخص اس کے مخصوص معنی سے غافل رہا کیوں کہ جس نے یہ کہا کہ نقد، ادھار سے بہتر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نقد اور ادھار دونوں ایک جیسے ہوں تو نقد بہتر ہے اگرچہ اس نے اس کی وضاحت نہیں کی۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۴ کتاب العلم

اس وقت شیطان ایک اور قیاس بناتا ہے کہ یقین، شک سے بہتر ہے اور آخرت مشکوک ہے یہ قیاس پہلے قیاس کے مقابلے میں زیادہ فاسد ہے کیونکہ اس کے دونوں جملے بے اصل ہیں کیونکہ یقین اس وقت شک سے بہتر ہوتا ہے جب دونوں جملے بے اصل ہیں کیونکہ یقین اس وقت شک سے بہتر ہوتا ہے جب دونوں ایک جیسے ہوں ورنہ تاجر مشقت تو یقینی طور پر برداشت کرتا ہے اور نفع کے حصول میں شک ہوتا ہے اور طالب علم کا محنت کرنا یقینی ہے لیکن علم کا مرتبہ ملنا مشکوک ہے شکاری کا شکار کی تلاش میں گشت لگانا یقینی ہے لیکن شکار کا ملنا غیر یقینی ہے اسی طرح حزم واحتیاط عقل مند لوگوں کا طریقہ ہے اور اس بات پر اتفاق ہے لیکن اس میں شک کی بنیاد پر یقین کو چھوڑا جاتا ہے لیکن تاجر کہتا ہے اگر میں تجارت نہ کروں تو بھوکا رہوں گا اور مجھے بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا اور اگر تجارت کروں تو مشقت کم ہوگی لیکن نفع زیادہ ملے گا اسی طرح بیمار نہایت کڑوی اور بدمزہ دوائی پیتا ہے حالانکہ اسے شفا کا شک ہوتا ہے جب کہ دوائی کی کڑواہٹ یقینی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ دوائی کی کڑواہٹ کا ضرر اس مرض اور موت کے مقابلے میں کم ہے جس کا مجھے خوف ہے۔

اسی طرح جو شخص آخرت کے بارے میں شک کرتا ہے اس پر بھی احتیاط کے طور پر لازم ہے کہ وہ کہے صبر کے دن تھوڑے ہیں اور وہ زندگی ختم ہونے تک ہیں جب کہ اس کی نسبت آخرت کے دن زیادہ ہیں جس طرح لوگ کہتے ہیں اگر لوگوں کی یہ بات غلط ہوتی تو مجھ سے صرف دنیوی نعمتیں ہی چھوٹیں گی اور میں عدم سے اب تک بھی تو لذات کے بغیر تھا تو میں یہ خیال کرلوں گا کہ میں عدم میں ہی رہا اور اگر ان کی بات سچی ہوئی تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا اور اس کی طاقت نہیں ہے۔

اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک ملحد (بے دین) سے فرمایا اگر تمہاری بات سچی ہے تو تم نے بھی نجات پائی اور ہم نے بھی، اور اگر ہماری بات سچی ہے تو ہم نے نجات پائی اور تم ہلاک ہوئے —— حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے نہیں فرمائی کہ آپ کو قیامت کے بارے میں شک تھا بلکہ آپ نے ملحد سے اس کی عقل کے مطابق کلام فرمایا اور اس پر واضح کیا کہ اگر تمہیں آخرت پر یقین نہیں تو تم دھوکے میں ہو۔

دوسرا جملہ کہ آخرت یقینی نہیں ہے بلکہ اس میں شک ہے، بھی غلط ہے بلکہ مومنوں کے نزدیک آخرت یقینی ہے اور اس کا یقینی ہونا دو باتوں سے معلوم ہوتا ہے ایک تو ایمان، ماننا اور تصدیق کرنا ہے اور یوں انبیاء کرام اور علماء کا راستہ اختیار کرنا ہے اس سے مغالطہ زائل ہو جاتا ہے عام لوگوں اور اکثر خواص کا یقین اسی طرح کا ہوتا ان لوگوں کی مثال اس مریض جیسی ہے جو اپنی بیماری کا علاج نہیں جانتا لیکن تمام ڈاکٹر اس بات پر متفق ہوتے ہیں کہ اس کی دوائی فلاں بوٹی ہے اس سے مریض کو اطمینان ہو جاتا ہے اور وہ ان کی تصدیق کرتا ہے اور وہ ان سے اس بات کا مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اپنی بات کی صحت کو عمدہ دلائل سے ثابت کریں بلکہ ان کی بات پر یقین کر کے عمل کرنا شروع کر دیتا ہے۔

اگر کوئی مدہوش اور سودائی ان ڈاکٹروں کی بات کو جھٹلاتا ہے حالانکہ مریض خود تواتر اور قرائن حال سے جانتا ہے کہ اس (جھٹلانے والے) کے مقابلے میں ان (ڈاکٹروں) کی تعداد زیادہ ہے ان کا علم وفضل بھی بہت زیادہ ہے اور وہ

علم طب میں بھی اس آدمی سے بڑھ کر ہیں بلکہ اس کو تو علم طب حاصل ہی نہیں ہے تو وہ ڈاکٹروں کے قول کے مقابلے میں اس کی بات نہیں مانے گا اور نہ اس کے کہنے پر ان کی بات کو چھوڑے گا اور نہ ہی اس وجہ سے اپنے عقیدے کو کمزور کرے گا۔

اور اگر وہ اس کی بات کا اعتبار کر کے ڈاکٹروں کی بات کو چھوڑ دے تو یہ بھی مدہوش اور مغرور ہو گا اسی طرح جو شخص آخرت کا اقرار کرنے والوں اس کے بارے میں خبر دینے والوں اور اس بات کے قائلین کو دیکھتا ہے کہ اخروی سعادت تک پہنچنے کے لیے تقویٰ ہی نفع بخش دوا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ یہی لوگ تمام مخلوق سے بہتر ہیں بصیرت، معرفت اور عقل میں ان کا رتبہ بہت بلند ہے اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء عظام، حکماء اور علماء ہیں اور اس سلسلے میں تمام لوگ ان ہی کی بات مانتے ہیں لیکن جو لوگ باطل پرست ہیں ان پر خواہشات کا غلبہ ہے اور ان کے نفس دنیوی نفع کی طرف مائل ہیں خواہشات کا چھوڑنا ان پر گراں گزرتا ہے اسی طرح ان کے لیے اس بات کا اعتراف کرنا کہ وہ اہل جہنم میں سے ہیں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے تو وہ آخرت کا ہی انکار کر دیتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلاتے ہیں۔

تو جس طرح کسی بچے یا پاگل کی بات ڈاکٹروں کے قول سے حاصل ہونے والے اطمینانِ قلبی کو زائل نہیں کر سکتی اسی طرح اس غبی اور خواہشات کے پجاری کا قول بھی انبیاء کرام، اولیاء عظام اور علماء دین کے اقوال کی صحت کو مشکوک نہیں کرتا۔ تمام مخلوق کے لیے اس قدر ایمان کافی ہے اور یہ پختہ یقین ہے جو لامحالہ عمل کی ترغیب دیتا ہے اور اس سے مغالطہ دور ہو جاتا ہے معرفتِ آخرت کا دوسرا ذریعہ انبیاء کرام کی وحی اور اولیاء کرام کا الہام ہے اور تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امر آخرت اور امور دین کی معرفت حضرت جبریل علیہ السلام سے سن کر اور ان کی تقلید میں حاصل ہوئی ہے جیسے کہ تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں یہ معرفت حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ تم یہ خیال کرو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور ہماری معرفت ایک جیسی ہے۔ بعض تقلید کرنے والے مختلف ہیں، ہرگز نہیں، تقلید معرفت کا نام نہیں ہے بلکہ تقلید تو صحیح اعتقاد کا نام ہے اور انبیاء السلام تو عارف ہیں اور ان کی معرفت کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے لیے اشیاء کی حقیقت۔ منکشف ہو جاتی ہے جیسی وہ ہے اور وہ باطنی بصیرت سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں جس طرح تم اپنی ظاہری آنکھ سے محسوسات کا مشاہدہ کرتے ہو تو وہ دیکھ کر خبر دیتے ہیں سن کر یا تقلید کر کے نہیں۔ اس لیے کہ ان پر حقیقتِ روح کا انکشاف ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس امر سے مراد وہ امر نہیں جو نہی کے مقابلے میں ہوتا ہے کیوں کہ یہ امر کلام ہے اور روح کلام نہیں ہے اور امر سے مراد شان بھی نہیں کہ اس سے لازم آئے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے کیونکہ یہ بات تو تمام مخلوق کو شامل ہے بلکہ عالم دو ہیں ایک عالم امر ہے اور دوسرا عالم خلق، اور امر و خلق دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔

تو جسم مقدار رکھتے ہیں اور یہ عالم خلق میں سے ہیں کیونکہ لغوی طور پر خلق کا معنیٰ اندازہ کرنا ہے اور جو چیز کمیت اور مقدار سے پاک ہو وہ عالم امر سے تعلق رکھتی ہے اور اسے سرِ روح (روح کے راز) سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے ذکر کی اجازت نہیں کیوں کہ اس کے سننے سے عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہے جیسا کہ تقدیر کا راز فاش کرنے سے منع کر دیا گیا تو جو

شخص روح کا راز سمجھ جائے وہ اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے اور جب اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے تو اسے اپنے رب کی پہچان بھی حاصل ہو جاتی ہے اور جب اسے اپنی اور اپنے رب کی پہچان حاصل ہو جائے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ روح اپنی فطرت و طبیعت کے اعتبار سے امر ربانی ہے اور جسمانی عالم میں وہ اجنبی ہے اور اس کا جسم کی طرف اترنا اس کی طبیعت سے نہیں ہوا بلکہ ایک عارضی اجنبی امر ہے جو اس کی ذات میں داخل نہیں ہے اور یہ امر عارض اجنبی حضرت آدم علیہ السلام پر وارد ہوا اور معصیت کہلایا اور اسی کی وجہ سے آپ کو جنت سے آنا پڑا حالانکہ جنت ہی ان کی ذات سے زیادہ لائق تھی کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہے اور وہ امر ربانی تھے اور امر ربانی کا اپنے رب کے قرب کی طرف شوق و ذوق طبعی ذاتی ہے مگر یہ کہ اس اجنبی عالم کے عوارض میں سے کوئی عارض اسے مقتضائے طبع سے پھیر دے اس صورت میں وہ اپنے آپ کو بھی اور اپنے رب کو بھی بھول جاتا ہے اور یہ اپنے نفس پر ظلم کرنا ہے اسی سلسلے میں فرمایا گیا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنسٰهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (۱)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے نفسوں سے غافل کر دیا وہی لوگ فاسق ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کا مقتضائے طبع ہے اس سے اور گمان استحقاق سے خارج ہو جاتے ہیں کہا جاتا ہے "فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ كِمَامِهَا" (کھجور اپنے غلاف سے نکل گئی) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اپنے فطری مقام سے نکل جائے (یعنی فسق نکلنے کا معنیٰ دیتا ہے) اور یہ ان اسرار کی طرف اشارہ ہے جن کی خوشبوؤں کو سونگھنے کے لیے عارفین کو اشتیاق ہوتا ہے لیکن کم ہمت لوگ ان کے الفاظ سننے سے ہی نفرت کرتے ہیں کیونکہ اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے جیسے گوبر کا کیڑا گلاب کی خوشبو کو پسند نہیں کرتا اور اس سے ان کی کمزور آنکھیں چندھیا جاتی ہیں جیسے چمگادڑ کی آنکھیں سورج کی روشنی کو برداشت نہیں کر سکتیں سر قلب سے عالم ملکوت تک اس دروازے کا کھلنا معرفت و ولایت کہلاتا ہے اور وہ شخص جسے یہ مقام حاصل ہو ولی اور عارف کہلاتا ہے یہاں سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام شروع ہوتا ہے گویا جہاں اولیاء کرام کے مقامات کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے انبیاء کرام علیہم السلام کے مقامات کا آغاز ہوتا ہے۔

اب ہم اپنی مطلوب غرض کی طرف لوٹتے ہیں مقصود یہ ہے کہ شیطان آخرت میں شک ڈالنے کے ذریعے دھوکہ دیتا ہے اور اس کا علاج یا تو یقین تقلیدی ہے یا باطنی بصیرت و مشاہدہ ہے اور وہ لوگ جو اپنے عقائد اور زبان سے مومن ہیں جب اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ضائع کر دیتے ہیں، اعمال صالحہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور خواہشات اور گناہوں کا لباس پہن لیتے ہیں تو اس دھوکے میں وہ بھی کفار کے ساتھ شریک ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحشر آیت ۱۹

البتہ مومن کا معاملہ ذرا ہلکا اور آسان ہے کیوں کہ ان کا ایمان ان کو دائمی عذاب سے محفوظ رکھتا ہے پس وہ جہنم سے نکل جائیں گے اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو۔ لیکن دھوکے میں یہ بھی ہیں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے لیکن اس کے باوجود وہ دنیا کی طرف مائل ہوئے اور اس کو ترجیح دی اور کامیابی کے لیے محض ایمان کافی نہیں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی۔ (۱)

اور بے شک میں اس شخص کو بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور اچھے اعمال کیا پھر راہ راست پر چلا۔

اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ۔ (۳)

احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (۴)

اور زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اعمال کئے ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور صبر کا حکم دیتے ہے۔

تو پورے قرآن پاک میں مغفرت کا وعدہ ایمان اور اعمال صالحہ سے منسلک ہے صرف ایمان کے ساتھ نہیں۔ تو یہ لوگ بھی دھوکے میں ہیں یعنی دنیوی زندگی پر مطمئن اور خوش ہیں، اس کی لذات میں ڈوبے ہوئے اور اس سے محبت کرنے والے ہیں نیز وہ دنیوی لذات کے فوت ہونے کے خوف سے موت کو ناپسند کرتے ہیں اس وجہ سے نہیں کہ آگے کیا ہوگا۔ تو یہ دنیا کے مغالطے کی مثال ہے جس میں مومن اور کفار دونوں مبتلا ہیں اب ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے دھوکے کی دو مثالیں ذکر کرتے ہیں ایک کفار کی مثال اور دوسری گناہ گار مسلمانوں کی مثال، کفار کو اللہ تعالیٰ کی کمی ذات کے حوالے سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۸۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۵۶

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۰۴

(۴) قرآن مجید، سورۃ العصر (مکمل)

مغالطے کی مثال اس طرح ہے کہ ان میں سے بعض اپنے دل میں بھی اور زبانوں سے بھی کہتے ہیں کہ اگر واقعی اللہ تعالیٰ قیامت قائم کر دے تو دوسروں کے مقابلے میں ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں اس میں ہمارا حصہ زیادہ ہے اور ہم زیادہ خوش بخت ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کی گفتگو نقل کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا۔ (۱)

(ایک نے کہا) اور میں قیامت کا قائم ہوتا نہیں مانتا اور اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو میں اس (دنیا) سے لوٹنے کی بہتر جگہ پاؤں گا۔

ان دونوں کا واقعہ تفاسیر میں یوں منقول ہے کہ ان دونوں میں سے کافر نے ایک ہزار دینار کا محل بنایا ایک ہزار دینار کا باغ خریدا، ایک ہزار دینار کے غلام خریدے اور ایک ہزار دینار خرچ کر کے شادی کی ان میں سے ہر کام کے موقعہ پر دوسرا شخص جو مومن تھا اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا تو نے محل خریدا جو تباہ ہو جائے گا اس کی جگہ تو جنت میں محل کیوں نہیں خریدتا کہ اسے فنا نہیں تو نے باغ خریدا جو خراب اور تباہ ہو جائے گا تو جنت میں باغ کیوں نہیں خریدتا جو فنا نہیں ہوگا اور ایسے جنتی خادم جو فنا ہوں گے نہ مریں گے اور ایسی حور جسے موت نہیں آئے گی (کیوں نہیں خریدتا؟) ہر بات کے جواب میں کافر کہتا وہاں کچھ بھی نہیں اور اس سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب جھوٹ ہے اور اگر ایسا ہی ہوا تو مجھے جنت میں اس سے بہتر ملے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عاص بن وائل کا قول نقل کیا اس نے کہا۔

لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۔ (۲)

مجھے ضرور بضرور مال اور اولاد ملے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ (۳)

کیا وہ غیب پر مطلع ہوا یا اس نے اپنے رب سے وعدہ لے رکھا ہے۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں عاص بن وائل کے ذمہ میرا قرض تھا میں اس کی واپسی کا مطالبہ کرنے کے لئے اس کے پاس گیا تو اس نے مجھے قرض واپس نہ کیا میں نے کہا میں آخرت میں لے لوں گا اس نے کہا اگر میں آخرت میں گیا تو وہاں مجھے اولاد اور مال ملے گا جس سے میں تیرا قرض ادا کر دوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (۴)

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ کہف آیت ۳۶

(۲) قرآن مجید سورۃ مریم آیت ۷۷

(۳) قرآن مجید سورۃ مریم آیت، ۷۸

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۹۱ کتاب التفسیر

اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۔ (۱)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے ضرور بضرور مال اور اولاد ملے گی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى۔ (۲)

اور اگر ہم اسے اپنی طرف سے رحمت چکھائیں بعد اس تکلیف کے جو اسے پہنچی تو وہ ضرور کہے گا یہ میرے لیے اور میرا خیال نہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا تو اس کے پاس میرے لیے اچھا بدلہ ہو۔

یہ اس مغالطے کی مثالیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے ہوتا ہے اور اس کا سبب شیطانی قیاس ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ایک بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کو دیکھتے ہیں اور پھر ان پر آخرت کی نعمتوں کو قیاس کرتے ہیں اور کبھی دیکھتے ہیں کہ ان کو فوری طور پر عذاب نہیں ملتا تو اس پر آخرت کے عذاب کو قیاس کرتے ہیں جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ۔ (۳)

وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ (۴)

ان کو جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے لوٹنے کی۔

اور کبھی وہ مومنوں کو دیکھتے ہیں اور وہ فقیر ہیں بال بکھرے ہوئے اور چہرے پر گرد و غبار پڑی ہوئی تو وہ ان کو حقیر جانتے ہیں اور کہتے ہیں۔

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ

کیا یہ ہیں وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مریم آیت ۷۷

(۲) قرآن مجید، سورۃ فصلت آیت ۵۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ مجادلہ آیت ۸

(۴) " " " "

بَیْنِنَا۔ (۱) احسان فرمایا۔

اور کہتے ہیں۔

لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَیْہِ۔ (۲) اگر یہ بہتر ہوتا تو وہ اس کی طرف ہم سے آگے نہ بڑھتے۔

اور وہ اپنے دل میں یوں قیاس مرتب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیوی نعمتوں سے نوازا ہے اور احسان اسی پر کیا جاتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے اور جس سے محبت ہو گی اس پر مستقبل میں بھی احسان کیا جائے گا۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا۔

لَقَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ فِیْمَا مَضٰی اللہ تعالیٰ نے ماضی میں احسان فرمایا۔

کَذٰلِکَ یُحْسِنُ فِیْمَا بَقِیَ اسی طرح وہ مستقبل میں بھی احسان فرمائے گا۔

وہ مستقبل کو ماضی پر قیاس کرتا ہے کیوں کہ اپنے آپ کو معزز بھی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی، کیوں کہ وہ کہتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نعمتیں عطا کی ہیں تو میں اس کا محبوب بھی ہوں اور اس کے نزدیک معزز بھی، تو وہ اللہ تعالیٰ پر دھوکہ کھاتا ہے کہ وہ اس کے نزدیک عزت والا ہے اور ایسی دلیل پیش کرتا ہے جو کرامت وعزت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ ارباب بصیرت کے نزدیک یہ تو ذلت ورسوائی کی دلیل ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص کے دو غلام ہوں اور وہ ان میں سے ایک سے دشمنی رکھے اور دوسرے سے محبت کرتا ہو تو جس سے وہ محبت کرتا ہے اسے کھیل کود سے روکتا ہے اور سکول جانے کے لیے پابند کرتا ہے اور وہاں سے اٹھنے نہیں دیتا تاکہ وہ ادب سیکھے اور جس سے نفرت کرتا ہے اسے کھلی چھٹی دیتا ہے جیسے چاہے وہ کھیل کود میں مصروف رہے اور سکول نہ جائے اور جو کھانا دل چاہتا ہے کھائے۔ تو یہ غلام جسے کھلی چھٹی دے رکھی ہے اپنے آپ کو مالک کے نزدیک محبوب ومکرم سمجھتا ہے کیوں کہ اس نے اسے خواہشات ولذات اور تمام اغراض پہ اختیار دیا ہے اور اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی تو یہ محض دھوکہ ہے۔

اسی طرح دنیا کی نعمتیں اور لذتیں ہیں جو انسان کو ہلاک کرتی اور اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو دنیا سے بچاتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک اپنے مریض کو کھانے پینے سے روکتا ہے حالانکہ وہ اسے پسند کرتا ہے، حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے۔ (۳)

اور عقل مند لوگوں کی حالت تو یہ ہے کہ جب ان کے پاس دولت آتی تو وہ غمگین ہو جاتے اور کہتے یہ کسی گناہ کی فوری سزا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کی عدم توجہ کا سبب جانتے اور جب ان پر فقر آتا تو اسے نیک لوگوں کا شعار سمجھ کر خوش آمدید

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۵۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ احقاف آیت ۱۱

(۳) جامع ترمذی ص ۲۹۸، ابواب الطب / مسند امام احمد جلد ۵ ص ۴۲۸ مرویات محمد ابن سبید

کہتے لیکن جو شخص دھوکے میں ہے جب اس کے پاس دنیا آتی ہے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی عزت سمجھتا ہے اور جب دولت چلی جاتی ہے تو اسے ذلت و رسوائی کا باعث سمجھتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝ (۱)

پس انسان کو جب اس کا رب آزمائش میں ڈالتے ہوئے عزت و نعمت عطا کرتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے معزز بنایا اور جب اسے آزماتے ہوئے اس پر رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا کَلَّا (۲) (ہرگز ایسا نہیں) یعنی جو کچھ تم کہہ رہے اس طرح نہیں ہے یہ تو ایک آزمائش ہے، ہم آزمائش کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور اس سے ثابت قدمی کا سوال کرتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ یہ ایک دھوکہ ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے "لفظ" کَلَّا (ہرگز ایسا نہیں) فرما کر دونوں باتوں کو جھٹلا دیا۔ یعنی جس کو تم اکرام سمجھتے ہو وہ اکرام نہیں اور جسے تم نے ذلت سمجھ رکھا ہے وہ ذلت نہیں ہے بلکہ معزز تو وہ ہے جسے میں اپنی عبادت گزاری کی وجہ سے عزت دیتا ہوں وہ مالدار ہو یا فقیر، اور ذلیل وہ ہے جس کو میں اپنی نافرمانی کی وجہ سے رسوا کرتا ہوں وہ مالدار ہو یا فقیر۔

اس دھوکے کا علاج یہ ہے کہ عزت و ذلت کے دلائل کی پہچان حاصل کی جائے یہ پہچان یا تو خود بصیرت سے حاصل کرے یا انبیاء و اولیاء اور علماء کرام کی تقلید سے حاصل کرے یعنی اس بات کی پہچان حاصل کرے کہ دنیوی خواہشات کی طرف توجہ اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہے اور ان خواہشات سے دور رہنا قرب خداوندی کا باعث ہے اور یہ بات عارفین و اولیاء کے مقامات میں الہام سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی تشریح علوم مکاشفہ سے متعلق ہے علم معاملہ کے لائق نہیں ہے لیکن تقلید و تصدیق کے طریقے پر موقت اس طرح حاصل ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لائے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔ (۳)

کیا ان کا خیال ہے کہ ہم اور بیٹوں کے ذریعے جو ان کی مدد کرتے ہیں (یہ) بھلائی ہم ہیں ان کے لیے جلدی کرتے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے نہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

(۱،۲) قرآن مجید، سورہ الفجر آیت ۱۵، ۱۶، ۱۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۵۵، ۵۶

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (۱)

ہم ان کو آہستہ آہستہ لے جائیں گے اس کہ ان کو علم بھی نہیں ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ۔ (۲)

ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حتی کہ جب وہ اس چیز پہ خوش ہوئے جو ان کو دی گئی تو ہم نے ان کو اچانک پکڑا پس اسی وقت ان کی آس ٹوٹ گئی۔

آیت کریمہ "سنستدرجھم (آخر تک مذکورہ بالا) کی تفسیر میں آیا ہے کہ جب بھی وہ کوئی گناہ کرتے ہیں ہم انہیں ایک نئی نعمت عطا کرتے ہیں تاکہ ان کا دھوکہ بڑھے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا۔ (۳)

ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ وہ گناہوں میں بڑھیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ۔ (۴)

اور اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے اعمال سے بے خبر خیال نہ کرو وہ ان کو اس دن تک کے لیے مہلت دینا جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

اس سلسلے میں ان کے علاوہ بھی آیات واحادیث آتی ہیں جو ان پر ایمان لائے گا وہ اس دھوکے سے بچ جائے گا کیوں کہ اس دھوکے کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے جہالت ہے کیوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے وہ اس کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں رہ سکتا۔

اور وہ اس قسم کے خیالات فاسدہ سے دھوکے میں بھی نہیں آتا بلکہ وہ فرعون، ہامان، قارون اور زمین کے دوسرے

---

(۱) قرآن مجید سورۃ القلم آیت ۴۴

(۲) قرآن مجید سورۃ انعام آیت ۴۴

(۳) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۷۸

(۴) قرآن مجید، سورۃ ابراہیم آیت ۴۲

بادشاہوں اور جو کچھ ان کے ساتھ ہوا، اسے دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں کس طرح ان پر احسان فرمایا (اور عروج دیا) پھر ان سب کو تباہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا۔

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ۔ (۱)

کیا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو (محسوس کرتے ہو)

اللہ تعالیٰ نے اپنی خفیہ تدبیر اور آہستہ آہستہ ان کو عذاب کی طرف لے جانے سے ڈراتے ہوئے فرمایا۔

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ (۳)

اور انہوں نے فریب کیا اور ہم نے خفیہ تدبیر کی اور وہ شعور نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (۴)

اور انہوں نے فریب کیا اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمایا اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۔ (۵)

بے شک وہ ایک فریب کرتے ہیں اور میں خفیہ تدبیر کرتا ہوں تو کافروں کو ڈھیل دو انہیں کچھ تھوڑی مہلت دو۔

تو جس طرح وہ غلام جسے اس کے آقا نے کھلی چھٹی دے رکھی ہو وہ اس آزادی اور نعمتوں کے حصول سے یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ اس کا آقا اس سے محبت کرتا ہے بلکہ اسے اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں یہ آقا کی کوئی چال ہی نہ ہو باوجودیکہ اس کے کہ آقا نے غلام کو اس بات کی اطلاع بھی نہیں دی کہ وہ اسے سزا دے گا تو اس قسم کی سوچ اللہ تعالیٰ کے بارے میں

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مریم آیت ۹۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۹۹

(۳) قرآن مجید، سورۃ النمل آیت ۵۰

(۴) قرآن مجید، سورۃ آل عمران ۵۴

(۵) قرآن مجید، سورۃ الطارق آیت ۱۵

کیسے درست ہو گی حالانکہ اس نے تو جا بجا اپنی خفیہ تدبیر سے ڈرایا ہے۔

تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہوتا ہے وہ دھوکے میں ہے اور اس دھوکے کی بنیاد یہ ہے کہ اس نے دنیوی نعمتوں کے حصول کو اس بات کی دلیل بنایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہے حالانکہ یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اس کی ذلت کی دلیل ہو لیکن یہ احتمال خواہشات نفسانی کے موافق نہیں اور شیطان خواہش نفسانی کے واسطہ سے اس کے دل کو اس طرف جھکاتا ہے جو اس کے موافق ہے اور یہ اس بات کی تصدیق ہے کہ وہ اپنی عزت کو دلیل بناتا ہے اور یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔

دوسری مثال:

گناہ گار مومنوں کا دھوکے میں مبتلا ہونا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے اور مجھے اس کے عفو و درگزر کی امید ہے اور پھر اس بات پر بھروسہ کر کے اعمال سے غافل ہو جانا اور وہ اس تمنا اور دھوکے کا نام رجا (امید) رکھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ رجا دین میں محمود ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت وسیع اور رحمت و کرم عام ہے اس کی رحمت کے سمندر کے مقابلے میں بندوں کے گناہوں کی کیا حیثیت ہے ہم توحید کو ماننے والے اور مومن ہیں اور ایمان کے وسیلہ سے اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

اور بعض اوقات اس امید کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ہمارے باپ دادا نیک لوگ تھے اور ان کا درجہ بلند تھا جس طرح سادات اپنے نسب کی وجہ سے دھوکے کا شکار ہیں حالانکہ وہ خوفِ خدا، تقویٰ اور پرہیزگاری وغیرہ کے سلسلے میں اپنے آباؤ اجداد کی سیرت کے خلاف چلتے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے باپ دادا سے بھی زیادہ معزز ہیں کیونکہ وہ انتہائی درجہ کے تقویٰ کے باوجود خوف زدہ تھے اور ہم انتہائی درجہ کے فسق و فجور کے باوجود بے خوف ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بہت بڑا دھوکہ ہے۔

تو شیطان سادات کے دلوں میں یہ بات ڈالتا ہے کہ جو کسی انسان سے محبت کرتا ہے وہ اس کی اولاد سے بھی محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے چونکہ تمہارے آباء و اجداد سے محبت کی ہے لہٰذا وہ تم سے بھی محبت کرتا ہے۔ اس لیے تمہیں عبادت کی ضرورت نہیں حالانکہ دھوکے کا شکار وہ شخص اس بات کو بھول جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ کشتی میں سوار کرنا چاہا لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ۔ (۱) اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میری اہل میں سے ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۴۵، ۴٦۔

تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

یَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۔ (۱)

اے نوح! یہ آپ کی اہل میں سے نہیں ہے کیوں کہ اس کے اعمال اچھے نہیں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ (چچا) کے لیے بخشش طلب کی لیکن اس دعا نے اسے نفع نہ دیا اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت اور ان کے لیے طلب بخشش کی اجازت مانگی تو آپ کو زیارت کی اجازت دی گئی لیکن استغفار کی اجازت نہ ملی چنانچہ آپ مادری محبت کی وجہ سے وہاں بیٹھ کر روتے رہے حتیٰ کہ اردگرد والے بھی رو پڑے۔ (۲)

توبہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر دھوکہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اطاعت گزار کو پسند کرتا اور گناہ گار کو ناپسند فرماتا ہے تو جس طرح گناہ گار بیٹے کو برا جاننے کی وجہ سے اس کے فرمانبردار باپ کو برا نہیں جانتا اسی طرح فرمانبردار باپ کی اطاعت گذاری کی وجہ سے اس کے گناہ گار بیٹے سے محبت بھی نہیں کرتا اگر محبت باپ سے بیٹے کی طرف چلی جاتی تو قریب تھا کہ نفرت بھی سرایت کرتی بلکہ حق تو یہ ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

اور جس آدمی کا خیال ہو کہ وہ اپنے باپ کے تقویٰ کے باعث نجات پائے گا وہ اس آدمی کی طرح ہے جو گمان کرتا ہے کہ باپ کے کھانا کھانے سے وہ سیر ہو جائے گا اور باپ پانی پیئے تو بیٹا سیراب ہو جائے گا۔ اسی طرح باپ کے سیکھنے سے بیٹا عالم ہو جائے گا اور باپ کعبۃ اللہ پہنچ جائے تو اس کے وہاں پہنچنے سے یہ بھی وہاں پہنچ جاتا ہے اور کعبۃ اللہ کو دیکھ لیتا ہے۔

تقویٰ ہر ایک پر لازم ہے اس میں والد اپنے بیٹے کی طرف سے کفایت نہیں کرتا اس کے برعکس بھی یہی حکم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ کی جزا اس دن ملے گی جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں اور باپ سے بھاگتا پھرے گا ہاں جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت نہ ہو وہ شفاعت کے طریقے پر نجات پائے گا اور اس کے لیے شفاعت کی اجازت ہو گی جیسا کہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۴۵، ۴۶

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۱۴، کتاب الجنائز

نوٹ: اس سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ ماجدہ مومن تھیں کیوں کہ کفار کی قبر پہ کھڑے ہونے سے منع فرمایا گیا ارشاد خداوندی ہے ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ (سورۂ توبہ آیت ۸۴) آپ کفار میں کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہوں، چونکہ والدہ ماجدہ کے لیے استغفار کرنے سے کسی کو وہم ہو سکتا تھا کہ شاید انہوں نے کوئی گناہ کیا ہو اس لیے استغفار سے منع فرمایا (شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۸۶۷ از علامہ غلام رسول سعیدی

تکبر اور خود پسندی کے بیان میں گزر چکا ہے۔

اگر تم کہو کہ جب نافرمان اور فاسق و فاجر لوگ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کریم ہے اور ہم اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھتے ہیں تو وہ غلط بات نہیں کہتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا کہ بندہ مجھے اسی طرح پاتا ہے جس طرح میرے بارے میں یقین رکھتا ہے تو اسے میرے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیئے۔ تو یہ کلام صحیح ہے اور دلوں میں اس کی مقبولیت ظاہر ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کو اسی کلام کے ذریعے گمراہ کرتا ہے جو ظاہر میں مقبول اور باطن میں مردود ہو اگر اس کا ظاہری حسن نہ ہوتا تو دل دھوکے میں نہ آتے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔ (۱)

عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو مطیع کر کے موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے اور بیوقوف وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں کرتا ہے۔

اور یہی اللہ تعالیٰ پر تمنا ہے شیطان نے اس کا نام بدل کر رجاء (امید) رکھ لیا حتیٰ کہ اس کے ذریعے جاہلوں کو دھوکہ دیا اللہ تعالیٰ نے رجاء (امید) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ۔ (۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت اور جہاد کیا وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

یعنی رجاء ان لوگوں کے زیادہ لائق ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے ثواب کو اعمال کا اجر اور جزا قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۳)

یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے

اور ارشاد خداوندی ہے :

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۴ مرویات شداد بن اوس

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۱۸

(۳) قرآن مجید، سورۂ الواقعہ آیت ۲۴

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ اور قیامت کے دن تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ کوئی شخص کسی کو برتنوں کی صفائی کے لیے اجرت پر حاصل کرے اور اس کے لیے ایک اجرت مقرر کرے اور اجرت دینے والا کریم وعدہ پورا کرنے والا ہو وہ وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرتا ہو بلکہ زیادہ اجرت دیتا ہو اب مزدور اگر تمام برتن توڑ دے پھر اجرت کے انتظار میں بیٹھ جائے اور اس کا خیال یہ ہو کہ اجرت دینے والا کریم ہے تو اس شخص کو انتظار کی حالت میں دیکھ کر عقلمند لوگ اسے تمنا کرنے والا دھوکے کا شکار کہیں گے یا امیدوار؟ (یقیناً یہ دھوکہ ہے) اور اس کی وجہ رجاء اور دھوکے میں فرق کرنے سے لاعلم ہونا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ عمل کو ضائع بھی کرتے ہیں (ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟)

آپ نے فرمایا ان کی یہ بات عقل سے بہت دور ہے یہ ان کی خواہشات ہیں جن کو وہ ترجیح دیتے ہیں جو آدمی کسی چیز کی امید رکھتا ہے اسے طلب بھی کرتا ہے اور جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اس سے بھاگتا ہے۔

حضرت مسلم بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے گذشتہ رات سجدہ کیا حتیٰ کہ میرے سامنے کے دونوں دانت ٹوٹ گئے ایک شخص نے ان سے کہا ہم تو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں (اس لیے عمل نہیں کرتے) آپ نے فرمایا یہ بات بعید از عقل ہے جو آدمی کسی چیز کی امید رکھتا ہے تو اسے تلاش بھی کرتا ہے اور جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اس سے بھاگتا ہے۔

تو جس طرح ایک شخص دنیا میں اولاد کی امید رکھتا ہو لیکن ابھی تک اس نے نکاح نہ کیا ہو یا نکاح کیا لیکن جماع نہیں کیا یا جماع کیا لیکن اسے انزال نہیں ہوا تو اس کی یہ امید پاگل پن ہے اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتا ہے لیکن وہ ایمان نہیں لایا یا ایمان لایا لیکن اس نے اچھے اعمال نہیں کئے یا اچھا عمل تو کیا لیکن گناہوں سے باز نہیں آیا تو یہ شخص دھوکے میں ہے۔

تو جس طرح ایک شخص دنیا میں اولاد کی امید رکھتا ہو لیکن ابھی تک اس نے نکاح نہ کیا ہو یا نکاح کیا لیکن جماع نہیں کیا یا جماع کیا لیکن اسے انزال نہیں ہوا تو اس کی یہ امید پاگل پن ہے اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتا ہے لیکن وہ ایمان نہیں لایا یا ایمان لایا لیکن اس نے اچھے اعمال نہیں کئے یا اچھا عمل تو کیا لیکن گناہوں سے باز نہیں آیا تو یہ شخص دھوکے میں ہے۔

تو جس طرح نکاح اور وطی کرنے کے بعد انزال بھی ہو تو اب اولاد کے ہونے نہ ہونے میں تردد ہوتا ہے وہ ڈرتا ہے اور اولاد کی پیدائش، عورت کے رحم سے آفات کی دوری وغیرہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے فضل کی امید رکھتا ہے یہاں تک کہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۸۵

یہ سلسلہ مکمل ہو جائے تو ایسا شخص عقل مند ہے اسی طرح جب وہ ایمان لاتا ہے اچھے اعمال کرتا اور برائیوں سے باز رہتا ہے اور امید وخوف کے درمیان متردد رہتا ہے اسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ اس کا عمل قبول نہ ہو وہ ہمیشہ عمل نہ کر سکے اس کا خاتمہ اچھا نہ ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی امید بھی رکھتا ہے کہ وہ اسے مضبوط اور ثابت قول پر ثابت قدم رکھے۔ اس کے ذہن کو موت کی سختیوں سے بچائے حتیٰ کہ وہ توحید پر دنیا سے رخصت ہو اور باقی زندگی اس کا دل خواہشات سے محفوظ رہے حتیٰ کہ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو ایسا آدمی عقلمند ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ لوگ دھوکے میں ہیں اور عنقریب جب عذاب کو دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون شخص سب سے زیادہ بھٹکا ہوا تھا اور کچھ وقت کے بعد اس کی خبر تم ضرور جان لوگے اس وقت وہ کہیں گے۔

رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔ (۱)

اے ہمارے رب! ہم نے دیکھا اور سنا لہٰذا تو ہمیں لوٹا دے تاکہ ہم اچھے اعمال کریں بے شک ہمیں یقین ہو گیا۔

یعنی ہمیں معلوم ہو گیا کہ جیسے جماع ونکاح کے بغیر بچہ پیدا نہیں ہوتا زمین میں بیج ڈالنے اور ہل چلانے کے بغیر فصل پیدا نہیں ہوتی اسی طرح آخرت میں اجر وثواب اچھے عمل کے بغیر نہیں ہوتا یا اللہ! تو ہمیں واپس بھیج دے ہم اچھے عمل کریں گے اب ہمیں تیری بات کی صداقت معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے اور عنقریب وہ اپنی کوشش کا پھل پائے گا۔

ارشاد خداوندی ہے:

كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاءَنَا نَذِيْرٌ۔ (۲)

جب کبھی ڈالی جاتی ہے اس (جہنم) میں ایک جماعت تو اس کے نگران پوچھتے ہیں کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو کہتے ہیں ہاں کیوں نہیں تھیں ہمارے پاس ڈرانے والا آیا۔

کیا ہم نے تمہیں بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا طریقہ نہیں سنایا اور یہ کہ ہر نفس کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ہر نفس اپنے عمل کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے تو یہ سب کچھ سننے اور سمجھنے کے بعد تمہیں کس چیز نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکے میں ڈالا۔

وہ کہیں گے (ارشاد خداوندی ہے)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ السجدہ آیت ۱۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ الملک آیت ۸،۹

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۔

اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے اب اپنے گناہ کا اقرار کیا تو پھٹکار ہو دوزخیوں کو۔

(۱)

سوال:

جب یہ صورت حال ہے تو امید کا مقام محمود کونسا ہے؟

جواب:

جان لو کہ امید دو جگہ قابلِ تعریف ہے ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو سرتاپا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو جب اس کے دل میں توبہ کا خیال پیدا ہو اور اس سے شیطان کہے کہ تمہاری توبہ کیسے قبول ہو سکتی ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیتا ہے تو اس صورت میں ضروری ہے کہ مایوسی کو دور کر کے امید رکھے اور اس بات کو یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخشنے والا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کریم ہے جو بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے نیز توبہ عبادت ہے جو گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ ۔

(۲)

آپ فرما دیجئے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں کے ساتھ زیادتی کی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخشتا ہے بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع کرنے (توبہ کرنے) کا حکم دیا۔ اور ارشاد فرمایا۔

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ۔ (۳)

تو جب توبہ کے ساتھ مغفرت کی توقع ہو تو ایسا شخص امید کرنے والا ہے اور اگر گناہ پر اصرار کے باوجود مغفرت کی توقع ہو تو یہ شخص دھوکے میں ہے جیسے ایک شخص بازار میں ہو اور اس پر جمعۃ المبارک کی نماز کا وقت تنگ ہو جائے اب اس کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الملک آیت ۱۰، ۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ الزمر آیت ۵۳، ۵۴

(۳) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۸۲

دل میں خیال آئے کہ وہ نماز جمعہ کے لیے جائے لیکن شیطان اس سے کہتا ہے کہ تم جمعہ کی نماز نہیں پا سکتے لہذا یہاں ہی ٹھہرو وہ شیطان کو جھٹلاتے ہوئے دوڑ جاتا ہے اور اسے امید ہے کہ نماز جمعہ پالے گا تو یہ شخص امید رکھنے والا ہے اور اگر کاروبار میں مصروف رہے اور یہ امید رکھے کہ امام میرے یا کسی اور کے لیے درمیانے وقت تک انتظار کرے گا یا کسی اور وجہ سے منتظر رہے گا جس کا اسے علم نہیں ہے تو یہ شخص دھوکے میں ہے۔

محمود امید کا دوسرا مقام یہ ہے کہ نوافل کی فضیلت حاصل کرنے سے قاصر ہے اور صرف فرائض کی ادائیگی کرتا ہے اور اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور ان چیزوں کی امید رکھتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ کیا ہے حتیٰ کہ اس امید کی وجہ سے عبادت میں سرور محسوس کرتا ہے اور نوافل کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو پیش نظر رکھتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے، جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف توجہ نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے ان پر کوئی ملامت نہیں تو جو ان کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدے کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس جنت کی میراث پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۱)

تو پہلی قسم کی امید، نا امیدی کو ختم کر دیتی ہے اور دوسری قسم کی امید اس سستی کو زائل کرتی ہے جو عبادت میں لذت و سرور کے حصول سے مانع ہے تو ہر وہ توقع جو توبہ یا عبادت میں سرور کی رغبت پیدا کرے وہ رجاء (امید) ہے جیسے کسی شخص کے دل میں خیال پیدا ہو کہ وہ گناہ کو ترک کر دے اور عمل میں مشغول ہو جائے اور اس سے شیطان کہے کہ تم اپنے آپ کو کیوں عذاب و اذیت میں ڈالتے ہو تمہارا رب کریم ہے۔ غفور اور رحیم ہے چنانچہ وہ توبہ اور عبادت میں سستی کرنے لگتا ہے تو ایسا شخص دھوکے میں ہوتا ہے اس صورت میں بندے پر واجب ہے کہ خوف کا استعمال کرے اور اپنے نفس

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۱ تا ۱۱

کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور بہت بڑے عذاب سے ڈرائے اور کہے کہ اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا اور سخت عذاب والا ہے اور باوجودیکہ وہ کریم ہے، کفار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈالے گا ان کا کفر اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکے گا بلکہ وہ عذاب، مشقت، بیماریاں، فقر اور بھوک وغیرہ میں جس طرح دوسرے بندوں کو مبتلا کرتا ہے وہ ان سے دور کر سکتا ہے تو بندوں کے ساتھ جس کا یہ طریقہ ہو اس نے مجھے اپنے عذاب سے ڈرایا تو کیسے میں اس سے نہ ڈروں اور میں کس طرح اس سے دھوکے میں رہوں۔

تو خوف اور امید دو راستا ہیں جو لوگوں کو عمل کی ترغیب دیتے ہیں اور جو بات عمل کی رغبت پیدا نہ کرے وہ تمنا اور دھوکہ ہے اور اکثر لوگ جو امید لگائے بیٹھے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ عمل میں کوتاہی کرتے ہیں، دنیا کی طرف متوجہ رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرتے ہیں اور آخرت کے لیے عمل نہیں کرتے تو یہ امید نہیں بلکہ دھوکہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خبر دی اور بیان فرمایا کہ عنقریب اس امت کے پچھلے لوگوں کے دلوں پر دھوکہ غالب ہو جائے گا آپ نے جو فرمایا وہ ہو کر رہا۔ (۱)

پہلے زمانے کے لوگ دن رات عبادت کرتے اور جو بھی عمل کرتے دل میں خوفِ خدا رہتا تھا کہ انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ رات دن عبادت میں گزارنے کے باوجود اپنے نفسوں کے بارے میں خوف زدہ رہتے تھے وہ بہت زیادہ تقویٰ اختیار کرتے اور خواہشات اور شبہات سے بچتے تھے اس کے باوجود وہ تنہائی میں اپنے نفسوں کے لیے روتے تھے۔

لیکن اب حالت یہ ہے کہ تم لوگوں کو مطمئن، خوش، بے خوف دیکھو گے حالانکہ وہ گناہوں پر اوندھے گرتے ہیں، دنیا میں پوری توجہ رکھے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر رکھا ہے ان کا خیال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر کامل یقین رکھتے ہیں اس کے عفو و درگزر اور مغفرت کی امید رکھتے ہیں گویا ان کا گمان یہ ہے کہ انہوں نے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی معرفت حاصل کی ہے اس طرح انبیاء کرام صحابہ کرام اور پہلے بزرگوں کو بھی حاصل نہ تھی اگر یہ بات محض تمنا اور آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے تو ان بزرگوں کے روتے، خوف کھانے اور غمگین ہونے کا کیا مطلب تھا۔ ہم نے خوف اور امید کے بیان میں ان امور کی تحقیق ذکر کی ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

يَاتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَخْلَقُ فِيْهِ الْقُرْآنُ	لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں قرآن پاک ان کے
فِيْ قُلُوْبِ الرِّجَالِ كَمَا تَخْلَقُ الثِّيَابُ	دلوں میں پرانا ہو جائے گا جیسے بدن پر کپڑے پرانے ہو

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۹، ابواب الفتن

عَلَى الرَّبِّ دَانِ اَمْرُهُمْ كُلُّهُ يَكُوْنُ طَمَعًا لَا خَوْفَ مَعَهُ اِنْ اَحْسَنَ اَحَدُهُمْ قَالَ يُتَقَبَّلُ مِنِّيْ وَاِنْ اَسَاءَ قَالَ يُغْفَرُ لِيْ۔ (۱)

جاتے ہیں ان کا تمام معاملہ طمع ہوگا جس میں خوف نہیں ہوگا اگر ان میں سے کوئی اچھا عمل کرے گا تو کہے گا یہ مقبول ہوگا اور اگر برائی کرے گا تو کہے گا میری بخشش ہو جائے گی۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ لوگ خوف کی جگہ پر طمع رکھ دیں گے کیوں کہ وہ قرآن پاک کی ڈرانے والی آیات سے جاہل ہوں گے۔

عیسائیوں کے بارے میں بھی یہی خبر دی گئی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا۔ (۲)

پس ان کے بعد کچھ ناخلف آئے جو کتاب کے وارث ہوئے وہ اس ادنی (دنیا) کا سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں عنقریب ہماری بخشش ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کے وارث ہوئے یعنی وہ علماء تھے لیکن یہ گھٹیا مال لیتے تھے اور وہ دنیوی خواہشات ہیں چاہے حرام سے ہوں یا حلال سے، ــــ ارشاد خداوندی ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ (۳)

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنت ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ۔ (۴)

یہ اس کے لیے ہے جس کو میرے سامنے کھڑا ہونے کا ڈر ہو اور میرے عذاب (کے حکم) سے ڈرتا ہو۔

قرآن پاک اول سے آخر تک تنبیہات پر مشتمل ہے اس میں جو شخص بھی غور و فکر کرے گا اس کا غم اور خوف بڑھے گا اگر وہ اس پر ایمان رکھتا ہو اور تم لوگوں کو دیکھتے ہو کہ وہ اسے (گھاس کی طرح) کاٹتے چلے جاتے ہیں حروف کو ان کے مخارج سے نکالتے ہیں اور اس کے جر، رفع اور نصب کا خیال کرتے ہیں گویا وہ عربی اشعار پڑھ رہے ہوں اس کے معانی کی طرف توجہ کا قصد نہیں کرتے اور نہ ہی اس پر عمل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کیا کسی عالم کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دھوکہ ہوگا؟

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۸۴۴، ۹۴۴، حدیث ۸۷۰۱ نوٹ: یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

(۲) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۶۹

(۳) قرآن مجید سورۃ رحمن آیت ۴۶

(۴) قرآن مجید سورۃ ابراہیم آیت ۱۴

تو یہ غرور (دھوکے) کی مثالیں اور امید اور دھوکے درمیان فرق کا بیان تھا اسی کے قریب ان لوگوں کا دھوکہ بھی ہے جو عبادت بھی کرتے ہیں اور گناہ بھی لیکن ان کے گناہ زیادہ ہیں لیکن اس کے باوجود وہ مغفرت کی توقع رکھتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ ان کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا اس کے باوجود کر دوسرے پلڑے میں برائیاں زیادہ ہوں گی یہ انتہائی درجہ کی جہالت ہے۔ تم دیکھو گے کہ ایک شخص حرام و حلال سے مخلوط چند درہم خرچ کرتا ہے اور جس قدر مسلمانوں کا مال نیز شبہ والا مال اس نے لیا ہے وہ اس سے کئی گنا زیادہ ہے اور ہو سکتا ہے یہ خیرات بھی مسلمانوں کے مال ہی سے ہو لیکن اس کو اس پر بھروسہ ہے اور اس کا گمان ہے کہ ایک ہزار حرام درہم کھانا دس درہم صدقہ کرنے کے برابر ہے چاہے وہ صدقہ حلال مال سے ہو یا حرام سے، اور یہ اس طرح ہے کہ ایک شخص ترازو کے ایک پلڑے میں دس درہم اور دوسرے میں ہزار درہم رکھے اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ بھاری پلڑا ہلکے پلڑا کے برابر ہو جائے یہ انتہائی درجہ کی جہالت ہے۔

اور ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ ان کی نیکیاں، گناہوں کے مقابلے میں زیادہ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ برائیوں کو شمار نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہیں اور جب کوئی نیکی کرتے ہیں تو اسے یاد رکھتے اور شمار کرتے ہیں جیسے ایک آدمی اپنی زبان سے استغفار کرتا ہے یا دن میں ایک سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے پھر مسلمانوں کی غیبت کرتا ہے اور ان کی عزت کے درپے ہوتا ہے اور دن میں بے شمار مرتبہ ایسا کلام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے لیکن اس کی نظر تسبیح کی تعداد کی طرف ہوتی ہے کہ اس نے ایک سو مرتبہ طلب مغفرت کی ہے۔ اور دن میں جو بے ہودہ گفتگو کی ہے اس سے غافل رہتا ہے حالانکہ اسے لکھے تو وہ ایک سو بار ایک ہزار مرتبہ سے بھی زیادہ ہو اور کرام کاتبین نے یہ سب کچھ لکھ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر لغو کلمہ پر عذاب سے ڈرایا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔ کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔ (۱)

اور یہ شخص ہمیشہ تسبیحات و تہلیلات کو دیکھتا ہے اور غیبت کرنے والوں، جھوٹوں چغل خوروں اور منافقین کی سزا کے بارے میں جو کچھ آیا ہے وہ کس قدر ہے اور زبان کی آفات بے شمار ہیں، تو یہ شخص محض دھوکے میں ہے دیکھئے اگر فرشتے اس کی بیہودہ گفتگو لکھنے پر جو تسبیح و تہلیل سے زیادہ ہے، اجرت طلب کرتے تو وہ ضروری گفتگو سے بھی اجتناب کرتا اور جن باتوں کو تسبیح کے برابر سمجھتا ہے ان سے بھی باز رہتا تاکہ ان کے لکھنے کی اجرت زیادہ نہ ہو جائے۔

تو اس آدمی پر تعجب ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ اور احتیاط اس خوف سے کرتا ہے کہ اس کے لکھنے کی اجرت میں تھوڑا بہت خرچ ہوگا لیکن اسے جنت الفردوس اور اس کی نعمتوں سے محرومی کا خوف نہیں ہے یہ بہت بڑی مصیبت ہے لیکن ان

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ق آیت ۱۸

لوگوں کے لیے ہے جو سوچنے میں کوتاہ وہ کام کرنا پڑتا ہے کہ اس میں شک کفر و انکار ہے اور اس کی تصدیق کریں تو بیوقوف اور دھوکے کے شکار لوگوں میں شمار ہوتا ہے لہٰذا جو شخص قرآن پاک کے مضامین کی تصدیق کرتا ہے وہ ایسے اعمال نہیں کرتا ہم ناشکری سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں وہ ذات پاک ہے جس نے اس بیان کے باوجود ہمیں خبردار اور آگاہی سے روک رکھا ہے اور وہ ذات جو اس قسم کی غفلت اور غرور کو دلوں پر مسلط کرنے پر قادر ہے وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور جھوٹی تمنا نیز شیطان اور خواہشات کی پیروی پر بھروسہ کر کے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے۔

دوسری فصل:

دھوکے میں مبتلا لوگوں کی اقسام اور ہر قسم میں شامل فرقوں کا بیان

اور یہ چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم اہل علم پر مشتمل ہے اور ان میں کئی فرقے دھوکے میں ہیں ان میں سے ایک گروہ نے علوم شرعیہ اور علوم عقلیہ خوب سیکھے ہیں ان میں غور و فکر اور مشغول رہتے ہیں لیکن انہوں نے ظاہری اعضاء کی دیکھ بھال گناہوں سے ان کی حفاظت اور عبادت میں ان کو مصروف رکھنا چھوڑ دیا ہے وہ اپنے علم کے گھمنڈ میں ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں انہیں ایک مقام حاصل ہے اور وہ علم کے اس درجہ تک پہنچ چکے ہیں کہ اس مرتبہ کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عذاب نہیں دیتا۔ بلکہ دوسرے لوگوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے اور چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و کرامت حاصل ہے اس لیے ان سے ان کے گناہوں اور خطاؤں پر مواخذہ نہیں ہو گا لیکن یہ لوگ دھوکے میں ہیں اگر وہ بصیرت کی نگاہ سے دیکھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم مکاشفہ ہے اور دوسرا علم معاملہ۔

علم مکاشفہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو پہچاننا ہے اور اصطلاح میں اسے علم معرفت کہا جاتا ہے علم معاملہ حلال و حرام کی پہچان کا نام ہے نیز نفس کے اچھے اور برے اخلاق کی معرفت ان کے علاج کی کیفیت اور ان سے بچنے کا علم ہے۔ اور ان علوم کا مقصد بھی عمل ہے اگر عمل کی حاجت نہ ہوتی تو ان علوم کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی اور ہر وہ علم جس کا مقصد عمل ہو اس کی قیمت عمل کے بغیر نہیں ہوتی اس کی مثال یہ ہے کہ کسی بیمار شخص کو ایسی بیماری لاحق ہو جس کا علاج صرف معجون مرکب سے ہو سکتا ہو اور اس کی معرفت صرف ماہر ڈاکٹروں کو ہوتی ہے اب وہ گھر سے نکل کھڑا ہوتا ہے اور ڈاکٹر کی تلاش کرتا ہے حتیٰ کہ کسی ماہر ڈاکٹر تک پہنچ جاتا ہے اور وہ اسے دوائی بتاتا ہے۔

وہ ڈاکٹر اسے مختلف مفردات کی تفصیل، اقسام اور مقدار بھی بتاتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ چیزیں کہاں سے ملیں گی ان کو کس طرح کوٹنا اور کس طرح آپس میں ملانا ہے اور نہایت عمدہ تحریر میں ایک نسخہ دے دیتا ہے وہ شخص واپس گھر آ گیا وہ اسے بار بار پڑھتا ہے اور دوسرے بیماروں کو سنا کر بھی دیتا ہے لیکن خود اسے استعمال نہیں کرتا تو کیا اس کی بیماری دور ہو جائے گی۔

ہرگز ایسا نہیں ہوگا اگر وہ اس سے ہزار نسخے لکھے اور ہزار مریضوں کو سکھائے حتیٰ کہ ان سب کو شفا حاصل ہو جائے پھر ہر رات ہزار مرتبہ پڑھے پھر بھی اس کی اپنی بیماری دور نہیں ہوگی البتہ کچھ رقم خرچ کرے اور دوائی خرید کر اس طرح بنائے جس طرح اس نے سیکھا ہے اور اسے پیئے اس کی کڑواہٹ برداشت کرے وقت پر دوائی پیئے اور تمام شرائط کا خیال رکھے اب جب یہ سب کام کرلے گا تو شفاء کی امید کی جاسکتی ہے تو دوائی بالکل نہ پینے کی صورت میں شفاء کی امید کیسے ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کا یہ خیال ہو کہ بس یہ نسخہ ہی اس کے لیے کافی و شافی ہے تو وہ دھوکے میں ہے۔

اسی طرح وہ فقیہ جو عبادات کا علم نہایت اچھے طریقے سے حاصل کرتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا اور گناہوں کا علم بھی عمدہ طریقے پر حاصل کرتا ہے لیکن ان سے اجتناب نہیں کرتا برے اخلاق کا علم حاصل کرتا ہے لیکن ان سے اپنے نفس کو بچاتا نہیں اچھے اخلاق کا علم حاصل کرتا ہے لیکن ان سے متصف نہیں ہوتا تو یہ شخص دھوکے میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۔ (۱) جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اس نے کامیابی حاصل کی۔

یہ نہیں فرمایا کہ اس شخص نے کامیابی حاصل کی جس نے تزکیۂ نفس کا طریقہ سیکھا اور اسے لکھ کر لوگوں کو سکھایا۔

اس وقت شیطان اس سے کہتا ہے کہ اس مثال سے تمہیں دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ دوائی کا علم مرض کو دور نہیں کرتا لیکن تمہارا مطلب تو اللہ تعالیٰ کا قرب اور ثواب حاصل کرنا ہے اور علم سے بھی ثواب ملتا ہے اور وہ اسے علم کی فضیلت میں وارد احادیث پڑھ کر سناتا ہے۔

اب اگر وہ بیچارہ مدہوش ہو کر دھوکے میں آجاتا ہے تو یہ اس کی مراد اور خواہش کے موافق ہے اور وہ اس پر مطمئن ہو کر عمل چھوڑ دیتا ہے اور اگر عقل مند ہے تو شیطان سے کہتا ہے تم مجھے علم کے فضائل سکھاتے ہو اور بے عمل گناہ گار عالم کے بارے میں جو کچھ آیا ہے وہ تمہیں یاد نہیں ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۔ (۲) پس اس کی مثال کتے جیسی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۔ (۳) ان لوگوں کی مثال جن کو تورات دی گئی پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (عمل نہ کیا) وہ گدھے کی طرح جو بوجھ اٹھاتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الشمس آیت ۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۷۶

(۳) قرآن مجید، سورۃ جمعہ آیت ۵

توکتے اور گدھے کی مثل قرار دینے سے بڑھ کر کیا ذلت ہو سکتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ يَزْدَدْ هُدًى لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا بُعْدًا ۔ (۱)

جو شخص اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے لیکن ہدایت میں اضافہ نہیں کرتا وہ حضرت اللہ تعالیٰ سے دوری ہی بڑھاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

يُلْقَى الْعَالِمُ فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فَيَدُورُ بِهَا فِي النَّارِ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ فِي الرَّحَى ۔ (۲)

(بے عمل) عالم کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس کی آنتیں باہر نکل پڑیں گی اور وہ ان کے ساتھ جہنم میں اس طرح چکر لگائے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

شَرُّ النَّاسِ الْعُلَمَاءُ السُّوْءِ (۳)

بدترین انسان برے علماء ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جاہل کے لیے تو ایک ہی خرابی ہے (کہ اس نے علم حاصل نہیں کیا) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے علم عطا فرماتا لیکن بے عمل عالم کے لیے سات خرابیاں ہیں کیوں کہ علم اس کے خلاف دلیل بنے گا جب اس سے کہا جائے گا کہ تو نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کیا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ ۔ (۴)

قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جسے اس کے علم نے نفع نہیں دیا۔

اس قسم کی مثالیں ہم نے علم کے بیان میں ذکر کی ہیں کہ علمائے آخرت کی علامت کیا ہے۔ لیکن یہ روایات بدکار عالم کی مرضی کے موافق نہیں ہیں۔ اور جو کچھ علم کی فضیلت میں مذکور ہے وہ اس کی خواہش کے مطابق ہیں تو شیطان ایسے لوگوں کو ان کی قلبی خواہشات کی طرف جھکاتا ہے اور یہ بعینہ دھوکا ہے کیونکہ جب وہ بصیرت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ اسی کی مثالیں ہیں اور اگر ایمان کی نگاہ سے دیکھے تو اسے معلوم ہوگا کہ جس ذات نے علم کی فضیلت بیان کی ہے اسی نے برے علماء کی مذمت بھی ذکر کی ہے اور یہ بھی بتایا کہ ان علماء کا حال، جاہلوں کے حال سے بھی بدتر ہوگا ــــ اس کے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۹۳ حدیث ۲۹۰۱۶

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۲ کتاب بدء الخلق

(۳) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۹۱ حدیث ۲۹۰۰۶

(۴) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۰۸ حدیث ۲۹۰۹۹

بعد بھی وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھے حالانکہ اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی محبت نہایت مضبوط ہے تو وہ شخص دھوکے میں ہے۔

اور جو آدمی علوم مکاشفہ کا دعویٰ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے ناموں کا علم ہے اور اس کے باوجود وہ عمل چھوڑ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے امر اور حدود کو ضائع کر دیتا ہے تو اس کا دھوکہ بہت بڑا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو بادشاہ کی خدمت کرنا چاہتا ہے اب وہ بادشاہ کے اخلاق واوصاف شکل وصورت، طول وعرض نشست و برخاست وغیرہ کا علم حاصل کر لیتا ہے لیکن اسے یہ بات معلوم نہیں کہ بادشاہ کو کیا کیا چیز پسند ہے اور کیا ناپسند؟ وہ کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس بات پر ناراض، یا وہ ان باتوں کو بھی جان لیتا ہے لیکن وہ خدمت کے ارادے کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں کرتا ہے جو بادشاہ کی ناراضگی کا موجب ہیں اور جس قسم کا لباس، کلام، حرکت وسکون وغیرہ بادشاہ کو پسند ہیں ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ پھر وہ بادشاہ کے پاس جا کر اس کا قرب حاصل کرنا اور اس کا خاص ہونا چاہتا ہے لیکن اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو بادشاہ کو ناپسند ہیں اور وہ ان تمام امور کو چھوڑے ہوئے ہے جو بادشاہ کو پسند ہیں اور وہ اس کی ذاتی پہچان، اس کے نسب، نام، شہر شکل وصورت، غلاموں کے ساتھ سلوک اور رعایا کے ساتھ معاملے کی پہچان کے ذریعے سے اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہ شخص بہت زیادہ دھوکے میں ہے کیونکہ اگر وہ ان تمام باتوں سے ناواقف ہوتا لیکن صرف بادشاہ کی معرفت میں مشغول ہوتا نیز ان باتوں کی پہچان حاصل کرتا جو بادشاہ کو پسند یا ناپسند ہیں تو وہ بادشاہ کے قرب اور اس کے ساتھ خصوصی تعلق کے حوالے سے مقصود کے حصول میں کامیاب ہوتا۔

اسی طرح جو شخص تقویٰ میں کوتاہی کرتا اور خواہشات کے پیچھے چلتا ہے تو اس کا یہ عمل اس بات پر دلالت ہے کہ اسے معرفت خداوندی سے صرف ناموں کا پتہ چلا ہے، معانی کا نہیں۔ اگر اسے معرفت خداوندی کما حقہ حاصل ہوتی تو وہ اس سے ڈرتا اور تقویٰ اختیار کرتا کیونکہ کسی عقل مند آدمی کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شیر کو پہچانتا بھی ہو پھر وہ اس سے نہ بچے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ مجھ سے اس طرح ڈریں جس طرح ضرر رساں درندے سے خوف کھاتے ہیں ہاں جو شخص شیر کے صرف رنگ، شکل اور نام سے واقف ہو وہ اس سے نہیں ڈرتا گویا اس نے شیر کو پہچانا ہی نہیں۔

تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اسے اس کی صفات کی پہچان بھی حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ تمام جہان والوں کو ہلاک کر دے اور اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اور یہ کہ اس کے قبضۂ قدرت میں وہ شخص بھی ہے کہ اگر اسے اور اس جیسے ہزاروں کو ہلاک کر دے یا ہمیشہ کے لیے عذاب میں رکھے تو کوئی بھی اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، نہ اسے رحم آئے گا اور نہ ہی ان کا رونا پیٹنا آڑے آئے گا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (۱)
بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

اور زبور کے شروع میں ہے کہ حکمت کی اصل اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی شخص کے عالم ہونے کے لیے اس کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہی کافی ہے اور جاہل ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے دھوکے میں رہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا انہوں نے اس کا جواب دیا تو عرض کیا گیا کہ فقہاء تو یہ بات نہیں کہتے انہوں نے فرمایا تم نے کسی فقیہ کو دیکھا ہی نہیں فقیہ تو وہ ہے جو رات کو قیام کرتا ہے، دن کے وقت روزہ رکھتا ہے اور دنیا سے بے رغبت رہتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا فقیہ وہ ہے جو نہ تو مدارات کرتا ہے اور نہ ہی جھگڑا — وہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں پھیلاتا ہے اگر اس کی بات مانی جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کی بات رد کی جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔

گویا حقیقی فقیہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے اس کے اوامر و نواہی سیکھتا ہے اور اس کی صفات کے بارے میں علم رکھتا ہے کہ اسے کونسی چیز پسند ہے اور کونسی ناپسند، اور یہی عالم ہے اور اللہ تعالیٰ جس آدمی سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے اور اگر یہ صفت نہ پائی جائے تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جو دھوکے کا شکار ہیں۔

اور علماء کا دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے علم و عمل دونوں کو مضبوط کیا ظاہری عبادات میں مصروف رہتے ہیں اور گناہوں سے باز رہتے ہیں لیکن وہ اپنے دلوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تاکہ ان سے ان خصلتوں کو ختم کریں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم ہیں اور وہ تکبر، حسد، ریا، اقتدار و بلندی کی طلب، برابر کے لوگوں کو برائی پہنچانے کا ارادہ اور شہروں اور لوگوں میں شہرت کی طلب ہے۔ بعض اوقات ان میں سے کچھ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بات مذموم ہے اور وہ اس کا ارتکاب کرتے ہیں ان کاموں سے بچتے نہیں۔ اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی طرف توجہ کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

اَدْنَى الرِّيَاءِ الشِّرْكُ۔ (۲)
معمولی ریا بھی شرک ہے۔

اور آپ کے اس ارشاد گرامی کی طرف بھی نظر نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔ (۳)
وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۲۸

(۲) میزان الاعتدال جلد ۴ ص ۴۲۶ ترجمہ ۷۸۰۹

(۳) مجمع الزوائد جلد اول ص ۹۹ کتاب الایمان

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (۱)

حسد، نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

حُبُّ الشَّرَفِ وَالْمَالِ یُنْبِتَانِ النِّفَاقَ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ۔ (۲)

شرف و مال کی محبت منافقت کو اس طرح پروان چڑھاتی ہے جیسے پانی سبزی کو اُگاتا ہے۔

اس کے علاوہ دیگر روایات ہیں جو ہم نے اخلاق مذمومہ کے سلسلے میں مہلکات کے بیان میں ذکر کی ہیں۔

تو ان لوگوں نے اپنے ظاہر کو زینت دے رکھی ہے لیکن اپنے باطن کو بھول گئے ہیں نیز انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو بھی بھلا دیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ وَاِنَّمَا یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

تو انہوں نے ظاہری اعمال کی خبرداری کی لیکن دل کا خیال نہ رکھا حالانکہ دل ہی اصل ہے کیوں کہ وہی شخص نجات پائے گا جو سلامت دل کے ساتھ آئے گا۔

ان لوگوں کی مثال گندگی کے کنویں جیسی ہے کہ ظاہر میں چونہ وغیرہ کیا گیا لیکن اس کے اندر بدبو ہے یا مردوں کی قبریں ہیں جو ظاہر سے نہایت مزین ہیں لیکن اندر مردہ جسم پڑا ہوا ہے یا اندھیرے گھر کی طرح ہیں جن کی چھت پر چراغ رکھ دیا گیا ہو اس سے باہر کا حصہ تو روشن ہوتا ہے لیکن اندر اندھیرا ہی رہتا ہے یا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے بادشاہ کی دعوت کی خاطر مکان کے دروازے کو خوب سجایا لیکن گھر کے اندر کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہو یہ بات واضح طور پر دھوکہ ہے بلکہ اس کی زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کھیتی اگائی تو اس کے ساتھ گھاس بھی اُگا جو اس کھیتی کو خراب کرنے والا ہے اب اسے کھیتی کو گھاس سے پاک کرنے کا حکم دیا گیا کہ وہ اس گھاس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے لیکن وہ اسے اوپر اوپر سے اور اس کی پتیوں کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے تو اس سے اس کی جڑیں ہمیشہ کے لئے مضبوط ہوں گی اور وہ گھاس دوبارہ اُگے گی۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۴۷ کتاب الادب

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۷۱۳ کتاب البر والصلۃ

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۷ کتاب البر والصلۃ

اسی طرح گناہوں کے پورے برے اخلاق ہیں جو دل میں پیدا ہوتے ہیں تو جو شخص اپنے دل کو ان سے پاک نہیں کرے گا اس کی ظاہری عبادات اپنے ساتھ بے شمار آفات لائیں گی بلکہ وہ اس مریض کی طرح جسے خارش ہو جائے اب اسے دوائی ملنے اور پینے کو کہا گیا دوائی ملنے سے ظاہری خارش دور ہو جاتی ہے اور پینے سے دوائی اس کے مادہ کو اندر سے ختم کر دیتی ہے لیکن اس شخص نے دوائی ملنے پر اکتفاء کیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ چیزیں کھاتا رہا جن سے وہ مادہ بڑھتا رہا تو یہ ظاہر ہیں دوائی کا ملنا اس خارش کو زائل نہیں کرے گا بلکہ یہ بیماری ہمیشہ رہے گی کیونکہ یہ باطنی مادہ سے آرہی ہے۔

علماء کا ایک اور فرقہ ہے جن کو معلوم ہے کہ یہ اخلاق باطنہ شریعت کی رُو سے مذموم ہیں لیکن تکبر کی وجہ سے ان کا خیال یہ ہے کہ ان میں یہ باتیں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو ایسا بلند مرتبہ حاصل ہے کہ وہ ان کو ان باتوں سے نہیں آزماتا ان باتوں سے تو صرف عوام کی آزمائش ہوتی ہے جو اس علمی مقام تک نہیں پہنچے لیکن ہم تو اس آزمائش سے بلند مقام رکھتے ہیں۔

پھر جب ان پر تکبر، بلندی اقتدار اور عز و شرف کی طلب ظاہری ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں یہ تکبر نہیں ہے یہ تو دین کی عزت کی طلب، شرف علم کا اظہار، دین خداوندی کی مدد اور مخالفین اور بدعتیوں کو ذلیل و رسوا کرنا ہے اور اگر میں ادنیٰ قسم کا لباس پہنوں اور مجالس میں نا مناسب جگہ پر بیٹھوں تو دین کے دشمن اس پر خوش ہوں گے اور میری رسوائی، اسلام کی ذلت ہے اور یہ مغرور شخص اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اس کا وہ دشمن جس سے اس کے مولیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے وہ شیطان ہے اور وہ اس کے اس عمل پر خوش بھی ہوتا ہے اور اس کا مذاق بھی اڑاتا ہے۔

یہ عالم اس بات کو بھول جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس عمل کے ذریعے دین کی مدد کی اور کافروں کو رسوا کیا، اور اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تواضع، فروتنی، اور فقر پر قناعت کے سلسلے میں کیا کچھ مروی ہے حتیٰ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر معمولی لباس کی وجہ سے اعتراض کیا گیا اور اس وقت آپ شام میں تشریف لائے تھے۔ تو آپ نے فرمایا۔

"ہم وہ قوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عزت بخشی ہے پس ہم کسی دوسری بات میں عزت تلاش نہیں کرتے۔"

پھر یہ شخص جو دھوکے کا شکار ہے باریک اور ریشمی کپڑوں میں جو حرام ہیں اور گھوڑوں اور سواریوں کے ذریعے عزت تلاش کرتا ہے اور اس کا خیال یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کے ذریعے علم کی عزت اور دین کے شرف کا طالب ہے۔ اسی طرح جب وہ اپنے ہمعصر لوگوں سے حسد کرتے ہوئے کچھ کہتا ہے یا وہ شخص جو اس کی بات نہیں مانتا اس کے بارے میں زبان کھولتا ہے تو یہ نہیں سوچتا کہ یہ حسد ہے بلکہ کہتا ہے کہ یہ تو حق بات کی وجہ سے غصہ ہے اور اہل باطل کی دشمنی اور ان کے ظلم پر ان کا رد ہے اور اسے اپنی جانب سے حسد قرار نہیں دیتا کہ سوچے اگر کسی دوسرے عالم پر طعن کیا جائے یا کسی دوسرے طریقے سے دوسرے شخص سے مزاحمت کی جائے اور اس کے اقتدار کو ختم کیا جائے تو کیا اس وقت بھی اس کو اسی طرح غصہ آئے گا اور عداوت پیدا ہوگی جیسے اب ہے اگر یہ بات ہے تو پھر اس کا غصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا دوسرے عالم پر طعن

کے وقت اسے غصہ نہیں آئے گا بلکہ بعض اوقات وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے تو اس صورت میں اس کا غصہ اپنی ذات کے لیے ہے اور خبث باطنی کی وجہ سے ہمعصر لوگوں سے حسد ہے۔

تو یہ شخص اس طرح اپنے اعمال اور علوم کا دکھاوا کرتا ہے اور جب دل میں ریا کا وسوسہ پیدا ہو تو کہتا ہے ہرگز نہیں میں ریا تو نہیں کر رہا بلکہ میری غرض تو یہ ہے کہ میں اپنے علم اور عمل کو ظاہر کروں تاکہ لوگ میری اقتدار کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف راہ پائیں اور اس طرح وہ عذاب خداوندی سے چھوٹ جائیں۔ اور دھوکے کا شکار یہ عالم اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اگر لوگ دوسرے کسی کی اقتدا کریں تو اسے خوشی نہیں ہوتی جس قدر اپنی اقتدا پر خوش ہوتا ہے اگر اس کا مقصد لوگوں کی اصلاح کرنا ہوتا تو جس کے ہاتھوں ان کی اصلاح ہوتی اسے خوشی حاصل ہوتی جس طرح کسی شخص کے بیمار غلام ہوں اور وہ ان کا علاج کرنا چاہتا ہے تو وہ اس بات میں فرق نہیں کرتا کہ اس کے ہاتھ سے شفاء ہوتی ہے یا کسی دوسرے طبیب کے ہاتھ سے؛

اور بعض اوقات اس عمل کو اپنے لیے یاد کرتا ہے تو اس میں بھی شیطان اسے نہیں چھوڑتا اور کہتا ہے کہ یوں سوچو کہ جب لوگ میرے ذریعے ہدایت پائیں گے تو مجھے ثواب ملے گا تو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والے ثواب پر خوش ہوتا ہوں اس لیے نہیں کہ لوگ میری بات کو قبول کرتے ہوں تو یہ بات اپنے لیے خیال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے باطن پر مطلع ہے کہ مثلاً کوئی نبی اگر اسے کہے کہ تمہیں خاموش رہنے اور علم کو چھپانے کی صورت میں اظہار کے مقابلے میں زیادہ ثواب ملے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ قید بھی کیا جائے اور بیڑیاں بھی ڈالی جائیں اور وہ زنجیریں توڑ کر قید سے بھاگ نکلے اور اسی جگہ جا پہنچے جہاں اس کے مقام و مرتبہ کا اظہار ہوتا ہے یعنی تدریس یا وعظ وغیرہ کے ذریعے شہرت ملتی ہے۔

اسی طرح وہ بادشاہ کے پاس جاتا ہے اس سے دوستی لگاتا ہے، اس کی تعریف کرتا اور اس کے لیے تواضع کرتا ہے اور جب اسے خیال آئے کہ ظالم بادشاہوں کے لیے تواضع حرام ہے تو شیطان اس سے کہتا ہے چھوڑو یار، یہ بات تو ان لوگوں کے بارے میں ہے جو بادشاہوں کے مال کی طمع رکھتے ہیں تمہاری غرض تو مسلمانوں کی سفارش کرنا اور ان سے ضرر کو دور کرنا ہے نیز اپنے آپ سے دشمنوں کے شر کو دفع کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کی بات کو جانتا ہے کہ اگر اس کے کسی دوسرے ساتھی کو بادشاہ کے ہاں قبولیت حاصل ہوتی اور وہ مسلمانوں کے بارے میں سفارش کرتا حتی کہ مسلمانوں سے ضرر دور ہو جاتا، تو اس پر یہ بات گراں گزرتی بلکہ اگر وہ کر سکتا تو بادشاہ کے سامنے اس شخص پر طعن کر کے اس کی برائی بیان کرتا اور جھوٹ باندھتا۔

اسی طرح بعض کا دھوکہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ بادشاہ سے مال لیتے ہیں اور جب دل میں خیال آتا ہے کہ یہ حرام ہے تو اس سے شیطان کہتا ہے اس مال کا کوئی مالک نہیں یہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہے اور تم مسلمانوں کے امام اور عالم ہو تمہاری وجہ سے دین قائم اور مضبوط ہے تو کیا تم اس سے ضرورت کے مطابق نہیں لے سکتے تو اس طرح وہ تین باتوں میں وہ دھوکے کا شکار ہوتا ہے۔ایک یہ کہ اس مال کا کوئی بھی مالک نہیں حالانکہ وہ جانتا ہے کہ بادشاہ مسلمانوں اور دیہاتیوں سے

خراج (ٹیکس) وصول کرتا ہے اور جن لوگوں سے یہ مال لیا ہے وہ خود زندہ ہیں یا ان کی اولاد اور وارث زندہ موجود رہیں نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے مال خلط ملط ہو گئے اور جو شخص دس آدمیوں سے ایک سو دینار غصب کرتا ہے اور ان کو باہم ملا دیتا ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ حرام مال ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لاوارث مال ہے۔ اور اسے ان دس آدمیوں پر تقسیم کرنا ضروری ہے اور ہر ایک تک دسواں حصہ پہنچنا چاہیے اگرچہ ان کا مال ایک دوسرے کے مال سے مل ہی گیا ہو۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ تم مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کام کر رہے ہو اور تمہاری وجہ سے دین قائم ہے حالانکہ جن لوگوں نے اپنے دین کو خراب کیا، بادشاہوں کے مال کو حلال قرار دیا، طلبِ دنیا اور مقام و مرتبہ کی طرف توجہ کی رغبت رکھتے ہیں اور اس طرح وہ آخرت سے منہ پھیرتے ہیں۔

وہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو دنیا سے بے رغبت ہیں وہ دنیا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں تو وہ لوگ جو دنیا کی طرف متوجہ ہوئے حقیقت میں دین کے دجال ہیں، شیطانوں کے مذاہب ان سے قائم ہیں وہ دین کے امام نہیں ہیں کیونکہ امام وہ ہوتا ہے جس کی اقتدا دنیا سے اعراض اور آخرت کی طرف توجہ کے سلسلے میں ہوتی ہے جیسے انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام اور اکابر علمائے سلف۔ اور دجال وہ ہے جس کی اقتدا اللہ تعالیٰ سے اعراض اور دنیا کی طرف جھکاؤ کے سلسلے میں ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے مسلمانوں کے لیے اس شخص کا مر جانا، اس کے زندہ رہنے کی نسبت زیادہ نفع بخش ہو۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ دین اس کے ساتھ قائم ہے اس کی مثال اس طرح ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بُرے علماء کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایک چٹان ہے جو وادی کے آگے ہو وہ چٹان خود بھی پانی سے سیراب نہیں ہوتی اور اسے کھیتیوں تک بھی پہنچنے نہیں دیتی۔ اس زمانے میں اہل علم کے غرور اور دھوکے کی اقسام بہت زیادہ ہیں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ محض آگاہی اور نمونے کے طور پر ہیں۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جنہوں خوب علم حاصل کیا، اعضاء کو پاک کیا اور عبادات کے ذریعے ان کو مزین کیا ظاہری گناہوں سے اجتناب کیا نیز اخلاقِ نفس اور قلبی صفات یعنی ریا، حسد، کینہ، تکبر اور بلندی کی طلب کے درپے ہو کر نفس کو ان سے پاک کرنے کی کوشش کی اور دل سے اس کی مضبوط جڑوں کو کاٹ ڈالا لیکن اس کے باوجود ابھی تک وہ دھوکے میں ہیں کیونکہ دل کے کسی کونے میں شیطان کے خفیہ فریب اور نفس کے دھوکے باقی ہیں جن پر مطلع ہونا بہت مشکل ہے کیونکہ وہ نہایت باریک و دقیق ہیں چونکہ وہ ان سے آگاہ نہیں ہوتے اس لیے انہوں نے ان کو چھوڑ رکھا ہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص کھیتی کو گھاس سے پاک کرنا چاہتا ہے چنانچہ وہ وہاں چکر لگاتا ہے اور گھاس کا جو بھی تنکا نظر آتا ہے اسے اکھاڑ پھینکتا ہے لیکن وہ اس گھاس کو تلاش نہیں کر سکتا جس نے ابھی تک زمین سے سر نہیں نکالا اور وہ سمجھتا ہے کہ تمام گھاس ظاہر ہو چکا ہے حالانکہ گھاس کی جڑوں سے باریک باریک شاخیں نکلتی ہیں اور مٹی کے نیچے چھپ جاتی ہیں وہ ان سے غافل رہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس نے سب کچھ اکھیڑ دیا ہے وہ ان سے بے خبر رہتا ہے حالانکہ

وہ اُگ کر مضبوط ہو چکی ہیں اور انہوں نے کھیتی کی جڑوں کو خراب کر دیا لیکن ان کا پتہ نہ چل سکا۔

اسی طرح ایک عالم بعض اوقات یہ تمام کام کر لیتا ہے لیکن پوشیدہ امور کی حفاظت سے غافل رہتا ہے وہ دقیق باتوں کی طرف توجہ نہیں کر سکتا تم دیکھو گے کہ وہ تمام علوم اور ان کی ترتیب کے لیے رات دن جاگتا ہے الفاظ کی عمدگی، اور کتب کی تصنیف و تالیف کے لیے کوشاں رہتا ہے اور اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اس کی اس تمام کوشش کا مقصد دین خداوندی کا اظہار اور شریعت الٰہیہ کی نشر و اشاعت ہے اور ہو سکتا ہے اس کا خفیہ باعث اپنا تذکرہ اور اطراف واکناف میں مشہوری ہو، لوگ دُور دُور سے اس کے پاس آئیں اور اس کے زہد و تقویٰ اور علم کی تعریف کی جائے مشکل مسائل میں اسے مقدم کیا جائے حاجات، دا غراض میں اسے ترجیح دی جائے استفادہ کے لیے لوگ اس کے گرد جمع ہوں اس کے الفاظ کی عمدگی اور بیان کو غور سے سنیں اور اس سے لذت حاصل ہو اس کا کلام سن کر لوگ اپنے سر ہلائیں، روئیں، خوشی اور تعجب کا اظہار کریں اور اس بات سے خوشی حاصل ہو کہ ہمارے شاگرد، متبعین اور استفادہ کرنے والے بہت زیادہ ہیں نیز اس بات کی خوشی بھی ہو کہ ہم عصر افراد میں سے وہ اس خاصیت کے ساتھ مخصوص ہے کہ اسے علم اور تقویٰ وغیرہ سب کچھ حاصل ہے اور جو لوگ دنیا کی طرف متوجہ ہیں ان پر طعن کرتا ہے لیکن اس کا مقصد دین کے حوالے سے پریشانی نہیں بلکہ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز اور سمجھ دار سمجھ کر لوگوں کے عیب بیان کرتا ہے۔

اور شاید اس مسکین اور دھوکے میں مبتلا شخص کی باطنی زندگی اسی تعریف و توصیف اور توقیر وغیرہ پر منحصر ہے اب اگر لوگوں کے دلوں میں تبدیلی آجائے اور جو زہد و تقویٰ اس کے ظاہری اعمال سے نظر آتا ہے اس کے خلاف عقیدہ اپنا لیں تو ممکن ہے اس کا دل تشویش میں پڑ جائے اور اس کے اوراد و وظائف خلط ملط ہو جائیں اور وہ کسی حیلے بہانے سے نفس کا عذر پیش کرے اور ہو سکتا ہے وہ اپنے عیب چھپانے کے لیے جھوٹ بھی بولے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص اس کے زہد و تقویٰ کا اعتقاد رکھتا ہے اس کی عزت و توقیر زیادہ کرے اور اس کی رعایت بھی کرے اور ہو سکتا ہے وہ اس کی قدر سے زیادہ کا اعتقاد رکھتا ہو اور اس سے دل تنگ ہوتا ہو جو اس کے علم و فضل اور تقویٰ سے آگاہ ہے اگرچہ وہ اس کی حالت کے موافق ہو اور یہ بھی ہو سکتا کہ وہ اپنے بعض شاگردوں کو دوسرے بعض پر ترجیح دے اور اس کا خیال یہ ہو کہ وہ اس کے علم و فضل کی وجہ ایسا کرتا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری زیادہ کرتا ہے اور اس سے کام بھی زیادہ نکلتا ہے نیز وہ اس کی تعریف بھی زیادہ کرتا ہے اس کی طرف زیادہ توجہ کرتا اور اس کی خدمت کرنے پر بہت زیادہ حریص ہے اور بعض اوقات جب لوگ کسی عالم سے استفادہ کرتے ہیں اور علم میں رغبت رکھتے ہیں تو وہ گمان کرتا ہے کہ اس کے اخلاص اور صداقت کی وجہ سے وہ ان میں مقبول ہوا ہے نیز وہ اپنے علم کا حق ادا کر رہا ہے اس پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اپنی مخلوق کے منافع اس کی زبان پر آسان کر دیئے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ بات اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور اس بات کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ اس کی نیت صحیح ہے یا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے گمنامی گوشہ نشینی اور

علم کے چھپانے پر اس قسم کے ثواب کا وعدہ کیا جائے تو وہ رغبت نہ رکھے کیوں کہ اس صورت میں قبولیت کی لذت اور ریاست و مقام کی عزت مفقود ہو گی۔

شاید اسی قسم کے لوگوں پر شیطان کا یہ قول صادق آتا ہے وہ کہتا ہے جو انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے وہ مجھ سے بچ جائے گا وہ اپنی جہالت کی وجہ سے میرے جال میں پڑ گیا اور ہو سکتا ہے وہ تصنیف و تالیف میں کوشش کرے اور یہ خیال کرتا ہو کر وہ اللہ تعالیٰ کے علم کو جمع کر رہا ہے تاکہ اس سے نفع اٹھایا جائے لیکن اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ عمدہ تصنیف سے میری شہرت ہو گی اور اگر کوئی شخص اس کی کتاب سے اس کا نام مٹا کر اسے اپنی طرف منسوب کرے تو اسے یہ بات گراں گزرتی ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ تصنیف کا ثواب تو مصنف ہی کو ملے گا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہی مصنف ہے وہ شخص نہیں جس نے دعویٰ کیا ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی تصنیف ذاتی تعریف سے خالی نہ ہو یا تو واضح الفاظ میں لمبا چوڑا دعویٰ کرے گا یا ضمنی طور پر مدعی ہو گا کہ دوسروں پر اعتراض اور طعن کرے گا تاکہ اس سے معلوم ہو کہ جس پر طعن کیا گیا ہے اس سے یہ افضل اور زیادہ علم والا ہے حالاں کہ طعن کرنے کی ضرورت نہیں تھی اگر اس (دوسرے شخص) کے کلام میں کچھ خرابی ہو تو اسے اس کے حوالے سے نقل کرتا ہے جب کہ اس کا اچھا کلام اس کی طرف منسوب نہیں کرتا تاکہ معلوم ہو کہ یہ خود اس کا اپنا کلام ہے وہ اسے بعینہٖ نقل کرتا ہے اور یہ چوری ہے یا اسے کچھ بدل دیتا ہے جیسے ایک شخص کسی کی قمیص چوری کر کے اس کا جبہ بنا لیتا ہے تاکہ معلوم نہ ہو کہ یہ چوری کی قمیص ہے۔

اور ہو سکتا ہے وہ اپنی کتاب میں مسجع قسم کے الفاظ استعمال کرے اور الفاظ کو مزین کرنے کی کوشش کرے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ گھٹیا قسم کی عبارت ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میری غرض حکمت کو رواج دینا اور اس کی تحسین و تزئین ہے تاکہ لوگوں کو زیادہ نفع حاصل ہو اور شاید وہ اس بات سے غافل ہے کہ کسی حکیم نے حکمت میں تین سو جلدیں لکھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اس سے کہو تم نے زمین کو نفاق سے بھر دیا اور میں تمہارے نفاق سے کچھ بھی قبول نہیں کرتا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دھوکے میں مبتلا اس قسم کے لوگ جب اکٹھے ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ دل کے عیبوں اور پوشیدہ خرابیوں سے محفوظ ہے اور اگر وہ الگ الگ ہو جائیں اور ان میں سے ہر ایک کے پیچھے اس کے ساتھیوں کی ایک جماعت ہو تو ہر ایک اپنے متبعین کی کثرت کو دیکھتا ہے اور یہ کہ اس کے پیچھے چلنے والے زیادہ ہیں یا دوسرے کے پیچھے۔ اگر اس کی اتباع کرنے والے زیادہ ہوں تو خوش ہوتا ہے۔ اگرچہ جانتا ہو کہ دوسرا عالم اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس کے پیچھے چلنے والے زیادہ ہوں پھر جب وہ الگ الگ ہو کر دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ان میں تبدیلی آجاتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں۔

اور شاید ایک طالب علم جن میں سے ایک کے پاس پڑھتا تھا اسے چھوڑ کر دوسرے عالم کے پاس چلا جائے تو اس کے دل پر بوجھ پڑ جائے اور اپنے دل میں اس سے نفرت پاتا ہے اور اس کے بعد کبھی بھی اس کی حاجت کو پورا نہیں کرے گا اور نہ ہی اسے کبھی خاطر میں لائے گا جیسا کہ اس سے پہلے ہوتا تھا پہلے کی طرح اس کی تعریف کی حرص بھی نہ ہوگی حالاں کہ اسے معلوم ہے کہ وہ علمی استفادہ میں مشغول ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسری جگہ وہ دینی فائدہ زیادہ حاصل کر رہا ہو اور یہاں اسے کوئی آفت معلوم ہوئی اور اب وہ اس سے محفوظ ہے، لیکن یہ عالم ان باتوں کو جاننے کے باوجود اس سے نفرت کرتا ہے اور اس کے دل سے یہ نفرت زائل نہیں ہوتی۔

اور شاید ان میں سے کوئی ایک جب حسد کرنے لگتا ہے اور اس کا اظہار نہیں کر سکتا تو وہ اس کے دین اور تقویٰ پر طعن کرتا ہے تاکہ اس پر غصہ آئے اور میں کہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے غصہ آیا ہے اپنی ذات کے لیے نہیں اور جب اس کے سامنے اُس دوسرے شخص کے عیب ذکر کیے جائیں تو خوش ہوتا ہے اور اگر اس کی تعریف کی جائے تو یہ بات پسند نہیں آتی اور وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے اور بعض اوقات اس دوسرے شخص کے عیب بیان کیے جائیں تو ترش رُو ہوتا ہے اور ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی غیبت ناپسند کرتا ہے لیکن اندر ہی اندر سے خوش ہوتا ہے اور اس بات کا خواہش مند بھی، اور اللہ تعالیٰ اس بات کی خبر رکھتا ہے۔

تو یہ باطنی اور خفیہ عیب ہیں ان سے آگاہی صرف عقل مند لوگوں کو ہوتی ہے اور مضبوط لوگ ہی اس سے بچ سکتے ہیں ہمارے جیسے کمزور لوگ اس کی طمع نہیں کر سکتے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ آدمی اپنے نفسانی عیب معلوم کرے اور یہ اسے ناپسند ہوں بلکہ ان کی اصلاح کی حرص رکھے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اس کے نفسانی عیب پر مطلع کر دیتا ہے اور جس آدمی کو نیکی کر کے خوشی حاصل ہو اور برائی پر ناخوش ہو تو اس کے اچھے حال کی امید کی جا سکتی ہے اور اس کا معاملہ اس مغرور کی نسبت اچھا ہے جو اپنے آپ کو پاک سمجھتا ہے اور اپنے عمل اور علم سے اللہ تعالیٰ پر احسان جتاتا ہے اس کا گمان ہے کہ وہ تمام لوگوں میں سے بہتر ہے تو ہم غفلت اور دھوکے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور اس بات سے بھی پناہ کے طالب ہیں کہ ہم اپنے عیوب پر مطلع ہوں لیکن ان کی اصلاح نہ کریں یہ ان لوگوں کا دھوکہ ہے جنہوں نے اہم علوم حاصل کیے لیکن علم کے مطابق عمل کرنے میں کوتاہی کی۔

اب ہم ان لوگوں کے غرور اور دھوکے کا ذکر کرتے ہیں جو علوم میں سے غیر ضروری علوم پر قناعت کیے بیٹھے ہیں انہوں نے ضروری علوم کو چھوڑ دیا اور ان غیر ضروری علوم کی وجہ سے دھوکے کا شکار ہیں یا تو اس لیے کہ اپنے آپ کو علم ضروری سے بے نیاز سمجھتے ہیں یا غیر ضروری علم ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں۔

ان میں سے ایک جماعت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو حکومتی معاملات اور جھگڑوں وغیرہ کے سلسلے میں نیز لوگوں کے درمیان دنیوی معاملات کی تفصیل سے متعلق فتویٰ دیتے ہیں اسی کو حاصل کرتے ہیں اور اسی کا نام فقہ اور علم مذہب رکھا ہے

اور بعض اوقات اس کے حصول میں ظاہری اور باطنی اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں وہ اپنے اعضاء کا خیال نہیں رکھتے زبان کو غیبت سے، پیٹ کو حرام سے پاؤں کو بادشاہوں کے پاس جانے سے اور باقی اعضاء کو بھی محفوظ نہیں رکھتے نیز وہ دل کو تکبر، حسد، ریاکاری اور باقی ہر قسم کے مہلکات امور سے نہیں بچاتے یہ لوگ دو وجہ سے دھوکے میں ہیں۔ ایک وجہ عمل ہے اور دوسری وجہ علم۔

عمل کی صورت میں دھوکے کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور ان کی مثال اس مریض جیسی ہے جسے دوائی کے نسخے کا علم ہے اور وہ اسے بار بار پڑھتا ہے اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے بلکہ ان کی مثال تو اس شخص جیسی ہے جسے بواسیر یا برسام کی بیماری ہو اور وہ ہلاکت کے قریب ہو جائے اب وہ دوائی اور اس کے استعمال کا طریقہ جاننے کا محتاج ہو اور وہ استحاضہ کی دوائی سیکھنے میں مشغول ہو جائے اور دن رات اس کا تکرار کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ مرد ہے اور مرد کو حیض آتا ہے نہ ہی استحاضہ، لیکن وہ کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کسی وقت کوئی خاتون جو استحاضہ میں مبتلا ہو مجھ سے علاج پوچھے یہ انتہائی درجہ کا دھوکہ ہے۔

اسی طرح فقیہ بیچارے پر بھی بعض اوقات دنیا کی محبت، خواہشات کی اتباع، حسد، تکبر، ریا اور تمام باطنی مہلکات کا غلبہ ہوتا ہے اور بعض اوقات توبہ سے پہلے اسے موت آجاتی ہے اور وہ ان گناہوں کی تلافی نہیں کر سکتا اب وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرتا ہے کہ وہ اس پر ناراض ہوتا ہے لیکن وہ ان بیماریوں کا علاج کرنے کی بجائے بیع سلم، اجارہ، ظہار، لعان، زخموں اور ان کی دیت، دعویٰ، گواہوں اور حیض کے مسائل سیکھنے میں مشغول رہتا ہے حالانکہ وہ عمر بھر ان میں سے کسی بھی بات کا اپنی ذات کے لیے حاجت مند نہیں ہوتا اور جب دوسرے لوگوں کو حاجت ہو تو بے شمار مفتیانِ کرام موجود ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس علم کے حصول میں اس لیے مصروف ہوتا ہے کہ اسے جاہ و دبدبے اور مال کی حرص ہوتی ہے اور شیطان نے اسے مغالطے میں ڈال دیا اور اسے اس بات کا شعور نہیں ہے۔ کیونکہ جو شخص دھوکے میں ہو وہ سمجھتا ہے کہ وہ دینی فرض میں مشغول ہے اور اسے معلوم نہیں کہ فرض عین سے فراغت سے پہلے فرض کفایہ میں مشغولیت گناہ ہے۔ یہ بھی اسی صورت میں ہے جب اس کی نیت صحیح ہو جیسا کہ اس۔۔۔ نے کہا کیونکہ بعض اوقات علم فقہ سے رضائے خداوندی مطلوب ہوتی ہے پس اگر وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مشغول ہو لیکن اس کی وجہ سے اپنے اعضاء اور دل سے متعلق فرضِ عین سے منہ پھیرنے والا ہو تو یہ عمل کے اعتبار سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔

جہاں تک علم کے اعتبار سے غرور کا تعلق ہے تو یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ علم فتاویٰ پر اکتفا کرے اور کتاب و سنت کا علم چھوڑ دے اور بعض اوقات وہ محدثین پر طعن بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ تو روایات کے ناقل ہیں انہیں سمجھ نہیں وہ تہذیب اخلاق کے علم کو بھی چھوڑ دیتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت پر مبنی علم فقہ کو بھی چھوڑ دیتا ہے حالانکہ یہی وہ علم ہے جو خوف، ہیبت اور خشوع پیدا کرتا اور تقویٰ کی ترغیب دیتا ہے۔ تم دیکھو گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بے خوف،

اور دھوکے میں مبتلا ہے اور اس بات پر بھروسہ کر رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس پر رحم فرمائے گا کیوں کہ وہ دین کا ستون ہے۔ اور اگر وہ فتاویٰ میں مشغول نہ ہو تو حلال و حرام کا نظام معطل ہو جائے گا یوں اس نے تمام اہم علوم کو چھوڑ رکھا ہے اور وہ غافل و مغرور ہے اور اس دھوکے کا سبب یہ ہے کہ اس نے شریعت میں علم فقہ کی عظمت کا سن رکھا ہے حالاں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس فقہ سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت ہے جو خوف اور امید کا باعث ہے تاکہ دل میں خوف کا شعور پیدا ہو اور وہ تقویٰ اختیار کرے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ (۱)

پس ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت (باہر) نکلتی تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کی طرف لوٹیں تاکہ وہ بچیں۔

اور جس علم کے ذریعے انذار (ڈرانا) حاصل ہوتا ہے وہ اس علم کا غیر ہے کیوں کہ اس علم کا مقصود معاملات کی شرط کے ساتھ مال کی حفاظت کرنا اور مال کی حفاظت کے ذریعے بدن کی حفاظت کرنا ہے اسی طرح قتل اور زخموں وغیرہ سے دفاع کرنا ہے حالانکہ مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک ذریعہ ہے اور بدن سواری ہے جب کہ اہم علم راہ خداوندی پر چلنے کی معرفت اور دل کی گھاٹیاں جو مذموم صفات ہیں ان کو طے کرنا ہے کیوں کہ یہی صفات مذموم بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہیں اور جب وہ ان میں ملوث ہونے کی صورت میں مر جائے تو اللہ تعالیٰ سے پردے میں رہتا ہے۔

پس جو شخص صرف فقہ پر اکتفا کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو حج کے راستے پر چلنے کی بجائے مشکیزہ اور جوتیاں سینے کے علم پر اکتفا کرے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان چیزوں کے بغیر حج دشوار ہے لیکن جو ان پر ہی اکتفا کرتا ہے اس کا حج اور اس کے راستے سے کوئی تعلق نہیں ہم نے اس کی تشریح علم کے بیان میں کی ہے۔

ان میں سے کچھ علماء ایسے ہیں جو علم فقہ میں سے صرف اختلافی مسائل پر اکتفا کرتے ہیں ان کا مقصد صرف مجادلہ، الزام، مخالف کو خاموش کرانا اور غلبہ اور فخر کے لیے حق کو دبانے کا طریقہ سیکھنا ہے وہ رات دن اہل مذاہب کے جھگڑے تلاش کرتے ہیں ہمعصر لوگوں کی عیب جوئی کرتے ہیں اور ان کی ایذا رسانی کے لیے طرح طرح کے حیلے تلاش کرتے ہیں یہ لوگ انسانوں میں سے درندے ہیں ان کی فطرت ایذا رسانی اور سخت بیوقوفی پر مبنی ہے وہ محض اس لیے علم حاصل کرتے ہیں کہ اپنے جیسے لوگوں پر فخر کا اظہار کر سکیں اور جو علم فخر و تکبر کے لیے نہ ہو جیسے علم قلب اور بری صفات کو مٹا کر صفات محمودہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سلوک کا علم، تو اسے حقیر جانتے ہیں اور اسے چکنی چپڑی باتیں اور واعظین کا کلام قرار

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۱۲۲

دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تحقیق اس بات کا نام ہے کہ مناظرہ بازی میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے والوں کے درمیان جاری ہونے والی سخت کلامی کی تفصیل معلوم ہو۔

انہوں نے مذکورہ بالا گروہ کی طرح فتاویٰ جمع کر رکھے ہیں لیکن یہ ان سے اس لحاظ سے بڑھ گئے کہ یہ ان امور میں مشغول ہو گئے جو فرض کفایہ بھی نہیں بلکہ فقہ میں اختلاف کی تمام دقیق باتیں بدعت ہیں اسلاف ان سے نا آشنا تھے۔

جہاں تک احکام کے دلائل کا تعلق ہے تو وہ علم مذہب میں شامل ہے کیونکہ وہ قرآن پاک اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیز ان کے معانی کا فہم ہے۔

لیکن جو مناظرے اور جدل کے حیلے ہیں جن کو کسر، قلب، فساد وضع و ترکیب وغیرہ کہتے ہیں یہ غلبہ کے اظہار کے لیے جاری کیے گئے ہیں ان کے ذریعے جھگڑے کا بازار گرم ہوتا ہے اس لیے ان لوگوں کا دھوکہ پہلے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ سخت اور زیادہ قبیح ہے۔

ایک دوسرا گروہ خواہشات کے تحت علم کلام اور مجادلہ نیز مخالفین کے رد اور ان سے مناقضہ وغیرہ کا علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا ہے انہوں نے بہت سے مختلف اقوال یاد کر رکھے ہیں وہ مناظرے کے طریقے سیکھنے میں مصروف رہتے ہیں یہ لوگ بہت سے فرقوں میں تقسیم ہو گئے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان کے بغیر بندے کا عمل مقبول نہیں ہوتا اور جب تک وہ مناظرہ نہ سیکھے اس کا ایمان صحیح نہیں ہوتا اسی طرح جن باتوں کو انہوں نے اپنے عقائد کے دلائل قرار دے رکھا ہے ان کا جاننا بھی ضروری قرار دیتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم ان سے زیادہ کسی کو نہیں ہے نیز جو شخص ان کے عقائد کو نہیں اپناتا اس کا ایمان ہی نہیں ہر ایک کے لیے ان کا علم سیکھنا ضروری ہے ان میں سے ہر فرقہ اپنی طرف بلاتا ہے۔ پھر ان کے دو فرقے ہیں۔

ایک فرقہ گمراہ ہے اور دوسرا حق پر ہے۔ جو فرقہ گمراہ ہے وہ خلافِ سنت کاموں کی طرف بلاتا ہے جبکہ اہل حق فرقہ سنت کی دعوت دیتا ہے لیکن وہ سب دھوکے میں مبتلا ہیں۔

گمراہ فرقہ اس لیے دھوکے میں ہے کہ وہ اپنی گمراہی سے غافل ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے نجات ملے گی پھر ان کے بھی کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دلائل کو تہمت نہیں لگاتے اور شروع میں انہوں نے دلائل کی شرائط اور ان کا طریقہ معلوم نہیں کیا لہٰذا وہ دلیل کو شبہ اور شبہ کو دلیل سمجھتے ہیں۔

لیکن جو فرقہ حق پر ہے اس کا دھوکہ یہ ہے کہ وہ جدل و مناظرہ کو اہم بات سمجھتا ہے اس کے خیال میں دین خداوندی میں یہ سب سے افضل عبادت ہے اس کا یہ بھی گمان ہے کہ جب تک آدمی بحث مباحثہ نہ کرے اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا اور جو شخص کسی بحث اور دلیل لکھنے کے بغیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مانتا ہے وہ مومن نہیں یا اس کا ایمان کامل نہیں۔ اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسی فاسد گمان کی خاطر ان کی زندگی بحث و مناظرہ،

اعتراضات اور بدعتی لوگوں کی بیہودہ گفتگو سیکھنے پر خرچ ہو جاتی ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بحث و مناظرے میں مشغولیت اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل اور اس کے قرب کا ذریعہ ہے انہوں نے اپنی اور اپنے دلوں کی فکر چھوڑ دی حتیٰ کہ ایسے اندھے ہو گئے کہ ان کو ظاہری و باطنی کوئی گناہ نظر نہیں آتا چونکہ بحث و مناظرہ سے ان کا مقصود دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی لذت حاصل کرنا ہے جب کہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ دین خداوندی کا تحفظ کر رہے ہیں اس لیے ان کے پاس چشم بصیرت نہیں ہے اور وہ پہلے دور کے حالات نہیں دیکھتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی بھلائی کی شہادت دی ہے ان کے دور میں بھی بے شمار اہل بدعت اور خواہش کے پجاری تھے لیکن انہوں نے اپنی زندگی اور دین کو جھگڑوں کی نذر نہیں کیا اور ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے یہ راہ اختیار کر کے اپنے دلوں، اعضاء اور احوال کی طرف توجہ چھوڑ دی ہو بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں حسب ضرورت گفتگو کی ہے اور وہ بھی وہاں جہاں قبولیت کے آثار نظر آئے انہوں نے ضرورت کے مطابق گمراہ کی گمراہی کو واضح کیا اور جب دیکھا کہ وہ اپنی گمراہی پر اصرار کر رہا ہے تو اسے چھوڑ دیا، منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے دشمنی رکھی یہ نہیں کیا کہ ساری زندگی اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے بلکہ انہوں نے کہا کہ سنت کی طرف بلانا امر حق ہے اور یہ بھی سنت ہے کہ سنت کی طرف بلاتے ہوئے جھگڑے کی راہ ترک کی جائے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

مَا ضَلَّ قَوْمٌ قَطُّ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أُوتُوا الْجَدَلَ۔ (۱)	کوئی بھی قوم ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر اس کا باعث جھگڑا اور بحث ہوتی ہے۔

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام کو بحث مباحثہ کرتے ہوئے جھگڑے کی حالت میں دیکھا آپ کو غصہ آیا گویا کہ آپ کے چہرۂ انور پر انار نچوڑ دیا گیا ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

أَبِهٰذَا بُعِثْتُمْ أَبِهٰذَا أُمِرْتُمْ أَنْ تَضْرِبُوا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ انْظُرُوا إِلَى مَا أُمِرْتُمْ بِهِ فَاعْمَلُوا وَمَا نُهِيتُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (۲)	کیا تم اس لیے بھیجے گئے ہو؟ کیا تمہیں اس مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے کہ اللہ کی کتاب کے بعض کو بعض سے ٹکراؤ دیکھو جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو جس سے روکا گیا ہے اس سے رک جاؤ۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس بات پر تنبیہ فرمائی حالانکہ حجت بازی اور مسائل میں جھگڑنے کا انہیں سب سے زیادہ حق تھا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ملتوں کی طرف مبعوث ہوئے لیکن آپ کبھی

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۶ مقدمۃ الکتاب

(۲) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۷۷، حدیث ۲۹۲۳

بھی کسی دین والے کے پاس اسے الزام دیتے سوال کا رد کرتے اور حجت بازی کے لیے نہیں بیٹھے بلکہ آپ نے صرف قرآن پاک کے ذریعے مجادلہ فرمایا جو ان پر نازل ہوا تھا اس پر اضافہ نہیں فرمایا کیونکہ اس سے دل پریشان ہوتے ہیں اشکال اور شبہات پیدا ہوتے ہیں اور آدمی ان کو دل سے نکالنے پر قادر نہیں ہوتا۔

معاذ اللہ یہ بات نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قیاسات کے ذریعے جواب دیتے اور صحابہ کرام کو بحث ومناظرہ کی تعلیم دینے سے عاجز تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ عقل مند اور محتاط لوگ ان باتوں کے دھوکے میں نہیں آتے ان کا قول یہ تھا کہ اگر تمام زمین والے نجات پائیں اور ہم ہلاک ہو جائیں تو ان کی نجات سے ہمیں کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا اور اگر ہم نجات حاصل کریں اور وہ ہلاک ہو جائیں تو ان کی ہلاکت سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

ہمیں اسی قدر مجادلہ ومناظرہ اختیار کرنا چاہیے جس قدر صحابہ کرام یہود ونصاریٰ اور دوسرے ادیان والوں سے کرتے تھے انہوں نے مجادلات کی تحریر میں زندگی کو ضائع نہیں کیا پس ہمیں کیا ہوگیا کہ ہم اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں اور ان کاموں پر خرچ نہیں کرتے جو محتاجی کے دن ہمارے کام آئیں گے۔

اور ہم جس بات میں غلطی سے محفوظ نہیں ہیں اس میں غور کیوں نہیں کرتے؟ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس بحث مباحثہ سے بدعتی اپنی بدعت کو نہیں چھوڑتا بلکہ اس کا تعصب اور جھگڑا زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بدعت میں بہت سخت ہے لہٰذا میرا اپنے نفس سے جھگڑے میں مصروف ہونا اور مجاہدہ کرنا تاکہ آخرت کے لیے دنیا کو چھوڑا جائے زیادہ مناسب ہے اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب مجھے جھگڑے سے منع نہ کیا ہوتا تو جس صورت میں مجھے منع کیا گیا ہے اس میں کیا کیفیت ہوگی۔ اور میں تارکِ سنت ہو کر کس طرح سنت کی دعوت دے سکتا ہوں لہٰذا زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ میں اپنے نفس کی فکر کروں اس کی صفات میں غور کروں کہ کونسی صفات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور کون سی پسند؟ تاکہ ناپسندیدہ صفات سے پرہیز کروں اور پسندیدہ صفات کو مضبوطی سے تھام لوں۔

ایک دوسرا گروہ وہ ہے جو وعظ ونصیحت میں مشغول ہے اور ان میں سے سب سے اعلیٰ مرتبہ ان لوگوں کا ہے جو اخلاقِ نفس اور قلبی صفات یعنی خوف، امید، صبر، شکر، توکل، زہد، یقین، اخلاص صدق اور ان جیسی دوسری صفات سے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور یہ بھی دھوکے میں ہیں ان کا خیال ہے کہ جب وہ ان صفات کے بارے میں گفتگو کرتے اور مخلوق کو ان کی طرف دعوت دیتے ہیں تو وہ خود بھی ان صفات سے موصوف ہوتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ان صفات سے خالی ہیں البتہ معمولی قدر جو عام لوگوں میں ہوتی ہیں ان میں بھی پائی جاتی ہیں ان لوگوں کا دھوکہ تو بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ اپنے نفسوں پر بہت اتراتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ جب علم محبت میں وہ درجہ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہیں اور وہ اخلاص کی باریکیوں کی تحقیق پر اسی لیے قادر ہیں کہ وہ مخلص ہیں اور جب وہ نفس کے خفیہ عیبوں پر مطلع ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ان عیبوں پر مطلع ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ان عیبوں سے پاک ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب نہ ہوتے تو ان کو قرب و بُعد کی معرفت اور سلوک الی اللہ کا علم حاصل نہ ہوتا اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں منازل طے کرنے کی کیفیت سے واقف ہوتے۔

توان خیالات کی وجہ سے یہ بیچارہ اپنے آپ کو ڈرنے والوں میں سے سمجھتا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتا وہ سمجھتا ہے کہ وہ امید کرنے والوں میں سے ہے حالانکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو دھوکے میں ہیں اور اپنے وقت کو برباد کر رہے ہیں وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے والوں میں سے ہے جب کہ وہ ناراض ہونے والوں میں سے ہے وہ اپنی دانست میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والوں میں شمار کرتا ہے حالانکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو عزت، جاہ و مال اور اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو مخلص لوگوں میں سے سمجھتا ہے حالانکہ وہ ریاکار لوگوں میں سے ہے بلکہ وہ اخلاص کا ذکر کرتے ہوئے بھی اخلاص سے کام نہیں لیتا وہ ریا کا ذکر کرتے ہوئے خود ریاکاری کا مظاہرہ کرتا ہے تاکہ اس کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ یہ ہو کہ اگر وہ مخلص نہ ہوتا تو اسے ریا کی باریکیوں تک رسائی نہ ہوتی وہ دنیا کی شدید حرص کی وجہ سے زہد کی تعریف کرتا ہے حالانکہ اسے دنیا کی بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے بظاہر وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے لیکن خود اس سے بھاگتا ہے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے خوف کا درس دیتا ہے اور خود اس سے بے خوف رہتا ہے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہے جب کہ خود اسے بھولا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کی دعوت دیتا ہے جب کہ خود اس سے دُور رہتا ہے اخلاص کی ترغیب دیتا ہے جب کہ خود غیر مخلص ہے برے اخلاق کی مذمت کرتا ہے جب کہ خود ان سے موصوف ہے وہ دوسروں کو مخلوق سے رُوگردانی کا درس دیتا ہے جب کہ خود مخلوق سے زیادہ حرص رکھتا ہے جس جگہ بیٹھ کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اگر وہاں سے اس کو روک دیا جائے تو زمین کشادہ ہونے کے باوجود اس پر تنگ ہو جاتی ہے اس کا خیال یہ ہے کہ اس کی غرض لوگوں کی اصلاح کرنا ہے اور اگر لوگ اس کے کسی ہم پلہ عالم کے پاس جمع ہو کر اپنے آپ کو ٹھیک کریں تو یہ غم اور حسد سے مر جائے اور اگر اس کے پاس آنے والوں میں سے کوئی کسی دوسرے عالم کی تعریف کرے تو یہ شخص اس کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ تو یہ لوگ بہت بڑے دھوکے میں ہیں اور سیدھے راستے کی طرف لوٹنے اور آگاہی حاصل کرنے سے بہت دُور ہیں کیونکہ اخلاق محمودہ کی ترغیب اور افعال مذمومہ سے نفرت کا سبب ان کی خرابیوں اور فوائد کا علم ہے اور اس شخص نے باوجود علم کے فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ لوگوں کو عمل کی دعوت دینے کی محبت نے خود اسے عمل سے روک دیا اس کے بعد وہ کس چیز کے ذریعے علاج کرے گا اور ڈرانے کی صورت کیا ہو گی۔ کیوں کہ خوف ان آیات کے ذریعے دلانا تھا جو اس نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو سنائیں اور ان کے دلوں میں خوف پیدا ہوا لیکن اسے خوف نہیں آیا۔

ہاں اگر اس کا گمان ہو کہ وہ بھی ان صفاتِ محمودہ سے متصف ہے تو ممکن ہے کہ اسے اپنے نفس کے امتحان کا طریقہ بتایا جائے مثلاً اسے محبتِ خداوندی کا دعویٰ ہے تو اس نے اس محبت کی خاطر کونسی محبوب چیز ترک کی ہے وہ

خوف کا دعویٰ کرتا ہے تو اس خوف کے باعث کن کاموں سے باز رہا وہ زہد کا دعویٰ کرتا ہے تو طاقت کے باوجود اس نے کس بات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر چھوڑا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اُنس کا مدعی ہے لیکن کب اسے خلوت پسند آئی ہے اور کب اس نے مخلوق کو دیکھنے سے وحشت محسوس کی۔

نہیں بلکہ وہ اپنے دل کو دیکھتا ہے کہ جب مریدین سامنے ہوں تو اس کا دل حلاوت سے بھر جاتا ہے اور جب تنہا ہو تو اسے وحشت ہوتی ہے تو کیا تم نے کوئی محب دیکھا ہے جس کو اپنے محبوب سے وحشت ہوتی ہو اور دوسروں سے راحت حاصل ہو۔

تو عقل مند لوگ اس طرح ان صفات کے ساتھ اپنے نفسوں کا امتحان لیتے ہیں اور حقیقتاً ان صفات کے طالب ہوئے ہیں وہ ظاہری بناوٹ پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ سے پکا وعدہ کرتے ہیں جب کہ دھوکے کا شکار لوگ اپنے بارے میں طرح طرح کے خیالات کا شکار ہوتے ہیں اور جب قیامت کے دن پردہ اٹھے گا تو وہ ذلیل و رسوا ہوں گے بلکہ ان کو جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا تو ان کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے گرد یوں چکر کاٹیں گے جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے) کیونکہ وہ لوگ نیکی کا حکم دیتے ہیں لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے برائی سے روکتے ہیں لیکن اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔

یہ لوگ اس لیے مغالطے کا شکار ہوتے ہیں کہ جب یہ اپنے دلوں میں ان معانی کے اصول سے معمولی سی بات پاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ڈرنا نیز اس کے فعل پر راضی رہنا ہے پھر وہ ان معانی کے سلسلے میں بلند منازل کے بیان پر قادر ہوتے ہیں تو ان کا خیال ہوتا ہے کہ ان کا ان اوصاف کے بیان پر قادر ہونا نیز ان کو جو علم حاصل ہوا نیز ان کے کلام سے لوگوں کو نفع حاصل ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود ان اوصاف سے موصوف ہیں انہوں نے یہ سمجھا کہ ماننا کلام سے ہوتا ہے کلام معرفت کے لیے ہوتا ہے اور زبان پر ان کا جاری ہونا اور ان کی معرفت علم کے لیے ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ بولنے والا ان اوصاف سے موصوف بھی ہو تو عام مسلمان اور اس عالم میں کیا فرق ہوا کہ وہ بھی محبت اور خوف سے موصوف نہیں اور یہ بھی بس فرق اتنا ہے کہ یہ بیان کرنے پر قادر ہے بلکہ اس کا بے خوف ہونا زیادہ اور خوف کم ہوتا ہے کم مخلوق کی طرف اس کا میلان ظاہر ہوتا ہے اور اس کے دل میں محبت خداوندی کمزور ہو گئی ہے یہ شخص اس مریض کی مثل ہے جو مرض اور اس کا علاج نیز صحت اور شفاء نہایت فصاحت سے بیان کرتا ہے جب کہ دوسرے مریض صحت اور شفاء سے متعلق کچھ بھی بیان نہیں کر سکتے نہ اس کے اسباب، درجات اور اقسام بیان کرنے پر قادر ہیں تو بیماری کے حوالے سے یہ بھی دوسرے مریضوں کی طرح ہے البتہ طب کے علم اور اس کے بیان کے اعتبار سے یہ دوسروں سے ممتاز ہے اب بیماری وغیرہ کے علم سے یہ گمان کرنا کہ وہ تندرست ہے، نہایت درجہ کی جہالت ہے۔

اسی طرح خوف، محبت، توکل، زہد اور باقی صفات کا علم ہو لیکن ان حقائق سے موصوف نہ ہو تو وہ بھی دھوکے میں ہے جو شخص ان حقائق کے بیان اور ان سے موصوف ہونے کے درمیان فرق نہ کر سکے وہ دھوکے میں ہے تو ان واعظین کی یہی حالت ہے جن کے کلام میں کوئی عیب نہیں بلکہ ان کا منہاجِ وعظ وہی ہے جو قرآن و حدیث کا منہاج ہے نیز حضرت حسن بصری اور ان جیسے دوسرے بزرگوں (رحمہم اللہ) کا طریقہ ہے۔

ایک دوسرا گروہ وہ ہے جو وعظ کے سلسلے میں ضروری طریقے سے ہٹ چکا ہے وہ آج کے دور کے تمام واعظین ہیں البتہ جن کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور وہ نادر ہیں اگرچہ موجود ہیں ہم ان سے واقف نہیں ہیں آج کے عام واعظین کا طریقہ یہ ہے وہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں جو شریعت اور عقل کے قانون سے خارج ہیں اور نہایت بے سر و پا ہیں ایک گروہ نکتہ سنجی اور مسجع الفاظ میں مشغول ہو گیا وہ مسجع کلام اور وصال و فراق کے اشعار کو مقصود بنائے بیٹھے ہیں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کی مجلس میں چیخ و پکار اور وجد زیادہ ہو اگرچہ فاسد اغراض کی بنیاد پر ہو یہ انسانی شیطان ہیں خود بھی راہ راست سے بھٹک گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

پہلے لوگ اگرچہ اپنی اصلاح نہیں کرتے تھے لیکن دوسروں کی اصلاح تو کرتے تھے ان کا وعظ اور کلام درست ہوتا تھا لیکن یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور لفظ رجا (امید) کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکے میں ڈالتے ہیں لہٰذا ان کی گفتگو گناہوں پر جرأت اور دنیا کی رغبت پیدا کرتی ہے خصوصاً جب واعظ نے عمدہ کپڑے پہن رکھے ہوں، اور سواری وغیرہ سے آراستہ ہو اس کی حالت سر کی چوٹی سے پاؤں تک اس بات کی گواہی دیتی ہو کہ وہ دنیا کی حرص رکھتا ہے تو اس شخص کا دھوکہ اصلاح کی نسبت خرابی زیادہ پیدا کرتا ہے بلکہ وہ تو اصلاح بالکل ہی نہیں کرتا اور بہت سی مخلوق کو گمراہ کرتا ہے اس کے مغرور ہونے کی وجہ پوشیدہ نہیں ہے۔

ایک دوسرا گروہ وہ ہے جو دنیا کی مذمت کے سلسلے میں زاہدین کا کلام یاد کرنے پر اکتفا کرتے ہیں وہ کلمات کو اچھی طرح یاد کر کے اسی طرح بیان کرتے ہیں اور ان کے معانی جاننے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ بعض تو منبر پر یہ کام کرتے ہیں بعض محراب میں بیان کرتے ہیں اور کچھ حضرات بازار میں اپنے ہم مجلس لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرتا ہے کہ چونکہ ہمیں زاہدین کا یہ کلام یاد ہے اور اس اعتبار سے ہم میں اور بازاری اور لشکری میں امتیاز قائم ہو گیا ہے تو ہمیں کامیابی حاصل ہو گئی ہماری غرض پوری ہو گئی اور ہماری بخشش بھی ہو گئی۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہو گئے حالانکہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو گناہوں سے نہیں بچاتے وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ دیندار لوگوں کا کلام یاد کرنا ہی کافی ہے پہلے لوگوں کی نسبت ان کا غرور زیادہ ظاہر ہے۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جو علم حدیث کی سماعت، روایات کو جمع کرنے نیز عمدہ اور اعلیٰ اسناد کی طلب میں اپنا تمام وقت صرف کرتا ہے لیکن وہ لوگ صرف اسی قدر کرتے ہیں کہ شہروں میں پھرتے ہیں اور شیوخ حدیث کو دیکھتے ہیں تاکہ یہ

کہہ سکیں کہ میں فلاں سے روایت کرتا ہوں میں نے فلاں محدث کو دیکھا ہے میرے پاس وہ اسناد ہیں جو کسی دوسرے کے پاس نہیں ہیں یہ لوگ کئی وجہ سے دھوکے کا شکار ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ کتابیں اٹھائے پھرنے والوں کی طرح ہیں جو سنت کے معانی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے لہذا ان کا علم نامکمل ہے اور یہ محض ناقل ہیں اور ان کے خیال میں ان کے لیے اتنا کچھ ہی کافی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ معانی نہیں سمجھتے تو ان روایات پر عمل بھی نہیں کرتے اور بعض معانی کا مفہوم سمجھتے ہیں تو اس پر بھی عمل نہیں کرتے۔

ان کے دھوکے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس علم کو چھوڑ دیتے ہیں جو فرضِ عین ہے اور دل کے علاج کی معرفت ہے وہ کثرتِ اسناد میں مشغول ہوتے ہیں حالانکہ ان کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

ان کے دھوکے کی چوتھی وجہ یہ ہے اور یہ وہ وجہ ہے جس میں موجودہ دور (حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے دور) کے لوگ جھکے ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث شریف سننے کی جو شرط ہے اس پابندی نہیں کرتے کیونکہ سننے سے اور کوئی فائدہ حاصل نہ بھی ہو اثباتِ حدیث تک پہنچنے کے لیے یہ اہم ہے۔ کیوں کہ سمجھنا نبوت کے بعد اور عمل سمجھنے کے بعد ہوتا ہے تو پہلے سماع ہوتا ہے پھر اس حدیث کا سمجھنا، اس کے بعد یاد کرنا، بعدازاں عمل کرنا اور پھر دوسروں تک پہنچانا اور ان لوگوں نے صرف سننے پر قناعت کی اور حقیقتِ سماع کو بھی ترک کر دیا۔

مثلاً کوئی لڑکا شیخ کی مجلس میں جاتا ہے اور حدیث شریف پڑھی جا رہی ہے شیخ سوئے ہوئے ہیں اور لڑکا کھیل رہا ہے پھر اس بچے کا نام سننے والوں میں لکھا جاتا ہے جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اس بات کے درپے ہوتا ہے کہ کوئی آئے اور مجھ سے حدیث سنے اور بالغ آدمی حاضر ہوتا ہے تو کبھی غافل ہوتا ہے اور سنتا نہیں نہ ادھر توجہ کرتا ہے اور نہ اسے یاد رکھتا ہے وہ باتوں میں یا لکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور جو شیخ اس کے سامنے حدیث پڑھ رہا ہے اگر وہ اس میں کچھ تبدیلی کر دے تو اسے اس کا شعور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی معرفت ہوتی ہے تو یہ سب کچھ جہالت اور دھوکہ ہے کیوں کہ حدیث شریف میں اصل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے اور اسے جیسا سنا ہے یاد کر لے اور پھر جیسا یاد کیا ہے اسی طرح روایت کر دے تو یہ روایت حفظ اور یاد سے اور حفظ، سماع سے ہوگا اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سن سکے تو صحابہ کرام یا تابعین سے سنے اور ان سے سنتے وقت یوں سمجھے کہ جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہا ہے یعنی خوب کان لگا کر سنے، اور یاد کرے اسی طرح آگے روایت کر دے اور یاد بھی اسی طرح کرے جس طرح سنا تھا اس میں ایک حرف کی تبدیلی بھی نہ ہو، اور اگر کوئی شخص اس میں ایک لفظ بھی بدلے یا غلطی کرے تو تمہیں معلوم ہو جائے۔

حدیث یاد کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ دل ہی میں یاد کرے اور بار بار اس کا ذکر اور تکرار کرے جیسا کہ دوسرے معاملات سے متعلق باتیں سننے کے بعد یاد ہو جاتی ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سنتے ہی اسے لکھ لے اور درست لکھ کر اسے

محفوظ رکھنے تاکہ اس تک کسی دوسرے کا ہاتھ نہ پہنچے یہ حفاظت اپنے پاس رکھنے سے ہو یا اپنی تحویل میں ہو کیوں کہ اگر اس تک کسی دوسرے کا ہاتھ پہنچ گیا تو وہ اسے بدل ڈالے گا اور جب تم نے اسے یاد نہیں کیا ہو گا تو اس کی تبدیلی سے آگاہ نہیں ہو سکو گے لہذا دل میں یا کتاب میں محفوظ ہو یہ کتاب اس بات کی یاد دلائے گی جو تم نے سنی ہے اور وہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہے گی اور اگر تم دل کے ذریعے یا لکھنے کے طریقے پر اس کو محفوظ نہیں کرو گے اور تمہارے کان میں غفلت سے بھرپور آواز آئے گی اور تم مجلس سے جدا ہو جاؤ گے، پھر استاذ کی کتاب پر نگاہ پڑے گی اور ہو سکتا ہے اس میں کچھ تبدیلی ہو چکی ہو یا تمہاری سنی ہوئی روایت اور اس میں فرق ہو تو تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے یہ کتاب سنی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے تم نے وہ نہ سنی ہو بلکہ ہو سکتا ہے تم نے اس کے خلاف سنا ہو اگرچہ ایک کلمہ میں ہی اختلاف ہو تو جب تک تم دل سے یاد نہیں رکھو گے اور نہ ہی صحیح نسخہ کے ذریعے یاد کرو گے کہ اس پر یقین کر کے دونوں میں تقابل کر سکو تو تمہیں کیسے معلوم ہو گا کہ تم نے یہی کتاب سنی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۔ (۱) اور اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اور ہمارے زمانے میں وہ تمام شیوخ جو کہتے ہیں کہ جو کچھ اس کتاب میں ہے ہم نے (اپنے استاذ سے) سنا اگر یہ مذکورہ بالا شرائط نہ پائی جائیں تو یہ واضح جھوٹ ہے اور سماع کی کم از کم شرط یہ ہے کہ تمام کتاب کی سماعت ہو اور کچھ نہ کچھ یاد ہو کہ اگر اس میں کوئی تبدیلی ہو تو اس معلوم ہو سکے۔ اگر بچے، غافل، سوئے ہوئے یا کسی دوسرے لکھنے والے کا سنا ہوا لکھنا جائز ہوتا تو مجنون، اور شیر خوار بچے کا سننا بھی لکھنا جائز ہوتا پھر جب بچہ بالغ ہو جاتا اور پاگل ٹھیک ہو جاتا تو اس سے سماعت کی جاتی اس بات کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں اور اگر یہ جائز ہوتا تو یہ بھی جائز ہوتا کہ جو بچہ پیٹ میں ہے اس کا سماع بھی لکھا جائز ہوتا پس اگر شیر خوار بچے کا سماع لکھنا صحیح نہیں کیونکہ وہ یاد نہیں کر سکتا اور نہ ہی سمجھ سکتا ہے تو وہ بچہ جو کھیل رہا ہے اور وہ جو غافل ہے اسی طرح جو سماع کی بجائے لکھنے میں مشغول ہے وہ نہ سمجھتا ہے اور نہ یاد کر سکتا ہے۔

اگر کوئی جاہل جرأت کر کے یوں کہے کہ شیر خوار بچے کا سماع لکھنا جائز ہے تو چاہیے کہ پیٹ کے بچے کا سننا بھی لکھا جا سکے اور اگر وہ ان دونوں میں فرق کرے کہ پیٹ کا بچہ آواز نہیں سنتا اور یہ آواز سن رہا ہے تو اسے یہ بات نفع نہیں دے گی کیونکہ وہ حدیث نقل کرے گا آواز نہیں۔ تو ایسے شخص کو یوں کہنا چاہیے کہ بچپن میں، میں ایسی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا جس میں حدیث روایت کی جاتی تھی لیکن میں نے بالغ ہونے کے بعد سنا، بچپن میں میرے کانوں میں آواز آتی تھی لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ کیا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۳۶

تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس طرح کی روایت صحیح نہیں اور جو اس سے بھی بڑھ کر ہو وہ تو واضح جھوٹ ہے اگر کسی ترکی کی سماعت صحیح ہوتی جو عربی نہیں جانتا اور غفلت کے طور پہ سنتا ہے تو شیر خوار بچے کا سماع بھی جائز ہوتا اور یہ انتہائی درجہ کی جہالت ہے تو یہ بات کہاں سے لی گئی اور سماع تو صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا ہوتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَاءً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا فَاَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میرا کلام سنا پس اسے یاد رکھا اور جیسا سنا اسی طرح آگے پہنچا دیا۔

تو جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اس نے کیا سنا ہے وہ اسے آگے کس طرح پہنچائے گا۔

تو یہ دھوکے کی سب سے بڑی صورت ہے اور اس زمانے کے لوگ اس میں مبتلا ہیں اگر اس زمانے کے لوگ احتیاط برتیں تو ان کو ایسے ہی شیوخ ملیں گے جنہوں نے اسے بچپن کے زمانے میں غفلت کے ساتھ سنا۔ لیکن چونکہ محدثین کا ایک مقام ہے اور لوگ ان کی بات قبول کرتے ہیں لہٰذا وہ بیچارے یہ شرط لگانے سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ اس طرح ان کا حلقہ کم ہو جائے گا اور عزت و مرتبہ میں کمی آئے گی نیز ان کی وہ روایات جو اس شرط سے سنی گئی ہیں ان کی تعداد بھی کم ہو گی بلکہ بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں ہو گی اور وہ ذلیل ہوں گے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ شرط صرف یہی ہے کہ کانوں سے سنے اگرچہ اس کا مفہوم نہ سمجھے اور سماع حدیث کی صحت محدثین کے قول سے معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ اس علم کا ان سے تعلق نہیں ہے بلکہ یہ اصول فقہ کے علماء کا کام ہے اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اصول کے قوانین میں قطعی بات ہے۔

غرض یہ کہ وہ لوگ مغالطے میں ہیں اور اگر وہ ان شرائط کے مطابق سنیں تو بھی صرف نقل کرنے پر اکتفا کرنے کی صورت میں دھوکے کا شکار ہوتے ہیں وہ اپنی تمام زندگی روایات اور اسناد جمع کرنے میں خرچ کر دیتے ہیں اور دین کے اہم امور سے اعراض کرتے ہیں اور روایات کے معانی کی معرفت بھی حاصل نہیں کرتے بلکہ جو شخص حدیث شریف سے آخرت کی راہ پر چلنا چاہے اس کے لیے تو ایک حدیث بھی کافی ہے جیسا کہ بعض شیوخ سے مروی ہے کہ وہ سماع حدیث کی مجلس میں حاضر ہوئے تو پہلی حدیث جو روایت کی گئی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی تھا۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔ (۲)

انسان کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ بے مقصد بات کو چھوڑ دے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۸۲ مرویات جبیر بن مطعم

(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۸ کتاب الادب

(یہ سن کر) وہ بزرگ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا مجھے یہ حدیث کافی ہے میں اس سے فارغ ہوں گا تو دوسری حدیث سنوں گا — تو عقلمند لوگ جو دھوکے اور غرور سے بچتے ہیں ان کا حدیث سننا اس طرح کا ہوتا ہے۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جو علم نحو لغت اور شعر گوئی وغیرہ میں مشغول رہتا ہے وہ بھی دھوکے میں ہیں اور ان کا خیال ہے کہ صرف اسی وجہ سے وہ بخش دیئے جائیں گے اور وہ امت میں علماء ہیں کیوں کہ دین کتاب وسنت سے قائم ہے اور کتاب وسنت کا بقا لغت اور نحو کے علم سے ہے لہذا یہ لوگ اپنی تمام زندگی نحوی باریکیوں فن شعر اور لغت کے غرائب میں گزار دیتے ہیں ان کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص تمام زندگی خوش خطی سیکھنے اور حروف کی تحسین میں صرف کر دے اور یہ خیال کرے کہ علوم کی حفاظت لکھنے سے ہی ہوتی ہے لہذا کتابت سیکھنا ضروری ہے اگر وہ عقل سے کام لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ صرف لکھائی کا طریقہ سیکھنا کافی ہے کہ وہ پڑھا جا سکے باقی زائد از ضرورت ہے اسی طرح اگر ادیب عقل استعمال کرتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ عربی لغت، ترکی لغت کی طرح ہے اور جو شخص عربی لغت میں عمر ضائع کر دیتا ہے وہ اس کی طرح ہے جو ترکی اور ہندی لغت کی پہچان حاصل کرنے میں عمر خرچ کرتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ عربی لغت میں شریعت آئی ہے لہذا عربوں کی لغت سے صرف اتنا سیکھنا کافی ہے جو کتاب وسنت میں ہے اور نحو سے بھی اسی قدر کافی ہے جو کتاب وسنت سے متعلق ہے۔

جہاں تک ان علوم کی گہرائی تک جانے کا تعلق ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے تو وہ فضول اور غیر ضروری ہے — پھر اگر وہ اسی پر اکتفا کرے اور شریعت کے معانی کی معرفت اور اس پر عمل سے اعراض کرے تو وہ بھی دھوکے میں ہے اس کی مثال اس جیسی ہے جو زندگی بھر قرآن پاک کے حروف کے مخارج درست کرنے میں لگا رہتا ہے اور صرف اسی بات پر اکتفا کرتا ہے تو یہ بھی دھوکے میں ہے کیوں کہ مقصود تو حروف کے معانی ہیں حروف تو محض آلات ہیں۔

جس شخص کو سکنجبین پینے کی ضرورت ہو تاکہ اس کے ذریعے صفرا دور ہو اور وہ اس پیالے کو سنوارنے میں وقت ضائع کر دیتا ہے جس میں وہ سکنجبین پی رہا ہے تو یہ شخص جاہلوں اور دھوکے کے شکار لوگوں میں سے ہے اسی طرح نحو، لغت، ادب کئی قراتیں، مخارج حروف کی باریکیاں جب کہ ان میں غور و فکر کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر دے اور جس قدر علوم کا حاصل کرنا فرض ہے اس سے زیادہ اس کی طرف مائل ہو تو یہ بھی دھوکہ اور غرور ہے کیوں کہ اصل مغز تو عمل ہے اور عمل کی معرفت اس کے اوپر ہے اور یہ عمل کے مقابلے میں چھلکے کی طرح ہے اور اپنے سے اوپر والے کے لیے مغز ہے اس سے اوپر الفاظ کو سننا اور بطور روایت ان کو یاد رکھنا ہے اور وہ معرفت کے مقابلے میں چھلکا ہے لیکن اپنے سے اوپر والی باتوں کے لیے مغز ہے اور اس سے اوپر لغت اور نحو کا علم ہے اور اس سے اوپر یعنی سب سے اوپر کا چھلکا مخارج حروف کا علم ہے جو لوگ ان درجات پر ہی قناعت کرتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں البتہ جو شخص ان درجات کو سیڑھیاں قرار دیں اور ان پر بقدر ضرورت چڑھیں اور آگے کی طرف بڑھیں حتیٰ کہ عمل کے مغز تک پہنچ

جائیں تو ایسے لوگ اپنے دل اور اعضاء سے واقعی عمل کی حقیقت کے طالب ہیں وہ اپنے نفس کو بھی اسی کام میں لگاتے ہیں اعمال کو درست کرنے اور آفات اور خرابیوں سے ان کو پاک کرتے ہیں تو علوم شرعیہ کا مقصود و مخدوم یہی ہے علوم تو اس کے خادم و وسائل اور چھلکے ہیں نیز عمل کے مقابلے میں سیڑھی کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو شخص مقصد تک نہیں پہنچا وہ نقصان اٹھاتا ہے چاہے منزل قریب میں ہو یا منزل بعید میں۔

چونکہ ان علوم کا تعلق علوم شرعیہ سے ہوتا ہے لہذا ان علوم سے تعلق رکھنے والے لوگ دھوکے میں ہوتے ہیں جو لوگ علم طب، علم حساب اور صنعتوں کا علم رکھتے ہیں نیز جن علوم کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم شرعیہ نہیں ہیں تو وہ اس بات کا عقیدہ نہیں رکھتے کہ وہ ان علوم کے ذریعے بخشے جائیں گے اس لیے ان علوم والوں کو دھوکہ کم ہوتا ہے جب کہ علوم شرعیہ سے تعلق رکھنے والوں کو زیادہ دھوکہ ہوتا ہے کیوں کہ علوم شرعیہ اچھے بھلے ہوتے ہیں جیسے چھلکا مغز کی معیت میں اچھا کہلاتا ہے لیکن ذاتی طور پر محمود تو مغز ہے اور وہی انتہا ہے دوسرا تو اس تک پہنچنے کے لیے ایک وسیلہ ہونے کی وجہ سے قابل تعریف ہے تو جو شخص چھلکے کو مقصود بنالے اور اس کے ذریعے فوقیت حاصل کرے وہ دھوکے میں ہے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جن کو فن فقہ میں بہت بڑا دھوکہ ہے ان کا خیال یہ ہے کہ جو فیصلہ قاضی کے ہاں ہوتا ہے بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وہی ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے حقوق کی ادائیگی نہ کرنے کے سلسلے میں طرح طرح کے حیلے بنا رکھے ہیں اور مبہم الفاظ میں نہایت غلط تاویلیں کرتے ہیں وہ ظاہر نصوص پر فریفتہ ہوئے اور ان میں خطا کے مرتکب ہوئے یہ فتویٰ میں خطا اور اس میں دھوکہ ہے۔ فتاویٰ میں غلطیاں بے شمار ہیں لیکن دانا لوگوں کے علاوہ باقی سب اس کا شکار ہیں ہم چند مثالوں کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر عورت شوہر کو مہر معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا یہ بات غلط ہے بلکہ بعض اوقات خاوند اپنی بیوی سے برا سلوک کرتا ہے حتیٰ کہ بد اخلاقی کے تحت اس پر کئی معاملات میں تنگی کرتا ہے تو وہ جان چھڑانے پر مجبور ہو جاتی ہے اور وہ خاوند سے مہر معاف کر کے اپنی جان چھڑاتی ہے تو یہ خوشی سے معاف کرنا نہیں ہے ارشاد خداوندی ہے:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا۔ (۱)

پس اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے کچھ تمہیں دے دیں تو اسے کھاؤ خوشگوار۔

اور دل کی خوشی، ناراضگی کا غیر ہوتی ہے کیوں کہ بعض اوقات انسان اپنے دل سے ایسی بات کا ارادہ کرتا ہے جسے اس کا دل نہیں چاہتا وہ دل سے نشتر لگوانے (خون نکلوانے) کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس کا دل اس بات کو پسند نہیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ النساء آیت ۴

کر ادل کی خوشی تو یہ ہوتی ہے کہ انسان کسی ضرورت کے بغیر خود معاف کردے حتی کہ جب اسے دو نقصانوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑے تو وہ آسان کو اختیار کرتی ہے (تو یہ مجبوری ہے) یہ تو نفس پر جبر کرنے والی بات ہے۔

ہاں؛ قاضی دنیا میں دلوں اور مقاصد پر مطلع نہیں ہوتا وہ ظاہری طور پر اس کے معاف کرنے کو دیکھتا ہے کہ ظاہر میں وہ معاف کرتے کو ناپسند نہیں کرتی جب کہ باطنی ناپسندیدگی پر مخلوق مطلع نہیں ہو سکتی (جب تک اللہ تعالیٰ مطلع نہ فرمائے) لیکن جب میدانِ قیامت میں سب سے بڑا قاضی، فیصلہ کرے گا تو اس وقت یہ معاف کرنا شمار نہ ہوگا اور نہ ہی فائدہ دے گا۔

اسی لیے کسی دوسرے کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر لینا جائز نہیں پس اگر کوئی شخص کسی مجلس میں دوسرے آدمی سے مال طلب کرے اور وہ لوگوں سے شرم کے مارے دبنے سے انکار نہ کرسکے اور وہ چاہتا ہو کہ اگر یہ سوال مجھ سے علیحدگی میں کیا جاتا تو میں نہ دیتا لیکن وہ لوگوں کی طرف سے مذمت کا خوف رکھتا ہے اور مال دینے کا دکھ بھی خوف دلا رہا ہے اب وہ تردد میں ہوتا تو دو تکلیفوں میں سے آسان کو اختیار کر لیتا ہے یعنی مال دینے سے جو اذیت ہوتی ہے وہ اختیار کر کے مال دے دیتا ہے تو اس صورت میں اور بدمعاشی میں کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ غنڈہ گردی میں آواز کے ذریعے بدن کو تکلیف دینا ہوتی ہے حتی کہ مال خرچ کرنے سے دل کو جو تکلیف ہے یہ اس سے زیادہ ہے تو یہ آسان راہ اختیار کرتا ہے تو حیا اور ریا کے مقام پر مانگنا دل کو لاٹھی کے ساتھ مارنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ دل کو ضرب لگائی جائے یا ظاہری جسم کو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باطن بھی ظاہر ہی ہے۔ جب کہ دنیوی حاکم صرف ظاہری قول کو دیکھ کر حکم لگاتا ہے کہ اس شخص نے کہا میں نے ہبہ کر دیا۔ کیونکہ حاکم دل کی بات سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کی زبانی شرارت یا چغلی وغیرہ سے بچنے کے لیے مال دیتا ہے تو لینے والے کے لیے یہ مال حرام ہے۔

اسی طرح اس طریقے پر لیا ہوا تمام مال حرام ہے کیا تم حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں نہیں دیکھتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش فرمائی تو انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میں اپنے مدمقابل سے کیا معاملہ کروں؟ فرمایا تو اس سے معاف کروا لے اور وہ شخص مر چکا تھا حکم ہوا کہ بیت المقدس کے پتھر میں اس کو پکاریں آپ نے پکارا اے اوریا! اس نے آواز دی اے اللہ کے نبی میں حاضر ہوں آپ نے مجھے جنت سے نکالا اب کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے تجھ سے اچھا سلوک نہ کیا تو مجھے معاف کر دے اس نے کہا اے اللہ کے نبی میں نے معاف کر دیا۔ آپ اس بات پر بھروسہ کر کے واپس ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کیا آپ کو یاد ہے جو کچھ آپ نے اس کے ساتھ کیا؟ آپ نے فرمایا نہیں عرض کیا واپس جا کر اسے بتائیں آپ واپس لوٹے اور اسے آواز دی اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! حاضر ہوں آپ نے فرمایا مجھ سے تیرے حق میں کوتاہی ہوئی ہے اس نے کہا کیا میں نے آپ کو معاف نہیں کر دیا؟ آپ نے فرمایا کیا تو مجھ

سے یہ بات نہیں پوچھا کہ وہ گناہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! وہ کونسا گناہ ہے؟ فرمایا فلاں فلاں، آپ نے ایک عورت کا معاملہ ذکر کیا پھر اس کا جواب نہ آیا آپ نے فرمایا اسے اور یا! کیا تو مجھے جواب نہیں دے گا؟ اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! انبیاء کرام ایسا عمل نہیں کرتے میرا اور آپ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حل ہوگا یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے رونا اور چیخنا شروع کر دیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آخرت میں بخشش دینے کا وعدہ فرمایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کی خوشی کے بغیر ہبہ فائدہ نہیں دیتا۔ اور دل کی خوشی، معرفت کے بعد حاصل ہوتی ہے اسی طرح محض کسی کو بری الذمہ قرار دینا اور ہبہ کر دینا دل کی خوشی کی علامت نہیں ہے جب تک انسان کو کھلی چھٹی نہ دی جائے کہ وہ اپنے اختیار کو استعمال کرے اور اس کے اندر سے ہبہ وغیرہ کا جذبہ پیدا ہو یہ نہیں کہ اسے مجبور کر دیا جاتے اور اب کوئی حیلہ یا الزام اس عمل کا باعث بنے۔

اسی طرح سال کے آخر میں زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرتے ہوئے اپنا مال بیوی کو ہبہ کر دیتا ہے مفتی کے نزدیک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اب اگر وہ چاہتا ہے کہ بادشاہ اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کی طرف سے مطالبہ ختم ہو جائے تو یہ ٹھیک ہے کیوں کہ ان کی نظر ظاہر ملکیت پر ہوتی ہے اور وہ زائل ہو چکی ہے اور اگر اس کا خیال ہو کہ وہ قیامت کے دن بھی محفوظ رہے اور وہ اس آدمی کی طرح ہو جائے جس کے پاس کوئی مال نہیں تھا یا اس شخص کی طرح جو کسی ضرورت کے تحت سودا کرتا ہے اس نیت سے (زکوٰۃ سے بچنے کی نیت سے) نہیں تو ایسا شخص دین کی سمجھ اور زکوٰۃ کے فلسفہ سے جاہل ہے کیونکہ زکوٰۃ کا مقصد تو دل کو بخل کی خرابی سے پاک کرنا ہے کیوں کہ بخل ہلاک کرنے والا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں بخل جس کی بات مانی جائے، خواہش جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کا اپنے آپ پر اترانا (۱)

اور اس صورت میں وہ شخص بخل کی اطاعت کر رہا پہلے ایسا نہ تھا، تو جس بات کو وہ نجات سمجھتا تھا وہ اس کی ہلاکت کا باعث بن گئی اور وہ مال کی حرص میں اس قدر بڑھ گیا کہ حیلے بہانے اختیار کرنا شروع کر دیئے حتیٰ کہ اس نے جہالت اور دھوکے کی وجہ سے بخل کر کے اپنے اوپر نجات کا دروازہ بھی بند کر دیا۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ عام مصالح کا مال فقیہ وغیرہ کے لیے بقدر حاجت جائز ہے لیکن اس سلسلے میں فقہاء دھوکے میں ہیں وہ تمنا، فضول اور خواہشات میں فرق نہیں کرتے بلکہ وہ جس چیز کے ذریعے اپنی رعونت (تکبر) کی تکمیل دیکھتے ہیں اسے ضرورت و حاجت سمجھتے ہیں اور یہ محض دھوکہ ہے بلکہ دنیا اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ عبادت کے لیے بندوں کو اس کی ضرورت ہے نیز آخرت کی طرف سفر کا ذریعہ ہے لہٰذا بندہ عبادت اور دین پر مدد کے حصول کے لیے جو کچھ حاصل کرتا ہے

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۵۴ حدیث ۴۳۸۶۶

وہ اس کی حاجت ہے اور اس کے علاوہ زائد اور خواہش ہے اگر ہم اس سلسلے میں فقہاء کے دھوکے کا بیان شروع کریں اور اس کی مثالیں ذکر کریں تو کئی جلدیں بھر جائیں ہماری غرض تو یہ ہے کہ اس قسم کی مثالوں کے ذریعے خبردار کیا جائے مثالوں کا احاطہ مقصود نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک طویل سلسلہ ہے۔

دوسری قسم:

عبادت اور عمل میں دھوکے کا شکار لوگ

ان میں سے جو لوگ دھوکے کا شکار ہیں ان کے کئی گروہ ہیں بعض کو نماز کے حوالے سے دھوکہ ہے کچھ تلاوتِ قرآن کے باعث دھوکے میں ہیں کئی لوگ حج کی وجہ سے کچھ جہاد اور بعض زہد و تقویٰ کی بنیاد پر دھوکے کا شکار ہیں۔

اسی طرح جو بھی شخص عمل کے کسی راستے پر چلتا ہے وہ دھوکے سے خالی نہیں البتہ عقلمند لوگ محفوظ ہیں اور وہ قلیل ہیں۔

ان میں سے ایک فرقہ وہ ہے جنہوں نے فرائض کو چھوڑ دیا اور فضائل و نوافل میں مشغول ہو گئے اور بعض اوقات وہ فضائل میں اس قدر مستغرق ہوتے ہیں کہ افراط و اسراف تک چلے جاتے ہیں مثلاً ایک شخص پر وضو کے سلسلے میں وسوسہ غالب آتا ہے تو وہ اس میں مبالغہ کرتا ہے اور شریعت نے جس پانی کے پاک ہونے کا فتویٰ دیا ہے اس پر راضی نہیں ہوتا اور نجاست کے احتمالاتِ بعیدہ کو قریب سمجھتا ہے اور بعض اوقات واضح حرام کھاتا ہے اور اگر یہ احتیاط پانی سے کھانے کی طرف جاتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرتوں کے زیادہ مشابہ ہوتی۔

کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے سے وضو فرمایا حالانکہ نجاست کا احتمال ظاہر تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ کئی حلال چیزوں سے صرف اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ حرام میں پڑنے کا خوف پیش نظر تھا۔

پھر ان میں سے کچھ لوگ پانی بہانے میں اسراف کرتے ہیں حالانکہ اس سے منع کیا گیا ہے (۱) اور بعض اوقات تو وضو کرتے کرتے نماز ضائع ہو جاتی ہے اور اس کا وقت نکل جاتا ہے اور اگر وقت باقی رہے پھر بھی وہ دھوکے میں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ پہلے وقت کی فضیلت سے محروم ہو گئی اور اگر یہ بات نہ بھی ہو پھر بھی دھوکہ ہے کیونکہ پانی کے خرچ کرنے میں اسراف کیا گیا اگر پانی میں اسراف نہ بھی ہو تو بھی دھوکہ ہے کیونکہ سب سے قیمتی چیز یعنی وقت کو ایسے کام میں ضائع کیا جس سے بچنے کی گنجائش تھی۔

لیکن شیطان انسان کو نہایت عمدہ طریقے سے اللہ تعالیٰ سے دور رکھتا ہے اور وہ بندوں کو روکنے کے لیے یہی طریقے

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد اوّل ص ۱۹۷ کتاب الطہارت۔

اختیار کر سکتا ہے کہ ان کے خیال میں اس بات کو عبادت قرار دے پس اس طرح وہ ان کو اللہ تعالیٰ سے دور رکھتا ہے۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جن پر نماز کی نیت کے سلسلے میں وسوسہ کا غلبہ ہے پس شیطان ان کے درپے ہوتا ہے حتیٰ کہ اسے صحیح نیت کی مہلت بھی نہیں دیتا بلکہ اسے تشویش میں ڈالے رکھتا ہے حتیٰ کہ اس سے جماعت رہ جاتی ہے اور نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور اگر نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہہ بھی دے پھر بھی اس کے دل میں صحیح نیت کے حوالے سے تردد رہتا ہے اور بعض اوقات ان کو تکبیر کے بارے میں وسوسہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ شدید احتیاط کی وجہ سے تکبیر کا صیغہ ہی بدل دیتے ہیں وہ نماز کے شروع میں اس طرح کرتے ہیں پھر وہ پوری نماز میں غافل رہتے ہیں اور ان کے دل حاضر نہیں ہوتے اور یوں وہ مغالطے میں رہتے ہیں ان کا خیال ہوتا ہے کہ جب وہ نماز کے آغاز میں تصحیح نیت میں مشقت برداشت کریں گے اور اس محنت اور احتیاط کے ذریعے وہ عام لوگوں سے ممتاز ہوں گے تو وہ اپنے رب کے ہاں بہتر مقام حاصل کریں گے ایک دوسرے گروہ پر سورۂ فاتحہ اور باقی اذکار کے حروف کی ادائیگی کے سلسلے میں وسوسہ غالب ہوتا ہے وہ شدّوں، ضاد اور ظاء میں فرق کرنے اور مخارج حروف کی تصحیح کو پوری نماز میں پیش نظر رکھتے ہیں کسی دوسری طرف توجہ نہیں ہوتی اور اس کے سوا کسی بات پر غور نہیں کرتے قرآن پاک کے معانی اور اس سے نصیحت حاصل کرنے اور اس کے اسرار کی طرف فہم کو متوجہ کرنے سے غافل رہتے ہیں اور یہ مغالطے کی سب سے بڑی قسم ہے کیونکہ تلاوت قرآن کے سلسلے میں مخلوق کو مخارج حروف کی تحقیق کا صرف اسی قدر مکلف بنایا گیا ہے جس قدر وہ روزمرہ کی گفتگو میں کرتے ہیں۔

ان لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے جسے بادشاہ کی مجلس میں پیش کرتے اور لفظ بلفظ سنانے کے لیے ایک پیغام دیا گیا اب وہ پیغام پہنچاتا ہے اور مخارج حروف کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے الفاظ بار بار دھراتا ہے لیکن یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے وہ پیغام کے مقصود سے غافل رہتا ہے حرمتِ مجلس کی رعایت بھی نہیں کرتا ایسا شخص اس لائق ہے کہ اسے تادیب اور سرزنش کی جائے پاگل خانے میں بھیجا جائے اور عقل سے خالی قرار دیا جائے۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جو قرآن پاک کی قرأت سے دھوکے میں پڑتے ہیں وہ اسے گھاس کی طرح کاٹتے چلے جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایک دن رات میں مکمل طور پر ختم کر لیتے ہیں ان میں سے ایک کی زبان پر قرآن پاک کی تلاوت جاری ہوتی ہے جب کہ اس کا دل آرزوؤں کی وادیوں میں بھٹک رہا ہوتا ہے کیونکہ وہ قرآن پاک کے معانی میں غور نہیں کرتا کہ اس کے زجر و توبیخ اور وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھائے اور اس کے اوامر و نواہی پر توقف کرے مضامینِ عبرت سے عبرت حاصل کرے اس کے علاوہ وہ تمام باتیں جو ہم نے تلاوت قرآن کے بیان میں مقاصدِ تلاوت کے حوالے سے لکھی ہیں، تو ایسا آدمی دھوکے میں ہے اس کا خیال یہ ہے کہ قرآن پاک کا نزول صرف اس لیے ہوا کہ سینے میں دھوکے میں ہے اس کا خیال یہ ہے کہ قرآن پاک کا نزول صرف اس لیے ہوا کہ سینے میں اس کی موٹی آواز اٹھتی رہے چاہے معانی سے

غفلت ہو اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کے مولا اور مالک نے اسے ایک خط لکھا اور اس میں اس نے اشارہ کیا کہ فلاں کام کرنا اور فلاں نہ کرنا اب وہ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتا بلکہ اس کے یاد کرنے تک محدود ہو جاتا ہے تو وہ اپنے مالک کے حکم کی خلاف کر رہا ہے وہ روزانہ اس خط کو اچھی آواز کے ساتھ سو مرتبہ پڑھتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ہے اور جب اس کا خیال یہ ہو کہ اس خط کا مقصود یہی ہے تو وہ دھوکے میں ہے۔

ہاں تلاوت کا مقصد یہ ہوتا کہ بھول نہ جائے اور اس کا حفظ معانی کے لیے ہوتا ہے اور معانی کا حصول عمل کرنے اور ان معانی سے نفع حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ خوش آواز ہوتا ہے چنانچہ وہ اسے پڑھ کر لطف اندوز ہوتا ہے اور اسی لذت سے دھوکہ کھاتا ہے کیونکہ اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے مناجات اور اس کا کلام سننے کی لذت ہے حالانکہ یہ تو اس کی آواز کی لذت ہے اگر وہ اشعار یا کوئی دوسرا کلام بھی اسی درد اور خوش آوازی سے پڑھے تو یہی لذت حاصل ہوگی لہٰذا یہ شخص دھوکے میں ہے کیونکہ اس نے اپنے دل کے بارے میں غور و فکر نہیں کیا کہ اسے معلوم ہوتا کہ یہ لذت قرآن پاک کے معانی اور حسن ترتیب کی وجہ سے ہے یا آواز کی لذت ہے۔

ایک دوسرا گروہ روزے کی وجہ سے دھوکے میں ہے وہ بعض اوقات مسلسل روزے رکھتے ہیں یا متبرک دنوں میں روزے رکھتے ہیں لیکن ان دنوں میں اپنی زبان کو غیبت سے دل کو ریا سے اور افطاری کے وقت اپنے پیٹ کو حرام کھانے سے نہیں بچاتے وہ دن بھر فضول اور بیہودہ گفتگو میں مصروف رہتے ہیں اس کے باوجود ان لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں اور وہ اچھے لوگ ہیں وہ فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں مصروف رہتے ہیں اور پھر ان کے حقوق کا خیال بھی نہیں رکھتے اور یہ انتہائی درجہ کا غرور ہے۔

ایک دوسری جماعت حج کے معاملے میں دھوکے کا شکار ہے وہ حج کے لیے جاتے ہیں لیکن لوگوں کے حقوق اور قرض کی ادائیگی نہیں کرتے نہ اپنے والدین کی رضامندی سے جاتے ہیں اور نہ حلال زاد راہ لے جاتے ہیں اور یہ کام بھی اس وقت کرتے ہیں جب وہ فرض حج ادا کر چکے ہوتے ہیں وہ لوگ راستے میں نماز اور فرائض کو ضائع کرتے ہیں کپڑوں اور بدن کی طہارت سے عاجز ہوتے ہیں اور ظالم کی طرح لوگوں سے زبردستی رقم وصول کرتے ہیں یہ لوگ راستے میں بے حیائی کی گفتگو اور جھگڑے سے نہیں بچتے۔ بعض اوقات ان میں کوئی ایک حرام مال جمع کر کے راستے میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے اور اس کا مقصد دکھانا اور شہرت ہوتی ہے اس طرح وہ پہلے حرام کمائی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر ریاکاری کے ذریعے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے نہ تو وہ حلال مال حاصل کرتا ہے اور نہ اس کے صحیح مقام پر خرچ کرتا ہے۔ پھر جب لوگ گھر آتے ہیں تو ان کے دل برے اخلاق اور قابل مذمت باتوں سے آلودہ ہوتے ہیں وہ حج کے ذریعے ان کو پاک نہیں کرتے اور اس کے باوجود ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے بھلائی کے ساتھ ہیں حالانکہ وہ دھوکے میں ہیں۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو لوگوں کا احتساب کرتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری اٹھاتا ہے وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے لیکن اپنے آپ کو بھول جاتا ہے جب کسی کو نیکی کا حکم دیتا ہے تو سختی کرتے ہوئے اور اپنے لیے مقام عزت حاصل کرنے کی خاطر کہتا ہے اور جب خود برائی کرے اور اس پر کوئی اعتراض کرے تو اسے غصہ آتا ہے اور کہتا ہے محتسب تو میں ہوں تم مجھ پر کیسے اعتراض کر سکتے ہو۔

ان میں سے بعض لوگوں کا طریقہ ہے کہ لوگوں کو مسجد میں بلاتے ہیں اور جو دیر سے آئے اسے سخت سست کہتے ہیں مقصد ریا اور چودھراہٹ قائم کرنا ہوتا ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص مسجد کی خدمت کرنے لگے تو یہ ناراض ہوتا ہے بلکہ ان لوگوں میں سے بعض اذان دیتے ہیں اور ان کا خیال ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اذان دے رہے ہیں اور اگر کبھی ان کی عدم موجودگی میں کوئی دوسرا شخص اذان دے تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور وہ کہتا ہے تم نے میرا حق کیوں چھینا اور میرے مرتبے میں مداخلت کیوں کی اسی طرح بعض اوقات وہ مسجد کا امام بنتا ہے اور اپنے آپ کو بھلائی پر سمجھتا ہے حالانکہ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اسے مسجد کا امام کہا جائے اب اگر کوئی دوسرا شخص آگے بڑھے اگرچہ وہ اس سے زیادہ متقی اور بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو تو اسے یہ بات گراں گزرتی ہے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ میں رہائش اختیار کرتے ہیں اور وہ اس وجہ سے فخر کرتے ہیں لیکن اپنے دلوں کی نگرانی اور خیال نہیں رکھتے اپنے ظاہر اور باطن کو پاک نہیں کرتے ان کے دل ان کے اپنے ممالک اور شہروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس بات کے منتظر ہوتے ہیں کہ کوئی شخص کہے فلاں آدمی مکہ مکرمہ میں رہتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسا شخص خود ہی کہتا ہے کہ میں اتنے سالوں سے مکہ مکرمہ میں رہا ہوں اور جب سنتا ہے کہ اس طرح کہنا مناسب نہیں تو صریح الفاظ میں کہنا چھوڑ دیتا ہے لیکن اس کا دل چاہتا ہے کہ لوگوں میں اس کی پہچان اسی حوالے سے ہو۔

پھر وہ تجاوز کرتا ہے اور اپنی لالچ کی آنکھیں لوگوں کے مالوں کی میل کی طرف بڑھاتا ہے اور جب اس کے پاس کچھ مال جمع ہو جاتا ہے تو بخل کرتا ہے اور اسے روک رکھتا ہے اور کسی فقیر کو ایک لقمہ بھی صدقہ کے طور پر دینا نہیں چاہتا تو اس میں ریا، بخل اور طمع ظاہر ہوتی ہے اگر وہ مکہ مکرمہ میں نہ ہوتا تو یہ تمام ہلاکت خیز امور اس سے دور رہتے لیکن ثناء پسندی کی محبت اور یہ کہ کہا جائے کہ یہ مکہ مکرمہ میں رہنے والا ہے ان خرابیوں سے آلودہ ہونے کے باوجود وہاں رہنے پر مجبور کرتی ہے تو یہ شخص بھی دھوکے میں ہے تو ہر عمل اور ہر عبادت میں بے شمار آفات ہیں تو جو شخص ان آفات کے راستوں سے واقف نہ ہو اور ان پر اعتماد کرتا ہو وہ دھوکے میں ہے اس کی تشریح اس کتاب (احیاء العلوم) کے تمام ابواب پڑھے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی نماز کے بیان سے نماز میں دھوکے کے داخل ہونے کے راستے معلوم ہوں گے، حج کا بیان پڑھنے سے اس میں پائے جانے والے دھوکے کے راستوں کا پتہ چلتا ہے زکوٰۃ، تلاوت قرآن پاک اور تمام عبادات کے سلسلے میں جو ہم نے ترتیب دی ہے ان عبادات میں پائے جانے والے غرور کا علم حاصل ہوتا اس وقت ہماری غرض ان بیانات کی طرف ایک اجمالی

اشارہ کرتا ہے۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جس نے مال سے بے رغبتی اختیار کر رکھی ہے وہ ادنیٰ قسم کے لباس اور کھانے پر قناعت کرتا ہے مساجد میں ٹھہرتا ہے ان لوگوں کا خیال ہے کہ انہوں نے زاہدین کا رتبہ حاصل کر لیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ جاہ و مرتبہ کی رغبت رکھتے ہیں اور یہ رغبت یا تو علم کے ذریعے ہوتی ہے یا اس کا سبب وعظ و نصیحت یا محض زہد ہوتا ہے تو ان لوگوں نے آسان کام کر چھوڑ دیا اور دو ہلاکت خیز کاموں میں سے بڑی ہلاکت والے کو اختیار کر لیا کیونکہ مال کی نسبت جاہ و مرتبہ زیادہ مہلک ہے اگر وہ جاہ و مرتبہ ترک کر دیتے اور مال حاصل کرتے تو سلامتی کے زیادہ قریب ہوتے۔ لہٰذا یہ بھی ایک دھوکہ ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے آپ کو زاہدین میں شمار کرتے ہیں حالاں کہ ان کو دنیا کا مفہوم معلوم نہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اس کی انتہا مقام و مرتبہ کی خواہش ہے اور اس میں رغبت رکھنے والا لازماً منافق حاسد، متکبر اور ریاکار ہوتا ہے اور وہ تمام بری عادات سے متصف ہوتا ہے ہاں کبھی وہ ظاہری جاہ و جلال کو چھوڑ کر علیحدگی اور گوشہ نشینی کو ترجیح دیتا ہے لیکن اس صورت میں بھی وہ مغالطے کا شکار ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس طرح وہ مالدار لوگوں پر تکبر کرتا ہے ان سے سخت لہجے میں گفتگو کرتا اور انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے ان کے مقابلے میں اپنے لئے زیادہ امید رکھتا ہے اور اپنے عمل پر اتراتا ہے وہ تمام قلبی خباثتوں سے ملوث ہوتا ہے لیکن اسے پتہ نہیں چلتا بعض اوقات اسے مال دیا جاتا ہے لیکن وہ اس خوف نہیں لیتا کہ کہا جائے گا اس کا زہد باطل ہو گیا ہے۔

اور اگر اسے کہا جائے کہ یہ حلال ہے ظاہر میں لے لو تنہائی میں واپس لوٹا دینا تو اس کا یہ نفس پر شاق ہوتا ہے کیونکہ اسے لوگوں کی طرف سے مذمت کا ڈر ہوتا ہے وہ اس بات کا خواہشمند ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور یہ تمام دنیوی لذات سے زیادہ لذیذ بات ہے وہ اپنے آپ کو دنیا سے بے رغبت سمجھتا ہے حالانکہ وہ دھوکے میں ہے۔

لیکن اس کے باوجود وہ کبھی کبھی مالدار لوگوں کی عزت کرتا اور ان کو فقراء پر ترجیح دیتا ہے جو اس کا اپنا معتقد اور تعریف کرنے والا ہو اس کی طرف توجہ زیادہ دیتا ہے لیکن جو لوگ دوسرے زاہدین کی طرف متوجہ ہوں ان سے نفرت کرتا ہے یہ تمام باتیں دھوکہ اور غرور ہیں ہم ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

بعض بندے ظاہری اعمال کے سلسلے میں اپنے نفس پر بہت سختی کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی رات دن میں ایک ہزار رکعات پڑھتا ہے اور پورا قرآن پاک ختم کرتا ہے لیکن وہ ان میں سے کسی بات میں بھی دل کا خیال نہیں رکھتے اور اس کو ریا، تکبر، خود پسندی اور دیگر مہلکات سے پاک کرنے کی کوشش نہیں کرتے انہیں معلوم نہیں کہ یہ بات ہلاکت خیز ہے اگر انہیں اس بات کا علم ہو جائے تو بھی اپنے بارے میں اسے مہلک نہیں سمجھتے اور اگر اسے اپنے نفس کی ہلاکت کا باعث جانیں تو انہیں اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ظاہری عمل کی وجہ سے بخشش دیئے جائیں گے اور قلبی احوال پر ان کا مؤاخذہ نہیں ہوگا اور اگر یہ وہم ہو بھی جائے تو ان کا خیال ہوتا ہے کہ ظاہری عبادات سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا لیکن یہ کیسے

ہو سکتا ہے جب کہ صاحبِ تقویٰ کا ایک ذرہ بھر عمل اور عقل مند لوگوں کے اخلاق میں سے ایک خُلق ایسے لوگوں کے پہاڑ جیسے ظاہری اعمال سے افضل ہیں پھر مغالطے کا شکار یہ شخص لوگوں سے بد اخلاقی اور سختی سے پیش آتے اور باطنی خباثتوں کے ساتھ ساتھ ریا کاری اور اپنی تعریف کی خواہش سے بھی خالی نہیں ہوتا۔

جب ایسے آدمی کو کہا جائے کہ تم زمین کے اوتاد (کیل) اللہ تعالیٰ کے ولی اور اس کے محبوب لوگوں سے ہیں سے ہو تو یہ مغرور خوش ہوتا ہے اور اس آدمی کی تصدیق کرتا ہے اور اس سے اس کا مغالطہ مزید بڑھ جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ لوگوں کا اس کی پاکیزگی بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ شخصیت ہے اور اسے معلوم نہیں کہ لوگوں کی یہ باتیں اس کی باطنی خباثتوں سے لاعلمی کی وجہ سے ہیں۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جو نوافل کا حریص ہے اور فرائض کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا ایسے لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ چاشت کی نماز، رات کی نماز (نماز تہجد وغیرہ) اور اس قسم کے دوسرے نوافل سے خوش ہوتے ہیں اور فرض نماز میں لذت نہیں پاتے اور نہ ہی اول وقت میں نماز پڑھنے کی حرص رکھتے ہیں وہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول جو آپ نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا، بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا تَقَرَّبَ الْمُتَقَرِّبُوْنَ اِلَيَّ بِمِثْلِ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِمْ۔ (۱)

میرا قرب حاصل کرنے والے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کسی عمل سے قریب حاصل نہیں کرتے۔

وہ شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ عبادات میں ترتیب کو چھوڑ دینا بہت برا ہے بلکہ انسان پر دو فرض متعین ہوتے ہیں ایک فوت ہوتا ہے اور دوسرا فوت نہیں ہوتا یا دو قسم کے نفل ہوتے ہیں ایک کا وقت تنگ ہوتا ہے اور دوسرے کا وقت کشادہ ہوتا ہے اگر وہ ان کی ترتیب کا خیال نہ رکھے تو وہ دھوکے میں ہوتا ہے اس کی مثالیں شمار سے باہر ہیں کیوں کہ گناہ بھی ظاہر ہے اور عبادت بھی ظاہر ہے جب کہ بعض عبادات کو دوسری بعض پر مقدم کرنا جیسے فرائض کو نوافل پر مقدم کرنا پوشیدہ بات ہے فرض عین فرض کفایہ پر مقدم ہوتا ہے اور فرض کفایہ جسے کوئی دوسرا قائم کرنے والا نہ ہو اس فرض کفایہ سے مقدم ہوگا جسے کوئی دوسرا قائم کرنے والا بھی ہو۔ اسی طرح فرض عین جو اہم ہے اسے دوسرے فرض عین پر مقدم کیا جائے اور جس عمل کے رہ جانے کا خطرہ ہو اسے اس پر مقدم کرے جس کے فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے والدہ کی حاجت، والد کی حاجت پر مقدم ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! میں کس سے نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا "اپنی ماں سے" پھر پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا "اپنی ماں سے"، پھر سوال کیا گیا اس کے بعد؟ آپ نے ارشاد فرمایا "اپنی ماں سے"، پھر پوچھا اس کے بعد کس سے؟ آپ نے فرمایا "اپنے باپ سے" پوچھا

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۰۱ کتاب التوحید

پھر کس ہے، پھر جو بہت قریب ہے ۔ (۱)

تو مناسب یہ ہے کہ صلہ رحمی سب سے قریبی رشتہ دار سے شروع کرے اگر سب برابر ہوں تو جو زیادہ محتاج ہو اگر احتیاج میں بھی برابر ہوں تو جو زیادہ متقی پرہیز گار ہو۔

اسی طرح جس شخص کا مال والدین کے نفقہ اور حج دونوں کو کفایت نہ کرتا ہو اور وہ حج کرلے تو یہ دھوکے میں ہے بلکہ اسے چاہیے کہ ماں باپ کے حق کو حج پر مقدم کرے یہ اہم فرض کو، کم اہمیت والے فرض سے مقدم کرنا ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص سے وعدہ کیا ہو اور نماز جمعہ کا وقت داخل ہو جائے اور اس کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو وعدہ پورا کرنے میں مشغول ہونا گناہ ہے اگرچہ ایفائے عہد ذاتی طور پر عبادت ہے۔ اسی طرح بعض اوقات کپڑے پر نجاست لگ جاتی ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے ماں باپ اور گھر والوں سے سخت کلامی کرتا ہے تو یہ بھی ایک دھوکہ ہے کیوں کہ نجاست بھی ممنوع ہے اور ماں باپ کو اذیت پہنچانا بھی منع ہے لیکن ان کی ایذا سے بچنا زیادہ اہم ہے۔

اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں جن میں ایک ممنوع کام دوسرے ممنوع کے مقابلے میں اور ایک عبادت دوسری عبادت کے مقابلے میں ہوتی ہے تو جو شخص ان میں ترتیب کا خیال نہ رکھے وہ دھوکے میں ہے اور یہ نہایت باریک بات ہے کیوں کہ اس میں جو دھوکہ ہے وہ عبادت کے حوالے سے ہے لیکن اسے اس بات کی سمجھ نہیں آئی کیونکہ یہاں عبادت، گناہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے کیونکہ اس نے ایک اہم واجب عبادت کو چھوڑ دیا۔

ان ہی مغالطوں میں سے فقہی اختلاف میں مشغول ہونا ہے اور یہ اس شخص کے حق میں ہے جسے اعضاء اور دل سے متعلق عبادات اور ظاہری اور باطنی گناہوں سے تعلق رہا ہے کیوں کہ فقہ کا مقصود تو یہ ہے کہ ان باتوں کی معرفت حاصل ہو جن کی حاجت دوسروں سے معاملات سے متعلق ہوتی ہے تو جس چیز کی ضرورت خود اپنے دل کے لیے ہو اس کی معرفت حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے لیکن جاہ و مرتبہ کی محبت، فخر و مباہات کی لذت، اور ہم عصر ساتھیوں کو مغلوب کرنا اور ان سے آگے بڑھنے کی خواہش اسے اندھا کر دیتی ہے حتیٰ کہ وہ دھوکے میں پڑ جاتا ہے اور اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کا کام کر رہا ہے۔

تیسری قسم:

صوفیا کا دھوکہ

صوفیا کو جو دھوکہ ہوتا ہے اس حوالے سے ان کے کئی گروہ ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ موجودہ دور کے صوفی ہیں۔ البتہ جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے وہ اپنے لباس، شکل و صورت اور گفتگو کے ذریعے دھوکے کا شکار ہوتے ہیں وہ سمجھے

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۵۰ کتاب البر والصلۃ

صوفیوں جیسا لباس اور شکل اختیار کرتے ہیں ان کے الفاظ، آداب، رسوم اور اصطلاحات کو اپناتے ہیں سماع، رقص، طہارت، نماز، جائے نماز پر سر جھکا کر بیٹھے غور و فکر کرنے والے کی طرح گریبان میں منہ ڈالنے، لمبی لمبی سانس لیتے گفتگو میں آواز پست کرنے جیسے امور میں ان کا طور طریقہ اختیار کرتے ہیں جب وہ تکلیف کر کے ان کی مشابہت اختیار کرتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو بھی صوفی سمجھتے ہیں اور مجاہدے، ریاضت، دل کے مراقبہ ظاہر و باطن کو پوشیدہ اور ظاہری گناہوں سے پاک کرنے کی خاطر اپنے آپ کو تھکاتے نہیں۔ اور یہ سب کچھ تصوف کے ابتدائی منازل میں ہوتا ہے اور اگر وہ ان تمام امور سے اپنے آپ کو فارغ رکھیں تو ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے آپ کو صوفیا میں شمار کریں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہ ان باتوں کے گرد نہیں پھرتے نہ اپنے آپ سے ان کا مطالبہ کرتے ہیں بلکہ وہ حرام، مشتبہ اور بادشاہوں کے مالوں پر جھکے رہتے ہیں وہ روٹی، پیسے اور دانے پر جان دے دیتے ہیں وہ معمولی سے چیز بھی حسد کرتے ہیں اگر کوئی شخص ان کی غرض کی ذرا سی بھی مخالفت کرے تو یہ اس کی عزت کے درپے ہو جاتے ہیں ان لوگوں کا دھوکہ ظاہر ہے اور ان کی مثال اس بوڑھی عورت جیسی ہے جو سنتی ہے کہ بہادر اور دلیر مجاہدوں کے نام لکھے جاتے ہیں اور ہر ایک کے لیے جاگیر مقرر ہوتی ہے تو وہ بھی اس بات کا شوق رکھتی ہے کہ اس کے لیے کوئی جاگیر مقرر کی جائے وہ زرہ پہن کر اور سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) رکھ کر میدان جنگ میں پڑھے جاتے والے اشعار سیکھ کر اور میدان جنگ میں مجاہدین کی طرح اکڑ کر چلنے کا طریقہ سیکھ کر اور ان کی تمام خصلتیں اپنا کر مثلاً ان کی طرح کا لباس، گفتگو اور حرکات و سکنات اختیار کر کے لشکر میں جاتی ہے تاکہ اس کا نام بھی بہادروں کی فہرست میں لکھا جائے۔

جب وہ لشکر میں پہنچتی ہے تو افسر دیوان کو حکم ہوتا ہے کہ اس کی ٹوپی اور زرہ وغیرہ اتار کر اس کا جائزہ لیا جائے نیز کچھ بہادروں کے ساتھ مقابلہ کے ذریعے دیکھا جائے تاکہ اس کی بہادری و جرأت کا علم ہو سکے۔ جب اس کی ٹوپی اور زرہ اتاری جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کمزور بڑھیا ہے جو اچھی طرح چل بھی نہیں سکتی بلکہ وہ تو زرہ اور خود (لوہے کی ٹوپی) اٹھا نہیں سکتی۔

اب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو بادشاہ سے مذاق کرنے اور اس کے ہم مجلس لوگوں کو دھوکہ دینے آئی تھی پھر حکم ہوتا ہے کہ اس کو پکڑ کر ہاتھی کے پاؤں میں ڈالو کیوں کہ یہ بے عقل ہے چنانچہ اس کو ہاتھی کے آگے ڈال دیا جاتا ہے۔

تو وہ لوگ جو تصوف کے جھوٹے دعوے دار ہیں قیامت کے دن ان کا حشر بھی یہی ہوگا جب پردہ اٹھے گا اور ان کو سب سے بڑے قاضی کی عدالت میں پیش کیا جائے گا جو لباس اور گدڑی کو نہیں دیکھتا بلکہ دل کا راز پیش نظر ہوتا ہے۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جو ان سے بھی بڑھ کر دھوکے میں ہیں وہ معمولی کپڑوں میں صوفی کہلانا پسند نہیں کرتے وہ تصوف کا اظہار کرنا چاہتے ہیں لیکن انہیں صوفیا کرام جیسا لباس بھی پہننا پڑتا ہے تو وہ ریشمی لباس چھوڑ دیتے ہیں اور عمدہ قسم کی گدڑیاں اختیار کرتے ہیں اعلیٰ کے قسم کے حاشیے والے کپڑے اور رنگین سجادے حاصل کرتے ہیں وہ ایسا لباس پہنتے ہیں جو

ریشمی لباس سے بھی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

ان لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ وہ کپڑوں کے رنگ اور پیوند لگے ہوتے کی وجہ سے صوفی بن گئے ہیں لیکن وہ یہ بات بھول گئے انہوں (صوفیاء) نے کپڑوں کو صرف اس لیے رنگین کیا کہ میل دور کرنے کے لیے کپڑوں کو ہر وقت دھونا نہ پڑے اور پیوند اس لیے لگاتے ہیں کہ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے ہیں تو نئے کپڑے پہننے کی بجائے وہ ان پر پیوند لگاتے ہیں لیکن ایک ایک عمدہ ٹکڑا جوڑ کر لباس پہنے سے یہ ان کی طرح کیسے ہو گئے یہ لوگ دھوکے کے شکار لوگوں میں سے واضح بیوقوف ہیں یہ عمدہ لباس اور لذیذ کھانوں سے عیش کرتے ہیں اور بادشاہوں کے مال کھاتے ہیں ظاہری گناہوں سے نہیں بچتے باطنی گناہ تو ایک طرف رہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو بھلائی پر جانتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کی برائی دوسروں تک متعدی ہوتی ہے کیونکہ جو ان کے راستے پر چلتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور جو ان کے راستے پر نہیں چلتا وہ تمام صوفیاء کے بارے میں بدعقیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے خیال میں یہ سب ایک جیسے ہوتے ہیں چنانچہ وہ سچے صوفیوں کے بارے میں بھی زبانِ طعن دراز کرتا ہے اور یہ سب کچھ ان جھوٹے صوفیوں کی نحوست اور برائی کے باعث ہوا۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو علمِ معرفت مشاہدۂ حق اور مقامات واحوال تصوف کو عبور کرنے کا دعویٰ کرتا ہے ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر وقت مشاہدہ حق میں رہتے ہیں اور قرب خداوندی حاصل کر چکے ہیں حالانکہ ان کو ان باتوں کے صرف نام اور الفاظ کا علم ہے وہ صوفیاء کرام کے عمدہ الفاظ میں سے کچھ الفاظ سیکھ کر دوہراتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ پہلوں اور پچھلوں کے علم سے بھی اعلیٰ ہیں وہ فقہا، مفسرین، محدثین اور علماء کرام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں عوام بیچارے کس کھاتے میں ہیں۔

حتیٰ کہ بعض کسان، کاشتکاری چھوڑ کر اور بعض جولاہے اپنا کام چھوڑ کر چند دن صوفیاء کرام کے ساتھ رہتے ہیں اور ان سے چند ردی قسم کے کلمات سیکھ کر بار بار زبان پر لاتے ہیں گویا اس پر وحی ہوئی ہے اور اسے آگے بیان کر رہا ہے اور نہایت گہرا راز بتا رہا ہے وہ اس عمل سے تمام عابدین اور علماء کو حقیر جانتا ہے عبادت گزار بندوں کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ تو مزدور ہیں جو محنت کر رہے ہیں اور علماء کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ لوگ اپنی گفتگو کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے پردے میں ہیں اور اپنے بارے میں دعویٰ کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل ہے۔ اور وہ مقربین میں سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فاسقین منافقین میں سے ہے اور اہل دل کے نزدیک وہ بیوقوف اور جاہل لوگوں میں سے ہے نہ اس کے پاس علم ہے نہ اخلاق اور نہ ہی اس نے اپنا عمل آراستہ کیا وہ خواہشات کی اتباع کے سوا دل کی طرف کسی قسم کا دھیان نہیں دیتا وہ چند بیہودہ باتیں سیکھ کر یاد کر لیتا ہے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو مباح کام اختیار کرتے ہیں انہوں نے شریعت کی بساط لپیٹ دی اور احکام کو ترک کر دیا ان کے نزدیک حلال وحرام برابر ہیں ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے عمل کی ضرورت نہیں لہٰذا میں اپنے نفس کو کیوں تھکاؤں

ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ اپنے دلوں کو خواہشات اور دنیوی محبت سے پاک کریں اور یہ بات محال ہے (گویا) انہیں ناممکن بات کی تکلیف دی گئی ہے اور اس دھوکے میں وہ آئے جسے تجربہ نہیں ہم نے تو تجربہ کیا ہے اور اس بات کا ادراک حاصل کیا کہ یہ بات محال ہے۔

لیکن اس بیوقوف کو معلوم نہیں کہ لوگوں کو شہوت اور غصہ بالکل ختم کرنے کا مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ ان کے بنیادی مادہ کو ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی یہ دونوں باتیں عقل وشریعت کے تابع ہو جائیں ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اعضاء کے ساتھ اعمال کا کوئی وزن نہیں بلکہ دلوں کو دیکھا جائے گا اور ہمارے دل تو محبت خداوندی سے سرشار ہیں اور اس کی معرفت تک پہنچ چکے ہیں ہم دنیا میں اپنے بدنوں کے ساتھ مشغول ہیں اور ہمارے دل بارگاہ ربوبیت میں معتکف ہیں ہم ظاہری طور پر خواہشات کو اختیار کئے ہوئے ہیں دلوں کے ساتھ نہیں۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عوام کے مقام سے آگے بڑھ چکے ہیں اور بدنی اعمال کے ذریعے تہذیب نفس سے بے نیاز ہو چکے ہیں اور چونکہ وہ معرفت میں قوی ہیں لہٰذا ان کی خواہشات انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے نہیں روکتیں وہ اپنا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات سے بھی بلند سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی ایک خطا بھی انہیں اللہ تعالیٰ سے روک دیتی ہے حتیٰ کہ وہ اس پر سالہا سال مسلسل روتے ہیں۔

صوفیا سے مشابہت کا دعویٰ کرنے والوں میں سے اس قسم کے اہل اباحت کو کئی قسم کا دھوکہ ہوتا ہے اور ان سب کی بنیاد وہ مغالطے اور وسوسے ہیں جو شیطان ان کے دلوں میں ڈالتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حصول علم سے پہلے مجاہدہ کرتے ہیں اور کسی ایسے شیخ کی اقتدا نہیں کرتے جو دین اور علم میں ماہر اور اقتدا کے لائق ہو ان لوگوں کی اقسام کا شمار ناممکن ہے۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جو ان کی حد سے بھی بڑھے ہوتے ہیں وہ اعمال سے بچتے ہیں اور حلال رزق تلاش کرتے ہیں دل کی نگرانی بھی کرتے ہیں ان میں سے ایک دعویٰ کرتا ہے کہ اسے زہد، توکل، رضا اور محبت میں مقامات حاصل ہیں حالانکہ وہ ان مقامات کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی شرائط، علامات اور آفات سے آگاہ ہیں۔ ان میں سے کوئی وجد اور محبت الٰہی کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے والہانہ محبت رکھتا ہے شاید اس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسے خیالات اپنا رکھے ہیں جو بدعت ہیں یا کفر۔ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے پہلے اس کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ کام بھی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اپنی نفسانی خواہش کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض کام صرف مخلوق سے حیا کے پیش نظر چھوڑ دیتے ہیں اور اگر وہ تنہائی میں ہوں تو اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے نہیں چھوڑتے اور انہیں معلوم نہیں کہ یہ سب کام محبت کے خلاف ہیں۔

ان میں سے بعض قناعت اور توکل کی طرف میلان رکھتے ہیں اور زاد راہ کے بغیر جنگلوں میں پھرتے ہیں تاکہ توکل کا دعویٰ صحیح ہو اور وہ نہیں جانتے کہ ایسا کرنا بدعت ہے صحابہ کرام اور دوسرے اسلاف سے منقول نہیں ہے حالانکہ ان لوگوں

کو توکل کی معرفت ان کے مقابلے میں زیادہ تھی - ان کے نزدیک توکل کا مفہوم یہ نہ تھا کہ زادِ راہ ترک کر کے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا جائے بلکہ وہ سامانِ سفر ساتھ رکھتے اور پھر اس سامان پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے تھے اور ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ سامانِ سفر چھوڑ دیتے ہیں لیکن کسی اور سبب پر یقین رکھتے ہیں اور جتنے بھی نجات دینے والے مقامات ہیں ان میں دھوکہ ہے جس سے لوگوں کو مغالطہ لگتا ہے ہم نے اس کتاب میں نجات دہندہ امور کے بیان میں آفات کے راستوں کا ذکر کیا ہے اب ان کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے - (نجات دہندہ امور کا بیان چوتھی جلد میں آئے گا)

ایک دوسرا فرقہ ہے جنہوں نے رزق کے معاملے میں اپنے نفس پر تنگی کر رکھی ہے حتیٰ کہ وہ خالص حلال ہی کھاتے ہیں لیکن اس ایک خصلت کے علاوہ اپنے دل اور اعضاء کو دوسرے خصائل کا پابند نہیں بنائے اور بعض اپنے کھانے، لباس اور رہائش کے سلسلے میں حلال نہیں ڈھونڈتے اور دوسرے امور میں غور و فکر کرتے ہیں لیکن وہ بیچارے نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے نہ تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ باقی تمام اعمال چھوڑ دے اور صرف حلال کی تلاش میں رہے اور نہ یہ کہ باقی سب کام کرے اور حلال کی تلاش ترک کر دے بلکہ اللہ تعالیٰ اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ بندہ تمام عبادات اور گناہوں کا خیال رکھے جس آدمی کا خیال ہو کہ ان میں سے بعض کام اسے کافی ہیں اور ان کے ذریعے اسے نجات ملے گا تو وہ دھوکے میں ہے۔

ان میں سے ایک اور گروہ ہے جو اچھے اخلاق، تواضع اور سخاوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ صوفیا کی خدمت کے درپے ہوتے اور چند لوگوں کو جمع کر کے ان کی خدمت کرتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے اس عمل کو عزت اور مال کا جال بنا رکھا ہے ان کی غرض تکبر ہے وہ خدمت اور تواضع کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد بلندی حاصل کرنا ہے اور وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی غرض نرمی برتنا ہے ان کی غرض دوسروں کو اپنے پیچھے لانا ہے جب کہ وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا مقصد دوسروں کی خدمت کرنا اور ان کے پیچھے چلنا ہے پھر وہ حرام اور مشتبہ مال میں سے جمع کرتے ہیں اور ان لوگوں پر خرچ کرتے ہیں تاکہ ان کے پیروکار زیادہ ہوں اور خدمت کی وجہ سے ان کا نام مشہور ہو۔

ان میں سے بعض بادشاہوں سے مال لے کر لوگوں پر خرچ کرتے ہیں اور بعض اس لیے لیتے ہیں کہ صوفیا کرام کو اس کے ذریعے حج کروائیں اور ان کے خیال میں ان کی غرض نیکی کرنا اور خرچ کرنا ہے حالانکہ ان تمام کاموں کا باعث شہرت اور جاہ و مرتبہ کا حصول ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو چاہے وہ ظاہری ہوں یا باطنی، بجا نہیں لاتے حرام مال لینے اور اس خرچ کرنے پر خوش ہیں حالانکہ جو شخص حج کے سلسلے میں حرام مال خرچ کرے اگرچہ اس کی نیت ٹھیک بھی ہو اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مساجد تعمیر کرے (معاذ اللہ) گندگی سے اس کی لپائی کرے اور اس کا یہ ہو کہ اس کا ارادہ تعمیر ہے۔

ایک اور گروہ ہے جو مجاہدے تہذیبِ نفس اور نفس کو عیبوں سے پاک کرنے میں مشغول ہوتا ہے وہ لوگ اس سلسلے میں نہایت غور و خوض کرتے ہیں - وہ نفسانی عیب، نفس کے دھوکے کی معرفت وغیرہ کا علم حاصل کرتے اور اس میں بحث کرتے ہیں

اور وہ ہر وقت نفسانی عیوب کی چھان بین میں لگے رہتے ہیں اس کی آفات کے سلسلے میں باریک باتیں نکالتے ہیں اور کہتے ہیں یہ نفسانی عیب ہے اور اس کے عیب ہونے سے غافل رہنا بھی عیب ہے اور اس کے عیب ہونے کی طرف توجہ بھی عیب ہے وہ اس سلسلے میں مسلسل گفتگو کرتے عیب ہونے کی طرف توجہ بھی عیب ہے وہ اس سلسلے میں مسلسل گفتگو کرتے ہیں اور ان چکنی باتوں میں وقت ضائع کرتے ہیں اور جو شخص اپنی زندگی عیبوں کی تلاش اور ان کے علاج کا علم لکھنے میں خرچ کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو حج کے سلسلے میں خرابیوں کی چھان پھٹک کرتا ہے لیکن حج کے راستے پر نہیں چلتا تو یہ تفتیش اسے کوئی نفع نہیں دے گی۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو اس مرتبہ سے آگے بڑھ گئے انہوں نے طریقت کے راستے پر چلنا شروع کر دیا اور ان کے لیے معرفت کے دروازے بھی کھل گئے جب وہ معرفت کے مبادی سے خوشبو سونگھتے ہیں تو اس سے تعجب کرتے اور خوش ہوتے ہیں اس کی غرابت بھی ان کو تعجب میں ڈالتی ہے اس لیے ان کے دل اسی کی طرف متوجہ ہوتے اور اس میں غور و فکر کرتے ہیں کہ یہ دروازہ ہم پر کس طرح کھلا اور دوسروں پر بند کیوں ہے اور یہ سب باتیں دھوکہ ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے راستے کے عجائبات غیر متناہی ہیں اب اگر وہ ہر تعجب خیز بات پر رک جائے اور اسی کا ہو کر رہ جائے تو اس کے قدم رک جائیں گے اور مقصد تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس آدمی کی مثال اس شخص جیسی ہے جو بادشاہ کے پاس جانا چاہتا ہے اور اس کے صحن کے دروازے پر ایک باغ دیکھے جس میں طرح طرح کی کلیاں اور شگوفے کھلے ہوں جو پہلے اس نے نہیں دیکھے اب وہ وہاں ٹھہر کر ان کو دیکھتا اور تعجب کرتا ہے حتیٰ کہ بادشاہ سے ملاقات کا ممکن وقت ختم ہو جاتا ہے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو ان سے آگے بڑھ گیا وہ راستے کے انوار جو اُن کو عطا ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر خوشی کا اظہار کر کے ادھر متوجہ ہوتے اور وہاں ٹھہرتے ہیں بلکہ وہ مسلسل سفر کرتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ چکے ہیں اب وہاں ٹھہر جاتے ہیں اور دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ستر نورانی پردے ہیں کوئی سالک راستے میں ان پردوں میں سے کسی ایک پردے تک بھی نہیں پہنچتا اور وہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۔(۱)	پس جب ان پر رات چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا تو پوچھا کیا یہ میرا رب ہے؟

اس سے یہ آسمانی ستارہ مراد نہیں کیوں کہ ان ستاروں کو تو آپ چھوٹی عمر میں بھی دیکھتے تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ

(۱) قرآن مجید سورۃ انعام آیت ۷۶

یہ معبود نہیں ہیں اور یہ بہت زیادہ ہیں ایک نہیں ہے اور جاہل لوگ بھی جانتے ہیں کہ ستارے معبود نہیں ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے سے کیسے مغالطہ کھا سکتے ہیں جب کہ ایک دیہاتی بھی اس سے مغالطے کا شکار نہیں ہوتا بلکہ آپ کی مراد انوار خداوندی میں سے ایک نور تھا جو اللہ تعالیٰ کے حجابات میں سے ہے اور وہ سالکین کے راستے میں ہے اور جب تک ان پردوں تک رسائی نہ ہو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا تصور نہیں ہو سکتا یہ نورانی پردے ہیں جن میں سے بعض دوسرے بعض سے بڑے ہیں اور اجرام فلکی میں سے سب سے چھوٹا ستارہ ہے اس لیے بطور استعارہ اس کا نام استعمال کیا اور سب سے بڑا سورج ہے اور ان دونوں کے درمیان چاند کا مرتبہ ہے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمانی دنیا کو دیکھا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۱)

اسی طرح ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی (خفیہ) حکومتیں دکھاتے ہیں۔

تو ایک نور کے بعد دوسرا نور آتا گیا اور پہلے نور پر آپ نے سمجھا کہ میں پہنچ گیا پھر آپ کے لیے منکشف ہوا کہ اس سے آگے بھی کچھ ہے تو آپ اس کی طرف بڑھے اور فرمایا میں پہنچ گیا لیکن اس سے آگے بھی کچھ منکشف ہوا حتیٰ کہ آپ سب سے قریبی حجاب تک پہنچ گئے جس تک پہنچنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا یہ سب سے بڑا ہے۔

پھر ظاہر ہوا کہ یہ اپنی عظمت کے باوجود پستی کے نقصان اور کمال کی چوٹی سے انحطاط سے خالی نہیں تھا تو آپ نے فرمایا۔

اِنِّيْ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (۲)

بے شک میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور فرمایا:

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ (۳)

بے شک میں نے اپنے آپ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

اور اس راستے پر چلنے والا بعض اوقات ان پردوں میں سے کسی ایک پر گزرتے ہوئے دھوکہ کھاتا ہے اور بعض اوقات پہلے حجاب پر ہی مغالطے کا شکار ہو جاتا ہے بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سب سے پہلا حجاب بندے کا نفس ہے اور وہ بھی امر ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے انوار میں سے ایک نور ہے اس سے مراد دل کا وہ راز (سر قلبی) ہے جس پر حق کی حقیقت پوری طرح منکشف ہوتی ہے حتیٰ کہ اس میں تمام عالم کی گنجائش ہوتی ہے وہ اسے گھیر لیتا ہے اور اس میں سب کی صورت جھلکتی ہے ہے اس وقت اس کا نور پوری طرح چمکتا ہے کیونکہ اس میں سب کا وجود اپنی اصل حقیقت و حالت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۶۷

(۲)

یہ پہلے مرحلے میں ایک فانوس سے پردے میں ہوتا ہے جو اس کے لیے ایک ڈھانپنے والے کی طرح ہے پس جب اس کا نور چمکتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی ہوتی ہے جس سے جمال قلب منکشف ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ دل والا اپنے دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس میں اس قدر جمال پاتا ہے کہ بیہوش ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اسی بیہوشی کے عالم میں اس کی زبان سبقت کرتی ہے اور وہ کہتا ہے میں حق ہوں۔

اب اگر اس سے آگے منکشف نہ ہو تو وہ دھوکہ کھاتا ہے اور وہیں رک جاتا ہے جو اس کے لیے ہلاکت کا باعث ہوتا ہے حالانکہ اسے دربار الٰہی کے انوار میں سے ایک چھوٹے سے ستارے سے مغالطہ ہوا اور ابھی تک اسے چاند تک رسائی نہیں ہوئی سورج تک پہنچنا تو دور کی بات ہے تو یہ شخص بھی دھوکے میں ہے اور یہی مغالطے کی جگہ ہے کیوں کہ تجلی کرنے والی اور جس میں تجلی ہوئی دونوں ایک ہو جاتے ہیں جس طرح کوئی رنگین چیز شیشے میں دیکھی جائے تو شیشہ بھی رنگین نظر آتا ہے یا جس طرح سفید شیشی میں کوئی رنگین چیز بھر دی جائے تو وہ شیشی رنگین نظر آتی ہے جیسے کہا گیا ہے۔

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمْرُ فَتَشَابَهَا
فَتَشَاكَلَ الْأَمْرُ فَكَأَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ
وَكَأَنَّمَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرٌ۔

شیشی پتلی ہے اور شراب بھی پتلی ہے تو وہ ایک جیسی ہو گئیں اور معاملہ مشتبہ ہو گیا گویا شراب ہے اور پیالہ نہیں
اور گویا پیالہ ہے شراب نہیں۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی نگاہ سے دیکھا تو ان میں انوار الٰہیہ چمکتے ہوئے نظر آئے جس سے ان کو مغالطہ لگا جیسے کوئی شخص شیشے یا پانی میں ستارے کو دیکھے اور یہ خیال کرے کہ ستارہ شیشے یا پانی میں اتر آیا ہے اب وہ اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اسے پکڑنا چاہے تو یہ شخص دھوکے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے کے حوالے سے اس قدر مغالطے ہیں جو کئی جلدوں میں بھی نہیں آ سکتے اور جب تک تمام علوم مکاشفہ کی تشریح نہ ہو جائے اس وقت تک ان سب کا بیان نہیں ہو سکتا اور اس علم کے بیان کی اجازت نہیں ہے بلکہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے شاید اسے بھی چھوڑنا زیادہ بہتر تھا کیوں کہ اس راستے کے سالک کے لیے دوسروں سے سننا مناسب نہیں اور جو اس راستے پر چلنے والا نہیں اس کو سننا فائدہ نہیں دیتا بلکہ بعض اوقات اس سے اسے نقصان ہوتا ہے کیوں کہ جب وہ ایسی بات سنتا ہے جس کو سمجھ نہیں پاتا تو بیہوش ہو جاتا ہے لیکن اس کا ایک فائدہ ہے اور وہ اسے اس دھوکے سے نکالنا ہے جس میں وہ مبتلا ہے بلکہ بعض اوقات وہ یقین کر لیتا ہے کہ جو کچھ اس کے فاسد خیال اور مختصر ذہن میں ہے معاملہ اس سے بڑا ہے اور مکاشفات کے سلسلے میں اولیاء کرام نے جو کچھ بتایا وہ ان باتوں پر یقین کر لیتا ہے اور جس کو بہت بڑا دھوکہ ہو وہ سننے کے بعد بھی اپنی بات پر ڈٹ جاتا ہے جس طرح پہلے جھٹلاتا تھا اب بھی نہیں مانتا۔

چوتھی قسم :

مال دار لوگوں کے مغالطے

ان میں سے جو لوگ دھوکے اور مغالطے کا شکار ہیں ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک فرقہ وہ ہے جو مساجد، مدارس، سرائے اور پل وغیرہ بنانے کی حرص رکھتے ہیں یعنی ایسی چیزیں بناتے ہیں جنہیں سب لوگ دیکھیں اور ان عمارات پر اپنا نام کندہ کراتے ہیں تاکہ ان کا ذکر ہمیشہ باقی رہے اور ان کے مرنے کے بعد بھی نشان موجود رہے ان کا خیال ہے کہ اس وجہ سے وہ مغفرت کے مستحق ہو چکے ہیں لیکن وہ اس سلسلے میں دو وجہ سے دھوکے میں ہیں۔

ایک یہ کہ وہ ان عمارات کی تعمیر ایسے مالوں سے کرتے ہیں جو ظلم، لوٹ مار، رشوت اور دوسرے ممنوع طریقے سے کمائے ہیں وہ لوگ اس کمائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مستحق ہو چکے ہیں کیوں کہ انہوں نے حرام مال کمایا جس سے ان کو منع کیا گیا تھا تو ان لوگوں نے اس کمائی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی لہذا ان پر توبہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے نیز وہ مال ان کے مالکوں کی طرف لوٹا دیں اگر وہ مال موجود ہے تو وہی واپس کریں ورنہ اس کا بدل دیں اور اگر ان کے مالکوں تک پہنچانا ممکن نہ ہو (مثلاً وہ مر گئے ہوں) تو ان کے وارثوں کو دے دیں اور اگر اس مظلوم کا وارث بھی نہ ہو تو اسے مسلمانوں کی اہم ضرورت پر خرچ کریں اور بعض اوقات مساکین پر تقسیم کرنا سب سے اہم ہوتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتے کیوں کہ انہیں ڈر ہوتا ہے کہ کہیں لوگوں کو اس بات کا علم نہ ہو جائے لہذا وہ عمارتیں بناتے ہیں اور اس تعمیر سے ان کی غرض ریاکاری اور اپنی تعریف کروانا ہوتا ہے نیز ان عمارات کے باقی رہنے کی حرص کرتے ہیں تاکہ ان پر لکھا ہوا ان کا نام باقی رہے نیکی کا باقی رہنا مقصود نہیں ہوتا۔

ان کے دھوکے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مخلص خیال کرتے ہیں اور ان عمارات پر خرچ کرنے میں بھلائی سمجھتے ہیں لیکن اگر ان میں سے کسی ایک کو کہا جائے کہ وہ ایک دینار خرچ کرے اور جس جگہ وہ خرچ کرتا ہے وہاں اس کا نام نہیں لکھا جائے گا تو اسے یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے اور اس کا نفس سخاوت پر آمادہ نہیں ہوتا حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہے وہ اپنا نام لکھے یا نہ۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ لوگوں کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی مقصود نہیں ہے تو وہ اس بات (نام لکھنے) کا محتاج نہ ہوتا۔

ایک دوسرا گروہ ہے کہ وہ حلال مال مساجد پر خرچ کرتا ہے لیکن یہ بھی دو وجہ سے دھوکے میں ہے ایک ریاکاری اور دوسرا اپنی تعریف چاہتا بعض اوقات ایسے آدمی کے پڑوس یا شہر میں ضرور تمند ہوتے ہیں اور ان کو مال دینا تعمیر مسجد میں خرچ کرنے سے اہم اور افضل ہوتا ہے لیکن وہ مسجد پر خرچ کرنا آسان سمجھتا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان شہرت ہو۔ اور دھوکے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسجد کی زیب و زینت اور نقش و نگار پر کرتا ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ (۱)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۶۴ کتاب الصلوٰۃ

کیونکہ اس سے نمازیوں کے دل اس طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس پر نظر پڑتی ہے جب کہ نماز کا مقصد خشوع و خضوع اور دل کی حاضری ہے اور اس نقش و نگار سے نمازیوں کے دلوں میں فساد پیدا ہوتا ہے اور اس طرح ان کا ثواب ضائع ہوتا ہے اور ان تمام باتوں کا وبال اس شخص پر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ دھوکے میں ہے اور وہ اسے نیکی کا کام سمجھتا ہے اس کے خیال میں یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر رہا ہے حالانکہ مسجد کی اس زینت سے بندگان خدا کے دل تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعض اوقات انہیں دنیا کی زیب و زینت کا شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے گھروں کو بھی اسی طرح سجانا چاہتے ہیں اور اس کی تلاش میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یہ تمام گناہ اس آدمی کی گردن پر ہوتا ہے کیونکہ مسجد تواضع اور اللہ تعالیٰ کے ہاں دل کی حاضری کی جگہ ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو آدمی مسجد میں آئے پس ان میں سے ایک دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا میرے جیسے لوگ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتے دو فرشتوں نے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا۔ تو مساجد کی اس طرح تعظیم کرنی چاہئے یعنی اپنے وہاں جانے سے مسجد کو آلودہ سمجھے یہ نہیں کہ مسجد کو حرام مال سے آلودہ کرے یا اللہ تعالیٰ پر آسانی کرتے ہوئے اس میں نقش و نگار بنائے۔

حواریوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اس مسجد کو دیکھئے کس قدر خوبصورت ہے آپ نے فرمایا اے میری امت اے میری امت! میں تم سے سچ کہتا ہوں اللہ تعالیٰ اس مسجد کے ایک پتھر کو دوسرے پتھر پر قائم نہیں چھوڑے گا اور اہل مسجد کے گناہوں کے سبب اسے مٹا دے گا اللہ تعالیٰ کو سونے چاندی اور ان پتھروں کی کوئی پرواہ نہیں جو تمہیں تعجب میں ڈالتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب چیز اچھے دل ہیں یہ دل اچھے ہوں تو ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین کو آباد رکھتا ہے اور اگر دوسری صورت ہو تو اسے تباہ و ویران کر دیتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا زَخْرَفْتُمْ مَسَاجِدَكُمْ وَحَلَّيْتُمْ مَصَاحِفَكُمْ فَالدَّمَارُ عَلَيْكُمْ۔ (۱)

جب تم اپنی مساجد کو ملمع کرو اور قرآن پاک پر سونا چاندی چڑھاؤ تو تم پر ہلاکت لازم ہو جائے گی (مطلب یہ کہ عمل چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کر لو کیونکہ عمل بنیادی بات ہے)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد نبوی شریف بنانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اسے سات ہاتھ (چودہ فٹ) اونچا رکھیں اور نقش و نگار اور زیب و زینت نہ کریں۔ (۲)

(۱) کتاب الزھد والرقائق ص ۲۷۵ حدیث (۲) الفوائد المجموعہ للشوکانی حدیث ص ۲۵ حدیث ۳۷

نوٹ: ایسے مالدار شخص کا دھوکہ یہ ہے کہ وہ برائی کو نیکی سمجھتا ہے اور اس پر بھروسہ کرتا ہے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو فقراء و مساکین کو صدقات دینے کے ذریعے اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور اس کے لیے بڑے بڑے اجتماع تلاش کرتے ہیں اور ان فقراء کو دیتے ہیں جو شکریہ ادا کرنے اور نیکی کی تشہیر کرنے کے عادی ہوں یہ لوگ پوشیدہ طور پر صدقہ دینا پسند نہیں کرتے اور اگر کوئی فقیر ان سے لینے کے بعد اس کا اظہار نہ کرے تو اسے مجرم اور ناشکر گزار جانتے ہیں۔

بعض اوقات یہ لوگ حج کے سلسلے میں مال خرچ کرتے ہیں اور بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے پڑوسی بھوکے ہوتے ہیں اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا آخری زمانے میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوگی جو کسی سبب کے بغیر حج کرتے ہیں ان کے لیے سفر بھی آسان ہوگا اور رزق میں بھی کشادگی ہوگی لیکن وہ محروم اور لٹے پٹے واپس آئیں گے خود اپنی سواری پر صحراؤں اور جنگلوں میں پھر رہے ہوں گے لیکن ان کے پڑوسی محتاج ہوں گے ان کی خبر گیری نہیں کریں گے۔

حضرت ابونصر تمار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ سے رخصت ہونے کے لیے آیا اور اس نے کہا میں نے حج کا ارادہ کیا ہے آپ مجھے کوئی نصیحت کریں انہوں نے فرمایا خرچ کے لیے کتنا مال رکھا ہے؟ اس نے عرض کیا دو ہزار درہم حضرت بشر نے فرمایا حج سے تیرا کیا مقصود ہے گھر والوں سے دور رہنا (سیر و سیاحت) یا بیت اللہ کا شوق یا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی؟ اس نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا مقصود ہے آپ نے فرمایا اگر تمہیں گھر میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے اور تو دو ہزار درھم خرچ کردے اور تجھے یقین بھی ہو جائے کہ تجھے رضائے خداوندی حاصل ہوگئی ہے تو تو ایسا کرے گا؟

اس نے عرض کیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ یہ دو ہزار دس آدمیوں کو دے دو، قرض دار کو دو کہ وہ قرض ادا کرے محتاج کو دو کہ وہ اپنی شکستہ حالی دور کرے عیالدار کو دو کہ وہ اپنے بال بچوں کی ضرورت کو پورا کرے یتیم کی پرورش کرنے والے کو دو کہ وہ اس یتیم کو خوش کرے اور اگر تمہارا دل اس بات پر مضبوط ہو کہ صرف ایک کو ہی دے تو ایک ہی کو دے دینا کیونکہ کسی مسلمان کا دل خوش کردینا مظلوم کی فریاد کو پہنچنا اس کی تکلیف کو دور کرنا اور کمزور کی مدد کرنا فرض حج کے بعد ایک سو حج سے افضل ہے جاؤ اور جیسا کہ ہم نے کہا اس رقم کو تقسیم کردو ورنہ دل میں جو بات ہے وہ کہدو، اس نے کہا اے ابونصر! میرا دل تو سفر پر ہی جما ہوا ہے حضرت بشر رحمہ اللہ نے تبسم فرمایا اور اس کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا جب مال تجارت اور شبہات کی میل سے اکٹھا ہو تو دل چاہتا ہے کہ اس سے کوئی حاجت پوری کی جائے اور اس کے لیے اعمال صالحہ کو ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ صرف متقی لوگوں کے عمل کو ہی قبول فرمائے گا۔

مالدار لوگوں کا ایک دوسرا گروہ ہے جو اپنے مالوں میں مشغول ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں اور بخل کی وجہ سے خرچ نہیں کرتے اور ایسے بدنی اعمال کرتے ہیں جن میں پیسہ خرچ نہ ہو مثلاً دن کو روزہ رکھتے ہیں رات کو نماز پڑھتے ہیں اور

قرآن پاک ختم کرتے ہیں حالانکہ یہ دھوکے میں ہیں۔ کیونکہ کنجوسی جو ہلاکت میں ڈالنے والی ہے وہ ان کے باطن پر غالب آچکی ہے اور وہ مال کے ذریعے اسے ختم کرنے کا محتاج ہے اور وہ ایسی عبادات میں مشغول ہو گیا جن کی حاجت نہیں ایسا آدمی اس شخص کی طرح ہے جس کے کپڑوں میں سانپ داخل ہو جائے اور وہ ہلاکت کے قریب ہو لیکن وہ سکنجبین بنا رہا ہے تاکہ صفرا کی بیماری دور ہو جائے اور جسے سانپ ہلاک کر رہا ہو اسے سکنجبین کی کب ضرورت ہوتی ہے اسی لیے جب حضرت بشر رحمہ اللہ سے عرض کیا گیا کہ فلاں شخص بہت زیادہ نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا ہے انہوں نے فرمایا اس بیچارے نے اپنا کام چھوڑ دیا اور دوسروں کے کام میں مشغول ہو گیا کیونکہ اس کا کام تو بھوکوں کو کھانا کھلانا اور مساکین پر خرچ کرنا تھا اس کے لیے اپنے آپ کو بھوکا رکھنے اور مال جمع کر کے فقیروں کو نہ دینے کہ اپنے لیے نماز پڑھنے سے دوسروں کو کھلانا افضل ہے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جس پر بخل غالب ہے وہ صرف زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ بھی ایسے نکمے اور ردی مال سے دیتے ہیں جس میں خود رغبت نہیں رکھتے اور ان فقراء کو دیتے ہیں جو ان کی خدمت کریں اور ضرورت کے وقت ان کے کام آئیں یا مستقبل میں جن سے کوئی کام لے سکیں یا اس فقیر سے کوئی غرض ہو یا اسے دیتے ہیں جس کی کوئی بڑا آدمی سفارش کرے تاکہ اس آدمی کے ہاں مقام حاصل ہو اور وہ ہمارا کام کر دے ان تمام صورتوں میں نیت کا فساد ہے عمل ضائع ہو جاتا ہے اور ایسا شخص دھوکے میں ہے۔ اس کا گمان ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر رہا ہے حالانکہ وہ اس کی نافرمانی کر رہا ہے کیونکہ وہ عبادت خداوندی کے ذریعے دوسروں سے معاوضہ طلب کرتا ہے۔

اس قسم کی صورتیں مال دار لوگوں کا دھوکہ ہے اور اس کی بے شمار صورتیں ہیں ہم نے صرف آگاہی کے لیے چند مثالیں ذکر کی ہیں۔

ایک دوسرا فرقہ ہے جس کا تعلق عام لوگوں، مالدار اور فقر سب سے ہے وہ مجالسِ ذکر و وعظ میں جاتے ہیں اور اس دھوکے میں ہیں کہ ان کے لیے یہی بات کافی ہے انہوں نے اس بات کو عادت بنا لیا ہے ان کا خیال ہے کہ صرف وعظ سننے سے ثواب ملتا ہے اس پر عمل کرنا ضروری نہیں یہ بھی دھوکے میں ہیں کیونکہ مجلس ذکر کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس سے بھلائی کی رغبت ہوتی ہے اگر رغبت پیدا نہ ہو تو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور جو کام کسی دوسرے کام سبب ہوتا ہے اگر اس دوسرے کام کی ادائیگی میں کوتاہی کی جائے تو اس کام کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

بعض اوقات وہ واعظ سے کوئی بات سنتا ہے کہ وہ مجلسِ وعظ کی فضیلت بیان کرتا ہے اس میں حاضری اور رونے کی فضیلت سنتا ہے تو اس پر عورت کی طرح رقت طاری ہو جاتی ہے اور وہ بغیر عزم و ارادہ کے رونا شروع کر دیتا ہے اور بعض اوقات خوف دلانے والا کلام سنتا ہے تو صرف ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہتا ہے اسے سلامتی والے سلامت رکھنا یا وہ نعوذ باللہ یا سبحان اللہ کہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے تمام بھلائی پالی ہے حالانکہ یہ دھوکے میں ہے وہ اس مریض کی طرح ہے جو ڈاکٹروں کی مجلس میں جاتا ہے اور ان کی گفتگو سنتا ہے یا کسی بھوکے آدمی کے پاس ایسا شخص آتا ہے جو لذیذ

کھانوں کی تعریف کرتا ہے پھر وہ چلا جاتا ہے تو اس گفتگو سے نہ تو بیماری زائل ہوتی ہے اور نہ بھوک دُور ہوتی ہے اسی طرح عبادات کی تعریف سن کر عمل نہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا تو ہر وہ وعظ جو تیرے اندر ایسی تبدیلی پیدا نہ کرے جس سے تم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ قوت سے ہو یا کمزوری سے، اور دنیا سے منہ نہ پھیر دو تو یہ وعظ تمہارے خلاف دلیل بنے گا اگر اسے اپنے لیے وسیلۂ سعادت سمجھتا ہے تو یہ دھوکہ ہے۔

سوال:

آپ نے غرور اور مغالطے کے جو راستے بیان کئے ہیں ان سے تو کوئی بھی بچ نہیں سکتا اور ان سے پرہیز ممکن نہیں بلکہ اس سے نا امیدی بڑھتی ہے کیونکہ کوئی بھی شخص اس قدر مضبوط نہیں ہے کہ وہ ان پوشیدہ آفات سے بچ سکے۔

جواب:

میں کہتا ہوں جب کسی کام میں انسان کی ہمت کمزور پڑ جائے تو اس سے مایوسی ظاہر ہوتی ہے اور وہ کام بھاری معلوم ہوتا ہے۔ نیز راستہ دشوار گذار نظر آتا ہے اور اگر اس کی خواہش سچی ہو تو وہ اسباب حاصل کر لیتا ہے اور غرض تک پہنچنے کے لیے باریک بینی سے پوشیدہ راستے معلوم کر لیتا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص فضا میں اڑتے ہوئے پرندے کو اتارنا چاہے تو باوجود دوری کے اسے نیچے اتار لیتا ہے اور اگر سمندر کی گہرائی سے مچھلی نکالنا چاہے تو اسے بھی نکال لیتا ہے اگر وہ پہاڑوں کے نیچے سے سونا اور چاندی نکالنا چاہے تو اسے بھی نکال لیتا ہے اور اگر وہ جنگلوں اور صحراؤں سے چھوٹے ہوئے وحشی جانور کو شکار کرنا چاہے تو اسے شکار کر لیتا ہے اگر وہ درندوں ہاتھی اور بڑے بڑے جانوروں کو مسخر کرنا چاہے تو مسخر کر لیتا ہے اگر سانپوں اور اژدہاؤں کو پکڑ کر ان سے کھیلنا چاہے تو وہ ان کو پکڑ لیتا ہے وہ ان کے پیٹ سے زہر مہرہ نکال سکتا ہے اگر وہ شہتوت کے پتوں سے نقش و نگار والا ریشمی کپڑا بنانا چاہے تو وہ بھی بنا لیتا ہے اور اگر وہ ستاروں کی مقدار اور طول و عرض معلوم کرنا چاہے تو علم ہندسہ کی دقیق باتوں کے ذریعے زمین پر کھڑے کھڑے معلوم کر سکتا ہے۔

اور یہ سب کام تدبیر اور آلات کی تیاری سے ہوتے ہیں سواری کے لیے گھوڑے کو شکار کے لیے کتے کو، پرندوں کے شکار کے لیے باز کو مسخر کرنا اور مچھلی کے شکار کے لیے جال بنانا انسان کی باریک تدبیریں ہیں یہ سب کچھ وہ اس لیے کرتا ہے کہ اس کا مقصد دنیا کا حصول ہے اور یہ کام اس کے لیے حصول دنیا میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور اگر وہ آخرت کی فکر کرتا تو اس کا ایک ہی کام ہوتا اور وہ دل کو سیدھا رکھنا ہے لیکن وہ اسے سیدھا رکھنے سے عاجز ہے اور بہانہ بازی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ محال ہے اور اس پر کون قادر ہو سکتا ہے۔

نہیں ایسا نہیں ہے انسان کے لیے یہ محال نہیں اگر اس کا صرف یہی ایک مقصد ہو۔ بلکہ یہ اس طرح ہے جیسے کسی نے کہا۔

لَوْ صَحَّ مِنْكَ الْهَوٰی — اگر تمہاری خواہش صحیح ہو تو تدابیر و اسباب کی طرف تمہاری

اُرْشِدْتَ لِلْحِيَلِ — راہنمائی کی جائے گی۔

یہ وہ کام ہے جس سے ہمارے پہلے بزرگ عاجز نہیں تھے اور نہ ہی وہ لوگ جو نیکی میں ان کی پیروی کرتے تھے لہٰذا جس آدمی کا ارادہ سچا اور ہمت مضبوط ہو وہ بھی اس سے عاجز نہیں ہوگا بلکہ لوگ جس قدر محنت، دینوی تدابیر کے لیے کرتے ہیں اس کا دسواں حصہ بھی اس کے لیے نہیں ہوتی۔

سوال:

آپ نے معاملہ قریب کر دیا لیکن آپ نے مغالطے کے راستے اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ بندہ کس طرح ان سے نجات پائے۔

جواب:

جان لو! بندہ تین باتوں کے ذریعے ان سے نجات پا سکتا ہے اور وہ عقل، علم اور معرفت ہے یہ تینوں باتیں ضروری ہیں عقل سے مراد فطرت ہے اور وہ نور اصلی ہے جس کے ذریعے انسان اشیاء کے حقائق کا ادراک کر سکتا ہے تو سمجھداری اور ذہانت فطری چیز ہے اور بے وقوفی اور کند ذہنی بھی فطری بات ہے غبی آدمی دھوکے سے نہیں بچ سکتا لہٰذا عقل کی صفائی اور سمجھ کی تیزی اصل فطرت میں ضروری ہیں کیونکہ فطرت میں یہ باتیں نہ ہوں تو محنت سے ان کا حصول ممکن نہیں ہے ہاں یہ بات ہے کہ اگر فطرت میں موجود ہوں تو ان کو تجربہ وغیرہ سے مضبوط کیا جا سکتا ہے تو سعادت کی تمام بنیاد عقل اور سمجھداری ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تَبَارَكَ اللّٰهُ الَّذِي قَسَمَ الْعَقْلَ بَيْنَ عِبَادِهِ أَشْتَاتًا اِنَّ الرَّجُلَيْنِ لَيَسْتَوِي عَمَلُهُمَا وَبِرُّهُمَا وَصَوْمُهُمَا وَصَلَاتُهُمَا وَلٰكِنَّهُمَا يَتَفَاوَتَانِ فِي الْعَقْلِ كَالذَّرَّةِ فِي جَنْبِ أُحُدٍ وَمَا قَسَمَ اللّٰهُ لِخَلْقِهِ حَظًّا هُوَ أَفْضَلُ مِنَ الْعَقْلِ وَالْيَقِيْنِ۔ (۱)

وہ ذات پاک ہے جس نے بندوں کے درمیان مختلف طریقے پر عقل کو تقسیم فرمایا دو آدمی عمل، نیکی، روزے اور نماز میں مساوی ہو سکتے ہیں لیکن عقل میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ اُحد پہاڑ کے پہلو میں ایک ذرہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے عقل اور یقین سے بڑھ کر کوئی حصہ نہیں رکھا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بتائیے ایک شخص دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے وہ حج اور عمرہ بھی کرتا ہے صدقہ بھی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی کرتا ہے مریض کی عیادت بھی کرتا ہے اور جنازوں کے ساتھ بھی جاتا ہے نیز وہ کمزور کی مدد بھی کرتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ قیامت کے دن اس کا کیا مقام ہوگا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) نوادر الاصول ص ۲۴۴ الاصل السادس والمائتان

انما یُجزٰی علٰی قَدْرِ عَقْلِہٖ (۱) اسے اپنی عقل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں ایک شخص کی تعریف کی گئی تو آپ نے پوچھا اس کی عقل کیسی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اس کی عبادت، علم و فضل اور اخلاق کا ذکر کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اس کی عقل کیسی ہے؟ کیوں کہ بیوقوف آدمی اپنی بیوقوفی کی وجہ سے بدکار کی بدکاری سے بھی بڑھ کر گناہ کرتا ہے اور قیامت کے دن لوگوں کو ان کی عقلوں کے مطابق قرب حاصل ہوگا۔ (۲)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کسی شخص کی عبادت کا ذکر ہوتا تو آپ اس کی عقل کے بارے میں پوچھتے جب صحابہ کرام بتاتے کہ اچھی ہے تو آپ فرماتے مجھے اس کے بارے میں امید ہے اور اگر دوسری بات عرض کرتے تو آپ فرماتے وہ ہرگز نہیں پہنچے گا آپ سے ایک آدمی کے بہت زیادہ عبادت گزار ہونے کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا جس جگہ کا تم گمان کرتے ہو تمہارا وہ ساتھی وہاں نہیں پہنچے گا۔ (۳)

معلوم ہوا کہ سمجھداری اور عقل اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو اصل فطرت میں رکھی گئی ہے اگر یہ نعمت بیوقوفی اور غبی ہونے کے ذریعے چلی جائے تو اس کو حاصل نہیں کیا جا سکتا دوسری بات معرفت ہے اور معرفت سے مراد چار باتوں کا جاننا ہے اپنے آپ کو پہچاننا، اپنے رب کو پہچاننا، دنیا کی پہچان حاصل کرنا اور آخرت کی معرفت حاصل کرنا۔ اپنی پہچان اس بات میں ہے کہ بندہ ذلیل ہے اور اس دنیا میں مسافر ہے اور حیوانی خواہشات سے اجنبی ہے اور اس کی طبیعت کے موافق جو بات ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور صرف اسی کا دیدار ہے اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اپنے آپ کو نہ پہچانے اور اپنے رب کی معرفت حاصل نہ کرے تو اس سلسلے میں ہم نے جو کچھ محبت، عجائب قلب کی شرح، تفکر اور شکر کے بیان میں لکھا ہے اس سے مدد حاصل کیجئے کیونکہ ان بیانات میں نفس کے وصف کی طرف اشارے دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وصف کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے کچھ آگاہی ہو جاتی ہے اور کمالِ معرفت اس کے بعد ہے کیونکہ وہ علوم مکاشفہ میں سے ہے اور اس کتاب میں ہم صرف علوم معاملہ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔

دنیا اور آخرت کی پہچان پر مدد حاصل کرنے کے لیے دنیا کی مذمت اور موت کے ذکر سے متعلق جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے مدد حاصل کریں تاکہ واضح ہو جائے کہ دنیا کو آخرت سے کچھ نسبت نہیں ہے جب آدمی اپنی ذات اور اپنے رب کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور اسے دنیا اور آخرت کی پہچان بھی ہو جاتی ہے تو معرفت خداوندی کی وجہ سے اس کے

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۲۰۰ ترجمہ ۶۲۳

(۲) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ جلد اول ص ۲۰۲ حدیث ۶۲

(۳) شعب الایمان جلد ۴ ص ۱۵۷ حدیث ۴۶۴۵

دل سے محبت خداوندی کے چشمے پھوٹتے ہیں آخرت کی پہچان سے اس کی رغبت زیادہ ہوتی ہے اور دنیا کی پہچان سے اس سے دُوری کی رغبت بڑھتی ہے۔

اس کا سب سے اہم معاملہ اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے اور وہ کام جو اسے آخرت میں نفع دیں جب اس کے دل پر یہ ارادہ غالب آجاتا ہے تو تمام امور میں اس کی نیت صحیح قرار پاتی ہے مثلاً اگر وہ کھاتا ہے یا قضائے حاجت میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا مقصد آخرت کے راستے پر چلنے میں مدد حاصل کرنا ہوتا ہے اس کی نیت صحیح ہو جاتی ہے اور ہر وہ دھوکہ جس کی بنیاد اغراض کا حصول دنیا کی طرف میلان جاہ و مرتبہ اور مال حاصل کرنا ہے یہی بات نیت کو خراب کرتی ہے جب تک آخرت کے مقابلے میں دنیا اسے زیادہ محبوب رہتی ہے اور وہ رضائے خداوندی کی نسبت نفسانی خواہش کو زیادہ پسند کرتا ہے اس کے لیے دھوکے سے بچنا ممکن نہیں۔

اور جب اپنے نفس اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے باعث اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب آتی ہے اور یہ معرفت کمالِ عقل کا نتیجہ ہے تو وہ ایک تیسری بات کا محتاج ہوتا ہے اور وہ علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کی کیفیت کا علم اور اس چیز کا علم جو اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کرے اس سے دُور نہ کرے نیز اسے راستے کی آفات، گھاٹیوں اور مہلکات کا بھی علم ہو۔ اور یہ باتیں ہم نے اس کتاب میں لکھی ہیں عبادات کے بیان میں اس کی شرائط کا ذکر ہے لہٰذا ان کی رعایت کی جائے اور ان کی آفات کا بھی بیان ہے جن سے اجتناب کیا جائے۔ عادات کے بیان میں معاملات و معیشت کے اسرار اور جن باتوں کی طرف انسان مجبور ہوتا ہے ان کا ذکر ہے لہٰذا شرعی آداب کے مطابق اس پر عمل کرے اور جس چیز کی ضرورت نہ ہو اسے چھوڑ دے مہلکات کے بیان سے ان تمام گھاٹیوں کا علم حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے دُور رکھنے والے کام مذموم اخلاق ہیں لہٰذا ان کا اور ان کے علاج کا علم حاصل کرے نجات دینے والے امور کے بیان سے ان صفات محمودہ کا علم حاصل ہوتا ہے جو ضروری ہیں نیز پہلے بری عادات کو ختم کرے اور پھر ان کی جگہ اچھی صفات کو لائے۔

جب ان تمام باتوں کا احاطہ کر لے گا تو غرور اور دھوکے کی ان تمام اقسام سے بچنا ممکن ہو جائے گا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور ان تمام باتوں کی بنیاد یہ ہے کہ دل پر محبتِ خداوندی کا غلبہ ہو اور اس سے دنیا کی محبت نکل جائے حتیٰ کہ اس کے ساتھ ارادہ پکا ہو جائے اور نیت صحیح ہو اور یہ اسی وقت حاصل ہو گا جب وہ معرفت میسر ہو جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

سوال:

یہ سب کچھ کرنے کے بعد اب کس چیز کا خوف ہو گا۔

جواب:

اب اس بات کا خوف ہو گا کہ شیطان اسے دھوکہ دے اور مخلوق کو وعظ و نصیحت کرنے اور دینِ الٰہی سے جو کچھ

حاصل کیا ہے لوگوں کو اس کی دعوت دینے کی طرف بلائے تو مرید مخلص جب اپنے نفس کی تہذیب و عادات سے فارغ ہوتا ہے اور دل کی نگرانی کرتا ہے حتی کہ اسے تمام کدورتوں سے پاک کر دیتا ہے، صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے دنیا اس کی نگاہ میں چھوٹی دکھائی دیتی ہے لہذا اسے چھوڑ دیتا ہے مخلوق سے اس کی طمع ختم ہو جاتی اور وہ ان کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اب اس کا ایک مقصد رہ جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے ذکر سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اس کی ملاقات کا شوق رکھتا ہے اور شیطان اسے گمراہ کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس کے پاس دنیا اور نفس کی خواہشات کے ذریعے آیا لیکن اس نے شیطان کی اطاعت نہ کی تو اب وہ دین کے حوالے سے آتا ہے اور اسے مخلوق خداوندی پر رحمت ان کے دین پر شفقت، ان کے لیے وعظ و نصیحت اور ان کے لیے دعا کی ترغیب دیتا ہے۔

اس وقت بندہ جب رحمت کی نگاہ سے لوگوں کو دیکھتا ہے تو وہ اپنے کاموں میں سرگرداں ہوتے ہیں دین کے حوالے سے بہرے اور اندھے ہوتے ہیں اور ان پر ایک بیماری غالب ہوتی ہے جس کا انہیں کوئی علم نہیں ڈاکٹر بھی نہیں اور وہ مرنے کے قریب ہو جاتے ہیں تو اس کے دل میں ان پر رحمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ حقیقت معرفت بھی ہے جس کے ذریعے وہ ان کو ہدایت دے ان کی گمراہی کو واضح کرے اور نیکی کی طرف بلائے وہ کسی تھکاوٹ، مشقت اور تاوان بھرنے کے بغیر بتا سکتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسے بہت بڑی بیماری لاحق ہو جس کا درد برداشت نہ کر سکے وہ اس وجہ سے دن رات بے چین رہتا ہے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ حرکت کرتا ہے اور نہ ہی کوئی کام کرتا ہے کیوں کہ اسے شدید درد ہے اب اس کے لیے ایک دوائی مہیا ہوتی ہے جو آسان ہے عمدہ ہے اور کسی قیمت کے بغیر ملی ہے اس کے استعمال میں تلخی بھی نہیں ہے وہ استعمال کر کے ٹھیک ہو جاتا ہے اور اسے تندرستی حاصل ہو جاتی ہے اور طویل شب بیداری کے بعد اسے رات کو نیند آتی ہے اور سخت تکلیف کے بعد اب دن کو بھی سکون ملتا ہے اسے کی زندگی انتہائی پریشان کن ہونے کے بعد اچھی ہو جاتی ہے اور اسے طویل بیماری کے بعد صحت کی لذت حاصل ہوتی ہے پھر وہ کئی مسلمانوں کو اس بیماری میں مبتلا دیکھتا ہے ان کی راتیں جاگ کر گزرتی ہیں اور وہ بہت پریشان ہیں ان کی فریاد آسمان تک پہنچتی ہے اسے یاد آتا ہے کہ ان کا علاج وہی ہے جس کی اسے پہچان ہے اور وہ بڑی آسانی سے اور چند دن میں ان کا علاج کر سکتا ہے اب اسے رحم آتا ہے اور وہ ان سے علاج میں تاخیر برداشت نہیں کر سکتا۔

اسی طرح مخلص آدمی جب خود راہ راست پر چل پڑتا ہے اور قلبی بیماریوں سے شفایاب ہو جاتا ہے تو وہ مخلوق کو دیکھتا ہے کہ ان کے دل بیمار ہیں اور علاج نہایت مشکل ہے وہ لوگ ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں اور اس کے لیے ان کا علاج کرنا آسان ہے چنانچہ وہ نصیحت کے ذریعے ان لوگوں کے علاج کا عزم صحیح لے کر اٹھتا ہے اور شیطان بھی اسے ترغیب دیتا ہے اور سوچتا ہے کہ اسی بہانے راستہ مل جائے چنانچہ جب وہ وعظ و نصیحت میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان کو فتنہ بازی کا راستہ مل جاتا ہے اور وہ اس ریاکاری کی دعوت دیتا ہے اور یہ ریا چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتی ہے

اور مرید کو اس کا علم نہیں ہوتا یہ مخفی ریا مسلسل جاری رہتا ہے حتیٰ کہ اسے مخلوق کے لیے تصنع اور بناوٹ کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اچھے اچھے الفاظ استعمال کرے اور خوش آوازی سے وعظ کرے اسی طرح اس کے لباس اور طور طریقوں میں بھی بناوٹ آ جاتی ہے اب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس کی تعظیم کرتے ہیں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ اس کی عزت کی جاتی ہے اور وہ اس کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں کیوں کہ وہ اسے اپنی بیماریوں کا معالج سمجھتے ہیں کہ وہ کسی لالچ کے بغیر محض رحمت و شفقت سے ان کا علاج کرتا ہے چنانچہ وہ اپنے باپ دادا، ماؤں اور قریبی رشتہ داروں سے بھی بڑھ کر اس سے محبت کرتے ہیں چنانچہ وہ اپنے مال و جان سے اس کی خدمت کرتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں وہ اس کے خدام اور غلاموں کی طرح ہو جاتے ہیں وہ اس کی خدمت کرتے اور مجالس میں اسے آگے کرتے ہیں بلکہ بادشاہوں اور حکمرانوں سے بھی زیادہ مانتے ہیں۔

اس وقت طبیعت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور نفس پھول جاتا ہے اور وہ بہت زیادہ لذت پاتا ہے وہ باقی تمام لذتوں کو بھول جاتا ہے اسے دنیا کی اس قدر خواہش پیدا ہوتی ہے کہ باقی تمام خواہشات اس کے سامنے ہیچ ہوتی ہیں اور وہ ترکِ دنیا کے باوجود اس کی بڑی بڑی لذات کا شکار ہو جاتا ہے اس وقت شیطان کو موقعہ ملتا ہے اور وہ اس کے دل کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے اور اسے ایسے کام میں لگا دیتا ہے جس سے یہ لذت محفوظ رہے۔

طبیعت کے ہیجان اور نفس کے شیطان کی طرف جھکاؤ کی علامت یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے اور لوگوں کے سامنے اس پر اعتراض کیا جائے تو اسے غصہ آتا ہے اور اگر دل میں اس غصے کو برا سمجھے تو شیطان فوراً آگے بڑھ کر اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ یہ غصہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کیونکہ جب تک مریدین اس کے بارے میں اچھا عقیدہ نہیں رکھیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے الگ رہیں گے اس طرح وہ دھوکے میں آجاتا ہے بلکہ بعض اوقات وہ اس اعتراض کرنے والے کی غیبت کرنے لگتا ہے اور یہ حرام کام ہے اور وہ تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے جو قبولیتِ حق اور اس پر شکر نہ کرنے کا نام ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ محض خطرات سے بھی بچتا تھا اسی طرح جب وہ ہنستا ہے یا بعض اوراد میں کمی واقع ہوتی ہے تو نفس پریشان ہو جاتا ہے کہ کہیں لوگوں کو اس کا علم نہ ہو جائے ورنہ قبولیت باقی نہیں رہے گی اس خیال سے وہ استغفار کرتا اور اونچی اونچی سانس لیتا ہے اور بعض اوقات اس مقصد کے لئے وہ اعمال و اوراد میں اضافہ کرتا ہے اور شیطان اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تو یہ کام اس لیے کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے کے بارے میں ان کی رائے میں کوئی کمی نہ آئے اور وہ اس راستے کو چھوڑ نہ بیٹھیں یہ دھوکہ اور مغالطہ ہے۔

بلکہ نفس کی پریشانی اس بنیاد پر ہے کہ یہ مقام و مرتبہ چلا نہ جائے یہی وجہ ہے کہ جب اس جیسے دوسرے لوگوں کے ایسے عمل پر لوگ مطلع ہوں تو اسے کوئی پریشانی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور اگر اسے معلوم ہو کہ اس جیسے کسی دوسرے شخص کی بات لوگ ماننے لگے ہیں ان کے دل اس کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور اس کی بات کا

اثر زیادہ ہو رہا ہے تو اسے یہ بات شاق گذرتی ہے اور اگر اسے اپنی شہرت مطلوب نہ ہوتی اور اس سے لطف اندوز نہ ہوتا تو اس بات کو غنیمت جانتا۔

اس کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کو دیکھتا ہے کہ وہ کنویں میں گر گئے ہو، اور کنویں کا منہ ایک بہت بڑے پتھر سے بند ہو چکا ہے اور وہ کسی سبب سے اوپر نہیں آسکتے اب اس کا دل ان بھائیوں کے لیے نرم ہوتا ہے اور وہ اگر کنویں کے منہ سے پتھر کو ہٹانا چاہتا ہے لیکن مشکل پیش آتی ہے اب ایک دوسرا شخص اس کی مدد کو آتا ہے حتیٰ کہ اس کے لیے پتھر ہٹانا آسان ہو جاتا ہے یا وہ (دوسرا) خود تنہا اس کو ہٹا لیتا ہے تو یقیناً اس بات پر اسے خوشی ہو گی کیوں کہ اس کا مقصد اپنے ان بھائیوں کو کنویں سے نکالنا ہے۔

تو جس واعظ کا مقصد یہ ہو کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو جہنم سے دُور رکھے اب کوئی اس کی مدد کرے یا اکیلا ہی یہ کام کر دے تو اس کا یہ عمل اس پر بوجھ نہیں بننا چاہیے دیکھئے اگر وہ تمام لوگ خود بخود ہدایت یافتہ ہو جائیں تو کیا اسے یہ بات گراں گزرے گی اگر اس کا مقصد ان کو ہدایت دینا ہو؛

تو جب کسی دوسرے آدمی کے ذریعے ان کو ہدایت مل جائے تو اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے لیکن جب دل میں یہ بات پیدا ہوتی ہے تو شیطان اسے تمام کبیرہ گناہوں کی دعوت دیتا ہے اور بے حیائی کے کام کرواتا ہے ہم ہدایت کے بعد دلوں کے ٹیڑھا ہونے اور نفس کی دوستگی کے بعد اس کی کجی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

سوال:

لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے میں کب مشغول ہونا صحیح ہے؛

جواب:

جب اس کا مقصد صرف رضائے خداوندی کے حصول کے لیے ان کو ہدایت دینا ہو اور وہ اس بات کو پسند کرے کہ اگر وہ کسی مددگار کو پائے یا وہ خود بخود ہدایت پائیں تو اچھا ہے۔ اس کی یہ لالچ بالکل نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اس کی تعریف کریں یا نذرانے پیش کریں اس کے نزدیک ان کا تعریف کرنا اور مذمت کرنا برابر ہونا چاہیے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعریف کرتا ہے تو اسے ان کی مذمت کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعریف نہ ہو تو ان کی جانب سے تعریف پر خوش نہیں ہونا چاہیے وہ لوگوں کو سادات کی طرح دیکھے کہ ان پر تکبر نہیں کیا جاتا اور ان سب کو اپنے آپ سے بہتر سمجھے کیونکہ خاتمے کا علم نہیں اور ان کو اس طرح دیکھے جس طرح جانوروں کو دیکھتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اپنے مقام و مرتبہ کی طمع نہ رکھے کیونکہ آدمی کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ جانور اسے کس نگاہ سے دیکھتے ہیں لہٰذا وہ ان کے لیے زیب و زینت اختیار نہیں کرتا مگر جانوروں کو چرانے والے کا مقصد صرف جانوروں کو چرانا اور ان سے بھیڑیئے وغیرہ کو دور کرنا ہوتا ہے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ جانور اسے دیکھیں۔

توجب تک لوگوں کو جانوروں کی طرح نہیں دیکھے گا کہ ان کی نظر کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور نہ اس بات کی پرواہ کی جاتی ہے اس وقت تک ان کی اصلاح میں مشغول ہونے سے صحیح سالم نہیں بچے گا ہاں بعض اوقات وہ ان کی اصلاح کرتا ہے لیکن خود اس کا اپنا نفس بگڑ جاتا ہے جیسے چراغ دوسروں کو روشنی دیتا ہے اور اپنے آپ کو جلا دیتا ہے۔

سوال:

اگر تمام واعظین اس لیے وعظ کرنا چھوڑ دیں کہ انہیں یہ مقام حاصل نہیں ہے تو دنیا وعظ و نصیحت سے خالی ہو جائے اور دل خراب ہو جائیں۔

جواب:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ۔ (۱) دنیا کی محبت تمام گناہوں کی اصل ہے۔

اگر لوگ دنیا سے محبت نہ کرتے تو دنیا ہلاک ہو جاتی اور زندگی معطل ہو جاتی نیز دل اور بدن دونوں ہلاک ہو جائیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ دنیا کی محبت ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور اس بات کے ذکر سے کہ وہ مہلک ہے اکثر لوگوں کے دلوں سے یہ محبت نہیں جاتی صرف چند لوگ اس محبت کو ترک کریں گے اور ان کے چھوڑنے سے دنیا برباد نہیں ہوگی اس لیے آپ نے وعظ و نصیحت کو بھی ترک نہیں اور اس محبتِ دنیا میں جو خطرہ ہے اس سے بھی آگاہ کیا کیونکہ اس بات کا ڈر ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے والی خواہشات کے سپرد کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مسلط کی ہیں تاکہ وہ اسے جہنم کی طرف لے جائے اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تصدیق ہے۔

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (۲) لیکن میری طرف سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ میں ضرور بضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔

اسی طرح واعظین کو بھی اس لیے وعظ سے نہیں روکنا چاہیے کہ ان کے دل میں شہرت کی خواہش پیدا ہوگئی اور کسی شخص کے اس قول پر بھی نہ چھوڑے کہ مقام و مرتبہ کے حصول کے لیے وعظ کرنا حرام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے باوجود کہ شراب، زنا، چوری، ریاکاری، ظلم اور تمام گناہ حرام ہیں وہ ان کاموں کو ترک نہیں کرتا تو اپنے نفس کی طرف دیکھو اور لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ نہ دو کیوں کہ اللہ تعالیٰ ایک یا زیادہ خراب لوگوں کے ذریعے بہت سے لوگوں کی اصلاح فرماتا ہے ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) شعب الایمان حدیث ۱۰۵۰۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ السجدہ آیت ۱۳

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ (۱) اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دوسرے بعض کے ذریعے دور نہ کرتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔

اور اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں کے ذریعے بھی کرتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں لیکن یہ خوف ضرور ہے کہ وعظ و نصیحت کا راستہ ہی بند ہو جائے اور واعظین کی زبانوں کو اس لیے بند کر دیا کہ ان کا مقصد جاہ و مرتبہ کا حصول اور دنیا کی محبت ہے، تو ایسا ممکن نہیں ہے اور یہ کبھی بھی نہ ہو گا۔

سوال :

اگر مرید کو اس شیطانی مکر و فریب کا علم ہو جائے اور وہ اپنے نفس کی اصلاح میں مصروف ہو کر وعظ نصیحت چھوڑ دے یا وہ وعظ تو کرے لیکن اس میں صدق و اخلاص کی شرط کو ملحوظ رکھے تو اب اسے کس بات کا خوف ہو گا اور اب اس کے سامنے کونسے خطرات اور دھوکے کے اسباب ہوں گے ؟

جواب :

اس سے بھی بڑا خطرہ باقی رہے گا وہ یوں کہ شیطان اس سے کہتا ہے تم نے مجھے عاجز کر دیا اور اپنی سمجھداری اور کمال عقل کے ذریعے مجھ سے ذبح نکلے حالانکہ میں نے تو بڑے بڑے اولیاء کو قابو کیا لیکن تم میرے قابو میں نہ آ سکے تم بہت بڑے صابر ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا مقام و مرتبہ کس قدر عظیم ہے کہ اس نے تمہیں میرے قہر پہ طاقت دی اور تمہاری سمجھداری کی وجہ سے دھوکہ وہی کے میرے تمام راستوں پر قابو دیا اب وہ شخص اس کی بات سن کر تصدیق کرتا ہے اور اس بات پر اتراتا ہے کہ شیطان کے دھوکے سے بچ گیا حالانکہ یہ خود پسندی ہی بہت بڑا دھوکہ ہے اور بہت بڑی مہلک بیماری ہے خود پسندی تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے اسی لیے شیطان کہتا ہے اے ابن آدم! اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ تو اپنے علم کی وجہ سے مجھ سے بچ جائے گا تو اپنی جہالت کی وجہ سے تو میرے پھندے میں پھنسے گا۔

سوال :

اگر وہ خود پسندی میں مبتلا نہ ہو بلکہ یوں سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے خود اس کی ذات کی طرف سے نہیں اور اس جیسے لوگ شیطان کے مکر و فریب کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد کے بغیر دور نہیں کر سکتے اور جو آدمی اپنے نفس کی کمزوری اور عاجزی کو جان لے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے لیکن جب اس قسم کے عظیم کام پر قادر ہو جائے تو جان لیتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر شیطان پر قادر نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ قوت حاصل ہوئی ہے تو اب خود پسندی کی نفی کے بعد کس بات کا خوف ہو گا ؟

جواب :

ہاں اس بات کا خوف ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دھوکہ کھائے اس کے کرم پر تکیہ کر بیٹھے اور اس کی خفیہ تدبیر

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۵۱

سے بے خوف ہو جائے حتیٰ کہ وہ سمجھے کہ وہ مستقبل میں بھی اسی طریقے پر رہے گا اور اسے کسی قسم کے فتور اور انقلاب کا خطرہ نہ ہوگا۔ اب اس کی حالت یہ ہوگی کہ اس نے صرف اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کر لیا اور اس کی خفیہ تدبیر سے خوف کو اس کے ساتھ نہیں ملایا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہو جائے وہ بہت زیادہ نقصان اٹھاتا ہے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سمجھے پھر اپنے نفس پر اس بات کا خوف رکھے کہ کوئی بری صفت مثلاً دنیا کی محبت ریاکاری، بداخلاقی اور مغالطہ وغیرہ کو دل سے دور نہ کر سکا ہو۔ اور وہ اس بات سے غافل ہوا سے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اپنی حالت کے سلب ہونے سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہ ہو اور نہ خاتمے کے خطرے سے غافل ہو یہ وہ خطرہ ہے جس سے اسی وقت جان چھوٹے گی جب پل صراط سے گزر جائے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کسی ولی کے وصال کے وقت شیطان سامنے آیا اور ابھی ایک سانس باقی تھا تو اس نے کہا حضرت! مجھ سے بچ نکلے، فرمایا ابھی تک نہیں اسی لیے کہا گیا ہے علماء کے علاوہ سب لوگ ہلاک ہونے والے ہیں اور علماء تمام ہلاک ہونے والے ہیں مگر عمل کرنے والے (ہلاک نہیں ہوں گے) اور عمل کرنے والے تمام ہلاک ہوں گے سوائے مخلص لوگوں کے اور مخلص لوگوں کو بھی بڑا خطرہ ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو شخص دھوکے میں ہے وہ ہلاک ہونے والا ہے اور مخلص آدمی جو غرور اور دھوکے سے بچتا ہے وہ بھی خطرے میں ہے یہی وجہ ہے کہ خوف اور پرہیز اولیاء کرام کے دلوں سے کبھی جدا نہیں ہوا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے مدد، توفیق اور حُسن خاتمہ کا سوال کرتے ہیں کیونکہ خاتمے کا اعتبار ہوتا ہے ——— غرور کی مذمت کا بیان مکمل ہوا اور اسی کے ساتھ ہلاکت خیز امور کا بیان بھی اختتام کو پہنچا اس کے بعد چوتھی جلد میں نجات دینے والے امور کا ذکر ہوگا اور اس کا آغاز کتاب التوبہ سے ہوگا اول و آخر تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس عظیم شخصیت پر ہو جن کے بعد کوئی نبی نہیں اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت بلند اور عظیم اللہ ہی عطا فرماتا ہے ———

الحمد للہ آج مورخہ ۱۷ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ / ۱۴ مئی ۱۹۹۸ء بروز جمعرات دن کے گیارہ بج کر ستاون منٹ پر احیاء علوم الدین کی تیسری جلد کا ترجمہ مکمل ہوا اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو راقم کے لیے ذریعہ نجات اور قارئین کے لیے اصلاح کا باعث بنائے آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد صدیق ہزاروی

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور